شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی

★

ناشر

اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار۔ لاہور

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ

حضرت شیخ الکل فی الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی متوفی ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۰ء

کے

مکتوبہ اور مصدقہ فتاویٰ کا بینظیر مجموعہ

# فتاویٰ نذیریہ

مبوّب و مترجم

جلد اوّل

ناشر

## اہل حدیث اکادمی

کشمیری بازار لاہور

257
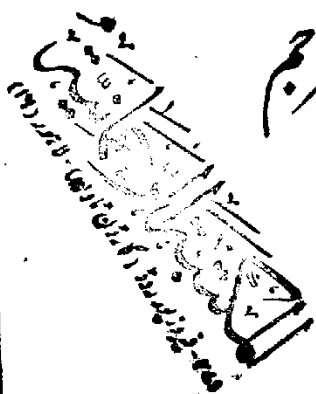
ن ذ ی - ف سلسلہ مطبوعات نمبر ۱۵

طابع ............ شیخ محمد اشرف

ناشر ............ اہلحدیث اکادمی لاہور

مطبع ............ اشرف پریس لاہور

تاریخ اشاعت

طبع اول ............ ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۴ء

طبع ثانی ............ ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۱ء

قیمت

جلد اول مجلد ......... ۱۸ روپے

جلد دوم مجلد ......... ۱۵ روپے

جلد سوم مجلد ......... ۱۲ روپے

کامل سیٹ ۴۵ روپے
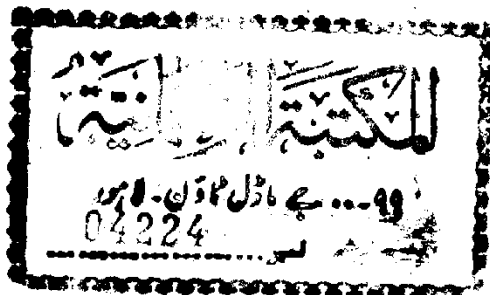
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

# تصدیر

اللہ عزوجل کی توفیق سے علمائے اہل حدیث کثر اللہ سوادہم نے برصغیر میں اسلام کی تجدیدی خدمات کے سلسلہ میں ایک بنیادی خدمت یہ ہے کہ "فقہ الحدیث" کے موضوع پر عربی، فارسی اور اردو میں مدلل اور مخصوص قسم کی کتابوں کا ایک وافر ذخیرہ نہ صرف کہ تیار رہا بلکہ طبع و اشاعت کے ذریعہ (متحدہ) ہندوستان کے کونے کونے تک ان کو پھیلا بھی دیا۔ جزاھم اللہ تعالیٰ

"فقہ الحدیث" کا موضوع اسلام کی پوری تعلیم پر حاوی ہے جس میں عقائد، عبادات، معاشرت، معیشت، سیاست، اخلاق وغیرہ سارے مسائل پر خالص قرآن وحدیث کی تصریحات اور سلف امت —— صحابہ وتابعین وفقہائے محدثین —— کی تنقیحات کی روشنی میں مسائل کا حل موجود ہے۔ معتدل طریق فکر و عمل سے روزمرہ پیش آنے والے مسائل کا حل موجود ہے۔ مثال کے لئے اس مبارک فن —— فقہ الحدیث —— کی ایک اہم کتاب "فتاویٰ نذیریہ" کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جو اس وقت آپکے سامنے ہے۔

فتاویٰ نذیریہ —— میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سلسلۂ فکر کے گل سرسبد حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید محمد نذیر حسین [ف ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۰ء] نور اللہ مرقدہٗ اور آپ کے تلامذہ کرام کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ایک عظیم مجموعہ ہے جو بیشتر تحقیقات نادرہ پر مشتمل ہے۔ گو یہ ضروری نہیں کہ ہر مسئلے میں ہر شخص کسی مفتی سے اتفاق کرسکے یا یہ کہ کسی استدلال میں کوئی خامی نہ ہو۔

دو ضخیم جلدوں کا یہ فتاویٰ حضرت موصوف کے دو خصوصی شاگردان رشید حضرت مولانا محمد شمس الحق محدث عظیم آبادیؒ [ف ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء] اور مولانا محمد عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ [ف ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۴ء] کی مساعی حسنہ نیز نظر ثانی اور حضرت مولانا محمد شرف الدین دہلویؒ [ف ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء] کی تصحیح و مختصر تعلیقات سے حضرت اقدس کے نبیرگان کے اہتمام سے ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۲ء میں دہلی سے شائع ہوا۔

یہ فتاویٰ کافی مدت سے اب بالکل ناپید ہوگیا تھا جب کہ اس کی ضرورت بعض وجوہ سے سابقہ دور سے بھی زیادہ ہے قدیم تعلیم کے علماء، طلباء اور متوسط درجے کے عوام کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا بھی ایک حلقہ فقہ الحدیث کی کسی جامع سی کتاب کا متلاشی ہے۔

چند سال ہوتے ہیں کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف نے "اہل حدیث اکادمی" کے منصرم جناب شیخ محمد اشرف صاحب سے مزید تنقیح کے بعد فتاویٰ نذیریہ سے طبع ثانی کی ضرورت اور اہمیت بیان کی تو شیخ صاحب آمادہ ہو گئے۔

حضرت مولانا محمد اسماعیلؒ (گوجرانوالہ) نے یہ ارشاد فرمایا کہ ان فتاویٰ میں آمدہ عربی فارسی عبارتوں کے اردو ترجمے بھی ساتھ ہو جائیں تاکہ اردو دان طبقہ بھی اس سے مستفید ہو سکے۔ چنانچہ ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء میں کام شروع کر دیا گیا۔ اور چار سال کی محنت شاقہ اور صرف زرکثیر کے بعد بحمد اللہ پوری کتاب ——— جو اب تین ضخیم جلدوں میں ہے ——— طباعت کے سارے مراحل طے کر کے نظر نواز ناظرین ہے۔

موجودہ اشاعت چند باتوں میں سابقہ اشاعت سے ممتاز نظر آئے گی۔

بعض مسائل، متعلقہ ابواب کے سوا دوسرے ابواب میں ضمناً آگئے تھے (مثلاً نماز کے بعض مسائل بیوع یا نکاح (مثلاً) کے سوالات کے ساتھ مذکور ہو گئے تھے) لیکن موجودہ اشاعت میں ان سے اکثر کو ہر مسئلہ متعلقہ موضوع کے تحت لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

عموماً عربی اور فارسی عبارتوں کے اردو ترجمے حاشیہ میں کر دیئے گئے ہیں۔

فہرست مضامین سابق سے زیادہ تفصیلی ہے۔

فتاویٰ میں مذکور مفتیان کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اور مصدقین کے اسمائے گرامی کی ایسی فہرست آخر میں لگا دی گئی ہے جس سے معلوم ہو سکے گا کہ کس مفتی یا مصدق کا فتویٰ یا تصدیق کون کون سے صفحہ میں ہے۔

امید ہے کہ یہ کاوش افادیت میں اضافہ کا سبب ہو گی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اشاعت دین کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو اخلاص کی نعمت سے نوازے۔ آمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ وسلم۔

یوم الترویہ ۱۳۹۰ھ

خاکسار۔ نذیر احمد سبحانی
مینجر اہلحدیث اکادمی لاہور

# فہرست مضامین استفتاہائے مجموعہ فتاویٰ نذیریہ جلد اول

## کتاب الایمان والعقائد

## کتاب التقلید والاجتہاد

# كِتَابُ الْاِعْتِصَامِ بِالسُّنَّةِ وَالْاِجْتِنَابُ عَنِ الْبِدْعَةِ

# كِتَابُ الْعِلْمِ



# كِتَابُ الطَّهَارَةِ

## کتاب المساجد

# کتاب الصلوٰۃ

## کتاب الجمعۃ

## كِتَابُ الْعِيْدَيْن



## كِتَابُ التَّرَاوِيْح

# کتاب الجنائز

## کتاب ایصال ثواب الی الموتیٰ

# تمہید

(طبع اوّل)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا اَسْبَغَ عَلَیْنَا نِعْمَۃً فِی الْقَدِیْمِ وَالْحَدِیْثِ وَاَرْسَلَ اِلَیْنَا رَسُوْلَہُ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ بِاَحْسَنِ الْحَدِیْثِ الَّذِیْ بَیَّنَ لَنَا مَا اُحِلَّ لَنَا فِیْہِ مِنَ الطَّیِّبِ وَحَرَّمَ عَلَیْنَا مِنَ الْخَبِیْثِ وَوَضَعَ عَنَّا اٰصَارَ الرُّسُوْمِ وَاَغْلَالَ الْاَوْھَامِ فَسِرْنَا بِلَفْظِہِ السَّیْرَ الْحَثِیْثَ وَاَوْصٰی اِلٰی اَصْحَابِہٖ وَخُلَّصِ اَحْبَابِہٖ اَنْ یُّبَلِّغُوْا عَنْہُ مَا سَمِعُوْا مِنَ الْحَدِیْثِ فَبَذَلُوْا جُھْدَھُمْ فِیْ اِشَاعَۃِ عِلْمِہٖ وَاِذَاعَۃِ اَمْرِہٖ بِالسَّیْرِ السَّرِیْعِ وَالطَّلَبِ الْحَثِیْثِ فَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ وَعَلٰی مَنْ جَلَسَ مَجَالِسَ الْعِلْمِ لِلْحَدِیْثِ اَمَّا بَعْدُ

اس مجموعہ فتاویٰ کے قدرے حالات، ہدیہ ناظرین کرنے بھی خالی از دلچسپی نہیں اس لئے عرض ہے کہ حضرت مولانا شمس العلماء مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب المعروف میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو فتوے خود لکھے یا تلامذہ و فرزندان وغیرہم سے لکھوائے اور اُن کو اپنی مہر و دستخط و اصلاح سے مزین فرمایا۔ اگر یہ سب دستیاب ہوتے تو یقیناً فتاویٰ عالمگیری سے چہار چند یا اس سے بھی زائد ہو جاتے مگر حضرت ممدوح کے زمانہ میں نہ اس کا خیال ہوا نہ نقل فتووں کی مہلت ملی مگر چند سال عالیجناب مولوی سید محمد شریف حسین صاحب مرحوم والد ماجد احقران نے نقل کا التزام کیا مگر صاحب موصوف کی عمر نے وفا نہ کی اور چند حوادثات مثل کثرت برسات و تبدیلی مکانات وغیرہ سے یہ مجموعہ بھی مجموعہ پریشانی ہی میں رہا۔ اور سوءِ اتفاق سے ایک بار آتشزدگی نے سامان خانہ داری کے علاوہ اس مجموعہ پر بھی ہاتھ صاف کرنا چاہا مگر عجب اتفاق ہے کہ یہ مجموعہ بالکل ضائع نہ ہوا۔ البتہ اس کے درست و مرتب کرنے میں محنت کثیر و زر خطیر صرف کرنا پڑا اگرچہ اس کام میں دیر لگی اور حضرت میاں صاحب موصوف کے بعض معتقدین نے بعد انتظار بسیار ناامیدی سی اختیار کر لی مگر جن اجزائے سوختہ و پریشان اور جن جواہر زواہر کو فراہم و اندوختہ کرنا تھا اس

کے مرتب و منسلک کرنے میں جناب مولوی شمس الحق صاحبؒ مرحوم ڈیانوان نے اور مولوی عبدالرحمن صاحب مبارک پوریؒ نے جس قدر محنت و جانفشانی سے کام کیا ہے وہی اس کے شاہد عادل بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ فتاوی کس قدر دقت اور صرف سے مہیا و مرتب ہوئے ہیں بایں ہمہ علمائے کرام و ناظرین خواص و عوام سے استدعا ہے کہ جو سہو و اغلاط اس میں پائیں اس کی اصلاح فرماکر خاکساران کے ذمہ لگائیں اور جس قدر حظ و فائدہ ان سے اٹھائیں۔ اس کے بدلے ہم عاجزان کو بھی دعا خیر میں شریک فرمائیں ؎

جمادے چند دادم جان خریدم
بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

**الملتمسان سید محمد عبدالسلام و سید محمد ابوالحسن غفر لہما**
(نبیرگان حضرت میاں صاحبؒ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# جلد اوّل

# کتاب الایمان والعقائد

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس عقیدہ میں، کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اپنے نور میں سے جدا کیا، اور اس کا نام محمد رکھا، پھر اس نور کو حکم کیا، کہ تو مخلوقات کو پیدا کر چنانچہ اس نور کے ہر ایک عضو و پسینہ سے آسمان و زمین و عرش و کرسی و لوح و قلم وغیرہ پیدا ہوئیں، بلکہ بہشت و دوزخ و فرشتے وغیرہ سب اس نور سے ظاہر ہوئے، جیسا کہ مفصل رسالہ معروف نور نامہ میں مذکور ہے، دلائل واضح سے بیان فرمائیں بینوا بالایات والحدیث توجروا:۔

**الجواب:**۔ یہ بات بالکل غلط اور خطا ہے، اور مخالفت اس کی نصوص سے ظاہر ہے، کیونکہ نصوص ظاہرہ اس پر دلالت کرتی ہیں، کہ سب سے پہلے عرش اور پانی پیدا ہوئے، بعد اس کے پیدائش زمین و آسمان اور سب چیز کی ہوئی، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء۔ کمالین حاشیہ جلالین میں ہے ای فوقہ یعنی ماکان تحتہ قبل خلق السموات والارض الا الماء وفیہ دلیل علی ان العرش والماء کانا مخلوقین قبل خلق السموات والارض۔

اور امام بخاری علیہ الرحمۃ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ جئنا لنتفقہ فی الدین ولنسألک عن اول ھذا الامر ما کان قال کان اللہ ولم یکن شئ

---

لہ اور اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، اور اس کا عرش پانی پر تھا لہ یعنی اس کے اوپر تھا یعنی عرش الٰہی کے نیچے آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے پانی کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی، اس میں دلیل ہے، کہ عرش اور پانی کی تخلیق آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے ہو چکی تھی ۳ہ ہم آپ کے پاس دین سمجھنے کے لئے آئے ہیں، اور یہ بھی

قبلہ وکان عرشہ علی الماء ثم خلق السموات والارض رواہ البخاری۔ مشکوۃ باب بدء الخلق۔ کہا شیخ عبدالحق نے لمعات میں دل الحدیث علی ان العرش والماء کانا مخلوقین قبل السموات انتہی۔

وعن[2] عائشۃ رضی اللہ عنہا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال خلقت الملئکۃ من نور وخلق الجان من مارج من نار وخلق آدم مما وصف لکم رواہ مسلم مشکوۃ باب بدء الخلق۔ یہ حدیث صاف دلالت کرتی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مٹی سے پیدا ہوئے، نہ کہ اللہ تعالے نے آپ کو اپنے نور سے جدا کیا، کیونکہ آپ اولاد آدم علیہ السلام میں سے ہیں اور آدم علیہ السلام کی پیدائش اور چیزوں کی پیدائش سے پیچھے ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ عن[3] ابی ھریرۃ قال اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی فقال خلق اللہ التربۃ یوم السبت وخلق فیھا الجبال یوم الاحد وخلق الشجر یوم الاثنین وخلق المکروہ یوم الثلثاء وخلق النور یوم الاربعاء وبث فیھا الدواب یوم الخمیس وخلق آدم بعد العصر من یوم الجمعۃ فی اخر الخلق واخر ساعۃ من النھار فیما بین العصر الی اللیل رواہ مسلم۔ مشکوۃ باب بدء الخلق۔

اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ آدم علیہ السلام اور چیزوں سے پیچھے مخلوق ہوئے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے جیسے اور تمام آدمی ان سے پیدا ہوئے، پس ثابت ہوا کہ کوئی چیز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پیدا ہوئی، اور نہ آپ سب چیز سے پہلے پیدا ہوئے، بلکہ سب سے پہلے پانی اور عرش عظیم پیدا ہوئے، بعد ان کے اور سب چیزیں پیدا ہوئیں، اور نہ

معلوم کرنا چاہتے ہیں، کہ اس دنیا کی ابتدا کس طرح ہوئی؟ آپ نے فرمایا سب سے پہلے اللہ تعالی ہی تھے، ان سے پہلے کوئی چیز نہ تھی، اور اس کا عرش پانی پر تھا، پھر اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس کو بخاری نے روایت کیا ۱۲ [1] حدیث دلالت کرتی ہے، کہ عرش اور پانی آسمانوں کی پیدائش سے پہلے پیدا شدہ ہیں ۱۲ [2] حضرت عائشہ رضی سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں، اور جنوں کی تخلیق آگ کے شعلہ سے ہوئی، اور آدم کی پیدائش تم کو پہلے بتا ہی دی گئی ہے اس کو مسلم نے روایت کیا ۱۲ [3] حضرت ابو ہریرہ رض کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا، اور فرمایا اللہ نے ہفتہ کے روز مٹی کو پیدا کیا، اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ بنائے، اور سوموار کے روز سبزیاں اور درخت پیدا کئے، اور تمام بری چیزیں منگل کے روز پیدا ہوئیں اور نور کی پیدائش بدھ کو ہوئی، اور جمعرات کے روز تمام جانور اس میں پھیلا دیئے، اور جمعہ کے دن عصر کے بعد آدم کو پیدا کیا گیا یہ خدا کی آخری مخلوق تھی جو آخری وقت میں پیدا ہوئی یعنی عصر سے لے کر رات تک اس کو مسلم نے روایت کیا۔

سے میرے اوپر درود وسلام پڑھتا ہے، وہ فرشتے اس درود وسلام کو میرے پاس پہنچا دیتے ہیں اور حضرت ابوہریرہ رض سے مرفوعاً یہ لفظ آئے ہیں، من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ رواہ البیہقی فی شعب الایمان یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود وسلام پڑھتا ہے، اس کو میں خود سن لیتا ہوں، اور جو کوئی شخص دور کا رہنے والا میرے اوپر درود وسلام پڑھتا ہے، وہ میرے پاس پہنچایا جاتا ہے یعنی فرشتے لاتے ہیں، پس اگر روح مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب گھروں اور سب مقاموں میں گشت کرتی ہوتی، تو حدیثوں میں یوں بیان آتا کہ جہاں کہیں میرا ذکر ہوتا ہے، یا درود وسلام پڑھا جاتا ہے میں سن لیتا ہوں یا موجود ہو جاتا ہوں، اور فرشتوں کے پہنچانے کی حاجت نہ ہوتی۔

افسوس! کہ مسلمان کہلاتے ہیں، اور عقیدے ایسے رکھتے ہیں جو قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہیں، یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر جگہ حاضر وناظر ہونا، اور ہر چیز کی ہر وقت خبر رکھنا خاص ذات وحدہٗ لاشریک لہ باری تعالیٰ کے واسطے ہے، کسی دوسرے کے واسطے اس صفت کو لگانا، یا سمجھنا کھلا ہوا شرک ہے، اس سے بہت بچنا اور پرہیز کرنا چاہیئے، واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ وعلی آلہ واصحابہ وسائر عباد اللہ الصالحین۔ حررہ حمید اللہ عفی عنہ ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۶ھ

سید محمد نذیر حسین

**سوال** شخصے درحالت نزع بزبان انگریزی مضمون شہادتین وکلمہ طیبہ ادا کردہ جان بحق تسلیم نمود آیا خاتمہ او با ایمان تواں دانست یا نہ بدرگے از جماعت مجوزین قرأت کلام المجید بلسان عجم قائل ثبوت ایمان آں کس است بینوا توجروا۔

**الجواب:** بلاشبہ ایمان پر مرا جیسے اصبا کا مقام اسلمنا کے معتبر ہوا تھا، واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ ابوالحسن عفی عنہ | سید محمد ابوالحسن | سید محمد نذیر حسین

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے، کہ عیسیٰ موعود میں ہوں، اور وہ عیسیٰ مر گئے، سو ایسا دعویٰ کرنے والا کافر ہے یا مومن اور جو ایسے شخص کا معتقد ہو، وہ کیسا ہے؟

سوال دیگر: جن لوگوں کی عورتیں پردہ میں رہتی ہیں، مگر ناچ تماشہ وتعزیہ وغیرہ بے تکلف دیکھنے جاتی ہیں، اور شوہر وغیرہ مانع نہیں ہوتے، آیا یہ لوگ دیوث ہوتے یا نہیں، اور ان عورتوں پر کیسا

گناہ ہوگا۔ بینوا توجروا

**الجواب:** جو شخص اپنے کو عیسیٰ موعود کہتا ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا قائل ہے، وہ بڑا دجال، کذاب، منکر قرآن واحادیث متواترہ کا ہے، قال اللہ تعالیٰ وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ای قبل موت عیسیٰ کما قال ابن عباس و ابو ہریرہ وغیرھما من السلف وھو الظاھر کما فی تفسیر ابن کثیر وفتح القدیر للشوکانی ھکذا فی الفتح، یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے، کہ عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں، بلکہ زندہ ہیں، احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے، کہ آخر زمانہ میں شام میں ان کا ظہور ہوگا، دجال کو قتل کریں گے، لوگوں کو اس کے شر وفساد سے بچا دیں گے، ان کی دعا سے یاجوج ماجوج کی قوم ہلاک ہوگی، ان کے ہاتھ سے شر وفساد کا دروازہ بند ہو جاوے گا، جمیع اقوام یہود ونصاریٰ وغیرہ اسلام قبول کریں گے، عدل وانصاف سے سارا زمانہ معمور ہو جائے گا، سات برس تک یہی حالت رہے گی، پھر آپ دنیا سے رحلت فرما دیں گے، یہ قصہ تمام کتب احادیث وعقاید میں مرقوم ہے اور اس پر تمام اہل سنت والجماعت کا اعتقاد ہے، ہاں بعض فرقہ ضالہ نے احادیث نزول عیسیٰ کو حدیث انا خاتم النبیین سے منسوخ سمجھا، اور تناقض خیال کرکے جملہ احادیث صحاح کو رد کیا، ان کی سوء فہمی نے انہیں چاہ ضلالت میں ڈالا، فی الحقیقت کوئی تناقض نہیں ہے، کیونکہ اس میں شک نہیں، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، اور جو حضرت عیسیٰ کا نزول آخر زمانہ میں ہوگا، سو مستقل اور جدید شریعت کے ساتھ نہیں ہوگا،

بالجملہ جمیع اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں، اور جو شخص ان کی حیات کا منکر اور مثل یہود مردود کے قتل ہونے کا یا خود بخود فوت ہونے کا قائل ہو، اور اپنے آپ کو عیسیٰ کہتا ہو، ایسے شخص کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، اور جو شخص ایسے اعتقاد والے کا پیرو ہو، وہ بھی احاطہ اسلام سے باہر ہے، واللہ اعلم

جواب سوال ثانی، وہ عورتیں بڑی گنہگار وفاسقہ ہیں، اور ان کے شوہر جو ان کو روکتے نہیں، وہ بلا شبہ دیوث ہیں، حررہ عبد الحفیظ عفی عنہ، ۳۰ رجب ۱۳۱۶ھ سید محمد نذیر حسین

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تمام اہل کتاب ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لائیں گے، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے جیسا کہ ابن عباس رضی اور ابو ہریرہ رضی اور دیگر سلف صالحین نے کہا ہے، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے، جیسا کہ تفسیر ابن کثیر اور شوکانی کی فتح القدیر میں ہے، اور فتح البیان میں بھی مذکور ہے ۱۲

**سوال:**- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورہ زلزال کے معنی غلط سمجھے۔ وہ کہتا ہے، کہ حضرت عیسیٰ ؑ یوسف نجار کے بیٹے تھے، وہ کہتا ہے کہ حضرت رسول اکرم کو ابن مریم اور دجال کی خبر نہیں دی گئی، وہ کہتا ہے، کہ حضرت عیسیٰ کا انتقال ہوگیا، کشمیر میں قبر ہے، ایسے شخص کی اقتدا موجب نجات ہے یا نار، ایسا عقیدہ رکھنے والا کیسا ہے اور وہ مدعی ہے، کہ عیسیٰ موعود میں ہوں، اور کوئی عیسیٰ نہیں آئیگا، حضرت رسول اکرم خاتم النبیین نہیں اس کے اور ایسے صدہا عقیدے ہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب:**- ایسا عقیدہ رکھنے والا بلا شبہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، اور ایسے شخص کی اقتدا سراسر ضلالت و موجب نار ہے، جتنی باتیں اس شخص کے سوال میں نقل کی گئی ہیں، وہ محض غلط و باطل ہیں، اور الحاد و زندقہ کی باتیں ہیں، اس نالائق شخص نے رسول تو رسول خود اللہ تعالیٰ کو جھوٹا بنایا عیاذاً باللہ اللہ تو فرماتا ہے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی، اور فرماتا ہے ثم ان علینا بیانہ یعنی قرآن کے معنی اور مطلب کا بیان کر دینا، اور آپ کو سمجھا دینا ہمارے ذمہ ہے اور یہ نالائق کہتا ہے، کہ آپ نے سورہ زلزال کے معنی غلط سمجھے نعوذ باللہ من ذلک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قالت[2] انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا قال کذلک قال ربک ھو علی ھین ولنجعلہ ایۃ للناس ورحمۃ منا وکان امرا مقضیا یہ آیت اور مثل اس کے اور آیتیں صاف صاف ناطق ہیں، کہ عیسیٰ ؑ بن باپ کے پیدا ہوئے اور یہ نالائق کہتا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام یوسف نجار کے بیٹے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما[3] کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور یہ نالائق کہتا ہے، کہ آپ خاتم النبیین نہیں تھے، رسول اللہ صلعم تو قسم کھا کر فرماتے ہیں، کہ عیسٰی علیہ السلام اتریں گے، اور پھر آپ نے ان کے نازل ہونے کا پورا قصہ و نیز دجال کا مفصل حال بیان فرمایا ہے کما ھو مروی فی کتب الاحادیث اور یہ نالائق مردود کہتا ہے، کہ آپ کو ابن مریم اور دجال کی خبر نہیں دی گئی اور

---

[1] (نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتا وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی وحی ہوتی ہے [2] (مریم) نے کہا میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوگا، کہ مجھے ابھی تک کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا اور میں بدکار بھی نہیں ہوں (فرشتہ) نے کہا تیرے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے کہ اس کا پیدا کرنا میرے لئے بڑی آسان بات ہے، تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں اور ہماری طرف سے رحمت (کا اظہار) ہو، اور اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے [3] (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور آخری پیغمبر ہیں۔

عیسے کا انتقال ہوگیا، اور اپنے آپ کو یہ مردود عیسے موعود بتاتا ہے، الحاصل یہ شخص بالکل ملحد اور ضال مضل اور دجال وکذاب ہے، جمیع اہل اسلام کو لازم ہے، کہ ایسے شخص سے نہایت ہی احتراز کریں

حررہ محمد علی عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

**سوال**:- جو شخص ہمارے نبی محمد مصطفے احمد مجتبے صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے کچھ ذرہ بھی بغض رکھے، اور تمامی جہان پر آنحضرت کے بزرگ وافضل ہونے کا قائل نہ ہو، اور شفاعت کا اور آنحضرت کے خاتم النبیین ہونے کا انکار کرتا ہو، وہ کافر ہے یا نہیں بینوا۔

**الجواب**:- جس نے ایسا اعتقاد رکھا، وہ کافر ہے، جنت اس پر حرام ہے، ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست، وہ اللہ کا دوست، اور کوئی چاہے، کہ بعد بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلا وساطت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ سے دوستی رکھے وہ مردود ہے، ایسے ہی لوگوں کے واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل[1] ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اور فضیلت وبزرگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام جہان پر قرآن وحدیث سے صاف ظاہر وباہر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور کسی نبی کو اس لقب سے یاد نہیں فرمایا ہے، وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین اے نبی ہم نے تم کو سب کے واسطے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب المساجد ومواضع الصلوۃ میں ہے

عن[2] ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی المغانم وجعلت لی الارض طھورا ومسجدا وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون وفی روایۃ اعطیت الشفاعۃ اور دوسرے مقام میں ہے انا[3] سید ولد ادم اور خاتم الانبیاء ہونا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل آفتاب نیم روز کے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ سے واضح ولائح ہے

---

[1] آپ کہہ دیں، اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنالے گا ۱۲

[2] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے دوسرے انبیاء پر چھ فضیلتیں عطا کی گئی ہیں، میں جامع کلمات عطا کیا گیا ہوں، رعب سے میری مدد کی گئی ہے، میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں، میرے لئے تمام زمین وضو کے قائم مقام اور مسجد بنادی گئی ہے، میں تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور میرے ساتھ نبیوں کو ختم کیا گیا ہے، اور ایک روایت میں ہے مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے

[3] میں آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں ۱۲

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین[1] اور صحیح مسلم کے کتاب الفضائل میں ہے، باب کون نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بنیانا فاحسنہ واجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ من زوایاہ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ قال فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین وفی روایۃ فانا موضع اللبنۃ جئت فختمت الانبیاء علیہم السلام[2]

اور آنحضرت کا شفاعت کرنا قیامت میں اپنی امت کے لئے بلکہ تمام امتوں کے واسطے قرآن وحدیث سے خوب صاف ہر کسی کو معلوم ہو جاتا ہے کچھ پوشیدہ امر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وعسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا[3] اور فرماتا ہے ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ[4] حدیث میں ہے وعن عوف بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانی ات من عند ربی فخیرنی بین ان یدخل نصف امتی الجنۃ وبین الشفاعۃ فاخترت الشفاعۃ وھی لمن مات لا یشرک باللہ رواہ الترمذی وابن ماجۃ[5]۔ وعن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال شفاعتی لاھل الکبائر من امتی رواہ الترمذی وابو داؤد

---

[1] محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا۔ ابوہریرہ رضی سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایک آدمی جیسی ہے، جس نے ایک عمارت بنایا، اور اچھا بنایا، اور بہت خوبصورت بنایا مگر اس کے کونوں میں سے ایک گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی، لوگ اس کے گرد پھرنے لگے، اور اس کی خوبصورتی سے تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کاش اس جگہ اینٹ لگا دی جاتی، تو آپ نے فرمایا میں وہ اینٹ ہوں میں خاتم النبیین ہوں، اور ایک روایت میں ہے، میں اس اینٹ کی جگہ آگیا ہوں، سو میں نے نبیوں کو ختم کر دیا ہے [3] تم کو تمہارا رب مقام محمود میں پہنچائے گا [4] آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا، کہ آپ راضی ہو جائیں گے [5] اور عوف بن مالک رضی سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا، اور مجھ کو اختیار دیا، کہ یا تو میری امت میں سے نصف امت جنت میں داخل ہو جائے گی اور یا پھر آپ شفاعت کر لیں، سو میں نے شفاعت کو پسند کر لیا، اور وہ ہر اس آدمی کے لئے ہوگی جو اس حال میں مر جائے، کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو، اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا، اور انس رضی سے روایت ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں

ابن ماجہ عن جابر اور ایک بڑی حدیث میں بخاری و مسلم کے آیا ہے، کہ قیامت یعنی حشر کے روز سب لوگ واسطے طلب شفاعت کے آدم و نوح و موسیٰ و عیسیٰ تمام انبیاء علیہم السلام کے پاس جاویں گے وہ سب اپنا اپنا قصور بیان کریں گے، شفاعت نہیں کریں گے، حضرت عیسیٰ فرماویں گے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، حضرت کے پاس آویں گے، پہلے دروازہ شفاعت کا ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھولیں گے، بعدہ سب شفاعت کریں گے، حضرت کے آگے کسی کی دم مارنے کی طاقت نہیں رہے گی، اللہ تعالیٰ حد مقرر فرماوے گا، اس کے موافق حضرت بار بار حکم اللہ کا لینے جاویں گے، سجدہ کرنے جاویں گے، اور شفاعت کرتے جاویں گے، اور صدہا احادیث اسی مضمون کی صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہیں، جس کا جی چاہے، وہ دیکھ لے، اور بعد اس کے بھی جو شخص حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور خاتم ہونے کا، اور قیامت میں شفاعت کرنے کا منکر ہو، تو موجب آیت ماذا بعد الحق الا الضلال گمراہ، کافر، خالد مخلد دوزخ کا کندہ بن رہے گا۔ المجیب ابو البرکات محمد عبد الحی تقی عرف صدر الدین احمد حیدرآبادی۔

الجواب صحیح والرای نجیح ومنکرھا مردود کافر۔ حررہ العاجز محمد نذیر حسین عفی عنہ　[سید محمد نذیر حسین]

**سوال**:۔ پنجاب کے بعض عالم کہتے ہیں، کہ دجال کا کچھ وجود نہیں، دجال یہی حاکم ظالم ہیں اور جنت و نار اس کی یہی ریل گاڑی ہے، اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو گئے، عیسیٰ موعود میں ہوں، اس واسطے علمائے دیندار اہل سنت والجماعت سے استفتاء ہے، کہ پنجاب کے اس عالم کے یہ اقوال سچ ہیں یا محض غلط، بیان کرو، کہ عوام کا شک و شبہ رفع و دفع ہو جاوے۔

**الجواب**:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ تیرہ صحابی و صحابیہ حذیفہ بن اسید الغفاری و ابو ہریرہ و عمران بن حصین و عبد اللہ بن مسعود و انس بن مالک و حذیفہ بن یمان، و نواس بن سمعان و ابو سعید خدری و ابی بکرہ و فاطمہ بنت قیس و عبد اللہ بن عمرو و ابی عبیدۃ بن الجراح و اسماء بنت یزید بن السکن و مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہم) روایت کرتے ہیں، کہ قرب قیامت کے دجال ظاہر ہوگا، اور شبیہ عبد العزی بن قطن کے ہوگا کہ یہ مشرکین میں سے گذرا ہے، اور وہ مثل ابر کے تمام دنیا میں پھیل جاتے گا، اور قیام اس کا چالیس دن ہوگا، ایک دن مثل برس کے، اور ایک دن مہینے بھر کا ہوگا، اور ایک دن ہفتہ بھر کا ہوگا، باقی دن اپنے حال پر بدستور رہیں گے، صحابہ نے عرض کیا، کہ برس

کے مرتکب لوگوں کے لئے ہوگی، اس کو ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت جابر رضہ سے روایت کیا ہے ۱۲

دن کی نماز کیوں کر ادا ہوگی کیا ایک دن کی نماز کافی ہوگی، فرمایا نہیں، وقت کا اندازہ کر کے پانچوں نماز پڑھتے رہنا، اور مشکوٰۃ شریف باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال میں دجال کا احوال دیکھنا چاہیئے، یہاں ایک دو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں، اور دجال کے بعد حضرت عیسیٰ اتریں گے، اور وہ دجال کو قتل کریں گے، اور مشکوٰۃ میں ایک خاص باب نزول عیسےٰ علیہ السلام کا منعقد کیا ہے سب احوال عیسےٰ علیہ السلام کے نزول کا اس باب میں دیکھنا چاہیئے، اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا بیان صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں مفصلاً مذکور ہے، اور قرآن شریف میں سورہ زخرف سے نازل ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صاف واضح ہوتا ہے۔ وانہ ای عیسی لعلم للساعۃ تعلم بنزولہ وقرأ ابن عباس بفتحتین للمبالغۃ کذا فی الکمالین۔ اور اسی طرح سے تفسیر مدارک وبیضاوی وکبیر ومعالم وغیرہ میں مذکور ہے،

وانہ بدرستیکہ عیسےٰ علیہ السلام لعلم للساعۃ علم است مر ساعت را یعنی بدو بدانند کہ نزدیک است قیامت چہ یکے از علامات قیامت نزول عیسیٰ علیہ السلام است کہ بعد از تسلط دجال از آسمان بر زمین فرود آید نزدیک منارۂ بیضاء در طرف شرقی دمشق وجامہ رنگین پوشیدہ باشد و ہر دو کف دست خود را بر بالہائے دو فرشتہ نہادہ و رخسارہ مبارکش عرق کردہ چون سر در پیش افگند قطرات از روئش ریزان گردد وچون سر بالا کند آن قطرہا بر روئے وے چون مروارید روان شود، ونفس وے بر ہر کافر کہ رسد بمیرد، و ہر جا کہ چشم وے افتد نفس وے برسد پس در طلب دجال روان گردد، و در باب لد کہ موضعے است در ولایت شام بدو رسد واو را بکشد انگہ یاجوج ماجوج بیروں آیند، وعیسےٰ علیہ السلام بکوہ طور برد مومناں را و آنجا متحصن گردد الی القصہ چون معلوم شد، کہ عیسےٰ علیہ السلام نشانہ قرب قیامت است کذا فی التفسیر الحسینی،

اور اس آیت کی مفسر حدیثیں صحاح ستہ کی ہیں، کما لا یخفی علی الماہر بہذا الفن، پس منکر نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فاسق ہے بلکہ کافر کیونکہ صریح نص کا منکر ہے اور تاویل اس کی باطل اور مردود خلاف سبیل مومنین کے ہے، ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم الی اخر الایۃ کا مصداق

لہ اور وہ یعنی عیسےٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں، آپ کے نازل ہونے سے قیامت کے وقت کا قرب معلوم ہو جاویگا عبداللہ بن عباس لعلم کو مبالغہ کے لئے بفتحتین پڑھتے تھے، کمالین میں ایسا ہی منقول ہے ۱۲ ملہ جو آدمی ہدایت واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول کی نافرمانی کرے، اور ایمانداروں کی راہ چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے تو ہم اس کو جدھر جاتا ہے جانے دینگے اور بالآخر اس کو جہنم میں ڈالدیں گے ۱۲

ہے وانہ لعلم للساعۃ وان عیسی لعلم للساعۃ ای شرط من اشراطها تعلم به
فسمی الشرط الدال علی الشئ علما لحصول العلم به وقرأ ابن عباس لعلم وهو العلامۃ
انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصرًا وانہ لعلم للساعۃ یعنی نزوله من اشراط الساعۃ[1]
تعلم به وقرأ ابن عباس وابو هریرۃ وقتادۃ وانه لعلم للساعۃ بفتح اللام والعین
ای امارۃ وعلامۃ۔ انتہی ما فی معالم التنزیل۔

مشکوۃ کے باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال میں ہے، عن النواس
بن سمعان رضی اللہ عنہ قال ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدجال وقال
ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجه دونکم وان یخرج ولست فیکم فامرء حجیج نفسه
واللہ خلیفتی علی کل مسلم انه شاب قطط عینه طافیۃ کانی اشبهه بعبد العزی
بن قطن فمن ادرکه منکم فلیقرأ علیه فواتح سورۃ الکهف وفی روایۃ فلیقرأ علیه
بفواتح سورۃ الکهف فانها جوارکم من فتنته انه خارج خلۃ بین الشام والعراق
فعاث یمینا وعاث شمالا یا عباد اللہ فاثبتوا قلنا یا رسول اللہ وما لبثه فی
الارض قال اربعون یوما یوم کسنۃ ویوم کشهر ویوم کجمعۃ وسائر ایامه
کایامکم قلنا یا رسول اللہ فذلک الیوم الذی کسنۃ ایکفینا فیه صلوۃ یوم
قال لا اقدروا له قدره قلنا یا رسول اللہ وما اسراعه فی الارض قال کالغیث
استدبرته الریح فیاتی علی القوم فیدعوهم فیؤمنون به فیامر السماء
فتمطر والارض فتنبت فتروح علیهم سارحتهم اطول ما کانت ذری واسبغه
ضروعا وامده خواصر ثم یاتی القوم فیدعوهم فیردون علیه قوله فینصرف
عنهم فیصبحون ممحلین لیس بایدیهم شئ من اموالهم ویمر بالخربۃ
فیقول لها اخرجی کنوزک فتتبعه کنوزها کیعاسیب النحل ثم یدعو رجلا ممتلیا

---

[1] اور وہ قیامت کا ایک نشان ہیں یعنی عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں، ان کے آنے سے قیامت کا وقت قریب ہونا معلوم ہو جائے گا، شرط دال علی الشئ کو علم سے تعبیر کیا کیونکہ ان کے آنے سے قیامت کا علم ہو جائے گا۔ عبداللہ بن عباس نے اس کو عَلَم پڑھا ہے جس کے معنی نشانی ہیں تفسیر کبیر کا خلاصہ ختم ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی نشانیوں میں سے ہے، عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ، قتادہ وغیرہ نے اس کو عَلَم پڑھا ہے، جس کے معنی علامت اور نشانی ہے ۱۲

شابا فیضربہ بالسیف فیقطعہ جزلتین رمیۃ الغرض ثم یدعوہ فیقبل یتہلل
وجہہ یضحک فبینما ہو کذلک اذ بعث اللہ المسیح بن مریم فینزل عند المنارۃ
البیضاء شرقی دمشق بین مہرودتین واضعا کفیہ علی اجنحۃ ملکین اذا طاطا
راسہ قطر واذا رفعہ تحدر منہ مثل جمان کاللؤلؤ فلا یحل لکافر یجد من ریح
نفسہ الا مات ونفسہ ینتہی حیث ینتہی طرفہ فیطلبہ حتی یدرکہ بباب لد
فیقتلہ ثم یاتی عیسی قوم قد عصمہم اللہ منہ فیمسح عن وجوہہم و
یحدثہم بدرجاتہم فی الجنۃ فبینما ہو کذلک اذ اوحی اللہ الی عیسی انی قد
اخرجت عبادا لی لا یدان لاحد بقتالہم فحرز عبادی الی الطور فیبعث اللہ
یاجوج وماجوج وہم من کل حدب ینسلون فیمر اوائلہم علی بحیرۃ طبریۃ
فیشربون ما فیہا ویمر اخرہم فیقول لقد کان بہذہ مرۃ ماء ثم یسیرون
حتی ینتہوا الی جبل الخمر وہو جبل بیت المقدس فیقولون لقد قتلنا من
فی الارض ہلم فلنقتل من فی السماء فیرمون بنشابہم الی السماء فیرد اللہ علیہم
نشابہم مخضوبۃ دما ویحصر نبی اللہ واصحابہ حتی یکون راس الثور لاحدہم
خیرا من مائۃ دینار لاحدکم الیوم فیرغب نبی اللہ عیسی واصحابہ فیرسل
اللہ علیہم النغف فی رقابہم فیصبحون فرسی کموت نفس واحدۃ ثم یہبط
نبی اللہ عیسی واصحابہ الی الارض فلا یجدون فی الارض موضع شبر الا ملأہ
زہمہم ونتنہم فیرغب نبی اللہ عیسی واصحابہ الی اللہ فیرسل اللہ طیرا کاعناق
البخت فتحملہم فتطرحہم حیث شاء اللہ وفی روایۃ تطرحہم بالمہبل و
یستوقد المسلمون من قسیہم ونشابہم وجعابہم سبع سنین ثم یرسل
اللہ مطرا لا یکن منہ بیت مدر ولا وبر فیغسل الارض حتی یترکہا کالزلفۃ ثم
یقال للارض انبتی ثمرتک وردی برکتک فیومئذ تاکل العصابۃ من الرمانۃ
ویستظلون بقحفہا ویبارک فی الرسل حتی ان اللقحۃ من الابل لتکفی الفئام
من الناس واللقحۃ من البقر لتکفی القبیلۃ من الناس واللقحۃ من الغنم لتکفی
الفخذ من الناس فبینما ہم کذلک اذ بعث اللہ ریحا طیبۃ فتاخذہم تحت
اباطہم فتقبض روح کل مؤمن وکل مسلم ویبقی شرار الناس یتہارجون فیہا

تهارج الحمر فعليهم تقوم الساعة رواه مسلم الا الرواية الثانية وهي قوله فيهم تطرحهم بالنهبل الى قوله سبع سنين رواه الترمذي

حضرت نواس بن سمعان رض کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا پس فرمایا اگر وہ میری موجودگی میں ظاہر ہوا، تو تم سب کی طرف سے میں اس سے جھگڑوں گا، اگر میرے بعد نکلا، تو ہر ایک شخص خود اس سے جھگڑے گا، اور اللہ میرا خلیفہ ہے، ہر مسلمان پر، وہ دجال جوان ہوگا، گھونگروالے بال والا اس کی آنکھ نکلی ہوئی ہوگی، یعنی کانا ہوگا، پس ایسا ہوگا، جیسے عبد العزی بن قطن کو جانتے ہو، سو جو اس کو پاوے، تو اس پر سورہ کہف کی ابتدائی آیتیں ضرور پڑھلے، کیونکہ وہ اس کے فتنہ سے اس کو بچائیں گی، وہ شام اور عراق کے درمیان میں سے نکلنے والا ہے، اور وہ اپنے بائیں دکیا بلکہ ہر طرف دوڑنے والا ہے، سوائے اللہ کے بندو ثابت رہنا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ زمین میں کس قدر ٹھہرا رہے گا، فرمایا چالیس دن، ایک دن سال بھر کا، ایک دن مہینہ بھر کا، ایک دن ہفتہ بھر کا، اور باقی دن یہ تمہارے معمولی دن ہوں گے ہم نے عرض کیا، یا حضرت تو اس سال بھر کے دن میں ایک دن کی نماز ہم کو کافی ہوگی یا نہ فرمایا نہیں، ان معمولی دنوں کے انداز سے پڑھتے رہنا اور مہینے اور ہفتے بھر کا دن بھی اسی قیاس پر ہم نے پوچھا، حضرت اس کا جلد جلد پھرنا زمین میں کیسا ہوگا، فرمایا جیسے ہوا ابر کو پھیلاتی ہے، سو وہ دجال ایک قوم کے پاس آئے گا، اور ان کو اپنے دین کی طرف بلائے گا، وہ اس کا کہنا مان لیں گے، تو آسمان کو حکم کرے گا خوب بارش ہوگی، اور زمین میں سبزی خوب اگے گی، اور ان کے مویشی کھا کھا کر خوب پلیں گے، اور دودھیلے ہوں گے، اور ایک قوم کے پاس آئے گا ان کو بھی اپنی طرف بلائے گا، وہ اس کا کہنا نہ مانیں گے، وہاں سے چلا آئے گا، اور وہاں بارش بند ہو جائے گی، اور وہ لوگ نہایت مفلس ہو جائیں گے، پاس کچھ بھی تو نہ رہے گا اور کھنڈر میں جائے گا، اس کو کہے گا، اپنے سب خزانے نکال، تو سب کے سب دفینے نکل کر اس کے ساتھ شہد کی مکھیوں کی طرح ہولیں گے، اور پھر ایک جوان کو بلا دے گا، اور پھر اس کو تلوار سے مار کر دو ٹکڑے کر دے گا، اور ادھر ادھر نشانے کی طرح پھینک دے گا، اور پھر اس کو بلا کر دوبارہ مارے گا، اور وہ شخص منہ چمکتا ہوا ہنسے گا، سو دجال اسی اوج موج میں ہوگا، کہ اتنے میں اللہ تعالی مسیح عیسے بن مریم علیہما السلام کو (آسمان سے) آتارے گا، سو وہ دو رنگین کپڑے پہنے ہوئے دمشق کے مشرقی سفید منارہ پر اتریں گے، دو فرشتوں کے بازؤوں پر ہاتھ رکھے ہوئے سر کو جھکالیں گے

تو پسینے کے قطرے گریں گے، اور جب سر اٹھا دیں گے، تو موتیوں کے سے قطرے اتریں گے
سو جس کافر کو ان کے سانس کی بو پہنچے گی، بس مر ہی جاوے گا، اور جہاں تک ان کی نظر پہنچے گی
وہیں تک ان کا سانس پہنچے گا، سو اس کو باب لُد پہ پا کر مار ڈالیں گے، فقط

یہ ترجمہ ہم نے نواس بن سمعان کی حدیث کا بقدر ضرورت کیا ہے، سو سائل کو ثبوت خروج
دجال اعور حقیقی لعنہ اللہ اور نزول حضرت عیسیٰ مسیح ابن مریم علیہما السلام میں کافی وافی شافی ہے
جس کو تفصیل درکار ہو مشکوٰۃ شریف میں پورے باب کو تحقیق کی نظر سے دیکھ لے، یہی خلاصہ
صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث کا ہے، اگر کوئی نہ مانے تو اس کو اختیار ہے، اور وہ بعض
عالم پنجاب کے جو اس کے خلاف کے قائل ہیں، وہ نادان، جاہل و پاگل اور کاذب ہیں،
بلکہ اہل علم کے زمرے کی بو سے بھی بے نصیب اور محروم ہیں، اور منجملہ فرق اہل الحاد ہیں نعوذ
باللہ من شرہ۔ حررہ ابو اسمٰعیل یوسف حسین الخانپوری عفی عنہ

وانہ لعلم للساعۃ، اور بے شک عیسیٰ علیہ السلام خبر دینے والے ہیں قیامت
کی یعنی ان کا اترنا آسمان سے ایک نشانی ہے قیامت کی، دجال کے پیدا ہونے کے بعد
حضرت عیسیٰ علیہ السلام آویں گے، اور دجال کو قتل کریں گے، پھر یاجوج ماجوج پیدا ہو کر سارے
عالم کو خراب کریں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام مومنوں کو لے کر کوہ طور پر جا کر چھپیں گے غرضکہ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نشانی ہیں قیامت کی، تمام ہوئی عبارت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ
اللہ علیہ کی، پس پنجاب کا وہ عالم بلا شبہ نصوص مذکورہ بالا کا منکر ملحد ہے، بلکہ کافر کما لا
یخفی علی الماہر بالشریعۃ الغراء حررہ خادم العلماء الطاف حسین فاضلپوری

فی الواقع جواب اول و دوم بلا ریب صحیح ہے، کیونکہ قریب قیامت کے ظاہر ہونا دجال
کا، بعد اس کے اترنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اور قتل کرنا دجال کا برحق ہے، اور منکر
اس کا ضال مضل و ملحد و بددین اور مخالف اجماع مسلمین کے ہے، چنانچہ کتب صحاح ستہ
و دیگر کتب سیر اس پر شاہد عدل ہیں، اور تاویل مرزا قادیانی، اور اس کے حواری کی نزدیک
اہل حق کے باطل و مردود ہے۔

سید محمد نذیر حسین

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص اپنی تعلی میں باوصفیکہ
افراد انسانی میں سے ایک فرد مبتذل ہو انبیاء کرام سے اپنی برتری بیان کرے، اور اس شعر کے
ساتھ تفاخر کناں ہو کر اپنی بڑائی میں زبان کو نجاست آلود کرے، شعر

تکیہ ام بر ذات پاکت بر عصا دعش بود  از کلیم اللہ علٰی پایہ بالا ئے من!

آیا بہ سبب اہانت اور استخفاف انبیاء اللہ کے یہ شخص کافر ہے یا باوجود ایسی دریدہ دہنی اور بے ادبی کے ہنوز مومن ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ درصورت مسئولہ مستفتی وصدق سائل جو شخص کہ اپنے تئیں افضل اور اکمل اور برتر تمامی انبیاء سے جانے اور کہے، وہ بلاشک کافر ہے اور بے تامل قابل قتل ہے، اور وہ بلا ریب مُہین اور منقص اور مستخف انبیاء علیہم السلام کا ہے، اور منکر قرآن اور احادیث متواتر کا، رسول بحسب اعتقاد اس شخص کے مفضول ہوئے، اور یہ فاضل حالانکہ تفضیل نبی کی امتی پر قرآن اور احادیث اور اجماع سے ثابت ہے، اور باوجود اس عقیدہ مذمومہ کے بطعن پیش کرے اور تفوہ کرے، کہ میرا تکیہ اور اعتماد اوپر ذات الٰہی کے ہے، اور حضرت موسٰی کا تکیہ اوپر عصا کے معاذ اللہ! پھر کون سا امر کے کفر میں شک رہا، رہی یہ بات کہ اگر ایسا شخص توبہ کرے، تو اس کی توبہ مقبول ہے یا نہیں بعضے ائمہ دین حکم دیتے ہیں کہ اس کو قتل کیا جائے، اور توبہ نہ قبول کی جائے، اور بعضے کہتے ہیں، کہ توبہ قبول کی جائے، کتاب الشفا فی حقوق المصطفٰے میں ہے من شتم الانبیاء واحدا منهم او تنقصه قتل ولم يستتب الخ وقال ابو حنيفة واصحابه على اصلهم من كذب باحد من الانبياء او تنقص احدا منهم او برئ منه او شك في شئ من ذلك فهو مرتد فقط  محمد شفیع  از محمد یعقوب ؒ ادرا امید شفاعت

الجواب صحیح  سید محمد نذیر حسین

**سوال** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ایک شخص اہل علم ابتداً دین محمدی میں تھا، رفتہ رفتہ چلہائے غیر مشروعہ مروجہ صوفیہ میں منہمک ہوا، اور گاہے مذہب نیچری کو اور گاہے مذہب عیسائی کو ٹھیک بتاتا ہے، بعض لوگوں نے اس کو ان کے معابد میں شامل ہوتے دیکھا، اس کا والد کہتا ہے، کہ اس کو خفقان ہے، اب اس شخص کا کیا حکم ہے، زید کہتا ہے کہ یہ شخص اگر توبہ کرے، تو اس کے ساتھ سلام وکلام وشادی وغمی میں شامل ہونا درست ہے لیکن برابر کے ہوتے ہوئے، اور امام کے ہوتے ہوئے اس کو امام وسردار نہ بنانا چاہیئے، اور حدیث شریف

---

لہ جو آدمی کسی نبی کو گالی دے، یا اس کی توہین کرے، اس کو قتل کر دیا جائے، اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے الخ اور امام ابو حنیفہ اور آپ کے شاگردوں کا فتوی ہے، کہ جو شخص کسی نبی کو جھٹلائے یا اس کی توہین کرے، یا اس سے بیزاری کا اظہار کرے یا اس کی نبوت میں شک کرے، وہ کافر ہے ۱۲۔

اس سے نہ قبول کرنی چاہیے، اگر وہ شخص نماز پڑھتا ہو اور کوئی شخص اس کی اقتدا کرے، تو جائز ہے، پس ایسے شخص کو سردار وغیرہ بنانا درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب:**۔ جو شخص ادیان باطلہ کفریہ کی صراحۃً تصویب کرے، اور ساتھ اس کے ان کے معابد میں بھی شامل ہو، تو وہ باتفاق اہل علم کافر ہے، ایسا شخص اگر توبہ صحیحہ کرے جس کے آثار علانیہ پائے جائیں، تو البتہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگا، اور جمیع احکام میں مثل سائر اہل اسلام کے ہوگا، اس کے ساتھ سلام وکلام اور اس کی شادی وغمی میں شریک ہونا اور نماز میں اس کی اقتدا کرنا وغیرہ سب کچھ جائز ودرست ہوگا، رہا یہ امر کہ بعد توبہ صحیحہ کے اس کو سردار وامام بنانا درست ہے یا نہیں، سو واضح ہو کہ ہر مسلمان سرداری وامامت کی قابلیت واہلیت نہیں رکھتا ہے، اس منصب جلیل کی شرعاً جو اہلیت وقابلیت رکھے، اس کو بنانا چاہیئے، رہی یہ بات کہ شخص مذکور کو خفقان یا جنون ہے یا نہیں، سو واضح ہو کہ خفقان یا جنون امراض مشاہدہ وبدیہیہ سے ہیں اگر اس شخص میں خفقان یا جنون کے آثار وعلامات پائے جاتے ہیں، تو یہ شخص مجنون یا مبتلا بخفقان قرار دیا جاوے گا، ورنہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، حررہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ عقیدہ رکھنا کیسا ہے کہ کوئی بشر کچھ نہیں کر سکتا ہے، جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے، ایک حضرت جاہل مسلمانوں میں نہایت زور کے ساتھ علی الاعلان عقیدہ مندرجہ بالا کو کہتے ہیں، کہ خاص اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے، پس سوال یہ ہے، کہ اگر ایسا ہی عقیدہ عندالشرع درست ہے اور خاص اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے، تو سب کو تسلیم کرنا چاہیئے، اور اگر عندالشرع درست نہیں ہے اور خلاف عقیدہ اہل سنت ہے، تو جواب شافی فرمایا جائے کہ ایسے عقیدے والے کا کیا حکم ہے، اور ایسے شخص کے پیچھے نماز بھی ہوگی یا نہیں، کیونکہ غریب ناواقف مسلمان گرداب بلا میں مبتلا ہو کر تباہ ہو جاویں گے، یہ معاملہ عقائد کا ہے، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ اگر شخص مذکور کا یہ مطلب ہے، کہ نفع وضرر حقیقت میں خدا ہی کی جانب سے ہوتا ہے، خدا کے سوا کسی اور میں یہ طاقت نہیں ہے، کہ کسی کو بغیر اذن خدا کے نفع وضرر پہنچاوے تو یہ عقیدہ بے شک اہل سنت والجماعت کا ہے، اور ایسا ہی عقیدہ ہر مسلمان کو رکھنا چاہیئے اس عقیدہ کے حق ہونے پر متعدد آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ صاف اور صریح طور پر دلالت

کرنی ہیں قال اللہ تعالیٰ[1] قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ، اور اگر شخص مذکور کا یہ مطلب ہے کہ انسان مجبور محض ہے، اس کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے، اس کے حرکات مثل جمادات کے ہیں، تو یہ عقیدہ بالکل غلط و باطل ہے، اور یہ عقیدہ فرقہ جبریہ کا ہے، ایسے عقیدہ باطلہ سے ہر مسلمان کو بچنا فرض ہے، ایسے عقیدے سے ان آیتوں کا انکار لازم آتا ہے ھل[2] تجزون الا ما کنتم تعملون - فمن شاء فلیؤمن[3] ومن شاء فلیکفر - جزاء[4] بما کانوا یعملون، ایسے عقیدہ باطلہ والے کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتراز چاہیئے - واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

**سوال** :- کیا فرماتے ہیں، علمائے دین ان مسائل میں :-

(۱) زید مریض کو دیکھ کر بولا، کہ اکثر حکماء یوں کہتے ہیں کہ ہماری دوا استعمال کرتے ہی اس مریض کو آرام ہوگا، حالانکہ آرام نہیں ہوتا ہے، اس پر خالد نے بنگلہ میں بطور استفہام انکاری کے یوں کہا، کہ جس کا ترجمہ اردو میں یہ ہوتا ہے، کہ کیا وہ لوگ خدا کے خالہ زاد بھائی ہیں، آیا اس کہنے پر خالد عاصی ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر سہواً یا خطاءً کلمہ کفر کسی مومن کی زبان پر جاری ہو، اس کا کیا حکم ہے، کافر ہوگا یا نہیں؟

(۳) اگر کوئی شخص خالد مذکور یا شخص خاطی مذکور کو کافر کہے، اس پر کیا حکم ہے، بینوا بالدلیل والبرھان توجروا عند الرحمٰن -

**الجواب** :- (۱) ہرگز خالد عاصی نہیں، کیونکہ قول خالد کا یہاں بطور استفہام انکاری کے ہے اور استفہام انکاری جس پر داخل ہوتا ہے، اس کا خلاف مقصود ہوتا ہے یعنی اگر مثبت پر داخل ہو، تو مراد منفی ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے[5] فارجع البصر ھل تری من فطور، اور اگر استفہام انکاری منفی پر داخل ہو، تو مراد مثبت ہوتا ہے، جیسا کہ قول اللہ پاک کا "الیس[6] ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی وقولہ تعالیٰ - الیس[7] اللہ باحکم الحاکمین، اور جب استفہام بلا قرینہ ہو، تو

---

[1] (آپ) کہہ دیجئے، کہ میں اپنی جان کے نفع اور نقصان کا مالک بھی نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے (وہی ہوگا) ۱۲
[2] تم صرف وہی بدلہ دیئے جاؤ گے جو تم کیا کرتے تھے ۱۲ [3] پھر جو شخص چاہے ایمان لے آئے، اور جو چاہے کفر کرے ۱۲ [4] بدلہ ہے اس چیز کا جو وہ کیا کرتے تھے ۱۲ [5] اپنی نگاہوں کو بار بار گھماؤ، کیا تم کسی قسم کا نقص دیکھتے ہو؟ ۱۲ [6] کیا یہ (خدا) اس بات پر قادر نہیں ہے، کہ مردوں کو زندہ کر سکے ۱۲ [7] کیا خداوند تعالیٰ سب حاکموں کے حاکم نہیں ہیں ۱۲

دو احتمال رکھتا ہے، تقریری اور انکاری لیکن متکلم جو مراد لے گا، وہی متعین ہوگی، اس کو متکلم ہی خوب جانتا ہے غیر کو کیا دخل ہے، اور اگر قرینہ خواہ حالیہ یا مقالیہ موجود ہو، تو مخاطب بھی سمجھ سکتا ہے، اور اس محل میں قرینہ مقالیہ موجود و اظہر من الشمس ہے، کیونکہ جب زید بولا، کہ اکثر حکما یوں کہتے ہیں، کہ ہماری دوا استعمال کرتے ہی اس مریض کو آرام ہوگا، حالانکہ آرام نہیں ہوتا ہے، اس پر خالد بولا، کہ کیا وہ لوگ خدا کے خالہ زاد بھائی ہیں، یعنی نہیں ہیں، کیونکہ اگر ہوتے تو آرام کیوں نہیں ہوتا، پس کلام زید کا قرینہ ہے اس بات پر کہ کلام خالد میں استفہام انکاری ہے، پس جب کہ خالد انکار کر رہا ہے، کہ وہ لوگ خدا کے خالہ زاد بھائی نہیں ہیں، اور اس کے لئے قرینہ بھی موجود ہے، تو خالد اس کلام کے کہنے پر عاصی نہیں ہوگا۔

(۲) سہوًا یا خطاءً کلمہ کفر کہنے سے مسلمان کافر نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے رفع[1] عن امتی الخطاء والنسیان۔ وفی العالمگیریۃ[2]۔ الخاطی اذا جری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاءً بان کان یرید ان یتکلم بما لیس بکفر فجری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاءً لم یکن ذلک کفرًا عند الکل کذا فی فتاوی قاضی خاں

(۳) جب عدم کفر خالد شخص خاطی مذکور کا قرآن و حدیث و فقہ سے ثابت ہوا تو اب جو شخص ان دونوں کو یا ایک کو کافر کہے گا، وہ خود کافر ہے، جیسا کہ صحیح بخاری شریف جلد ثانی صفحہ ۸۹۲ میں ہے عن[3] ابی ذر انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک۔ ھکذا احکم الکتاب

حررہ محمد حمید الرحمن　　|سید محمد نذیر حسین|

ھوالموفق:۔ اگرچہ خالد نے جس مقصود و غرض سے کلمہ مذکورہ (یعنی کیا وہ لوگ خدا کے خالہ زاد بھائی ہیں) کو استعمال کیا ہے، اس مقصود و غرض کے لحاظ سے وہ بے شک عاصی نہیں ہے، مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان میں اس کا استعمال کرنا سوء ادب سے خالی نہیں ہے، مثال کے طور پر

---

[1] میری امت سے خطاء اور نسیان اٹھالیا (معاف کر دیا) گیا ہے ۱۲ [2] فتاوی عالمگیری میں ہے کہ اگر غلطی سے کسی گنہگار کی زبان پر کفر کا کلمہ جاری ہو جائے، اس طرح کہ وہ کوئی ایسی بات کہنا چاہتا تھا، جو کفر نہیں تھی لیکن غلطی سے اس کی زبان سے کفر کا کلمہ نکل گیا، تو یہ سب کے نزدیک بالاتفاق کفر نہیں ہے، فتاوی قاضیخاں میں بھی اسی طرح ہے ۱۲ [3] حضرت ابوذر رضی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے، جو آدمی کسی کو فاسق ہونے کی تہمت لگائے، یا اسے کافر کہے، تو اگر وہ آدمی فاسق یا کافر نہ ہو، تو وہ فسق یا کفر فتوی کہنے والے پر لوٹ آتا ہے، قرآن مجید کا فیصلہ بھی یہی ہے ۱۲

سمجھو، کہ اگر خالد مذکور کی شان میں کوئی شخص استفہام انکاری کے طریقہ پر یوں بولے، کہ کیا خالد بدمعاش ہے، یا یوں بولے، کہ کیا خالد حرامزادہ ہے، تو خالد کو یہ کلمہ ضرور ناگوار و ناپسند ہوگا، اور ہرگز اپنے لئے ایسے کلمہ کے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے گا، اگرچہ استفہام انکاری کے طریقہ پر اس کلمہ کے بولنے سے مطلب یہ ہے، کہ خالد بدمعاش نہیں ہے، اور خالد حرامزادہ نہیں ہے، پس اسی طور سے سمجھو، کہ اگرچہ خالد کا مطلب یہ ہے، کہ وہ لوگ خدا کے خالہ زاد بھائی نہیں ہیں، مگر یہ کلمہ ہرگز اس قابل نہیں ہے، کہ جناب باری جل وعلیٰ کی شان میں استعمال کیا جائے، پس خالد کو چاہئے، کہ آئندہ اس کلمہ کے بولنے سے احتراز کرے، اور جس مطلب کے ادا کرنے کے لئے اس کلمہ کو بولا ہے، وہ اور کلمات سے بھی ادا ہو سکتا ہے۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

**سوال**: ۔کیا فرماتے ہیں علمائے دین سوالات مندرجہ ذیل میں:۔

(۱) نحوست انسان بالخصوص عورات از روئے شرع شریف ثابت ہے یا نہیں مثلاً کسی عورت کے کسی حصہ بدن پر بالخصوص پشت پر بال دھوتری ہو جس کو عوام جہلا بتقلید مذہب ہنود ساپن کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، اور ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کو باعث ہلاکت زوج اعتقاد کرتے ہیں، ثابت ہے یا نہیں؟

(۲) بصورت اخیر ایسا اعتقاد کرنا داخل شرک ہے، یا معصیت کبیرہ یا صغیرہ۔

(۳) اگر شرک ہے، تو کیا اس قسم کے شرک میں داخل ہے، جس کے معتقد کا نکاح باطل ہو جاتا ہے؟

**الجواب**: ۔شوم و نحوست کے بارے میں حدیثیں مختلف آئی ہیں، ان احادیث مختلفہ کی تطبیق و توفیق کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی ترجمہ مشکوۃ میں لکھتے ہیں:۔

"بدانکہ احادیث واردہ در باب طیرہ مختلف آمدہ، از بعضے نفی تاثیر طیرہ و نہی از اعتقاد و اعتبار آن مطلق مفہوم گردد، و این بسیار است و از بعضے ثبوت آن در مرأۃ و دابہ و دار بصیغہ جزم چنانکہ در حدیث بخاری و مسلم آمدہ انما الشوم فی ثلاث الفرس والمرأۃ والدار و در روایتے در ربع و خادم و فرس یا بلفظ شرط چنانکہ درین حدیث (یعنی حدیث ابی داؤد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ھامۃ ولا عدوی ولا طیرۃ وان تکن الطیرۃ فی شیء ففی الدار والفرس والمرأۃ) و مانند آن آمدہ و از بعضے انکار ثبوت شوم، و این امور مثل سائر امور چنانکہ در حدیث ابن ابی ملیکہ از ابن عباس آمدہ، و در بعضے احادیث آمدہ کہ اعتقاد شوم درین امور در اہل جاہلیت بود، چنانکہ در حدیث عائشہ رضہ آمدہ، وجہ تطبیق آنکہ تاثیر بالذات منفی است و اعتقاد

آن از امور جاہلیت است، و مؤثر در کل اشیاء اللہ تعالی است و ہمہ بخلق و تقدیر او ست و اثبات آن در ین اشیاء بجریان عادۃ اللہ است کہ پیدا کردہ و انہا را اسباب عادیہ ساختہ و حکمت در تخصیص آن اشیاء بخصائص و احوال بوکول و مفوض بعلم شارع است پس نفی راجع بتاثیر ذاتی است و اثبات بسبب عادی، چنانکہ در عدوی و جذام و مانند آن گفتہ اند، و بعضے گفتہ اند کہ مراد آن است کہ تطیر در ہیچ چیز نیست، واگر فرض کردہ شود ثبوت وے در ین اشیاء مظنہ و محل آن است و جائے آن دارد، کہ در نیہا ثابت باشد بر طریقہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوکان شئی سابق القدر لسبقتہ العین، چنانکہ گذشت و برین طریق است کلام قاضی کہ گفتہ بعقب قول وے لا طیرۃ باین شرط دلالت دارد، کہ شوم و تطیر منفی است از آنہا یعنی اگر شوم را وجودے و ثبوتے می بودے درین اشیاء می بود کہ قابل تر اند آن را ولیکن وجود و ثبوت نیست در نیہا، پس اصلاً وجود ندارد، انتہی و بعضے گویند کہ شوم در زن ناسازگاری اوست و آنکہ زائندہ نباشد و اطاعت زوج نکند یا مکروہ و مستقبح باشد نزدوے، و در سرا و خانہ تنگی جا و بدی ہمسایہ و ناخوشی ہوا ست، و در اسپ حرونی و گرانی بہا و ناموافق غرض و مصلحت و مثل این دور خادم نیز و یا شوم محمول بر کراہت و ناخوشی است بحسب شرع یا طبع پس نفی شوم و تطیر بر عموم و حقیقت محمول باشد، انتہی کلام الشیخ۔ امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں۔

واختلف العلماء فی ھذا الحدیث (ای حدیث الشوم فی الدار والمرأۃ والفرس) فقال مالک وطائفۃ ھو علی ظاھرہ وان الدار قد یجعل اللہ تعالی سکناھا سببا للضرر او الھلاک وکذا اتخاذ المرأۃ المعینۃ او الفرس او الخادم قد یحصل الھلاک عندہ بقضاء اللہ تعالی ومعناہ قد یحصل الشوم فی ھذہ الثلاثۃ کما صرح بہ فی روایۃ ان یکن الشوم فی شئ الخ

حاصل و خلاصہ ان دونوں عبارتوں کا یہ ہے، کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز میں شوم و نحوست نہیں ہے، نہ کسی مرد میں اور نہ کسی عورت میں اور نہ کسی اور چیز میں، اور بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے، کہ عورت اور گھر اور گھوڑا، ان تین چیزوں میں شوم و نحوست ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا قول انہیں بعض احادیث کے موافق ہے، یہ لوگ کہتے ہیں، کہ کبھی ایسا ہوتا ہے، کہ اللہ تعالی کے حکم سے اور اس کی قضا سے یہ تینوں چیزیں باعث ضرر یا ہلاکت کا ہوتی ہیں، یعنی یہ تینوں چیزیں بذاتہ مؤثر نہیں ہیں، بلکہ مؤثر بالذات اللہ تعالی ہے

مگر اللہ تعالیٰ گاہے ان چیزوں کو ضرر یا ہلاکت کا سبب بنا دیتا ہے، اور یہ لوگ ان احادیث کثیرہ کو جن سے مطلقاً شوم و نحوست کی نفی ثابت ہوتی ہے، نفی تاثیر بالذات پر محمول کرتے ہیں اور ان لوگوں کے سوا باقی تمام اہل علم کا قول احادیث کثیرہ کے مطابق ہے، یعنی ان کا یہ قول ہے کہ کسی چیز میں شوم و نحوست نہیں ہے، نہ عورت میں اور نہ گھر میں، اور نہ گھوڑے میں اور نہ کسی اور چیز میں، اور یہ لوگ بعض احادیث کو ظاہر پر محمول نہیں کرتے، بلکہ ان کی تاویل کرتے ہیں، جب یہ سب باتیں معلوم کر چکے، تو اب سوالات مذکورہ کا جواب لکھا جاتا ہے،

جواب سوال اول و دوم و سوم۔ شرع شریف سے کسی شے میں نحوست اس معنی سے ثابت نہیں ہے کہ وہ بذاتہ ضرر پہنچانے والی یا ہلاک کرنے والی ہو، نہ کسی مرد میں ثابت ہے، اور نہ کسی عورت میں اور نہ کسی اور شے میں، پس کسی عورت میں کوئی خاص علامت مثلاً پشت پر بال و بھونری دیکھ کر اس کو اس معنی سے منحوس سمجھنا اور ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کو باعث ہلاکت زوج اعتقاد کرنا، جیسا کہ ہنود و کفار اعتقاد کرتے ہیں، اور ان کی تقلید سے عوام و جہلاء مسلمان بھی اعتقاد کرتے ہیں بلاشبہ داخل شرک ہے، ہاں امام مالک وغیرہ نے عورت اور گھر اور گھوڑے میں جس معنی سے نحوست و شوم ثابت کیا ہے، اس معنی سے ان تینوں چیزوں میں نحوست سمجھنا داخل شرک نہیں ہے

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ | سید محمد نذیر حسین |

**سوال:**۔ چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع دین دربارہ شخصے محمد حسین نامی از اولاد حضرت بابا فریدالدین چشتی پاک پٹنی رحمۃ اللہ علیہ، کہ خلاف عقاید اہل اسلام قائل تناسخ شدہ است والزام دروغ گوئی خویش بنام گرامی بابا فریدالدین گنج شکر صاحب منسوب ساختہ در رسالہ سیف فریدی مطبوعہ مطبع دبیر ہند واقع شہر امرتسر پنجاب بالائے صفحہ شصت و یک این ابیات کہ دال بر دعوی باطلہ تناسخ وے اند برائے معاینہ و مشاہدہ علماء و فضلاء نقل ابیات وے رقم مے شود تاکہ عقاید باطلہ وے معلوم گردد۔ نقل ابیات از سیف فریدی ؎

---

لہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ایک شخص محمد حسین نامی کے متعلق جو کہ حضرت بابا فریدالدین چشتی پاک پٹنی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہے، وہ اہل اسلام کے عقیدہ کے برخلاف تناسخ کا قائل ہے، اور اپنی دروغ بیانی کو اس نے بابا فریدالدین گنج شکر کی طرف منسوب کر رکھا ہے، اس نے اپنے رسالہ سیف فریدی مطبوعہ مطبع دبیر ہند واقع شہر امرتسر میں صفحہ ۶۱ پر یہ اشعار بابا فریدالدین کے نام پر شائع کئے ہیں، جو کہ اس کے دعوائے باطلہ تناسخ پر دلالت کرتے ہیں علماء و فضلاء کے معائنہ و مشاہدہ کے لئے ان اشعار کو نقل کیا جاتا ہے تاکہ اس کے باطل عقیدے معلوم ہو سکیں (اشعار اگلے صفحہ کے متن پر ملاحظہ فرمائیں)

کروں پہلے تعریف ہائے رسول — لکھوں حال پیر اپنے کا ہو قبول
یہ تھا حکم بابا فرید زماں — سہ کرر لکھا دیکھا میں نے عیاں
کہ ہو تین باری جہاں میں ظہور — میرا چار سو بسکہ نزدیک و دور
زمانہ یہ اول تو موجود ہے — کہ ظاہر میرا نام مسعود ہے
زمانہ دگر میں ہوں ثانی فرید — باسم براہیم ہوں میں پدید
زمانہ ثلث میں جب پھر آؤں گا — محمد حسین نام دھرواؤں گا
اسی میں کسی وقت میں ہونگا پدید — سمجھنا مجھے گویا ثالث فرید
کہ آخر زمانہ کا ہے یہ ظہور — ہے اسرار ثالث فریدی کا نور
زمانہ وہ ثالث کا اب آگیا! — یہ ارشاد بابا کا پورا ہوا

پس بینوا توجروا، از جواب این مسئلہ تناسخ کہ بابا فرید صاحب بحسب تحریر محمد حسین پاک پٹنی بعد از وفات دومرتبہ اندرین جہان فانی بذریعہ والدین دیگر تولید یافتہ اند، مرتبہ اول پیدا شدند بنام شیخ ابراہیم کہ سجادہ نشین پاک پٹن بود موسوم گردیدند، ومرتبہ دوم بعد شش صد سال درخانہ تاج محمود چشتی پاک پٹنی ظہور تولید یافتند، ومحمد حسین نام نہادند، واین محمد حسین مانند مرزا غلام احمد قادیانی در کتاب "اسرار عترت فریدی" خویش بکذب نویسی از قادیانی سبقت بردہ است، این سائل را مسرور وممتاز فرمائید، وجوابش بروایات کتب معتبرہ تحریر نمائید، بندہ سائل سید حسن شاہ بخاری النقوی ساکن موضع پانہ جہار، ڈاک خانہ نصیر پور، تحصیل دیپال پور، ضلع منٹگمری، معروضہ ۲۹ ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۰ھ، واقف حقائق معقول ومنقول کاشف دقائق فروع واصول مظہر حسنات مصدر برکات

پس اس مسئلہ کا تناسخ کا جواب دیا جائے، خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ بابا فرید صاحب محمد حسین پاک پٹنی کی تحریر کے مطابق وفات کے بعد دومرتبہ اس جہان فانی میں بذریعہ دوسرے والدین کے پیدا ہو چکے ہیں، پہلی مرتبہ جب وہ پیدا ہوئے تو شیخ ابراہیم سجادہ نشین پاک پٹن کے نام سے موسوم ہوئے، اور دوسری مرتبہ چھ سو سال کے بعد تاج محمود چشتی پاک پٹنی کے گھر پیدا ہوئے، اور اب ان کا نام محمد حسین رکھا گیا ہے، اور اس محمد حسین نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح اپنی کتاب "اسرار عترت فریدی" میں اس قدر جھوٹ بولے ہیں کہ غلام احمد قادیانی سے بھی سبقت لے گیا ہے، اب آپ اس سائل کو مسرور وممتاز فرمائیں، اور روایات کتب معتبرہ سے اس کا جواب تحریر کریں۔ بندہ سائل سید حسین شاہ بخاری نقوی ساکن موضع پانہ جہار ڈاک خانہ نصیر پور تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری، معروضہ ۲۹ ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۰ھ، معقولات ومنقولات کے حقائق سے واقف، اصول وفروع کی باریکیوں کو کھولنے والے

برہان المتکلمین شمس العلماء قمر الفقہاء زبدۃ الاماثل والاواخر عالی جناب معلی القاب مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب مدظلہم العالی بالجاہ والمعالی وابقاکم اللہ تعالےٰ علی مفارق المسلمین الی یوم الدین، این خاکسار راجی الی رحمۃ اللہ سید حسن علی شاہ بخاری النقوی بخدمت اقدس آنجناب پس از تبلیغ سلام ہدیہ سنت جناب حضرت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام واشتیاق زیارت التماس پذیر میشود، کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ودیگر علماء فقط بر نفس مسئلہ مذکورہ اکتفا فرمودہ جواب تناسخ تحریر نمودہ اند وعبارت فاضل گنگوہی این است

"الجواب، تعدد تولد کہ مبنی بر تناسخ است نزد اہل سنت والجماعت باطل است ونسبت آن بحضرت شیخ یعنی بابا فرید گنج پاک پٹنی علیہ الرحمۃ محض افتراست ومدعی این نسبت واین مذہب محض جاہل است تصدیق دعواش ناروا است واقوالش محض خطا، ازانجا کہ مسئلہ تناسخ در جملہ کتب کلام مزبن است وکذب این بیان باشارات آیات واحادیث مبین وبندہ بوجہ معذوری چشمان از نقل روایات مجبور لہذا بر نفس مسئلہ اکتفا کردہ شد، واللہ تعالیٰ اعلم، بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ [رشید احمد]

**الجواب**:- ہو الملہم للصواب، منکرین قیامت وبعث وحشر دو قسم کے ہیں، ایک تو وہ جن کا عقیدہ وقول یہ ہے، کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے، نہ قالب اول میں اور نہ قالب آخر میں، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کے اس عقیدہ وقول کو بیان فرماتا ہے ان ھی الا موتتنا الاولیٰ وما نحن بمنشرین یعنی بس ہماری پہلی موت ہے، جو ہم مرے بس پھر ہم زندہ ہو کر اٹھنے والے

---

نیکیوں کے منبع برکات کے مصدر متکلمین کے راہنما علماء کے سورج، فقہاء کے چاند اولین وآخرین کے خلاصہ عالی جناب بلند القاب سید محمد نذیر حسین صاحب خدا تعالیٰ ان کی بلند اقبال زندگی کو مسلمانوں کے لئے قیامت تک باقی رکھے، ان کے جاہ ومرتبہ کے سایہ کو ان کے سروں پر قائم رکھے، یہ خاکسار اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار سید حسن علی شاہ بخاری نقوی آنجناب کی خدمت میں ہدیہ سنت خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام یعنی سلام اور اشتیاق زیارت کے بعد ملتمس ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور دیگر علماء نے فقط نفس مسئلہ پر اکتفا کر کے تناسخ کا جواب ارسال فرمایا ہے، فاضل گنگوہی کی عبارت یہ ہے "الجواب، کئی بار دنیا میں پیدا ہونا جس پر کہ تناسخ کی بنیاد ہے اہل سنت والجماعت کے نزدیک باطل ہے، اور حضرت شیخ یعنی بابا فرید گنج پاک پٹنی علیہ الرحمۃ کی طرف اس کو منسوب کرنا سراسر بہتان ہے، اور اس نسبت اور اس مذہب کا مدعی محض جاہل ہے، اس کے دعویٰ کی تصدیق کرنا ناجائز ہے، اس کے اقوال بالکل غلط ہیں، کیونکہ تناسخ کے مسئلہ کو علم کلام کی تمام کتابوں میں بیان کیا گیا ہے اور اس بیان کا جھوٹ ہونا آیات واحادیث سے صاف ظاہر ہے، اور بندہ آنکھوں کی مجبوری کی وجہ سے روایات نقل کرنے سے معذور ہے، لہذا نفس مسئلہ پر اکتفا کیا گیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، بندہ رشید احمد گنگوہی"

نہیں ہیں، اور دوسرے مقام میں فرماتا ہے ان ھی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین یعنی ہماری بس دنیا ہی کی زندگی ہے، پھر ہم اٹھائے نہیں جائیں گے۔

اور دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں، جو تناسخ کے قائل ہیں، جن کا عقیدہ و مقولہ ہے، کہ ہم اسی دنیا میں زندہ ہوتے ہیں، پھر مرتے ہیں، پھر زندہ ہوتے ہیں، پھر مرتے ہیں، کبھی قالب اول میں مر کر زندہ ہوتے ہیں، اور کبھی قالب آخر میں، اس دنیا کی زندگی کے سوائے اور کوئی زندگی ہماری نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سورہ جاثیہ میں ان کے عقیدہ و مقولہ کو بیان فرماتا ہے اِن ھی الا حیوتنا الدنیا نموت و نحیا وما یھلکنا الا الدھر[1] اور سورہ مومنون میں فرماتا ہے اِن ھی الا حیاتنا الدنیا نموت و نحیا وما نحن بمبعوثین[2]، چونکہ یہ دونوں قسم کے منکرین قیامت انکار حیات اخروی میں ہم عقیدہ و متفق اللسان ہیں، اس لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان دونوں قسم کے لوگوں کا ایک طریقہ پر جواب دیا ہے، سورہ جاثیہ میں فرماتا ہے۔ قل اللہ یحییکم ثم یمیتکم ثم یجمعکم یوم القیمۃ لا ریب فیہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون یعنی کہہ دیجئے، کہ اللہ تعالیٰ ہی تم کو زندہ کرتا ہے پھر تم کو مارے گا، پھر تم کو قیامت کے دن اکٹھا کرے گا، جس میں کچھ شک نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوا، کہ دنیا کی زندگی کے بعد مرنا ہے، پھر مرنے کے بعد قیامت کے دن سب کو زندہ ہو کر جمع ہونا ہے، پس اس سے قیامت کا بھی ثبوت ہوا، اور اس بات کا بھی ثبوت ملا، کہ مرنے کے بعد پھر اس دنیا میں زندہ ہونا نہیں ہے، بلکہ قیامت ہی کے دن اٹھنا ہے بنا بریں اس آیت نے دونوں قسم کے منکرین کی صاف تردید کر دی ہے، سورہ طٰہٰ میں فرماتا ہے منھا خلقناکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اخری، یعنی ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، اور اسی میں تم کو پھر لوٹائیں گے، اور اسی سے پھر دوسری بار تم کو نکالیں گے، اس آیت نے بھی دونوں قسم کے عقیدہ و مقولہ کو صاف باطل کر دیا، اور تناسخ کو بھی صاف اڑا دیا، سورہ بقرہ میں فرماتا ہے کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون، یعنی کیونکر تم اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم مردے تھے، سو اس نے تم کو زندہ کیا، پھر تم کو مارے گا، پھر جلا دے گا، پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے، سورہ یٰسین

---

[1] ہماری یہ صرف دنیا ہی کی زندگی ہے، ہم مرتے ہیں، اور زندہ ہوتے ہیں، اور ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔[2] ہماری یہ صرف دنیا ہی کی زندگی ہے، ہم مرتے بھی رہتے ہیں اور زندہ بھی ہوتے رہتے ہیں، اور قیامت کو اٹھائے نہیں جائیں گے۔

میں فرماتا ہے۔ وضرب لنا مثلا ونسی خلقہ قال من یحیی العظام وھی رمیم قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم۔ قرآن مجید میں اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں جن سے تناسخ کا بطلان آفتاب کی طرح روشن ہے

تناسخ کا بطلان ان احادیث سے بھی صاف ثابت ہوتا ہے، جن سے صدقات وخیرات و حج وصیام وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچنا ثابت ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا کہ بتقلب قوالب لوگ زندہ ہی رہا کرتے، تو ان پر نہ میت کا اطلاق ہوتا، اور نہ ان کو ثواب پہنچتا، ونیز ان احادیث سے بھی تناسخ کا بطلان صاف ظاہر ہوتا ہے، جن سے عذاب قبر ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اگر لوگ قالب بدل بدل کر دنیا ہی میں زندہ رہا کرتے، تو عذاب قبر کس پر ہوتا، ونیز قیامت کے دن صور کی آواز سے تمام لوگ اپنے مرقد سے یعنی قبروں سے نکل کر میدان محشر میں جمع ہوں گے۔ قال[۲] اللہ تعالیٰ ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون قالوا یویلنا من بعثنا من مرقدنا ھذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون۔ وقال[۳] تعالیٰ یوم یخرجون من الاجداث سراعا کانھم الی نصب یوفضون ٭ پس قائلین تناسخ کے عقیدہ کے مطابق تمام لوگ دنیا ہی میں بتقلب قوالب زندہ رہا کرتے، تو قیامت کے دن قبروں سے اٹھے گا کون؟ تناسخ کے بطلان پر یہ چند دلیلیں قرآن وحدیث سے مختصراً نقل کی گئی ہیں، علاوہ ان کے قرآن وحدیث میں بہت سی دلیلیں موجود ہیں ولکن فی ھذا القدر عبرۃ لاولی الالباب ہاں میں نے بمقابلہ قرآن وحدیث کے دلائل عقلیہ سے اعراض کیا، واللہ اعلم بالصواب

حررہ عبدالوہاب عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**ھو الموفق:** ۔ تناسخ کا بطلان قرآن مجید کی اس آیت سے نہایت صریح اور صاف طور پر ثابت ہے، سورہ مومنون میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ

---

[۱] (اس کافر نے) ہمارے لئے مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا، کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کریگا، آپ کہہ دیں، کہ ان کو وہ اللہ زندہ کرے گا، جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا، اور وہ پیدائش کے تمام طریقے جانتا ہے۔

[۲] اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور نرسنگا پھونکا جائے گا، تو وہ تمام اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف سرکنے لگیں گے اور کہیں گے ہائے افسوس ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھایا، یہ وہ دن ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا، اور پیغمبروں نے سچ فرمایا تھا۔

[۳] اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس دن وہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ اپنے بتوں کی طرف دوڑ رہے ہونگے۔

الی یوم یبعثون یعنی یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آوے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے دنیا میں پھر لوٹا دو، اور مصیر دو، شاید کہ میں اچھا عمل کروں، اس چیز میں جو چھوڑ آیا ہوں، ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے، کہ اس کا وہ کہنے والا ہے، اور ان کے آگے ایک پردہ ہے (جو ان کو پھر دنیا میں لوٹ کر آنے سے مانع ہے) اس دن تک جس میں لوگ اٹھائے جائیں گے یعنی قیامت تک، مولانا شاہ عبدالقادر صاحب اس آیت کے فائدے میں لکھتے ہیں، معلوم ہوا یہ جو لوگ کہتے ہیں، کہ آدمی مرکر پھر آتا ہے سب غلط ہے، قیامت کو اٹھیں گے، اس سے پہلے ہرگز نہیں انتہی، کتبہ محمد عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

**سوال**:۔ زید کسی بزرگ کی قبر پر جاکر یہ التجا کرتا ہے، کہ یا حضرت آپ رب کریم سے دعا فرمادیں گے، رب العالمین مجھ کو اولاد عطا فرمائے گا، یہ امر جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**:۔ کسی قبر پر جاکر یہ التجا کرنا جائز نہیں، اس واسطے کہ یہ کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، علاوہ بریں یہ التجا اس بنا پر ہے، کہ زندوں کی التجا مردے سنتے ہیں، اور قبر میں ان کی التجا پر دعا کرتے ہیں، اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے، حالانکہ یہ باتیں کسی دلیل صحیح سے ثابت نہیں، پس یہ التجا کیونکر جائز ہوسکتی ہے، واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ مولانا محمد نذیر حسین صاحب دام ظلکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد آداب سے دست بستہ جناب کے شاگردان شاگردوں کی خدمت بابرکت میں ایک عرضداشت بدیں خیال ارسال کرتا ہوں، کہ آنجناب کی شان علمی اللہ جل شانہ نے ہندوستان تو کیا میرے نزدیک بلاد اسلام میں ایک پیدائی ہے، اور یہ اللہ کا کام ہے، میرے دل میں ایک وسوسہ عرصہ سے کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے، اور میں کئی بزرگان دین سے بھی اور اور لوگوں سے بھی بذریعہ عریضہ دریافت کرچکا ہوں، مگر کسی صاحب نے اس کا جواب دینا اپنی کسر شان تصور کیا یا کیا خیال فرمایا، مجھ کو محروم رکھا اور جواب نہ دیا، حضور کی ذات والا صفات سے امید قوی ہے، کہ للہ نظر ترحم اپنے کسی شاگرد صاحب کو کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے عالم ہی ہوتے ہیں، اگر ارشاد فرمادیں گے، تو وہ تحریر فرماکر مرحمت کردیں گے، وہو ہذا:۔

میں ایک روز احیاء العلوم کے ترجمہ مذاق العارفین کی پہلی جلد کو دیکھ رہا تھا، جب دیکھتے دیکھتے سورق کی نوبت پہنچی، تو دہریوں کے رد میں جو رسالہ قدسیہ درج ہے دیکھا، اس میں عقلی دلیلوں سے پہلے خدا تعالیٰ کا ہونا، پھر ازلی پھر ابدی ہونا وغیرہ وغیرہ ثابت کیا ہے، تیسری اصل میں لکھا ہے:۔

"یہ جاننا چاہیئے، کہ خدائے تعالےٰ باوجود ازلی ہونے کے ابدی بھی ہے، کہ اس کے وجود کا انجام

نہیں، بلکہ وہی اول ہے، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن، اس لئے کہ جس کا قدیم ہونا ثابت ہوگیا، اس کا معدوم ہونا محال ہے، یعنی ناممکن"

اتنا پڑھا تھا، کہ دل میں خیال آیا، اسی دلیل کے بموجب جو شے معدوم نہیں ہوتی یا نہ ہوگی، وہ ازلی ہوئی، اور روح کے بارے میں علماء کہتے ہیں، کہ اس کو فنا نہیں، گویا ابدی ہے، اچھا جب ابدی ہے، تو ازلی بھی ہوئی، کیونکہ یہ لازم و ملزوم بات ہے، اور یہ اعتقاد اہل ہنود کا ہے، نہ اہل اسلام کا، ان کے اور ہمارے مذہب میں یہی فرق ہے، جب ہی وہ آواگون مانتے ہیں، اور حدیثوں سے ثابت ہے، کہ روح مخلوق یعنی حادث ہے، پس جو شے حادث ہے، وہ ازلی نہیں، تو ابدی کہنی کیسے ہوگی، علاوہ اس کے قرآن مجید کی ان آیات سے جو سورہ ہود کی ۱۰۶ سے ۱۰۷ تک ہیں دوزخیوں اور اہل جنت کے واسطے فرمایا ہے خالدین فیہا مادامت السموات والارض الا ماشاء ربك ان ربك فعال لما یرید (جب تک رہیں آسمان اور زمین) آسمان زمین اب ہوں یا جب ہر حالت میں ہر دو حادث، پھر قدامت کیسی، اور اس پر "الا" کا طرہ الگ رہا۔

راقم محروم عبد القیوم بذلا ڈھا اسٹیشن ای سی پی ریلوے ضلع حصار ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

**الجواب:** مذاق العارفین کی اس عبارت کا جو آپ نے نقل کی ہے، یہ مطلب ہے، کہ اللہ ازلی ابدی ہے، اور جو ذات کہ ازلی ابدی ہو، وہ قدیم ہے، اور جو ذات کہ قدیم ہو اس کا معدوم ہونا محال ہے، اور ازلی ابدی کو معدوم نہ ہونا لازم ہے، اور اس عبارت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو ذات ابدی ہو، اور اس کا عدم بعد الوجود نہ ہو، وہ ازلی ہے، روح کا ازلی ہونا اس وقت لازم آتا، کہ جب ہر ابدی کو ازلی ہونا ضرور ہوتا، لیکن ہر ابدی کا ازلی ہونا ضرور نہیں کیونکہ ازلی اس ذات کو کہتے ہیں جس کا وجود بعد العدم نہ ہو، یعنی جس کے وجود کی ابتدا نہ ہو، اور ابدی اس ذات کو کہتے ہیں جس کا عدم بعد الوجود نہ ہو، یعنی اس کے وجود کا زمانہ استقبال میں انتہا نہ ہو، پس کچھ ضرور نہیں، کہ جو چیز معدوم بعد الوجود نہ ہو یعنی ابدی ہو، وہ موجود بعد العدم نہ ہو یعنی ازلی ہو، ہوسکتا ہے، کہ ایک چیز کے وجود کا زمانہ استقبال میں انتہا نہ ہو، مگر وجود اس کا بعد العدم ہو یعنی پہلے معدوم تھی، بعد اس کے موجود ہوئی ہو، بنا علیہ روح کے ابدی ہونے، اور اس کے زمانہ استقبال میں فنا نہ ہونے سے اس کا ازلی ہونا ثابت نہیں ہوتا، اور روح کا ابدی ہونا، اس کے حادث ہونے میں کچھ خلل نہیں ڈالتا بلکہ روح ابدی ہے، اور اس کے ساتھ حادث بھی ہے، کیونکہ حادث کے لئے یہ ضرور نہیں ہے کہ زمانہ استقبال میں اس کا فنا ضرور ہو۔

حادث کی دو قسمیں ہیں، حادث بالذات اور حادث بالزمان، حادث بالذات اس شے کو کہتے ہیں جو اپنے وجود میں غیر کی محتاج ہو، اور حادث بالزمان اس شے کو کہتے ہیں، جو مسبوق بالعدم ہو یعنی بعد عدم کے موجود ہو، روح پر حدوث کے دونوں معنی صادق آتے ہیں، پس روح حادث بالذات بھی ہے، اور حادث بالزمان بھی، اور روح کے ابدی ہونے کو روح کا حادث بالذات اور حادث بالزمان ہونا منافی نہیں ہے، ہماری اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے، کہ ابدی کو ازلی ہونا لازم نہیں ہے روح ابدی ہے، اور اس کو زمانہ استقبال میں فنا نہیں، اور ازلی نہیں ہے، بلکہ حادث ہے، پس آپ کو جو ابدی اور ازلی کے لازم وملزوم سمجھنے کی وجہ سے خدشہ اور وسوسہ پیدا ہوا تھا، وہ رفع ہوگیا واللہ تعالے اعلم، حررہ احقر عباداللہ العلیم محمد ابراہیم بہاری عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین |

**سوال**:۔ چہ مے فرمایند علمائے محققین از اہل سنت والجماعت کہ ایمان فی نفسہ یا بتفاضل اعمال قابل زیادت ونقصان است، یا نہ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ بہر دو طریق قابل زیادت ونقصان وقوت وضعف است بلا ریب، چنانکہ بر اہل بصیرت پوشیدہ نیست، کہ نور حسی شمس وقمر ونجوم متفاوت است، چہ نور شمس بہ نسبت نور قمر زیادہ تر تاباں ودرخشان است، ہم چنین نور ہر ستارہ بہ نسبت دیگرے بیشتر، ونور چراغ پیش آفتاب پرتوے ندارد، وہم چنین ظلمت متفاوت است زیراکہ تاریکی شب ماہ بلا ابر بمقابلہ شب تاریک وظلمت ابر کثیف در تہ خانہ وغار کوہ وتہ دریا بجوے نیرزد، وعلی ہذا القیاس نور معنوی ایمانی در قلوب عباد مؤمنین بحسب استعداد فطری وقوت نظری وریاضت نفسی وامتثال ماموراۃ و انتقار از منہیات بمقتضائے مشیت الٰہی مراتب مختلفہ ومدارج متفاوتہ می دارد فل کل یعمل علی شاکلتہ، فربکم اعلم بمن ہو اہدی سبیلا۔

سوال:۔ اہل سنت والجماعت کے محققین علماء کی کیا رائے ہے، کہ ایمان بذاتہ یا اعمال کی وجہ سے بڑھتا گھٹتا ہے، یا نہیں؟

الجواب:۔ دونوں لحاظ سے ایمان میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے، اور قوت وضعف بھی، آپ غور فرمائیں کہ ظاہری نور مثلاً سورج، چاند اور ستاروں کے نور میں کتنا فرق ہے، علی ہذا القیاس اندھیروں میں بھی کمی بیشی ہے، چاندنی چھٹکی ہوئی رات کی تاریکی، اور ابر آلود اندھیری شب کی تاریکی میں بہت بڑا فرق ہے، خصوصاً جب کہ آدمی کسی غار یا سمندر کی تہ میں بھی ہو، معنوی نور کی بھی یہی کیفیت ہے، فطری استعداد، ریاضت نفس اور تعمیل اوامر اور اجتناب عن المعاصی کے مختلف مراتب ومدارج کے لحاظ سے نور ایمانی میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے۔

ونور ایمانی انبیاء علیہم السلام بیش از بیش از دیگر مومنین مانند صدیقین وشہداء وصالحین بدرجہ اتم است الله اعلم حیث یجعل رسالته الآیۃ وقد جاءکم من الله نور وکتاب مبین الآیۃ ومراد از نور درینجا ذات بابرکات آنسرور کائنات است بہ سبیل مبالغہ بعد ازین نور دیگر مومنین ہم مراتب متفاوتہ دارد، زیراکہ نور قلوب صدیقان زیادہ تر است بہ نسبت نور قلوب شہداء ونور قلوب شہداء زائد است بہ نسبت قلوب دیگر مومنان ونور قلوب مومنین کاملین زیادہ تر بہ نسبت نور عامہ مومنین، زیراکہ نور ایمانی وہبی است وہبہ وانعام بکافہ انام از خاص وعام حسب مشیت ایزد منعام متفاوت الدرجات است یختص برحمتہ من یشاء الآیۃ چنانکہ بر ذوی الافہام کہ بر مبادی احکام مستبصر ومتدبر اند مخفی نیست، چنانچہ آیت کریمہ فاولئک مع الذین انعم الله علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین باختلاف مراتب نور ایمانی وتفاوت درجات وجلائی بنا بر شرح صدور وحلاوت روحانی این مراتب متفاوتہ میدہد، واز ینجا قاضی ناصر الدین بیضاوی در تفسیر خود گفتہ قسمہم اربعۃ اقسام بحسب منازلہم۔ انتہی مافیہ مختصراً۔

پس دریں صورت چگونہ گفتہ شود کہ ہمہ عباد مومنین در ایمان مساوی اند لا یزید ولا ینقص ومنشاء این عدم تدبر قرآن وحدیث است ومبناء ایمان تقلید متکلمین است، زیراکہ آیات قرآنیہ مانند یخرجہم من الظلمات الی النور الآیۃ وقولہ تعالیٰ لیخرج الناس من الظلمات

---

چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا نور ایمانی بہ نسبت دوسرے مومنوں مثلاً صدیقین، شہداء اور صالحین کے نور ایمانی کے بہت زیادہ ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ "تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آئی ہے" اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو بر سبیل مبالغہ "نور" فرمایا ہے، اور پھر دوسرے مومنوں کے نور ایمانی میں بھی فرق ہے، شہداء کا نور ایمانی دوسرے مومنوں سے زیادہ ہے، اور عام مومنوں کے نور سے خواص کا نور ایمانی زیادہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ایک وہبی چیز ہے، اور وہبی چیز مشیت ایزدی پر موقوف ہوتی ہے، یختص برحمتہ من یشاء جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نگاہ دوررس عطا کر رکھی ہے، وہ جانتے ہیں کہ آیت اولئک الذین انعم الله علیہم الآیۃ نور ایمانی کے مختلف درجات ومراتب کی طرف اشارہ کر رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ قاضی ناصر الدین بیضاوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مراتب کے لحاظ سے چار درجوں میں تقسیم کر دیا ہے، پس اس صورت میں کیسے کہا جا سکتا ہے، کہ تمام مومنوں کا نور ایمانی ایک جیسا ہے، اس میں کمی بیشی نہیں ہے، دراصل ایمان میں کمی بیشی نہ ہونے کا خیال محض قرآن میں عدم تدبر کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، اور اس کی بنیاد متکلمین کی تقلید ہے، قرآن مجید میں بہت

الی النور الایۃ وقولہ تعالیٰ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات الایۃ وقولہ تعالیٰ نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء وغیرھا من الایات الکثیرۃ درہر جاکہ واقع شدہ مراد ازاں کفر و ایمان است باتفاق مفسرین مگر در سورہ انعام جعل الظلمات والنور کہ مراد ازاں لیل و نہار است،

و نیز ظاہر کہ وجود عینی ایمان نور است و این نور ایمانی حسب مراتب شرح صدور است بدلیل این آیت۔ افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ الایۃ فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام۔ فیتسع لہ وینفسح وھو کنایۃ عن جعل النفس قابلۃ للحق مھیاۃ لحلولہ مصفاۃ عما یمنعہ و ینافیہ والیہ اشار علیہ السلام حین سئل عنہ فقال نور یقذفہ اللہ فی قلب المؤمن فینشرح وینفسح فقالوا ھل لذلک امارۃ یعرف بھا فقال نعم الانابۃ الی دار الخلود والتجافی عن دار الغرور والاستعداد للموت قبل نزولہ کذا فی البیضاوی وغیرہ۔ پس انابت و تجافی و استعداد بقدر انشراح صدر حاصل خواہد بود و انشراح صدر متفاوت الدرجات است۔ پس این امور قلبیہ باندازہ شرح صدر نیز متفاوت خواہند بود، کما لا یخفی علی المتامل الماہر والم نشرح لک صدرک باختلاف استعداد ہر کس تفاوت بسیار میدارد و مراد از شرح صدر منبسط شدن صدر بنور الٰہی است، چنانچہ امام راغب در مفردات قرآن گفتہ و در بسط و انبساط آں مراتب متفاوتہ است، کہ در مابین ہر مرتبہ بون بعید است، چہ بسط کامل تر در شرح صدر انبیاء علیہم السلام اتم از اتم است، و انا نہا شرح صدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوقیت زیادت کمال میدارد، لہذا در آیت الم نشرح لک صدرک لفظ لک واقع شد

---

سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے اسی طرح مثلاً یخرجھم من الظلمات الی النور الایۃ لیخرج الناس من الظلمات الی النور الایۃ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات الایۃ نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء الایۃ وغیرہ میں جہاں کہیں بھی نور کا ذکر ہے وہاں نور ایمانی مراد ہے، ماسوائے سورہ انعام کی آیت کے جعل الظلمات والنور الایۃ کہ وہاں ظلمت اور نور سے رات اور دن مراد ہیں۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ ایمان کا وجود عینی نور ہے، اور یہ نور شرح صدر سے پیدا ہوتا ہے، اور شرح صدر کے مدارج چونکہ مختلف ہیں، اس لئے لازمی طور پر نور ایمان کے مراتب بھی مختلف ہوں گے، چنانچہ امام راغب نے مفردات قرآن میں اسی کو تفصیل سے بیان کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرح صدر کا مرتبہ چونکہ تمام انبیاء سے

تاکمال شرح صدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنور علمی و نور ایمانی از ہمہ فوق مافوق گردد، کہ ازیں جہت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمودند، کہ انا اتقاکم واعلمکم باللہ وبعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ نعم ما قیل ؎ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

و بنا بر تفاوت صدر شرح صدر محبت و رغبت الی اللہ بہمہ تن و خوف و خشوع و تضرع و خشیت و صبر و قناعت و تسلیم و رضا بالقضاء و تنفر از زخارف دنیا و اجتناب از معاصی و حرص و ہوا در دل مومن پیدا میشود، ہر کہ بصفات تمام متصف گردید مومن کامل شد و ہر کہ متصف بعض صفات شدہ مومن ناقص خواہد بود ان الذین اوتوا العلم من قبلہ اذا یتلی علیہم یاتنا یخرون للاذقان سجدا و یقولون سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا۔ و یخرون للاذقان یبکون و یزیدہم خشوعا الایۃ قال اللہ تعالی تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربہم الایۃ قد افلح المومنون الذین ہم فی صلوتہم خاشعون الایۃ و یدعوننا رغبا و رہبا وکانوا لنا خاشعین الایۃ الخشیۃ خوف یشوبہ تعظیم واکثر ما یکون عن علم بما یخشی منہ ولذلک خص بعض العلماء بہا فی قولہ تعالی انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کذا فی مفردات القران للامام راغب انما المومنون الکاملون فی الایمان الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم واذا تلیت علیہم ایاتہ زادتہم ایمانا لزیادۃ المومن بہ لاطمینان النفس ورسوخ الیقین بتظاہر الادلۃ او بالعمل بموجبہا وہو قول من قال الایمان یزید بالطاعۃ و ینقص بالمعصیۃ بناء علی ان العمل داخل فیہ وعلی ربہم یتوکلون الذین یقیمون الصلوۃ ومما رزقناہم ینفقون اولئک ہم المومنون حقا لانہم حققوا ایمانہم بان ضموا الیہ مکارم اعمال القلوب من الخشیۃ والاخلاص و التوکل و محاسن افعال الجوارح التی ہی العیار علیہا الصلوۃ والصدقۃ انتہی ما فی البیضاوی مختصرا و از آیت قولوا امنا باللہ وما انزل الینا تا این جا آنچہ

بلند ہے لہذا ان کا ایمان بھی سب سے زیادہ ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا ہے انا اتقاکم واعلمکم باللہ الحدیث، چنانچہ محبت و رغبت الی اللہ اور خشوع و خضوع، صبر و قناعت تسلیم و رضا اور اجتناب از معاصی، و حرص و ہوا کے تفاوت درجات کی بنا پر ایمان میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے بیضاوی نے اس مقام و خشوع اور زیادت ایمان کی آیات کو جمع کیا ہے۔

مذکور شد ارکان ایمان وواجبات اعتقادی بود حالا او ہادی مطلق می فرماید، کہ برین قدر قناعت نہ کنید، بلکہ ازین مرتبہ بالا ترقی جوئید وبگوئید، کہ ما اختیار کردیم صبغۃ اللہ یعنی رنگ خدا را وخود را برنگ او رنگین کردیم، چنانچہ رنگ در ظاہر وباطن جامہ نفوذ می کند وآن جامہ از جامہ ہائے دیگر ممتاز می شود ورنگ ما رنگ خدا است، کہ از تہ دل می جوشد ودرون وبیرون را رنگین می کند ومن احسن من اللہ صبغۃ ونیست خوبتر از خدا در رنگ کردن، واین رنگ خدا باصح اقوال رنگ ملکہ راسخہ انقیاد واطاعت واطمینان باوامر ونواہی اوست عز شانہ وتشریح این در تفسیر عزیزی باید دید۔

غرض مطلب از بیان آیت صبغۃ اللہ این است، کہ رنگ خدا کہ عبارت از ملکہ انقیاد تام است متفاوت الدرجات است بنظر استعداد فطری ہر انسان چہ کسیکہ بصفات کاملہ متصف است، پس او مومن کامل است وکسیکہ بتمام صفات کاملہ متصف نیست او ناقص است، پس ازین زیادت ونقصان در ایمان متحقق گردید، نعم ما قیل ؎

آنانکہ خاک راہ را بنظر کیمیا کنند　　بے پردہ گر بدیدہ درآئی چہا کنند

حالا بر اصل مقصد می آئیم کہ قول ابراہیم در قرآن مجید دال است بر این کہ ایمان فی نفسہ قابل زیادت ونقصان است، زیراکہ مرتبہ اطمینان کہ بمشاہدہ عیان شود اقوی واعلی است از مرتبہ استدلال والقان قال اللہ تعالیٰ اذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تؤمن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی الایۃ وقال ابراھیم علیہ السلام ولکن لیطمئن قلبی اشارۃ الی تفسیر سعید بن جبیر ومجاھد وغیرھما بھذہ

---

اب تک جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ ایمان کے ارکان اور اعتقادی واجبات تھے، خداوند تعالیٰ تو اس سے بھی زیادہ بلند مراتب کی طرف راہ نمائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ تم کہو ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کیا، اور اللہ کے رنگ سے اور کونسا رنگ بہتر ہو سکتا ہے اور رنگ کپڑے کے ظاہر اور باطن میں نفوذ کر جاتا ہے، اور رنگ سے مراد یہاں پوری اطاعت اور فرمانبرداری ہے، پھر جس طرح کپڑے پر کبھی رنگ گہرا ہوتا ہے اور کبھی ہلکا، یہی کیفیت اطاعت کی کمی بیشی سے پیدا ہوتی ہے جو لوگ صفات کاملہ سے متصف ہوتے ہیں، ان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔ اور جو صفات کاملہ میں ناقص ہوتے ہیں، ان کا ایمان بھی کم ہوتا ہے، اب ہم اس بحث کو ایک اور طریقہ سے شروع کرتے ہیں، قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے، کہ آپ نے عرض کیا رب ارنی کیف تحیی الموتی قال اولم تؤمن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی، یہ آیت سب سے بڑی دلیل ہے کہ نفس ایمان میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے

الآیۃ فروی ابن جریر بسند صحیح الی سعید بن جبیر قال قولہ لیطمئن قلبی ای لیزداد یقینی وعن مجاھد قال لازداد ایمانا الی ایمانی واذا ثبت ذلک عن ابراھیم مع ان نبینا امر باتباع ملتہ کان کانہ ثبت عن نبینا صلی اللہ علیہ وسلم انتہی ما فی فتح الباری مختصرا وھکذا فی التفاسیر وازیں جا است قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم الصبر نصف الایمان کما رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ والبیہقی فی الزھد ولفظہ النصف صریح فی التجزیۃ انتہی ما فی فتح الباری مختصرا وعن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یدخل اھل الجنۃ الجنۃ واھل النار النار ثم یقول اللہ عزوجل اخرجوا من النار من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان کما رواہ البخاری وغیرہ ونیز در آخر صحیح بخاری مذکور است فمن وجد تم فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان فاخرجوہ از ابوسعید خدری مروی ست، این قدر ایمان اقل القلیل است ونہایت کمتر وزیادت را حدے نیست وماثبت من امور الآخرۃ لادخل فیہ للعقل کذا فی فتح الباری۔

بدانکہ مذہب سلف آن ست کہ ایمان اعتقاد است بجنان وقول است بلسان وعمل است بارکان ومراد آنہا آن است کہ اعمال داخل یا شرط اند در کمال ایمان نہ در نفس آن واز ہمیں جا ممکن شد برائے آنہا قائل شدن بانکہ ایمان زیادت ونقصان قبول می کند ومرجیہ گویند کہ ایمان عبارت

اگر ایمان صرف تصدیق اور اقرار ہی کا نام ہو، تو اس میں کبھی اضافہ کی گنجائش نہیں ہے، اور نہ ہی ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق اور اقرار میں کچھ فرق آیا تھا، اور ابوسعید خدری کی حدیث میں صاف مذکور ہے، کہ جب جنتی لوگ جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کہ جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو بھی دوزخ سے نکال لو" اور ابوسعید کی دوسری حدیث میں جس کو بخاری نے روایت کیا ہے یہ لفظ ہیں کہ جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو اسے نکال لو، تو اس سے معلوم ہوا کہ ایمان شرعی ایک ذرہ تک بھی معتبر ہے، اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر ابوبکر کے ایمان کو تمام امت کے ایمان سے تولا جائے، تو بھی ابوبکر کا ایمان اس سے بڑھ جائے گا"

سلف صالحین کا مذہب یہ تھا، کہ ایمان دل کے اعتقاد، زبان کے اقرار اور اعضا کے اعمال کا نام ہے، اور وہ اعمال کو ایمان کا جز یا شرط قرار دیتے ہیں، یہی وجہ ہے، کہ وہ ایمان کی کمی بیشی کے قائل ہیں، مرجیہ کا عقیدہ یہ ہے، کہ ایمان دل کے اعتقاد اور زبان کے اقرار کا نام ہے" فقط۔

از اعتقاد است بدل و اقرار بزبان پس بس و کرامیہ گویند کہ ایمان عبارت از نطق لسان است بشہادتین و بس و معتزلہ گویند کہ ایمان عبارت است از اعتقاد و قول و عمل و فرق درمیان قول سلف و معتزلہ آن است، کہ سلف اعمال را شرط در کمال ایمان می کنند و معتزلہ شرط در صحت ایمان، و یزید و ینقص یعنی ایمان زیادہ می شود و کم۔

و درین مسئلہ نیز اختلاف است، پس مذہب سلف آن است کہ ایمان زیادت و نقصان می پذیرد، و اکثر متکلمین ازین منکر اند و ہمین مذہب حنفیہ است و گویند، کہ اگر قبول کند زیادت و نقصان را پس آن شک و کفر باشد، و این فہم محض ایشان است، چہ دلیلے شرعی برآن نیست، زیرا کہ شارع نقصان آن را بمقدار دانہ خردل یا ذرہ اعتبار کردہ، پس حد نقصان تا مقدار دانہ خردل یا ذرہ نزد شارع معتبر است و کمتر ازان معتبر و مقبول نیست، چنانکہ از حدیث ابو سعید خدری بفکر سابق گذشت مستفاد می شود و مادون خردل و ذرہ موجب شک و کفر خواہد بود، و چہ ظاہر کہ زیادت و نقصان امر اضافی است، و نقصان کم از دانہ خردل نزد شارع مراد نیست، کما لا یخفی علی المتامل الماہر بالنصوص، و مختار آن است، کہ نفس تصدیق نیز زاید و ناقص می شود بکثرت نظر غائر و وضوح ادلہ چنانکہ قول حضرت ابراہیم لیطمئن قلبی الآیۃ برآن ادل است و اگر نفس تصدیق تفاوت نمی بود پس لازم می آید کہ ایمان انبیاء علیہم السلام و ایمان عامہ مومنین مساوی باشد، حالانکہ این چنین نیست فی الواقع، و لہذا ایمان صدیقین قوی تر است از ایمان سائر مومنین، چنانکہ در حدیث وارد شدہ لو وزن ایمان ابی بکر بایمان الامۃ لرجح ایمان ابی بکر کما فی الجامع الصغیر للسیوطی وغیرہ من کتب الحدیث للبیہقی قولہ یزید و ینقص الخ الکلام ہنا فی المقامین احدہما کونہ عملا و قولا و الثانی انہ یزید و ینقص فاما القول فالمراد بہ النطق بالشہادتین و اما العمل فالمراد بہ ما ہو اعم من عمل القلب و الجوارح لیدخل الاعتقاد و العبادات و المراد من ادخل ذلک فی تعریف الایمان و من نفاہ انما ہو بالنظر الی ما عند اللہ تعالیٰ فالسلف قالوا

---

کرامیہ کا عقیدہ یہ ہے، کہ ایمان صرف توحید و رسالت کے اقرار کا نام ہے معتزلہ کا خیال ہے، کہ ایمان دل کے اعتقاد، زبان کے اقرار اور اعضاء کے اعمال کا نام ہے سلف صالحین اور معتزلہ کے مذہب میں فرق یہ ہے کہ سلف اعمال کو کمال ایمانی کے لئے شرط قرار دیتے ہیں، اور معتزلہ صحت ایمانی کے لئے، چنانچہ بخاری شریف کے باب الایمان یزید و ینقص کے تحت علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں اس بحث کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ھو اعتقاد بالقلب ونطق باللسان وعمل بالارکان واراد وابذلک ان الاعمال تشترط فی کمالہ ومن ھھنا نشأ لھم القول بالزیادۃ والنقصان کما سیاتی ذ المرجئۃ قالوا ھو اعتقاد ونطق فقط والکرامیۃ قالوا ھو النطق والمعتزلۃ قالوا ھو العمل والنطق والاعتقاد والفارق بینھم وبین السلف انھم جعلوھا شرطا فی کمالہ وھذا کلہ کما قلنا بالنظر الی ما عند اللہ تعالی واما بالنظر الی ما عندنا فالایمان ھو الاقرار فقط فمن اقر اجریت علیہ الاحکام فی الدنیا ولم یحکم علیہ بالکفر الا ان اقترن بہ فعل یدل علی کفرہ کالسجود للصنم واما المقام الثانی فذھب السلف الی ان الایمان یزید وینقص وانکر ذلک اکثر المتکلمین وقالوا متی قبل ذلک کان شکا قال الشیخ محی الدین الاظھر المختار ان التصدیق یزید وینقص بکثرۃ النظر ووضوح الادلۃ ولھذا کان ایمان الصدیقین اقوی من ایمان غیرھم بحیث لا تعتریہ الشبھۃ ویؤیدہ ان کل احد یعلم ان ما فی قلبہ یتفاضل حتی انہ یکون فی بعض الاحیان اعظم یقینا واخلاصا وتوکلا منہ فی بعضھا وکذلک فی التصدیق والمعرفۃ بحسب ظھور البراھین وکثرتھا وقد نقل محمد بن نصر المروزی فی کتابہ تعظیم قدر الصلوۃ عن جماعۃ من الائمۃ نحو ذلک وما نقل عن السلف صرح بہ عبد الرزاق فی مصنفہ عن سفیان الثوری ومالک بن انس والاوزاعی وابن جریج ومعمر وغیرھم وھؤلاء فقھاء الامصار فی عصرھم وکذلک نقلہ ابو القاسم اللالکائی فی کتاب السنۃ عن الشافعی واحمد بن حنبل واسحق بن راھویہ وابی عبید وغیرھم من الائمۃ وروی بسندہ الصحیح عن البخاری قال لقیت اکثر من الف رجل من العلماء بالامصار فما

یہ بھی یاد رہے، کہ ایمان کی کمی بیشی کی بحث کا تعلق یوم آخرت اور خدا تعالیٰ سے ہے، کہ قیامت کے دن خداوند تعالیٰ ایمان کی کمی بیشی کے لحاظ سے فرق مراتب کریں گے، ورنہ دنیا میں کسی کے ایمان میں فرق نہیں ہوسکتا، جو شخص بھی ایمانیات کا اقرار کرے گا، اس کو ہم مومن ہی کہیں گے، اور اس پر مومنوں کے احکام جاری ہوں گے، تا وقتیکہ وہ کسی صریح عمل کفر کا ارتکاب نہ کرے، مثلاً کوئی بت کو سجدہ کردے، محمد بن نصر مروزی اور قاسم لالکائی نے بہت سے اماموں اور فقہاء کے نام گنائے ہیں، جن کا مذہب تھا، کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، اور قاسم نے بسند صحیح امام بخاری سے نقل کیا ہے، کہ وہ کہتے ہیں، کہ میں مختلف شہروں میں قریباً ایک ہزار عالم سے ملا، ان میں

رأیت احداً منہم یختلف فی ان الایمان قول وعمل ویزید وینقص واطنب ابن ابی حاتم واللالکائی فی نقل ذلک بالاسانید عن جمع کثیر من الصحابۃ والتابعین وکل من یدور علیہ الاجماع من الصحابۃ والتابعین۔ وحکاہ فضیل بن عیاض ووکیع عن اہل السنۃ والجماعۃ وقال الحاکم فی مناقب الشافعی حدثنا ابو العباس الاصم انبانا الربیع قال سمعت الشافعی یقول الایمان قول وعمل ویزید وینقص واخرجہ ابو نعیم فی ترجمۃ الشافعی من الحلیۃ من وجہ آخر عن الربیع وزاد یزید بالطاعۃ وینقص بالمعصیۃ ثم تلا ویزداد الذین آمنوا ایمانا ثم شرع المصنف (ای البخاری) یستدل لذلک بآیات من القرآن مصرحۃ بالزیادۃ وثبوتہا یثبت المقابل فان کل قابل للزیادۃ قابل للنقصان ضرورۃ انتہی ما فی فتح الباری من ابتداء شرح کتاب الایمان للبخاری وامام بخاری در ابتداء کتاب الایمان آوردہ الحب والبغض فی اللہ من الایمان واستدل علی ذلک ان الایمان یزید وینقص لان الحب والبغض یتفاوتان وقولہ ایضا فان للایمان فرائض ای اعمالا مفروضۃ وشرائع ای عقائد دینیۃ وحدودا ای منہیات ممنوعۃ وسننا ای مندوبات فمن استکملہا ای الفرائض وما معہا فقد استکمل الایمان والمراد انہا من المکملات لان الشارع اطلق علی مکملات الایمان ایمانا انتہی ما فی فتح الباری مختصرا عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام بناکردہ شدہ است اسلام علی خمس بر پنج ارکان واسلام بنظر حقیقت شرعیہ با ایمان اتحاد میدارد در تصدیق و علی ہذا قال اللہ تعالی فاخرجنا من کان فیہا من المؤمنین فما وجدنا فیہا غیر بیت من المسلمین الآیۃ ہر یک از پنج ارکان ستون است برائے اسلام پس

---

سے ایک نے بھی ایمان کی کمی بیشی سے اختلاف نہیں کیا، امام بخاری نے حدیث الحب والبغض فی اللہ بیان کر کے اس سے بھی ایمان کی کمی بیشی کا استدلال کیا ہے، اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے تو ضروری ہے کہ ان میں سے اگر کوئی رکن رہ جائے گا، تو اس قدر اسلام کم ہو جائے گا، اور شرعی اعتبار سے اسلام اور ایمان ایک ہی چیز ہیں، چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے فاخرجنا من کان فیہا من المؤمنین اور پھر فرماتے ہیں فما وجدنا فیہا غیر بیت من المسلمین ترجمہ جس قدر اسلام کم ہوگا ایمان بھی کم ہوگا۔

درین کلام آن خیر الانام تشبیہ دادہ شد اسلام را بیک چیزے کہ مبنی بر ستونہا باشد بر سبیل استعارہ بالکنایۃ و مضاف کردہ شد بسوئے اسلام بنا را کہ از خواص مشبہ بہ است بر طریق تخییل،
و اگر گفتہ شود کہ چہار اخیرہ کہ در حدیث مذکور اند مبنی بر شہادتین مذکورین اند چہ آن ہر چہار بدرجہ صحت نمیرسند، مگر وقتے کہ شہادت موجود باشد دیافتہ شود، پس ضم مبنی بسوئے مبنی علیہ در یک مسمی چگونہ صحیح باشد جوابش آن است کہ جائز است اول یک شے مبنی بر یک امر باشد، بعد ازان ہمان ہر دو یک شے ثالث مبنی شود، و آن ہر دو مبنی علیہ از برائے آن شے ثالث باشند، و اگر گفتہ شود مغایرت مبنی بر مبنی علیہ لازم است، جواب آنکہ مجموع از جہت انفراد غیر است و از جہت جمع عین است، چنانکہ یک خانہ از موئے بنا کردہ شود بر پنج ستونہا کہ یکے از آنہا وسط باشد، و دیگر ہر چہار طرف ارکان باشند پس وقتے کہ وسط قائم باشد ہر آئینہ مسمی بیت و خانہ قائم است، اگرچہ بعضے از ارکان ہائے وے بیفتد و در ہنگامے کہ وسط افتد مسمی بیت و خانہ زائل گردد، اگرچہ ہر چہار ارکان قائم باشند، پس خانہ من حیث المجموع خود یک شے است و بنظر افراد اشیاء کثیرہ است و بنظر باساس اصل است و بنظر بارکان تبع هذا خلاصة ترجمة ما فی فتح الباری وغیرہ شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله واقام الصلوة وایتاء الزکوة والحج وصوم رمضان کما رواه البخاری وفی بعض الروایة صوم مقدم علی الحج واطلاق ایمان اسلام بر اعمال ازین حدیث ثابت گردید، و نیز زیادت و نقصان ازان بوضوح پیوست، پس مذہب سلف کہ ایمان باعتقاد جنان است و قول بلسان و عمل است، راست و برحق شد کما لایخفی علی المتامل المتفطن، امام بخاری باب امور الایمان منعقد گردانید، و درین باب آیات آوردہ و حدیث از ابوہریرہ رض نقل کرد، چنانکہ می آید یعنی باب است در بیان اعمال و اقوال کہ عین

---

یہاں بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے، کہ پانچ ارکان اسلام میں سے آخری چار چیزوں کی بنیاد کلمہ توحید اور رسالت پر ہے، کیونکہ اگر شہادتین نہ ہوں، تو باقی چار چیزیں نماز روزہ حج زکوٰۃ قبول نہ ہوتیں، تو معلوم ہوا کہ کلمہ شہادتین مبنی علیہ ہے، اور باقی چار چیزیں مبنی ہیں، اور مبنی اور مبنی علیہ میں مغائرت ہوتی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اعمال ایمان کی اصلی حیثیت سے خارج ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے، کہ ایک چیز کی بنیاد کسی شے پر ہو اور پھر وہ دونوں چیزیں مل کر ایک تیسری چیز کے لئے بنیاد ہوں یہ ہو سکتا ہے، مثلاً ایک مکان ہی کو لیجئے، اس میں بحیثیت افراد اینٹ لکڑی، مٹی، لوہا وغیرہ بہت سی چیزیں ہیں، اور بحیثیت مجموعی ان تمام چیزوں کو ایک ہی لفظ "مکان" سے تعبیر کر لیا جاتا ہے

ایمان اندر یا باب است درمیان امورے کہ خصوصیت بایمان دارند در تحقق حقیقت و تکمیل ماہیت او باب امور الایمان بالاضافۃ البیانیۃ لان المراد بیان الامور التی ھی الایمان لان الاعمال عند المؤلف ھی الایمان او بمعنی اللام ای باب الامور الثابتۃ للایمان فی تحقق حقیقتہ وتکمیل ذاتہ کذا فی ارشاد الساری وقال فی فتح الباری المراد بیان الامور التی ھی الایمان والامور التی للایمان انتہی کلامہ عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الایمان بضع وسبعون شعبۃ بالضم قطعۃ والمراد الخصلۃ والجزء انتہی ما فی فتح الباری مراد مؤلف رحمۃ اللہ علیہ آن است کہ ازین حدیث معلوم می شود بطریق صراحت نہ بطور اشارت کہ اطلاق اسم ایمان بر اقوال وافعال صحیح است و زیادت ونقصان الان صریح است حسب فرمودہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کما لا یخفی علی ادنی طالب العلم وآیت کریمہ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ای صلوتکم عند البیت کما فی البخاری وغیرہ من کتب الحدیث والتفسیر مؤید اطلاق ایمان بر اعمال وحدیث الایمان بضع وسبعون شعبۃ نیز مشعر ومخبر است بر اشتمال اعمال در ایمان ان ھذہ الشعب تتفرع عن اعمال القلب واعمال اللسان واعمال البدن فاعمال القلب فیہ المعتقدات والنیات وتشتمل علی اربع وعشرین خصلۃ الایمان باللہ ویدخل فیہ الایمان بذاتہ وصفاتہ وتوحیدہ وبانہ لیس کمثلہ شیء واعتقاد حدوث ما دونہ والایمان بملائکتہ وکتبہ ورسلہ والقدر خیرہ وشرہ والایمان بالیوم الآخر ویدخل فیہ المسئلۃ فی القبر والبعث والحساب والمیزان والصراط والجنۃ والنار ومحبۃ اللہ والحب والبغض فیہ ومحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واعتقاد تعظیمہ ویدخل فیہ الصلوۃ علیہ واتباع سنتہ والاخلاص ویدخل فیہ ترک الریاء والنفاق والتوبۃ والخوف والرجاء والشکر والوفاء والصبر والرضاء بالقضاء والتوکل والرحمۃ والتواضع ویدخل فیہ توقیر الکبیر ورحم الصغیر وترک الکبر والعجب وترک الحسد وترک الحقد وترک الغضب واعمال اللسان تشتمل علی سبع خصال التلفظ

ایک درخت اپنی شاخوں کی حیثیت سے بہت سی چیزوں پر مشتمل ہے، اور بحیثیت مجموعی وہ ایک "درخت" ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایمان کو درخت سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ایمان کی ساٹھ سے کچھ اوپر شاخیں، اور وہ شاخیں سب اسلام کے احکام ہیں، فتح الباری میں ان تمام شاخوں کو ایک ایک کرکے گنایا

بالتوحید وتلاوۃ القرآن وتعلم العلم وتعلیمہ والدعاء والذکر ویدخل فیہ الاستغفار واجتناب اللغو واعمال البدن تشتمل علی ثمان وثلاثین خصلۃ منہا ما یختص بالاعیان وھی خمسۃ عشر خصلۃ التطہیر حسا وحکما ویدخل فیہ اجتناب النجاسات وستر العورۃ والصلوۃ فرضا ونفلا والزکوۃ کذلک وفک الرقاب والجود ویدخل فیہ اطعام الطعام واکرام الضیف والصیام فرضا ونفلا والاعتکاف والتماس لیلۃ القدر والحج والعمرۃ کذلک والطواف والفرار بالدین ویدخل فیہ الھجرۃ من دار الشرک والوفاء بالنذر والتحری فی الایمان واداء الکفارات ومنہا ما یتعلق بالاتباع وھی ست خصال التعفف بالنکاح والقیام بحقوق العیال وبر الوالدین وفیہ اجتناب العقوق وتربیۃ الاولاد وصلۃ الرحم وطاعۃ السادۃ والرفق بالعبید ومنہا ما یتعلق بالعامۃ وھی سبع عشرۃ خصلۃ القیام بالامرۃ مع العدل ومتابعۃ الجماعۃ وطاعۃ اولی الامر والاصلاح بین الناس ویدخل فیہ قتال الخوارج والبغاۃ المعاونۃ علی البر ویدخل فیہ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر واقامۃ الحدود والجھاد والمرابطۃ واداء الامانۃ ومنہ اداء الخمس واکرام الجار وحسن المعاملۃ وفیہ جمع المال من حلہ وانفاق المال فی حقہ وفیہ ترک التبذیر والاسراف ورد السلام وتشمیت العاطس وکف الضرر عن الناس واجتناب اللھو واماطۃ الاذی عن الطریق فھذہ تسع وستون خصلۃ ویمکن عدھا تسعا وسبعین خصلۃ باعتبار افراد ما ضم بعضہ الی بعض بما ذکر واللہ اعلم انتہی ما فی فتح الباری واستدل الشافعی واحمد وغیرھما علی ان الاعمال تدخل فی الایمان بھذہ الآیات وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیموا الصلوۃ ویؤتوا الزکوۃ وذلک دین القیمۃ وقال لیس علیہم جناح من ھذہ الآیۃ وایضا استدل علی ذلک ان الایمان یزید وینقص انتہی ما فی فتح الباری

---

ہے، اور تمہارے قول کے مطابق تو ایمان کی سرے سے کوئی شاخ ہے ہی نہیں بلکہ وہ صرف تصدیق اور اقرار ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے احکام کو ایمان کی شاخیں قرار دے کر ان کو ایمان کا جزو بنا دیا۔
قرآن مجید کی ان آیات پر بھی غور کرو اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں ایک سمت ہو کر اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے، اور نماز قائم کریں، اور زکوۃ دیں، اور یہی ہے سیدھا دین" اس سے معلوم ہوا کہ نماز

بدانکہ استدلال امام شافعی و احمد و دیگر سلف صالحین این است کہ مشار الیہ ذلک کل ما تقدم است وہمیں صحیح و حق است بدلیل سوال جبرئیل علیہ السلام از اسلام و ایمان و احسان و فرمودن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ را ہذا جبرئیل جاء یعلم الناس دینھم پس ہمہ را دین قرار داد، چنانکہ تمام حدیث عنقریب می آید ہرگاہ کل ما تقدم مشار الیہ ذالک شد پس کل ما تقدم مسمی بالدین گردید و اعمال در دین داخل شد و دین اسلام است لقولہ تعالی ان الدین عند اللہ الاسلام الایۃ و اسلام عین ایمان است، زیرا کہ ایمان اگر غیر اسلام باشد پس آن مقبول عند اللہ ہرگز نخواہد بود لقولہ تعالی ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ الایۃ فثبت ان الاعمال دین والدین اسلام والاسلام ایمان فلزم ان یکون داخلۃ فی الایمان ۔ حدیث سوال کردن جبرئیل علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم را از ایمان، و اسلام و احسان مؤید است در دخول اعمال کاملہ در دین فقال ما الایمان یعنی جبرئیل علیہ السلام قال یعنی جواب فرمود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم برائے آن مرد الایمان ان تؤمن باللہ وملائکتہ وبلقائہ ورسلہ وان تؤمن بالبعث قال بازگفت آن مرد سائل ما الاسلام قال فرمود رسول مقبول رب العالمین الاسلام ان تعبد اللہ ولا تشرک بہ شیئا وتقیم الصلوۃ وتؤدی الزکوۃ وتصوم رمضان الی اخر الحدیث الطویل ثم ادبر پس ترپشت داد آن مرد و بیرون آمد ثم قال پس فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ردوہ پس بیارید آن مرد را فلم یروہ پس ندیدند اورا فقال پس فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ھذا جبرئیل جاء این مرد غائب جبرئیل بود کہ آمدہ بود یعلم الناس دینھم در حالیکہ تعلیم کند مردان را دین پس

---

اور زکوۃ دین ہیں اور عند اللہ دین اسلام ہے، چنانچہ اللہ تعالے نے فرمایا، کہ اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے" اب غور طلب یہ چیز ہے، کہ ایمان اسلام ہے یا نہیں؟ اگر ایمان اسلام ہے تو فبہا، ورنہ وہ اللہ تعالی کے نزدیک مقبول نہیں ہوگا، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے" جو اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے گا، تو وہ اس سے کبھی قبول نہ کیا جائے گا" تو ان آیات سے ثابت ہوا، کہ اعمال دین ہیں، اور دین اسلام ہے، اور اسلام ایمان ہے، تو نتیجہ یہ نکلا کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں

پھر جبریل علیہ السلام کی حدیث پر غور کرو کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان اور اسلام کے بارے میں سوالات کئے، اور آپ نے فرمایا، کہ یہ جبریل تھے، وہ لوگوں کو ان کا دین سکھانے کے لئے آئے تھے، اب اسلام کے احکام بھی دین کی حقیقت میں شامل ہوئے، اور اعتقادات بھی۔ اب یہ تمام چیزیں جب کہ دین نہیں تو ان کی کمی بیشی سے دین و اسلام میں کمی بیشی ہوگی۔

ازین حدیث مذکور صاف ظاہر شد کہ گردانید رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم این ہمہ مذکورہ بالا را از دین در قول خود کہ فرمود یعلم الناس دینھم درین صورت قول وقبول زیادت ونقصان در دین وایمان متحقق گردید کما لا یخفی علی الماہر بالشریعۃ

واز حدیث حلاوت ایمانی زیادت ونقصان ایمان نیز ظاہر است عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فرمود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث سہ خصلت اند من کن فیہ کہ ہر آن کسے کہ موجود شوند آن سہ خصلت در وے وجد حلاوۃ الایمان بیابد آن کس شیرینی ولذت ایمان را زیرا کہ تشبیہ داد ایمان را بچیزے شیرین وثابت کرد برائے وے خواص مشبہ بہ کہ حلاوت است، وبر زبان ہر انسان حلاوت شہد وحلاوت قند سیاہ وقند سفید ومصری یکسان نیست بلکہ کیفیات متفاوتہ است ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرء لا یحبہ الا للہ وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار کما رواہ البخاری، پس چنانچہ مشبہ بہ متفاوت الکیفیت است ہم چنان مشبہ نیز متفاوت الکیفیت است یعنی زیادت ونقصان می پذیرد، چنانکہ شہد صحیح المزاج را حلاوت زیادہ تر خواہد داد بخلاف مزاج صفراوی ازینجا است قول او حق سبحانہ فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا و ہم چنین خواب دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از قمیصہا بر مردمان وقمیص حضرت عمر را فراخ تر از ہمہ مردمان وتعبیر دادن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از قمیصہا بدینہائے مردمان وتعبیر فراخی قمیص عمر فاروق بفراخی وزیادتی دین، پس قمیص مشبہ بہ شد ودین مشبہ بقمیص گردید یعنی چنانکہ قمیص متفاوت میشود در زیادت ونقصان وہم چنین اہل دین وایمان متفاضل ومتفاوت اند عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف انہ سمع ابا سعید الخدری یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینا انا نائم رایت الناس یعرضون علی وعلیھم قمص فمنھا ما یبلغ الثدی ومنھا

---

پھر حضرت انس کی حدیث پر بھی غور کرو کہ آپ نے فرمایا جس میں تین چیزیں ہوں اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا یہ ایمان کے تین اجزاء قابل غور ہیں، اگر ایمان نفس تصدیق واقرار کا نام ہے، تو اس کے اجزاء نہیں ہو سکتے، اور اگر اعمال اس میں شامل ہوں تو اس کے اجزا قرار دیئے جائیں گے، اعمال کی کمی بیشی سے ایمان کی کمی بیشی ہو گی۔

پھر حضرت ابو سعید خدری کی اس حدیث پر بھی غور کرو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خواب کی کیفیت بیان فرمائی ہے، کہ میں سویا ہوا تھا، لوگ میرے سامنے پیش کئے جا رہے تھے، ان کے جسموں پر قمیصیں تھیں، کسی کی قمیص چھاتی تک تھی، اور کسی کی اس سے نیچے (حضرت) عمر کو بھی مجھ پر پیش کیا گیا، ان کی قمیص زمین پر

دون ذلک وعرض علی عمر بن الخطاب وعلیہ قمیص یجرہ وحالانکہ بردے پیراہنے بود کہ می کشید آن را زیر پائے خود از جہت درازی وے قالوا فما اولت یا رسول اللہ صحابہ کرام گفتند پس چہ تاویل وتعبیر کردی اے رسول خدا این خواب را قال الدین فرمود رسول مقبول رب العالمین در جواب آن جماعت سوال کنندگان تعبیر گرفتم دین را کما رواہ البخاری یعنی تعبیر از قمیص بدین فرمود وایمان ودین متحد اند ودین را تشبیہ بقمیص نمود وقمیص متفاوت می باشد پس ثابت شد بقول رسول مقبول رب العالمین کہ اہل دین وایمان متفاوت ومتفاضل اند در ایقان، وازین جا امام نووی در شرح مسلم گفتہ کہ درین حدیث فوائد بسیار است، اول آنکہ اعمال داخل در ایمان است، دوم اینکہ ایمان ودین متحد اند سیوم اینکہ اہل ایمان متفاوت اند در ایقان، چہارم اینکہ بیان فضیلت عمر فاروق رض در بدیگران وفضیلت حضرت ابوبکر صدیق بر حضرت عمر رض بدلائل دیگر ثابت شدہ کہ بیانش بموضع خود مذکور است، چنانکہ بر علماء شریعت مخفی نیست۔

وختم این مبحث بر تحریر دلپذیر مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ می شود، در تفسیر خود می نویسند تحقیق المقام آن است، کہ چنانچہ ہر چیز را سہ نحو وجود است، وجود عینی ووجود ذہنی ووجود لفظی ہم چنان ایمان را نیز این سہ نحو وجود متحقق است، وقاعدہ مقرر است، کہ وجود عینی ہر چیز اصل است وباقی وجودات فرع وتابع آن وجود اند پس وجود عینی ایمان نوری است، کہ در دل حاصل می شود بسبب رفع حجاب بینہ وبین الحق وہمیں نور است، کہ در آیت کریمہ مثل نورہ کمشکوۃ فیہا مصباح تمثیل آن باشباع تمام مذکور فرمودہ اند، ودر آیت اللہ ولی الذین امنوا یخرجہم من الظلمات الی النور سبب آن را بیان نمودہ، واین نور مانند سائر انوار محسوسہ قابل قوت وضعف واشتداد وانتقاص است، چنانچہ در آیت واذا تلیت علیہم ایاتہ زادتہم ایمانا

---

گھسٹتی آرہی تھی" لوگوں نے سوال کیا یا رسول اللہ آپ نے اس کی تعبیر کیا فرمائی آپ نے فرمایا "دین" تو اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کا دین کم وبیش تھا جیسے کہ قمیص بھی بڑی چھوٹی تھی، اس حدیث سے حضرت عمر رض کی تمام امت پر فضیلت ثابت ہوتی ہے، اور حضرت ابوبکر کی ان سے افضلیت دوسرے دلائل سے ثابت ہے جس کا بیان اپنی جگہ پر مذکور ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر عزیزی میں اس مقام پر ایک عجیب بحث فرمائی ہے، فرماتے ہیں، کہ ہر چیز کے تین وجود ہوتے ہیں، وجود عینی، وجود ذہنی، وجود لفظی، ایمان کے بھی یہ تین وجود ہیں، وجود عینی ہی کا دوسرا نام نور ہے، جو کہ حجابات کے اٹھ جانے کے بعد دل میں پیدا ہوتا ہے، اور یہی اس کا اصلی وجود ہے اور مثل نورہ کمشکوۃ الآیہ میں یہی نور مراد ہے اور دوسرے تمام ظاہری انوار کی طرح اس میں بھی کمی بیشی، ضعف وقوت پایا

ودیگر آیات بسیار بآن اشارت فرمودہ اند وطریق زیادتش آن است، کہ ہرگاہ حجابے مرتفع میشود آن نور زیادت می پذیرد، وایمان قوت می گیرد، تا آنکہ باوج کمال خود رسد ونور منبسط وفراخ شدہ جمیع قوی واعضار را احاطہ کند، پس اول انشراح صدر حاصل گردد، وبر حقائق اشیاء مطلع شود وصدق انبیاء آنچہ اخبار فرمودہ اند اجمالاً وتفصیلاً وجدانی گردد وبقدر نور یا زیادہ بقدر انشراح صدر داعیہ دلی نسبت شود بآن کہ موافق ہر امر الٰہی بجا آرد واز ہر محظور شرعی اجتناب ورزد ودرین حالت انوار اخلاق فاضلہ وملکات حمیدہ واعمال صالحہ متبرکہ با انوار معرفت منضم گشتہ زیب جا شدہ طرفہ چراغانی در شبستان ظلمت طبیعت بہیمیہ وشہویہ روشن سازند آہ

ووجود ذہنی ایمان دو مرتبہ دارد، اول ملاحظہ اجمالی وآن معارف متجلیہ وآن غیوب منکشفہ بوجہ کلی کہ مفاد کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ است، واین ملاحظہ را تصدیق اجمالی گردیدن وباور کردن نامیدہ اند، دوم ملاحظہ تفصیلی، ہر ہر فرد از افراد غیوب متجلیہ وحقائق منکشفہ باربطے کہ فیما بین وارد وملاحظہ را تصدیق تفصیلی نامیدہ اند،



ووجود لفظی ایمان در اصطلاح شارع نام شہادتین است وبس وظاہر است کہ وجود لفظی ہر چیز بدون تحقق حقیقت آن چیز اصلاً فائدہ نمی کند، والا تشنہ را نام آب گرفتن سیراب می کرد وگرسنہ را نام نان گرفتن تسلی می بخشید، مگر آنکہ تعبیر ما فی الضمیر چوں بدون واسطہ نطق وتلفظ در عالم بشریت امکان ندارد ناچار تلفظ کلمہ شہادت را مدخلے عظیم دادہ اند در حکم بایمان شخص فرمودہ اند امرت ان

جاتا ہے، جب بھی کوئی حجاب اٹھتا ہے، تو یہ نور زیادہ ہو جاتا ہے، اور ایمان قوت پکڑ جاتا ہے، یہاں تک کہ کمال کے آخری مقام پر پہنچ جاتا ہے، ایمان کا دوسرا وجود ذہنی ہے، اور اس کے دو مراتب ہیں، ایک ملاحظہ اجمالی اور دوسرا تفصیلی، کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے مفاد کے طور پر جب معارف وغیوب بحیثیت کلی منکشف ہو جاتے ہیں، تو اس کا نام ملاحظہ اجمالی یا تصدیق اجمالی ہے، اور جب افراد غیبیہ روشن ہوتے ہیں تو ان کا آپس میں ربط معلوم ہوتا ہے، تو اس کا نام تصدیق تفصیلی ہے، اور ایمان کا وجود لفظی شارع کی اصطلاح میں شہادتین کا نام ہے۔ اور یہ تو ہر آدمی جانتا ہے، کہ ایمان کا لفظی وجود بغیر حقیقت کے تحقق کے کچھ فائدہ نہیں دے سکتا اگر ایسا ہوتا، تو پیاسے کی پیاس پانی کا نام لینے سے بجھ جاتی، اور روٹی کا نام لینے سے بھوکے کی بھوک دور ہو جاتی، لیکن ایسا نہیں ہوتا، لیکن چونکہ نطق اور تلفظ کے بغیر ما فی الضمیر ادا نہیں ہو سکتا، لہٰذا مجبوراً کلمہ شہادت کے تلفظ کا اشخاص کے ایمان میں بہت بڑا دخل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "مجھے حکم دیا گیا ہے، کہ میں اس وقت تک لوگوں سے لڑ سکتا ہوں، جب تک کہ وہ کلمہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں، جب انہوں نے

اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ فاذا قالوہا عصموا منی دماءہم واموالہم الا بحقہا وحسابہم علی اللہ واز ہمیں تحقیق معلوم شد کیفیت زیادت ایمان ونقصان آن وقوت وضعف آن ونیز واضح گشت آنچہ وارد است کہ لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن والحیاء من الایمان ولا یؤمن احدکم حتی یامن جارہ بوائقہ ہمہ محمول بر کمال ایمان است در وجود عینی خود وکسانیکہ نفی زیادت ونقصان کردہ اند مراد ایشان مرتبہ اول است از وجود ذہنی ایمان پس نزاعے وخلافے نیست، انتہی ما فی تفسیر العزیزی بقدر الحاجۃ

بدانکہ بعد املاء عبارت تفسیر عزیزی رسالہ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ دستیاب شد و نقل کردن بندے عبارت ازان رسالہ مذکورہ ضرورتے افتاد زیراکہ ہمہ علماء ہر چہار مذہب امام احمد بن حنبل را پیشوائے دین وامام چہارم از اہل سنت والجماعت بالیقین میدانند لہذا سطرے چند ازان رسالہ نگاشتہ می شود پس کسے کہ ازان غیظ وغضب کند بر ایشان کند چہ من صرف ناقل کلام ایشانم قال احمد بن محمد بن حنبل ھذہ مذاہب اھل العلم واصحاب الاثر واھل السنۃ المتمسکین بعروتہا المعروفین بہا المقتدی لہم فیہا من لدن اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا ھذا وادرکت من علماء الحجاز والشام وغیرھما علیہا فمن خالف شیئا من ھذہ المذاہب اوطعن فیہا اوعاب قائلہا فہو مخالف مبتدع خارج عن الجماعۃ زائل عن منہج السنۃ و

یہ کلمہ کہہ دیا، تو انہوں نے اپنے خون اور مال ماسوائے حقوق اسلام کے مجھ سے بچا لئے" اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ رہے گا" اس بحث سے یہ معلوم ہوا کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "حیا ایمان ہے" اور "زانی جب زنا کرتا ہے، تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا" اور "کوئی تم میں سے اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کا ہمسایہ اس کی ایذا رسانیوں سے محفوظ نہ ہوجائے" یہ تمام احادیث کمال ایمانی پر دال ہیں، اور یہ اچھی طرح جان لینا چاہیئے، کہ جو لوگ ایمان میں کمی بیشی کے قائل نہیں ہیں، ایمان سے ان کی مراد وجود ذہنی ہے نہ کہ غیر۔

خیال تھا کہ شاہ عبدالعزیز کے اقتباس پر اس بحث کو ختم کیا جائے لیکن اس کے بعد امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا ایک رسالہ نظر سے گذرا، جو اپنے انداز کے لحاظ سے بڑا عجیب ہے، اگر اس عبارت میں آپ کوئی لفظ سخت محسوس کریں تو مجھ پر ناراض نہ ہونا، کیونکہ میں تو صرف ناقل ہوں، اصل عبارت امام اہل سنت والجماعت احمد بن حنبل کی ہے "ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ اہل علم اور اہل حدیث اور اہل سنت کا عقیدہ ہے، اور یہی عقیدہ صحابہ کرام سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے اور آج علمائے شام اور حجاز کا بھی یہی عقیدہ ہے، جو اس عقیدہ کا مخالف ہے وہ بدعتی ہے

سبیل الحق فکان قولهم ان الایمان قول وعمل ونیة وتمسك بالسنة والایمان یزید وینقص فلهم ان یکون بشك انما هو سنة ماضیة عن العلماء فاذا سئل الرجل مؤمن انت فانه یقول انا مؤمن ان شاء الله تعالی ومؤمن ارجوا ویقول امنت بالله وملائکته وکتبه ورسله ومن زعم ان الایمان قول بلا عمل فهو مرجی انتهی ما فیها وایضا یقول المتکلمون المخالفون واصحاب البدع والمرجئة وهم الذین یزعمون ان الایمان مجرد ولن الناس لا یتفاضلون فی الایمان وان ایمانهم وایمان الملائکة والانبیاء صلوت الله وسلامه علیهم واحد وان الایمان لا یزید ولا ینقص وان الایمان لیس فیه استثناء وان من امن بلسانه ولم یعمل فهو مؤمن حقا هذا کله قول المرجئة وهو اخبث الاقاویل انتهی ما فیها۔

اندکے با تو بگفتم و بدل ترسیدم   کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

والله اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ الراقم العاجز طالب الحسنیین محمد نذیر حسین عافاه الله تعالی فی الدارین

سوال:۔ جو شخص اللہ تعالی کے خاص بندوں یعنی اولیاء اللہ سے (کہ مومن کامل وہی لوگ ہیں جن کی فضیلت میں اللہ تعالی فرماتا ہے اَلَا ان اولیاء الله لا خوف علیهم ولا هم یحزنون الذین امنوا وکانوا یتقون) عداوت و دشمنی رکھے اس کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا

---

اہل سنت والجماعت سے خارج ہے سبیل حق سے منحرف ہے، کیونکہ سلف صالحین کا عقیدہ تو یہی تھا، کہ ایمان قول اور عمل اور نیت کا نام ہے اور ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، جب ان سے سوال کیا جاتا ہے، کہ تو مومن ہے تو کہتے ہیں، کہ ہاں میں انشاء اللہ مومن ہوں اور جس آدمی کا یہ عقیدہ ہو کہ ایمان قول بلا عمل ہے وہ مرجیہ ہے اور متکلمین، بدعتی اور مرجیہ ہی وہ لوگ ہیں، جو کہتے ہیں، کہ ایمان مجرد عقیدہ کا نام ہے، اور سب لوگوں کے ایمان برابر ہیں، حتی کہ نبیوں اور فرشتوں اور ان کا اپنا ایمان سب برابر ہیں اور ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی اور ایمان میں استثناء نہیں ہے، اور جو صرف زبان سے اقرار کرے، وہ پکا مومن ہے، یہ تمام اقوال مرجیہ کے ہیں، اور یہ بدترین اقوال ہیں سے میں نے تجھ سے تھوڑی سی باتیں کی ہیں، اور میں دل میں ڈرتا ہوں کہ تو آزردہ دل نہ ہو جائے، ورنہ کہنے کی باتیں تو بہت تھیں، واللہ اعلم بالصواب، اے عقل مندو! نصیحت حاصل کرو،

ــــہ خبردار! اللہ تعالے کے دوستوں پر کوئی خوف نہ ہوگا، اور نہ ہی انہیں کسی قسم کا کوئی غم ہوگا (اللہ کے دوست وہ ہیں) جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ۱۲

**الجواب**: جس شخص نے اللہ کے دوستوں سے اس کی دوستی کی وجہ سے ذرا بھی دشمنی رکھی وہ خدا اور رسول کا دشمن ہے، بلکہ خداوند تعالےٰ اپنے دوستوں کی تائید فرما کے ان لوگوں کا دشمن ہو جاتا ہے، اور حکم فرماتا ہے، کہ تم میرے دوستوں سے جو عداوت رکھتے ہو، گویا مجھ سے لڑائی کرتے ہو، حدیث میں آگیا ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالےٰ ارشاد کرتا ہے من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب رواہ البخاری خدا کی پناہ جس کا خدا دشمن ہو اس کا کون دوست اور کہاں ٹھکانا ملے گا[1]، پس ایسا شخص مردود و شیطان ہے، اور خدا کا دشمن ہے اہل اسلام کو چاہیے، کہ ایسے خدا کے دشمن سے اپنے کو الگ بچائے رکھیں، کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء[2] جو ان سے دوستی رکھے گا، وہ بھی خدا کے دشمنوں میں محسوب ہوگا، واللہ اعلم بالصواب، المجیب ابوالبرکات محمد عبدالحی تقی عرف صدرالدین احمد حیدر آبادی۔ الجواب صحیح　سید محمد نذیر حسین ۱۲۹۹

**سوال**:- حدیث من لم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ ودیگر من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ ان حدیثوں کا کیا منشا ہے، اور کس درجہ کی ہیں، اور کس محدث نے روایت کیا ہے، بینوا توجروا۔

**الجواب**:- حدیث من لم یعرف امام زمانہ الخ کی نسبت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں: حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ صحیح الاسناد است و مقولہ جناب نبوی است صلی اللہ علیہ وسلم و معنی معرفت وجوب اطاعت است در صورت وجود امام و تحذیر از منازعت و مخالفت چنانکہ از لفظ مات میتۃ جاھلیۃ ظاہر است کہ اہل جاہلیت اتباع رئیس واحد ندا شتند، و ہر فرقہ برائے خود رئیس می کردند (فتاوی عزیزی صفحہ ۷۷ جلد دوم) شاہ صاحب نے اس حدیث کو صحیح الاسناد

---

[1] جو آدمی میرے کسی دوست سے دشمنی رکھے، تو میں اس کو اعلان جنگ کرتا ہوں، اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

[2] اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ ۱۲ [3] یہ حدیث کہ جو شخص مرگیا اور اس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا، وہ جاہلیت کی موت مرا، اس کی سند صحیح ہے اور حدیث مرفوع ہے، اور یہاں "معرفت" (پہچان) کا معنی "اطاعت" ہے یعنی جب امام عادل (بادشاہ) موجود ہو، اور پھر آدمی اس کی مخالفت کرے، تو وہ جاہلیت کی موت مرا، کیونکہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ ایک بادشاہ کی اطاعت نہیں کیا کرتے تھے ہر قبیلہ اپنے لئے علیحدہ اپنا امیر مقرر کرتا تھا ۱۲

بتایا ہے۔ مگر حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی نسبت[1] منہاج السنۃ صفحہ ۲۷ جلد ۱ میں لکھتے ہیں ھذا الحدیث بھذا اللفظ لا یعرف انما المعروف مثل ما روی مسلم فی صحیحہ عن نافع قال جاء عبد اللہ بن عمر الخ ثم ذکر حدیث ابن عمر و من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ[2] یہ حدیث بہت صحیح ہے امام مسلم نے اس کو اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی سے روایت کیا ہے یہ حدیث صحیح مسلم کی کتاب الامارۃ صفحہ ۱۲۸ جلد ۲ میں مذکور ہے۔

پوری حدیث اس طرح ہے من[3] خلع یدا من طاعۃ لقی اللہ یوم القیمۃ لا حجۃ لہ و من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ اس حدیث کے جملہ اخیرہ یعنی و من مات ولیس فی عنقہ الخ کا مطلب و منشاء یہ ہے کہ جو شخص امام وقت کے ہوتے ہوئے اس کی بیعت نہ کرے، اور بلا بیعت کے مر جائے، تو وہ جاہلیت کی موت مرا یعنی گمراہی پر مرا یا اہل جاہلیت کی موت مرا کہ جیسے ان کا کوئی امام مطاع نہیں اس کا بھی کوئی امام مطاع نہیں مجمع البحار میں ہے و فی شرح الفتن فقد مات میتۃ جاھلیۃ بالکسر حالۃ الموت ای کما یموت اھل الجاھلیۃ من الضلال والفرقۃ لہ من خرج من السلطان مات میتۃ جاھلیۃ ای[4] کموت اھل الجاھلیۃ حیث لم یعرفوا اماما مطاعا و لا یرید انہ یموت کافرا بل عاصیا امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں بکسر المیم ای علی صفۃ موتھم من حیث ھم فوضی لا امام لھم انتہی۔

جناب نواب صدیق الحسن خان صاحب رحمہ بغیۃ الرائد فی شرح العقائد صفحہ ۹۲ میں

---

[1] یہ حدیث ان الفاظ سے نہیں ملتی، اس کے معروف الفاظ وہی ہیں، جو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی کی روایت میں آئے ہیں "جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن پر کسی کی بیعت نہیں ہے، وہ جاہلیت کی موت مرا" ۱۲

[2] جو شخص ایک بالشت بھر بھی اطاعت سے نکلا وہ قیامت کے دن اس حال میں خدا سے ملے گا، کہ اس کے پاس حجت نہ ہوگی اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو، وہ جاہلیت کی موت مرا ۱۲

[3] جاہلیت کی موت مرنے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے جاہلیت والے گمراہی اور بے اتفاقی میں مرتے تھے، اسی طرح وہ آدمی بھی مرے گا، جو بادشاہ کی اطاعت سے باہر نکل گیا کہ اس نے اپنے امام کو نہ پہچانا یہ مطلب نہیں کہ وہ کفر کی حالت میں مرے گا بلکہ گنہگار ہوگا ۱۲

[4] ان جیسی موت مرنے کا مطلب یہ ہے، کہ جیسے وہ اپنے بادشاہ کی نافرمانی کرتے تھے، یہ بھی بادشاہ کی نافرمانی کرتا ہے ۱۲

لکھتے ہیں، مراد بموت جاہلیت آں است کہ باوجود امام دست بیعت باو نہ دہد و متابعت او نکند واگر زمانہ آید کہ امامے دراں موجود نباشد و نصب امام صورت نہ بندد امید آں است کہ داخل دریں وعید نباشد انتہی، شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں، وآنچہ از ابن عمر رضی اللہ عنہ نقل کردہ، کہ من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ لامات میتۃ جاہلیۃ صحیح است لیکن مراد آں است کہ بعد از انعقاد امامت امام باجماع اہل حل وعقد اگر عادل باشد در تسلط واستیلاء بلا منازع اگر جائز باشد توقف در بیعت روا نیست انتہی (فتاوی عزیزی جلد دوم صفحہ ۷۷) واللہ اعلم بالصواب

حررہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

**مسئلہ:** الانبیاء لا یموت قول جہل ہے کسی جاہل کا قول ہے کیونکہ نہ لفظاً ٹھیک نہ معنیً صحیح، اور یہ قول کسی کتاب معتبر حدیث وفقہ بلکہ کتب معتبرہ تصوف میں اس کی کچھ اصل نہیں پائی جاتی، ایسے جاہل لایعقل کی شان میں یہ حدیث صحیح متواتر پڑھنی چاہیے من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار کما فی الصحاح الستۃ وغیرہا اور جو کوئی ایسا عقیدہ رکھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اطلاق موت اور وفات کا گناہ اور عصیان ہے، تو یہ شخص بھی اجہل الناس میں سے ہے، اور منکر شرع مبین ہے قال اللہ تعالی انک میت وانہم میتون الآیۃ وکل نفس ذائقۃ الموت الآیۃ اور صحیح بخاری وغیرہ میں قصہ خطبہ پڑھنے کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے منقول ومذکور ہے، حضرت عائشہ سے ان ابابکر اقبل علی فرس من مسکنہ[1] بالسنح

لہ جاہلیت کی موت مرنے کا مطلب یہ ہے، کہ امام کے ہوتے ہوئے اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرے، اور اس کی اطاعت نہ کرے، اور اگر کوئی ایسا وقت آجائے کہ اس میں کوئی بادشاہ نہ ہو، اور نہ کسی کو بادشاہ بنانے کی صورت پیدا ہو سکے تو امید ہے، کہ وہ لوگ اس وعید میں شامل نہ ہوں گے ۱۲ لہ اور جو حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو آدمی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا صحیح ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل حل وعقد کے مشورے سے جب کسی امام کی امامت منعقد ہو جائے، اگر وہ اپنے تسلط میں منصف اور عادل ہو تو بالاتفاق فوری طور پر اور اگر جائز بادشاہ ہو، تو اس کی بیعت میں توقف نہ کرنا چاہیے ۱۲ لہ جو آدمی مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے ۱۲ لہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے، تو مرنے والا ہے، اور وہ بھی مرنے والے ہیں ۱۲ لہ ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے ۱۲ لہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے محلے سے آئے، آپ گھوڑے

(۱) قولہ من مسکنہ بالسنح بضم المہملۃ وسکون النون وبضمہا ایضا بعدہا حاء مہملۃ منازل بنی الحرث وکان ابوبکر رضی اللہ عنہ متزوجا فیہم ۱۲ ابوسعید محمد شرف الدین

حتى نزل فدخل المسجد فلم يكلم الناس حتى دخل على عائشة فتيمم رسول الله
صلى الله عليه وسلم وهو مغشى بثوب حبرة فكشف عن وجهه ثم اكب عليه فقبله
وبكى ثم قال بابي انت وامي والله لا يجمع الله عليك موتتين اما الموتة التي كتبت
عليك فقد متها انتهى ما في صحيح البخاري وايضا فيه فقال ابوبكر اما بعد من كان
منكم يعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن كان منكم يعبد الله فان الله حي لا يموت
الى اخر ما فيه، اور حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں، خصوصاً آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں، کہ جو عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں، اور دور سے بھیجا جاتا
ہوں، چنانچہ مشکوۃ وغیرہ کتب احادیث[2] سے واضح ہوتا ہے، لیکن کیفیت حیات کی اللہ تعالے
جانتا ہے، اوروں کو اس کی کیفیت بخوبی معلوم نہیں۔

سید محمد نذیر حسین

سے اتر کر مسجد میں داخل ہوئے اور لوگوں سے کوئی بات نہ کی حضرت عائشہ رض کے پاس آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا
انتقال ہوچکا تھا، اور آپ پر ایک چادر یمنانی ہوئی تھی آپ نے چہرے سے چادر اٹھائی، پھر جھک کر آپ کا بوسہ لیا اور رونے
لگے، پھر کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا، جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ
کے لئے لکھ رکھی تھی، وہ آپ کو آگئی، اور بخاری میں یہ بھی ہے، کہ حضرت ابوبکر نے کہا تم میں سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
عبادت کرتا تھا، وہ تو مر گئے، اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا، تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہے کبھی نہ مرے گا ۱۲

(۱) قوله فتيمم اي قصد قوله حبرة بكسر المهملة وفتح الموحدة بوزن عنبة نوع من برود اليمن مخططة
غالية الثمن قوله فقبله اي بين عينيه وقد ترجم عليه النسائي وأورد ما صرح به فتح الباري ۱۲
(۲) چنانچہ مشکوۃ وغیرہ کتب سے واضح ہوتا ہے الخ اقول اخرج ابوبكر بن ابي شيبة والبيهقي في الشعب عن ابي
هريرة رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا
بلغته انتهى ومعنى قوله نائيا اي بعيدا عني وبلغته بصيغة المجهول مشددا اي بلغته الملائكة سلامه
وصلاته علي واخرج ابو الشيخ في كتاب الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم ثنا عبد الرحمن بن احمد
الاعرج ثنا الحسين بن الصباح ثنا ابو معاوية ثنا الاعمش عن ابي صالح عن ابي هريرة قال قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي من بعيد بلغته قال ابن القيم في
جلاء الافهام وهذا الحديث غريب جدا انتهى اقول وكذا الحديث الاول ايضا غريب جدا وفي الباب
عن عمار بن ياسر بسند ضعيف عند البزار وابي الشيخ بن حبان والطبراني في الكبير ولم يثبت في
الباب شيء مشكوة المصابيح والترغيب والترهيب وعون المعبود شرح سنن ابي داود ۱۲ ابو سعيد محمد شرف الدين

**سوال** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ زید کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت نہیں کہ مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا کر سکے، اور عمرو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت تو ہے مگر موافق اپنے وعدہ کے پیدا نہ کرے گا، ان دونوں میں کون سچا ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** ۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے کہ زید اپنے قول میں جھوٹا ہے، اور دعوے اس کا خلاف عقاید مسلمین کے ہے، اور عمرو اپنے دعوے میں سچا ہے، اور اعتقاد اس کا موافق عقائد اہل سنت والجماعت کے ہے، اور اعتقاد زید کا گمراہی ہے، ایسے شخص کو گمراہ اور اہل بدعت سے سمجھنا چاہیئے، ایسے شخص کے کفر اور عدم کفر میں علماء مختلف ہو رہے ہیں، اور قریب کفر کے ہونے میں کچھ شک وشبہ نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

| سید محمد نذیر حسین | محمد قطب الدین | خواجہ ضیاء الدین | محمد اسد علی |
|---|---|---|---|

| حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ |
|---|

**سوال** ۔ یا شیخ عبدالقادر وخواجہ سلیمان وغیرہ کا ورد کرنا جائز ہے یا شرک؟

**الجواب** ۔ ورد کرنا یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا اللہ وغیرہ کا حرام ہے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ترجمہ ارشاد الطالبین میں لکھا ہے، آنکہ جہال می گویند کہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ یا خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی شیئا للہ جائز نیست واگر روح حضرت شیخ را متصرف الامور اعتقاد می کند کفر ہے دیگر است وفی البحر الرائق من ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ واعتقد بذلک یکفر انتہی ۔[1]

| سید محمد نذیر حسین |
|---|

| ابوالفیض محمد عبداللہ حنفی | الجواب صحیح | احمد الدین |
|---|---|---|

| رشید احمد گنگوہی | جواب سب صحیح اور درست ہیں | جواب سب صحیح ہیں |
|---|---|---|

| محمد ہاشم | سید محمد عبدالسلام غفرلہ | پیر محمد دارم صدر شکر کہ من |
|---|---|---|

**سوال** ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہنا یعنی یوں کہنا، کہ فلاں کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے کروں گا، جائز ہے یا نہیں، اس کا جواب

---

[1] وہ جو جاہل لوگ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاللہ اور یا شیخ شمس الدین ترک پانی پتی شیئا للہ کہتے ہیں، جائز نہیں ہے اور اگر شیخ کی روح کو متصرف فی الامور خیال کرے تو یہ دوسرا کفر ہے، بحرالرائق میں ہے، جو آدمی یہ عقیدہ رکھے کہ میت اللہ کے سوا امور میں تصرف کر سکتی ہے، وہ کافر ہے ۱۲

فقہاء کے قول سے تحریر فرمادیں۔

**الجواب**:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہنا یعنی یوں کہنا کہ فلاں کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے کروں گا، جائز نہیں ہے کیونکہ یہ شرک ہے مجمع البحار میں ہے کرہ مالک ان یقول زرنا قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم وعللوہ بان لفظ الزیارۃ صار مشترکا بین ما شرع وما لم یشرع فان منہم من قصد بزیارۃ قبور الانبیاء والصلحاء ان یصلی عند قبورہم ویدعو عندھا ویسئلھم الحوائج وھذا لا یجوز عند احد من علماء المسلمین فان العبادۃ وطلب الحوائج والاستعانۃ حق اللہ وحدہ انتہی

سید محمد نذیر حسین

**مسئلہ**:۔ باید دانست کہ ازیں حدیث وان اراد عونا فلیقل یاعباد اللہ اعینونی یاعباد اللہ اعینونی یاعباد اللہ اعینونی چنانکہ صاحب حصن حصین از طبرانی نقل کردہ کسے کہ استدلال وحجت گیرد درباب استعانت ومدد خواستن بغیر او تعالیٰ جل شانہ از اموات چہ اعلیٰ وچہ ادنیٰ جائز نیست ونمی تواند شد بچند وجوہ در امورے کہ موجبات شرک وکفر باشد۔

**وجہ اول**:۔ آنکہ در سند این حدیث ابن حسان راوی ضعیف است، کما قال الہیثمی ودیگر راوی درین حدیث عتبہ بن غزوان مجہول الحال است، کما قال فی التقریب من کتب اسماء الرجال، پس بنابر ضعیف ومجہول الحال بودن راوی این حدیث قابل اعتماد

---

ف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے، کہ آدمی کہے ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی، کیونکہ زیارت کا لفظ مشروع اور غیر مشروع طریق میں مشترک ہوگیا ہے، بعض وہ بھی ہیں جو انبیاء اور صلحاء کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں ان کی قبروں کے پاس نمازیں پڑھتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں ان سے حاجتیں طلب کرتے ہیں، یہ وہ افعال ہیں جن کو علماء اسلام میں سے کوئی بھی جائز نہیں سمجھتا، کیونکہ حوائج کا طلب کرنا اور مدد مانگنا صرف اللہ اکیلے کا حق ہے

مسئلہ:۔ صاحب حصن حصین نے جو طبرانی کی حدیث نقل کی ہے کہ اگر مدد طلب کرنا چاہے، تو کہے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اس سے خدا تعالیٰ کے سوا مُردوں سے مدد مانگنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے خواہ وہ مُردے اعلیٰ مرتبہ کے ہوں یا ادنیٰ درجہ کے، اس سے استدلال کرنا کئی طرح سے غلط ہے۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس حدیث کا ایک راوی ابن حسان تو ضعیف ہے اور دوسرا عتبہ بن غزوان مجہول الحال ہے،

واحتجاج نماندہ ومراد از عباد اللہ ملائکہ حفاظت کنندگان ونگہبان ہستند نہ اموات چنانکہ در فیض القدیر شرح جامع الصغیر مذکور است حیث قال فی فیض القدیر ان للہ ملئکۃ فی الارض یسمون الحفظۃ یکتبون ما یقع فی الارض من ورق الشجر فاذا اصاب احدکم حرجۃ واحتیاج الی عون بفلاۃ من الارض فلیقل اعینونی یا عباد اللہ رحمکم اللہ فانہ یحصل ان شاء اللہ رواہ ابن السنی والطبرانی من حدیث الحسن بن عمر وعن ابن حسان عن سعید بن ابی عروبۃ عن قتادۃ عن ابن بریدۃ عن ابن مسعود قال ابن حجر حدیث غریب وفیہ معروف وقالوا فیہ منکر الحدیث وقد تفرد بہ وفیہ انقطاع بین ابن بریدۃ وابن مسعود انتہی وقال الھیثمی فیہ معروف بن حسان ضعیف قال وجاء فی معناہ خبر اخرجہ الطبرانی بسند منقطع عن عتبۃ بن غزوان مرفوعا اذا اضل احدکم شیئا او اراد عونا وھو بارض لیس بھا انیس فلیقل یا عباد اللہ اعینونی ثلاثا فان للہ عبادا لا تراھم الی اخر ما فی فیض القدیر شرح جامع الصغیر پس ازیں حدیث حجت مدد خواستگان از موتے ثابت نمی شود،

**وجہ دوم**:۔ آنکہ اگر مورد ایں حدیث را بر طلب منافع وسلب مضار بسبب فراخی و تنگی وصحت ومرض وطلب رزق وفرزند ودیگر حاجات از غیر خدا تعالےٰ حمل کنی، پس ایں اصلا جائز نخواہد شد زیرا کہ ایں معنی را آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ واجماع امت قرون ثلثہ وغیرہ رد می کند، چہ ایں خبر واحد است وخبر واحد معارض ومقابل قرآن شریف نمی شود، اگرچہ ایں خبر

---

لہٰذا یہ حدیث حجت اور استدلال کے قابل نہیں ہے، اور "اللہ کے نیک بندوں" سے مراد حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں، نہ کہ مردے، جیسا کہ فیض القدیر شرح جامع الصغیر میں اس کی پوری تشریح اور تصریح کی گئی ہے، اور اس حدیث کو ابن السنی نے بھی اسی سند سے روایت کیا ہے، لہٰذا اس کی روایت بھی قابل استدلال نہیں ہے لہٰذا مردوں سے مدد مانگنے والوں کا اس حدیث سے استدلال درست نہ ہوا،

دوسری وجہ یہ ہے، کہ اگر اس حدیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور سے منافع کے حصول اور مصائب کے دور کرنے میں یا رزق کی تنگی یا فراخی میں یا صحت و بیماری کے متعلق مدد حاصل کی جائے تو یہ قطعا ناجائز ہے کیونکہ قرآن کی آیات اور احادیث صحیحہ اور قرون ثلاثہ میں امت کا اجماع اس کی تردید کرتے ہیں، پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے، کہ یہ خبر واحد ہے، اور خبر واحد اگر صحیح بھی ہو تب بھی قرآن مجید کے معارض نہیں ہو سکتی، چہ جائیکہ

بسند صحیح باشد چہ جائیکہ بسند ضعیف ومنکر باشد یرد خبر الواحد فی معارضۃ الکتاب لان الکتاب مقدم لکونہ قطعیا متواتر النظم لا شبہۃ فی سندہ کما فی التوضیح والتلویح وشاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ در حجۃ اللہ البالغہ می نویسند کہ ومنہا (ای من مظنات الشرک) انہم کانوا یستعینون بغیر اللہ فی حوائجہم رجاء برکتہا فاوجب اللہ علیہم ان یقولوا فی صلواتہم ایاک نعبد وایاک نستعین وقال اللہ تعالیٰ ولا تدعوا مع اللہ احدا ولیس المراد من الدعاء العبادۃ کما قال بعض المفسرین بل ہو الاستعانۃ لقولہ تعالیٰ بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون انتہی خلاصۃ ما فی حجۃ اللہ البالغۃ پس از آیت ایاک نعبد وایاک نستعین واز آیت واستعینوا باللہ واز آیت ولا تدعوا مع اللہ احدا وغیرہ استعانت بغیر خداتعالیٰ در امورے کہ موہم شرک باشد ناجائز شد وموجب شرک، ولہذا محمد طاہر محدث در مجمع البحار گفتہ است کہ من قصد لزیارۃ قبور الانبیاء والصلحاء ان یصلی عند قبورہم ویدعو عندہا ویسألہم الحوائج فہذا لا یجوز عند احد من علماء المسلمین فان العبادۃ وطلب الحوائج والاستعانۃ حق للہ وحدہ انتہی کلامہ۔

**وجہ سیوم**۔ آنکہ مخالف ومعارض ازین حدیث مذکور در مضمون واحد حدیثے دیگر نیز در طبرانی وابن ابی شیبہ وارد شدہ ودر حصن حصین موجود است، خلاصہ مضمونش اینکہ وقت گم شدن یا گریختن غلام، خداتعالیٰ را ندا کردہ بگوید یا اللہ بازگردان چیز گم شدہ وگریختہ را قال فی حصن حصین واذا ضاع لہ شیٔ او ابق اللہم راد الضالۃ وہادی الضلالۃ انت تہدی من الضلالۃ اردد علی ضالتی بقدرتک وسلطانک فانہا من عطائک وفضلک رواہ الطبرانی

---

حدیث بھی ضعیف ہو جیسا کہ توضیح وتلویح میں مذکور ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ شرک کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ مشرک لوگ اللہ کے سوا اوروں سے مدد مانگا کرتے تھے، لہذا ان کو حکم دیا گیا کہ نماز میں ایاک نعبد وایاک نستعین کہو اور ولا تدعو مع اللہ احدا اور یہاں دعا سے عبادت مراد نہیں ہے، جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے، بلکہ اس سے مدد مانگنا مراد ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے بالکل مخالف مضمون ایک اور حدیث میں آیا ہے جس کو طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے، اور حصن حصین میں بھی موجود ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ جب کسی کی کوئی چیز ضائع ہو جائے یا بھاگ جائے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ اپنے فضل وکرم سے میری یہ چیز مجھے واپس کر دے۔

وھکذا رواہ ابن ابی شیبۃ پس درین حدیث بطریق شرط وجزا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیز ارشاد فرمودند کہ درہمچو امور کہ از اوتعالے برائے رد واسترداد آن مدد می خوانند نیز از وتعالے استعانت باید نمود واز غیر وسے نہ شاید واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ اعتقاد داشتن باین وجہ کہ ذات سرور کائنات درحالت برزخ بر اقوال و احوال وعقائد مطلع دواقف اند وآن ذات شریف را بر ہمہ احوال امت اطلاعے میدہند باین وجہ کہ آن صحیح است یا نیست، اگر نیست کفر است یا فسق، ہرچہ نزد آن صاحب مقرر است بنویسند بسند معتبر وعبارت کتاب بیّنوا فقط۔

**الجواب**:۔ اعتقاد داشتن بہ ہمچو مضمون سوال بای وجہ درست نیست، بلکہ بدعت وضلالت است، پس این چنین ہرگز نہ شاید شرعًا زیرا کہ این از جملہ اعتقادیات است ودر اعتقادیات علم ویقین پر ضرور است، ودرین اعتقاد ہیچ دلیل شرعی کہ قابل حجت باشد یافتہ نشد پس چگونہ اعتماد واعتقاد بلا دلیل شرعی بر آن کردہ شود لان الاعتقاد لا یحصل مع الظن بخلاف الاعمال کذا ذکر العلامۃ المولوی عبدالعلی الکھنوی فی شرح تحریر الاصول لابن الھمام رحمۃ اللہ علیہ ومع ہذا المخالف ومعارض آن عقیدہ در صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما من کتب الصحاح باسانید صحیحہ از چند صحابہ کبار بطرق متعددہ مروی است مرفوعًا عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیردن علی ناس من اصحابی

اس حدیث میں شرط اور جزا کے طور پر مضمون ادا کیا گیا ہے یعنی جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے تو اللہ تعالے ہی سے مدد مانگے۔

سوال:۔ اس طرح کا عقیدہ رکھنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں امت کے تمام حالات کی اطلاع ہوتی رہتی ہے خواہ کسی طرح بھی ہو صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں ہے تو ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے یا فسق؟ جو بھی آپ کے نزدیک درست ہو تحریر فرمادیں۔

جواب:۔ اس طرح کا عقیدہ رکھنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، بلکہ بدعت اور گمراہی ہے، کیونکہ عقیدہ کے لئے کوئی قطعی دلیل ہونا چاہیئے، اور ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، جیسا کہ مولانا عبدالعلی لکھنوی نے ابن ہمام کی "تحریر الاصول" کی شرح میں لکھا ہے۔

اور پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے، کہ اس عقیدہ کے برخلاف صحیح بخاری صحیح مسلم اور دیگر صحاح کی کتابوں میں بہت سے

الحوض حتی عرفتهم اختلجوا دونی فاقول اصحابی فیقول انك لا تدری ما احدثوا بعدك الحدیث وعن ابی هریرة رض فاقول یارب اصحابی فیقول انك لا علم لك بما احدثوا بعدك الحدیث وعن حذیفة وسهل بن سعد وابن عباس وعمر بن عباس وعبد الله بن مسعود عن النبی صلی الله علیه وسلم هكذا

اکنون این حدیث باسانید صحیحه از هر صحابی که مروی است مرفوعا جدا جدا در قلم می آید که صحت وشهرت این حدیث بر هر خاص وعام ظاهر شود وازان اعتقاد هر کس که باشد باز آید در صحیح بخاری در پاره بست وهفتم مرقوم است۔

حدثنا مسلم بن ابراهیم قال حدثنا وهیب قال حدثنا عبد العزیز عن انس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لیردن علی ناس من اصحابی الحوض حتی عرفتهم اختلجوا دونی فاقول اصحابی فیقول لا تدری ما احدثوا بعدك وعن سهل بن سعد قال قال النبی صلی الله علیه وسلم انا فرطهم علی الحوض من مر علی شرب ومن شرب لم یظمأ ابدا لیردن علی اقوام اعرفهم ویعرفونی ثم یحال بینی وبینهم فاقول منی فیقال انك لا تدری ما احدثوا بعدك فاقول سحقا سحقا لمن غیر بعدی عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة رض انه كان یحدث ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال یرد علی یوم القیمة رهط من اصحابی فیحلئون ای یطردون عن الحوض فاقول یارب اصحابی فیقول انك لا علم لك بما احدثوا بعدك الی اخر الحدیث عن ابن المسیب انه كان یحدث عن اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ان النبی صلی الله علیه وسلم قال یرد علی الحوض رجال من اصحابی فیحلئون عنه فاقول یارب اصحابی فیقول انك لا علم لك بما احدثوا بعدك الی اخر الحدیث. عن عطاء بن یسار عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال بینا انا قائم اذا زمرة حتی اذا عرفتهم خرج رجل من بینی وبینهم فقال لهم هلم فقلت این قال الی النار والله قلت وما شانهم قال انهم ارتدوا بعدك علی ادبارهم القهقری ثم

کیا ہے متعدد سندوں سے ایک مرفوع حدیث آئی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حوض کوثر پر میرے صحابہ میں سے کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے، میں ان کو پہچان لوں گا، تو ان کو مانگ کر وہاں سے ہٹایا جائے گا، میں کہوں گا یہ تو میرے صحابی ہیں تو جواب ملے گا، تم کو معلوم نہیں، کہ ان لوگوں نے تمہارے بعد کیا کچھ کیا۔ ۱۲

اذا زمرة حتی اذا عرفتهم رجل خرج من بینی وبینهم فقال هلم قلت این قال الی النار واللہ قلت وما شانهم قال انهم ارتدوا علی ادبارهم القهقری الحدیث عن ابن ابی ملیکة عن اسماء بنت ابی بکر قالت قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی علی الحوض حتی انظر من یرد علی منکم وسیوخذ ناس دونی فاقول یا رب منی ومن امتی فیقال هل شعرت ما عملوا بعدک واللہ ما برحوا یرجعون علی اعقابهم الحدیث انتہی ما فی الجزء السابع والعشرین من صحیح البخاری

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحشرون حفاة عراة غرلا ثم قرأ کما بدأنا اول خلق نعیده وعدا علینا انا کنا فاعلین ثم یوخذ برجال من اصحابی ذات الیمین وذات الشمال فاقول اصحابی فیقال انهم لم یزالوا مرتدین علی اعقابهم منذ فارقتهم فاقول کما قال العبد الصالح عیسی بن مریم وکنت علیهم شهیدا مادمت فیهم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم وانت علی کل شئی شهید الحدیث انتہی ما فی الجزء الثالث عشر من صحیح البخاری

ودر صحیح مسلم مذکور است عن ابی حازم عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترد علی امتی الحوض وانا اذود عنه الناس کما یذود الرجل ابل الرجل عن ابله قالوا یا نبی اللہ اتعرفنا قال نعم لکم سیما لیست لاحد غیرکم تردون علی غرا محجلین من اثار الوضوء ولیصدن عنی طائفة منکم فلا یصلون فاقول یا رب هؤلاء اصحابی فیجیبنی ملک فیقول وهل تدری ما احدثوا بعدک انتہی ما فی صحیح مسلم۔ قال النووی شارح المسلم اختلف العلماء فی المراد علی اقوال احدها ان المراد به المنافقون والمرتدون فیجوز ان یحشروا بالغرة والتحجیل فینادیهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم للسیماء التی علیهم فیقال لیس هؤلاء ممن وعدت لهم ان هؤلاء بدلوا بعدک ای لم یموتوا علی ما ظهر من اسلامهم والثانی ان المراد به من کان فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وارتدوا بعده فینادیهم

یہ حدیث حضرت انس رضہ ابو ہریرہ رضہ حذیفہ رضہ سہل بن سعد رضہ ابن عباس رضہ ابن عمر رضہ اور عبداللہ بن مسعود رضہ سے مروی ہے۔ کسی روایت میں تفصیل ہے کسی میں اجمال ہے۔

وان لم یکن علیہم سیماء الوضوء لما کان یعرفہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حیاتہ من اسلامہم فیقال ارتدوا الثالث ان المراد اصحاب المعاصی الکبائر الذین ماتوا علی التوحید واصحاب البدع الذین لم یخرجوا ببدعتہم عن الاسلام انتہی ما فی شرح مسلم مختصرًا۔

ودیر ماہران اسانید پوشیدہ نیست، کہ این حدیث مذکور بطرق خمسہ وستہ منقول است پس بلاریب بدرجہ شہرت رسیدہ لان الحدیث المشہور عند المحدثین ما لہ طرق محصورۃ باکثر من اثنین کذا فی نخبۃ الفکر وغیرہ من کتب الاصول حاصل کلام آنکہ ازین روایات صحیحہ مذکورہ مقبولہ عند جمہور العلماء والمحدثین صاف ہویدا گردید کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را در عالم برزخ از احوال واقوال امت اطلاعے نمی شود، چہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را بر احوال ایشان اطلاع شدے، پس این چنین چرا مے فرمودند اصحابی اصحابی باوجودیکہ این جماعت مذکورین صحبت بابرکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را دریافتند وبعد انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرتد شدند، یا در دین احداث بدعت قبیحہ نمودند، ودر حقوق واجبہ تقصیر نمودند باز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر احوال ایشان از روز وفات تا روز قیامت اصلا مطلع نشدند وبنا بر ہمیں عدم اطلاع دراں روز خواہند فرمود کنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم الآیۃ وازین صاف ہویدا گردید کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در عالم برزخ از احوال امت اطلاع نہ دارند پس درین صورت چگونہ اعتقاد کردہ شود، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را بر احوال امت در عالم برزخ اطلاع می دہند ھل ھذا الا الاختلاق، بالفرض اگر کسے ازاں بسر روایتے ضعیف

---

اور ماہران اسانید پر پوشیدہ نہیں ہے، کہ یہ حدیث پانچ چھ سندوں سے منقول ہے، پس یقیناً یہ حدیث شہرت کے درجہ پر پہنچ چکی ہے، کیونکہ محدثین کے نزدیک حدیث مشہور وہ ہے، جو دو سے زیادہ سندوں سے مروی ہو جیسا کہ نخبۃ الفکر وغیرہ کتب اصول میں مذکور ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ان روایات صحیحہ سے صاف ظاہر ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں امت کے احوال کی خبر نہیں ہوتی، ورنہ آپ قیامت کے دن ایسا نہ فرماتے، جیسا کہ اسی حدیث کے ایک طریق میں آنحضرت کے یہ الفاظ ہیں، کہ اے اللہ میں جب تک ان میں موجود رہا ان کی نگرانی کرتا رہا، اور جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا، تو پھر تو ہی نگران تھا، الآیۃ، پھر ایسی صورت میں کیونکر یہ عقیدہ رکھا جا سکتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں امت کے حالات کی خبر ہوتی ہے۔

بالسند صحیح برین معنی نقل کند، در حسب روایات صحیح بخاری و مسلم مقبول نخواہد بود، بلکہ مردود شود عند العلماء المحققین المصنفین کما لا یخفی علی ماہر فن الحدیث والفقہ، واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

**سوال:** اولیاء اللہ بچشم ظاہری در بیداری بلا تاویل خدائے تعالے را در دنیا می بینند یا نہ؟

**الجواب:** در صورت مرقومہ نمی بینند باتفاق اہل سنت و جماعت و مدعی آن کاذب است، چنانچہ جملہ مالہ وما علیہ از منح الازہر نگاشتہ می شود ھل یجوز رویۃ اللہ تعالی فی الدنیا بعین البصر للاولیاء فقد جاء نی سوال واقعۃ الحال فی من ادعی ذلک فی بعض الاشخاص فکتبت الجواب بحسب ما ظہر لی وجہ الصواب فھو اجماع الائمۃ من اہل السنۃ والجماعۃ علی ان رؤیۃ اللہ تعالی بعین البصر جائزۃ فی الدنیا والاخری عقلا وثابتۃ فی العقبی سمعا ونقلا واختلفوا فی جوازھا فی الدنیا شرعا فاثبتھا الاکثرون ونفاھا آخرون ثم الذین اثبتوھا خصوا وقوعھا لہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الاسراء علی خلاف فی ذلک بین السلف والخلف من العلماء والاولیاء والصحیح انہ صلی اللہ علیہ وسلم انما رای ربہ تعالی بفوادہ لا بعینہ

سوال: - اولیاء اللہ ظاہری آنکھوں سے بیداری کی حالت میں بغیر کسی تاویل کے خدا تعالیٰ کو دنیا میں دیکھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

جواب: - صورت مرقومہ میں نہیں دیکھ سکتے، اور اس پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے، اور اس کا دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہے، چنانچہ منح الازہر میں اس مسئلہ پر پوری بحث کی گئی ہے، لکھتے ہیں: میرے پاس (مندرجہ بالا مضمون کا) ایک سوال آیا، میں نے اپنی صوابدید کے مطابق اس کا جواب لکھا ہے، اور اسی پر اہل سنت والجماعت کے تمام ائمہ کا اجماع ہے، کہ عقلی طور پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت ظاہری آنکھوں سے جائز ہے، اور آخرت میں نقلاً وسمعاً ثابت ہے اور دنیا میں رؤیت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق اختلاف ہے، اکثریت کا خیال ہے کہ جائز ہے دوسرے اس کا انکار کرتے ہیں، لیکن جو اس کے جواز کے قائل ہیں، وہ صرف اس وجہ سے قائل ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کو معراج کی رات دیکھا ہے، اور دوسرے کسی کے لئے اس کو ثابت نہیں کرتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کے متعلق بھی تو سلف میں اختلاف تھا، صحیح یہی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا ہے، آنکھ سے نہیں دیکھا، چنانچہ شرح عقائد میں اس کی تصریح ہے۔

کذا فی شرح العقائد وغیرہ

فان قال قائل بانی اری اللہ تعالی فی الدنیا ان اراد به رؤیته فی المنام فنفی جوازه خلاف مشهور بین الانام مع ان رؤیة المنامیة لا تکون بالحاسة المعروفة بل التصورات المثالیة والتمثیلات الخیالیة وان اراد بها حال الیقظة فان قصد بها حذف المضاف واراد انه یری الوار صفاته ویشاهد آثار مصنوعاته فذا جائز بلا مریة واما من ادعی بهذا المعنی لنفسه من غیر تاویل فهو فی اعتقاد فاسد وزعم کاسد وفی حضیض ضلال وتضلیل وفی مطعن وبیل وبعید عن سواء السبیل فقد قال صاحب التعرف وهو کتاب لم یصنف مثله فی التصوف اجتمع المشائخ کلهم علی تضلیل من قال ذلک وتکذیب من ادعی هنالك وصنفوا فی ذلك کتبا ورسائل منهم ابو سعید الخزاز والجنید وصرحوا بان من قال ذلك المقال لم یعرف اللہ الملك المتعال واقره الشیخ علاء الدین القونوی فی شرحه وقال ان صح عن احد دعوی نحوه فیمکن تاویله بان غلبة الاحوال یجعل الغائب کالشاهد اذا کثر اشتغال الشئ بشئ واستحضاره له کانه حضر بین یدیه انتهی ویؤیده حدیث ان تعبد اللہ کانك تراه وکذا حدیث عبد اللہ بن عمر وحال الطواف کنا نترای اللہ تعالی

وقال صاحب العوارف المعارف فی کتابه اعلام الهدی وعقیدة ارباب التقی ان رؤیة العیان متعذرة فی هذه الدار لانها دار الفنا والاخرة هی دار القرار فلقوم من العلماء نصیب من علم الیقین فی الدنیا والاخرین من اعلی منهم رتبة نصیب من عین الیقین کما قال قائل رای قلبی ربی انتهی والحاصل ان

---

اگر کوئی یہ دعوی کرے کہ میں نے اللہ تعالی کو خواب میں دیکھا ہے، تو یہ جائز ہے، کیونکہ وہ ظاہری آنکھ سے دیکھنا نہیں ہے، بلکہ تصورات مثالیہ اور تمثیلات خیالیہ کا دیکھنا ہے، اور اگر کوئی یہ کہے، کہ میں نے خدا تعالے کی صفات کے مظاہر دیکھے ہیں، تو یہ ٹھیک ہے، اور اگر کوئی یہ کہے، کہ میں نے بذاتہ خدا تعالے کو دیکھا ہے، تو پرلے درجہ کا بے دین اور گمراہ ہے، اس کو تعزیر لگانی چاہیے، اور شہر میں پھرانا چاہیے۔

صاحب "تعرف" کا قول ہے — یہ کتاب تصوف کے مضمون میں بے مثال ہے — کہ مشائخ طریقت کا اس پر اجماع ہے، کہ دنیا میں کوئی شخص اللہ تعالی کو ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا، رؤیت خداوندی کا محل آخرت ہے

الامۃ قد اتفقت علی انہ تعالی لا یراہ احد فی الدنیا بعینہ ولم یتنازعوا فی ذلک الا نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حال عروجہ علی ما صرح بہ فی شرح عقیدۃ الطحاوی ثم ھذا ان قبل الشاذلی السابق فیہا والا فان کان مصمما علی مقولہ لم یرجع بالمنقول عن معقولہ یجب تعزیرہ وتشہیرہ بما یراہ الحاکم الشرعی وقال بعض ارباب العقائد المنظومۃ من قال فی الدنیا یراہ بعینہ فذلک زندیق طغی وتمرد وخالف اللہ والرسول وزاغ عن الشرع الشریف

قد قال ابن الصلاح وابو شامۃ انہ لا یصدق مدعی الرؤیۃ فی الدنیا حال الیقظۃ ومنع منہ کلیم اللہ موسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام واختلف ھذا المرام بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک المقام کیف تسمح لمن لم یصل الی مقامہ انتہی کلامہما وقال الکورشی فی سورۃ التعجم ومعتقد رؤیۃ اللہ تعالی ھھنا بالعین لغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلم وقال الاردبیلی فی کتاب الانوار ولو قال انی رای اللہ تعالی عیانا فی الدنیا کفر انتہی لکن الاقدام علی التکفیر بمجرد دعوی الرؤیۃ من اصحاب الخطر فان الخطاء فی انتاء الف کافر اھون من الخطاء فی افناء مسلم فالصواب ما قدمناہ انہ ان انضم الی الدعوی ما یخرج عن عقیدۃ اھل السنۃ فحکم علیہ بانہ من اھل الضلالۃ والردی والسلام علی من اتبع الھدی انتہی ما فی منح الازھر شرح فقہ اکبر ملا علی قاری

واظہر من الشمس است کہ ہرگاہ خطاب لن ترانی بموسی علیہ السلام وارد شد پس احاد امت بصفت لن ترانی چگونہ موصوف نشود و نعم ما قیل ؎

جلوہ یار گراں بار کہ بر داشتنی است　　　کمر طاقت کوہ و کمر مور یکے است

ومنشور کامع النور" وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ" ھی وجوہ المومنین یومئذ یوم القیمۃ ناضرۃ حسنۃ ناعمۃ الی ربہا ناظرۃ مشعر ومخبر بدیدار رب غفار

---

دنیا نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا دعوی کرے، تو وہ زندیق ملحد شریعت کا منکر اور سنت کا مخالف ہے۔ جب موسی علیہ السلام کو یہ جواب ملا ہے، کہ تو مجھے کبھی نہیں دیکھ سکتا، تو اور کون ہے جو دوست کا دعوی کر سکے۔ ملا علی قاری کی منح الازہر شرح فقہ اکبر میں یہ تمام تفصیل موجود ہے۔

پھر یہ بھی غور طلب ہے، کہ خداوند تعالی نے فرمایا وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ تو رویت کو قیامت

در شقیے است یعنی در جنت نہ در دنیا زیرا کہ احساس و قوی دنیا از بس ضعیف کہ معرض فنا است ازیں راہ گذر دیدار الٰہی بدار دنیا متعذر بخلاف احساس و قوی دار البقا کہ اقوی و ابقی خواہد بود بتقویت رب العزت و قوائے سرمدیت و دیدار حضرت صمدیت میسر خواہد بود کلمات طیبات آن سرور کائنات سترون ربکم یوم القیمۃ بخطاب مستطاب در بارہ دیدار بعین البصر بسوئے ہمہ صحابہ کرام کہ خلفائے راشدین درین خطاب داخل اند وارد و این چنین نفرمودند کہ سترون ربکم یوم القیمۃ کما ترونہ فی الدنیا پس از آیت و حدیث واضح گردید کہ دنیائے فانی مقام دیدنی نیست،

وازینجا تمام اہل سنت و جماعت اتفاق کردند برین مسئلہ کہ کسے از احاد امت بچشم ظاہری در بیداری در دار دنیا خدائے تعالیٰ را نمی بیند و نخواہد دید و مدعی آن کاذب است قیدھا بالقیامۃ اشارۃ الی ان الرؤیۃ فی الاخرۃ دون الدنیا کذا فی فتح الباری و الکرمانی والعینی شروح البخاری و بارہ حدیث در صحیح بخاری از ابوموسی اشعری این ست کہ فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وما بین القوم وبین ان ینظروا الی ربھم الا رداء الکبریاء علی وجھہ فی جنت عدن ای جنۃ اقامۃ وھو ظرف للقوم لا للہ تعالی وقولہ فی الجنۃ متعلق بمعنی الاستقرار فی الظرف فیفید المفہوم انتفاء ھذا الحصر فی غیر الجنۃ والیہ اشار الشیخ التوربشتی بقولہ یرید ان المؤمن اذا تبوأ مقعدہ فی الجنۃ بتوا والحجب مرتفعۃ والموانع التی تحجب عن النظر الی ربہ مضمحلۃ الا ما یصدھم من ھیبۃ الجلال وسبحات الجمال وابھۃ الکبریاء فلا یرفع ذلک منھم الا برافتہ ورحمتہ تفضلا منہ علی عبادہ۔

قال الحافظ ابن حجر وحاصلہ ان رداء الکبریاء مانع لرؤیتہ فکان فی الکلام حذف تقدیرہ بعد قولہ الا رداء الکبریاء فانہ یمن علیھم برفعہ فیحصل لھم الفوز

---

کے دن پر معلق کیا، اگر دنیا میں بھی رویت ہو سکتی، تو قیامت کے دن کی قید بالکل بے معنی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھو گے "اگر دنیا میں بھی دیدار خداوندی ممکن ہوتا تو قیامت کے دن کی قید لگانے کی کیا ضرورت تھی، اسی طرح فرما دیتے، کہ تم جس طرح دنیا میں خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو آخرت میں بھی دیکھو گے،

امام نووی کا قول ہے کہ تمام اہل سنت کا عقیدہ یہی ہے، کہ رویت خداوندی دنیا میں نہیں ہو سکتی آخرت میں ہو گی، اور اس میں متکلمین کے سلف اور خلف بھی متفق ہیں، واللہ اعلم بالصواب ؁

بالنظر الیہ فکان المراد ان المؤمنین اذا تبوؤا مقاعدھم من الجنۃ لولا ماعندھم من ہیبۃ الجلال لما حال بینھم وبین الرؤیۃ حائل فاذا اراد اکرامھم خصھم برافتہ وتفضل علیھم بتقویتھم علی النظر الیہ سبحانہ وتعالی انتہی ما فی ارشاد الساری مختصرا۔ وقال النووی اعلم ان مذھب اھل السنۃ قاطبۃ ان رؤیۃ اللہ تعالی ممکنۃ غیر مستحیلۃ واجمعوا ایضا علی وقوعھا فی الاخرۃ نقلا ورؤیۃ اللہ تعالی فی الدنیا ممکنۃ لکن الجمھور من السلف والخلف من المتکلمین وغیرھم انھا لا تقع فی الدنیا انتہی ما فی المرقاۃ مختصرا واللہ اعلم بالصواب۔ فاعتبروا یا اولی الالباب فقط نعم المولی ونعم النصیر

سید محمد نذیر حسین

زشرف سید کونین سعد شریف حسین　　سید احمد حسین　　خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ حدیث ان[1] اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراھیم کابراھیمکم وعیسی کعیسکم ونبی کنبیکم کفر ہے، اور جو اس کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے، اور جو اس کے ناقل ہیں وہ کافر ہیں، اور عمرو کہتا ہے، کہ یہ حدیث صحیح ہے اور جو اس کا اعتقاد رکھے، وہ مسلم صحیح الاعتقاد ہے، اور جو اس کے ناقل ہیں، وہ ائمہ دین وہداۃ مسلمین ہیں، ان دونوں قولوں میں سے کون سا قول صحیح ہے، اور کون غلط، اور زید مسلمان ہے. یا کافر ہے، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ زید جھوٹا ہے اور فاسد الاعتقاد اور عمرو سچا ہے، اور صحیح الاعتقاد، اور اعتقاد زید کا درست نہیں ہے، اور جہالت ہے، کیونکہ حدیث مذکور مستدرک حاکم وتفسیر ابن جریر وغیرہ میں موجود ہے، اور اس کے ائمہ دین مثل ترجمان القرآن حضرت ابن عباس اور ابو الضحی، اور شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث اور عطاء بن السائب اور عطاء بن یسار اور عمرو بن مرہ ومحمد بن المثنی اور عمرو بن علی اور محمد بن جعفر اور عبید بن غنام اور علی بن حکیم وشریک اور حاکم اور بیہقی وجلال الدین سیوطی کہ مستند مخالفین کے ہیں، اور محمد بن جریر طبری کہ بڑے معتمد مخالفین کے ہیں، اور ابن ابی حاتم کہ بڑے محدث ہیں، اور عبید بن حمید اور ابن الضریس اور ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری

---

[1] اللہ تعالی نے سات زمینیں پیدا کی ہیں، ہر ایک زمین میں تمہارے آدم جیسا آدم ہے، اور تمہارے نوح جیسا نوح ہے اور تمہارے ابراہیم جیسا ابراہیم ہے، اور تمہارے عیسی جیسا عیسے ہے اور تمہارے نبی جیسا نبی ہے۔

وغیرہم قائل یا ناقل ہیں۔

اخرج[1] الحاکم فی المستدرک من طریق عبید بن غنام النخعی عن علی بن حکیم عن شریک عن عطاء بن السائب عن ابی الضحی عن ابن عباس قال فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم کآدمکم ونوح کنوحکم وعیسی کعیسکم وقال صحیح الاسناد وقال ابن جریر[2] حدثنا عمرو بن علی ومحمد بن المثنی قالا حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبۃ عن عمرو بن مرۃ عن ابی الضحی عن ابن عباس انہ قال فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراہیم کابراہیمکم ونبی کنبیکم

اور ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں: ویشہد[3] للقول الظاہر ما رواہ ابن جریر من طریق شعبۃ عن عمرو بن مرۃ عن ابی الضحی عن ابن عباس فی ہذہ الآیۃ ومن الارض مثلہن قال فی کل ارض مثل ابراہیم ونحو ما علی الارض من الخلق ہکذا اخرجہ مختصرا واسنادہ صحیح واخرجہ الحاکم والبیہقی من طریق عطاء بن السائب عن ابی الضحی مطولا واولہ ای سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراہیم کابراہیمکم وعیسی کعیسکم ونبی کنبیکم

[1] حاکم نے مستدرک میں عبید بن غنام نخعی کے ذریعہ سے روایت کیا ہے، اس نے علی بن حکیم سے اس نے شریک سے اس نے عطاء بن سائب سے اس نے ابوالضحی سے اس نے ابن عباس سے، انہوں نے کہا کہ ہر زمین میں ایک نبی ہے تمہارے نبی جیسا اور تمہارے آدم جیسا آدم ہے، تمہارے نوح جیسا نوح ہے، تمہارے عیسی جیسا عیسی ہے، اور کہا اس کی سند صحیح ہے ۱۲

[2] اور ابن جریر نے کہا، کہ ہم کو عمرو بن علی اور محمد بن مثنی نے حدیث سنائی، انہوں نے محمد بن جعفر سے سنی، اس نے شعبہ سے، اس نے عمرو بن مرہ سے، اس نے ابوالضحی سے اس نے ابن عباس سے، آپ نے کہا کہ ہر زمین میں ایک آدم ہے تمہارے آدم جیسا اور نوح ہے تمہارے نوح کی طرح، اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم جیسا اور عیسی ہے تمہارے عیسی جیسا ۱۲

[3] ظاہر قول کی تائید کرتی ہے وہ روایت، جس کو ابن جریر نے شعبہ عن عمرو بن مرۃ عن ابی الضحی عن ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے ومن الارض مثلہن (اور زمینیں بھی اتنی ہی ہیں)، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر زمین میں ابراہیم جیسا پیغمبر ہے، اور اسی طرح ہر زمین میں مخلوق ہے اس کو اس نے مختصر روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اور اس کو حاکم اور بیہقی نے عطاء بن السائب عن ابی الضحی کے طریق سے مفصل روایت کیا ہے، اور اس کی ابتدا اس طرح ہے یعنی سات زمینیں ہیں ہر زمین میں آدم ہے تمہارے آدم جیسا، اور نوح ہے تمہارے نوح جیسا، اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم جیسا اور عیسی ہے تمہارے عیسی جیسا

البیہقی اسنادہ صحیح الا انہ شاذ انتہی۔

اور تدریب الراوی شرح تقریب النواوی میں مرقوم ہے۔ ولم ازل اتعجب من تصحیح الحاکم لہ حتی رایت البیہقی قال اسنادہ صحیح ولکنہ شاذ بمرۃ[1]

اور تفسیر درمنثور میں مسطور ہے۔ واخرج[2] عبید بن حمید وابن الضریس وابن جریر عن ابن عباس فی قولہ ومن الارض مثلھن قال لو حدثتکم بتفسیرھا لکفرتم وکفرکم تکذیبکم بہا واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم والحاکم وصححہ والبیہقی فی شعب الایمان وفی الاسماء والصفات من طریق ابی الضحیٰ عن ابن عباس فی قولہ ومن الارض مثلھن قال سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراھیم کابراھیمکم وعیسیٰ کعیسیٰکم قال البیہقی اسنادہ صحیح لکنہ شاذ بمرۃ لا اعلم لابی الضحیٰ علیہ متابعا انتہی

اور ایسے ہی تفسیر مظہری اور معالین وغیرہما میں ہے اور موافق قاعدہ محدثین کے یہ حدیث حکما مرفوع ہے پس معاذ اللہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک نوبت پہنچتی ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ الایاب فی کل باب۔ نمقہ الخامل الجانی السید امیر احمد النقوی السہسوانی عاملہ اللہ بالطفہ الشعشعانی

| سید محمد نذیر حسین | | |
|---|---|---|
| سید شریف حسین | محمد حسین | سید محمد اسد علی |

اصغی ہے تمہارے نبی جیسا بیہقی نے کہا اس کی سند صحیح ہے، مگر یہ روایت شاذ ہے ۱۲

[1] اور میں حاکم کے اس حدیث کی تصحیح کرنے کو ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ میں نے بیہقی کو دیکھا کہ اس نے اس کی سند کو صحیح بتایا ہے، لیکن وہ مرہ کی وجہ سے شاذ ہے ۱۲

[2] اور عبید بن حمید اور ابن الضریس اور ابن جریر نے ابن عباس رض سے ومن الارض مثلھن کی تفسیر میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ اگر میں تم کو اس کی تفسیر بتاؤں، تو تم کفر کرو، اور تمہارا کفر تمہاری اس تفسیر کی تکذیب ہوگا، اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے بھی اس کو روایت کیا اور صحیح کہا، اور بیہقی نے اس کو "شعب الایمان" اور "الاسماء والصفات" میں ابوالضحیٰ عن ابن عباس کے طریق سے ومن الارض مثلھن کی تفسیر میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے کہا سات زمینیں ہیں، اور ہر زمین میں نبی ہے تمہارے نبی جیسا، اور آدم ہے تمہارے آدم کی طرح، اور نوح ہے تمہارے نوح کی طرح اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم جیسا اور عیسیٰ ہے تمہارے عیسیٰ جیسا۔ بیہقی نے کہا اس کی سند صحیح ہے لیکن وہ شاذ ہے، ابوالضحیٰ کا کوئی متابع مجھے معلوم نہیں ہو سکا ۱۲

**سوال:** مولانا محمد اسمٰعیل شہید و مولوی خرم علی بآوردن کلمات توہین انبیاء و اولیاء کردہ تقویۃ الایمان اند کافر و کتاب او شان لائق غرق بچند وجہ، وجہ اول در باب مذمت شرک در ترجمہ آیت ان الشرک لظلم عظیم گفتہ کہ جاننا چاہئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے آہ، اور اسی طرح کے کلمات دیگر کسے از مفسران در تفاسیر قدیمہ و جدیدہ بایں طور معنے و فائدہ ننوشتہ اند، ازادلہ اربعہ شرعی جواب فرمایند۔

**الجواب:** در پردہ مباد کہ منشائے اعتراض معترض بر صاحب تقویۃ الایمان عدم تدبر است و ران یا تعصب و غباوت، پس در صورت اولیٰ اگر طرز سوق کلام مصنف آں ملاز اول تا آخر کتاب مذکور بتدبر تام و امعان نظر از راہ انصاف دیدے بلا تامل بر ور حجبا بالغیب کلوخ انداز حرف گیری نہ پسندیدے، زیرا کہ او رب العالمین بنا بر عدم غور و تدبر قرآن مشرکان واہل کتاب را بار بار الزام دادہ افلا یتدبرون القرآن الآیۃ کما لا یخفی علی الماہر بالقرآن المجید و در صورت ثانیہ لن یصلح العطار ما یفسد الدھر ؎

بے بصیرت چہ شناسد سخن صائب را   تلخ و شیریں بمذاق دل رنجور یکے است

بر دل دانشمندان شرع شریف مخفی نیست کہ مقصود اصلی جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مغفور

---

سوال: مولوی خرم علی اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید جو اپنی کتابوں میں انبیاء و اولیاء کی شان میں توہین آمیز کلمات لاتے ہیں، چنانچہ مذمت شرک کے باب میں آیت ان الشرک لظلم عظیم کے تحت فائدہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جاننا چاہئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے" الخ اور اس طرح کے اور بھی چند ایک اقوال ہیں، اور مفسرین میں سے کسی نے بھی اپنی تفسیروں میں اس طرح کا فائدہ نہیں لکھا ہے، کیا ایسے کلمات کی وجہ سے مولانا کافر ہیں؟ اور کیا ان کی کتاب پھاڑ دینے کے لائق ہے؟ ادلہ اربعہ شرعی سے جواب دیں

جواب: یہ بات کھل کر سامنے آجانی چاہئے کہ مولانا اسمٰعیل شہید کی عبارت پر جو اعتراض کیا گیا ہے اس کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں یا تو اس عبارت کے سیاق و سباق پر پوری طرح غور نہیں کیا گیا یا پھر تعصب اور ہٹ دھرمی ہے اگر معترض آپ کی عبارت پر اچھی طرح غور کرتا، تو اس قسم کے الفاظ زبان پر لانے کی کبھی جرات نہ کرتا، اللہ تعالیٰ نے کفار کو قرآن مجید میں کئی جگہ الزام دیا ہے، کہ وہ قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے غور و فکر سے کام نہیں لیتے، اگر معترض اچھی طرح غور کرتا، تو اس کو صحیح سمجھ آجاتی، اور اگر دوسری صورت ہے، تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

شریعت کے واقف لوگ اچھی طرح جانتے ہیں، کہ مولانا کا اصل مقصود ان عوام کالانعام کے عقیدہ کی اصلاح

ومرحوم بیان احکام آئمہ و مہند نصیحت و تنبیہ و تخویف عوام کالانعام از فرقہ مسلمانان
بدکیش نا عاقبت اندیش است لان الامور بمقاصدہا کہ قاعدہ کلیہ فقہاء است، کار بند
شدہ اند چہ عوام بزعم باطل را اعتقاد فاسد خود می دانند کہ اولیاء اللہ از جناب باری مختار
اند ہرچہ خواہند می کنند، و ہرکرا خواہند اولاد و مال و منصب و جاہ می دہند، و ہرکرا خواہند
ذلیل و خوار کنند بنا بر ہمین اعتقاد شرکیہ در نذر و نیاز و وظائف با سماء الیشان یا شیخ
عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ و یا علی یا علی، یا حسین یا حسین، یا خواجہ جی یا خواجہ جی، بتقرب تام
و تذلل تمام اہتمام می کنند، و در ورطہ گور پرستی و پیر پرستی شب و روز مستغرق می مانند، و از
احکام شرعیہ محض غافل و بیباک اند و از اولیاء اللہ چنداں می ترسند کہ از خالق بے نیاز
و رازق کارساز عشر عشیر نمی ترسند، و شعار مسلمانان جہال در شرک و بدعت ہم چو شعار کفار
سابق زمان گردیدہ است پس اعتقاد این چنین کسان را رد کردہ اند
و از ینجا امام رازی در تفسیر کبیر در سورہ یونس تحت آیت کریمہ ویعبدون من دون اللہ ما
لا یضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ الی آخر الآیۃ می نویسند
ورابعھا انھم وضعوا ھذہ الاصنام والاوثان علی صور انبیائھم واکابرھم وزعموا
انھم متی اشتغلوا بعبادۃ ھذہ التماثیل فان اولئک الاکابر علی اعتقادھم اذا
عظموا قبورھم فانھم یکونون شفعاء لھم عند اللہ تعالی۔ انتہی ما فی الکبیر
بقدر الضرورۃ۔

ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ جناب باری تعالی کے مختار کل ہیں، جو چاہیں کرسکتے ہیں کسی کو ذلیل کریں، کسی کو عزت بخشیں
کسی کو اولاد دیں یا نہ دیں، کسی کا رزق تنگ کریں یا فراخ سب ان کے قبضہ قدرت میں ہے، اور یہی وجہ ہے، کہ وہ ان کے
نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں ان کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں، مثلاً یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ، یا علی، یا حسین، یا خواجہ
جی وغیرہ وغیرہ، پھر ان کے سامنے پوری عاجزی کا اظہار کرتے ہیں ان کی قبروں پر سجدے میں گرپڑتے ہیں، اولیاء سے اتنا
ڈرتے ہیں کہ خدا تعالی سے اس کا سواں حصہ بھی نہیں ڈرتے رپہلے زمانہ کے کافروں کے بھی ایسے ہی عقیدے تھے،
چنانچہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ ایسے عقاید باطلہ کی تردید کرکے صحیح عقیدہ ان کے سامنے پیش کیا جائے۔
امام رازی تفسیر کبیر میں سورہ یونس کی تفسیر میں آیت ہؤلاء شفعاؤنا عند اللہ کے تحت لکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے
اپنے نبیوں اور ولیوں کی شکل کے بت بنا رکھے تھے، ان کا خیال تھا کہ جب ہم ان کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، تو ان کی
روحیں خوش ہو کر اللہ کے پاس ہماری سفارش کرتی ہیں۔

و مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ تحت آیت کریمہ فلا تجعلوا للّٰہ اندادا می فرمایند چہارم پیر پرستان گویند کہ چوں مرد بزرگے کہ بسبب کمال ریاضت و مجاہدہ مستجاب الدعوات و مقبول الشفاعت عند اللہ شدہ بود از این جہاں می گذرد روح او را قوتے عظیم و وسعتے فخیم میرسد ہر کہ صورت او را برزخ سازد یا مکان نشست و برخاست او یا بر گور او سجود و تذلل تام نماید روح بسبب وسعت و اطلاق بر آن مطلع شود و در دنیا و آخرت در حق او شفاعت نماید انتہی مافی تفسیر العزیزی مختصرا

ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غافلون الآیۃ لانھم اما جماد واما عباد مسخرون مشتغلون باحوالھم کذا فی البیضاوی ؎

دلے کز نور الٰہی نیست روشن ؛ مخوانش دل کہ آن سنگ است و آہن

دلے کز گرد غفلت زنگ دارد ؛ ازاں دل سنگ و آہن ننگ دارد

داور واحد قہار ہمیں عظمت شان سرشار خود درباره مقربان مخلصان درگاہ خود نابر زعم فاسد مشرکان بدشعار تہدید تمام می فرماید لو اشرکوا ای لو اشرک ھولاء الانبیاء مع فضلھم وعلو شانھم لحبط عنھم ما کانوا یعملون لکانوا کغیرھم فی حبوط اعمالھم بسقوط ثوابھم انتہی ما فی البیضاوی واکبر یہ جملہ لکانوا کغیرھم عبارت بیضاوی را ملحوظ بر داشت

مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ تفسیر عزیزی میں فلا تجعلوا للّٰہ اندادا کے تحت فرماتے ہیں کہ چوتھا طبقہ قبر پرستوں کا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ جب کوئی بزرگ آدمی اپنے مجاہدہ اور ریاضت کی وجہ سے مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے تو مرنے کے بعد اس کی روح کو بہت طاقت اور وسعت نصیب ہو جاتی ہے، پھر اگر کوئی شخص ان کی قبر یا ان کی نشست و برخاست کی جگہ یا ان کی تصویر کے سامنے جھکے، تو وہ (بزرگان دین) اس سے مطلع ہو کر خوش ہوتے ہیں اور ان کی سفارش کرتے ہیں

اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو بھی کسی کی خبر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس آدمی سے گمراہ تر اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ کے سوا ان کو پکارے، جو قیامت تک بھی ان کو جواب نہ دے سکیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان کے پکارنے سے مطلق بے خبر ہیں کیونکہ یا تو وہ پتھر ہیں جو سن ہی نہیں سکتے اور یا پھر خدا کے نیک بندے ہیں، جو اپنے حال میں مشغول ہیں اور شرک ایسی بری بلا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر کر کے فرمایا ہے، کہ اگر یہ لوگ بھی شرک کرتے تو ان کے عمل بھی ضائع اور برباد ہو جاتے۔

کہ یکے نکتہ گفتہ ؎

نزدیک عزتش نہ نشیند غبار شرک | با وحدتش کسے دم شرکت چسان زند
ہر طرح کو فگند بوصفش خیال ووہم | دست کمال آتش غیرت دران زند

برایں معنی ادتعالیٰ شانہ در رد اعتقاد فاسد معتقدان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ از مرتبہ نبوت بمرتبہ الوہیت رسانیدہ بودارشاد می فرماید لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم قل فمن یملک من اللہ شیئا ان اراد ان یھلک المسیح بن مریم وامہ ومن فی الارض جمیعا الآیۃ۔ عاقلاں میدانند کہ حضرت عیسیٰ ومادر وے قابل شائبہ ہلاکت وعذاب نبودند صرف بابطال زعم معتقدان ایشان تنبیہ وزجر فرمودہ کہ معتقدان شان ازیں عقیدہ باطلہ تو بہ نمایند وبحکم خداوند قہار وجبار فرمانبردار شوند ؎

صرصر قہر تو از مکمن وحدت بوزد | خس وخاشاک وساوس ہمہ را باد برد
ہرچہ در عرصہ وجود پدید آمدہ بود | سیل غیرت ہمہ را تا عدم آباد برد

پس ازیں جہت صاحب تقویۃ الایمان علیہ الرحمۃ والرضوان ہر دو ابطال زعم مذموم عوام کہ در حق بزرگان دین از اولیاء اللہ میدارند کہ ہرچہ خواہند مکنند نوشتہ کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔

بدانکہ اینجا بیان امتیاز فیما بین دو نسبت است یکے نسبت مخلوق با خالق دیگرے نسبت مخلوقے با مخلوق دیگر پس مقصود تمام دکشف مرام صاحب تقویۃ الایمان دریں مقام صرف شق اول است یعنی نسبت مراتب ہمہ مخلوقات بنسبت مراتب خالق کائنات بمنزلہ ھباء منثورا است و ہر مرتبہ

---

اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان بدشعار مشرکوں کے عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے بڑے سخت لفظ بھی فرمائے ہیں یقیناً وہ لوگ کافر ہیں، جو کہتے ہیں، کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے، آپ فرمائیں اگر خداوند تعالیٰ مسیح ابن مریم اور ان کی ماں اور تمام اہل زمین کو برباد کردیں تو خداوند تعالیٰ کو کون روک سکتا ہے؟

عقل مند لوگ جانتے ہیں کہ مسیح اور ان کی والدہ تو برباد کردینے کے لائق نہیں ہیں لیکن ان مشرکوں کے عقیدہ کی تردید کرنے کے لئے ایسا فرمایا ہے۔

یہ بھی یاد رہنا چاہیئے، کہ یہاں دو نسبتیں الگ الگ ہیں ایک خالق سے مخلوق کی نسبت، اور دوسری مخلوق کی مخلوق سے نسبت، اور مولانا یہاں پہلی نسبت کے متعلق گفتگو کر رہے، کہ خالق کے ساتھ مخلوق کو کوئی ذرہ بھر کی بھی نسبت نہیں ہے، کجا حادث محتاج، اور کجا قدیم موجد اور مقتدر ان میں آخر کیا نسبت ہے؟ کجا ایک ذرہ بے مقدار اور کجا

ندارد ہیچ گونہ معتد بہ نسبت زیرا کہ حادث مفتقر را با قدیم موجد مقتدر ہیچ مناسبت و مشابہت لیس
کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر الآیۃ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون
فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئ والیہ ترجعون. عالی شان او ست نعم ما قیل ؎

حرفے است کاف کن ز طومار صنع او　　　از قاف تا بقاف بدین حرف گشتہ دال

پس دلیل قول صاحب تقویۃ الایمان کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے "راست
و بجا است، چہ ہر موحد ہوشمند اعتقاد میدارد کہ بمقابلہ عزت عظیم او عزیز ذو انتقام ہر مخلوق ذلیل
یعنی بغایت ضعیف و عاجز بے سر و سامان ذرہ مثال است، بلکہ کمتر ازان در معرض فنا و زوال
است ؎ ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی،

و ازیں زیادہ تر ذلیل خواہد بود کہ کل شئ ھالک الا وجہہ شان او ست و مراد از ذلیل
بغایت ضعیف و بے چارہ است و در عبارت تقویۃ الایمان چہ نقیض ذلت عزت است و
او تعالیٰ بعزت ذاتیہ قدیمی مختص است و از ذلت منزہ و مبرا تمام است، چنانکہ خود میفرماید
ولم یکن لہ ولی من الذل ای لم یذل فیحتاج الی ناصر وکبرہ تکبیرا ای عظمہ عظمۃ
تامۃ عن اتخاذ الولد والشریک والذل وکلما لا یلیق بہ روی الامام احمد فی مسندہ
عن معاذ الجھنی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یقول آیۃ العز الحمد للہ الذی الخ
انتہی ما فی الجلالین مختصرا، وان العزۃ للہ جمیعا الآیۃ وان القوۃ للہ جمیعا الآیۃ
وان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین الآیۃ

کیوان غلام بارگہ کبریائے تست　　　گردوں غلام گردش دولت سرائے تست

پس شان ہر مخلوق از اعلیٰ و ادنیٰ بہ نسبت شان عظمت نشان او خالق کائنات کہ متصف بصفات
غیر متناہیہ و مستجمع جمیع کمالات ذاتیہ است، مثل ذرہ ہم نیست بخلاف شان چمار بہ نسبت شان
بادشاہ دنیا امر اضافی است یعنی در وجود و بقا و افتقار بشری ہر دو برابر اند، و در وجاہت و عزت و

---

صحرائے ناپیدا کنار وہ باقی یہ فانی، وہ ازلی ابدی اور اس کی ہستی ایک آنی، تو اس صورت میں مخلوق کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں
نہ ہو، خدا تعالیٰ سے وہ نسبت کبھی نہیں ہو سکتی، جو ایک چمار کو بادشاہ سے ہو سکتی ہے، کیونکہ خالق اور مخلوق میں جو فرق ہے
وہ اصلی اور ذاتی ہے، اور چمار اور بادشاہ میں جو فرق ہے، وہ صرف اضافی ہے حقیقی نہیں، کیونکہ زندگی، موت
صحت، بیماری، پریشانی اور خوش حالی، غمی اور خوشی میں بادشاہ اور چمار ہر حال برابر ہیں، جیسے ایک چمار محل حوادث
ہے، ویسے ہی بادشاہ بھی محل حوادث ہے، فرق ہے تو صرف حال ہے، کہ وہ ظاہری طور پر دنیاوی بادشاہ ہے

شوکت ظاہری عارضی ہر چند بالفعل برافرستند اگر در محل تغیر و زوال اند چنانچہ شائع است گاہ مالک الملک گاہے بادشاہ صاحب شوکت را از سریر عزت بہ حضیر ذلت می نشاند و گاہے بیچارہ بے نوا را از حضیر ذلت بر سریر عزت می رساند ؎

تا ورا قدرتِ بے عجز نہ داری بکس ! قدرت بے عجز تو داری و بس !

چنانکہ پیغمبر باید قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئی قدیر الایۃ نعم ماقیل ؎

سیہ رو گرچہ اوج چرخ گردد کجا گردد رہا از مخلب باز

چہ خالق خالق است و مخلوق مخلوق ؎

مرغہا را وام گستر داست امواج نسیم ماہیاں را نیش قلاب ست موج چشمہ سا

این از شمہ قدرت و نمونہ صنعت او پروردگار است کہ ہمہ مخلوق ازین صنعت و قدرت ذلیل و خوار ؎

جامہ در خون شہیداں کش و بخرام بناز بتو اے شاخ گل این رنگ قبا می زیبد

لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون از علو شان او ست ؎

ثنا ہا ہمہ ایزد پاک را کہ دادہ تارک تاک را

کہ خورشید یک صورت جام از دست شراب شفق در خم شام از دست

از صنائع بدائع بوقلمون او ست . فی ای صورۃ ما شاء رکبک طراز قدرت او ست ؎

غنچہ گل عطر دان سنبل موئے تو است آفتاب از دور گردان سر کوئی تو است

پیش این نقش نگار ہمہ از عہدہ آن لاچار و ذلیل و خوار اند و ایں امرا امور حقہ عقاید اہل اسلام والا تبار است کہ منکر آن مشرک شقی بد اطوار ؎

متاع صبر و نقد آرمیدن نیاز غارت دز دیدہ دیدن !

از صفات محبوبی او ست والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اشارہ از دست ؎

دلم ز خوف تو خون است ندانم چون است در دلم شوق جمالت زبیان بیرون است

---

اور یہ غریب اور نادار ہے، پھر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے، کہ بادشاہ تخت شاہی سے معزول ہو کر ذلت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور کبھی کوئی غریب آدمی تخت شاہی پر جلوہ فراز ہو جاتا ہے لیکن خداوند تعالیٰ کی حکومت ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہے اس میں

آہ صد آہ تو ہر روز فزوں مے گردد ۔۔۔ دل شوریدہ من بین کہ چہ روز افزون است

آئندہ بگوش ہوش باید شنید کہ اورب العالمین بذات مقدس خود واجب الوجود است وتمام مخلوقات علویہ وسفلیہ بایجاد او تعالی موجود اند در وجود وبقا بوے محتاج ہر آن اند ؎

گر بلطفم سے نوازد گر بنازم مے کشد ۔۔۔ زندہ می سازد مرا آن شوخ و بازم می کشد

قولہ تعالی کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون شان او جل شانہ است خلقکم وما تعملون شان او تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شئ قدیر الذی خلق الموت والحیوۃ شان اوست وھو القاھر فوق عبادہ وھو الحکیم الخبیر شان اوست پس بمقابلہ چنین شاہنشاہ رب العالمین واحسن الخالقین ہمہ مخلوقات لاچار وذلیل وذرہ بے مقدار وضعیف وخوار وبدست قدرت کاملہ او مجبور وگرفتار وچار چنداں بہ نسبت بادشاہ لاچار نیست زیرا کہ ہر دو در وجود وبقا ولوازم بشری مساوی اند بخلاف نسبت مخلوق با خالق ہیچگونہ مشابہت ومناسبت نیست وہمین معنی صاحب تقویۃ الایمان است نزد ارباب عقل ونقل کما لایخفی علی المنصف الذکی وقولہ والقاھر یفید الحصر ومعناہ انہ لا موصوف بکمال القدرۃ وکمال العلم الا الحق سبحانہ وعند ھذا یظھر انہ لا کامل الا ھو وکل من سواہ فھو ناقص اذا عرفت ھذا فنقول اما دلالۃ کونہ قاھرا علی القدرۃ فلانا بینا ان ما عدا الحق سبحانہ ممکن بالوجود لذاتہ لا یترجح وجودہ علی عدمہ ولا عدمہ علی وجودہ الا بترجیحہ وتکوینہ وایجادہ وابداعہ فیکون فی الحقیقۃ ھو الممکنات تارۃ فی طرف ترجیح الوجود علی العدم وتارۃ فی طرف ترجیح العدم علی الوجود ویدخل فی ھذا الباب کونہ قاھرا لھم بالموت والفقر والاذلال ویدخل فیہ کل ما ذکرہ اللہ تعالی قل اللھم مالک الملک الی آخر الآیۃ انتھی ما فی تفسیر الکبیر۔

بر معترض غافل نہادہ واجب است کہ تلاوت سورہ اخلاص بکند کہ رفعت شان او خلاق علیم

کبھی زوال نہیں، اور مخلوق اس کے مقابلہ میں ہمیشہ محتاج ہے اس کو کبھی قرار ذاتی نصیب ہی نہیں ہو سکتا پھر مخلوق کو خالق سے وہ نسبت کب میسر ہو سکتی ہے جو ایک چمار کو بادشاہ سے ہے، اور تقویۃ الایمان والے کا مدعا بھی یہی کچھ بیان کرنا ہے۔

معترض کو چاہیے کہ سورۂ اخلاص کی تلاوت بڑے غور سے کرے، اس میں خداوند تعالی کی دو صفتیں بیان کی گئی

و قہار حکیم و رحیم جہانگیر و جز آن در این سورہ دو چیز مذکور است یکے احدیت دوم صمدیت و باقی صفات
متفرع برین ہر دو اند چہ شرکت گاہے در عدد مے باشد و آن را بلفظ احد نفی فرمود و گاہے
در مرتبہ و جاہ و منصب می باشد و آن را بلفظ صمد نفی فرمود و گاہے در نسب مے باشد و آن را
بلم یلد و لم یولد نفی فرمود و گاہے در کار و تاثیر مے باشد و آن را بلم یکن لہ کفوا احد نفی فرمود و معنی
امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرمودہ اند کہ صمد آن ست کہ محتاج کس نبود و ہمہ محتاج او باشند
و در سلسلہ وجود از ذاتے کہ موصوف بصمدیت باشد چارہ نیست زیرا کہ در عالم سراسر احتیاج
مشاہدہ میشود و چون ہر چیز محتاج شد لابد ذاتے می باید کہ احتیاج بآن منتہی شود و او محتاج
دیگرے نباشد والا سلسلہ احتیاج منقطع نشود این از افادات بعض عالم از اہل تفسیر است۔
آیت کریمہ لیس کمثلہ شیء و ہو السمیع البصیر برآن ذات صمدیت صفات منطبق و مرتب
می شود و ہمہ مخلوق این صفات ذرستگہا ددرو عاری محض ہستند و ہمین معنی است کہ ہر مخلوق بڑا
ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے" یعنی محض ضعیف و لاچار است ہیچ از
دست او نیست کردن نمی تواند خود ہر آن زیر حوادث پنہان است و در دائرہ افتقار بیکس و
بے سر و سامان و درویشان است ؎

شہا در نہانی دعا بستہ ایم بہ نیروے تو یک بیک زندہ ایم
ہمہ زیر دستیم و فرمان پذیر توئی یاوری دہ توئی دستگیر
چو درست گر دشمن آری رحیل ز مرغان کشی فیل و اصحاب فیل

پس درمیان خالق غنی و بے نیاز و مخلوق متصف بآز و نیاز مناسبت و مشارکت و مقاومت و
مزاحمت و منازعت و مبارزت اصلاً نیست چہ او خالق مطلق و رازق برحق ازلاً و ابداً عزیز
و قوی و مالک الملک و قاہر و غالب است و لہ الکبریاء فی السموات والارض الآیۃ و در حدیث
قدسی الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری شان عز السلطان اوست ؎

مر او را رسد کبریا و منی کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

---

ہیں، ایک احدیت اور دوسری صمدیت، باقی تمام صفات انہی کی شاخیں ہیں، کیونکہ شرکت کبھی تعداد میں ہوتی ہے، اس کی نفی صفت احد سے فرمائی گئی ہے، اور کبھی شرکت صفات جاہ و مرتبہ و منصب میں ہوتی ہے، اس کی نفی لفظ صمد سے فرمائی گئی ہے، اور صمد وہ ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو، اور سب مخلوق اس کی محتاج ہو، اور کوئی ایسی ہستی ضرور ہونی چاہیئے، جہاں احتیاج ختم ہو جائے ورنہ تسلسل اور دور لازم آئے گا۔

بخلاف مخلوق چہ کبیر و چہ صغیر پیش او جبار قدیر ضعیف فانی و ذلیل و حقیر چیلی است ؎

ہر کہ ہست آفریدہ او بندہ است　　بندہ در بند آفرینندہ است
پس کجا بندہ کہ در بند است　　لائق شرکت خداوند است

چنانچہ او رب العزت بمقتضائے شان عزت و جلالت خود می فرمایان کل من فی السموٰت والارض الا اٰتی الرحمن عبدا، ذلیلا خاضعا کذا فی معالم التنزیل، الا اٰتی الرحمن عبدا، ذلیلا خاضعا یوم القیمۃ منھم عزیر و عیسی کذا فی الجلالین پس در جلالین منھم عزیر و عیسی را صراحۃ ذکر کردہ و ذلیل شمردہ، چہ بے ادبی کردہ و حبذا ما قیل ؎

ہنر بچشم عداوت قبیح تر باشد　　حسد بجاسد طبجی فصیح تر باشد

اٰتی الرحمن عبدا حال ای خاضعا ذلیلا منقادا انتہی بمانی المدارک عبدا مطیعا خاشعا کذا فی التفسیر الکبیر مختصرا الخشوع ضراعۃ وضرع الرجل ضراعۃ ضعف وذل کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب ؎

آن خداوند جہان دارکہ از ہیبت او　　باد بر غنچہ نیار کہ کند پردہ دری

معترض غافل نہادر اکاش سیر سکندر نامہ نظامی علیہ الرحمۃ میسر بودے تا بر صاحب تقویۃ الایمان سخن بے ہودہ و لچر نہ نمودے ؎

ز تعظیم تو پیش تو ہست و نیست　　اگر باشد و گر نباشد یکے است

یعنی در جنب جلال ذات والا صفات تو موجودات و معدومات اگر باشند و اگر نباشند برابر است، چرا کہ تو قادر ہستی مطلقاً بر ہست کردن معدومات و نیست نمودن موجودات پس نزد این شان جلال شان تو ہمہ موجودات از بس ذلیل و ضعیف اند و ہمین مراد صاحب تقویۃ الایمان است کہ "چمار سے بھی ذلیل ہے" آہ ؎

بارہا گفتہ ام بار دگر مے گویم!　　من گم گشتہ نہ این راہ ز خود مے پویم
در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　آنچہ استاد ازل گفت ہمے گویم

برین معنے تصرف و تسلط بادشاہ بر چمار ذلیل ذرہ ایست، موہوم بہ نسبت تصرف تام

جب باقی تمام مخلوقات اس کی محتاج ہوئی، تو پھر اس کے ساتھ برابری کیسے ہو سکتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ زمین اور آسمانوں میں جو کوئی بھی ہے، وہ اللہ کے پاس غلامی کی حالت میں آنے والا ہے، جلالین میں لکھا ہے، کہ عبداً کا معنے ذلیل اور خاضع ہے، پھر فرماتے ہیں تمام مخلوق اس کے سامنے ذلیل ہے، عزیر اور عیسیٰ علیہما السلام بھی،

وقدرت تمام او خالق منعام و تقریر علام بر کافہ انام از خواص و عوام کہ علی الدوام است ؎

آن جہان دلے کہ سر کز خط اللہ سر برکشید ۔۔۔ روز گارش خط خذلان تا ابد بر سر کشید

وازین جا ملا علی قاری ہروی کہ از اعاظم حنفیہ است انبیاء و اولیاء و فجرہ و کفرہ را زیر تسخیر و تصرف دو انگشت از اصابع الرحمٰن شامل کردہ تلبیق واحد ہمہ را ذکر نمودہ چنانکہ در مرقاۃ شرح مشکوۃ در باب قدر زیر حدیث عبداللہ بن عمرو می نویسد عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قلوب بنی ادم ای ھذا الجنس وخص لخصوصیۃ قابلیۃ التقلیب وبہ اکد بقولہ کلھا یشمل الانبیاء والاولیاء والفجرۃ والکفرۃ من الاشقیاء بین اصبعین من اصابع الرحمٰن یقلب واحد ویصرف کیف یشاء ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک والظاہر ان کل واحد من العباد کما یفتقر الیہ تعالی فی الایجاد لا یستغنی عنہ ساعۃ من الامداد کما رواہ مسلم کذا فی المشکوۃ ؎

دیگران را این تصرف کے روا است ۔۔۔ اختیار این تصرفہا تر است

واز جملہ علو شان بے نیازی او این است کہ لو ان اللہ عزوجل عذب اھل سموٰتہ واھل ارضہ عذبھم وھو غیر ظالم لھم این حدیث بسبیل اختصار نقل کردہ شد و روایت کردہ این را احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ از ابی بن کعب و ابن مسعود و حذیفہ و زید بن ثابت رضی اللہ عنہ چنانکہ در مشکوۃ وغیرہ بوجہ بسیط مرقوم است ؎

کسے ز چون و چرادم نمی تواند زد ۔۔۔ کہ نقش بند حوادث ورائے چون و چرا است

چرا نگو کہ چرا دست بستہ قدرت است ۔۔۔ ز چون ملاف کہ چون نیز پائمال قضا است

وازین جا قول مولوی صاحب مرحوم مطابق واقع است و مسلم نیز و عقلاً خلافاً للسفہاء وما قدروا اللہ حق قدرہ وھو العلی الکبیر المتعال وھو شدید المحال ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

---

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث باب القدر کے تحت لکھتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرح چاہے ان کو پھیرتا ہے" اور تمام بنی آدم کی تشریح اس طرح کرتے ہیں، کہ نبیوں اور ولیوں، کافروں، فاسقوں، فاجروں اور تمام بدبختوں کے دل خدا کے ہاتھ میں ہیں"

اولاً معترض غافل نہاد تکفیر ملا علی قاری ہروی کند کہ انبیاء و اولیاء و فجرہ و کفرہ را در یک مرتبہ زیر تسخیر و تصرف خداوند قدیر آوردہ و حفظ مراتب شان نمودہ ثانیا تکفیر صاحب تقویۃ الایمان کند نعوذ باللہ من سوء الظن ؎

منکران چون دیدۂ شرم و حیا برہم نہند تہمت آلودگی بر دامن مریم نہند

حاشا و کلا کہ در کلام ہر دو بزرگان تحقیر و توہین اکابر اعلام اصلاً نیست، بلکہ قصد بیان احکام شرعیہ حسب مرام کلام عزیز علام و سنت آن خیر الانام علیہ الصلوۃ والسلام است، چنانکہ سید احمد طحطاوی محشی در مختار در باب نذر للہ و لغیر اللہ می نویسد اعلم ان بیان الاحکام الشرعیۃ مما یجب علی العلماء ولیس فی ذلک تنقیص الولی کما یظنہ بعض من لا خلاق لہ بل ھذا مما یرضی بہ الولی ولو کان حیا وسئل عنہ ذلک اجاب بالحق واغضبہ نسبۃ التاثیر لہ وتامل قولہ تعالی فی حق السید عیسی علیہ السلام ان ھو الا عبد انعمنا علیہ۔ انتہی ما فی الطحطاوی۔ قال اللہ تعالی ان ھو الا عبد انعمنا علیہ یعنی ما عیسی الا عبد کسائر العبید۔

پس درین جا غور باید کرد کہ برائے چہ این چنین نوشتہ اگر بقصد استخفاف و اہانت نوشتہ کافر خواہد بود، حاشا کہ این مقصود امام ہمام نیست، بلکہ بنظر تنزیہ ذات باری از لوث شرک در رد بد عقیدگان نوشتہ، و صاحب تفسیر نیشاپوری تحت آیت کریمہ للہ ما فی السموات

---

اب معترض کو چاہیئے کہ وہ صاحب جلالین اور ملا علی قاری پر بھی فتوی لگائے کہ یہ بھی عزیر اور عیسی علیہما السلام کو ذلیل کہہ رہے ہیں، اور ملا صاحب بھی کافروں، فاسقوں اور فاجروں کو نبیوں اور ولیوں کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا کر رہے ہیں اور بعد ازاں صاحب تقویۃ الایمان پر بھی فتوی لگائے۔

علامہ طحطاوی شارح در مختار باب نذر للہ و لغیر اللہ میں لکھتے ہیں کہ علماء پر احکام شریعت کا بیان کرنا ضروری ہے اور اس میں کسی کی تنقیص نہیں ہوتی جیسا کہ بے سمجھ لوگ خیال کرتے ہیں، اگر بالفرض وہ ولی زندہ ہوتے، تو وہ بھی یہی کچھ بیان کرتے اور اس سے خوش ہوتے اللہ تعالی کے قول پر غور فرماؤ، کہ وہ عیسی علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں، کہ وہ تو صرف ایک بندہ تھا جس پر ہم نے احسان فرمایا یعنی عیسی علیہ السلام بھی، دوسرے بندوں کی طرح ایک بندے ہیں، غور فرمانا چاہیئے کہ علامہ طحطاوی عیسی علیہ کو دوسرے بندوں کی طرح ایک بندہ قرار دے رہے ہیں اگر بنظر حقارت ایسا کہا جائے تو آدمی کافر ہو جائے حقیقت میں یہاں مشرکوں کے عقیدہ کی تردید کرنا مقصود ہے

صاحب تفسیر نیشاپوری آیت للہ ما فی السموات وما فی الارض یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء

وما فی الارض یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء واللہ غفور رحیم افادہ فرمودہ
ثم ذلک لازم الملک والحکم فقال یغفر لمن یشاء تعمیم فضلہ وان کان من الانسۃ
والفراعنۃ ویعذب من یشاء بحکم الالوہیۃ والقدرۃ وان کان من الملائکۃ المقربین
والمصدقین انتہی کلامہ مختصرا ودر حق حضرت عیسیٰ ومریم علیہما السلام می فرماید
ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کسائر
النساء اللاتی یلازمن الصدق او یصدقن الانبیاء کانا یاکلان الطعام ویفتقران
الیہ افتقار الحیوانات۔ انتہی ما فی البیضاوی مختصرا ودر جلالین مذکور است کانا
یاکلان الطعام کغیرہما من الحیوانات انتہی ما فی الجلالین

پس صاحب تفسیر بیضاوی وجلالین حضرت عیسیٰ ومریم علیہما السلام را مانند دیگر حیوانات
بنا بر افتقار وضعف وعدم اختیار تشبیہ دادند نہ بقصد حقارت وعدم تفاوت درجات ایشان
ذکر کردند نعوذ باللہ من سوء الفہم وشیخ سعدی علیہ الرحمۃ نیز بجلالت شان او خالق قہار وعزیز
جبار می فرماید

| | |
|---|---|
| اگر بمحشر خطاب قہر کند | انبیا را چہ جائے معذرت است |
| پردہ از روئے لطف گر بردارد | اشقیا را امید مغفرت است |

ہم چنین قول صاحب تقویۃ الایمان کہ "چمارسے بھی ذلیل ہے" باید فہمید ذلیل یعنی ضعیف فسو
عاجز ولاچار وبے اختیار است زیرا کہ او جل شانہ مالک الملک وعزیز وسلطان وقادر
مختار مطلق است، وہمہ مخلوق چہ اعلیٰ چہ ادنیٰ در جنب عزت وقدرت کاملہ او ذرہ وار ذلیل،
وخوار بلا ریب در عقیدہ اہل اسلام است الملک ہو القدرۃ والمالک ہو القادر فقولہ
مالک الملک معناہ القادر علی القدرۃ والمعنی ان قدرۃ الخلق علی کل ما یقدرون
علیہ لیست الا باقدار اللہ تعالیٰ فہو الذی یقدر کل قادر علی مقدار درہ وبملک

کے تحت لکھتے ہیں، کہ یہاں تعمیم ہے، اگر وہ بخشنا چاہے، تو ابلیس اور فرعون کو بھی بخش دے، اور اگر سزا دینا چاہے،
تو مقربین ملائکہ اور صدیقین کو سزا دے دے
اور بیضاوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے متعلق فرماتے ہیں "کانا یاکلان الطعام" کہ وہ بھی کھانے کے
ایسے ہی محتاج تھے، جیسے دوسرے حیوانات محتاج ہوتے ہیں، جلالین میں بھی بالکل یہی لفظ ہیں اب دیکھئے صاحب تفسیر
بیضاوی وجلالین حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو حیوانوں سے تشبیہ دے رہے ہیں، حاشا وکلا ان کا مقصود ان کی توہین کرنا نہیں

کل مالک علی مملوکہ۔ انتہی ما فی التیسیر مختصرا

در مدارک تحت آیت کریمہ وھو القاھر فوق عبادہ می آید القہر بلوغ المراد بمنع غیرہ عن بلوغہ انتہی کلامہ وہمین معنی مراد از ذلیل است یعنی ذلیل ضعیف است از مقاومت و مصادمت در کارخانہ الٰہی چہ او عاجز سراپا است کہ بر جلب منافع و دفع مضار و موت و حیات و صحت و مرض و دفع حاجات خود ہیچ قدرت یک ذرہ ندارد چنانکہ عقل و شرع بدان ناطق است و قول صاحب تقویۃ الایمان بر آن صادق چہ نچہا و مالک الملک بابطال زعم مشرکان در سورہ فرقان می فرماید واتخذوا من دونہ الھۃ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون ولا یملکون لانفسھم ضرا ولا نفعا ولا یملکون موتا ولا حیوۃ ولا نشورا الآیۃ

حسن غیور او نپسند د شریک را　　آئینہ را بدست نگیرد نگار ما!

اکنون معنی ذل و ذلت باید دانست کہ چیست، ذُل بضم خواری ضد عز، ذلت کذلک فی الصراح و امام راغب در مفردات القرآن می نویسد الذل ما کان عن قہر و نیقال الذلۃ القلۃ الذلۃ القلۃ انتہی کلامہ فی الجملہ معنی ذل و ذلت ضعف و عجز و ناتوانی و بے سر و سامانی است از مقاومت با دیگرے و ضد و نقیض آن عز است بمعنی قوت و غلبہ چنانکہ امام فخر الدین رازی زیر آیت کریمہ لقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ در تفسیر کبیر می آید معنی الذل الضعف عن المقاومۃ ونقیضہ العز ھو القوۃ والغلبۃ انتہی ما فی التفسیر الکبیر

پر ظاہر کہ ہر مخلوق بمقابلہ قوت و غلبہ خالق بدیع السموات والارض بلا ریب ذلیل است یعنی ضعیف ذرہ وار خوار ناپائیدار در بند حوادث گوناگون گرفتار و منکران دیوانہ مضحکۃ الصبیان خواہد بود و تلاوت سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون در حق منکران می باید و توقیع رفیع ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون حسب حال ایشان می شاید در تفسیر ابو السعود نوشتہ اذلۃ جمع ذلیل وانما جمع جمع قلۃ للایذان باتصافھم حینئذ بوصفی القلۃ والذلۃ اذ کانوا ثلثمائۃ وبضعۃ عشر وکان ضعف حالھم فی الغایۃ انتہی ما فیہ مختصرا

---

ہے بلکہ ان کی محتاجی کو بیان کرنا مقصود ہے۔

تفسیر مدارک میں آیت وھو القاھر فوق عبادہ کے تحت لکھا ہے کہ قہر کا معنی ہے اپنی مرضی پوری کر لینا اور دوسرے کو اپنی مرضی پورا کرنے سے روک دینا" اور یہی ذلیل کا معنی ہے کہ کوئی بھی اس کے کارخانہ قدرت میں دم نہیں مار سکتا، کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ سب کے سب سراپا عاجز ہیں۔

و در تفسیر بیضاوی مرقوم است وانما قال اذلة ولم یقل ذلائل لیدل علی قلتهم وذلتهم بضعف الحال وقلة المراکب والسلاح انتہی کلامہ

پس از قرآن مجید و تفاسیر صاف واضح شد کہ او مالک الملک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم را بسبب ضعف و قلت مال و مثال کہ از مقاومت باکفار ضعیف و بے سرمایہ بودند ذلیل فرمودہ چہ جا کہ بمقابلہ عزت کاملہ و سلطنت قاہرہ و قوت باہرہ او مالک الملک گے رسند، و چہ گونہ ذلیل و ضعیف و خفیف شمردہ نشوند چہ ذلت و ضعف و افتقار شان انسان است و فرمان عالی شان خلق الانسان ضعیفا برآن برہان است ؎

اگر نہیب دہد چرخ واژگون گردد — دگر عتاب کند آفتاب خون گردد

وھو القاھر فوق عبادہ کہ شان عزیز السلطان اوست القہر ھو الغلبة والتذلیل معا و یستعمل فی کل واحد منہما کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب پس معنی آیت کریمہ این است کہ آن غالب و مذلل و تذلیل کنندہ بندگان خود است ؎

ہر کرا قہر تو راند، کہ تواند خواندن! — وآنکہ را لطف تو خواند کہ تواند راندن

و بطش و دار گیر بادشاہ صاحب شوکت بر چار ذلیل و ضعیف بمقابلہ بطش و دار گیر خداوند قدیر ذو الجلال لا یزال بذرہ نیرزد ؎

ہر کہ منصف بود بود بانصاف — وصف تو نیست قدرت وصاف

ان بطش ربك لشدید ہر آئینہ دست برد پروردگار تو بسیار سخت است، زیرا کہ از دست برد دیگران خلاص شدن بمقابلہ و گریہ و زاری و صبر و شفاعت ممکن است، و از عذاب او تعالے ہیچ وجہ خلاصی امکان ندارد و نیز دست برد دیگیان ما نہایتش آن ست کہ منجر بموت و ہلاک شود، و بعد از موت و ہلاک نمی توانند کہ ایذائے رسانند زیرا کہ قدرت برا عادہ معدوم ندارند پس عذاب ابدی نمی توانند کرد، بخلاف او تعالے کہ بمردن و خاک شدن نیز از دست برد او خلاصی ممکن نیست، می تواند کہ زندہ گرداند و باز عذاب کند تا ابد الآباد زیرا کہ انہ ھو یبدئ و یعید الی آخرما فی العزیزی و آیت کریمہ فیومئذ لا یعذب

---

پھر ایک اور طرح سے بھی اس پر غور کرنا چاہیئے، کہ بادشاہ اگر ایک ذلیل چمار پر گرفت کرے، اور اس کو سزا دے، تو اس کی سزا بالکل محدود ہے، کیونکہ موت کے بعد وہ اس کو کچھ سزا نہیں دے سکتا، لیکن خداوند تعالیٰ اگر کسی بندے کو سزا دینا چاہے، تو اس کی سزا غیر محدود ہو گی، کیونکہ موت کے بعد بھی وہ اس کو بار بار زندہ کرنے پر قادر ہے، اور سزا دے

عذابہ احد ولا یوثق وثاقہ احد نیز بر عزت وقدرت کاملہ او عزیز حکیم ناطق کہ ہر
مخلوق بمقابلہ ومشابہہ آن ذرہ وار ذلیل وخوار سرشار است ؎

گہ مسیح میلانی چہا اے سرو قامت می کنی | می کشی وزندہ میسازی قیامت می کنی

وکل یوم ھو فی شان ای امر یظہرہ فی العالم علی ماقدرہ فی الازل من احیاء و اماتۃ واعزاز واذلال واعدام واعطاء وغیر ذلک صفات عزت سمات غیر متناہیہ مختصہ باو جل شانہ است وانسان اگرچہ کامل واکمل باشد کے بصفات خدائے تعالیٰ مختص ومشابہ شدن می تواند چنانکہ بر عقلا اظہر من الشمس است ؎

کل یوم ہو فی شان چہ شان ست چہ شان | یعنی اوصاف کمال تو نہ دارد پایان
جلوہ قدرت ترا غایت و پایانے نیست | ہر زمان جلوۂ دیگر شود از پردہ عیان

فی الجملہ او خداوند خلاق ومالک علی الاطلاق بشان عزت خالقیت وشان عزت الوہیت وشان عزت قومیت وشان عزت قہاریت، موصوف سرمدی است، وہر مخلوق بشان ذلت عبدیت وشان ذلت عبودیت وشان ذلت مقہوریت وشان ذلت افتقاریت، مجبور وپابند محصور ابدی است، پس مخلوق بمقابلہ شاہان زنگا رنگ او خالق غنی وبے نیاز سراپا در ذلتہائے گوناگون سر افگندہ با عجز ونیاز است ؎

شکر فیض تو چمن چون کند اے ابر بہار | کہ اگر خار واگر گل ہمہ پروردۂ تست

پس شرح وبیان عبارت تقویۃ الایمان حسب عنوان کلام ایزد منان ورسول مقبول آخر زمان وطرز تبیان علمائے ذی شان نگارش یافتہ اکنون صاحبان انصاف پرور را لازم است کہ بمقتضائے مکارم اخلاق غور فرمایند، وبر صاحب تقویۃ الایمان غیظ وغضب نہ نمایند ؎

اندکے باتو بگفتم وبدل ترسیدم | کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

سید محمد نذیر حسین

---

سکتا ہے، تو خداوند تعالیٰ کے صفات غیر متناہی ہیں، اور بندہ اس کے مقابلہ میں سراپا عجز ونیاز ہے۔

پس تقویۃ الایمان کی عبارت کی شرح خدا تعالیٰ کی توفیق سے قرآن مجید اور حدیث شریف اور علماء ذی شان کے بیان کے مطابق ہو چکی ہے، اب انصاف پرور حضرات سے توقع ہے، کہ مکارم اخلاق کے مطابق اس پر غور فرمائیں گے، اور صاحب تقویۃ الایمان پر خواہ مخواہ ناراض نہ ہوں گے۔

سوال :- پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم را برادر کلان خود خوانده، حالانکہ جمیع انبیا خواہش اتباع وامت بودن او دارند، واگر آن سرور صحابہ یا امت را برادر خود خوانده، لازم نیست کہ دیگران ہم بگویند۔

الجواب :- اعتراض معترض بر فائدہ تقویۃ الایمان کہ زیر حدیث اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم مذکور است، نیز مشعر بر جہالت وعدم عبور او بر قرآن مجید وحدیث است مدفوع بدو وجہ است،

وجہ اول این کہ مسلمانان باہم چہ اعلیٰ وچہ ادنیٰ باصل واحد کہ ایمان واسلام است منتسب می شوند یعنی ایمان واسلام بمنزلہ اَب است، وہمہ مسلمانان برادران دینی مستند وانتساب دینی واسلامی اشرف وافضل است از انتساب نسبتی، چنانکہ کفار باخود بمشارکت ملت کفریہ اخوان اند، خدائے تعالیٰ در قرآن مجید می فرماید انما المؤمنون اخوۃ جز این نیست کہ مومنان برادرانند مریک دیگر را در دین چہ ہمہ منتسب اند باصل واحد کہ ایمان است انما المؤمنون اخوۃ من حیث انہم منتسبون الی اصل واحد وھو الایمان الموجب للحیوۃ الابدیۃ کذا فی التفسیر البیضاوی۔ المسئلۃ الاولیٰ قولہ تعالیٰ انما المؤمنون اخوۃ قال بعض اھل اللغۃ الاخوۃ جمع الاخ من النسب والاخوان جمع الاخ من الصداقۃ فاللہ تعالیٰ قال انما المؤمنون اخوۃ تاکید الامر واشارۃ الی ان ما

سوال :- صاحب تقویۃ الایمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا بھائی کہا ہے، حالانکہ تمام انبیاء آپ کی تابعداری کر کے امتی ہونے کی خواہش کرتے رہے، اور اگر حضور نے اپنے آپ کو صحابہ یا امت کا بھائی کہا ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا، کہ ہم بھی ان کو اپنا بھائی کہیں

الجواب :- معترض کا یہ اعتراض بھی صاحب تقویۃ الایمان کے فائدہ پر جو انہوں نے حدیث اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم کے تحت لکھا ہے، سراسر جہالت اور قرآن مجید وحدیث شریف پر عدم عبور کی بنا پر ہے، اور یہ اعتراض دو طرح پر مردود ہے

وجہ اول یہ ہے کہ مسلمان آپس میں خواہ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ ایک اصل ایمان کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر بھائی بھائی ہیں یعنی ایمان اور اسلام بمنزلہ باپ کے ہے، اور تمام مسلمان دینی بھائی ہیں اور دینی اور اسلامی نسبت سب سے اشرف واعلیٰ ہے، اور کافر بھی اپنی ملت کفریہ کی وجہ سے آپس میں بھائی ہیں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں" یہ امر بھی ملحوظ رہے، کہ اَخ (بھائی) کی جمع دو طرح سے آتی ہے ایک اِخْوَۃٌ اور دوسری اِخْوَانٌ

بینہم ما بین الاخوۃ من النسب، والاسلام کالاب قال قائلہم ؎

ابی الاسلام لا اب لی سواہ اذا افتخروا بقیس او تمیم

انتہی ما فی التفسیر الکبیر وغیرہ من التفاسیر۔ نعم ما قیل ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

وچہ ظاہر است، کہ صیغہ مؤمنون ومسلمون از جملہ الفاظ عام است العام ھو اللفظ المستغرق بجمیع ما یصلح لہ بحسب وضع واحد کما فی کتب اصول الفقہ پس آیت کریمہ انما المومنون اخوۃ من حیث الایمان مستوعب وشامل گردید رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم وہمہ امت مؤمنہ را وتخصیص آن بلا مخصص شرعی مردود وغیر معقول است عند العلماء الفحول من اہل الاصول کان اخلاء المعنی من اللفظ العام الموضوع غیر معقول کما لا یخفی علی الماہر بالاصول

اگر معترض درین جا قیاس را دخل دہد وگوید، کہ من کثیف البال وسئی الحال کجا وآنحضرت ذات شریف جامع فیض وکمال کجا ازین جہت ذات بابرکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از عموم نص انما المومنون اخوۃ واز خطاب فاخوانکم فی الدین وغیرہ خارج است، پس درین صورت اطلاق اخوۃ وبرادر کلان برآنحضرت جائز وروا نہ بود پس در صورت عدم جواز اطلاق اخوۃ برآن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراسر گناہ وبے ادبی است، گویم کہ نص عام را بالقیاس خاص کردن کار ابلیس است کہ نص را بالقیاس خاص نمودہ خود را ازان خارج کردہ وازین رو ملعون شد چنانکہ از تفسیر کبیر وغیرہ ہویدا گردد والرابع انہ تعالی امر الملائکۃ بالسجود لآدم حیث قال واذ

---

اہل لغت کہتے ہیں، کہ اخوۃ حقیقی بھائیوں کی جمع کے لئے آتا ہے اور اخوان دوستی کی وجہ سے بھائی کی جمع پر بولا جاتا ہے اور یہاں جمع اخوۃ ہے یعنی مسلمان سب آپس میں حقیقی بھائی ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے، کہ لفظ مومنون اور مسلمون عام ہیں، جس سے مسلمانوں اور مومنوں کا کوئی فرد بھی باہر نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے خارج کرنا تخصیص بلا مخصص ہے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے، کہ ہم بدحال لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت ہے لہذا آپ کو عموم نص "انما المومنون اخوۃ" سے خارج سمجھا جائے گا، اور اس طرح آپ کو "بڑا بھائی" کہنا جائز نہ ہوگا، اور اس صورت میں آپ پر بھائی کا اطلاق کرنا سراسر بے ادبی اور گناہ ہوگا، تو میں اس کے جواب میں تفسیر کبیر کا اقتباس پیش کرتا ہوں، کہ لکھتے ہیں: جب اللہ تعالے نے فرشتوں کو آدم کے سامنے سجدہ بجالانے کا حکم دیا، تو شیطان

قلنا للملائكة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابليس ثم ان ابليس لم يدخل هذا النص بالكلية
بل خصص نفسه عن ذلك العموم بقياس هو قوله خلقتني من نار وخلقته من طين
ثم اجمع العقلاء على انه جعل القياس مقدما على النص وصار بذلك السبب
ملعونا وهذا يدل على ان تخصيص النص بالقياس تقديم للقياس على النص و
انه غير جائز انتهى ما في التفسير الكبير في سورة النساء اطيعوا الله واطيعوا
الرسول واولی الامر منکم۔

وازین جا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را گفتہ کہ من برادر شما ام، و
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخن ابوبکرؓ را تقریر نمودہ وانکار نہ فرمودہ وآغاز قصہ این است کہ
جناب آن سرور خیر البشر پیغام درخواست نکاح عائشہ صدیقہؓ بسوی ابوبکرؓ فرستاد
پس ابوبکر صدیق در جوابش گفت کہ من برادر توام واخوۃ مانع نکاح است، پس آنحضرت ارشاد
فرمود اورا کہ تو برادر دینی واسلامی بحکم کتاب اللہ ہستی واو یعنی عائشہ برمن حلال است ونکاح
من از و جائز است واخوۃ اسلامی مانع نکاح نیست، بلکہ اخوۃ نسبتی ورضاعی مانع می شود و
آن مفقود است، چنانکہ در صحیح بخاری موجود است عن عروۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
خطب عائشة الى ابی بكر فقال له ابو بكر انما انا اخوك فقال انت اخی فی دين الله
وكتابه وهي لي حلال كذا في صحيح البخاري في باب تزويج الصغار من الكبار من
الجزء الحادي والعشرين قوله فقال له ابو بكر انما انا اخوك فقال صلى الله عليه وسلم
انت اخي في دين الله وكتابه وهي لي حلال نكاحها لان الاخوة المانعة من ذلك اخوة

---

نے اس نص کو بالکلیہ رد نہیں کیا، بلکہ اپنے آپ کو اس آیت کے عموم نص سے قیاس کی بناء پر خاص کر لیا، اور کہا
خلقتنی من نار وخلقتہ من طین اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ شیطان نے قیاس کو نص پر مقدم
کیا، اور اس سبب سے ملعون ہو گیا، اور یہ عبارت دلالت کرتی ہے، کہ قیاس کی بناء پر نص کی تخصیص کرنا حقیقت
میں قیاس کو نص پر مقدم کرنا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے، اب اس آیت کے عموم کو قیاس کی بناء پر خاص کرنے
والے اپنے متعلق سوچیں کہ وہ کون ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابوبکر صدیق سے حضرت عائشہؓ کا رشتہ پوچھا تو حضرت ابوبکر
نے اخوت اسلامی کی بناء پر عرض کیا، یا حضرت میں تو آپ کا بھائی ہوں تو آپ نے فرمایا ہاں واقعی تو میرا اسلامی بھائی ہے
لیکن اس سے حرمت نکاح ثابت نہیں ہوتی، نکاح کی حرمت نسب یا رضاع سے ثابت ہوتی ہے۔

النسب والرضاع لا اخوۃ الدین کذا فی القسطلانی وفتح الباری وخبر عروہ بصورت ارسال است ومعنی مرفوع است، چنانکہ از فتح الباری مستفاد می شود کما لایخفی علی الماہر بالحدیث

وآیت کریمہ سورۂ برأۃ فان تابوا واقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ فاخوانکم فی الدین ترجمہ پس اگر باز گردند از کفر و بپائے دارند نماز را و بدہند زکوۃ را پس ایشان برادران شما اند در دین اسلام ایشان را است، آنچہ شما را بود و بر ایشان است آنچہ بر شما باشد نیز موید ومُمد است مر آیت اولے را زیرا کہ خطاب بہ نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر مقتضی است کہ داعی وہادی الی الاسلام واکمل واعلم واتقی واکرم اند، پس منکر ازین خطاب بلا ریب جاہل وگمراہ است، چنانکہ بر ماہران نصوص مخفی نخواہد بود بنا بران در تفسیر کبیر در سورہ اعراف گفتہ کہ لا یجوز تخصیص النص بالقیاس انتہی ما فیہ مختصرًا

پس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بدلیل ہر دو آیت کریمہ مذکورہ از راہ اخوت اسلامی برادر کلان وبزرگ تر شدند، وہمہ امت مسلمہ برادر خورد وکمتر گردیدند من حیث الایمان، چہ ایمان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم الوف آلاف از ایمان تمام امت مؤمنہ ازید وافضل است، کما تقرر فی مقرہ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی المقبرۃ فقال السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون وددت انا قد رأینا اخواننا قالوا اولسنا اخوانک یا رسول اللہ قال انتم اصحابی واخواننا الذین لم یاتوا بعدُ

---

اور قرآن مجید میں ہے، کہ اگر وہ توبہ کریں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں، اب اس آیت اور اوپر کی حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی ہونا ثابت ہوا۔ "اِخوانُکُم" میں ضمیر "کُم" کے اولین مخاطب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے، کیونکہ وحی اصالۃً آپ ہی کی طرف آتی تھی، اور دوسرے مسلمان بعد میں مخاطب تصور ہوں گے،

پس قرآن مجید کی دونوں آیات اور حدیث، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا بھائی بنا رہی ہیں، اور چونکہ آپ کا ایمان ساری دنیا والوں کے ایمان سے بھی ہزارہا بلکہ کروڑہا گنا زیادہ ہے، لہٰذا آپ بڑے بھائی ہوں گے، اور باقی تمام امت چھوٹے بھائی۔

اس کے بعد اس حدیث پر بھی غور فرمائیں، کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لائے، مردگان کے لئے دعا فرمائی، اور کہا کاش ہم اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں آپ نے فرمایا، تم میرے صحابی ہو، میرے بھائی وہ ہیں، جو ابھی پیدا نہیں ہوئے، بعد میں آئیں گے،

الی آخرمارواہ مسلم کذا فی المشکوۃ فی الفصل الثالث من کتاب الطہارۃ۔ قال العلامۃ الطیبی فی شرح ھذا الحدیث لیس نفیا لاخوتھم لکن ذکرہ مزیۃ لھم بالصحبۃ علی الاخوۃ فھم اخوتہ وصحابتہ واللاحقون اخوۃ کما قال اللہ تعالی انما المؤمنون اخوۃ انتہی کلام الطیبی فی شرح المشکوۃ ترجمہ حدیث، دوست میدارم وآرزو می برم کہ کاش من وکسانے کہ با من اند می دیدیم برادران خود را یعنے آنہا کہ بعد ازین بآیند، گفتند صحابہ کہ با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بودند آیا برادری خوانی آنہارا وما نیستیم برادران تو، فرمود شما اصحاب منستید برادران ما آنہا اند کہ بعد ازین بیایند وایشان ہنوز باقلیم وجود قدم نہادہ اند انتہی ما فی ترجمۃ الشیخ عبدالحق المحدث الدہلوی وجذب القلوب لہ،

وشیخ جلال الدین در جمع الجوامع چند حدیث بدین مضمون آوردہ است وازین جہت شیخ محی الدین ابن العربی در باب پنجم فتوحات مکی نوشتہ فضلت الصحابۃ فانھم حصلوا الذات وحصلنا نحن الاسم ولما راعینا الاسم مراعاتھم الذات ضوعف لنا الاجر ایضا للحسرۃ التی لم تکن لھم فکان لنا تضعیف علی تضعیف فنحن الاخوان وھم الاصحاب انتہی کلامہ۔

پس قول صاحب تقویۃ الایمان مطابق قرآن مجید وقول وتقریر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم وقول ابوبکر صدیق واقوال دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بپایہ صدق متلقی بالقبول گردید ومجال معترض نادان تنگ شد، توبہ در کار واگر اعتقاد بہ عنوان قرآن وفرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ندارد بلاریب خاطی وگنہگار شرمسار روزگار باشد واعتقاد بر آیت لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کہ مژدہ کامرانی دوجہانے می بخشد باید داشت واز دائرہ شریعت پا بجہالت بیروں نباید گذاشت وعلم منشور لامع النور جاء الحق وزھق الباطل بر صداقت

---

علامہ طیبی کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے بھائی ہونے کی نفی نہیں فرمائی، بلکہ ان کی ایک اور فضیلت بیان کر دی، جو بھائی ہونے کے علاوہ ان کو نصیب تھی شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نصیب ہوئی، اور ہمیں ان کا اسم گرامی ملا ہم نے جب اس اسم کی رعایت ذات کی طرح کی اور پھر ہمارے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی حسرت بھی رہی تو ہمارا اجر بہت بڑھا دیا گیا، ہم کو بھائی کا درجہ نصیب ہوا، اور ان کو صحابی کا"

تو ان تصریحات کی روشنی میں صاحب تقویۃ الایمان کی عبارت بالکل صحیح ہے اور معترض متعصب اور نادان ہے،

صاحب تقویۃ الایمان وحماقت معترض متعصب ونادان برافراشت سوحق حقیق بجانب صاحب رسالہ باید پنداشت، چہا افسوس برافسوس کہ حس وعقل سلیم معترضین از غور وتامل نصوص مبدل گردیدہ کہ اعتراض بے ہودہ از نافہمی حق بر صاحب رسالہ ناحق می کنند وعارف رومی علیہ الرحمۃ والرضوان درشان ہمچو کسان نافہمان در مثنوی می فرماید

| | |
|---|---|
| از شراب قہر چون مستی دہی | نیست ہا را صورت ہستی دہی |
| چیست مستی بند چشم از دید چشم | تا نماید سنگ گوہر پشم پشم |
| چیست مستی حسہا مبدل شدن | چوب اگر اندر نظر صندل شدن |

وجہ دوم، دانچہ صاحب تقویۃ الایمان گفتہ کہ "انسان آپس میں سب بھائی ہیں، جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی تعظیم انسانوں کی سی چاہیئے نہ خدا کی سی" الی آخرہ پس آن بنا بر اعتقاد فاسد مسلمانان جہلا وبعضے صوفیان سفہا، کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم را از حد لوازم بشریت واز مرتبہ نبوت ومنصب رسالت بر مدارج الوہیت وصفات رب العزت رسانیدہ امور متخیلہ کہ مختص بذات وصفات وافعال او ذوالجلال لایزال است برسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نسبت می کنند، وبدان اعتقاد در کفر وشرک می افتند نوشتہ ومطابق کتاب اللہ تعالیٰ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی نگاشتہ ونقاب غفلت وخذلان از روئے جہلا برداشتہ وتفصیل اجمال این برین منوال است، کہ بعضے صوفی جاہل کہ خود را پیشوائے دین واسلام می شمارند اعتقاد می کنند یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را اللہ مجسم میدانند ومی گویند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مظہر اسم اللہ اند وغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مظاہر اسمار دیگر، چون رحمن ورحیم، قاہر ومضل ومظہر بدان معنی گویند، کہ اسم اللہ متعین شد محمد نام شد، واگر محمد مطلق شود

---

دوسری وجہ یہ ہے، کہ صاحب تقویۃ الایمان نے جو یہ لکھا ہے کہ "انسان آپس میں سب بھائی ہیں، جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے، سو اس کی تعظیم انسانوں کی سی چاہیئے نہ خدا کی سی" الخ تو یہ جاہل مسلمانوں اور بعض بے وقوف صوفیوں کے قول کی تردید کے لئے لکھا ہے، جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوازم بشریت سے نکال کر بجائے منصب رسالت ونبوت کے مرتبہ الوہیت پر پہنچا دیتے ہیں، اور ناممکن افعال جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے خاص ہیں، ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور اس طرح کفر وشرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، چنانچہ وہ لوگ تو یہاں تک پہنچ گئے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجسم خدا ماننے لگے، اور کہہ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اسم اللہ سے پیدا ہوئے اور دوسری تمام مخلوقات دوسرے اسماء سے اور اس میں اتنا غلو کیا کہ کہنے لگے، کہ جب اللہ کا اسم متعین ہوا، تو اس کا نام محمد ہو گیا

اللہ گردد و نعوذ باللہ منہا ہنود مہادیو و رام را اوتار می گویند ایشان محمد صلی اللہ علیہ وسلم را گفتند شاید کہ پیتے ہم بنام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبا زند و بہ پرستش پردازند، تمام شد کلام مولوی ظہور الحق صاحب عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ در تنویر الطالبین کہ در رد صوفیان جاہلین نوشتہ و این صریح کفر است بلا ریب و حذو النعل بالنعل قول یک فرقہ نصاری یعقوبیہ است چنانکہ او حق سبحانہ در قرآن مجید می فرماید

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم وقال المسیح یا بنی اسرائیل اعبدوا اللہ ربی وربکم الآیۃ وھذا ھو قول الیعقوبیۃ لانھم یقولون ان مریم ولدت الٰھا ولعل معنی ھذا المذھب انھم یقولون اللہ تعالی حل فی ذات عیسی واتحد بذات عیسی ثم حکی تعالی عن المسیح انہ قال وھذا تنبیہ علی ما ھو الحجۃ القاطعۃ علی فساد قول النصاری وذلک لانہ علیہ الصلوۃ والسلام لم یفرق بین نفسہ وبین غیرہ فی ان دلائل الحدوث ظاھرۃ علیہ انتہی ما فی التفسیر الکبیر من سورۃ المائدۃ وقال فی المدارک ان بعض النصاری کانوا یقولون کان المسیح بعینہ ھو اللہ لان اللہ ربما یتجلی فی بعض الازمان فی شخص فتجلی فی ذلک الوقت فی شخص عیسی ولھذا کان یظھر من شخص عیسی افعال لا یقدر علیھا الا اللہ انتہی ما فی المدارک مختصرا۔

و شاہ عبد القادر صاحب مرحوم برادر خرد شاہ عبد العزیز قدس سرہما تحت آیت سورۃ انعام قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحی الی قل ھل یستوی الاعمی والبصیر افلا تتفکرون مطابق قول صاحب تقویۃ الایمان در موضح القرآن می نویسند "یعنی پیغمبر آدمی کے سوا کچھ اور نہیں ہو جاتے، کہ ان

---

اور اگر محمد مطلق ہو جائے، تو اللہ بن جائے، نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات، ہندو مہادیو اور رام چندر کو خدا کا اوتار کہتے ہیں یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں، ان کی یہ بات عیسائیوں کے فرقہ یعقوبیہ کی طرح ہے، جنہوں نے عیسی علیہ السلام کو خدا کہا، ان کا عقیدہ یہ تھا، کہ عیسے علیہ السلام میں خدا نے حلول کیا تھا، یہی وجہ ہے، کہ عیسے علیہ السلام سے ایسے افعال صادر ہوتے تھے، جو خدا کے ساتھ مختص ہیں۔

شاہ عبد القادر صاحب دہلوی نے موضح القرآن میں آیت قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ الآیۃ کے تحت لکھا ہے، کہ پیغمبر آدمی کے سوا اور کچھ نہیں ہو جاتے، کہ ان سے محال باتیں طلب کرے ایک اندھے اور دیکھنے کا فرق

سے مخال باتیں طلب کرے، ایک اندھے اور دیکھتے کا فرق ہے" انتہی کلامہ،

وصاحب تفسیر کبیر در رد عقیدہ شرکیہ ہمچو تقریر صاحب تقویۃ الایمان زیر ہمین آیت مذکورہ می نویسد فی الآیۃ مسائل. المسئلۃ الاولی اعلم ان ھذا من بقیۃ الکلام علی قولہ لولا انزل علیہ آیۃ من ربہ فقال اللہ تعالی قل لھؤلاء الاقوام انما بعثت مبشرا ومنذرا ولیس لی ان احکم علی اللہ تعالی وامرہ اللہ تعالی ان ینفی عن نفسہ امورا ثلاثۃ اولھا قولہ لا اقول لکم عندی خزائن اللہ فاعلم ان القوم کانوا یقولون لہ ان کنت رسولا من عند اللہ فاطلب من اللہ حتی یوسع علینا منافع الدنیا وخیراتہا ویفتح علینا ابواب سعاداتہا فقال تعالی قل لھم انی لا اقول لکم عندی خزائن اللہ فہو تعالی یؤتی الملک من یشاء ویعز من یشاء ویذل من یشاء بیدہ الخیر لا بیدی وثانیہا قولہ ولا اعلم الغیب ومعناہ ان القوم کانوا یقولون لہ ان کنت رسولا من عند اللہ فلا بد ان تخبرنا عما یقع فی المستقبل من المصالح والمضار حتی نستعد لتحصیل تلک المصالح ولدفع تلک المضار فقال تعالی قل انی لا اعلم الغیب فکیف تطلبون منی ھذہ المطالب والحاصل انہم کانوا فی المقام الاول یطلبون منہ الاموال الکثیرۃ والخیرات الواسعۃ وفی المقام الثانی کانوا یطلبون منہ الاخبار عن الغیب لیتوسلوا بمعرفۃ تلک الغیوب الی الفوز بالمنافع والاجتناب عن المضار والمفاسد وثالثہا قولہ ولا اقول لکم انی ملک ومعناہ ان القوم کانوا یقولون ما لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق ویتزوج ویخالط الناس فقال تعالی قل لھم انی لست من الملائکۃ

---

۱ تفسیر کبیر میں امام رازی نے اسی آیت کے تحت لکھا ہے "آپ ان سے کہہ دیں کہ میرا کام تو صرف انذار اور تبشیر ہے، میں اللہ تعالے سے زبردستی کوئی چیز نہیں منوا سکتا، اور آپ نے تین چیزوں کی نفی فرمائی، میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں، میں غیب نہیں جانتا، اور میں فرشتہ نہیں ہوں، اس لئے کہ وہ کہتے تھے، اگر آپ اللہ کے رسول ہیں، تو ہمیں دولت مند بنا دیجیے، اگر یہ نہیں کر سکتے، تو کم از کم ہمیں غیبی خبریں ہی بتا دیجئے، تاکہ ہم چیزوں کے نرخ معلوم کرکے نفع حاصل کر سکیں، اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا، تو کم از کم خود ہی ہماری سطح سے بلند ہو کر دکھایئے، کھانے پینے کی محتاجی جیسے ہم کو ہے تم کو نہیں ہونی چاہیئے، تو ان کا ایک ہی جواب دیا گیا، کہ میں تو صرف ایک انسان ہوں اور خدا کا رسول ہوں"

واعلم ان الناس اختلفوا فی انہ من الفائدۃ فی ذکر نفی ھذہ الاحوال الثلاثۃ فالقول الاول ان المراد منہ ان یظھر الرسول من نفسہ التواضع للہ والخضوع لہ والاعتراف بعبودیتہ حتی لا یعتقد فیہ مثل اعتقاد النصاری فی المسیح علیہ السلام والقول الثانی ان القوم کانوا یقترحون منہ اظہار المعجزات القاھرۃ القویۃ لقولھم وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا الی آخر الآیۃ فقال تعالی فی آخر الآیۃ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا یعنی لا ادعی الا الرسالۃ والنبوۃ واما ھذہ الامور التی طلبتموھا فلا یمکن تحصیلھا الا بقدرۃ اللہ تعالی فکان المقصود من ھذا الکلام اظہار العجز والضعف وانہ لا یستقل بتحصیل ھذہ المعجزات التی طلبوھا منہ والقول الثالث ان المراد من قولہ لا اقول لکم عندی خزائن اللہ معناہ انی لا ادعی کونی موصوفا بالقدرۃ اللائقۃ باللہ تعالی وقولہ ولا اعلم الغیب ای ولا ادعی کونی موصوفا بعلم اللہ تعالی وبمجموع ھذین الکلامین حصل انہ لا یدعی الالھیۃ ثم قال ولا اقول لکم انی ملک وذلک لانہ لیس بعد الالھیۃ درجۃ اعلی حالا من الملائکۃ فصار حاصل الکلام کانہ یقول لا ادعی الالھیۃ ولا ادعی الملکیۃ ولکنی ادعی الرسالۃ وھذا منصب لا تمتنع حصولہ للبشر فکیف اطبقتم علی استنکار قولی ودفع دعوائی انتہی ما فی التفسیر الکبیر للامام الرازی۔ پس وندنہ صاحب تقویۃ الایمان در رد بد عقیدگان انبیاء ہم چو وندنہ صاحب تفسیر کبیر در ابطال عقیدہ مردمان اختیار کرد کما لا یخفی علی الاذکیاء۔

ومولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ در تفسیر سورہ جن می نویسند، باید دانست کہ ذکر و عبادت مستلزم طلب حضور آن چیز است، کہ او را مذکور می کنند و معبود می سازند پس ذکر و عبادت غیر در مقامے کہ خصوصیت بحضرت حق تعالے داشتہ باشد ازاں قبیل است، کہ مکانے را برائے نزول و قدوم بادشاہے مہیا سازند، و ہمراہ او کسے را از رعایائے او نیز دعوت کنند

دیکھئے صاحب تفسیر کبیر کی تقریر بھی تو صاحب تقویۃ الایمان ہی کی طرح ہے اور شاہ عبد العزیز سورہ جن کی تفسیر میں لکھتے ہیں جاننا چاہیئے کہ ذکر اور عبادت کی مثال ایسی ہے، کہ جیسے اپنے معبود مذکور کو کسی مقام پر بلایا جائے جیسے بادشاہ کو کسی جگہ اجلاس کرنے کی دعوت دی جائے، اور اس کے ساتھ ہی کسی اور کو بھی دعوت دے دی

کہ کمال بے ادبی است وانہ لما قام عبد اللہ وآنکہ ہرگاہ بندے برخیزد بندہ خدا از آن جہت
کہ بندہ است، او را خواندن خداوند خود ضرور است، تا عرض مطلب خود نماید ولہذا برائے این
برمی خیزد کہ بدعوہ یعنے بخواند خدا را و بسبب ذکر وخواندن او حضرت حق بر قلب او تجلی فرماید
و بہترین مکانات بدنش کہ دل است محل نزول نور الٰہی گردد و او تعالےٰ دران محل مہمان شود کادوا
یکونون علیہ لبدا یعنے قریب است کہ آدمیان وجنیان بالاے بندہ ہجوم آوردہ باشند
ند تو بر تو شوند یکے ازان بندہ طلب فرزندی کند و دیگرے طلب روزی و دیگرے طلب
خدمات دنیاو دیگرے کشف کونی وعلی ہذا القیاس بسبب این ہجوم آوردن ہمہ اوقات او
را منغص ومشوش می کنند وہم خود در ورطہ شرک وکفر گرفتار می شوند زیرا کہ فہمیدند کہ چون نور الٰہی بجا
درونے این بندہ بسبب کمال ذکر وعبادت نزول فرمود، گویا این بندہ شریک کارخانہ خدائے
شد و او را جاہے وقدرے نزد حق تعالےٰ پیدا شد کہ ہرچہ این بگوید حق تعالےٰ بعمل آرد،
چنانچہ در دنیا مہمان را خاطرداری میزبان بہمیں مرتبہ می باشد، ولہذا اہل دنیا مجلس مے
باشند کہ بادشاہ وامیر وحاکم وزرعدار در خانہ ہرکسے آیند از وے حل مشکلات وحاجت روائی
مے جویند، وبہمین خیال فاسد کہ در حق بندگان خدا بخاطر ہم میرسانند در ورطہ پیر پرستی
وگور پرستی می افتند، ودرین حادثہ جنیان وآدمیان ہردو شریک اند، وترا منصب رسالت ثقلین
است اگر درین امر در حق خود خوف کنی باین ہردو فرقہ و انکشاف قل انما ادعوا ربی یعنی بگو
سوائے این نیست، کہ من می خوانم پروردگار خود را تا ظلمت کدہ دل مرا بنور تجلی خود مشرف
سازد ولا اشرک بہ احدا یعنے وہرگز شریک نمی کنم با او ہیچ کس را وچون من با او ہیچ کس را
شریک نمی کردم، وبخواندن پروردگار خود مشغول شدم پس از دیگران کے روا خواہم داشت کہ

---

جائے، تو یہ بادشاہ کی انتہائی توہین ہے، ایسا ہی اگر خدا تعالےٰ کو پکاریں، اور اس کے ساتھ کسی اور کو بھی پکاریں، تو اس
سے خدا تعالیٰ کی توہین ہوتی ہے وانہ لما قام عبد اللہ یعنی جب بندہ خدا تعالےٰ کو پکارنے اور اس کی عبادت کرنے
لگا تو جنوں اور انسانوں نے سمجھ لیا، کہ اب یہ مقبول الدعوات ہو گیا حق تعالےٰ نے اس پر تجلی فرمائی ہے، تو اس پر تہ
بر تہ گرنے لگے کوئی اس سے فرزند کا طلب گار ہوا، کوئی رزق کی فراخی کا، کوئی صحت اور خوش حالی کا، اور اس کے اوقات
کو پریشان کرنے لگے تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا آپ ان سے کہدیں کہ میں تو اپنے رب کو پکارتا ہوں، کہ وہ میرے ظلمت کدہ
دل کو پریشانی اوقات کی ظلمت سے منور کر دے، اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا اور جب میں خود
اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کے لئے تیار نہیں، تو میں یہ کب گوارا کر سکتا ہوں، کہ کوئی مجھ ہی کو خدا کا شریک

مرا بخوانند یا مرا با و شریک مقرر کنند، و اگر این ہر دو فرقہ از تو، توقعے نفعے یا ضررے داشتہ ترا
بخوانند و شریک مقرر کنند پس صاف قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا یعنے بگو بتحقیق
من ہرگز مالک نیستم برائے شما ضررے و نہ تدبیر مطلب رس را چنانچہ پیش از من وکلاء و سفرائے
جنیان و ارواح ضالہ بنی آدم اہل دنیا را بالطمع منفعتہا و خوف مضرتہا می فریفتند، و خود را نزد آنہا
مالک نفع و ضر نمودمی کردند، کہ حالا این دفتر را گاؤ خورد کردم و اگر حادثہ و مصیبتے تو پناہ آرند و بخواہند
کہ از غضب خدا در دامن تو پناہ گیرند پوست کندہ قل انی لن یجیرنی من اللہ احدٌ یعنے
بگو بتحقیق من خود درین حالت ام کہ ہرگز پناہ نمی تواند داد مرا از غضب خدا ہیچ کس ولن اجد
من دونہ ملتحدا یعنے و ہرگز نخواہم یافت در وجدان خود در ہیچ وقت سوائے خدا ہیچ
جائے رجوع و میلان تا بسوئے آن رجوع و التجا کنم تمام شد کلام مولانا شاہ عبد العزیز
در تفسیر عزیزی۔

قولہ انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا و معنی الکلام ان النافع والضار والمرشد
والمغوی ھو اللہ وان احدا من الخلق لا قدرۃ علیہ انتہی ما فی التفسیر الکبیر
باید دانست کہ روش وطرز بیان صاحب تقویۃ الایمان و نصیحت المسلمین مولوی خرم علی مرحوم
در رد اشراک و ابطال عقاید فاسدہ عوام ہمچو روش بیان مولانا شاہ عبد العزیز و صاحب
تفسیر کبیر است، چنانکہ بر ماہران کتب مذکورہ مخفی نخواہد بود باز تیل و قال کردن بر صاحب تقویۃ
الایمان و صاحب نصیحت المسلمین خالی از غباوت و جہالت نیست نعوذ باللہ من الغی الغوی،

واصل حدیث کہ معترض بر فائدہ آن اعتراض بر مولوی اسمٰعیل دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کردہ است
نوشتہ می شود عن عائشۃ رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی نفر من
المہاجرین والانصار روایت است از عائشہ رض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود در جماعت
از مہاجرین و انصار فجاء بعیر فسجد لہ پس آمد شترے پس سجدہ کرد مر آنحضرت صلی اللہ علیہ

---

بنا لئے گئے اور اگر یہ دونوں فرقوں کو آپ سے نفع و نقصان کی امیدیں ہوں تو صاف کہہ دیجئے، کہ میں تو اپنے نفع و نقصان کا
مالک بھی نہیں ہوں، اور اگر خدا کی نافرمانی، اور بے ادبی اور گستاخی کر کے آپ کے دامن میں پناہ لینا چاہیں، تو آپ کہہ دیں
کہ خود میرے لئے بھی خدا کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے۔

اور معترض نے صاحب تقویۃ الایمان مولانا اسمٰعیل شہید کی جس عبارت پر اعتراض کیا ہے، وہ اس حدیث کا
فائدہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے، ایک اونٹ آکر

وسلم فقال اصحابہ پس گفتند یاران آنحضرت یارسول اللہ تسجد لک البہائم والشجر سجدہ می کنند ترا چہارپایہا و درختان فنحن احق ان تسجد لک پس ما سزاوار تریم بآنکہ سجدہ کنیم مر ترا فقال اعبدوا ربکم پس گفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کنید پروردگار خود را واکرموا اخاکم گرامی و عزیز دارید برادر خود را، عبارت ذات شریف خود داشت و لو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجہا الی آخر ما فی المشکوۃ رواہ احمد

وازین حدیث دو فائدہ مستفاد شد، یکے آنکہ صحابہ کرام رض بفرط محبت و زیادت تعظیم خواستند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را سجدہ کنند لیکن اجازت سجدہ کردن نداد، کہ غیر مشروع بود زیرا کہ سجود از اقصے مرتبہ تعظیم است، برائے آنکہ اعلیٰ وجہ تعظیم ذاتی داشتہ باشد وآن مختص بذات پاک رب العالمین است،

فائدہ دوم، آنکہ قیاس صحابہ بر قیاس سجدہ کردن بہائم و درخت نزد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحیح و مقبول نشدہ، کہ قیاس مع الفارق بود زیرا کہ بہائم و درخت مکلف ہم چو جن وانس براحکام شریعت انبیاء علیہم السلام نیستند، چہ سجدہ آنہا بتسخیر الٰہی می باشد و این از مباحث شرعیہ خارج است بخلاف جن وانس کہ براحکام شرعیہ بواسطہ انبیاء علیہم السلام مسخر اند کہ ازین چارہ نیست ایشان را ولہذا فرمود اعبدوا ربکم چہ عبادت مختص بہ پروردگار است،

درروایت است در صحیح بخاری از حضرت عمر رض کہ لا تطرونی کما اطرت عیسی بن مریم وقولوا عبد اللہ ورسولہ یعنے در مدح من مبالغہ از حد عبدیت زیادہ مکنید چنانکہ مبالغہ

آپ کو سجدہ کیا، تو صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ چارپائے جانور اور درخت آپ کو سجدہ کرتے ہیں، تو ہمارا زیادہ حق ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں، تو آپ نے فرمایا، اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی عزت کرو، اگر میں اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا، تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے

جانور اور درخت چونکہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں، لہٰذا ان کو اس سے روکا نہیں جاسکتا، اور جن وانس چونکہ مکلف ہیں، اور شریعت میں حکم ہے، کہ خدا کے سوا کسی کو سجدہ نہ کیا جائے، لہٰذا انسانوں کو اس سے منع فرمایا گیا اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ صحابہ کا درختوں اور جانوروں کے سجدہ پر قیاس کرکے خود سجدہ کرنا حضور کے نزدیک مقبول نہ ہوسکا، کیونکہ یہ قیاس مع الفارق تھا، لہٰذا آپ نے فرمایا اپنے رب ہی کی عبادت کرو، اور میری عزت کرو، بخاری کی حدیث میں ہے، کہ آپ نے فرمایا، میری تعظیم میں اس طرح مبالغہ نہ کرنا جس طرح عیسائیوں نے

حضرت عیسی ابن مریم از حد عبدیت بمرتبہ الوہیت در مدح کردہ شد و بگوید و اعتقاد کنید بندہ او و رسول او، و ازین معنے شیخ عبدالحق محدث دہلوی در رسالہ نہم زیر حدیث الدین النصیحۃ از جملہ مکتوبات خود می نویسند کہ جمیع مراتب کمالات صوری و معنوی در عبدہ و رسولہ مندرج است و عبودیت خاصہ و مخصوص ذات شریف اوست، کہ بندہ حقیقی جز او کس نتواند بود، خدا خداست و بندہ بندہ او انتہی کلامہ مختصرا

ازین جا ظاہر مود اکرموا اخاکم یعنے بسبب منصب رسالت از صفات بشریت ممتاز بودہ بصفات الوہیت متصف نہ شدہ ام کہ مرا عبادت کنید و سجدہ نمائید انا سید ولد ادم ولا فخر بدانید و اکرام کنید و گرامی دارید و اطلاق برادر بجہت بنی آدم بودن و انا بشر مثلکم است و بزرگ و کلان از لفظ اکرام و جملہ انا سید ولد ادم بوجہ احسن مستفاد گردید، قال اللہ تعالی قد جاءکم رسول من انفسکم ای من جنسکم عربی مثلکم انتہی مافی البیضاوی۔ قولہ من انفسکم وفی تفسیرہ وجوہ الاول یرید انہ بشر مثلکم کقولہ تعالی اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منھم وقولہ انا بشر مثلکم والمقصود انہ لو کان من جنس الملائکۃ لصعب الامر بسببہ علی الناس علی ما مر تقریرہ فی سورۃ الانعام انتہی مافی التفسیر الکبیر مختصرا

و در سورہ فصلت می نویسد قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی دبیان ھذا الجواب کانہ یقول انی لا اقدر علی ان احملکم علی الایمان جبرا وقہرا فانی بشر مثلکم ولا امتیاز بینی وبینکم الا بمجرد ان اللہ اوحی الی وما اوحی الیکم فانا ابلغ ھذا الوحی الیکم انتہی مافی التفسیر الکبیر، و در بیضاوی زیر آیت مذکورہ نوشتہ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الہکم الہ واحد لست ملکا ولا جنیا لا یمکنکم التلقی منہ انتہی مافی البیضاوی وغیرہ من التفاسیر۔

عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی نفر ای مع جماعۃ من

---

حضرت عیسی علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا، کہ ان کو عبدیت کے مقام سے نکال کر الوہیت کے مقام پر پہنچا دیا، تم بھی کہتے رہنا، کہ محمد اللہ کے بندے، اور اس کے رسول ہیں، میں تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں، ہاں اللہ تعالی نے مجھے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے، اور اس مرتبہ میں مجھ کو وہ مقام بخشا ہے، جو دوسرے لوگوں کو نصیب نہ ہوا، میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں، فخریہ نہیں کہتا بلکہ حقیقت کا اظہار کرتا ہوں۔

المهاجرين والانصار فجاء بعير فسجد له اى لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اصحابه يا رسول الله تسجد لك البهائم والشجر فنحن احق ان نسجد لك فقال اعبدوا ربكم اى بتخصيص السجدة له فانه غاية العبودية ونهاية العبادة واكرموا اخاكم اى عظموه تعظيما يليق له بالمحبة القلبية والاكرام المشتمل على الطاعة الظاهرية والباطنية وفيه اشارة الى قوله تعالى وما كان لبشر ان يؤتيه الله الكتاب والحكم والنبوة ثم يقول للناس كونوا عبادا لى من دون الله ولكن كونوا ربانيين وايماء الى ما قلت لهم الا ما امرتنى به ان اعبدوا الله ربى وربكم واما سجدة البعير فخرق للعادة واقع بتسخير الله تعالى وامره فلا مدخل له صلى الله عليه وسلم فى فعله والبعير معذور واكرموا اخاكم هو بشر مثلكم ومخرج من صلب ابيكم ادم اكرموه اكرمه الله واختاره واوحى اليه كقوله تعالى قل انما انا بشر مثلكم يوحى الى انتهى ما فى المرقاة شرح المشكوة للملا على القارى بقدر الحاجة۔

قوله انما انا بشر مثلكم يوحى الخ البشر يطلق على الجماعة والواحد يعنى انه منهم والمراد انه مشارك للبشر فى اصل الخلقة ولو زاد عليهم بالمزايا التى اختص بها فى ذاته وصفاته والحصر هنا مجازى لانه يختص بالعلم الباطن ويسمى قصر قلب لانه اتى به ردا على من زعم ان من كان رسولا فانه يعلم كل غيب حتى لا يخفى عليه المظلوم انتهى ما فى فتح البارى وانما يعلمه الانبياء من الغيب ما اعلموا به بوجه من وجوه الوحى انتهى ما فى العينى شرح البخارى مختصرا۔

اگر معترض غافل نہاد سورۂ اعراف کا بتدبر وامعان نظر تلاوت کردے ایں چنیں خرافات وترہات بزبان نیاوردے زیرا کہ خدائے تعالےٰ بنا بر ہمیں بشریت وہم جنسیت وبنی آدم بودن حضرت ہود وحضرت صالح وحضرت شعیب علیہم السلام را برادران کفار ومشرکین ارشاد فرمود، با وصفیکہ کفار ومشرکین نجس اند کما قال اللہ تعالےٰ انما المشرکون نجس الآیۃ والی عاد اخاهم هودا الاية والى ثمود اخاهم صالحا الاية والى مدين

غافل مزاج معترض کو سورہ اعراف کی تلاوت بڑے غور سے کرنی چاہیئے کہ خداوند تعالیٰ نے انبیاء کو مشرکین کا بھائی قرار دیا ہے، حالانکہ قرآن کی نص کی رو سے مشرک ناپاک ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو

اخاھم شعیبا الآیۃ پس دریں صورت اگر صاحب تقویۃ الایمان برد زعم فاسد بسیارے از جہلا، کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم را بمرتبہ الوہیت رسانیدہ اند یعنے مختار کل در کارخانہ خدائی میدانند، برادر کلان و بزرگ گفت چنانچہ بتفصیل بالا گذشتہ، بر چہ گناہ و جرم شرعا عائد شد، بیان کند بدلیل شرع از کتاب و سنت والا بجر و اعتراض صورت مدعائی بندد کان الدعوی لا تسمع الا ببینتہ

آخر اے آہوئے مشکین کہ رمیدی از ما　　چہ گناہ رفت و چہ کردیم و چہ دیدی از ما

صاحب تقویۃ الایمان در ہیچ مقامے نہ نوشتہ کہ بزرگان دین و دیگر اہل تمکین در خصائل مذمومہ ہم چو چارا اند حاشا و کلا کہ شخص ادنی این چنین نمی گوید چہ جا کہ مولوی صاحب مرحوم این چنین گویند و بر دعوئے من کلام مولوی صاحب ممدوح در تقویۃ الایمان جابجا شاہد عدل است

اولاً کلام متنازع فیہ است کہ "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا" آہ بر تفاوت درجات اشخاص مشعر است۔

ثانیاً تحت آیت کریمہ قل لا املك لکم ضرا و لا رشدا می نویسند کہ "سب بڑوں کے بڑے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رات دن اللہ سے ڈرتے تھے" آہ

ثالثاً در فائدہ ایت کریمہ قل لا املك لنفسی نفعا و لا ضرا می نگارند کہ "اس آیت سے معلوم ہوتا ہے، کہ انبیاء و اولیاء کو جو اللہ نے سب لوگوں سے بڑا بنایا ہے، سو ان میں بڑائی یہی

---

بھیجا" الآیۃ اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا" اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا" الآیۃ

پس اس صورت میں اگر مولانا شہید نے بہت سے جہلا کے فاسد عقیدہ کی تردید میں جو کہ آپ کو خداوندی مقام پر پہنچا دیتے ہیں، اور مختار کل جانتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا بھائی لکھ دیا ہے، تو شرعی لحاظ سے اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے اعتراض تو تب ہو سکتا، کہ وہ یہ لکھتے، کہ انبیاء و دیگر اہل تمکین اور بزرگان دین اپنے خصائل مذمومہ میں چہاروں کی طرح ہیں، کلا و حاشا کہ کوئی ادنیٰ آدمی بھی ایسا لکھے، چہ جائے کہ مولانا صاحب مرحوم ایسا لکھتے، چنانچہ میرے اس دعوے پر تقویۃ الایمان ہی کی بہت سی عبارتیں گواہ ہیں، بطور مشتے نمونہ از خروارے تین چار عبارتیں ملاحظہ فرمائیں۔

اولاً اسی مقام پر غور فرمائیں، کہ یہاں "بڑا ہو یا چھوٹا" درجات کے تفاوت کی اطلاع دے رہا ہے۔

ثانیاً قل لا املك لکم ضرا و لا رشدا کے تحت لکھتے ہیں کہ "سب بڑوں کے بڑے پیغمبر خدا صلعم رات دن اللہ سے ڈرتے تھے"

ثالثاً آیت لا املك لنفسی نفعا و لا ضرا کے تحت لکھتے ہیں، کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو جو اللہ

ہے، کہ اللہ تعالےٰ کی راہ بتاتے ہیں" آہ

رابعًا در ضمن حدیث اعرابی می فرمایند "سبحان اللہ اشرف المخلوقات محمد رسول اللہ کی تو اس کے دربار میں یہ حالت" آہ، مشت نمونہ از خروارے برائے افہام و تفہیم معترض نقل کردہ شد، مولوی صاحب مرحوم خود در تقویۃ الایمان بہ نسبت بے ادبی کنندگان شرع می فرمایند کہ کسے این بیت گفتہ ؎

دل از مہر محمد ریش دارم رقابت با خدائے خویش دارم

و کسے این چنین می نویسد ؎ با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

و کسے این چنین می گوید، کہ حقیقت محمدی الوہیت سے افضل ہے۔ اللہ تعالےٰ ایسی باتوں سے پناہ میں رکھے، کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم گشت از فضل رب

انتہی ما فی تقویۃ الایمان مختصرا

طرفہ تماشا است، کہ صاحب تقویۃ الایمان سوء ادبی کنندگان شریعت را بے ادب می نویسند، و این غافلان مولوی صاحب را بے ادب می گویند، حالانکہ مولوی صاحب مرحوم رسالہ دو ورقہ بزبان عربی در جواب ازالہ وسوسہ و شبہات سید عبداللہ بغدادی، و دیگر موسوسین غافلین نوشتہ بودند، کہ دراں ہمہ اعتراضات واہیہ معترضین و منکرین را بوجہ احسن دفع و رفع کردہ اند، مگر غباوت و کج فہمی را علاجے نیست چہ ہر گاہ پیشینان از راہ عداوت و غباوت در حق حضرت قرآن مجید ماذا اراد اللہ بھذا مثلا گفتند و جواب از رب الارباب چنین یافتند یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا و ما یضل بہ الا الفاسقین الاٰیۃ

---

نے سب لوگوں سے بڑا بنایا ہے، سوان میں بڑائی یہی ہے، کہ وہ اللہ کی راہ بتاتے ہیں" الخ

رابعًا، اعرابی کی حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں "سبحان اللہ اشرف المخلوقات محمد رسول اللہ کی تو اس دربار میں یہ حالت" الخ

عجیب معاملہ ہے، کہ مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب تو شریعت کی بے ادبی کرنے والوں کو بے ادب فرماتے ہیں، اور یہ لوگ مولانا مرحوم ہی کو بے ادب کہنے لگے، اب مولانا مرحوم کے اس دو ورقہ رسالہ کا مضمون نقل کیا جاتا ہے، جو انہوں نے سید عبداللہ بغدادی اور دوسرے معترضین کے جواب میں لکھا تھا، علمائے کرام سے درخواست ہے کہ وہ اس مضمون کو تعصب چھوڑ کر بغور ملاحظہ فرمائیں، پھر ان اعتراضات کی قلعی خود بخود ان پر کھل جائے گی، اگر انصاف سے کام نہ لیا جائے تو بہت سے منکرین نے تو قرآن پر بھی اعتراض کر دیئے تھے، ان کو جواب یہی ملا تھا کہ "یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا و ما یضل بہ الا الفاسقین"

پس چہ مجال مولوی صاحب کہ برگشتگان را براہ راست آرند وایشان را بر جادہ سعادت بے کم وکاست گزارند، حبذا ما قال ؎

کسانے کہ زین راہ برگشتہ اند  برفتند بسیار سرگشتہ اند

قول معترض حالانکہ جمیع انبیاء خاموش آہ بران نیست ہم سلطان از حدیث وقرآن ومن ادعی فعلیہ البیان بالبرہان، پس ازین بخدمت علماء ماہران متحلین بعدل وانصاف وماہران متخلین از جور واعتساف بمقتضائے منطوق لازم الوثوق اعدلوا ھو اقرب للتقوی گذارش می کند کہ درین اوراق صدق وفاق بغور تامل ونظر باذند وبداب آداب علم وفضل خود شور وشغب وغیظ وغضب نہ سازند کہ موجب صلاح وفلاح گردد ؎

حافظا علم وادب ورز کہ در حضرت شاہ  ہر کرا نیست ادب لائق خدمت نبود

ماعلینا الا البلاغ۔ وھو ھذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ من تفرد بالقدم فکل شئی من سواہ مسبوق بالعدم ولا شریک لہ فی الخلق والتدبیر ولا اختیار لاحد فی ملکہ من النقیر والقطمیر حتی لا یشفع الا نبیہ الا بعد اذنہ ولا نجاۃ لاحد الا بلطفہ ومنہ ونصلی علی افضل البرایا شفیع الامم الذی لولاہ ما اخرجت الدنیا من العدم والذی علمنا براھین التوحید والاسلام واخرجنا من ظلمات الاشراک وعبادۃ الاصنام وعلی آلہ واصحابہ وعلی ناصر دینہ ومحبیہ۔ امابعد فنخص بالتحیۃ والسلام ذات من ترقی علی مدارج الاسلام سلالۃ السید المحبوب الجیلانی السید عبد اللہ البغدادی العالم الربانی لا یخفی علیکم انی لما رأیت عوام مسلمی الھند قد انھمکوا بجھلھم فی الاشراک والبدعات وتمسکوا بالشبھات الواھیات وجعلوا یعبدون القبور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد وصلوۃ کے بعد میں اس ذات شریف کی خدمت اقدس میں سلام کا ہدیہ پیش کرتا ہوں، جو اسلام کی انتہائی بلندیوں پر فائز ہونے کے علاوہ نسبی لحاظ سے بھی حضرت محبوب سبحانی سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تعلق رکھتی ہے یعنی سید عبد اللہ بغدادی عالم ربانی کی خدمت میں، آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے، کہ میں نے جب ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھا، کہ وہ شرک وبدعات میں مبتلا ہیں، اور واہیات دلائل سے استدلال کرکے قبروں

واھلھا وسالوا لھم حاجاتھم قلما وجلما الفت رسالۃ فی رد الاشراک باللہ تعالی واستدللت فیھا بستۃ وعشرین اٰیۃ من کلام اللہ وترجمتھا بالھندی تسھیلا لاستفادتھم وکشفا للغطاء عن قبح متمسکاتھم واستدلالاتھم فحمدا للہ قد ھدی الوفا من النساء والرجال ذما تردد فیھا الا بعض المعاندین الجھال وبلغنی ان رسالتی ھذہ قد قرأت بین یدیکم فقلتم حق الا ان تساوی الاصنام وجمیع الناس والانبیاء فی باب المخلوقیۃ وعدم الاختیار وان کان حقا داخلا فی العقیدۃ لکنہ نوع من سوء ادبہ لابد لہ من سند ودلیل لان الصنم نجس فکیف یذکر مع سید الطاھرین صلی اللہ علیہ وسلم۔

اقول وباللہ التوفیق ان ھذہ العبارۃ قد وقعت فی رسالتی ردا لسوال العوام حیث یقولون الاستعانۃ والعبادۃ والسجدۃ انما ھو ممنوعۃ للاصنام لا للانبیاء الکرام والاولیاء العظام فقلت الاستعانۃ الحقیقیۃ لا تجوز عند العقل الا من الذی لہ اختیار فی تدبیر العالم وقد ثبت من النصوص القطعیۃ القرانیۃ ان لا اختیار لغیر اللہ تعالی فلیس للانبیاء والاولیاء فی ھذا الامر الخاص اعنی استحقاق السجدۃ وانزال المطر واعطاء الاولاد علی الاصنام وجمیع الناس

---

کی پرستش کرتے ہیں، ان سے اپنی حاجتیں مانگتے ہیں، تو ان کی تردید کے لئے ایک رسالہ تصنیف کیا، جس میں قرآن مجید کی چھبیس آیات سے استدلال کیا اور سہولت کے لئے ہندی زبان میں ان کا ترجمہ بھی کر دیا، اور خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس رسالہ کی بدولت ہزارہا مردوں اور عورتوں کے عقیدے درست ہو گئے لیکن بعض جاہلوں نے اس پر اعتراضات کرنے شروع کر دیئے، مجھے معلوم ہوا، کہ میرا وہ رسالہ آنجناب کی خدمت میں پڑھا گیا ہے، آپ نے اس کے متعلق فرمایا ہے، کہ بات تو صحیح ہے لیکن عدم اختیار اور مخلوقیت کے بارے میں نبیوں اور عوام الناس اور بتوں کو برابر کر دیا ہے اگرچہ یہ بات ہمارے عقیدے میں شامل ہے، لیکن یہ ایک طرح کی بے ادبی اور گستاخی ہے، اس کے لئے کوئی دلیل ہونی چاہیئے، کیونکہ بت ناپاک ہیں، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کیسے کیا جا سکتا ہے۔"

اس کے جواب میں گذارش ہے، کہ میرے رسالہ کی یہ عبارت ان لوگوں کے عقاید کی تردید میں واقع ہوئی ہے، جو کہتے ہیں، کہ بتوں سے مدد مانگنا، یا ان کی عبادت کرنا منع ہے، نبیوں اور ولیوں سے مدد مانگنا یا ان کی پوجا کرنا منع نہیں ہے، میں نے اس کے جواب میں لکھا ہے، کہ حقیقی استعانت عقل کے نزدیک صرف اسی سے جائز ہو سکتی ہے جس کا تدبیر عالم میں پورا اختیار ہو اور یہ تو قرآن کی قطعی نصوص سے ثابت ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو اختیار نہیں ہے، تو

ترجیح اما قرب الانبیاء عند اللہ تعالیٰ وکمالاتہم وفضائلہم التی لا یصل دون مرادکا نہا غیرھم فسلم وھو امر آخر لا دخل لہ فی الربوبیۃ والالوھیۃ انتہی

والعجب کل العجب من جنابکم انکم اقررتم ان ھذا الامر حق داخل فی العقیدۃ ثم قلتم انہ سوء الادب لیت شعری اذا کان ثابتا من البراھین داخلا فی العقیدۃ فکیف یتصور انہ سوء الادب فلکلامکم یشیر الی اجتماع الضدین والسند یطلب لما لا یثبت بالدلیل وھذا الامر ثابت اجمالا فی القرآن فما الجرم فی تفصیل الاجمال ومع ذلک قد قال اللہ تعالیٰ لنبیہ فی القرآن قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد ولا یخفی ان المخاطبین بقولہ انما انا بشر مثلکم ھم المشرکون فکیف مثل اللہ تعالیٰ فی البشریۃ نبیہ بالمشرکین الذین ثبت نجاستھم فی القرآن حیث قال اللہ تعالیٰ انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام والاصنام من حیث انہا احجار وجمادات لا نجاسۃ فیہا والا یلزم ان یکون کل حجر نجسا انما النجاسۃ فیہا بسبب المشرکین الذین صوروھا و

---

نبیوں کو اس امر خاص یعنی سجدہ کرنے بارش برسانے اور اولاد عطا کرنے وغیرہ میں دوسری مخلوقات اور بتوں سے ترجیح نہیں ہے، اور ان کی عند اللہ قربت اور کمالات وفضائل کا ہرگز انکار نہیں ہے لیکن ان چیزوں کا ربوبیت اور الوہیت میں کوئی دخل نہیں ہے

آنجناب کی ذات سے بڑا تعجب ہوا، کہ جب آپ یہ اقرار کرتے ہیں، کہ یہ بات صحیح ہے اور عقیدے میں داخل ہے، تو پھر آپ اسے سوء ادبی کیوں فرماتے ہیں، کاش مجھے اس بات کی سمجھ آجائے کہ جب ایک چیز دلائل سے ثابت ہو، عقیدے میں شامل ہو، تو پھر وہ بے ادبی کس طرح بن جاتی ہے، آپ کا کلام اجتماع ضدین کی طرف اشارہ کرتا ہے اور پھر سند تو اس چیز کی طلب کی جاتی ہے جو دلیل سے ثابت ہو، اگر ایک چیز اجمالی طور پر قرآن مجید میں موجود ہو، اور اس کی تفصیل کردی جائے، تو اس میں جرم کیا ہے، اور اس کی دلیل اور کیا درکار ہے؟ یہ تو آپ کو تسلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے، کہ آپ کہہ دیں میں تمہارے ہی جیسا آدمی ہوں، میری طرف وحی آتی ہے، کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے" اور یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ متکلم کے مخاطب مشرک لوگ ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے بشریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں کے ساتھ کیوں تشبیہ دیدی، حالانکہ خود خداوند تعالیٰ نے مشرکوں کی نجاست قرآن مجید میں "انما المشرکون نجس" کہہ کر بیان کردی ہے

باقی رہا بتوں کا معاملہ، تو ان میں نجاست ذاتی نہیں، ورنہ تمام پتھر ناپاک ہوتے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، ان میں جو

جعلوها معبودين فالمشركون اشد نجاسة من الاصنام فافهم وتامل ان قيل وان كان هذا الامر ثابتا ولكن ما الضرورة فى ذكره قلت الضرورة فى ذكره رد شبهة العوام حيث يزعمون الانبياء والاولياء يتصرفون فى العالم فيفعلون ما يشاؤن۔

هذا وقد تحقق عندى ان الرجل البنجابى يوسوسكم فيا شيخ انك لست تعلم حاله فانه رجل مخبط العقل مختل الحواس غبى جاهل ويزعم لنفسه انه نحرير فاضل لا يدرى اليمين عن الشمال فانه فى الحقيقة نائب الدجال لانه يقول تارة انا عبد المحبوب السبحانى وتارة يقول ان عبد القادر هو الرزاق معاذ الله من هذه الكلمات الكفرية لا يجوزها الجهلاء فضلا عن العلماء فالمسئول من جنابكم ان لا تصدقوا كلامه فى امرى لانه رجل سامرى هداه الله الصراط المستقيم وثبتنا واياكم على دينه القويم وصلى الله على سيدنا ومطاعنا وشفيعنا محمد ن المصطفى وعلى اله شموس الهدى واصحابه بدور الدجى فقط

ثم هذا المكتوب حين كنت نزيلا فى الكانفور سنة الف ومائتين واربعين الى السيد البغدادى حين وسوسه الجهال فبعد قراءة كتابى هذا جائنى متعذرا وقال لقد صدقت فيما الفت فى رسالتك وما ذنت فيك كان من عدم دراية

---

نجاست آئی ہے وہ مشرکوں کے عمل سے آئی ہے، تو معلوم ہوا، کہ مشرک بتوں سے بھی زیادہ ناپاک ہیں، اور پھر بھی خدا تعالیٰ نے آنحضرت کو مشرکوں سے تشبیہ دی ہے، اور اگر آپ یہ کہیں کہ ایسا لکھنے کا فائدہ کیا تھا، تو اس کا جواب میں پہلے عرض کر چکا ہوں، کہ مشرکین کے فاسد عقاید کی تردید کرنا مقصود ہے

میں جانتا ہوں، کہ ایک پنجابی آدمی آپ کو وسوسے ڈالتا ہے، اے شیخ آپ اس کے حالات سے واقف نہیں ہیں، وہ ایک مخبوط الحواس اور جاہل آدمی ہے، اور حقیقۃً دجال کا نائب ہے، کیونکہ کبھی وہ کہتا ہے، کہ میں محبوب سبحانی کا بندہ ہوں، کبھی کہتا ہے شیخ عبدالقادر جیلانی دنیا کے رازق ہیں، نعوذ باللہ من ہذہ الکلمات الکفریۃ، ایسی باتیں تو کوئی جاہل بھی نہیں کہہ سکتا، چہ جائے کہ کوئی عالم کرے، جناب سے درخواست ہے، کہ آپ اس کی باتوں پر اعتبار نہ کریں، وہ ایک سامری آدمی ہے، اللہ اسے ہدایت دے۔

۱۲۴۰ھ میں، میں کانپور میں مقیم تھا، کہ جاہلوں نے سید بغدادی کے دل میں وسوسے ڈالے، جب میرا یہ خط آپ کے پاس پہنچا، تو وہ معذرت کرنے کے لئے تشریف لائے، اور فرمایا، کہ آپ کے رسالہ کا مضمون بالکل

کلامك لان کلامك فی رسالتك کان هندیا وانا رجل عربی لا افهم الهندی والرجل البنجابی قد افتری علیك واغلط فی الترجمة کثیرا فلا تغضب۔ تمت الرسالة المصنفة للعلامة النبیل محمد اسمعیل الدهلوی ابن الاخ للحبر الجلیل شاہ عبد العزیز قدس سرهما۔

**سوال** علمائے دین وفضلائے محققین موحدین سے یہ ہے، کہ کتاب مسمی بہ تقویۃ الایمان تصنیف مولوی اسماعیل صاحب کی، اور کتاب نصیحت المسلمین مولوی خرم علی صاحب کی جس میں شرک کی برائی کا بیان ہے، ان دونوں کا کیا حال ہے، آیا ان پر عمل کرنا، اور ان کے موافق عقیدہ رکھنا ہدایت ہے یا گمراہی، اور ان کا مضمون موافق اہل سنت کے ہے یا نہیں، اور جو شخص ان کے مصنفوں کو، اور ان پر عمل کرنے والوں کو، بہ سبب اس تصنیف کے اور عمل کے کافر اور گمراہ کہے اس کا کیا حال ہے، اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب۔** نصیحت المسلمین اس فقیر کی نظر سے نہیں گذری اور نہ اس کے مصنف کا تفصیلی حال معلوم ہے، لیکن اگر اس کتاب میں شرک کی برائی کا بیان ہے، تو اس کے اچھے ہونے میں کس کو کلام ہے، اور تقویۃ الایمان کو نظر اجمال سے دیکھا ہے، باعتبار اصول اور اصل مقصود کے بہت خوب ہے، اور مولوی اسمٰعیل صاحب کو ایسا دیکھا، کہ پھر کسی کو ایسا نہ دیکھا، یہ لوگ ان میں سے ہیں، کہ جن کے حق میں حق سبحانہ تعالے نے فرمایا ہے ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر واولئك هم المفلحون اور یہ فرمایا ان الذین امنوا والذین هاجروا وجاهدوا فی سبیل الله اولئك یرجون رحمة الله والله غفور رحیم۔ یختص برحمته من یشاء والله ذو الفضل العظیم پس جو ان کو کافر اور گمراہ کہے، وہ آپ گمراہ ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ محمد صدر الدین

محمد صدر الدین

صحیح ہے، چونکہ یہ رسالہ ہندی زبان میں تھا اور میں ہندی زبان سے ناواقف تھا اس آدمی نے آپ کے کلام کا غلط ترجمہ کر کے مجھ کو بہکایا، اور آپ پر بہت سے الزام لگائے، اب آپ ناراض نہ ہوناہ (شاہ اسمٰعیل شہید کے رسالہ کا مضمون ختم ہوا) ملہ تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیئے جو بھلائی کی طرف بلادیں، اور اچھے کام کا حکم کریں اور برائی سے روکیں، اور یہی ہیں مراد پانے والے، اور فرمایا ایمان والے، جو ہجرت کرنے والے اللہ کی راہ میں جان ومال سے کوشش کرنے والے اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالے بخشنے والا مہربان ہے، اور اللہ تعالی جسے چاہے اپنی رحمت سے خاص کرے اور اللہ تعالی بڑے فضل کا مالک ہے ۱۲

سائل لکھتا ہے، کہ کتاب تقویۃ الایمان تصنیف مولوی اسمٰعیل صاحب کی اور کتاب نصیحۃ المسلمین مولوی خرم علی صاحب کی، جس میں شرک کی برائی کا بیان ہے، الی آخرہ فقط۔

الجواب:۔ سب خاص اور عام پر ظاہر ہے، کہ شرک ایسی بری بلا ہے، جس کے دفع کرنے اور مٹانے کو، اور اس کی مذمت کے بیان کرنے کو سب انبیاء اور رسول ع حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک علی نبینا وعلیہم السلام بھیجے گئے اور سب صحیفے اور کتابیں آسمانی اور فرامین رحمانی توراۃ سے لے کر فرقان تک اسی شرک کی برائی و مذمت کے بیان میں نازل ہوئیں، اور جو شخص زبان دان عربی واقف علوم دین و ماہر قواعد اصول شرع متین اول سے آخر تک قرآن شریف کو غور سے تلاوت کرے، اور اس کے مضامین عالی پر اپنے فکر صحیح اور سلیم نظر خرچ کرے، اس مطلب کو صراحۃً پاوے گا، کہ مراد اور مقصود اور مہتم بالشان حضرت رب العالمین جل ذکرہ کا نزول قرآن سے یہی دفع شرک اور اظہار توحید اور اثبات وحدانیت اپنی ذات پاک کا ہے، اور یہی خلاصہ مضمون سب اذکار اور سب ادیان حقہ اور کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ کا ہے، جس کو سب انبیاء و اولیاء مقربین اور صوفیہ صافیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نفی اور اثبات سے تعبیر و بیان فرماتے ہیں، باقی مضامین اثبات رسالت و احکام معاد و احکام عبادت و معاش وغیرہ مبادی اور وسائل تحصیل اسی توحید ذاتی اور صفاتی حضرت رب العالمین کے ہیں، اور یہ توحید ذاتی اور صفاتی حضرت رب الارباب کے بلا فرق و تفاوت کے سب دینوں اور مذاہب حقہ میں چلی آتی ہے، کسی دین میں اس کا نسخ اور تبدیل نہیں ہوا، اور کلام برکت التیام حضرت خیر الاولین والآخرین رسول رب العالمین کا جو چھ کتابوں وغیرہ میں مندرج ہے جس کو صحاح ستہ کہتے ہیں، وہ سب اسی شرک و بدعت کے دفع کرنے، اور اظہار توحید ذاتی اور صفاتی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ میں باآواز بلند ناطق ہے، اور حضرت خلفائے راشدین اور سب صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور علمائے مجتہدین اور محدثین صوفیہ صافیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، دفع شرک و بدعت اور اثبات توحید ذاتی اور صفاتی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ میں جس قدر سعی اور کوشش کر گئے ہیں ان کی کتابوں کے مطالعہ سے واضح و لائح ہے شکر اللہ سعیہم

اور متاخرین مثل امام غزالی اور امام رازی اور شیخ محی الدین ابن عربی اور حضرت قطب الاقطاب

عبدالقادر جیلانی اور حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث اور شاہ عبدالعزیز صاحب و شاہ رفیع الدین و شاہ عبدالقادر محققین علمائے دہلی نے اسی دفع شرک اور بدعت میں اور اثبات توحید ذاتی اور صفاتی میں اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں طرح طرح سے مضامین رنگا رنگ بیان فرمائے ہیں جو کچھ شک و شبہ ہو ان سابقین لوگوں کی کتابیں ملاحظہ کرے۔

الغرض اس مضمون میں یعنی بیان مذمت و برائی شرک و بدعت اور اثبات توحید ذاتی اور صفاتی حضرت واجب الوجود فائق الجود اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ میں وحی آسمانی اور کلام نبوی اور جماہیر اہل سنت والجماعت از سلف تا خلف متفق اور متحد ہیں کسی کو اس میں مجال اختلاف اور انحراف کا نہیں ہے، کیونکہ یہ عین ایمان ہے، اس کا خلاف دین و ایمان کا خلاف ہے،

پھر اب غور کیا چاہیئے، کہ جب یہ امر مانند آفتاب واضح ہوگیا، کہ کتاب تقویۃ الایمان تصنیف مولوی اسمٰعیل صاحب مغفور و مرحوم کی یا اور کوئی رسالہ مولوی خرم علی وغیرہ کا جس میں دفع شرک اور بدعت اور اثبات توحید ذاتی اور صفاتی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان موافق قرآن مجید اور احادیث حمید کے ہو، وہ سراسر مطابق مذہب اہل سنت وجماعت کے ہے، اس پر عمل کرنا، اور اس کے موافق عقیدہ رکھنا عین ہدایت ہے، مخالف اس کا مخالف اہل سنت وجماعت کا ہے مجیب نے تقویۃ الایمان کو اور رسالہ نصیحت المسلمین کو مطالعہ کیا، اس میں اول سے آخر تک آیات قرآن اور صحاح احادیث نبوی مندرج ہیں، اقرار ان پر عین ایمان اور انحراف اور اعراض ان سے عین کفر ہے۔

مولوی خرم علی اپنی تحریر رسالہ ہیں دربیان مسائل میں اکثر تابع تحریر اور تقریر مولٰنا صاحب کے ہے، اور تحریر اور تقریر مولانا صاحب کی تقویۃ الایمان میں مثل تحریر و تقریر امام رازی مفسر تفسیر کبیر کے ہے، اور مسائل اور احکام مندرجہ تقویۃ الایمان موافق کتب سلف اہل سنت کے ہیں، اور جب کہ یہ مضمون عالی مقصود اعظم متفق علیہ جماعت انبیاء اور اولیاء اور علمائے اولین و آخرین کا یعنے مضمون دفع شرک و بدعت اور اثبات توحید ذاتی اور صفاتی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف مقاصد

دینی قرار پایا، پھر غور کیا چاہیئے، کہ جو کتاب محتوی اور حامل اس مضمون شریف کی ہے، وہ کس مرتبہ کی اشرف اور لائق تعظیم و تکریم ہو گی، اور تقویۃ الایمان میں اول سے آخر تک یہی مضمون شریف مندرج ہے

الحمد للہ! اس کتاب کی شرافت کس عالی درجہ میں علی الرغم مخالفان ثابت ہو گئی ہے پس اندریں صورت منکر اور مخالف کتاب تقویۃ الایمان پر ـــ جو کہ مضمون توحید ذاتی اور صفاتی حضرت واجب الوجود کا ہے ـــــ انکار لازم آیا، اور جس پر یہ انکار لازم آیا وہ اشد و اغلظ کفار و منافقین میں شامل ہوا، پھر کیونکر ایسے بدعقیدہ کے پیچھے اہل سنت کی نماز درست ہو گی، ہاں اگر وہ یوں تقریر کرے، کہ مجھ کو بعضے مسائل فرعیہ مندرجہ تقویۃ الایمان میں شک و شبہ ہے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس کے شک و شبہ کو رفع کر دیں گے، اس سے تین برس قبل فضل امام بدایونی نے تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم تصنیف مولوی اسمٰعیل صاحب مرحوم پر دس شبہات لکھ کر ایک رسالۃ مقولات عشرہ نام شائع کیا تھا، سو اس کے جواب اور دفع شکوک میں ہم نے ایک کتاب لشر نام فارسی زبان میں لکھدی ہے، جس صاحب کو شوق ہو اس کا مطالعہ کرے۔

واضح ہو کہ اس موقعہ پر حضرت مولوی اسمٰعیل صاحب مغفور و مرحوم مصنف کتاب تقویۃ الایمان کے چند اوصاف اور محامد کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس راقم الحروف نے حضرت ممدوح کو بخوبی دیکھا، اور فیوض برکات زبانی ان کی صحبت سے اور انوار ایمانی ان کی مجالس وعظ و نصیحت میں پائے، اور ہزاروں منکرین خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب اور ہزاروں فاسقین و ائم الخمر اور زانی بدکاران کی صحبت کی برکت سے تائب اور پارسا ہو گئے، حضرت مولانا، حافظ قرآن مجید ضابط احادیث رسول حمید، حاجی الحرمین الشریفین، عالم ربانی، عامل، عارف معارف سبحانی با خیر غازی و مجاہد فی سبیل اللہ، مہاجر فی محبۃ رسول اللہ قامع بنیان شرک اور بدعت، باعث احیائے سنت، حامی دین و ملت تھے، غرضکہ اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کو اس والا صفات نے محض محبت خدا و رسول میں نثار کر کے رتبہ شہادت کبریٰ حاصل کیا، اللّٰھم ادخلہ[1] فی درجات رضوانک بفضلک و رحمتک۔

---

[1] اے اللہ اپنے فضل اور رحمت سے ان کو اپنی رضامندی کے درجات تک پہنچا دے ۱۲

نزدیک مجیب کے مولانا مرحوم مرتبہ اولیاء کاملین کا سا رکھتے ہیں ان میں اولیائے سابقین کے سے اوصاف پائے جاتے ہیں، کیونکہ شرع شریف کی رو سے خدا کا ولی اور رسول کا مقبول وہی ہو سکتا ہے، کہ جس کی صحبت میں خدا، رسول کی محبت زیادہ ہو وے اور ایمان صیقل پا وے، گناہ چھوٹیں اور عبادت بڑھے، اللہ جل شانہ کا خوف اور رسول مقبول کی راہ کی محبت دل میں پڑے، دنیا سے بیزاری اور آخرت کے کاموں میں شوق زیادہ ہو، یہ سب خوبیاں حضرت مولانا مرحوم کی صحبت میں موجود تھیں، اور نیز ان کی مصنفہ کتب میں پائی جاتی ہیں جن لوگوں کو دیدہ بصیرت اور نور ایمان اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے ہے، وہ دریافت کر لیتے ہیں، اور جو لوگ بغاوت اور شقاوت ازلی میں گرفتار ہیں، وہ اس نور کی روشنی سے محروم اور بے نصیب ہیں، ایسوں کی شان میں یہ صادق ہے اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ[1] اکثر آیات قرآنی و اشارات رحمانی و احادیث صادقہ حضرت رسول مقبول کے مولانا کے حال صافی پر منطبق و صحیح مظنون ہیں، مگر بخوف طوالت بعض کو ذکر کرتا ہوں قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ[2] الآیۃ و لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ[3] الآیۃ

الغرض مولانا صاحب کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونا، اور عالم دیندار، متقی اور پرہیزگار اور محدث اور حافظ قرآن ہونا، آفتاب کی مانند ثابت ہے، اور وہ جو حدیث میں وارد ہے، العلماء ورثۃ الانبیاء[4] وہ ایسے ہی علماء کی شان میں ہے فنعم ما قیل فمن سب العلماء فکانما سب الانبیاء ومن سب الانبیاء فدخل فی حزب اعداء اللہ ورسولہ فاولئک حزب الشیطان الا ان حزب الشیطان ھم الخاسرون[5]۔ فقط

---

[1] یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی گمراہ تر ۱۲ [2] اور جو شخص اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کے ارادہ سے اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا، پھر اس کو موت نے پالیا، تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب ہو گیا ۱۲

[3] اور ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں، مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں رزق دیئے جاتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عنایت کیا ہے، اس پر خوش ہیں ۱۲ [4] علماء لوگ نبیوں کے وارث ہیں ۱۲

[5] سو بہت ہی اچھا کہا گیا ہے، کہ جس نے علماء کو گالی دی اس نے نبیوں کو گالی دی اور جس نے نبیوں کو گالی دی، تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے لشکر میں شامل ہوا، یہ لوگ شیطان کا لشکر ہیں، خبردار شیطان کا لشکر ہی خسارہ اٹھانے والا ہے ۱۲

ایسے دیندار عالمان ربانی کو کافر اور ان کی کتابوں کو، کہ جن میں بالکل آیات قرآنی، اور احادیث نبوی مندرج ہیں برا کہنا یا برا جاننا اشد فسق ہے، بلکہ خوف کفر ہے، ایسے عقیدہ رکھنے والے پر شرح فقہ اکبر باب بیان کلمات میں ملا علی قاری نے اس روایت کا یوں ذکر کیا ہے وفی الخلاصة من ابغض عالما من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر وقیل یکفر باستخفاف العلماء وهو مستلزم لاستخفاف الانبیاء علیهم السلام لان العلماء ورثة الانبیاء انتهی ملخصا اور ایسے ہی شرح عقاید نسفی میں لکھا ہے المنع عن الصلوة خلف المبتدع فمحمول علی الکراهة اذ لا کلام فی کراهة الصلوة خلف الفاسق والمبتدع هذا اذا لم یؤد الفسق والبدعة الی حد الکفر فاما اذا ادی فلا کلام فی عدم جواز الصلوة، یعنی ایسے عقیدے والے کے پیچھے جس کا فسق و بدعت حد کفر کو پہنچا ہو، نماز پڑھنا اور اقتدا کرنا جائز اور درست نہیں واللہ اعلم بالصواب وعلمه اتم واکمل - کتبه العبد المسکین محمد تقی ختم الله له بالحسنی

| محمد تقی خان | سید محمد نذیر حسین |
|---|---|

**سوال**:- آنکہ صاحب تذکیر الاخوان بر حاشیہ در بابے از ابواب کتاب خود از عوارف المعارف نقل آوردہ کہ لا یؤمن احدکم حتی یکون الناس عنده کالاباعر یعنی کسے مومن نخواہد شد تا وقتیکہ تمامی مردمان نزد او مثل پشک نشوند حق است یا نہ؟

**الجواب**:- آنچہ صاحب تذکیر الاخوان نقل کردہ حق است فماذا بعد الحق الا الضلال۔ عبارته هکذا فی الباب الثالث والستین فی ذکر شئ من البدایة والنهایة لا یتحقق صدقه واخلاصه الا بالشیئین متابعة امر الشرع وقطع النظر

---

لہ اور خلاصہ میں ہے جو کسی عالم سے بغیر کسی ظاہری سبب کے بغض رکھے اس پر کفر کا خوف ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ علما کی توہین کرنے کے باعث کافر ہو جاتا ہے اور علماء کی توہین انبیاء کی توہین کو مستلزم ہے کیونکہ علماء نبیوں کے وارث ہیں

سوال:- صاحب تذکیر الاخوان نے اپنی کتاب کے ایک باب کے حاشیہ پر عوارف المعارف کے حوالے سے یہ عبارت نقل کی ہے، کہ اس وقت تک کوئی آدمی مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ لوگ اس کی نگاہ میں ایک مینگنی کی طرح بس نظر نہ آنے لگیں۔ کیا یہ عبارت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:- صاحب تذکیر الاخوان نے جو عبارت نقل کی ہے درست ہے، اس کا مضمون اس طرح ہے، کہ وہ تریسٹھویں باب میں لکھتے ہیں، آدمی کا صدق و اخلاص دو چیزوں پر منحصر ہے، پہلی شریعت کی اتباع اور دوسری تمام

عن الخلق فکل الآفات علی البدایات لموضع نظرهم الی الخلق وبلغنا عن رسول الله صلی الله علیه وسلم حدیث انه قال لا یکمل ایمان المرء حتی یکون الناس عنده کالاباعر انتہی ما فی العوارف یعنے سخن در توکل افتاد فرمود کہ اعتمادے برحق باید کرد و نظر بر ہیچ کس نہ باید داشت، بعد ازاں بر لفظ مبارک بر زبان راند کہ ایمان کسے تمام نشود، تا ہمہ مخلوق نزد او ہم چناں نماید کہ پشک شتر چنانکہ حضرت نظام الدین اولیاء در فوائد الفواد در جلد ثالث در مجلس ششم می فرمایند پس مضمون ہر دو کتاب مذکور موافق کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم است، چنانکہ الله الذی جعل لکم الارض قرارا والسماء بناءً وصورکم فاحسن صورکم ورزقکم من الطیبات ذلکم الله ربکم فتبارک الله رب العالمین هو الحی لا اله الا هو فادعوه مخلصین له الدین الحمد لله رب العالمین الآیة وقال تعالی ومن یتق الله یجعل له مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی الله فهو حسبه ان الله بالغ امره قد جعل الله لکل شیء قدرا وایضا ومن یتق الله یجعل له من امره یسرا ذلک امر الله انزله الیکم الآیة

وہمہ مخلوقات را بہ پشک شتر تشبیہ دادہ است، بنا بر عدم قدرت بر موجود بودن و معدوم شدن ایشان است باختیار خود یعنے پشک بہ نسبت انسان ناچیز و حقیر محض است

---

مخلوقات سے امیدیں منقطع کرلینا، در زیادہ تر آفت اسی آخری چیز سے پیش آتی ہے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ کسی آدمی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ لوگ اس کی نگاہ میں مینگنی کی طرح بے بس نظر نہ آنے لگیں۔ (عوارف المعارف)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے "فوائد الفواد" میں بالکل یہی مضمون نقل کیا ہے، اور ان دونوں کتابوں کا مضمون کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے عین مطابق ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اس نے تم کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا۔" "یہ اللہ ہے تمہارا پالنے والا، سو برکت والا ہے سارے جہانوں کا پالنے والا" "سب تعریفیں اسی کو ہیں، جو سارے جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے" "اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے کشادگی بنا دیتے ہیں" "اور جو اللہ پر بھروسہ کرے، اللہ اسے کافی ہے" وغیرہ من الآیات

اور یہ جو تمام مخلوقات کو اونٹ کی مینگنی سے تشبیہ دی ہے، یہ صرف اس بات میں ہے، کہ کسی کو بھی معدوم چیز کو موجود کرنے کی یا موجود کو معدوم کرنے کی ذاتی طاقت نہیں ہے، جس طرح مینگنی انسان کی بہ نسبت

طورے کہ خواہد آن را بگرداند، خواہد در آب اندازد، خواہد در آتش سوزاند، خواہد زیر پا مالیدہ پراگندہ و ریزہ ریزہ کند، می تواند ہم چنان مخلوقات از عرش تا فرش باعتبار قدرت قاہرہ و سلطنت باہرہ اقتدار مطلق و قاہر برحق عاجز و لاچار است، در وجود و بقاء و فناء بے اختیار و در جلب منافع و دفع مضار مشیت و ارادہ ایزدی مقہور و مجبور است، وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ الآیۃ

تیغ برگرفت بکف گفت کہ نازم این ست    سر فرو بردم و گفتم کہ نیازم این ست

قال اللہ تعالیٰ وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ہو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ یصیب بہ من یشاء من عبادہ وہو الغفور الرحیم الآیۃ

گر مرا بر دار بندد یار بہر امتحان    کیست کان سلوت بہ تیغ انداز بکشاید مرا

اعلم انہ سبحانہ وتعالیٰ قرر فی آخر ہذہ السورۃ ان جمیع الممکنات مستندۃ الیہ وجمیع الکائنات محتاجۃ الیہ والعقول والہۃ فیہ والرحمۃ والجود والوجود فائض منہ والآیۃ دالۃ علی ان الضر والخیر واقعان بقدر اللہ تعالیٰ وبقضائہ فیدخل فیہ الکفر والایمان والطاعۃ والعصیان والسرور والآفات والخیرات والآلام واللذات والراحات والجراحات فبین سبحانہ وتعالیٰ انہ ان قضی لاحد شرا فلا کاشف لہ الا ہو وان قضی لاحد خیرا فلا راد لفضلہ البتۃ انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصرا۔

---

بالکل ناچیز اور حقیر ہے، کہ جس طرح آدمی چاہے، اس کو الٹ پلٹ سکتا ہے، پانی میں پھینک سکتا ہے، آگ میں ڈال سکتا ہے، پاؤں میں مسل سکتا ہے، ریزہ ریزہ کر سکتا ہے، ایسے ہی تمام مخلوقات فرش سے عرش تک خداوند تعالیٰ کی قدرت کے سامنے مجبور و مقہور ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اگر خدا تجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے، تو اس کو کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر تیرا بھلا کرنا چاہے، تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا"

تفسیر کبیر میں امام رازی نے پانچویں پارہ کی اس آیت کے تحت بڑی تفصیل سے اس مضمون کو بیان کیا ہے لکھتے ہیں: "تمام ممکنات اسی کی طرف منسوب ہے، تمام کائنات اس کی محتاج ہے، رحمت، سخاوت، اور وجود اسی سے ملتا ہے، یہ آیت بیان کر رہی ہے، کہ نفع اور نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کفر و ایمان، طاعت و نافرمانی، خوشی اور مصیبت، خیرات اور دکھ، لذت و راحت، اور زخم و بیماریاں سب اسی نفع و نقصان کی تفسیر ہیں، اور یہ سب خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے"

ودرنہ وہ سطر قبل ازین می نویسد ان من عرف مولاہ فلو التفت بعد ذلک الی غیرہ کان ذلک شرکا وھذا ھو الذی تسمیہ اصحاب القلوب بالشرک الخفی والقید السادس قولہ تعالی ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک والممکن لذاتہ معدوم بالنظر الی ذاتہ وموجود بایجاد الحق واذا کان کذلک فما سوی الحق فلا وجود لہ الا بایجاد الحق وعلی ھذا التقدیر فلا نافع الا الحق ولا ضار الا الحق فکل شیئ ھالک الا وجہہ واذا کان کذلک فلا حکم الا للہ ولا رجوع فی الدارین الا الی اللہ ثم قال فی اخر الایۃ فان فعلت فانک اذا من الظالمین من سورۃ یونس یعنی لو استغلت بطلب المنفعۃ والمضرۃ من غیر اللہ فانت من الظالمین لان الظلم عبارۃ عن وضع الشیئ فی غیر موضعہ فاذا کان ما سوی الحق معزولا عن التصرف کانت اضافۃ التصرف الی ما سوی الحق وضعا للشیئ فی غیر موضعہ فیکون ظلما فان قیل فطلب الشبع من الاکل والری من الشرب ھل یقدح فی ذلک الاخلاص قلنا لا لان وجود الخبز وصفاتہ کلھا بایجاد اللہ وتکوینہ وطلب الانتفاع بشیئ خلقہ اللہ للانتفاع بہ لا یکون منافیا للرجوع بالکلیۃ الی اللہ الا ان شرط ھذا الاخلاص ان لا یقع بصر عقلہ علی شیئ من ھذہ الموجودات الا ویشاھد بعین عقلہ انھا معدومۃ بذواتھا وموجودۃ بایجاد الحق وھالکۃ بانفسھا وباقیۃ بابقاء الحق فحینئذ یری ما سوی الحق عدما محضا بحسب انفسھا ویری نور وجودہ وفیض احسانہ عالیا علی الکل انتہی ما فی التفسیر الکبیر من الجزء الخامس۔

پس ازین نظر ہمہ خلق نزد او ہم چنان نمایند کہ پشک شتر واز چہار دلیل اسست وایں کمتر

اور اس سے نو دس سطر پہلے لکھتے ہیں اگر کوئی آدمی اپنے مولا کو پہچاننے کے بعد غیر کی طرف متوجہ ہو تو اہل اللہ کے نزدیک ایسا آدمی مشرک ہے، اور اگر کوئی آدمی اعتراض کرے کہ بھوکا روٹی کی طرف توجہ کرتا ہے، پیاسا پانی کی طرف رجوع کرتا ہے، تو کیا یہ شرک ہے؟ تو جواب یہ ہے، کہ یہ شرک نہیں ہے۔ کیونکہ روٹی یا پانی کا وجود اور اس کی سیر کرنے کی صفت سب اللہ تعالی کی ایجاد و تکوین سے ہے، تو ان کی طرف رجوع کرنا، اللہ تعالی کی طرف بالکلیہ توجہ کرنے کے منافی نہیں ہے، صرف اتنا خیال رکھنا چاہیئے، کہ تمام چیزیں بذات خود معدوم ہیں، اور خدا تعالی کی ایجاد سے موجود ہیں۔ جب انسان کی نگاہ یہاں تک پہنچ جاتی ہے، تو پھر تمام مخلوقات اس کی نگاہ میں مینگنی کی طرح بے حقیقت نظر آتی ہیں

از رشک شتر زیرا کہ ساحت جولان گاہ قہر و جلال لایزال او ایزد متعال قابل توبہ شدید المحال از بس وسیع و فسیح است، ہر کہ دران دشت خار خونخوار ناپیدا کنار بخاکساری اصل خود ذرہ وار گرد راہ تسلیم و رضا را کحل الجواہر بصیرت گرداند مرد جلیع است، ے

شہسوار یکہ سنم گردرہ جولانش آفتاب از ذرہ جاروب کشد میدانش

سبحان ربك رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العالمین

سید محمد نذیر حسین

**سوال:** - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں، -

(اول) یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کا حاضر ناظر جان کر ورد کرنا جائز ہے یا نہ اور اس ورد کا پڑھنے والا کیسا ہے؟

(دوم) بغداد کی طرف جو منہ کر کے اور بعضے گلے میں کپڑا بھی ڈال کر دست بستہ ہو کر گیارہ قدم چلتے ہیں، اور پیر پرستی کا استمداد و استعانت کرتے ہیں یہ لوگ کیسے ہیں؟

(سوم) گیارہویں جو واسطے ازدیاد مال اور استعانت اور استغاثہ کے مصائب میں کرتے ہیں، جائز ہے یا نہ، اور اگر یہ اعتقاد محض ایصال ثواب کے لئے کیا جاوے تو تعیین یوم کیسا ہے

(چہارم) جو شخص ان افعال مذکورہ کا مجوز و مفتی اور مروج اور مثبت اور مصر ہو وہ کیسا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہ، اور اہل سنت والجماعت اور مذاہب اربعہ سے کسی مذہب میں داخل ہے یا نہ؟

(پنجم) جو لوگ افعال مذکورہ کے مرتکب اور معتقد ہوں، ان کے ساتھ مخالطت اور مجانست اور مواکلت اور مشاربت اور مناکحت درست ہے یا نہ؟ ان کے ساتھ السلام علیکم کرنا جائز ہے یا نہ؟

(ششم) جو شخص ان افعال مذکورہ سے مانع ہو اس پر فتوے تکفیر اور اتہام وہابیت وانکار ولایت اولیاء اللہ کا لگانا کیسا ہے؟ اور اس مانع کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہ بینوا بالآیات القرآنیۃ والاحادیث النبویۃ والروایات الفقہیۃ توجروا۔

**الجواب:** - ان الحکم الا للہ قیود سوالات سائل سے صاف ظاہر ہے، کہ جس کا یہ عقیدہ ہے، وہ مشرک ہے، کیونکہ غیر اللہ کو حاضر ناظر جاننا، اور اس کے نام کا مثل اسماء الٰہی ورد و وظیفہ کرنا، اور اس سے حاجات طلب کرنا، اور گیارہ قدم سوئے بغداد بہ نیت توجہ جانب

قبر غوث الاعظم مثل واب نماز دست بستہ ہو کر چلنا، اور پھر رجعت قہقری اسی آداب سے کرنا، کہ جس کو اصطلاح مشرکین مبتدعین میں " نماز غوثیہ اور ضرب الاقدام " کہتے ہیں اور استمداد اور استعانت غیر اللہ سے کرنا، اور ایسے افعال شرکیہ بدعیہ کا مرتکب ہونا طریقہ مشرکین کا ہے کیونکہ عقیدہ ثبوت علم غیب کا سوائے ذات باری عزاسمہ علام الغیوب کے کسی نبی یا ولی یا غوث یا قطب یا پیر یا مرشد کے ساتھ رکھنا عین شرک ہے، بدلیل آیات بینات قرآن مجید و احادیث رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور روایات فقہیہ کے

اما الایات۔ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ و ما یشعرون ایان یبعثون۔ ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمۃ وھم عن دعائھم غافلون۔ ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظالمین۔

واما الاحادیث۔ ففی حدیث الجاریات قالت احدٰھن وفینا نبی یعلم ما فی غد فقال دعی ھذہ وقولی الذی کنت تقولین۔ وعن عائشۃ رض قالت من اخبرک ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الخمس التی قال اللہ تعالیٰ ان اللہ عندہ علم الساعۃ الایۃ فقد اعظم الفریۃ رواہ مسلم۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم واللہ لا ادری واللہ لا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم

---

لے آیات قرآنیہ تو یہ ہیں آپ کہدیں کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتا اور کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ اس آدمی سے زیادہ گمراہ کون شخص ہے، جو اللہ تعالیٰ کے سوا ایسوں کو پکارے، جو اس کی التجاؤں کو قیامت تک بھی قبول نہیں کر سکتے، بلکہ وہ تو ان کے پکارنے ہی سے بے خبر ہیں۔ تو اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو نہ پکارو جو نہ تجھے نفع دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں، اگر تو نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہو جائیگا

ٹے اب رہیں احادیث، تو لڑکیوں والی حدیث میں یہ بھی ہے، کہ ایک لڑکی نے ان میں سے کہا ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل ہونے والی باتیں جانتے ہیں، تو آپ نے فرمایا اس بات کو چھوڑ دے اور جو پہلے کہتی تھی وہی کہتی جا، اور حضرت عائشہ سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں، کہ جو آدمی تجھے یہ خبر دے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ چیزوں کو جانتے تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، کہ اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم الآیۃ تو اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا اس کو مسلم نے روایت کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا کی قسم میں نہیں جانتا، خدا کی قسم میں نہیں جانتا، حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، کہ میرے متعلق کیا کیا جائے گا، اور تمہارے متعلق کیا فیصلہ ہو گا، اس کو بخاری نے روایت

رواہ البخاری کذا فی المشکوۃ۔

اور بخاری ومسلم میں حدیث الافک مصرح ہے، کہ جب منافقین نے بہتان حضرت عائشہ رضہ پر باندھا، ایک مدت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر اہتمام تحقیق برأت صدیقہ رضی اللہ عنہا میں رہا، اور قلب مبارک سے شک ذنب کا ان سے قبل از نزول آیات برأت کے بارگاہ قدوس سے رفع نہ ہوا، جب آیات برأت نازل ہوئیں، تب یقین ہوا اگر علم غیب آپ کو ہوتا تو اس قدر رنج وغم اور اہتمام شان حادثہ کیوں ہوتا، قصہ حدیث کا اس بات کے واسطے نذیر عریان ہے اور اور حدیثیں بھی بہت ہیں۔

واما الروایات الفقهية۔ قال الملا علی قاری فی شرح فقه الاکبر ثم اعلم ان الانبیاء لا یعلمون المغیبات لمعارضته قوله تعالی قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا الله۔ وقال فی البزازیة وغیرها من الکتب الفتاوی من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر وقال الشیخ فخر بن سلیمان الحنفی فی رسالته ومن ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله واعتقد بذلك کفر کذا فی البحر الرائق فعلم ان علم الله سبحانه وتعالی ازلی وابدی محیط بما کان ومایکون من جمیع الاشیاء یقضها وقضیضها وقلها وجلها ونقیرها وقطمیرها وصغیرها وکبیرها ولا یخرج من علمه وقدرته شیء لان الجهل بالبعض والعجز عن البعض نقص واقتضاء هذه النصوص القطعية ناطقة لعموم

---

کیا مشکوۃ میں بھی اسی طرح ہے۔

اب رہیں فقہی روایات تو ملا علی قاری نے "فقہ اکبر" کی شرح میں کہا ہے" پھر جان لینا چاہئیے، کہ انبیاء (علیہم السلام) غیب کی باتیں نہیں جانتے، کیونکہ یہ عقیدہ اللہ تعالی کی اس آیت کریمہ کے خلاف ہے، کہ آپ کہدیں کہ کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالی کے سوا غیب نہیں جانتا، اور بزازیہ وغیرہ کتب فتاوی میں کہا ہے، کہ جو آدمی یہ کہے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر ہیں اور سب کچھ جانتی ہیں، اس پر کفر کا فتوی دیا جائے گا، اور شیخ فخر بن سلیمان حنفی نے اپنے رسالہ میں کہا ہے، کہ جو آدمی یہ عقیدہ رکھے، کہ مردہ اللہ تعالی کے سوا لوگوں کے امور میں تصرف کر سکتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا، بحر الرائق میں بھی اسی طرح ہے تو اب معلوم ہوا، کہ اللہ سبحانہ کا علم ازلی ابدی ہے، اور ما کان وما یکون (جو ہو چکا ہے اور جو ہوگا) سب اشیاء کو محیط ہے، خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی، تھوڑی ہوں یا بہت، اور اس کے علم اور قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے، کیونکہ بعض اشیاء سے بے خبری اور بعض اشیاء سے عاجز آ جانا نقص ہے

وشمول قدرتہ فھو بکل شیئ علیم وھو علی کل شیئ قدیر

پس یہ علم اور قدرت خاصہ باری عالم الغیب قادر مطلق کا ہے، اس میں شریک کرنا نبی کو یا ولی کو عین شرک ہے، اور جو امور غائبہ پر انبیا علیہم السلام یا اولیائے کرام کو انکشاف ہوا ہے، سو محض بوحی و اعلام بالہام الٰہی ہوا قال اللہ تعالی ولا یحیطون بشیئ من علمہ الا بما شاء اور یہ علم جو باعلام حق سبحانہ وتعالے مقربان خاص الخاص کو ہوتا ہے بذات سید کائنات علیہ الصلوۃ کو بہ نسبت اور انبیائے عظام اور اولیائے کرام کے اگرچہ بوجہ اکمل ہے، لیکن علم علام الغیوب سے مماثل نہیں قال اللہ تعالی قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب الایۃ، وقال الامام فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ فی تفسیرہ الکبیر تحت آیۃ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ الایۃ انہ لما بین انہ المختص بعلم الغیب والایۃ سیقت لاختصاصہ تعالی بعلم الغیب وان العباد لا علم لھم بشیئ منہ واما قولہ وما یشعرون ایان یبعثون صفۃ لاھل السموات والارض نفی ان یکون لھم علم الغیب انتہی مختصرا

جواب سوال دوم۔ یہ گیارہ قدم چلنا اصطلاح اہل شرک و بدعت میں اس کا نام صلوۃ غوثیہ ہے، اور "ضرب الاقدام" بھی کہتے ہیں یہ بھی شرک ہے، کیونکہ نماز خاص عبادت معبود حقیقی کی ہے، وحدہ لاشریک لہ غیر کی عبادت بدنی ہو یا مالی شرک ہے، اور فاعل مشرک،

جواب سوال سیوم۔ گیارہویں جو معمول ہے اور مہتم بالشان اہل بدعت کی بہ نیت نذر لغیر اللہ اور تقرب غیر اللہ کے ہے، یہ بھی شرک ہے، کیونکہ عبادت مالی بھی غیر معبود برحق کے لئے حرام اور شرک ہے، اور اگر نیت ایصال ثواب ہو، تو خالصًا لوجہ اللہ دے کر بے تعیین یوم ایصال

اور ان نصوص قطعیہ کا ثبوت بخوبی ہوتا ہے، کہ اس کا علم عام ہے، اور اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ؎ اللہ تعالی نے فرمایا اور وہ اس کے علم میں سے کوئی چیز بھی معلوم نہیں کر سکتے مگر جو وہ چاہے ؎ اللہ تعالی نے فرمایا، آپ کہدیں کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں الآیۃ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں آیت قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ کے ماتحت فرمایا ہے جب اللہ تعالی نے یہ ظاہر کر دیا کہ وہی علم غیب کے ساتھ مختص ہے اور آیت اللہ تعالی کے علم غیب کی خصوصیت کے متعلق پہلے گذر چکی ہے اور بندوں کو اس کی اشیاء میں سے کسی چیز کا علم نہیں ہے، اور اللہ تعالی کا یہ قول وما یشعرون ایان یبعثون، یہ تمام آسمانوں اور زمین والوں کی صفت ہے، اور اس میں ان کے علم غیب کی نفی بیان کی گئی ہے، انتہی۔"

ہیت کریں اور نام گیارہویں کا زائل کر دینا واجب ہے، کیونکہ یہ نام رکھا ہوا اہل شرک وبدعت کا ہے، اگر کوئی خالص نیت سے گیارہویں نام رکھ کر ایصال کرے، تو بھی اہل توحید وسنت کے نزدیک محل تہمت ہے، اور مواضع تہمت سے بچنا ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے

جواب چہارم، جو شخص مجوز اور مفتی اور مروج ان امور کا ہے، العیاذ باللہ منہ وہ رأس المشرکین ہے، یعنی اپنے تابعین مشرکین کا رئیس ہے، اس کے پیچھے نماز درست نہیں، اور جب کہ دائرہ توحید وسنت سے وہ خارج ہوا، تو کسی مذہب میں مذاہب اربعہ سے کب داخل رہا۔

جواب پنجم جن لوگوں کا یہ عقیدۂ بد اور ایسے افعال شرکیہ بدعیہ ہوں، ان سے معاملہ ترک کرنا چاہیئے، جب تک تائب نہ ہوں، قد جاء فی الحدیث[1] من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان۔

جواب ششم، جو شخص ان افعال شنیعہ سے مانع ہو، وہ موحد سنی محب اولیاء ہے قابل امامت ہے، اور اس کی امامت اولی اور انسب ہے، اور اس کی تکفیر خود مکفر کی تکفیر ہے، واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ الفقیر محمد حسین الدہلوی عفا اللہ عنہ | فقیر محمد حسین |

کیف یکون عبد مساویا للہ جل جلالہ وعز اسمہ لان اللہ کبیر المتعال ذا العظمۃ والجلال موجد ومعطی للعباد وھم الاخذون منہ والمحتاجون الیہ فی الدنیا والاخرۃ۔ کتبہ محمد ابراھیم الدھلوی

| یقال لہ ابراھیم | | قادر علی عفی عنہ | قادر علی عفی عنہ

اولا معلوم کرنا چاہیئے، کہ قرآن فرقان وکلام رحمن جو نازل اشرف المخلوقین پر ہوا، تو محض اسی عقیدہ کی درستی کے لئے نازل ہوا ہے، مشرکین کے عقاید بد تھے یعنی اللہ تعالیٰ ورسول کے نزدیک ورنہ فی زعمہم الباطل اپنے آپ کو تابعین ابراہیم کہلاتے تھے، اور حج بیت اللہ اور طواف وصوم وغیرہ عبادات کرتے تھے، ولیکن عقاید ان کے بد تھے، کہ انبیاء واولیاء کی تصویریں اور مورتیں بنا کر ان کی تعظیم ونذر نیاز کیا کرتے تھے کما اخبر اللہ سبحانہ عنہم فی عدۃ مواضع ولیست بمخفیۃ علی من لہ ادنی مس من القرآن والحدیث جس طرح کہ آج کل کے مسلمان تمام عبادات صوم وصلوۃ وحج وغیرہ بجالاتے ہیں، اور انبیاء واولیاء کے حق میں ایسے

---

[1] حدیث میں آیا ہے، جو شخص اللہ کے لئے محبت رکھے، اور اللہ کے لئے دشمنی رکھے، اور اللہ کے لئے دے، اور اللہ کے لئے بخل کرے، تو اس نے اپنا ایمان کمل کر لیا ۱۲

عقائد رکھتے ہیں، جیسا کہ سائل نے بیان کیا، اور مجیب نے اسعملہ اللہ لما یحب ویرضی جواب دیا، تو حقیقت میں یہ لوگ مشرک باللہ ہیں وان صلوا وصاموا وزعموا انھم مسلمون جس طرح سے اللہ سبحانہ نے مشرکین مکہ کی عبادت قبول نہیں فرمائی، اور عقیدہ کی درستی کا ارشاد فرمایا، ویسے ہی جب تک آج کل کے مسلمان عقیدے ٹھیک موافق فرمان خدا و رسول کے نہ کریں گے کوئی عبادت قبول، نہ ہو گی، واللہ اعلم، حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی

| خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبد الوہاب |
|---|

ایسا عقیدہ رکھنے والا سرے سے اسلام میں ہی داخل نہیں، چار مذہب کا کیا ذکر ہے۔ کریم الدین عظیم آبادی۔

ایسا عقیدہ صریح کفر اور شرک ہے۔ عبد الکریم بنگالی، الجواب صحیح۔ عبد الحمید عفی عنہ عظیم آبادی،

واقعی جواب دونوں مجیبوں کا صحیح ہے، رد شرک اور ندا رغیر اللہ میں اور جھکنے کی طرف غیر اللہ کے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے جھک کر سلام علیک کرنے کو یا جواب دینے کو نہایت منع لکھا ہے، اور لکھا ہے، کہ بعض علماء کو جھکتے ہوئے دیکھ کر فریب میں نہ آوے، حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ۔ الجواب صحیح، محمد زین الدین ساکن شہر بدایون حنفی المذہب۔

جواب بہت صحیح ہے۔ ولی محمد فیض آبادی

جو شخص ایسا عقیدہ رکھے، یا رواج دیوے، بلا ریب وہ مشرک ہے۔ مصطفی خان سوتری

| غلام حسین | غلام حسین ضلع مونگیر |
|---|---|

ھذا الجواب صحیح۔ محمد دبیر الرحمٰن بنگالی | ابو عبد الرحمٰن محمد دبیر الرحمٰن | ابو محمد تائب علی

اس طرح کا عقیدہ رکھنے والا، فتوے دینے والا چاروں مذہب میں کافر اور مشرک ہے، لاریب ولا شک فیہ۔ ابو اسمٰعیل یوسف حسین خان پوری، پنجابی،

جواب صحیح ہے محمد عبد الحکیم عفی عنہ۔

چاروں امام علیہم الرحمۃ کے نزدیک بے شک ایسا عقیدہ شرک اور کفر ہے۔ محمد عبد الغفور امرتسری

| سید محمد عبد السلام غفرلہ | سید محمد ابو الحسن | محمد عبد الحمید | جلیسری |
|---|---|---|---|

ایسا اعتقاد رکھنا سراسر شرک اور کفر ہے، اس کے معتقد کو ہرگز اسلام میں کچھ حصہ

---

ل اگرچہ وہ نماز بھی پڑھیں، اور روزے بھی رکھیں، اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہیں۔

ونصیب نہیں ہے۔ رحیم اللہ پنجابی۔

اس عقیدہ والا آدمی جیسا کہ سائل نے لکھا ہے بے شک کافر اور مشرک ہے، چاروں مذاہب سے خارج ہونا تو برکنار ہے نور محمد

جس شخص کا یہ عقیدہ ہو، وہ شخص بلاشبہ مشرک ہے، کما ثبت، رحمت اللہ دیناپوری المجیب مصیب، نمقہ علی احمد بن مولوی محمد سامرودی عفی عنہ الصمد۔

جس شخص کا یہ اعتقاد ہے، بلاشک سب اماموں اور صحابہ کے نزدیک کافر ہے، مسکین فضل الٰہی۔ الجواب صحیح والرائے نجیح محمد حیات اللہ عفی عنہ جلیسری۔

**سوال**:۔ سوائے خدا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یا کسی اور نبی یا ولی وغیرہ کے لئے علم غیب اور ہر جگہ حاضر ناظر ہونا ثابت ہے یا نہیں اور درصورت نہ ہونے کے جو شخص سوا خدا کے کسی نبی یا ولی وغیرہ کے لئے علم غیب اور ہر جگہ حاضر وناظر ہونا ثابت کرے از روئے قرآن وحدیث کے اس پر کیا حکم ہوگا

**الجواب**:۔ علم غیب اور حضوری ہر جا کی مخصوص ہے ساتھ اللہ تعالیٰ کے، سوائے اس کے اور کسی میں خواہ نبی ہوں یا ولی یہ وصف حاصل نہیں، اور جو اعتقاد ان چیزوں کا ساتھ غیر خدا تعالیٰ کے رکھے، وہ مشرک ہے حق تعالیٰ سورہ انعام میں فرماتا ہے وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمها الا ھو یعنی اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی نہیں جانتا ان کو مگر وہی، اور سورہ نمل میں فرمایا قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون یعنی کہہ نہیں جانتے، جتنے لوگ ہیں آسمانوں میں اور زمین میں غیب کو، مگر اللہ اور نہیں خبر رکھتے کہ کب اٹھائے جاویں گے،

علامہ محمد بن محمد کردری فتاوی بزازیہ میں فرماتے ہیں من[1] قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر علامہ سعد الدین شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں فبالجملة[2] العلم بالغیب امر تفرد بہ اللہ سبحانہ لا سبیل الیہ للعباد انتہی مولانا قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں اعلم[3] ان الانبیاء لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما علمهم اللہ احیانا و

[1] جو کہے کہ مشائخ کی ارواح حاضر ہیں، سب کچھ جانتے ہیں، وہ کافر ہے ۱۲

[2] قصہ مختصر علم غیب خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے، بندوں کی وہاں تک رسائی نہیں ہے ۱۲

[3] نبی غیب چیزوں میں سے صرف اتنا ہی جانتے تھے، جتنا اللہ تعالیٰ ان کو معلوم کرا دیتے تھے علماء احناف نے

ذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ۔ انتہی
اور اسی طرح علامہ بیری نے حاشیہ شرح اشباہ والنظائر میں تصریح کی ہے۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

| سید محمد نذیر حسین | ابو الطیب محمد شمس الحق ۱۲۹۵ |
|---|---|

**سوال**:۔ کسی نبی یا ولی یا اور کسی کو خدا تعالیٰ کے سوا اپنی مشکل کشائی اور حاجت براری کے لئے پکارنا، اور اس سے مدد چاہنا اور مرادیں مانگنا شریعت میں کیا حکم رکھتا ہے؟

**الجواب**:۔ سوائے خدا کے اور کسی کو خواہ نبی ہو یا ولی مشکل کے وقت پکارنا، اور ان سے مدد چاہنا اور ان سے امید نفع اور ضرر کی رکھنا شرک ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون یعنی اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ نہیں پیدا کرتے، اور خود آپ پیدا کئے گئے ہیں، مردے ہیں زندہ نہیں ہیں، ان کو خبر نہیں، کہ کب قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایھا الناس ضرب مثل فاستمعوا لہ ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب ما قدروا اللہ حق قدرہ ان اللہ لقوی عزیز۔ یعنی اے لوگو ایک مثل کہی جاتی ہے، اس کو سنو جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا ہرگز نہ بنا سکیں گے ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہوں، اور اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی تو چھڑا نہ سکیں اسے، دونوں کمزور ہیں، مانگنے والا اور جس سے مانگا، لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں سمجھی جیسی اس کی قدر ہے، بیشک اللہ زور آور ہے زبردست ہے۔

اور روایت ہے حضرت ابن عباس رضہ سے قال کنت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فقال یا غلام احفظ اللہ یحفظک احفظ اللہ تجدہ تجاھک واذا سألت فسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ رواہ الترمذی اور استعانت

---

اس آدمی کو صاف طور پر کافر کہا ہے، جو یہ اعتقاد رکھے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے، کیونکہ یہ عقیدہ آیت قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ الآیۃ کے برخلاف ہے ۱۲ لے میں ایک دن رسول اللہ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا، بیٹا اللہ کی اطاعت کو ملحوظ رکھنا، خدا تجھے محفوظ رکھے گا، اللہ کو اگر ملحوظ رکھے گا، تو اسے ہمیشہ اپنے پاس پائے گا، جب تو سوال کرے تو اللہ سے مانگ، اور جب مدد لینا چاہے، تو اللہ سے لے ۱۲

ایک قسم کی عبادت ہے، پس سوائے خدا کے کسی سے نہ چاہیے، تفسیر معالم التنزیل میں ہے کالاستعانۃ[1] نوع تعبد انتہی اور مجمع البحار میں ہے فان العبادۃ وطلب الحوائج والاستعانۃ حق[2] اللہ وحدہ انتہی۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق

**سوال:** شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی گیارہویں کرنا اس نیت سے کہ پیر صاحب معظم اور مقرب الٰہی ہیں، ان کی تعظیم اور ان کے ساتھ تقرب حاصل کرنے کے واسطے ہم یہ مال خرچ کرتے ہیں، کہ وہ ہم سے راضی رہیں کیسا ہے، اور بے اس نیت کے صرف ایصال ثواب کے لئے کرنا بقید ماہ و تاریخ کے کیسا ہے؟

**الجواب:** گیارہویں کرنا شیخ عبد القادر کی نیت مذکورہ بالا سے شرک ثابت ہوتا ہے، اس واسطے کہ یہ سب اوصاف خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، غیر کو اس میں دخل نہیں، اور اگر بلا اس نیت کے کرے بقید ماہ و تاریخ تو بدعت ہے، حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق

**سوال:** چہ می فرمایند گروہ حق پژوہ علماء ورثۃ الانبیاء درمعنی این عبارت یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ و بادر وساختن این عبارت واسمائے دیگر صلحاء مثل یا بھیکھ و یا مجدد وغیرہ موجب ثواب است یا موجب کفر و ضلالت یا گناہ صغیرہ یا کبیرہ و در پس مجوز این امور نماز باید خواند یا نہ یا مانع این امور از فرق ضالہ و مبتدعہ است، از کتب تفاسیر و احادیث و فقہ معتبرہ انتا ارقام فرمایند

**الجواب:** درصورت مرقومہ باید دانست، کہ از خواندن یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ و یا بھیکھ کہ ندا بغایت است، قباحت بچند وجوہ لازم می آید اول اشراک فی العلم

[1] مدد مانگنا عبادت کی ایک قسم ہے۔ [2] عبادت، حاجات کا طلب کرنا اور مدد مانگنا یہ صرف اللہ کا حق ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ یا دوسرے بزرگوں کے نام کا وظیفہ کرنا مثلاً یا بھیکھ یا مجدد یہ موجب ثواب ہے یا موجب کفر یا گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ اور ایسے وظائف کو جائز کہنے والے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں، اور ایسے وظائف کا منکر گمراہ اور بدعتی ہے یا حق پر ہے، کتب تفاسیر احادیث صحیحہ اور فقہ معتبرہ سے فتویٰ تحریر فرمائیں

الجواب: غائب کو پکارنے سے کئی طرح پر شرک لازم آتا ہے اول یہ صفت علم میں شرک ہے

دوم اشراک فی التصرف کہ این دو وجہ بعبادت متعلق است سوم اشراک فی العادت

امابیان وجہ اول و دوم پس احاطہ علمی چہ از دور چہ از نزدیک ستر او جہر اسر آن از ہر داعی و ذاکر بالسنہ مختلفہ دانستن خاصۂ خدائے تعالیٰ است کہ باین صفت موصوف و مختص است، وہم چنین صفت تصرف فی الامور باعتبار جلب نفع و دفع ضرر و نقصان ویلا خاصۂ ذات باری است، چہ اصول شرک سہ است، یا بذات او سبحانہ وتعالیٰ می باشد یا در عبادت یا در صفات مانند علم وسمع وبصر وغیرہ وکسے از مخلوق با باری تعالیٰ مشارک نیست، ودرین چیزہائے مذکورہ وعالم الغیب مطلق اوست جل شانہ کما قال اللہ تعالیٰ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو کما فی سورۃ الانعام قال فی المدارک وارادانہ ھو المتوصل الی المغیبات وحدہ لا یتوصل الیہا غیرہ انتہی ما فیہ وھکذا فی التفسیر النیشا پوری وقال اللہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ الآیۃ لیکن ہرگاہ کسے از مقبولان درگاہ خود را احیاناً بر مغیبات مطلع گرداند اطلاع می شود والا نہ او تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را با وجودے کہ در فضل وکمالات اشرف المخلوقات وسید الاولین والآخرین گردانید باین ہمیں تعلیم فرمود، قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر وبشیر لقوم

---

دوم یہ صفت تصرف میں شرک ہے اور یہ دونوں چیزیں عبادت سے تعلق رکھتی ہیں، سوم شرک فی العادت ہے۔

پہلی اور دوسری وجہ کی تشریح اس طرح ہے، کہ دور و نزدیک، ظاہر و پوشیدہ چیزوں کا علمی احاطہ کرنا، اور تمام پکارنے والوں کی دعاؤں کو سننا خواہ وہ کسی زبان میں ہوں، اور بیک وقت لاکھوں کروڑوں آوازوں کو سننا اور سمجھنا یہ صرف خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے، کوئی بھی مخلوقات میں سے اس صفت میں اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ہے، اور اسی طرح تمام امور میں تصرف کرنا کسی کو نفع و نقصان پہنچانا یہ بھی خدا کا خاصہ ہے، اور شرک کے اصول تین ہیں، یا ذات خداوندی میں شرک ہوگا، یا عبادت میں یا صفات میں، اور ان تمام پہلوؤں میں کوئی بھی مخلوق اللہ تعالیٰ کی شریک نہیں ہے اور غیب کا جاننا بھی اسی کی صفت اور خاصہ ہے، اس کو بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، قرآن مجید میں ہے اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا" الآیۃ اور فرمایا، آپ کہدیں اللہ کے سوا زمین اور آسمان میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا" ہاں اگر وہ کسی کو اطلاع دے دے تو ہو جاتی ہے ورنہ نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات سے افضل واشرف ہیں، اور پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا کہ آپ کہدیں میں اپنی جان کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے، اور فرمایا، اگر میں غیب جانتا ہوتا، تو بہت سی بھلائیاں اکٹھی کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی

لقوم یومنون الآیۃ

پس ازیں آیت کریمہ صاف واضح گردید کہ قدرت بندہ قاصر و علم وے قلیل وصفت بندہ ہمین است، چہ ہر کہ بندہ باشد صفتش ہمین خواہد بود بہ ندانستن علم غیب را نقصان و عیب نیست بآن بندہ کامل و مکمل امر نبیہ باظہار العبودیۃ حتی ینسب الیہ نقص ولا یعاب من قبل عدم العلم بالغیب فقال قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الی اخر الآیۃ وفیہ ان قدرتہ قاصرۃ وعلمہ قلیل وکل من کان عبدا کان کذلک والقدرۃ الکاملۃ والعلم المحیط لیس الا للہ تعالیٰ۔

وقال الکلبی ان اھل مکۃ قالوا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) الا اخبرک ربک بالسعر الرخیص قبل ان یغلو فتشتری فتربح وبالارض التی ترید ان تجدب فترتحل عنھا الی ما اخصبت فانزل اللہ تعالیٰ ھذہ الآیۃ المراد بالخیر فی قولہ تعالیٰ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر ھو جلب منافع الدنیا وخیراتھا من الخصب والارباح والاکساب وقیل المراد بہ ما یتوصل بامر الدین یعنی لو کنت اعلم الغیب لکنت اعلم ان الدعوۃ الی الدین الحق تؤثر فی ھذا ولا تؤثر فی ذلک فکنت اشتغل بدعوۃ ھذا دون ذلک الی اخرما فی النیشاپوری وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما ھکذا فی معالم التنزیل مثل قول الکلبی ویلزم من کون غیرہ غیر متصرف فی ملکہ بوجہ من الوجوہ الا بامرہ کونہ عالما بالکل وکون غیرہ غیر عالم بالکل الا باعلامہ الی اخرما فی التفسیر النیشاپوری وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ لا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم رواہ البخاری والحکم بطریق

---

میں تو ایمانداروں کے لئے ایک ڈرانے والا، اور خوش خبری دینے والا ہوں۔

کلبی نے کہا ہے، کہ مکہ والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھے تیرا رب سستے نرخ کی اطلاع کیوں نہیں دیتا کہ تجھے فائدہ ہو جایا کرے یا قحط سالی کی خبر کیوں نہیں دے دیتا، کہ تو کسی سرزمین شاداب میں چلا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، ولو کنت اعلم الغیب الآیۃ، اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ایسے امور ہیں جو دین کی کامیابی میں معاون ہوں، کہ آپ ایسے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے جن پر اسلام کی تعلیم اثر کرتی، اور ایسے اشخاص پر توجہ نہ کرتے، جن کی قسمت میں مسلمان ہونا نہیں تھا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا، کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اور یہ نہیں جانتا کہ میرے متعلق تقدیر خداوندی

الاعم هو الوجه الاتم والمراد من الامور الدنيوية بالنسبة اليه صلى الله عليه و
سلم وهي الجوع والعطش والشبع والري والمرض والصحة والفقر والغنى وكذا
حال الامة الحاصل انه صلى الله عليه وسلم يريد نفي علم الغيب عن نفسه وانه
ليس يطلع على المقدر له ولغيره والمكنون من امره وامر غيره لانه متردد في امره
غير متيقن بنجاته لما صح من الاحاديث الى آخر ما في المرقات شرح المشكوة لملا على
القاري وهكذا في الطيبي ثم اعلم ان الانبياء لم يعلموا المغيبات من الاشياء الا
ما علمهم الله تعالى احيانا ذكروا الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد ان النبي صلى الله
عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى قل لا يعلم من في السموات و
الارض الغيب الا الله كذا في المسامرة للشيخ ابن الهمام كذا في شرح فقه اكبر لملا
على القاري وفي الخانية والخلاصة لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد النكاح و
يكفر باعتقاد ان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب انتهى ما في البحر الرائق
في كتاب النكاح۔

ومولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ در تفسیر سورہ مزمل می فرماید کہ متقرب الیہ را دو چیز باید اول احاطہ
علمی باذکار قلبیہ ولسانیہ ذاکر این باوصف تخالف الکنہ وازمنہ وامکنہ والسنہ تاذکر قلبی ولسانی ہر ذاکر
را معلوم کند دوم قوت نزدیک وور بودن مدرکہ او درآمدن وآن را پر کردن حکم صفت او پیدا کردن، کہ در
عرف شرع آن را دنو وتدلی ونزول وقرب خوانند واین دو صفت خاصہ ذات پاک او تعالیٰ است

---

نے کیا فیصلہ کر رکھا ہے، اور اس سے بھوک، پیاس، صحت، بیماری وغیرہ دنیوی امور مراد ہیں، کیونکہ آنحضرت کے متعلق تو اللہ تعالیٰ
آپ کو ان کے متعلق کامیابی کی اطلاع دے چکے ہیں، حنفیہ نے ایسے آدمی پر کفر کا فتوی لگایا ہے، جو یہ عقیدہ رکھتا
ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، کیونکہ یہ عقیدہ اس آیت قرآنی کے مخالف ہے: قل لا یعلم من
فی السموات والارض الغیب الا اللہ الآیۃ، شیخ ابن الہمام کے مسامرہ اور ملا علی قاری کی منح الازہر شرح فقہ اکبر میں
بھی اسی طرح ہے، اور خانیہ اور خلاصہ میں ہے کہ اگر کوئی آدمی اللہ و رسول کی شہادت سے نکاح کرے، تو وہ نکاح درست
نہیں ہوگا، اور نکاح کرنے والا کافر ہو جائے گا، کیونکہ اس نے یہ عقیدہ رکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سورۂ مزمل کی تفسیر میں فرماتے ہیں، کہ جس کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہو، اس میں دو چیزوں
کا ہونا نہایت ضروری ہے، ایک تو یہ کہ وہ دور و نزدیک سے ذاکر کے اعمال قلبیہ و لسانیہ سے واقف ہو جو مختلف زبانوں میں
اس کی پکار کا مطلب سمجھتا ہو، اور دوسری یہ کہ وہ ہر وقت اس کے قریب ہو، تاکہ بر وقت اس کی مدد کر سکے، اور یہ دونوں

ہیچ مخلوق را حاصل نیست، آرے بعضے کفرہ در حق بعضے از معبودان خود و بعضے پیر پرستان از زمرہ مسلمین در حق پیران خود امر اول را ثابت می کنند و در وقت احتیاج بہمین اعتقاد باآنہا استعانت می نمایند۔ انتہی ما فی التفسیر العزیزی،

پس ازین معلوم شد کہ ورد یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ و یا بھیکھ بجہت حاجت خواستن و در دفع مرض و بلا جستن ازین بزرگان رحمہم اللہ تعالٰی از مسافت بعیدہ، قطع نظر از تردد قبر کہ بیانش خواہد آمد جائز نیست، کہ درین شرک لازم مے آید کہ علم غیب مخلوق ثابت کردن است و این اشراک فی العلم می شود، بہر حال این چنین ہرگز نباید کرد، کہ ازین شرک پیدا می شود، چنانچہ از آیات کریمہ و احادیث و کتب عقاید ہویدا گردید، پس ہر کہ این چنین اعتقاد در بزرگان دارد کہ ندائے من از دور می شنوند و در سر آن ازین جہت وظیفہ این کلمہ می دارد مشرک است، پس او نماز نباید خواند، کہ عقیدہ شرکیہ دارد، اگرچہ بظاہر خود را مسلم می گوید زیراکہ صفت علم غیب از اماکن قریبہ و بعیدہ، سرًا و جہرًا مرآنکہ خاصہ او عالم الغیب والشہادت است، باعتقاد فاسد خود در جناب انبیاء و اولیاء ثابت می کند، کہ ازین اشراک فی العلم لازم می آید، بنا بر ردّ دعوئے باطلہ اہل باطل او تعالٰی در سورہ یوسف می فرماید وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون الآیۃ

و در تفسیر بیضاوی در سورہ احقاف تحت این آیت کریمہ ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمۃ وھم عن دعائھم غافلون نوشتہ لانھم اما جمادات و اما عباد مسخرون مشتغلون باحوالھم انتہی ما فی البیضاوی پس ازین آیت ہم ندا کردن بغائب از دور اصلاً جائز نیست و ہم از نزدیک چہ ایشان باحوال

صفتیں خدا تعالٰی کا خاصہ ہیں، کسی بھی مخلوق کو حاصل نہیں ہیں، ہاں بعض جاہل لوگ اپنے پیروں کے متعلق پہلی صفت ثابت کرتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں،

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوا کہ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ اور یا بھیکھ وغیرہ وظائف کا پڑھنا ناجائز ہے اور اس میں شرک کرنا لازم آتا ہے، کیونکہ غیب کا علم خدا تعالٰی کے سوا مخلوق میں ثابت کیا گیا ہے، جو ایسا عقیدہ رکھے اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے، کیونکہ وہ مشرک ہے، خدا تعالٰی نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے،

وما یؤمن اکثرہم باللہ الا وہم مشرکون الآیۃ

تفسیر بیضاوی میں ہے، کہ جن کو خدا تعالٰی کے سوا پکارا جاتا ہے، وہ یا تو پتھر وغیرہ ہیں، وہ تو کچھ سن ہی نہیں سکتے، اور یا پھر خدا کے نیک بندے ہیں، اور وہ اپنے حال میں مشغول ہیں، ان کو دوسروں کی خبر ہی نہیں۔

خود مشتغل اند از ندا و از دعائے داعی محض غافل اند کما اتضح من البیضاوی ولهذا قال العلامة التفتازانی فی شرح المقاصد ولا نزاع فی ان المیت لا یسمع انتہی ما فی شرح المقاصد و در فتح القدیر و کافی و کفایہ و عنایہ و عینی وغیرہ کتب فقہ ازین کہ میت نمی شنود مشحون اند پس نزدیک رفتن ندا کردن بد رخواست دعا از ایشان مفید و جائز نہ شد و ازین جہت بسیارے از فقہا طلب دعا از میت انکار کردہ اند، چنانچہ در کشف الغطا شیخ الاسلام نوشتہ کان المراد من الکلام الاسماع والمیت لیس باھل للاسماع الا تری الی قولہ تعالی انك لا تسمع الموتی والی قولہ وما انت بمسمع من فی القبور انتہی کلام المحمود العینی فی حاشیة الهدایة

فی الجملہ ہر کہ باین اعتقاد از مسافت بعیدہ اولیاء اللہ را ندا کند کہ از احوال ما مطلع می شوند و ارواح ایشان بر ندائے من علم میدارند و کشائش رزق و فراخی آن و دفع بلا و نقصان و رفع تنگی مے کنند و یا گور و یا مکان نشست و برخاست ایشان صورت ایشان برزخ سازد او بے شک از زمرہ مشرکین است، چنانکہ مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ در تفسیر فلا تجعلوا اللہ انداداً می نویسد چہارم فرقہ پیر پرستان گویند چون مرد بزرگ کہ بسبب کمال ریاضت و مجاہدہ مستجاب الدعوات و مقبول الشفاعت عند اللہ شدہ بود ازین جہان می گذرد روح او را قوتے عظیم و وسعتے بس فخیم بہم می رسد ہر کہ صورت او را برزخ سازد یا در مکان نشست و برخاست او یا بر گور او سجود و تذلل تمام نماید روح بسبب وسعت و اطلاق بر آن مطلع شود و در دنیا و آخرت در حق او شفاعت نماید، تمام شد عبارت تفسیر عزیزی،

ولهذا قال فی البزازیة وغیرها من کتب الفتاوی من قال ان ارواح المشائخ

---

علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں فرمایا ہے، کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے، کہ میت نہیں سن سکتی اور اس مضمون سے فقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، چنانچہ ہدایہ کے محشی علامہ محمود عینی نے بالآخر لکھا کسی کو بھی خدا تعالیٰ کے سوا پکارنا، اور اس سے حاجت طلب کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ پکارنے کا مطلب ہوتا ہے، سنانا اور میت سننے کی اہل ہی نہیں ہے، کیا تم قرآن مجید کی آیت پر غور نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور جو قبروں میں چلے گئے تو ان کو سنانے والا نہیں ہے"

قصہ مختصر ایسا عقیدہ ہرگز نہ رکھنا چاہیئے، کہ بزرگوں کی روحیں ہمارے حالات سے واقف ہیں، اور پھر ان کو پکارے اس سے شرک لازم آتا ہے، چنانچہ بزازیہ وغیرہ کتب فقہ میں صاف صاف فتوی دیا گیا ہے، کہ جو آدمی یہ عقیدہ رکھے، کہ مشائخ کی ارواح حاضر ہیں، اور ہمارے حالات کو جانتی ہیں، وہ کافر ہے"

حاضرة تعلم یکفر کذا قال الشیخ فخرالدین ابوسعید عثمان الجیانی بن سلیمان الحنفی فی رسالته ومن ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله واعتقد بذلك کفر کذا فی البحرالرائق واستعانت بفراخی رزق ودفع بلا وطلب ولد وغیره ازین کلمه از آن بزرگان ہرگز روانیست، چه استعانت از غیر خدائے تعالٰی درین امور جائز نیست قال رسول الله صلی الله علیه وسلم واذا سألت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله الی اخرالحدیث کما رواه احمد والترمذی کذا فی المشکوة، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم این را بکلمہ شرط و جزا ارشاد فرمودند، پس استعانت که از مخلوقات کرده می شود، لامحاله مقارن با استعانت بالله خواهد بود، چه جزا لازم شرط است وشرط ملزوم او وقاعده کلیه از معقول ومنقول مقرر شده، که وجود ملزوم بدون لازم محال است کذا فی المسلم والچلپی وغیرہما، پس خواه نخواه استعانت درین امور مذکوره بمقارنت استعانت خدائے تعالٰی می باید واز غیروے تعالٰی ہرگز جائز نیست وایاك نعبد وایاك نستعین ہم مشعر این معنی است، وتقریر بسط درین باب این است ودر تحقیق استعانت رساله جداگانه نوشته شد، درین جا اشاره ازان کرده شد،

واگر کسے گوید که او تعالٰی مفتاح علم ہمہ اشیا راست کلیه وجزئیه در ہر آن از مسافت بعیده اولیاء الله را داده وحواله ایشان کرده بنا برین می دانند ومی شنوند پس این را در تفسیر نیشاپوری تحت ہمیں آیت کریمه وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو الآیة نوشته ولا یمکن ان یکون هذه المفاتح عند شیء من الممکنات لان المحاط لا یحیط بمحیطه فلا یحیط درن

شیخ فخرالدین ابوسعید عثمان بن الجیانی حنفی اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں: جو کہے میت اللہ تعالٰی کے سوا امور میں تصرف کرسکتی ہے، اور یہی عقیدہ رکھے وہ کافر ہے "بحرالرائق" میں بھی ایسا ہی ہے اور رزق کی فراخی مصیبتوں کے دفعیہ اور اولاد وغیرہ کی طلب کی مدد خدا کے سوائے کسی اور سے مانگنا جائز ہی نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب بھی تو مدد مانگے تو اللہ تعالٰی سے مانگ" پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شرط و جزا کے طور پر فرمایا ہے، کہ خدا سے مانگ تو یہ منقول ومعقول کا مسلمہ قاعدہ ہے، کہ لازم کے سوا ملزوم کا پایا جانا محال ہے، اور آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین بھی تو یہی مضمون ادا کر رہی ہے۔

اگر کوئی آدمی یہ عقیدہ رکھے، کہ واقعی غیب کی چابیاں تو خدا تعالٰی کے پاس ہیں، لیکن اس نے اپنے نیک بندوں کے سپرد کر رکھی ہیں، جس کی وجہ سے وہ سنتے اور جانتے ہیں، تو اس کے جواب میں تفسیر نیشاپوری کی عبارت کافی ہے، وہ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یہ غیب کی چابیاں اللہ تعالٰی کے سوا کسی کے پاس ہو ہی نہیں سکتیں کیونکہ عقلی طور پر محاط

الواجب بالواجب فلا یکون مفتاح العلم بجمیع المعلومات الا عندہ انتہی ما فی التفسیر النیشا بوری۔

واما بیان اشراک فی العادت یعنی چنانکہ معاملہ از اللہ تعالیٰ بعادت خود می کند چنانکہ یا اللہ یا کریم می گوید ہم چنین یا علی یا حسین می گوید بعادت خود قطع نظر از ندا کردن، پس اگر این کلمہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ را قطع نظر از شنیدن ودانستن ایشان بطور عادت جبلی می گوید ازین ہم پرہیز کند کہ موہم شرک است، واگر بارادہ سفارش وشفاعت کردن اللہ تعالیٰ از ایشان می خواہد یعنے او تعالیٰ را شفیع وسفارش کنندہ دانستہ این چنین می گوید تاہم جائز نیست کہ شان او تعالیٰ عظیم وبس فخیم است، وشائی مطلق وفعال لما یرید وتفعل ما یشاء است، وکسے از بندگان مقبولین خود را مختار علی الاطلاق نہ کردہ واختیار ندادہ کہ ترا مختار خزانہ رحمت خود گردانیدم کہ ہرچہ خواہی کن وہرکہ بخواہی بدہ کہ بعد ازین حاجت شفاعت خدائے تعالیٰ را گردد، از آن بندہ مختار کل او کہ تو اگر سفارش کنی از فلان بندہ کہ حاجت رہائی من کردہ دہد تا سر انجام کار من راست آید سبحانہ ما اعظم شانہ آن جل جلالہ را آن چنان نہ باید فہمید کہ پادشاہ دنیا از وزیر ذی الاقتدار والاختیار خود در بعضے امور ہائے کسے ادنے تو کر خود سفارش وشفاعت می کند، چونکہ آن وزیر عالی قدر مختار کل را بہر حال اختیار نظم ونسق وسیاست وحفاظت ملکی دادہ است کہ اگر خود آن پادشاہ در رکاب ازین امور مذکورہ بے اذن وزیر دخل دہد، در ملک او خلل واقع شود، بنا برین مصلحت از سوئے مزاجی وتند خوئی او شفاعت ادنی توکر خود می خواہد از آن وزیر ظہیر سلطنت خود، پس طور این در جناب الٰہی اعتقاد نہ باید داشت، کہ او قہار ومالک الملک وشائی ومختار علی الاطلاق است، کہ درین اعتقاد تنقیص در شان عظمت نشان

---

اپنے محیط کا احاطہ نہیں کرسکتا، ایسے ہی واجب کا احاطہ غیر واجب نہیں کرسکتا، تو لازمی طور پر یہ چابیاں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہونگی۔ اور شرک فی العادت یہ ہے، کہ جیسے یا اللہ یا رحیم یا کریم کہتا ہے ویسے ہی یا علی یا حسین وغیرہ کہنے کی عادت ہو چاہے خواہ ان کو پکارنا مقصود نہ ہو اس سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے، کہ اس سے شرک کی بو آتی ہے، اور اگر اس نظریہ سے ان کو پکارے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مختار بنا دیا ہے، اور اپنی رحمت کے خزانے ان کے سپرد کر رکھے ہیں، اور اب اللہ تعالیٰ بھی ان کی مرضی کے بغیر از خود کچھ نہیں کرسکتے، جیسے کہ دنیاوی بادشاہ اپنی حکومت کے بعض شعبے اپنے وزراء میں تقسیم کر دیتے ہیں، اور پھر ان کے معاملات میں بادشاہ بھی از خود کچھ دخل نہیں دیتے، تاکہ نظام ملکی میں بدنظمی نہ پیدا ہو، ہاں اگر ضرورت ہو تو بادشاہ اپنے کارندے وزیر سے سفارش کردے گا کہ یہ کام اس طرح کردو، اگر ایسا ہی عقیدہ خدا کے متعلق رکھے کہ خدا تعالیٰ کو ان کے پاس سفارشی بناتے تو یہ خدا تعالیٰ کی شان میں انتہا درجہ کی گستاخی اور بے ادبی ہے۔

او لازم می آید تعالی اللہ عنہ علوا کبیرًا۔
چنانکہ ابوداؤد از جبیر بن مطعم روایت کردہ قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی وقال جهدت الانفس وجاع العیال ونهکت الاموال وهلکت الانعام فاستسق اللہ پس طلب باران کن از خدائے تعالے فانا نستشفع بک علی اللہ بدرستی کہ ما طلب شفاعت می کنیم تو بخدا یعنے ترا شفیع می گیریم ونستشفع باللہ علیک وطلب شفاعت می کنیم بر تو یعنی خدا را شفیع می آریم نزد تو تا طلب باران کنی از وے فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ سبحان اللہ فمازال یسبح حتی عرف فی وجوه اصحابہ پس ہمیشہ تسبیح می کرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تا آنکہ شناختہ شد اثر غضب در روہائے اصحاب وے یعنی صحابہ بغضب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم متاثر شدند تا در روہائے ایشان نیز اثر آن ظاہر شد قال ویحک پستر فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وائے بر تو وعجب از تو انہ لا یستشفع باللہ علی احد بدرستیکہ شان این است کہ طلب شفاعت کردہ نمی شود بخدا بر احدے یعنی او تعالی شفیع گردانیدہ نمی شود بر کسے کہ شفاعت از ان کس خواہد زیرا کہ مرتبہ شفیع کمتر میباشد از آن کسے کہ ازو شفاعت می خواہد شان اللہ اعظم من ذلک ویحک اتدری ما اللہ یعنی تو میدانی کہ چیست خدا وصفت عظمت او چیست ان عرشہ علی سمواتہ هکذا وقال باصابعہ مثل القبة علیہ وانہ لیئط بہ اطیط الرحل بالراکب یعنی بدرستیکہ عرش بابرداشت عظمت ووسعت او ہر آئینہ آواز می کند مانند آواز پالان شتر بسوار یعنی عاجز می آید عرش از برداشت او تعالے، واین تقریر وتمثیل عظمت الٰہی است بقدر فہم اعرابی پس برائے قبولیت دعا وطلب حاجت روائی از کسے بزرگ ولی وشہید خدائے تعالے را شفیع آوردن بایں طور نشاید کہ از ان بزرگ بشفاعت خدائے تعالے حاجت خواستن ہم چنانکہ جملہ نستشفع

---

چنانچہ ایک بدوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ تکلیف حد سے بڑھ گئی ہے آپ اللہ تعالی سے دعا کریں کہ وہ بارش نازل فرمائے اور پھر یہ بھی کہدیا، کہ جب خدا سے کام ہو، تو ہم آپ کو سفارشی بناتے ہیں، اور جب آپ سے کام ہو، تو خدا تعالی کو آپ کے ہاں سفارشی بناتے ہیں، تو بدوی کے اس کلام سے حضور کا چہرہ متغیر ہوگیا، آپ تسبیحات پڑھتے رہے اور پھر فرمایا، تجھ پر نہایت افسوس ہے، کہ تو اتنا نہ سمجھ سکا، کہ خدا تعالے کو کسی کے پاس سفارشی نہیں بناتے کیونکہ اس صورت میں اصلی اختیار تو کسی دوسرے کا ہوا، اور خداوند تعالے سفارش کرنے کے لئے اس کے پاس گئے تجھے کچھ معلوم بھی ہے، کہ خدا تعالے کی شان کیا ہے اس کا عرش آسمانوں کو اپنے گھیرے میں لے رہا ہے، اور اس کی عظمت وہیبت سے چرچر کر رہا ہے۔

یا اللہ علیک تا آخر بر آں مشعر است، کہ درین محل بے ادبی ادمی شود ے

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم گشت از لطف رب

و منشور لامع النور و ما قدروا اللہ حق قدرہ نیز بمایں برہان قاطع است بہر صورت ازین کلمہ گفتن قباحت در قباحت پیش می آید، کما اجتناب ازاں ضرور است و باین اشارہ در درمختار از شرح وہبانیہ آوردہ و من قال شیئا للہ عند بعض یکفر و یخشی علیہ الکفر عند بعض انتہی پس مناسب این است کہ بدین طور بگوید یا اللہ شیئا للشیخ عبد القادر یعنی یا اللہ عطا کن ودہ مرا ببرکت شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ، چہ این طور جواز است، چہ در دعا خواستن از خدائے تعالٰے بحرمت فلان یا ببرکت فلان مباح است و بحق فلان نشاید کہ حق کسے بر خدائے تعالٰے نیست، چنانچہ در ہدایہ و شرح وقایہ و دیگر کتب فقہ حنفیہ مذکور است۔ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب فقط۔ کتبہ العبد الضعیف طالب الحسنیین فی الدارین محمد نذیر حسین عفا عنہ رب المشرقین والمغربین بجاہ سید الثقلین امام القبلتین جد الحسن والحسین رضی اللہ عنہما وعنہم فی الملوین

| | | |
|---|---|---|
| سید محمد نذیر حسین | ھو عبد الخالق دھلوی | محمد قطب الدین دھلوی |

| | | | |
|---|---|---|---|
| برکت اللہ دھلوی | نور الحق دھلوی | سید علی دھلوی | غلام رسول قصوری |
| محمد مخدوم بن بارک اللہ پنجابی | شاہ سید حسین قادری پنجابی | مفتی محمد احسن اللہ پشاوری | |
| مفتی برکت اللہ پشاوری | نصیر احمد پشاوری | قاضی منصور جان پشاوری | |

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین در بارہ آنکہ شخصے لفظ یا رسول اللہ و یا علی و یا بھیکہ بار بار یا یک بار می گوید و اعتقاد می کند کہ بعلم طبعی جزئی اگر او نشان

---

اور خدا تعالیٰ نے فرمایا وما قدروا اللہ حق قدرہ پس ایسے کلمات سے پرہیز کرنا نہایت ضروری ہے، درمختار میں شرح وہبانیہ کے حوالے سے لکھا ہے، اگر کوئی اس طرح کہے شیئا للہ کوئی چیز مجھے اللہ کے لئے دے تو وہ بعض کے نزدیک تو کافر ہے، اور بعض کے نزدیک اس کے کفر کا خطرہ ہے ہاں اس طرح کہہ لینا جائز ہے، کہ یا الٰہی مجھے بحرمت فلاں یا ببرکت فلاں یہ چیز عنایت کر دے، اور بحق فلاں نہیں کہنا چاہیے، کیونکہ خدا تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے، بعینہ یہ مضمون ہدایہ اور شرح وقایہ کتب فقہ حنفیہ میں بھی موجود ہے، واللہ اعلم ۱۲

سوال:۔ علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، کہ اگر کوئی شخص اس خیال سے یا رسول اللہ یا یا علی، یا یا بھیکہ وغیرہ بار بار کہے، کہ ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنے علم طبعی جزئی کے لحاظ سے میرے حال کی خبر ہوتی ہو اور یہ

رابر حال من خبر شود ممکن است، واگرنہ شود این ہم متصور وعلم ذاتی کلی مرحق سبحانہ راست تعالیٰ شانہ، پس بحصول این گمان گفتن این لفظ جائز است یا نہ و بکدام اعتماد دیگر گفتن این لفظ روا است یا نہ؟

الجواب:۔ باید دانست کہ علم غیب خاصہ حق سبحانہ است کلیہ باشد یا جزئیہ وعلیہ یدل قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو، و لوکنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما ادری ما یفعل بی ولا بکم ان اتبع الا ما یوحی الی وما انا الا نذیر مبین وقصہ عدم علم یعقوب علیہ السلام از حال یوسف علیہ السلام، وقصہ عزیر علیہ السلام وعدم علم او شان از مکث خود واز حمار خود وحیات خود وگرد ونواح خود، وقصہ اصحاب الکہف از عدم علم مدت خواب، وقصہ قذف عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، وعدم علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطہارت او شان مگر بعد مدت دراز نزول وحی وقصہ عدم استطاعت جواب سائلان حقیقت روح واصحاب الکہف وذی القرنین و انقطاع وحی تا مدت دراز وغیرہ از قرآن مجید وشان نزول آن ثابت است وآیات بینات ومرویات احادیث وروایات کتب عقائد متقدمین ومتاخرین ازان مملو ومشحون مستند دکافی است

پھی ہو سکتا ہے کہ خبر نہ ہوتی ہو، اور علم ذاتی کلی خداوند تعالیٰ ہی کے لئے جانتا ہو، تو اس گمان پر ایسے الفاظ کہنا جائز ہے یا نہیں، اور یا کسی اور طریقہ سے بھی ایسے الفاظ کہنے جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ جاننا چاہیئے کہ غیب کا علم خواہ جزی ہو یا کلی خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے اور اس پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں "آپ کہہ دیں آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا بلکہ کسی کو بھی مر کر اٹھنے کا بھی علم نہیں ہے"۔ "اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں ان کو صرف وہی جانتا ہے" "اگر میں غیب جانتا ہوتا، تو بہت سی بھلائیاں اکٹھی کر لیتا" "اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، یا تمہارے ساتھ کیا ہوگا میں تو صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں"

یعقوب علیہ السلام کو یوسف کے حال کی خبر نہ ہو سکی، عزیر علیہ السلام اپنے ٹھہرنے کی مدت، گدھے کی کیفیت اور اپنے زندہ ہونے کا حال نہ جان سکے، اصحاب کہف کو اپنے سونے کی مدت کا علم نہ ہو سکا، حضرت عائشہ صدیقہ کی برأت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی نازل ہونے سے پہلے معلوم نہ ہو سکی، روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرنے والوں کو وحی نازل ہونے تک آپ جواب نہ دے سکے، یہ سب واقعات قرآن مجید میں ہیں اور احادیث

گاہے او سبحانہ تعالٰے ہر کرا از مقربان درگاہ خود از انبیا علیہم السلام بوحی والہام وازاولیا بکشف والہام بر بعضے امور غیبیہ اطلاع دہد معلوم می شود، ولیکن از اعلام اللہ تعالٰے این غیب من حیث الغیب غیب نہ می ماند زیرا کہ غیب نام چیزے است، کہ از ادراک حواس ظاہرہ و باطنہ غائب باشد نہ حاضر تا بمشاہدہ ووجدان دریافت شود واسباب وعلامات آن نیز در نظر وعقل وفکر آن در نیاید تا ببداہت واستدلال دریافتہ شود واین غیب مختلف می باشد وپیش کور مادرزاد عالم الوان غیب است، وعالم اصوات ونغمات والحان شہادت وپیش عنین لذت جماع غیب است وپیش فرشتہ الم گرسنگی وتشنگی غیب است ودوزخ وبہشت شہادت، ولہذا این قسم غیب را غیب اضافی گویند، وآنچہ نسبت بہمہ مخلوق غائب است مطلق مثل وقت آمدن قیامت واحکام کونیہ وشرعیہ باری تعالٰے در ہر روز، ودر ہر شریعت ومثل حقائق ذات وصفات او تعالٰے علی سبیل التفصیل واین قسم را غیب خاص او تعالٰے می نامند فلا یظہر علی غیبہ احدا الی اٰخر ما فی التفاسیر من العزیزی وغیرہ

وا ثبات حصول علم غیب جزئی مرایشان را ہمان مثل راست آمد قد فر من المطر ووقف تحت المیزاب زیرا کہ این ہم در افراد علم غیب داخل است پس علم غیب کلیہ جزئیہ خاصہ حق سبحانہ تعالٰی باشد، چنانچہ احیاء واماتت خاصہ او تعالٰے است نہ اینکہ

---

اور متقدمین کی کتب اس مضمون سے بھری پڑی ہیں، ہاں اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو کچھ بتادیں، تو اس کو علم ہو جاتا ہے، لیکن پھر وہ غیب بہ حیثیت غیب [illegible] نہیں رہ جاتا کیونکہ غیب تو وہ ہے، جو حواس ظاہری اور باطنی سے غائب ہو، ورنہ آدمی وجدان اور استدلال سے کئی باتیں معلوم کر لیتا ہے

اور پھر غیب بھی مختلف ہیں، مادرزاد اندھے کے لئے رنگوں کی دنیا غیب ہے، اور راگ اور نغمے کی دنیا حاضر، بہرے کے لئے آوازوں کی دنیا غیب ہے اور رنگوں کی حاضر، نامرد آدمی سے لذت جماع غیب ہے، اور فرشتہ کے لئے بھوک پیاس غیب ہے اور جنت، دوزخ حاضر علی ہذا القیاس، اس غیب کو غیب اضافی کہتے ہیں، اور جو تمام مخلوقات سے غیب ہے، مثلاً قیامت کے آنے کا وقت، اور خدا تعالیٰ کے احکام کونیہ جو روزانہ نازل ہوتے رہتے ہیں، یا خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کا تفصیلی علم یہ حقیقی غیب ہے اور یہ صرف خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے

اور بزرگان دین کے لئے غیب جزئی ثابت کرنا، تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے جا کھڑا ہو، یہ غیب بھی خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے، اس کو یوں سمجھو کہ مارنا اور زندہ کرنا خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے تو کوئی یوں کہہ سکتا ہے کہ کلی طور پر مارنا اور زندہ کرنا تو خدا کا خاصہ ہے، لیکن جزوی طور پر دوسرے بھی زندہ کرتے اور مارتے ہیں

احیاء واماتت کلیہ برائے او تعالٰی باشد، و بعض جزئی را دیگرے ہم زندہ و ہم مردہ می تواند کرد وہو باطل اجماعاً و قطعاً، واگر گوئی ما طبعی می گوئیم نہ ذاتی شاید وقتے کہ یا مدار ویا سالار ویا بھیکھ بگوئیم حق سبحانہ و تعالٰی بکشف یا الہام اوشان خبر کردہ باشد، ولا محذور فیہ

گوئیم کہ غیب بودن این امر یقینی است، و در گمان حصول علم بکشف یا الہام وغیرہا این امر ظنی و شکی می شود و شک نیست کہ شک بالیقین معارض نگردد معہذا حصول این علم از خرق عادات و کرامات است و بنائے کدام حکم شرعی بر ظن خرق عادات مبنی نمی شود و الا بظن خرق عادت رد الشمس من جانب الغروب احکام نماز و سنین و سال و حج و زکوۃ وغیرہ ہمہ درہم برہم می شود، شاید از کدامے ولی این خرق عادت صادر شود و آفتاب را بگرداند، دو چہار ساعت یا یک دو روز یا یک سال یا دو سال یا صد سال ہموں طور بر آسمان استادہ دارد، پس نماز ظہر و عصر ہموں وقت ادا خواہم کرد، و بظن کرامت زندہ شدن موتے و احکام میراث و عدت و سوگ وغیرہ ہمہ مختل می شوند و علیٰ ہذا القیاس جمیع خرق عادات لہذا بنائے احکام بر امور عادت نہادہ اند نہ بر ظن خرق عادت، لیکن در جائے ظہور خرق عادت یقینی البتہ احکام یافتہ می شوند، چنانکہ در ایام دجال بطوالت ایام احکام نماز وغیرہ یافتہ می شوند، و جائے نہ فرمودہ اند کہ اگر گمان باز زندہ شدن کسے را پیدا شود، مال او را تقسیم کنند یا نہ کنند، و در بیت المال داخل نہ کنند، و بگمان طی ارض قصر کنند و بمکاشفہ صحیحہ دعوے دروغ

---

لہذا اگر یہ کہا جائے کہ ہم طبعی علم کے متعلق کہتے ہیں، نہ کہ ذاتی علم کے متعلق کیونکہ ہو سکتا ہے، کہ جب ہم ان کو پکاریں، تو اللہ تعالیٰ ان کو کشف یا الہام کی بنا پر مطلع کر دیتے ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے، کہ اس کا غیب ہونا تو یقینی ہے، اور حصول علم ظنی، اور ظن یقین کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور پھر ایسا علم ہو جانا بھی تو خرق عادت یا کرامت کے طور پر ہوگا، اور شریعت کے کون سے حکم کی بنیاد کرامت یا خرق عادت پر رکھی گئی ہے، ہو سکتا ہے، کہ کسی ولی کی کرامت سے سورج دوبارہ مغرب سے طلوع ہو جائے یا ایک ہی جگہ پر گھنٹہ دو گھنٹہ، ایک دن یا ایک سال ٹھہرا رہے، کیا اس بنا پر اپنی نمازیں قضا کرو گے، کہ چلو اس وقت پڑھ لیں گے، علیٰ ہذا القیاس تمام خرق عادات کا یہی حال ہے، ہاں اگر یقینی طور پر کوئی چیز ہونے والی ہو، تو شریعت اس کے متعلق اپنے حکم نافذ کرتی ہے، جیسا کہ دجال کے وقت دنوں کا لمبا ہو جانا، تو اس کے متعلق نمازوں کی کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کر دی ہے، ہو سکتا ہے کہ کسی ولی کی کرامت سے مردہ سال بعد یا سو سال بعد زندہ ہو جائے، تو کیا اس خیال پر اس کا ورثہ تقسیم نہ کرو گے؟ اس کی عورت دوسرا نکاح نہ

باوجود شاہدین البطال دعوے کنند پس وقتے کہ بمکاشفہ یقینیہ وصحیحہ ابطال مدعی باوجود شاہدین وتکفیر وقتل منافق واخذ حق خود بمکاشفہ بلا دلیل ورجم زانی وزانیہ بلا شہود ثابت نمی شود، پس درصورت ظن مکاشفہ حکم بغیب نانی اوشان کہ خصوصیت بذات مقدس دارد، چہ گونہ اثبات می کنند، پس کسانیکہ ہمیں عقیدہ می دارند، باید کہ بگمان زندہ شدن مردہ مال اورا تقسیم نہ کنند، چرا کہ این گمان درحق ہر مردہ جاری میشود، کہ بکرامت کدام ولی بعد دوروز یا سہ روز یا بعد سال یا صد سال باز زندہ شود، واحکام عدت وغیرہ ہمہ را ترک دہند دیگمارند حصول علم لدنی در تحصیل علم ایمان واسلام واحکام باز مانند، چرا کہ این ہم بکرامت کدام ولی در حق ہر کس ممکن باشد، بنائے اعتقاد این عقیدہ فاسدہ بالحاد وزندقہ می کشد عیاذا باللہ سبحانہ من ذلک آری اگر باعتبار محبت بے ارادہ اثبات علم غیب یا دشان کدام وقت یا رسول اللہ ویا غوث الاعظم وغیرہما برآید جائز خواہد بود فقط وبار بار بطور تکرار وورد وذکر اسم اوشان کہ علم باشد یا بمنزلہ علم مواظبت نمودن شرک است وہکذا فی التفسیر العزیزی۔

وجا بجا در قرآن مجید یدعون من دون اللہ ویدعون من دونہ فرمودہ اند دران شرک وکفر ووعید خلود نار را اثبات نمودہ نصوص صریحہ ہستند، کہ تاویل دران جہل مرکب است، بل تحریف وتبدیل کلام الٰہی است، یک دو آیت بطور مشتے نمونہ از خروارے ذکر کردہ می شود قال اللہ تعالی ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظلمین وایضا قال اللہ تعالی قل لا املک لنفسی نفعا و

---

کرے گی؟ ذہن کے لپیٹے جانے کے خیال سے نماز قصر کر لو گے؟ کسی کشف کی بنا پر مدعی کا صحیح دعوے گواہان عادل کی موجودگی میں رد کر دو گے؟ کشف کی وجہ سے کسی منافق کو قتل کر دو گے؟ بغیر گواہوں کے کشف کی بنا پر زانی مرد وعورت کو سنگسار کر لو گے؟ آخر کشف وکرامت کی بنا پر آپ کیا کر لیں گے؟ ایسے عقیدے کا نتیجہ سوائے کفر والحاد اور زندقہ کے اور کیا ہوگا؟ خدا کی پناہ!

ہاں اگر کبھی غلبہ محبت کی بنا پر یا رسول اللہ، یا، یا غوث الاعظم زبان سے نکل جائے تو یہ جائز ہے لیکن بار بار اس کو تکرار کرنا، اور اس کا وظیفہ کرنا جائز نہیں ہے، شرک ہے، قرآن مجید میں جا بجا یدعون من دون اللہ اور یدعون من دونہ فرمایا گیا ہے، اور اس پر کفر وشرک کا فتوی اور خلود نار کی وعید سنائی گئی ہے ایسی صریح آیات کی تاویل کرنا جہل مرکب ہے، بلکہ قرآن مجید میں تحریف کے قائم مقام ہے اللہ تعالی فرماتا ہے اللہ کے سوا ان کو مت پکا

پس زید اس انکار سے گنہ گار کیسا بلکہ مستحق اجر عظیم اور ثواب نعیم کا ہوگا، اور جو لوگ ان کلمات شرکیہ مذکورہ کو حق جانتے ہیں، اور اس عقیدہ شرکیہ کفریہ پر ہیں سراسر مخالف قرآن اور حدیث کے ہیں، اور مثل بت پرستوں کے عبد القادر پرست ہیں، بندہ کو خدا اعتقاد کرتے ہیں، العیاذ باللہ بلکہ اس واحد و قہار و قیوم و جبار کو بندہ کے آگے مجبور جانتے ہیں ایسے عقیدہ والے قطعی کافر اور مشرک ہیں، اگر کوئی ابتدائے تمیز سے اس عقیدہ پر ہے، تو پرانا کافر ہے، جب تک اس کفریہ عقیدہ سے توبہ نہ کرے، اور تجدید اسلام کلمہ شہادۃ سے نہ کرے، مسلمان نہیں

قال اللہ تعالیٰ[1] انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماوٰہ النار وما للظالمین من انصار۔ اگر کسی مسلمان کے گناہوں سے ساری زمین لبریز ہو، اور شرک نہ ہو تو حق جل جلالہ اپنی رحمت سے اس کے بخشنے کا وعدہ فرماتا ہے، مگر شرک کافر ہرگز نہ بخشا جائیگا ان[2] اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلالا بعیدا۔ اور جو لوگ اول عقیدہ توحید کا رکھتے تھے، اور بعد میں اس شرکیہ عقیدہ پر ہو گئے ہیں، تو ان کے پہلے نیک عمل سب برباد گئے، اگر اسی کفر پر مر جائیں تو بموجب فرمان واجب الاذعان الٰہی کے وہ دوزخی ہیں، جیسا کہ فرماتا ہے۔ ومن[3] یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ واولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔

اور جو سوال آخر میں درج ہے، کہ قیامت میں عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ زمین کو لیاں بھر کر جنت میں ڈالیں گے، یہ صحیح ہے یا غلط، معاذ اللہ کس قدر باطل اور دروغ اور کذب یہ اہل بدعت کا عقیدہ ہے، یہ سراسر غلط اور افتراء ہے۔ نعوذ باللہ من شر الکاذبین المبتدعین الباطلین الطاغین الفاسقین۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فاعتبروا یا اولی

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے اللہ نے اس کے لئے جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانہ آگ ہے، اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے ۱۲

[2] اللہ تعالیٰ کسی آدمی کو شرک معاف نہیں کرے گا، اور اس کے علاوہ دوسرے گناہ جس کو چاہے بخش دے، اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرے، وہ بہت گہری گمراہی میں مبتلا ہے ۱۲

[3] جو آدمی بھی تم میں سے اپنا دین چھوڑ کر کفر کی حالت میں مر جائے، تو ان لوگوں کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں برباد ہو جائیں گے، اور یہی لوگ جہنم والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۱۲

الالباب۔ حررہ فقیر محمد حسین | فقیر محمد حسین دہلوی | یقال لہ ابراہیم

| سید محمد عبدالسلام غفرلہ | سید محمد ابوالحسن | امیدوار شفاعۃ محمد عبدالقادر |

الجواب صحیح الجواب صحیح الجواب صحیح

| محمد عبید اللہ | سید معتصم باللہ حنفی | محمد عبدالحق | محمد عبدالحکیم عفی عنہ |

کرامات مذکورہ بے اصل ہیں۔ ان کے اعتقاد سے احتراز چاہیئے | محمد حسن عفی عنہ |

کرامت مذکورہ کا معتقد مخالف قرآن وحدیث کا ہے، ایسے اعتقاد سے پرہیز لازم ہے

جواب مجیب کا اور مواہیر و دستخط صحیح ہیں۔ | محمد مسعود نقشبندی |

| حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ | جواب صحیح ہے | تلطف حسین |

| سید محمد نذیر حسین |

**سوال:۔** جو کوئی حاکم حقیقی پروردگار کو کہ ہر بات سنتا ہے، اور ہر چیز سے خبر رکھتا ہے، ساتھ حاکم مجازی دنیا کے بایں معنی تشبیہ دیوے، کہ جیسے حاکم دنیاوی سے کسی چیز کو مانگنا، اور ان سے داد چاہنا، اور استعانت کرنا بغیر وسیلہ کے نہیں ہوسکتا ہے، ویسا ہی خداوند تعالیٰ سے کہ دربار اس کا سب درباروں سے عالی ہے، بغیر وسائل کے حاجت روائی نہیں ہوسکتی ہے اور بغیر وسیلہ کے اللہ کسی کی بات نہیں سنتا ہے، پس واسطے اس شخص کے از روئے شرع شریف کے کیا حکم ہونا چاہیئے؟

**الجواب:۔** یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں توسل اولیاء واموات کی حاجت نہیں، بلا وسیلہ وہ سنتا ہے، کیونکہ حق سبحانہ خود فرماتا ہے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید[1] واسروا قولکم او اجہروا بہ انہ علیم بذات الصدور۔ وغیرہا من الآیات الکریمۃ حدیث شریف میں وارد ہے عن[2] ابن عباس قال کنت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فقال یا غلام احفظ اللہ یحفظک احفظ اللہ تجدہ تجاہک واذا سألت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ رواہ احمد والترمذی کذا فی المشکوۃ۔ ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں قولہ اذا سألت فاسئل اللہ ای

[1] ہم اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں، اور فرمایا تم بات آہستہ کرو یا ظاہر کرو، وہ سینے کی باتیں بھی جانتا ہے ۱۲ [2] ابن عباس کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر تھا، آپ نے فرمایا، بیٹا اللہ کا خیال رکھنا اللہ بھی تیرا خیال رکھے گا، اور جب مانگے تو اللہ سے مانگ، اور مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے طلب کر ۱۲

فاسئلہ[1] وحدہ لان خزائن العطایا عندہ ومفاتیح المواهب والمزایا بیدہ و کل نعمۃ اونقمۃ دنیویۃ واخرویۃ فانہا تصل الی العبد او تندفع عنہ برحمتہ من غیر شائبۃ غرض وعلۃ لانہ الجواد المطلق والغنی الذی لا یفتقر فینبغی ان لا یرجی الا رحمتہ ولا یخشی الا نقمتہ ویلتجی عظائم المهام الیہ ویعتمد فی جمهور الامور علیہ ولا یسأل غیرہ لان غیرہ غیر قادر علی العطایا والمنع والنفع والضرر وجلب النفع فانہم لا یملکون لانفسہم نفعا ولا ضرا ولا یملکون موتا ولا حیاۃ ولا نشورا۔ انتہی ما فی المرقات لملا علی القاری، قال ربکم ادعونی استجب لکم الآیۃ، کیا رحمت کاملہ اس ارحم الراحمین کی ہے، کہ طلب دعا کے واسطے بصیغہ امر تاکید ارشاد فرماتا ہے،

عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدعاء هو العبادۃ وفی روایۃ اخری الدعاء مخ العبادۃ ثم قرء قال ربکم ادعونی استجب لکم رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ[2]

در عدم ما مستحقان کے بدیم      کہ برین جان وبدین دانش شدیم
ما نبودیم وتقاضا ما نہ بود      لطف تو ناگفتہ ما می شنود

عن[3] ابی هریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ینزل ربنا تبارک وتعالی کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر یقول من یدعونی فاستجیب لہ من یسئلنی فاعطیہ من یستغفرنی فاغفر لہ کما رواہ البخاری وغیرہ من

---

[1] صرف ایک اللہ سے مانگ، کیونکہ تمام خزانے اسی کے پاس ہیں، تمام دنیاوی اور اخروی نعمتیں اسی کے قبضہ میں ہیں، وہ بغیر کسی لالچ کے بندہ پر احسان کرتا ہے، اور اس کی تکلیفیں دور کرتا ہے، سو اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے، اور اسی سے توقع رکھنی چاہیئے، اور تمام کام اسی کے سپرد کرنے چاہئیں، اور اس کے علاوہ اور کسی سے کوئی توقع نہ رکھنی چاہیئے، کہ کسی کے پاس کوئی بھی اختیار نہیں ہے، نہ کوئی دے سکتا ہے، نہ لے سکتا ہے، بلکہ کوئی بھی اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں ۱۲

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" دعا ہی عبادت ہے" اور فرمایا" پکارنا عبادت کا مغز ہے" پھر آپ نے یہ آیت پڑھی" مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا" ۱۲    [3] اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات پچھلے تیسرے حصہ میں آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرماتے ہیں، اور کہتے ہیں کون مجھے پکارتا ہے، کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں کون مجھ سے مانگتا ہے، کہ میں اس کو دوں کون گناہوں کی معافی چاہتا ہے، کہ میں اس کو بخشوں ۱۲

المحدثین یعنی بخوانید مرا دازین خواہید کہ خزانہ عامرہ رحمت من مالامال است وکرم من بخشندہ آمال، کدام گدائے دست نیاز پیش آوردہ کہ نقد مراد برکف امیدش نہ نہادم وکدام محتاج زبان سوال کشادہ، کہ رقعہ حاجتش را بتوقیع اجابت موشح نساختم اے غافلان مردہ دلان بشنوید[1]

بآستان ارادت کہ سرنہاد شبے کہ لطف دوست بروئش ہزار در نکشاد

اور حدیث شریف میں وارد ہے، کہ جو کوئی دعا واستعانت وسوال اللہ جل شانہ کی جناب میں نہیں کرتا، تو اللہ کریم ورحیم اس سے ناخوش ہوتا ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یسأل اللہ یغضب علیہ رواہ الترمذی۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس شیء اکرم علی اللہ من الدعاء رواہ الترمذی ۔

یحبھم ویحبونہ چہ اقرار است بزیر پردہ نگر خویش را خریدار است

ارباب شریعت پر مخفی نہیں، کہ بندوں کی طاعت وسیلہ ہے ظاہر میں نجات کا یعنی امتثال اوامر واجتناب نواہی وسیلہ ہے ظاہر میں، اور باطن میں نظر اور پر رافت کاملہ اور رحمت شاملہ کے چاہیئے۔ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ من فعل الطاعات وترک السیئات کذا فی المدارک وغیرہ من التفاسیر وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون الایۃ[2]

| | |
|---|---|
| این طلب ما بے طلب تو دادۂ | گنج احسان برہمہ بکشادۂ |
| این طلب درما ہم از ایجاد تست | رستن از بیداد یا رب داد تست |
| این قدر ارشاد تو بخشیدۂ | تا بدین بس عیب ما پوشیدۂ |
| قطرۂ دانش کہ بخشیدی زپیش! | متصل گردان بدریاہائے خویش |

کتب[3] ربکم علی نفسہ الرحمۃ انہ من عمل منکم سوءا بجھالۃ ثم تاب من بعدہ واصلح فانہ غفور رحیم ۔

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ سے نہ مانگے، اللہ اس پر ناراض ہو جاتا ہے اور فرمایا دعا سے بڑھ کر خدا کے نزدیک کوئی چیز بھی معزز نہیں ہے ۱۲ [2] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور برائیاں چھوڑ کر اور نیکی کر کے اس تک پہنچنے کا کوئی وسیلہ جاؤ ۱۲ [3] مقرر کیا ہے تمہارے رب نے اپنے آپ پر مہربانی کرنی بے شک جو تم سے جہالت کی وجہ سے برے کام کرے، پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے، تو بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے ۱۲

دردمندان گنہ را روز و شب — شربتے بہتر ز استغفار نیست
آرزومندان وصل یار را — چارہ غیر از نالہائے زار نیست

قال[1] اللہ تعالیٰ ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا مباشید مانند آنانکہ گفتند شنیدیم مانند اہل کتاب یا منافقان وھم لا یسمعون وحالانکہ ایشان نمی شنوند شنیدنی کہ ازان نفع گیرند پس گویا کہ نمی شنوید ۔

گفتی کہ می شنوم ہرچہ گفتی سعدی — چہ شد کہ می شنوی چون سخن نمی شنوی

قال[2] اللہ تعالیٰ انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون الآیۃ چہ ہر کسے کہ در سطوت غلبہ نورانیت حق مضمحل و مقہور شد او را پروائے ماسوی اللہ نمی ماند ۔

ہر کہ او در بحر مستغرق شود — فارغ از کشتی و از زورق شود
غرقہ دریا بجز دریا ندید — غیر دریا ہست بروے ناپدید
تو ز روزی دہ بروزی و اماں — از سبب بگذر مسبب بین عیاں
از سبب می رسد ہر خیر و شر — نیست ز اسباب و سائط اے پسر
اصل بیند دیدہ چون اکمل بود — فرع بیند دیدہ چون احول بود

تفسیر[3] بیضاوی میں تحت آیت کریمہ ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غافلون لانھم اما جماد واما عباد مسخرون مشتغلون باحوالھم انتہی کلام قاضی البیضاوی ۔ واضح ہو صاحبان دانش پر کہ کفار بھی معبودان باطلہ کو برابر خدا تعالیٰ کے کسی طرح کی قدرت میں نہیں جانتے تھے ۔ بلکہ بمجرد تشبیہ تحقیق ان سے حاجت روائی چاہتے تھے ۔ سو اللہ تعالیٰ نے

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ ، جو منہ سے کہتے ہیں ، کہ ہم نے سنا ، اور وہ حقیقت میں نہیں سنتے ۔ یعنی ایسا سننا جس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو ۱۲ [2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، مومن وہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے ، تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں ، اور جب ان پر خدا کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں ۱۲ [3] تفسیر بیضاوی میں اس آیت ؎ اور کون آدمی اس سے گمراہ تر ہے ، جو اللہ کے سوا کسی اور کو پکارے ، جو قیامت تک اس کو جواب نہ دے سکے ، اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں کے تحت لکھا ہے ، کہ یا تو وہ جمادات ہیں ، یا بندے ہیں ، جو اپنے حال میں مشغول ہیں ۱۲

ان کو اس تشبیہ مجرد پر مشرک فرمایا جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں تحت آیت فلا تجعلوا للہ اندادا وانتم تعلمون کے مذکور ہے تسمیۃ ما یعبدہ المشرکون دون اللہ اندادا وما زعموا انہا تساویہ فی ذاتہ وصفاتہ ولا انہا تخالفہ فی افعالہ لانہم لما ترکوا عبادتہ الی عبادتہا سموہا الہۃ شابہت حالہم حال من یعتقد انہا ذوات واجبۃ بالذات قادرۃ علی ان تدفع عنہم باس اللہ وتمنعہم مالم یرد اللہ بہم الی اخر ما فی البیضاوی۔

اور چلہ کرنا قبروں کے پاس اس نیت سے کہ بسبب مجاورت اہل قبور کے حاجت روائی ہماری ہو جاوے گی، اور اس لئے لوگ مقبرہ بزرگان میں بامید استعانت چلہ کرتے ہیں تو اس طرح کے چلہ اور عکوف اصنام میں کہ عادت کفار کی تھی کچھ فرق نہیں، دونوں برابر ہیں کیونکہ چلہ عبارت اسی سے ہے کہ کسی بزرگ کی قبر پر اقامت اور مجاورت و بود و باش رات دن کا اختیار کرنا چند روزہ، اور یہی معنی عکوف کے ہیں، تو یہ چلہ نوع شرک ہے، کہ امید نفع وضر کا اپنی حاجت براری کے لئے اعتقاد کر کے چلہ بیٹھتے ہیں قبروں کے پاس اور اسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے الزام دیا اپنی قوم کو، عکوف بر چیزے مقیم بودن وروآوردن صلہ بعلی قولہ تعالی یعکفون علی اصنام لہم ویقال فلان عکف علی فرجہ حرام و گرد چیزے برگشتن عکف الجوہر فی النظم کذا فی الصراح۔ الاعتکاف والعکوف الاقامۃ علی الشیء و بالمکان ولزومہا کذا فی مجمع البحار للشیخ العلامۃ ابن طاہر الفتنی قال اللہ تعالی[2] ماہذہ التماثیل التی انتم لہا عاکفون۔ ترجمہ شاہ ولی اللہ والد شاہ عبد العزیز قدس سرہما۔ چیست این صورتہا کہ شما بر آن مجاورت دارید انتہی ما فی فتح الرحمن۔ ترجمہ شاہ عبد القادر برادر شاہ عبد العزیز قدس سرہما، یہ کیا مورتیں ہیں جن پر تم لگے بیٹھے ہو، موضح القرآن

---

[1] تفسیر بیضاوی میں تحت آیت "فلا تجعلوا للہ اندادا وانتم تعلمون" کے تحت لکھا ہے، کہ مشرکوں کے معبودوں کو انداد (برابر) فرمایا ہے، حالانکہ مشرکین کا یہ عقیدہ نہیں تھا، کہ وہ صفات واحوال میں خدا کے برابر ہیں، لیکن چونکہ وہ خدا کی عبادت چھوڑ کر ان کی عبادت میں مشغول ہو گئے تھے، تو گویا ان کی حالت اس آدمی جیسی ہوئی، جو یہ عقیدہ رکھے، کہ وہ ذوات واجب بالذات ہیں، اور خدا کا عذاب روکنے اور خدا کی بند کی ہوئی نعمتوں کو عطا کر دینے کی قدرت رکھتے ہیں ۱۲ [2] اعتکاف کا معنی ہے بیٹھنا، کسی جگہ کو لازم پکڑ لینا اللہ تعالی نے فرمایا، یہ کیا مورتیاں ہیں جن پر تم دھرنا مار کر بیٹھے ہو ۱۲

ان العلة التی نهی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاجلها عن الصلوٰة عند القبور انما هو لئلا یتخذ ذریعة الی نوع من الشرک بالعکوف علیها وتعلق القلوب بها رغبة ورهبة ومن المعلوم ان المضطر فی الدعاء الذی قد نزلت به نازلة فیدعو لاستجلاب خیر کالاستسقاء او لدفع شر کالاستنصار فی حالة فی افتتانه بالقبور اذا رجاء الاجابة عندها اعظم من حال من یؤدی الفرض عندها فی حالة العافیة فان اکثر المصلین فی حالة العافیة لا تکاد تفتتن قلوبهم بذلک الا قلیلا اما الداعون المضطرون ففتنتهم بذلک عظیمة جدا فاذا کانت المفسدة والفتنة التی لاجلها نهی عن الصلوٰة مخففة فی هؤلاء کان نهیهم عن ذلک اوکد وهذا واضح لمن فقه فی دین اللہ وتبین له ما جاءت به الحنیفیة فی الدین الخالص للہ وعلم السنة امام المتقین فی تجرید التوحید ونفی الشرک بکل طریق فلا یخلو اما ان یکون الدعاء عند القبور افضل منه فی غیر ذلک البقعة او لا یکون فان کان الافضل لم یجز ان یخفی علم هذا عن الصحابة والتابعین وتابعیهم فتکون القرون الثلثة الفاضلة جاهلة بهذا الفضل العظیم وتعلمه من بعدهم ولم یجز ان یعلموا ما فیه من الفضل ویزیدوا فیه مع حرصهم علی کل خیر لا سیما الدعاء وهم یعلمون فضل الدعاء عند القبور ثم لا یقصدونه هذا محال طبعا وشرعا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے پاس نماز پڑھنے سے روکا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قبر پر بیٹھنے سے شرک کا ایک اور ذریعہ پیدا ہو جائے، اور ان کے دلوں میں ڈر اور امید کا تعلق نہ پیدا ہو، اور یہ تو واضح بات ہے کہ مصیبت زدہ آدمی بہ نسبت عافیت والے کے جلدی فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور دعا کرنے والے عموما بے قرار اور مصیبت زدہ ہی ہوتے ہیں، تو اس خطرہ سے قبر کے پاس دعا و نماز سے روک دیا گیا، کہ مبادا قبروں سے لوگ مرادیں نہ مانگنے لگیں، اب قابل غور یہ امر ہے، کہ جب اس فتنہ سے بچانے کے لئے اس نماز و دعا سے بھی روک دیا گیا ہے، جو خدا کے سامنے ہو تو صاحب قبر سے دعا مانگنے کی نہی تو اس سے بھی زیادہ مؤکد ہو گی۔

پھر یہ بھی سوچیں، کہ دعا کے لئے سب سے بہتر جگہ قبر ہے یا کوئی اور؟ اگر قبر سب سے افضل ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ اور تابعین اور دوسرے ائمہ ہدیٰ اس سے بے خبر تھے، کیونکہ کسی نے بھی قبر کے پاس جا کر کبھی دعا نہ کی، اور یہ ناممکن ہے، کہ ایک چیز بہتر ہو اور اس کا پتہ ان لوگوں کو نہ ہو، اور اگر کوئی اور جگہ

وان لم یکن الدعاء عندها افضل کان قصد الدعاء عندها ضلالة ومعصیة کما لو تحری الدعاء وقصدها عند سائر البقاع التی لا فضیلة للدعاء عندها وهذا الدلیل قد دل علیه کتاب اللہ فی غیر موضع مثل قوله تعالیٰ ام لهم شرکاء شرعوا لهم من الدین مالم یاذن به اللہ فاذا لم یشرع اللہ استحباب الدعاء عند المقابر ولا وجوبه فمن شرعه فقد شرع من الدین مالم یاذن اللہ وقال اللہ تعالیٰ انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ مالم ینزل به سلطانا وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون وهذه العبادة عند المقابر نوع من ان نشرک باللہ ما لم ینزل به علیکم سلطانا لان اللہ لم ینزل حجة یتضمن استحباب قصد الدعاء عند القبور وفضله علی غیره ومن جعل ذلک دین اللہ فقد قال علی اللہ ما لم یعلم ثم اصحاب ابی حنیفة رح الذین ادرکوه مثل ابی یوسف ومحمد وزفر والحسن بن زیاد وطبقتهم لم یکونوا یتحرون الدعاء لا عند قبر ابی حنیفة رح ولا غیره انتهی ما فی الصراط المستقیم شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم وهکذا فی صواعق الالهیة لعلامة القنوجی محمد بشیر الدین رحمة اللہ علیه

طالب الحسنیین سید محمد نذیر حسین | از شرف سید الکونین شد شریف حسین

الجواب صحیح وخلافه قبیح | محمد عبد الحلیم | محمد حفیظ اللہ

محمد یوسف

جواب مجیب صحیح ہے، جو اس پر بھی نہ سمجھے تو جہل سے
خدا نے مہر ہے دل پر لگائی

محمد غلام اکبر خان سنی حنفی

ہست منصور علی اذا احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم، محمد حسن قادری وغفوری

محمد صدیق

---

بہتر ہے، مثلاً مسجد وغیرہ تو پھر دعا اور نماز اس جگہ ہونی چاہیئے، نہ کہ قبر کے پاس، یہ دین میں ایسی ایجاد ہے، جس کی اللہ نے اجازت نہیں فرمائی، پھر امام ابو حنیفہ رح کے تمام شاگردوں میں سے کسی ایک نے بھی امام ابو حنیفہ رح کی قبر کے پاس جا کر دعا نہ کی ۱۲۔

**سوال:** ۔ قبر میں منکر نکیر کے سوال کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مردے کے پاس تشریف لانا ثابت ہے یا نہیں؟ اور در صورتیکہ ثابت نہ ہو، تو جو شخص ایسا اعتقاد رکھے، از روئے شریعت کے اس پر کیا حکم ہوگا؟

**الجواب:** ۔ وقت سوال منکر نکیر کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا کسی حدیث یا آثار سے ثابت نہیں، اور اعتقاد رکھنے والا اس کا گمراہ ہے ۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق

**سوال:** ۔ ما قولهم رحمهم اللہ اندریں صورت کہ بعضے کسان بعد صلوٰۃ مغرب یازدہ قدم بطرف عراق میروند، برائے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ و می گویند کہ ایں عمل فرمودہ آں جناب است و معمول بہ است در طریقہ قادریہ چہ حکم است، فاعل آں مرتکب صغیرہ است یا کبیرہ یا کفر یا مستحب یا مباح ۔

**الجواب:** ۔ باید دانست کہ فضائل و کمالات حضرت شیخ محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی و مناقب و مفاخر ایشاں مثل آفتاب است و کمالات و کرامات ایشاں بحد تواتر رسیدہ، تا آنکہ گفتہ اند ما بلغ مبلغہ احد من شیوخ الآفاق در علم و عمل و زہد و تقوےٰ و حقائق و معارف اکمل کاملین و مقبول بارگاہ رب العالمین بودند عظمت و جلالت مرتبہ ایشاں بنا برآں است کہ در اتباع سنت و تمسک بکتاب اللہ و رسولہ و تثبت فیما شرع اللہ و رسولہ و اقتفائے سیرت و اعمال صحابہ عظام و توقی

---

سوال: بعض آدمی مغرب کی نماز کے بعد شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی حضوری کی نیت سے عراق کی طرف منہ کر کے گیارہ قدم چلتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طریقے کی خود تعلیم فرمائی ہے، اور طریقہ قادریہ میں اس پر عمل کیا جاتا ہے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ ایسا کرنے والا گناہ صغیرہ کا مرتکب ہے یا کبیرہ کا، یا یہ فعل کفر ہے یا مستحب یا مباح؟

الجواب: حضرت شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و کمالات بے حد و بے حساب ہیں ان کی کرامات حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، یہاں تک کہ مشائخ کا اس پر اجماع ہے، کہ جس مقام پر حضرت شیخ پہنچے ہیں، مشائخ میں سے کوئی بھی اس مقام تک نہیں پہنچا، یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان کو یہ کمال اس لئے عطا ہوا، کہ وہ انتہا درجہ کے متبع سنت تھے، بدعات سے بے حد نفور تھے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور سیرت صحابہ و تابعین سے تمسک کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے تھے، عبادات میں اخلاص اور

نام از محدثات امور و توکل و اعتماد در جمیع احوال بر خدائے جل شانہ و اخلاص کامل در طاعات استقامت تمام داشتند، پس امرے کہ خلاف این امور قولاً یا فعلاً از آنجناب مروی و منقول شود آن را مسلم نباید داشت، کہ از اکابر دین این چنین نباید مثل آنکہ از آنجناب روایت کردہ اند کہ ہر کہ بعد نماز مغرب یازدہ قدم جانب عراق بہ تعظیم تمام حرکت کند و روئے توجہ بدان طرف آوردہ نام من بر زبان آرد و حاجت خود خواہد حاجت او روا گردد چراکہ این فعل خلاف ماثبت بالکتاب والسنۃ و طریقۃ الخلفاء الراشدین المہدیین است، کہ فرمود در حق آنہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی وہم بر طبق سیرت و عمل دیگرے از اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبودہ کہ در حق آنہا وارد شدہ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم بلکہ از ہیچ یک تابعین و دیگر مشائخ کرام و ائمہ عظام مثل آن منقول و مروی نیست۔

واین کہ عوام این عمل را از اعمال مشائخ می گویند قابل التفات نیست، چہ کسے از مشائخ کرام کہ اہل علم و فقہا و ائمہ دین اند مثل آن تصریح نہ کردہ و قول و فعل بعضے غیر موثوق بہ معمول بہ نتواند شد، اتباع سواد اعظم می باید، واگر ہم چو عمل موجب ثواب و قربت الی اللہ بودے ہر آئینہ سلف کرام بلکہ خود حضرت عبدالقادر جیلانی تقدیم آن سمت مدینہ منورہ اختیار کردندے، زیرا کہ ہیچ یک مزار بر صفحہ زمین بزرگتر از مزار فائض الانوار حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نبودہ و صحابہ رضی اللہ عنہم در محبت و تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نسبت بما مردم

استقامت رکھتے تھے، اگر کوئی ایسا فعل ان کی طرف منسوب کیا جائے، جو سنت کے برخلاف ہو تو اس کو کبھی بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا، مثلاً یہی کہ آنجناب نے فرمایا ہے، کہ جو شخص نماز کے بعد عراق کی طرف گیارہ قدم چلے اور ہر قدم پر میرا نام لے اور اپنی حاجت مانگے، تو اس کی حاجت پوری ہو جائے گی، کیونکہ یہ فعل کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور طریقہ خلفاء راشدین کے خلاف ہے، نہ تو خلفاء راشدین میں سے کسی نے ایسا کیا، اور نہ دوسرے صحابہ سے بلکہ کسی تابعی اور کسی دوسرے مشائخ سے بھی ایسا منقول نہیں ہے، اگر کوئی غیر معتبر آدمی ایسی بات کہہ دے، تو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیے، بلکہ خود حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا نہ کیا اگر ایسا فعل جائز ہوتا، تو بلاشبہ آپ مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے گیارہ قدم چلتے، کیونکہ یہ تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے زیادہ کوئی متبرک مزار نہیں ہے، اور نہ ہی کسی اور نبی کے مزار

غالب تر و در تحصیل ثواب و ابتغاء مرضات اللہ حریص تر بودند۔

الحاصل بعد صلوٰۃ مفروضہ انحراف از قبلہ کردن و تعیین سمت مزار ہیچیک از نبی یا ولی نمودن و قدمے چند بہ ہیئت نماز گزارندگان یا تعظیم کنندگان بآن طرف رفتن و تذلل و خشوع تمام نمودن ہرگز درست نیست، اگرچہ بعضے علماء این فعل را شرک و کفر گفتہ اند، چنانچہ روایات آن مرقوم می شوند، مگر چون حکم کفر بدون جزم این معنی کہ مرتکب این فعل مر آن شخص را، کہ روے التجا بوے آوردہ موثر تام و حاجت روائی مستقل انگاشتہ نہ می تواند شد، لامحالہ این فعل حرام و اثم و گناہ عظیم است۔

فی دافع المبطلین من تصنیف الفاضل الکامل علامۃ الوریٰ افضل المتاخرین ابراھیم بن محمود البلخی الحنفی رحمہ اللہ ما قول ائمۃ الدین رضی اللہ عنہما جمعین اندر آنچہ جماعت عادت خود ساختہ اند بر آن اصرار مے نمایند و ممتنع نہ می شوند و حجت می گیرند کہ در شہر ہائے معظم چنین می کنند ما نیز ہم چنین می کنیم مثل فلان فلان مشائخ و مثل ضرب اقدام نحو عراق بعد صلوٰۃ آیا مجرد این قول حجت می شود، یا نے، و این فعل از حرمت بدر آید یا نہ و ایشان معذور باشند یا نہ

**جواب** : نے "کتبہ محمد بن محمود الکشانی رحمہ اللہ نے" کتبہ ابو المفاخر بن محمود البلخی رحمہ اللہ نے" کتبہ محمد بن طاہر بخاری" نے" کتبہ یوسف بن محمد سمرقندی" نے" کتبہ مظفر بن منصور البلخی" نے" کتبہ محمد بن فخر الدین الحلوائی" نے" کتبہ عبد العزیز بن نجم الدین شیرازی" نے" کتبہ ابراہیم بن اسمٰعیل النیشاپوری" نے" کتبہ محمد بن ابی بکر الہندی" نے" کتبہ علی بن محمد بن قاضی حمید الدین ناگوری۔

ھکذا فی محک الطالبین فی فضل زیارۃ القبور للشیخ محمد سعید القادری المعروف بعبد السلام حسام الدین ابن حبیب العلوی الاموری الجلالی العربی ثم الکوروی رحمۃ اللہ علیہ قال القاضی شہاب الملۃ والدین قد قررنا من

کی طرف آپ نے منہ کیا، تو ایسا کام کرنا ہرگز جائز نہیں بعض علماء نے تو اس کو کفر و شرک کہا ہے، اور بعض علماء نے اس کو گناہ کبیرہ کہا ہے، چنانچہ علامہ ابراہیم بن محمود بلخی حنفی کی کتاب" دافع المبطلین" میں اس کے متعلق ایک فتوی نقل کیا ہے جس پر کئی علماء کے دستخط ہیں، اور ان سب علماء نے اس کو ناجائز کہا ہے۔

اسی طرح محمد سعید قادری معروف بعبد السلام رحمۃ اللہ علیہ نے" محک الطالبین" میں لکھا ہے

قبل ان ضرب الاقدام بعد الصلوٰۃ نحو العراق کفر قائلہ وفاعلہ واقعان فی جریمۃ عظیمۃ ھکذا نقل من تحقیق احکام الفتاوی فی مدارج السالکین شرح منازل السائلین وما افتی علی المشائخ العظام من نحو ضرب الاقدام بعد الصلوٰۃ نحو العراق فھو کفر اولئک الذین یعلم اللہ ما فی قلوبھم فاعرض عنھم وعظھم وقل لھم فی انفسھم قولا بلیغا انھم ما بعدھم عن حقیقۃ الایمان۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم نمقہ العبد المسکین محمد صدر الدین اعطی اللہ کتابہ بیمینہ فی یوم الدین۔

محمد صدر الدین | سید محمد نذیر حسین

قاضی محمد فضل الرحمٰن خان ۱۲۶۱ | محمد بشیر الدین قنوجی | محمد برکت اللہ ۱۲۶۵

سید محبوب علی جعفری | فقیر غلام علی خادم شرع جلی | محمد بن بارک اللہ

**سوال:۔** ضرب الاقدام نحو العراق یعنی یازدہ قدم زدن بسوئے عراق وندا کردن نام ہائے شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بر ہر قدم کہ بعض بعض صوفیہ این زمان است وعند السوال بعضے روایت بہجۃ الاسرار وغیرہ می آرند ملتمس از محققین ومحدثین آنکہ جواز وعدم جواز این فعل مذکور بوجہ تحقیق بیان فرمایند جزاھم اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء۔

**الجواب:۔** درصورت مرقومہ برارباب فطانت واصحاب دیانت مخفی نیست کہ آنچہ در بہجۃ الاسرار جواز ضرب الاقدام منقول است از الحاقات بعض فسقہ مبتدعین باشد برائے اغوائے عوام چہ بسیارے از مفترین مغوین در کتاب ثقات

---

کہ عراق کی طرف نماز کے بعد چند قدم چلنا کفر ہے، اس کا قائل وفاعل بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہے، منزل السائلین کی شرح مدارج السالکین میں بھی اسی طرح فتوی دیا گیا ہے، اور اس کو کفر کہا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت دے، یہ لوگ ایمان کی حقیقت سے کتنے دور جا پڑے ہیں، واللہ اعلم۔

سوال:۔ عراق کی طرف گیارہ قدم چلنا اور ہر قدم پر شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو پکارنا، جیسا کہ اس زمانہ کے بعض صوفیوں میں مروج ہے، اور سوال کرنے پر وہ بہجۃ الاسرار کی ایک عبارت اس کے جواز میں پیش کرتے ہیں، سو علمائے محققین سے گذارش ہے، کہ اس کے جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں بوجہ تحقیق جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب:۔ بہجۃ الاسرار کے حوالے سے جو عبارت نقل کی جاتی ہے، وہ عبارت اصلی نہیں ہے، بلکہ

از طرف خود خرافات درج کردہ، چنانکہ در بعضے تصانیف شیخ اکبر و بعضے تصانیف شیخ عبدالوہاب شعرانی وغیرہ این چنین الحاقات منکرہ یافتہ شد لکنا تیقنا ان بعض الیہود افتراہا علی الشیخ قدس سرہ کما نبہ ما فی الدرر و تنبیہ المغنی فلیس اول قارورۃ کسرت فی الاسلام۔

ولہذا حرر عبدالقادر کابلی در رسالہ قادریہ مصنفہ خود کہ قریب ہفت ہشت جزو است، در حرمت ضرب الاقدام از مہر و دستخط سی چہل علماء ثقات بخارا و سمرقند و خوارزم و ہرات وغیرہ نقل کردہ، بلکہ فاعل آن را کہ بوجہ عبادت بعمل می آرد و حاجت روائی و مشکل کشائی خود در آن پندارد کافر نوشتہ، و این رسالہ مذکورہ قبل جنگ آزادی درین جا موجود بود در ایام جنگ آزادی بتاراج رفت، و ہم چنین در نافع المرشدین و مدارج السالکین و شرح منازل السالکین و مشارق شرح رقیمہ وغیرہ مذکور است۔ مسئلۃ ضرب الاقدام الی العراق کفر کما ہو داب بعض المفترین علی المشائخ الکرام قدس اللہ ارواحہم ۱۲ مدارج السالکین من ضرب الاقدام بعد الصلوۃ علی زعمہ ان ہذا زیارۃ فہو کافر وعلیہ الفتوی نقل من مشارق ۱۲ ضرب الاقدام نحو العراق من انواع الکفر لانہ عبادۃ و العبادۃ لغیر اللہ کفر ۱۲ نافع المرشدین۔ ومن اعتقد بتحلیل ضرب الاقدام بعد الصلوۃ للشیخ عبدالقادر الجیلانی قدس سرہ فہو کافر وعلیہ الاعتماد کذا قال ملا رشید فی شرح منازل السالکین ۱۲

---

بعض بدعتی اور فاسق لوگوں نے اس کتاب میں ملا دی ہے، جیسا کہ عوام کو گمراہ کرنے کے لئے معتبر لوگوں کی کتابوں میں اپنی طرف سے عبارتیں شامل کی گئی ہیں، چنانچہ شیخ اکبر اور علامہ عبدالوہاب شعرانی کی بعض کتابوں میں ایسی عبارتیں پائی جاتی ہیں، دررا اور تنبیہ المغنی میں لکھا ہے کہ وہ عبارتیں بعض یہودیوں نے ان کتابوں میں شامل کی تھیں۔

علامہ عبدالقادر کابلی نے اپنے رسالہ "قادریہ" میں جو کہ قریبا سو سوا سو صفحات کا رسالہ ہے اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے، اور پھر اس پر بخارا، سمرقند، خوارزم اور ہرات کے چالیس چوٹی کے علماء کے دستخط کرائے ہیں مہریں لگوائی ہیں، اس رسالہ میں اس فعل کو کفر کہا گیا ہے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے پہلے ہمارے پاس بھی اس کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا لیکن جنگ آزادی میں وہ لوٹ مار میں ضائع ہو گیا۔

اس کے علاوہ نافع المرشدین، مدارج السالکین، منازل السالکین، مشارق شرح رقیمہ وغیرہ میں اس فعل کو صریحا کفر لکھا ہے

قطع نظر ازیں کل قول و فعل بلا دلیل مردود علی صاحبہ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد کذا فی صحیح البخاری وغیرہ من کتب الحدیث و دلیل مانعین مکفرین این است، کہ این عمل کنندگان بمقابلہ ہر قدم یک اسم مقرر کردہ اند کہ بآن اسم ندا مے کنند، و حاجت خود از پیران پیر مے طلبند و باین الفاظ ندامی نمایند یا قاضی الحاجات، یا دافع البلیات یا کاشف الکربات وعلی ھذا القیاس، ظاہر است کہ این صفات خاصہ خدائے تعالےٰ است، بلا ریب ازین اعتقاد شرک جلی لازم مے آید، و در ورطہ پیر پرستی می افتند و از نہی لا تدعوا مع اللہ احدا محض غافل اند، و غیر خدا را درین صفات ہمسر خدامی کنند کما قال اللہ تعالیٰ ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمۃ وھم عن دعائھم غافلون لانھم اما جماد و اما عباد متشغلون باحوالھم کذا فی البیضاوی قال اللہ تعالیٰ والذین اتخذوا من دونہ اولیاء ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی وقال اللہ تعالیٰ اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ ان عذاب ربک کان محذورا الآیۃ۔ پس مومن باللہ والیوم الآخر را واجب کہ بمضامین آیات کریمہ مذکورہ بالا عمل نماید و از شرک جلی و خفی و اعمال بدعیہ بسیار حذر و اجتناب نماید، تا ذائقہ ایمان و توحید خالص دریابد وما علینا الا البلاغ و از اقوال و افعال بدعیہ فرسنگہا بگریزد، و جہلاء مبتدعین برا کا بر افترائے و بہتان می بندند بسوئے

---

اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ اگر کوئی ایسا کام دین میں پیدا کرے، جس پر ہمارا حکم نہیں ہے، تو وہ کام مردود ہے، اور جن لوگوں نے ایسا کام کرنے والوں کو کافر کہا ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ ایسا کام کرنے والوں نے ہر قدم کے لئے کچھ الفاظ بنا رکھے ہیں، جن سے شیخ عبد القادر کو پکارتے ہیں، وہ صریحاً شرک ہیں، مثلاً یا قاضی الحاجات یا دافع البلیات یا کاشف الکربات وعلی ہذا القیاس، اور یہ تمام خداوندی صفات ہیں جن کو شیخ عبد القادر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں غیروں کو پکارنے سے منع فرمایا ہے، پس مومن کو چاہیے، کہ آیات قرآنیہ کے مطابق عمل کرے، اور شرک جلی و خفی سے پوری طرح پرہیز کرے، اور بدعت کے افعال و اقوال سے دور بھاگے، اور گمراہوں کے الزامات اور دروغ گوئیوں پر مطلق توجہ نہ کرے، واللہ اعلم ۔

انیاں التفات نکنند، درباب توحید تمسک بکتاب وسنت باشند تا از دنیا سلامت بروند

واللہ اعلم بالصواب حررہ سید محمد نذیر حسین | محمد نذیر حسین | محمد قطب الدین |

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں:۔

(۱) قرآن شریف کلام الٰہی صفت قدیم قائم بالذات غیر مخلوق ہے یا نہیں، اور جو شخص اس کو مخلوق کہے وہ کافر ہے یا نہیں؟

(۲) اور کلام الٰہی جو صفت قدیم اور قائم بالذات ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے، آیا یہ کلام مجازی ہے یا حقیقی؟

(۳) اور رسالہ استوا میں جو نواب صدیق حسن صاحب نے بنایا ہے، وہ حق ہے یا نہیں؟

**الجواب**:۔ واضح ہو کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا (ترجمہ) جو شخص مخالفت کرے رسول کی پیچھے اس کے کہ ظاہر ہو جاوے واسطے اس کے ہدایت، اور تابعداری کرے سوائے راستہ مومنوں کے پھیر دیتے ہیں ہم اس کو جدھر پھرا، اور داخل کریں گے ہم اس کو جہنم میں، اور وہ برا ٹھکانا ہے، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد یعنی جو شخص ہمارے دینی امر میں کوئی نئی بات نکالے، جو پہلے اس میں نہ تھی، سو وہ مردود ہے، لہذا اب ہم قرآن وحدیث واجماع وقیاس سے اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ جو شخص کہے، کہ قرآن اللہ کا کلام حقیقی نہیں، بلکہ اللہ کا کلام نفسی ہے، یا کہے کہ قرآن مخلوق ہے یا کہے، کہ اللہ کا کلام کلمات اور حروف اور آواز سے پاک ہے، تو ایسے شخص کو علماء نے کافر بھی لکھا ہے۔

**قرآن شریف**۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض منھم من کلم اللہ ترجمہ۔ یہ رسول تفضیلت دی ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ کلام کیا ان سے اللہ نے، اور فرمایا وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ ترجمہ۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی خواہش سے بنا کر نہیں بولتا، نہیں یہ مگر وحی جو بھیجی جاتی ہے اس کی طرف اور فرمایا ان ھذا الا قول البشر سا صلیہ سقر یعنی وہ کافر کہتا ہے، کہ نہیں یہ قرآن

مگر عبادت اور کلام آدمی کا سو ضرور داخل کروں گا میں اس کو جہنم میں، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے وکلّم[1] اللہ موسیٰ تکلیما اور فرمایا فتلقّی[2] آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ اور فرمایا قل[3] لوکان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی و لو جئنا بمثلہ مددا اور فرماتا ہے برسٰلتی[4] وبکلامی اور فرمایا ونادینٰہ[5] من جانب الطور الایمن وقربنٰہ نجیا اور ایک کلام ہے اور ایک صفت کلام یعنی کلام کرنے کی قدرت، سو جیسے اللہ کی ذات پاک قدیم ہے، اس کی قدرت بھی قدیم ہے، اور کلام حادث ہے، اللہ فرماتا ہے، مایاتیہم[6] من ذکر من ربہم محدث یعنی نیا، اور جان لینا چاہیئے، کہ ہر مخلوق حادث ہے، اور ہر حادث مخلوق نہیں، امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی کتاب الرد علی الجہمیہ میں رجو کہ مطبع فاروقی میں تفسیر جامع البیان کے آخر میں چھپی ہے فرماتے ہیں، قولہ[7] مایاتیہم من ذکر من ربہم محدث انما ھو محدث الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لایعلم فعلمہ اللہ تعالٰی فلما علمہ اللہ تعالٰی کان ذلک محدثا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

**حدیث شریف** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من قرا حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالہا لا اقول الم حرف الف حرف ولام حرف ومیم حرف ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ سے ترمذی اور دارمی میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ جو شخص کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھے اس کو ایک نیکی ہے، اور نیکی کا ثواب دس گنا تک دیا جاتا ہے، میں نہیں کہتا، کہ الم ایک حرف

---

[1] اور اللہ تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام سے بول کر کلام کی ۱۲ [2] سو آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لئے، پھر اس نے آدم کی توبہ قبول کر لی ۱۲ [3] آپ کہہ دیں کہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لئے سیاہی بن جائیں، تو میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے پہلے سمندر ختم ہو جائیں، اگرچہ ان کی مدد کے لئے اتنے سمندر اور بھی آجائیں ۱۲ [4] میں نے تجھ کو اپنی پیغمبری اور اپنی کلام سے سرفراز کیا ۱۲ [5] ہم نے اس کو طور کی دائیں جانب سے آواز دی، اور اسے مشورہ کے لئے اپنے قریب کر لیا ۱۲ [6] ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جب بھی کوئی نیا ذکر آتا ہے ۱۲ [7] اللہ تعالٰی کا قول کہ نہیں آتا ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نیا ذکر، بات صرف یہ ہے، کہ وہ "نیا" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ہے، کیونکہ آپ اس کو اس سے پہلے نہیں جانتے تھے، سو اللہ تعالٰی نے ان کو معلوم کرایا، تو جب اللہ تعالٰی نے آپ کو معلوم کرایا، تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نیا ہوا ۱۲

ہے، الف ایک حرف ہے، اور لام دوسرا حرف ہے، اور میم تیسرا حرف ہے، پس ندا دینا اور نجیاً میں تو آواز ثابت ہوئی، اور اس حدیث سے حرف ثابت ہوگئے، اور حضرت نے فرمایا ہے، کہ جو شخص کسی جگہ اترے اور کہے اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق[1] تو وہاں سے کوچ کرنے تک امن میں رہے گا، اس حدیث سے کلمات ثابت ہوئے۔

**قیاس** جب اللہ تعالیٰ قدیم ہوا، تو اس کی صفات بھی قدیم ہوں گی، اور بالاتفاق کلام اللہ، اللہ کی صفت ہے، اس کے ساتھ قائم ہے، تو کلام قدیم ٹھہرا، اور جب اللہ کے ساتھ قائم ہے، اور اللہ غیر مخلوق ہے تو اس کا کلام بھی غیر مخلوق ہے، اور قرآن اللہ کا کلام ہے غیر کا کلام نہیں، اور قائم بھی اللہ کے ساتھ ہے، غیر کے ساتھ نہیں، کئی وجہ سے۔

احدها انہ یلزم الجھمیۃ علی قولھم ان یکون کل کلام خلقہ اللہ کلاماً لہ اذ کا معنی لکون القران کلام اللہ الا کونہ خلقہ وکل من فعل کلاما ولو فی غیرہ کان متکلما بہ عندھم ولیس للکلام عندھم مدلول یقوم بذات الرب تعالیٰ لو کان مدلول قائما یدل لکونہ خلق صوتا فی محل وان لیل یجب طردہ فیجب ان یکون کل صوت یخلقہ لہ کذالک وھم یجوزون ان یکون الصوت المخلوق علی جمیع الصفات فلا یبقی فرق بین الصوت الذی ھو کلام اللہ علی قولھم والصوت الذی لیس ھو بکلام۔

الثانی ان الصفۃ اذا قامت بمحل کالعلم والقدرۃ والکلام والحرکۃ

---

[1] میں ہر اس چیز کی برائی سے جو اللہ نے پیدا کی ہے، خدا کے پورے کلمات سے پناہ لیتا ہوں ۱۲
[2] جہمیہ کہتے ہیں، کہ ہر وہ کلام جس کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، وہ حقیقت میں اسی کا کلام ہے، اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کا مطلب بھی یہی ہے، کہ یہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے، اور جو بھی کلام کا فاعل ہے اگرچہ غیر ہی میں کیوں نہ ہو، وہ ان کے نزدیک اس کا متکلم ہے، اور ان کے نزدیک کلام کا کوئی مدلول ایسا نہیں ہے جو رب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہو، اور اگر کوئی مدلول ہے بھی تو وہ صرف یہی دلالت کرے گا، کہ اس نے آواز کو کسی جگہ میں پیدا کیا، اور دلیل کا بیان کرنا ضروری ہے تو جہمیہ پر الزام قائم ہوگا، کہ اگر ہر مخلوق آواز اسی کی ہے، اور آواز اپنی ہر صفت کے لحاظ سے مخلوق ہے، تو پھر اس آواز میں جو اللہ کا کلام ہے، اور اس آواز میں جو اس کا کلام نہیں ہے کیا فرق ہوگا؟
دوسرا الزام ان پر یہ ہے کہ جب کوئی صفت کسی محل کے ساتھ قائم ہو جیسے علم یا قدرت اور کلام وغیرہ تو

حکمہ الی ذلک المحل ولا یعود حکمہ الی غیرہ

الثالث ان مشتق المصدر منہ اسم الفاعل والصفۃ المشبھۃ بہ ونحو ذلک ولا یشتق ذلک لغیرہ وھذا کلہ بین ظاہر وھو ما یبین قول السلف والائمۃ ان من قال ان اللہ خلق کلاما فی غیرہ لزمہ ان یکون متکلما لتکلم عائدا الی ذلک المحل لا الی اللہ۔

الرابع ان اللہ وکد تکلیم موسی بالمصدر فقال تکلیما قال غیر واحد من اھل العربیۃ التوکید بالمصدر ینفی المجاز لئلا یظن انہ ارسل الیہ رسولا او کتب الیہ کتابا بل کلمہ منہ الیہ۔

الخامس ان اللہ فضل موسی بتکلیمہ ایاہ علی غیرہ ممن لم یکلمہ وقال ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا الآیۃ فکان تکلیم موسی من وراء الحجاب وقال یموسی انی اصطفیتک علی الناس برسالتی وبکلامی وقال انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ الی قولہ وکلم اللہ موسی تکلیما والوحی ما نزلہ اللہ علی قلوب الانبیاء بلا واسطۃ

وہ اس کا حکم اسی محل کی طرف منسوب ہوگا، نہ کہ غیر کی طرف

تیسرا یہ کہ مصدر سے جب اسم فاعل یا صفت مشبہ مشتق ہو، تو وہ اسی فاعل کے لئے ہوتا ہے نہ کہ غیر کے لئے اور یہ سب باتیں بالکل واضح ہیں، اور سلف اور ائمہ کے اقوال کی تائید کرتی ہیں جو کہتے ہیں، کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کلام کو غیر میں پیدا کریں، تو وہ کلام اسی کی طرف منسوب ہوگی، نہ کہ خدا تعالیٰ کی طرف،

چوتھا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کرنے کو مصدر سے مؤکد کیا ہے، اور علماء کا مذہب ہے کہ جب مصدر سے تاکید ہو، تو مجاز کی نفی ہوتی ہے، تاکہ کوئی یہ خیال نہ کرے، کہ شاید اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف کوئی فرشتہ بھیجا ہو، یا آپ کو کوئی کتاب لکھ کر بھیج دی ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے بول کر کلام کیا

پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فضیلت بخشی ہے اور فرمایا ہے، کہ کسی آدمی کی یہ شان نہیں ہے، کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے، مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے اور یا پھر کوئی فرشتہ بھیج دے الآیۃ اور موسیٰ علیہ السلام سے یہ گفتگو پردے کے پیچھے ہوئی اور فرمایا، اے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں پر اپنی رسالت اور کلام سے فضیلت عطا فرمائی، اور فرمایا ہم نے تیری طرف اسی طرح سے وحی کی ہے جیسے کہ نوح کی طرف وحی کی تھی اور اس کے بعد کے نبیوں کی طرف، یہاں تک کہ فرمایا، اللہ نے موسیٰ سے بول کر کلام کیا، وحی تو وہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نبیوں کے دلوں پر بلا واسطہ القا

فلو کان تکلیمہ لموسی انما ھو صوت خلقہ فی الھواء لکان وحی الانبیاء افضل منہ لان اولئک عرفوا المعنی المقصود بلا واسطۃ وموسی انما عرفہ بواسطۃ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ وغیرہ سب مجتہدین متقدمین میں سے کسی شخص نے نہیں کہا، کہ اللہ کی کلام کلام نفسی ہے، لہٰذا اللہ کے کلام کو کلام نفسی کہنا تکییف ہے، اور تکییف بالاتفاق باطل ہے۔

**اجماع سلف**۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ لم یزل متکلما بکلامہ والکلام صفۃ فی الازل وخالقا بتخلیقہ والتخلیق صفۃ فی الازل و فاعلا بفعلہ والفعل صفۃ فی الازل والفاعل ھو اللہ تعالیٰ والفعل صفۃ فی الازل والمفعول مخلوق وفعل اللہ تعالیٰ غیر مخلوق وصفاتہ فی الازل غیر محدثۃ ولا مخلوقۃ فمن قال انہا مخلوقۃ او محدثۃ او وقف فیہا او شک فیہا فہو کافر باللہ تعالیٰ والقران فی المصاحف مکتوب وفی القلوب وعلی الالسن مقرو وعلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم منزل ولفظنا بالقران مخلوق وکتابتنا و قراءتنا لہ مخلوق والقران غیر مخلوق۔

پھر کہا وکلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق وکلام موسی وغیرہ من المخلوقین مخلوق

---

کرتے ہیں، اگر موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنے کا مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس آواز کو ہوا میں پیدا کیا ہو تو دوسرے نبیوں سے آپ کی وحی بہتر ہوگی، کیونکہ انہوں نے معنی مقصود کو بلا واسطہ معلوم کیا ہے، اور موسیٰ علیہ السلام نے ہوا کے واسطہ سے۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اپنے کلام کے ساتھ متکلم رہا ہے، اور کلام اس کی ازلی صفت ہے، اور وہ اپنی تخلیق کے ساتھ خالق ہے، اور تخلیق اس کی ازلی صفت ہے، اور اپنے فعل کے ساتھ فاعل ہے، اور فعل اس کی ازلی صفت ہے، اور فاعل اللہ تعالیٰ ہے، اور فعل اس کی ازلی صفت ہے، اور مفعول مخلوق ہے، اور اللہ کا فعل غیر مخلوق ہے، اور اس کی تمام صفتیں ازلی ہیں، حادث اور مخلوق نہیں ہیں، جو شخص صفات کو مخلوق یا حادث کہے یا اس کے متعلق اسے شک ہو وہ اللہ کا منکر ہے، اور قرآن کتاب کی صورت میں لکھا گیا ہے، دلوں میں محفوظ ہے، زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا ہے، قرآن پڑھتے وقت ہمارے اپنے الفاظ مخلوق ہیں اور ہماری کتابت اور تلاوت مخلوق ہے اور قرآن غیر مخلوق ہے

اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے، اور موسیٰ علیہ السلام اور دوسری مخلوقات کی کلام مخلوق ہے، اور قرآن اللہ کا کلام ہے

والقران کلام الله تعالی فهو قدیم لا کلام هم وسمع موسی کلام الله تعالی کما قال الله تعالی وکلم الله موسی تکلیما وقد کان الله تعالی متکلما ولم یکن کلم موسی واما مالک بن انس رحمه الله تعالی فنقل عنه من غیر وجه الرد علی من یقول القران مخلوق واستتابته وهذا المشهور عنه متفق علیه بین اصحابه واما احمد بن حنبل فکلامه فی مثل هذا مشهور متواتر وهو الذی اشتهر بمحنة هؤلاء الجهمیة وکذلک قال الشافعی لحفص الفرد وکان من اصحاب ضرار بن عمرو ممن یقول القران مخلوق فلما ناظر الشافعی وقال له القران مخلوق قال له الشافعی کفرت بالله العظیم ذکره ابن ابی حاتم فی الرد علی الجهمیة وروی عن علی بن ابی طالب من وجهین انهم قالوا له یوم صفین حکمت رجلین فقال ما حکمت مخلوقا ما حکمت الا القران وعن عکرمة قال کان ابن عباس رض فی جنازة فلما وضع المیت فی لحده قام رجل وقال اللهم رب القران اغفر له فوثب الیه ابن عباس رض فقال مه القران منه وعن عبد الله بن مسعود رض من حلف بالقران فعلیه بکل ایة

اور قدیم ہے، نہ کہ لوگوں کا کلام، اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام سنا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ نے موسیٰ سے بول کر کلام کیا، اور اللہ تعالیٰ ہی متکلم تھے، اور موسیٰ علیہ السلام متکلم نہیں تھے،

اور امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ سے کئی طرق سے ان لوگوں کی تردید منقول ہے، جو قرآن کو مخلوق کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل سے توبہ کرانی چاہیئے یہی امام مالک کا مشہور مذہب ہے، اسی پر آپ کے پیروؤں کا اتفاق ہے اور امام احمد بن حنبل سوان کا کلام قرآن مجید کے متعلق مشہور اور متواتر ہے آپ کی تکالیف جو آپ نے قرآن کے بارے میں جہمیہ سے اٹھائیں مشہور ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے حفص بن عمرو کو جو کہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائلین میں سے تھا، کہا تھا، جب کہ اس نے امام شافعی سے مناظرہ کرتے ہوئے کہا، کہ قرآن مخلوق ہے، تونے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اس کو ابن ابی حاتم نے "الرد علی الجہمیہ" میں روایت کیا ہے اور علی ابن ابی طالب سے دو سندوں سے مروی ہے کہ خوارج نے جب ان کو صفین کے دن دو آدمیوں کے حکم تسلیم کرنے پر الزام دیا، تو آپ نے فرمایا، میں نے کسی مخلوق کو حکم تسلیم نہیں کیا، میں نے قرآن کو حکم تسلیم کیا ہے۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں، کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک جنازہ میں تھے، جب میت لحد میں رکھی گئی تو ایک آدمی اٹھا اور کہنے لگا "اے قرآن کے رب اس کو بخش دے" تو عبداللہ بن عباس اس پر جھپٹے اور فرمایا ٹھہر، قرآن اسی میں سے ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رض کہتے ہیں، جو قرآن کی قسم اٹھائے اس پر ہر آیت کے بدلے

یمین وھذا ثابت عن ابن مسعود وعن سفیان بن عیینۃ قال سمعت عمرو بن دینار
یقول ادرکت مشائخنا والناس منذ سبعین سنۃ یقولون القرآن کلام
اللہ منہ بدأ والیہ یعود وفی لفظ یقولون القرآن کلام اللہ غیر مخلوق وقال
حرب الکرمانی حدثنا اسحق بن ابراھیم یعنی ابن راھویہ عن سفیان بن
عیینۃ عن عمرو بن دینار قال ادرکت الناس منذ سبعین سنۃ من اصحاب
النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمن دونھم یقولون اللہ الخالق وما سواہ مخلوق
الا القرآن فانہ کلام اللہ منہ خرج والیہ یعود وعن جعفر بن محمد الصادق و
ھو مشہور عنہ انھم سألوہ عن القرآن خالق ھو ام مخلوق فقال لیس بخالق
ولا مخلوق ولکنہ کلام اللہ وھکذا روی عن الحسن البصری وایوب السختیانی
وسلیمان التیمی وخلق من التابعین وعن مالک بن انس واللیث بن سعد و
سفیان الثوری وابن ابی لیلی وابی حنیفۃ والشافعی واحمد بن حنبل واسحق
بن راھویہ وامثال ھؤلاء من الائمۃ وکلام ھؤلاء الائمۃ واتباعھم فی ذلک
کثیر مشہور بل اشتھر عن ائمۃ السلف تکفیر من قال القرآن مخلوق وانہ
یستتاب فان تاب والا قتل کما ذکروا ذلک عن مالک بن انس وغیرہ ونقل
ذلک ابو جعفر الطحاوی الحنفی فی الاعتقاد عن ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت الکوفی

---

ایک قسم ہے، اور سفیان بن عیینہ نے کہا، میں نے عمرو بن دینار سے سنا آپ کہتے تھے میں ستر سال سے اپنے مشائخ اور دوسرے لوگوں سے سنتا آرہا ہوں، کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اسی سے شروع ہوا اسی کی طرف لوٹے گا اور ایک روایت کے یہ لفظ ہیں، قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے، حرب کرمانی نے سند اعمرو بن دینار سے روایت کیا کہ میں ستر سال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور بعد کے لوگوں سے سنتا آرہا ہوں کہ اللہ خالق ہے، اور قرآن کے سوا باقی ہر شئی مخلوق ہے، وہ اللہ کا کلام ہے، اسی سے نکلا اور اسی کی طرف لوٹے گا امام جعفر صادق سے مشہور ہے، کہ لوگوں نے ان سے قرآن کے متعلق سوال کیا، کہ وہ خالق ہے یا مخلوق؟ تو آپ نے فرمایا نہ وہ خالق ہے نہ مخلوق، بلکہ وہ اللہ کا کلام ہے، اور حسن بصری، ایوب سختیانی، سلیمان تیمی اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے، اور احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ اور ان جیسے دیگر ائمہ اور ان کے متبعین کے اقوال قرآن کے متعلق مشہور ہیں، بلکہ ائمہ سلف سے تو ان لوگوں پر کفر کا فتویٰ اور ان سے توبہ کرانے کے اقوال بھی شہرت تک پہنچ چکے ہیں، اگر وہ توبہ کرے تو فبہا، ورنہ اسے قتل کردیا جائے یہ فتویٰ امام مالک بن انس اور طحاوی کے قول کے مطابق امام ابوحنیفہ، ابو یوسف اور امام حسن بن شیبانی رحمہم اللہ سے منقول ہے۔"

وابی یوسف یعقوب بن ابراھیم الانصاری وابی عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی رحمھم اللہ تعالیٰ

سو یہ بات صحابہ اور تابعین اور جمیع ائمہ مجتہدین سے ثابت ہو چکی ہے، کہ قرآن شریف اللہ کا کلام ہے، اور کلام اس کی صفت قدیمہ ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اور غیر مخلوق ہے، اور جو شخص اس کو مخلوق کہے، سو وہ کافر ہے، اور جس شخص کو زیادہ تحقیق منظور ہو، وہ کتاب العلو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور خلق افعال العباد امام بخاری کا، اور متن فقہ اکبر کا، اور کتاب الرد علی الجہمیۃ للامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لے، واللہ اعلم بالصواب، اور اللہ کلام لفظی کے ساتھ کلام کرتا ہے، کلام نفسی کا سلف صالحین میں کہیں پتہ نہیں۔

(۲) اور جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا کلام اترا ہے، حقیقی ہے، مجازی نہیں اس واسطے کہ حقیقت اصل ہے، اور مجاز فرع، جب تک کوئی قرینہ قویہ صارفہ نہ پایا جاوے حقیقت نہیں چھوڑی جا سکتی۔

(۳) اور نواب صاحب مرحوم کا جو رسالہ استوا کے بارے میں موسوم باحتواء ہے، حق ہے، اور سب موافق سلف صالحین کے ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ ابو اسمٰعیل یوسف حسین عفی عنہ۔ ھذا ھو الصواب واللہ در من اجاب۔ محمد اوسط عفی عنہ بھاری، رحم اللہ المجیب۔ فقد اجاب جوابا شافیا لاشک فی صحتہ وکونہ صوابا ابو تراب عبد التواب الملتانی عفی عنہ

| سید محمد نذیر حسین |

| سید محمد عبد السلام غفرلہ | | سید محمد ابو الحسن |

**سوال** ما قولکم رحمکم اللہ اندریں مسئلہ کہ یا رسول اللہ گفتن بہ غیر مزار شریف درست است یا نے بینوا توجروا

**الجواب**:۔ یا رسول اللہ ندا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم است وندا برائے حاضر می باشد پس این قول دلیل برآن است، کہ این کس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را حاضر بہر مکان وزمان اعتقاد می کند واین معنی بدون علم محیط امکانے ندارد والعلم المحیط لیس الا اللہ تعالیٰ

---

سوال:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے علاوہ اور کسی جگہ پر یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یا رسول اللہ کا لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا ہے، اور پکارا اسی کو جاتا ہے جو حاضر ہو ایسے آدمی کا عقیدہ گویا یہ ہے، کہ آپ ہر جگہ موجود ہیں، اور یہ چیز علم محیط کے بغیر نہیں ہو سکتی، اور علم محیط اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے

کما فی التفسیر الکبیر وغیرہ پس اثبات ہمچو علم بغیر خدا شرک باشد،
ودر مفتاح القلوب ملا حسین الخباز مرقوم است واز کلمات کفر است ندا کردن اموات غائبات بگمان آنکہ حاضر اند مثل یا رسول اللہ ویا شیخ عبد القادر دانند آن انتہی واز ینجا است کہ در عامہ کتب فقہ مسطور است لو تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد النکاح ویکفر لاعتقادہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب کذا فی البحر الرائق وغیرہ
والفرق در میان ندائے نبی وندائے غیر نبی ودر میان با درود وسلام وندا بدون درود وسلام از فہم ما مردم عالی است، چہ ندا برائے حاضر مے باشد، ونبی حاضر درین جا ہمچو غیر نبی نہ با درود وسلام ونہ بدون درود وسلام، وآنچہ در باب درود وسلام ثابت است، ہمین قدر است، کہ ملائکہ صلوۃ وسلام را میرسانند، واین مستلزم حضور نیست پس ندا مطلقا مشعر باعتقاد حضور مذکور باشد، واین اعتقاد شرک است در غیر خدا پس تلفظ ہمچو کلمات کہ مشعر این اعتقاد باشند بحسب ظاہر شرک باشد ونحن نحکم بالظاہر کما فی المواقف وندا صلوۃ الحاجۃ بحضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بود والکنون بر تقدیر عموم آن صلوۃ بنابر حکایت آن وقت خواہد بود، وہمچنین خطاب در تشہد بطریق حکایت بود شیخ عبد الحق دہلوی در رسالہ مسمی بتحصیل البرکات فی معنی بیان التحیات مے نویسد

---

اور ایسا علم کسی دوسرے کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔
ملا حسین خباز نے اپنی کتاب "مفتاح القلوب" میں لکھا ہے "اموات غائبات کو اس حیثیت اور اعتقاد سے پکارنا، کہ وہ حاضر ہیں، مثلاً یا رسول اللہ اور یا شیخ عبد القادر جیلانی وغیرہ، یہ کفر ہے" یہی وجہ ہے، کہ کتب فقہ میں لکھا ہے، کہ اگر کوئی آدمی اللہ اور رسول کی شہادت سے نکاح کرے، تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوگا اور نکاح کرنے والا کافر ہو جائے گا، کیونکہ اس کا عقیدہ یہ ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں (بحر الرائق وغیرہ)
اور نبی یا کسی دوسرے کو ندا کرنے یا درود اور غیر درود میں ندا کرنے کا جو فرق کیا جاتا ہے، وہ ہماری سمجھ سے تو بالا تر ہے، کیونکہ ندا تو حاضر کے لئے ہوتی ہے، اور نبی بھی حاضر نہیں ہوتا، نہ درود کے وقت اور نہ کسی دوسرے وقت، درود کے متعلق صرف اتنا ثابت ہے، کہ اس کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں، پس ندا حاضر ہونے کے عقیدہ کی طرف اشارہ کرتی ہے، اور یہ عقیدہ شرک ہے، تو ایسے الفاظ شرکیہ سے پرہیز کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر کوئی "صلوۃ الحاجۃ" کی روایت سے استدلال کرے، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاضر تھے، اور اب ان الفاظ کو حکایت حال ماضی کے طور پر پڑھ دیتے ہیں، جیسے نماز کے التحیات میں پڑھتے ہیں، شیخ عبد الحق

اگر گویند کہ خطاب مرحاضر راست، وآن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم درین مقام حاضر نیست، پس توجیہ این خطاب چہ باشد، جوابش آن است، کہ در شرح صحیح بخاری می گوید، کہ صحابہ در زمان جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بصیغہ خطاب می گفتند، ولبعد از زمان حیاتش این چنین می گفتند السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بلفظ خطاب یا این کلمہ دراصل یعنے درشب معراج بصیغہ خطاب بود، وبگر تغیرش نداوند دو برہمان اصل گذاشتند انتہے، پس استدلال بہ ہچو نداء خطاب جز خطا نبود، واللہ اعلم بالصواب، ومنہ الہدایۃ فی کل باب، کتبہ محمد بشیر الدین عفی عنہ، مرقومہ ۱۶ رمضان ۱۲ھ النداء للغیب لا یجوز. محمد قطب الدین | سید محمد نذیر حسین |

**سوال:** عمرو کہتا ہے، کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو مخصوص ہے، ماسوا اللہ کے کسی کو علم غیب حاصل نہیں الا ما شاء اللہ من شاء اللہ باذنہ، خالد اور اس کے تبعین کہتے ہیں، کہ علم غیب اللہ کے سوا اور وں کو بھی بالذات حاصل ہے، چنانچہ بزرگان دین اکثر غیب کی باتیں بتا دیتے ہیں، بھلا یہ علم غیب نہیں، تو پھر کیا ہے، یہ لوگ خدا کی ذات و صفات وقدرت میں تصرف، وشرکت رکھتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے، کہ عمرو وخالد کے اقوال مذکورہ سے کس کا قول حق وموافق شریعت کے ہے، اور کس کا قول ناحق، وخلاف شریعت ہے؟

**الجواب:** عمرو کا قول حق ہے، اور خالد اور اس کے تابعین کا قول سراسر باطل اور مردود ہے، بلاشبہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، ماسوا اللہ کے علم غیب کسی کو حاصل نہیں قال اللہ تعالیٰ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو (پارہ ۷، رکوع ۱۳) وقال قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ

محدث دہلوی نے اپنے رسالہ "تحصیل البرکات فی بیان معنی التحیات" میں لکھا ہے، کہ اگر کوئی یہ کہے، کہ التحیات میں خطاب کے انداز میں سلام پڑھا جاتا ہے، حالانکہ رسول پاک وہاں موجود نہیں ہوتے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسے حکایت حال ماضی کے طور پر پڑھا جاتا ہے، اور اس کے علاوہ بخاری شریف میں مروی ہے، کہ صحابہ آپ کی زندگی میں خطاب سے پڑھتے تھے، اور آپ کے بعد "السلام علی النبی" (نبی پر سلام ہو) کے الفاظ پڑھنے لگے تھے، پس ان الفاظ سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، واللہ اعلم ۱۲

سلہ اسی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا ۱۲ سلہ آپ کہدیں اللہ کی مشیت کے

ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر وبشیر لقوم یؤمنون (پارہ ۹ رکوع ۱۳) اس بارے میں کہ علم غیب اللہ تعالےٰ کے ساتھ مخصوص ہے، ماسوا اللہ کے کسی کو حاصل نہیں بہت سی آیتیں اور حدیثیں آئی ہیں، یہاں صرف دو آیتیں نقل کی گئی ہیں، واللہ اعلم بالصواب، حررہ سید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:- جو شخص اللہ کو واحد اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق جانے، اور قیامت وغیرہ اعتقادی امور کو مانتا ہے، شرک نہیں کرتا، اور نماز کو بھی فرض جانتا ہے، مگر نماز تمام عمر نہیں پڑھتا، وہ شخص مسلمان ہے یا کافر؟

**الجواب**:- واضح ہو کہ جو شخص اللہ کو واحد جانتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مرسل مانتا ہے، اور امور ایمانیہ و اعتقادیہ کا اقرار کرتا ہے، وہ بے شک مسلم ہے، کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کو کافر کہے، مگر ہاں جس قدر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تارک صلوٰۃ کو کافر کہا اس قدر ہم بھی تارک صلوٰۃ کو کافر کہہ سکتے ہیں، سوائے اس کے زیادہ حکم کہ وہ سرے سے مسلمان ہی نہیں ہے یہ نہیں لگا سکتے، اور یہی مذہب امام احمد کا بھی ہے، واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین

سید محمد ابو الحسن ۱۳۰۵　　سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹

---

سو میں اپنی جان کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں، اور اگر میں غیب جانتا ہوتا، تو بہت سی بھلائیاں اکٹھی کر لیتا، اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو صرف ایمانداروں کو ڈرانے اور بشارت دینے والا ہوں ۱۲

# کِتَابُ التَّقْلِیْدِ وَالْاِجْتِهَادِ

**سوال:** بعض عالم تقلید کو فرض بتاتے ہیں، اور آیت فاسئلوا اھل الذکر[1] اور آیت یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم[2] میں اہل الذکر اور اولی الامر سے ائمہ مجتہدین مراد لیتے ہیں، کیا ان کی یہ بات صحیح ہے؟

**الجواب:** بعض علماء کی یہ بات صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان دونوں آیتوں سے تقلید کا کچھ بھی تعلق نہیں ہے، ان دونوں آیتوں میں اہل الذکر اور اولی الامر سے ائمہ مراد نہیں ہیں، بلکہ پہلی آیت میں اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں، اور اس آیت کے مخاطب کفار مکہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکار کرتے تھے، اور کہتے تھے، کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو آدمی ہیں، پیغمبر کیونکر ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کفار کو جواب دیا، کہ پہلے بھی جتنے پیغمبر ہوئے سب آدمی ہی تھے، فرشتہ نہ تھے، اگر تم کو یہ بات معلوم نہ ہو تو یاد والوں یعنے اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے دریافت کرلو، پوری آیت اس طرح ہے۔ وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون[3] (سورہ نحل) شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہیں، ونہ فرستادہ ایم پیش از تو مگر مردانے را، کہ وحی می فرستادیم بسوئے ایشان، پس سوال کنید از اہل کتاب اگر نمی دانید، اور اس آیت کے فائدہ میں لکھتے ہیں کہ یعنی پیغمبران سابق آدمی بودند، فرشتہ نہ بودند، انتہیٰ، اور شاہ عبدالقادر صاحب

---

[1] اہل ذکر سے پوچھ لو ۱۲　[2] اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو ۱۲

[3] ہم نے آپ سے پہلے آدمی ہی رسول بنا کر بھیجے ہیں، اگر تم کو اس بات کا علم نہیں، تو اہل ذکر سے پوچھ لو ۱۲

اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہیں، اور تجھ سے پہلے بھی ہم نے یہی مرد بھیجے تھے، کہ حکم بھیجتے تھے ان کی طرف، سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے، اگر تم کو معلوم نہیں، اور شاہ صاحب موصوف اس کے فائدہ میں لکھتے ہیں" یاد رکھنے والے یعنی اہل کتاب، کہ اگلے احوال جانتے تھے

الحاصل بعض علماء کا اہل الذکر سے ائمہ مراد لینا، اور اس آیت سے تقلید کو فرض بتانا نہایت غلط اور واہی بات ہے، اور دوسری آیت میں اولوالامر کے معنی حکومت والے ہیں اور یہی معنے مراد بھی ہیں، یعنی بادشاہ اسلام اور حاکم جو صاحب حکومت اور با اختیار ہوتے ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہیں اے مومنان فرمانبرداری کنید خدا را و فرمانبرداری کنید پیغامبر را و فرمانروایان را از جنس شما، اور شاہ عبدالقادر صاحب اس طرح لکھتے ہیں، اے ایمان والو! حکم مانو اللہ اور اس کے رسول کا، اور ان کا جو تم میں سے اختیار والے ہیں، اور فائدہ میں لکھتے ہیں" اختیار والے بادشاہ اور قاضی، اور جو کسی کام پر مقرر ہوں ان کے حکم پر چلنا ضرور ہے الخ

پس بعض علماء کا اس دوسری آیت میں اولی الامر سے ائمہ مجتہدین مراد لینا، اور اس سے تقلید ائمہ مجتہدین کی فرض بتانا بالکل غلط ہے، کیونکہ ائمہ مجتہدین میں سے کوئی بھی صاحب حکومت نہیں تھے، اور اگر بالفرض ان میں کوئی صاحب حکومت و با اختیار ہوتا بھی تو بھی اس آیت سے اس کی تقلید کرنے کا ثبوت نہیں ہوتا ہے، ہاں اس آیت سے اس کے زیر حکومت رعایا پر اس کے حکم کا ماننا فرض اور ضروری ہوتا، اور یہ بھی اس کے حاکم ہونے کی وجہ سے، نہ کہ اس کے امام دین ہونے کے سبب سے، اور حاکم کا حکم ماننا اور بات ہے، اور مسائل دینیہ میں اس کی تقلید کرنا اور بات، دیکھو مثلاً سلطان روم کی تمام رعایا جو ان کے زیر حکومت ہیں، ان کے حکم ماننے کو ضروری سمجھتے ہیں، اور مانتے بھی ہیں، مگر نہ ان کی تقلید کو ضروری سمجھتے ہیں، اور نہ ان کے مقلد ہیں

المختصر تقلید نہ تو کسی آیت قرآنیہ سے ثابت ہے، اور نہ کسی حدیث سے، اور نہ کسی امام نے اپنی تقلید کرنے کی اجازت دی ہے، تقلید کے بطلان میں بہت اچھے اچھے رسالے تصنیف ہو چکے ہیں، اس کے بطلان کی وجوہ مفصل طور پر دیکھنا ہو، تو ان رسالوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے، کتبہ علی محمد عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

لہ اے مومنو! خدا کی فرمانبرداری کرو، اور پیغمبر کی فرمانبرداری کرو، اور اپنی جنس کے بادشاہوں اور حاکموں کی فرمانبرداری کرو ۱۲

**سوال**:۔ عبادات یا معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے یا مجتہدین کے قول پر عمل کرنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے یا نہیں؟

المستفتی میر پاچھا میاں بن ابراہیم ساکن وانمباڑی

**الجواب**:۔ یہ ہے، کہ مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح ناجائز ہے اور گنہگار ہوگا، جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ترجمہ۔ البتہ تحقیق ہے واسطے تمہارے بیچ رسول خدا کے پیروی اچھی فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم الخ ترجمہ، پس قسم ہے پروردگار تیرے کی نہیں ایمان لاویں گے۔ یہاں تک کہ حاکم بناویں تجھ کو بیچ اس چیز کے کہ پڑے جھگڑا درمیان ان کے۔

سید محمد نذیر حسین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ساز آباد خدایا دل ویرانے را یا مدہ مہر بتان ہیچ مسلمانے را

مخفی نہ رہے، کہ حقیقت تقلید کی علمائے حنفیہ متاخرین کے نزدیک عبارت اس سے ہے، کہ کلام کسی غیر معصوم کا اپنے اوپر بلا دلیل شرعی کے لازم کر لینا، اور اس کو مستحکم پکڑنا، حالانکہ یہ طریق مذموم تشریع جدید مخالف حکم خدا تعالےٰ ہے، اس لئے کہ بندگان خدا مامور و مجبور ہیں، اوپر التزام احکام و کلام خدا و رسول کے ہیں، نہ غیر کے، چنانچہ سورہ یوسف وغیرہ میں خدا فرماتا ہے ان الحکم الا للہ (حکم صرف اللہ تعالےٰ کے لئے ہے) اسی التزام کلام غیر پر اللہ تعالےٰ نے اہل کتاب کو الزام دیا، اور رد کیا، چنانچہ سورہ توبہ میں فرماتا ہے[1] اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔ عبادالنصاری علماء الیہود ورھبانہم عباد النصاری اربابا من دون اللہ۔ کذا فی التفسیر الجلالین والتفسیر البیضاوی والتفسیر الکبیر وغیرہ پس عباد اللہ پر اطاعت خدا و رسول کی واجب ہے، نہ غیر کی، چنانچہ خدا تعالیٰ سورہ محمد میں فرماتا ہے۔ اطیعوا[2] اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم، اور سورہ نساء میں فرماتا ہے۔ اطیعوا[3] اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم

---

[1] انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو خدا کے سوا اپنا رب بنا لیا۔ [2] اللہ و رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔ [3] اللہ و رسول اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو، اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے، تو اس کا فیصلہ اللہ و رسول سے کراؤ، اگر تم اللہ و قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

تؤمنون باللہ والیوم الاخر الآیۃ، اور بغور ملاحظہ کرو، کہ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحت اسی آیت مذکورہ کے تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں، کہ اطاعت[1] امام مشروط ومقید است بہماں چیزہا، کہ معصیت آنہا از شرع معلوم نہ باشد، والا اطاعت فرض نمی ماند، ورجوع باحکام قرآن واوامر ونواہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم باید نمود۔

اور اسی طرح تفسیر عزیزی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۴۲ میں مولانا علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں تحت[2] آیت بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا کے، کہ درین آیت اشارہ است بابطال تقلید بدو طریق، اول آنکہ از مقلد باید پرسید، کہ ہر کرا تقلید می کنی نزد تو محقق است یا نے اگر محقق اورا نمی شناسی پس باوجود احتمال مبطل بودن او چرا اورا تقلید می کنی، واگر محقق بودن اورا می شناسی، پس بکدام دلیل می شناسی، اگر بتقلید دیگرے می شناسی سخن دران خواہد رفت وتسلسل لازم خواہد آمد، واگر بعقل می شناسی، پس آن را چرا در معرفت حق صرف نمی کنی وعار تقلید برخود گوارا میداری۔

طریق دوم آنکہ کسے راکہ تقلید می کنی، اگر این مسئلہ را او ہم بتقلید دانستہ است پس تو واو برابر شدید، اورا چہ ترجیح ماند، کہ تقلید او می کنی، واگر او بدلیل دانستہ است پس تقلید وقتے تمام می شود، کہ تو ہم آن مسئلہ را بہماں دلیل بدانی والا مخالف او باشی نہ مقلد او وچوں تو

---

[1] امام کی اطاعت ان چیزوں کے ساتھ مشروط ہے، جن میں گناہ کا علم نہ ہو، ورنہ اطاعت فرض نہیں رہے گی، اور قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنا فرض ہو جائے گا۔

[2] آیت بلکہ ہم نے اسی طریقہ پر اپنے باپ دادا کو پایا، کے تحت لکھتے ہیں، کہ اس آیت میں دو طرح سے تقلید کا ابطال ہے، پہلا یہ کہ مقلد سے پوچھنا چاہیئے، کہ جس کی تو تقلید کرتا ہے، وہ محقق ہے یا نہیں؟ اگر محقق نہیں ہے، تو اس کی تقلید کیوں کرتا ہے؟ اور اگر اس کو محقق سمجھتا ہے، تو کس طرح سمجھتا ہے، کیا کسی کے جاننے سے یا از خود، اگر کسی کے بتلانے سے اس کو محقق سمجھتا ہے، تو پھر یہی سوال اس کے متعلق ہوگا، اور اس طرح دور لازم آئے گا، اور اگر تو اپنی عقل سے سمجھتا ہے، کہ وہ محقق ہے، تو اس عقل کو تو معرفت حق میں کیوں خرچ نہیں کرتا اور کیوں اپنے لئے تقلید کی عار گوارا کرتا ہے۔

دوسرا اس طریق سے کہ جس کی تو تقلید کرتا ہے، اس نے بھی یہ مسئلہ کسی دلیل سے حاصل کیا ہے، یا کسی کی تقلید سے، تو اگر وہ بھی کسی کی تقلید کرتا ہے، تو تو اور وہ برابر ہوں گے اس کے لئے وجہ ترجیح کیا ہے، کہ تو اس کی تقلید کرے، اور اگر اس نے اس کو دلیل سے معلوم کیا ہے، تو اس کی تقلید تو یہ ہے، کہ تو بھی اس کو دلیل

ہم آن مسئلہ رابدلیل دانستی تقلید ضائع شد۔ تمام ہوئی عبارت تفسیر عزیزی، اور اسی طرح امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں، تم بھی تفسیر عزیزی اور تفسیر کبیر کو بچشم خود دیکھنا، کہ تم کو یقین ہو جائے۔ ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ

تم لوگ ادنی دنیا کے مقدمہ کے لئے تو لندن پہنچتے ہو، اور مقدمہ دین متین سے سراسر غافل نہاد ہو ۔ غم دین خور کہ غم، غم دین است

اور مضمون اس آیت کریمہ ماذا اجبتم المرسلین سے تم سے قیامت میں پرسش ہوگی، الحمد للہ کہ دریں ولایت تین ترجمہ کا قرآن شریف چھپ گیا، اور قیمت اس کی تین روپے یا چار روپیہ ہے، اور خداوند کریم سورہ قمر میں فرماتا ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ الآیۃ ترجمہ اردو میں اس کے معنی سے واقف ہو جاؤ اور ہم ایسے مقلد مثل شتر بے مہار کے نہیں ہیں، کہ ہر کسی کی بات بلا دلیل مان لیں ہم تو رعیت اور محکوم خدا ورسول کے ہیں، چنانچہ سورہ حشر میں فرماتا ہے۔ ما اتٰکم الرسول فخذوہ[1] وما نھٰکم عنہ فانتھوا ۔

خیالات نادان خلوت نشین بہم برکند عاقبت کفر و دین

علامہ محب اللہ بہاری اپنی کتاب اصول سلم الثبوت میں فرماتے ہیں۔ کا الواجب الا ما اوجبہ اللہ تعالیٰ لہ ولم یوجب علی احد ان یتمذھب بمذھب رجل من الائمۃ فایجابہ تشریع شرع جدید[2] انتہی ما فی مسلم الثبوت وشرحہ لمولانا بحر العلوم اللکھنوی۔ اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ مجتہد مطلق بلا ریب ہیں، لیکن یہ بھی ان کے ساتھ دامن گیر ہے، کہ المجتہد یصیب ویخطی اسی بنا پر یہ مصرع موزوں ہے ع

متاع نیک ہر دکان کہ باشد

اور جس قیاس کا مقیس علیہ امر واقع ہے، وہ قیاس صحیح اور قابل عمل ہے، اور جس کا مقیس علیہ صحیح اور امر واقع نہیں ہے، وہ حجت اور قابل عمل نہیں، یہ چند سطریں بطور نمونہ مشتے از

---

سے معلوم کرے، ورنہ تو اس کا مقلد نہیں ہوگا، بلکہ مخالف ہوگا، اور اگر تو بھی دلیل سے معلوم کرے گا، تو تقلید ضائع ہو جائے گی ۱۲

[1] جو تم کو رسول دے اسے لے لو، اور جس سے منع کرے باز آ جاؤ ۱۲

[2] واجب صرف وہی ہے، جسے اللہ نے اپنے بندوں پر واجب کیا ہے، اور اللہ نے کسی آدمی پر یہ واجب نہیں کیا، کہ کسی خاص آدمی کا مذہب اختیار کرے، اور اس کو خود واجب کر لینا، اس کی ایک خود ساختہ شریعت ہے ۱۲

از خوردارے پیش نظر مولوی اجیر الحق صاحب لکھوا رہا ہوں گی سے

اندکے با تو بگفتم وبدل ترسیدم که دل آزرده شوی ورنه سخن بسیار است

زیادہ سلام خیر الختام
سید محمد نذیر حسین

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غیر مقلد کی نماز مقلد کے پیچھے ہوتی ہے یا نہیں اور مقلد کی نماز غیر مقلد کے پیچھے ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) تقلید امام اعظم کی کرنا شرک ہے یا نہیں؟

(۳) جو شخص یہ کہے کہ غیر مقلد کی نماز مقلد کے پیچھے نہیں ہوتی، اس کے لئے حکم شارع کیا ہے، مندرجہ بالا سوالات کے جوابات حدیث سے ہونے چاہئیں۔

**الجواب:** ہر مسلمان کے پیچھے نماز ہوتی ہے، وہ مقلد ہو یا غیر مقلد بشرطیکہ مشرک اور مبتدع بدعت مکفرہ نہ ہو اس واسطے کہ مشرک کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، اور نہ ہی ایسے مبتدع کے پیچھے نماز ہوتی ہے جس کی بدعت مکفرہ ہو پس جو مقلد مشرک نہیں اور مبتدع بدعت مکفرہ بھی نہیں ہے، اس کے پیچھے نماز بلاشبہ جائز و درست ہے اور ہاں واضح رہے، کہ بعض مقلدین کی تقلید مفضی الی الشرک (شرک تک پہنچانے والی) ہوتی ہے، سو ایسے مقلدین کے پیچھے نماز جائز نہیں، اور تقلید مفضی الی الشرک یہ ہے کہ کسی ایک خاص مجتہد کی اس طرح پر تقلید کرے، کہ جب کوئی صحیح حدیث غیر منسوخ اپنے مذہب کے خلاف پاوے۔ تو اس کو قبول نہ کرے، اور یہ سمجھے بیٹھا ہو، کہ ہمارے امام سے خطا اور غلطی ناممکن ہے اور اس کا ہر قول حق اور صواب ہے، اور اپنے دل میں یہ بات جما رکھی ہو، کہ ہم اپنے امام کی تقلید ہرگز نہیں چھوڑیں گے، اگرچہ ہمارے مذہب کے خلاف قرآن و حدیث سے دلیل قائم ہو پس جس مقلد کی ایسی تقلید ہو، وہ مشرک ہے، شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید میں لکھتے ہیں و فیمن یکون عامیا ویقلد رجلا من الفقھاء بعینہ یری انہ یمتنع من مثلہ الخطاء وان ما قالہ ھو الصواب البتۃ واضمر فی قلبہ ان لا یترک تقلیده[1] وان ظھر الدلیل علی خلافہ وذلک ما رواہ الترمذی عن عدی بن حاتم انہ

---

[1] اور اس عامی آدمی کے متعلق جو کسی متعین فقیہ کی تقلید کرتا ہو، اور اس کا عقیدہ یہ ہو، کہ اس سے غلطی نہیں ہو سکتی وہ جو کچھ کہے صحیح ہے اور اس کے دل میں یہ بات بیٹھ چکی ہو کہ اس کی تقلید کسی صورت میں بھی نہ چھوڑوں گا خواہ اس کے برخلاف دلیل ثابت ہی کیوں نہ ہو جائے، وہی فتوی ہے، جس کو امام ترمذی نے عدی بن حاتم سے

قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ قال انھم لم یکونوا یعبدونھم ولکنھم اذا احلوا لھم شیئا استحلوہ واذا حرموا علیھم شیئا حرموہ انتہی۔

(۲) امام اعظم صاحب کی تقلید اگر مفضی الی الشرک ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، تو بے شک امام اعظم صاحب کی یہ تقلید شرک ہے، والا فلا۔

(۳) اس شخص کا علی الاعلان یہ کہنا صحیح نہیں ہے، ہاں اگر اس شخص کے اس کہنے سے یہ مراد ہو، کہ مقلد مشرک یعنی جس مقلد کی تقلید مفضی الی الشرک ہو کے پیچھے غیر مقلد کی نماز نہیں ہوتی، تو اس کا یہ کہنا صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، المجیب محمد عبدالحق ملتانی ماہ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ

سید محمد نذیر حسین

**سوال** ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ عامی اور غیر عامی پر جو درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچا ہے، ایک مذہب کی تقلید کرنا واجب ہے یا نہیں، اور جس پر تقلید واجب ہے، اگر وہ ایک مذہب معین کی تقلید نہ کرے، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے کہ نہیں، اور اس کے ساتھ کھانا، پینا اور شادی کی رسم جاری رکھنا درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب** :۔ ماہران شریعت غرا پر مخفی نہیں، کہ جو شخص مومن باللہ والیوم الآخر اور تصدیق ماجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ضروریات الدین وغیرھا من الفروعات الشرعیۃ خالصا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ضروریات دین بتلائی ہیں اور شریعت کے فروعات بتلائے ہیں ان کی تصدیق کرتا ہو) رکھتا ہو، اور ہر صورت سے پابند شرع ہو یعنی حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانتا ہو، پس بے شک وہ شخص مسلمان متقی اور اس آیت کریمہ کا مصداق ہے، لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملائکۃ والکتاب والنبیین (الی اخر) اولئک الذین صدقوا و

روایت کیا ہے، کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ آیت سنی: انہوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو خدا کے سوا رب بنا رکھا تھا، تو کہا، کہ یہ لوگ ان کی پوجا نہیں کرتے تھے لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال کہہ دیتے، تو اس کو حلال جانتے اور اگر حرام کہہ دیتے، تو حرام جانتے"۔



[1] نیکی یہ نہیں ہے، کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو، بلکہ نیک وہ آدمی ہے، جو اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر، فرشتوں، کتابوں اور نبیوں پر ایمان رکھتا ہو (آخر آیت تک) یہی لوگ سچے ہیں، اور یہی پرہیز گار ہیں الآیۃ

اولئك هم المتقون الآية اولئك على هدى من ربهم واولئك هم المفلحون وغيرها من الآيات القرانية۔ وعن ابن عباس بن عبد المطلب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذاق طعم الايمان من رضى بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد رسولا رواه مسلم۔ وعن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى صلوتنا واستقبل قبلتنا واكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذى له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا الله فى ذمته رواه البخارى كذا فى المشكوة

فی الجملہ جو شخص موصوف بصفات دین اسلام اور احکام شرع پر بطریق اہل سنت کاربند ہو، وہ اگرچہ ایک مذہب معین کا مقلد نہ ہو، خواہ عامی ہو یا غیر عامی کہ درجہ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو، سو وہ شخص مذکور خاصہ مسلمان اور شریعت محمدیہ کا تبع ہے، از روئے شرع شریف اس کی مسلمانی میں کسی طرح کا عیب ونقصان متصور نہیں ہو سکتا، بہر حال وہ شخص بمقتضائے اس آیت کریمہ فان[1] تابوا واقاموا الصلوة واتوا الزكوة فاخوانكم فى الدين کے برادر دینی ہے، گو مذہب معین کا التزام نہ رکھتا ہو، پھر جو کوئی اس کو برا کہے، اور شادی غمی کیا اس سے نفرت وعداوت کرے، اور نہ ملے، وہ فاسق ومخالف کتاب وسنت اور مبتدع متعصب اغلظ ہے، ایسے متعصب بدعتی اغلظ سے ملنا ترک کرے، کیونکہ برضا ورغبت بدعتی سے ملنا ہدم اسلام کا موجب ہے، جیساکہ اس مضمون کی حدیث مشکوۃ وغیرہ میں وارد ہے، کیونکہ تقلید شخصی اور التزام مذہب معین پر شارع کا حکم اور خطاب صادر نہیں ہوا، پس جس عقیدہ پر خدا اور رسول کا حکم ناطق نہ ہو، وہ عقیدہ اور عمل مردود اور قبیح ہوتا ہے قال[2] الله تعالى ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وقال[3] الله تعالى ما

یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں، وغیرہ قرآنی آیات، اور حضرت عباس بن عبد المطلب سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد کے رسول ہونے پر راضی ہوا اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے، تو یہ وہ مسلمان ہے، جس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عہد ہے، سو اللہ کے عہد میں خیانت نہ کرو ۱۲

[1] اگر وہ توبہ کریں، اور نماز کی پابندی کریں، اور زکوۃ ادا کریں، تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں ۱۲ [2] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا، تو اس سے قطعاً قبول نہ کیا جائے گا ۱۲ [3] اللہ تعالیٰ

انزل الله بها من سلطان ان الحكم الا لله الاية وليس لغير الله حكم واجب القبول والا امر واجب الالتزام بل الحكم والامر والتكليف ليس الا له انتهى ما في التفسير الكبير والنيشاپوری

اور سارے اہل اصول حکم کے معنے شرعاً اس طرح پر لکھتے ہیں الحكم خطاب الله تعالى المتعلق بفعل المكلف اقتضاء اى طلبا وهو اما طلب الفعل حتما او غيره او طلب الترك كذلك او تخييرا اى اباحة كذا في مسلم الثبوت في علم الاصول قالوا ان ثبت الطلب الجازم القطعي لفعل غير كف فالفرض او الفعل كف فالحرام وان ثبت الطلب لفعل غير كف بدليل ظني فيه شبهة فالواجب او كف فكراهة التحريم وان لم يكن الطلب جازما بل راجحا فاما ان يكون لفعل غير كف كالندب او كف فكراهة التنزيه وان لم يكن الطلب اصلا بل يكون تخييرا بين الفعل وعدمه فاباحة كذا في شرح المسلم وغيرها من كتب الاصول

پس تقلید شخصی نہ اقتضا میں داخل ہے، نہ تخییر یعنے اباحت میں کان الاباحة اى ما يكون فعله وتركه متساويين حكم شرعي لان الاباحة من الاحكام ولا حكم الا بالشرع فثبت كون الاباحة حكما شرعيا لانها اى الاباحة خطاب الشرع والخطاب حكم شرعي تخييرا اى من الخطاب التخييري كذا في مسلم الثبوت وشرحه

---

نے اس کی کوئی دلیل نہیں اتاری، حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے ۱۲ ـــ [۱] اللہ کے سوا کسی کا حکم واجب القبول اور کسی کا امر واجب الالتزام نہیں ہے، بلکہ حکم اور امر اور کسی کو مکلف بنانے کا حق صرف اللہ کا ہے تفسیر کبیر اور نیشاپوری کا اقتباس ختم ہوا ۱۲ [۲] حکم کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا خطاب جو کسی مکلف کے متعلق ہو، اگر قطعی دلیل سے حتمی طور پر کرنے کا حکم ہو تو وہ واجب ہے، اور اگر ظنی دلیل سے حتمی طور پر روکا جائے، تو وہ مکروہ تحریمی ہے، اور اگر کسی کام کا کرنا ضروری قرار نہ دیا جائے، بلکہ بہتر سمجھا جائے، تو وہ مندوب ہے، اگر روکا جائے تو وہ کراہت تنزیہی ہے، اور اگر کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا جائے، تو اس کا نام اباحت ہے، شرح مسلم وغیرہ کتب اصول میں ایسا ہی لکھا ہے ۱۲

[۳] اس لئے کہ اباحت یعنی جس کا کرنا نہ کرنا برابر ہو، ایک شرعی حکم ہے، کیونکہ احکام سے ہے، اور حکم شریعت ہی کی ایک شاخ ہے، تو معلوم ہوا کہ اباحت حکم شرعی ہے، اس لئے کہ اباحت شرع کا خطاب ہے، اور خطاب حکم شرعی ہے، یعنی اباحت شریعت کا تخییری حکم ہے، مسلم الثبوت میں ایسا ہی ہے ۱۲

اور جب تقلید شخصی خطاب شرع اور تکلیفات شرعیہ میں داخل نہ ہوئی نہ اقتضاءً نہ تخییراً پس بدعت مذمومہ ہے کما قال[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد کما رواھما البخاری فی صحیحہ اسی نظر سے فاضل جلیل علامہ اکمل محمد اسمٰعیل علیہ الرحمۃ والغفران نے تقلید شخصی والتزام مذہب معین کو بدعات حقیقیہ میں شمار کیا ہے، وملا علی قاری سم العوارض و شرح عین العلم میں اور عبد العظیم ملا ابن فروخ مکی قول سدید میں لکھتے ہیں اعلموا[2] ان اللہ لم یکلف احدا من عبادہ ان یکون حنفیا او مالکیا او شافعیا او حنبلیا بل اوجب علیھم الایمان بما بعث بہ محمدا صلی اللہ علیہ وسلم والعمل بشریعتہ انتہی ما فی القول السدید مختصراً۔

**ف**:۔ اور اس عاجز نے اگرچہ ایک صورت تقلید شخصی کی معیار الحق میں بسبیل تنزل مباح میں درج کی تھی لیکن عند التحقیق الحقیق مباح میں بھی داخل نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ مباح خطاب شارع میں داخل ہے، اور تقلید شخصی خطاب شارع سے خارج ہے۔ کما لا یخفی علی الماہر المتفطن المنصف وفی التفسیر[3] الکبیر المسئلۃ الثانیۃ الاکثرون من المفسرین قالوا لیس المراد من الارباب انھم اعتقدوا فیھم انھم آلھۃ العالم بل المراد انھم اطاعوھم فی اوامرھم ونواھیھم نقل عن عدی بن حاتم کان نصرانیا فانتھی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقرأ سورۃ براءۃ فوصل الی ھذہ الآیۃ فقلت لسنا نعبدھم فقال الیس یحرمون ما احل اللہ فتحرمونہ و

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی ہمارے دین میں نیا کام جاری کرے، جو اس کا جزو نہ ہو، تو وہ کام مردود ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی ایسا کام کرے، جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے ۱۲

[2] جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو بھی یہ حکم نہیں دیا، کہ وہ حنفی یا مالکی یا شافعی یا حنبلی بنے، کیونکہ ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر ایمان لانا، اور اس پر عمل کرنا فرض قرار دیا ہے ۱۲

[3] تفسیر کبیر میں ہے دوسرا مسئلہ یہ ہے، کہ اکثر مفسرین نے کہا ہے، کہ اہل کتاب کے اپنے مولویوں، اور پیروں کو رب بنانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ان کو عقیدۃً خدا سمجھتے تھے، بلکہ مراد یہ ہے، کہ وہ اوامر و نواہی میں ان کی اطاعت کرتے تھے عدی بن حاتم سے روایت ہے (جو پہلے عیسائی تھے)، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب پہنچے، تو آپ اس وقت سورہ براءت کی یہ آیت پڑھ رہے تھے، میں نے عرض کیا، کہ ہم تو ان کی عبادت

یحلون ما حرم اللہ فتستحلونہ فقلت بلی قال فتلک عبادتہم وقال الربیع قلت لابی العالیۃ کیف کانت تلک الربوبیۃ فی بنی اسرائیل فقال انہم ربما وجدوا فی کتاب اللہ ما یخالف اقوال الاحبار والرہبان فکانوا یاخذون باقوالہم وما کانوا یقبلون حکم کتاب اللہ تعالیٰ قال شیخنا ومولانا خاتم المحققین والمجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد شاہدت جماعۃ من مقلدۃ الفقہاء قرأت علیہم آیات کثیرۃ من کتاب اللہ تعالیٰ فی بعض مسائل وکانت مذاہبہم بخلاف تلک الآیات ولم یلتفتوا الیہا وبقوا ینظرون الی کالمتعجب یعنی کیف یمکن العمل بظواہر الآیات مع ان الروایۃ عن سلفنا وردت علی خلافہا ولو تاملت حق التامل وجدت ھذا الداء ساریا فی عروق الاکثرین من اھل الدنیا فان قیل انہ تعالیٰ لما کفرہم بسبب انہم اطاعوا الاحبار والرہبان فالفاسق یطیع الشیطان فوجب الحکم بکفرہ کما ھو قول الخوارج والجواب ان الفاسق وان کان یقبل دعوۃ الشیطان الا انہ لا یعظمہ لکن یلعنہ ویستخف بہ اما اولئک الاتباع کانوا یقبلون قول الاحبار والرہبان ویعظمونہم فظہر الفرق انتہی ما فی الکبیر مختصرا من سورۃ

---

نہیں کیا کرتے تھے آپ نے فرمایا کیا جب وہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیتے تھے، تو تم اس کو حلال یا حرام نہیں سمجھتے تھے؟ میں نے عرض کیا ہاں، تو فرمایا یہی ان کی عبادت تھی، ربیع کہتے ہیں میں نے ابوالعالیہ سے سوال کیا، کہ بنی اسرائیل ان کو خدا کس طرح جانتے تھے، تو آپ نے کہا وہ کتاب اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اور ان کے اقوال قبول کر لیا کرتے تھے، شاہ ولی اللہ صاحب خاتم المحققین والمجتہدین فرماتے ہیں، میں نے فقہائے مقلدین کی ایک جماعت اس طرح کی دیکھی ہے، کہ میں نے بعض مسائل میں ان کو قرآن پاک کی آیات پڑھ کر سنائیں، جو ان کے مذہب کے خلاف تھیں، تو انہوں نے ان آیات کو نہ تو قبول کیا اور نہ ان کی طرف توجہ ہی کی اور حیران و پریشان دیکھتے رہے مطلب یہ ہے کہ ہمارے مجتہدین کے اقوال اگر ان کے برخلاف ہوں، تو ان ظاہر آیات پر عمل کیسے کر سکتے ہیں، اگر آپ اچھی طرح غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا، کہ یہ بیماری اکثر اہل دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، اگر یہ سوال کیا جائے، کہ شیطان کی پیروی کرنے والے کو تو صرف فاسق کہا جاتا ہے، اور مولویوں اور پیروں کی اطاعت کرنے والوں پر خدا تعالیٰ نے کفر کا فتویٰ کیوں لگا دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے، کہ فاسق اگرچہ شیطان کی اطاعت کرتا ہے لیکن اس کو دل سے برا جانتا ہے، اس پر لعنت کرتا ہے، اور اس کو ذلیل سمجھتا ہے، اور یہ لوگ مولویوں اور پیروں کی اطاعت کرتے ہیں، تو یہ ان کی تعظیم کرتے

البادۃ تقریر و تقلید مقلدان مذہب بلا دلیل مثل تقریر و تقلید مردمان ایام جاہلیت کے ہے، لہذا مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے تفسیر عزیزی میں لکھا ہے

واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ یعنی چو گفتہ می شود ایشانرا کہ پیروی کنید حکم را کہ خدا نازل کردہ است و وسوسہ شیطان و طریقہ آباء و اجداد خود را بگذارید قالوا گویند کہ ما پیروی حکم خدا نمی کنیم زیرا کہ مارا کجا لیاقت است، کہ کنہ حکم الہی در یافت نمائیم و نیز از کجا یقین بہم رسانیم کہ آنچہ شما می گوئید حکم الہی است بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا یعنی بلکہ ما پیروی کنیم آن رسم و رواج را کہ یافتہ ایم برآن پدران گذشتہ خود را آن چیز را کہ ایشان از قدیم میخوردند می خوریم و آن چیز را کہ ایشان حرام می دانستند می دانیم، زیرا کہ پدران گذشتہ ما از ما دانا تر و عاقل تر بودند اگر درین رسم و رواج نقصانے می یافتند ہرگز آن را معمول نمی گذاشتند، و نیز اگر ما خلاف آباء و اجداد خود کردہ و رخوردن و آشامیدن بیباکی نمائیم مطعون خلائق و خصوصا اقارب و عشائر خود شویم و مارا از برادری خارج کنند و با ما نشست و برخاست و علاقہ مناکحت و مواکلت موقوف کنند، چنانچہ ہمیں عذر در ہنود ہر قوم از بقال و کالستیھہ و راجپوت و غیرہم از رواج و رسم خود بر نمی گردند، و بعضے از جہال مسلمین نیز بآموختن از ایشان در ترک نکاح بیوگان و دیگر رسوم باطلہ ہمیں قسم اعذار بیان می کنند، و ابن اسحق و ابن ابی حاتم از ابن عباس آوردہ، کہ

---

ہم ان کو حق پر سمجھتے ہیں، سوان دونوں میں یہ فرق ہے۔

شاہ عبدالعزیز تفسیر عزیزی میں آیت "واذا قیل لہم اتبعوا ما انزل اللہ" کے تحت لکھتے ہیں، کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ حکم الہی کی پیروی کرو، اور آباء و اجداد و شیطان کی پیروی چھوڑ دو، تو کہتے ہیں، کہ ہم خدا کے حکم کی اطاعت نہیں کر سکتے، کیونکہ ہم میں اتنی قابلیت ہی نہیں ہے، کہ ہم خدا کے حکم کو سمجھ سکیں، اور پھر ہمیں یقین بھی کیونکر آ سکتا ہے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو، یہ خداوندی حکم ہے، ہم تو اسی رسم و رواج کی پیروی کریں گے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، جو وہ کھاتے تھے ہم کھائیں گے، جو حرام جانتے تھے ہم اس کو حرام جانیں گے، کیونکہ ہمارے باپ دادا ہم سے زیادہ عقل مند تھے، اگر اس میں وہ کوئی خرابی دیکھتے، تو ضرور اس کو چھوڑ دیتے، اور اب اگر ہم ان کے رسم و رواج کی خلاف ورزی کر کے کھائیں پئیں گے، تو تمام آدمی ہم کو طعنہ دیں گے، اور خصوصاً برادری ناراض ہو کر ہم کو برادری سے خارج کر دے گی، ہم سے تعلقات منقطع کر لیں گے، بالکل اسی طرح ہندو بھی اپنے رسم و رواج کو نہیں چھوڑتے اور بعضے جاہل مسلمان رسوم باطلہ کے ترک کرنے میں یا بیوہ کا دوسرا نکاح کرنے میں بالکل یہی عذر پیش کرتے ہیں ابن ابی اسحاق اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

روزے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم با یہودیاں ہم کلام شدہ آن قدر ایشان را خوبی ہائے اسلام فہمانیدند، ودر ترک قبول اسلام آن قدر ایشان را لا جواب کردند، کہ ہیچ جائے عذر نماند ومقطع سخن برین افتاد کہ رافع بن خارجہ ومالک بن عوف ودیگر دانشمندان آنہا گفتند، کہ حقیقت دین شما مسلم لیکن نتبع ما وجدنا علیہ اباءنا فھم کانوا اعلم وخیرا منا پس حق تعالیٰ این آیت نازل فرمود آہ

بعد اس کے شاہ صاحب مرحوم تحت مضامین اس آیت مذکور کے فرماتے ہیں :۔

چہارم آنکہ درین آیت اشارہ است بابطال تقلید بدو طریق اول آنکہ از مقلد باید پرسید کہ ہر کرا تقلید می کنی نزد تو محقق است یا نے، اگر محقق بودن او را نمی شناسی پس با وجود احتمال مبطل بودن او چرا او را تقلید می کنی، واگر محقق بودن او را می شناسی پس بکدام دلیل می شناسی اگر بہ تقلید دیگری شناسی سخن دران خواہد رفت وتسلسل لازم خواہد آمد، واگر بعقل می شناسی پس آنرا چرا در معرفت حق صرف نمی کنی وعار تقلید بر خود گوارا میداری، طریق دوم آنکہ کسے را کہ تقلید می کنی، اگر این مسئلہ را او ہم بتقلید دانستہ است، پس تو واو برابر شدید او را چہ ترجیح ماند کہ تقلید او می کنی، واگر بدلیل دانستہ، پس تقلید دستفنے تمام می شود کہ تو ہم آن مسئلہ را بہمان دلیل بدانی

---

نے یہودیوں سے کلام شروع کیا، ان کو اسلام کی خوبیاں اس طرح سمجھائیں، اور اسلام قبول نہ کرنے کے بارے میں ان کو ایسا لاجواب کیا، کہ کوئی عذر باقی نہ رہ گیا، بالآخر رافع بن خارجہ اور مالک بن عوف نے کہا، کہ آپ کے دین کی حقانیت تو مسلم ہے لیکن ہم اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے، کیونکہ وہ ہم سے بہتر بھی تھے، اور عالم بھی زیادہ تھے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

چوتھی بات یہ ہے، کہ اس آیت میں تقلید کے ابطال کی طرف اشارہ ہے دو طریق سے، پہلی وجہ یہ ہے، کہ مقلد سے پوچھنا چاہیئے، کہ جس کی تو تقلید کرتا ہے، وہ تیرے نزدیک حق پہ ہے یا نہیں؟ اگر تو اس کے حق پر ہونے کو نہیں جانتا اور اس کے غلطی پر ہونے کے احتمال کو بھی سمجھتا ہے، تو اس کی تقلید کیوں کرتا ہے، اور اگر اس کا حق پر ہونا جانتا ہے، تو کیونکر جانتا ہے، اگر کسی اور کے کہنے پر تجھے اعتبار آگیا ہے، تو پھر اس کا حق پر ہونا جانتا ہے یا نہیں، اس طرح تسلسل اور دور لازم آئے گا، اور اگر عقل سے اس کا حق پر ہونا سمجھتا ہے، تو اس عقل کو حق کی معرفت میں کیوں استعمال نہیں کرتا؟ کیوں اپنے لئے تقلید کی ذلت گوارا کرتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے، کہ جس کی تو تقلید کرتا ہے، اس نے بھی اس مسئلہ کو تقلید سے معلوم کیا ہے یا دلیل سے؟ اگر اس نے بھی اسے تقلید ہی سے معلوم کیا ہے، تو پھر تو اور وہ برابر ہو گئے، وہ تجھ سے بہتر کیونکر ہوا اور اس نے اگر اسے دلیل سے معلوم کیا ہے، تو اس کی صحیح تقلید تو یہ ہے، کہ تو بھی اسے دلیل سے معلوم کر، ورنہ تو اس کا

والا مخالف او باشی نہ مقلد او وچوں تو ہم آں مسئلہ را بدلیل دانستی تقلید ضائع شد انتہی ما فی العزیزی،

قال فی التفسیر الکبیر المسئلۃ الثانیۃ معنی الآیۃ ان اللہ تعالیٰ امرھم بان یتبعوا ما انزل اللہ من الدلائل الباھرۃ فھم قالوا لا نتبع ذلک وانما نتبع آباءنا واسلافنا فکانما عارضوا الدلالۃ بالتقلید واجاب اللہ تعالیٰ عنھم بقولہ اولو کان آباؤھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون وفیہ مسائل المسئلۃ الثانیۃ تقریر ھذا الجواب من وجوہ احدھا ان یقال للمقلد ھل تعترف بان شرط جواز تقلید الانسان ان یعلم کونہ محقا ام لا فان اعترف بذلک لم یعلم جواز تقلیدہ الا بعد ان تعرف کونہ محقا فکیف عرفت انہ محق وان عرفتہ بتقلید اخر لزم التسلسل وان عرفتہ بالعقل فذالک کاف فلا حاجۃ الی التقلید وان قلت لیس من شرط جواز تقلیدہ ان یعلم کونہ محقا فاذن قد جوزت تقلیدہ وان کان مبطلا فاذن انت علی تقلیدک لا تعلم انک محق او مبطل۔

وثانیھا ان ذلک المتقدم کان عالما بھذا الشیٔ الا انا لو قدرنا ان ذلک المتقدم ما کان عالما بذلک الشیٔ قط وما اختار فیہ البتۃ مذھبا فانت ماذا کنت

---

مخالف ہو گا نہ کہ مقلد اور جب تو نے اس کو دلیل سے معلوم کر لیا تو تقلید ختم ہو گئی۔

تفسیر کبیر میں کہا ہے: دوسرا مسئلہ آیت کا معنی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ خداوند تعالیٰ کی واضح دلیلوں کی پیروی کرو، تو انہوں نے جواب کہا، کہ ہم اس کی پیروی نہیں کریں گے، ہم تو اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے، گویا انہوں نے دلیل کا مقابلہ تقلید سے کیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا، کہ اگرچہ ان کے باپ بے سمجھ اور گمراہ ہی ہوں، تب بھی انہی کی پیروی کریں گے اور اس میں بہت مسائل ہیں، دوسرا مسئلہ، اس جواب کی کئی طرق سے تقریر کا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ مقلد سے پوچھنا چاہیئے، کیا تو یہ اقرار کرتا ہے، کہ کسی انسان کی تقلید کرنے کے لئے اس کے حق پر ہونے کا علم بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اگر وہ اقرار کرے کہ ہاں اس کے حق پر ہونے کا علم ضروری ہے، تو اس سے پوچھا جائے، کہ تم کو اس کا حق پر ہونا کیسے معلوم ہوا؟ اگر کسی دوسرے کی تقلید سے ہوا ہے، تو تسلسل اور دور لازم آئے گا، اور اگر تو نے عقل سے معلوم کر لیا ہے، تو یہ عقل دلیل تلاش کرنے کے لئے کافی ہے، تقلید کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر مقلد کے حق پر ہونے کا علم ضروری نہیں سمجھتا، تو اس کا مطلب یہ ہے، کہ تو نے اس کے باطل پر ہونے کے جواز کے باوجود اس کی تقلید کر لی، اس وقت تم کو یہ معلوم نہ ہو گا، کہ تم حق پر ہو یا باطل پر، دوسری وجہ یہ ہے، کہ فرض کر لو جس کی تم تقلید کرتے ہو

تعمل فلا تقدیران لا یوجد ذلک المتقدم ولا من ھہ کان لا بد من العدول الی النظر فکذا ھہنا۔

وثالثہا انک ان قلدت من قبلک فذلک المتقدم کیف عرفتہ اعرفتہ بتقلید امر لا بتقلید فان عرفتہ بتقلید لزم اما الدور واما التسلسل وان عرفتہ لا بتقلید بل بدلیل فاذا اوجبت تقلید ذلک المتقدم وجب ان تطلب العلم بالدلیل لا بالتقلید لانک لو طلبت بالتقلید لا بالدلیل مع ان ذلک المتقدم طلبہ بالدلیل لا بالتقلید کنت مخالفا لہ فثبت ان القول بالتقلید یفضی ثبوتہ الی نفیہ فیکون باطلا انتہی ما فی الکبیر

نزلت فی المشرکین امروا باتباع القرآن وسائر ما انزل اللہ تعالی من الحجج القاہرۃ والبینات الباہرۃ فجنحوا الی التقلید وقیل نزلت فی طائفۃ من الیہود دعاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الاسلام فقالوا بل نتبع ما وجدنا علیہ آباءنا لانہم کانوا خیرا منا واعلم الی آخر ما فی التفسیر ابی السعود

پس آیات کریمہ مذکورہ بالا سے صاف ظاہر ہے، کہ مقلدان زمانہ باوصف درس و تدریس صحاح ستہ وقرآن مجید کے بنا بر اعتماد قواعد مخترعہ متاخرین اور روش و عادت اہل کتاب نصوص صریحہ قرآن وحدیث سے بلطائف الحیل وتاویلات رکیکہ مقابلہ ومعارضہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ ہم کو اس قدر فہم وفراست کہاں کہ مقاصد قرآن وحدیث پر عبور کریں، جو کچھ اسلاف کرام نے قواعد واصول مقرر کئے ہیں، ان پر عمل کرتے ہیں، پس ان پر فرمودہ رسول مقبول صلی اللہ

---

اگر اس کو اس مسئلہ کا علم نہ ہوتا، یا وہ خود ہی دنیا میں پیدا نہ ہوتا، تو تم کیا کرتے، یقیناً تم کو کسی اور کی طرف نگاہ اٹھانا پڑتی سو اب بھی ایسا ہی کیوں نہیں کرتے۔

تیسری وجہ یہ ہے، کہ جس پہلے آدمی کی تم تقلید کر رہے ہو اس نے اس مسئلہ کو کیسے معلوم کیا۔ اگر کسی اور کی تقلید سے معلوم کیا ہے، تو دور لازم آئے گا، اور اگر اس نے دلیل سے معلوم کیا ہے، تو اس کی تقلید تو یہ ہے، کہ تم بھی دلیل سے اس کو معلوم کرو، ورنہ مخالفت لازم آئے گی، تو معلوم ہوگیا، کہ تقلید سے کوئی بات کہنا تقلید کی نفی کی طرف لے جاتا ہے پس تقلید باطل ٹھہری تفسیر کبیر کا مضمون ختم ہوا، یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی کہ جب ان کو دلائل کے اتباع کی دعوت دی گئی تو وہ تقلید آباء کی طرف جھک گئے بعض کہتے ہیں، کہ یہ آیت یہود کی ایک جماعت کے حق میں نازل ہوئی ان کو حضور نے اسلام کی دعوت دی تو وہ کہنے لگے، ہمارے باپ دادا ہم سے بہتر تھے زیادہ عالم تھے، ہم ان کی پیروی کریں گے (ابو السعود)

علیہ وسلم راست آیا۔ لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتی لو دخلوا جحر ضب تبعتموھم قلنا یارسول اللہ الیھود والنصاری قال فمن۔ انتہی مافی صحیح البخاری وغیرہ من کتب الحدیث

ان نافہم مقلدوں کے عجیب طریقہ وشعار پر صد ہزار افسوس ہے کہ ائمہ مجتہدین کے اقوال پر بھی کاربند نہیں ہوتے، بلکہ بمقتضائے مضمون آیت کریمہ فی کل واد یھیمون یعنی وادی جہالت میں سرگردان رہتے ہیں، اور تابعداران وتبعان خدا ورسول کو بزعم فاسد خود سب وشتم وزدوکوب کرتے ہیں، اور لامذہب وبددین کہتے ہیں، پس ان کے یہ تمام آثار و شعار بسبب ہوائے نفسانی وموجب عدم تدبر قرآن وحدیث واقوال سلف صالحین ومتاخرین محققین کے خلاف ہیں، اور اقوال بلا دلیل پر نازان وفرحان ہیں، مسلم الثبوت میں مذکور ہے، عن[2] ائمتنا لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا مالم یعلم من این قلنا انتہی وھکذا فی سم القوارض للملا علی قاری الھروی

واسامی کتب اہل اصول مذہب حنفی وغیرہ کے عدم وجوب تقلید شخصی میں یہ ہیں، باب ثامن عشر قضا فتاوے عالمگیری، وفتح القدیر، وتحریر الاصول لابن الہمام، وتقریر شرح تحریر صاحب عنایہ وتحبیر شرح تحریر امیر الحاج وشرح تحریر سید بادشاہ، شرح منہاج علامہ قاسم، ومسلم الثبوت محب اللہ البہاری، ومختصر الاصول ابن حاجب، وعضدی شرح مختصر الاصول وشرح تحریر ومسلم مولانا نظام الدین وبحر العلوم مولوی عبد العلی، وعقد الفرید شرنبلالی، وطحطاوی ورد المحتار، وطوالع الانوار حواشی درمختار ومعظم الحصول علامہ حبیب اللہ قندھاری وقول سدید شیخ الشیوخ سید احمد طحطاوی تحصیل التعرف فی معرفت الفقہ والتصوف شیخ عبد الحق محدث دہلوی وکتاب الرد علی من اخلد الی الارض للشیخ جلال الدین السیوطی وعلامہ عبد البر وقرافی در شرح اصول، وعبد الوہاب، در میزان ویواقیت وعقد الجید وحجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وسوالات عشرہ شاہ عبد العزیز وقاضی

---

[1] تم اپنے سے پہلے لوگوں کی پوری پوری پیروی کروگے بالشت با بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ، اگر ان میں سے کوئی گوہ کے بل میں گھسا ہوگا، تو تم بھی گھس گئے، ہم نے پوچھا اے اللہ کے رسول یہود ونصاری کی پیروی کریں گے، آپ نے فرمایا اور کس کی؟ ۱۲ [2] ہمارے اماموں کا قول ہے، کہ کسی آدمی کو اس وقت تک ہمارے قول پر فتوی دینا جائز نہیں ہے، جبتک کہ اس کو یہ معلوم نہ ہوجائے کہ ہم نے وہ قول کیوں کہا، ملا علی قاری کی سم القوارض میں بھی اسی طرح ہے ۱۲

ثناء اللہ پانی پتی کا رسالہ اہل بالحدیث و کتاب فارسی جو گویا ترجمہ مسلم الثبوت ہے، تنویر العینین وایضاح الحق مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی، جیسا کہ واقفان و مزاولان کتب مذکورہ پر مخفی نہیں ہے اس صورت میں مقلدین ہوا پرستان پر واجب ہے، کہ بنظر انصاف و تدبر تمام کتب مذکورہ کو ملاحظہ فرما کر افراط و تفریط سے باز آدیں، تا رضائے مولا پا دیں سے

اندکے باتو بگفتم وبدل ترسیدم  کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

واضح ہو، کہ جاہل ناواقف پر بمقتضائے لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر[1] الآیۃ ہل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون الآیۃ[2] فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون[3]۔ وغیرہا من الآیات، مسائل کا پوچھنا اور سیکھنا شرعاً فرض وواجب ہے، یعنی ہر جاہل لاعلمی کے وقت کسی عالم اہل الذکر سے خواہ وہ عالم افضل ہو، خواہ وہ فاضل خواہ مفضول ہو، کیونکہ اہل الذکر عند التحقیق عام ہے، مسئلہ دریافت کرلیا کرے، خواہ ایک عالم اہل ذکر سے پوچھ لے یا دو سے، فی الجملہ جس سے تسلی اور دل جمعی ہو، پھر جب ایک سے یا دو سے مثلاً دریافت کرلیا، عہدہ تکلیف سے باہر ہوگیا، اس پر شرعاً مواخذہ نہ رہا، اور اسی پر قطعاً اجماع ہو چکا۔

اعلم[4] ان کلا من المجتہدین والعلماء الکاملین من اہل الذکر الذین وجب سوالہم واتباعہم لمن لم یصل الی درجۃ النظر والاستدلال فاذا عمل احد من المقلدین بقول احد منہم فقد ادی ما علیہ ھذا خلاصۃ ما یستفاد من القول السدید وغیرہ۔ مسئلہ یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل فی اہلہ عند الاکثر وعن احمد وکثیر المنع بل یجب النظر فی الارجح ثم اتباعہ لنا

---

[1] اگر ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے، تو ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے ۱۲ [2] کیا جاہل اور عالم کبھی برابر ہو سکتے ہیں ۱۲ [3] اگر تم کو معلوم نہیں تو اہل ذکر (علم والوں) سے پوچھ لو ۱۲

[4] جان لینا چاہیے، کہ ہر اس آدمی کے لئے جو درجہ نظر و استدلال تک نہیں پہنچا ہے، سارے مجتہد اور علمائے کاملین اہل ذکر ہیں، جن سے مسئلہ پوچھنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، جب کوئی مقلد کسی عالم کے قول پر عمل کرے گا، تو اس نے اپنی تحقیق کرلی" القول السدید وغیرہ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے

مسئلہ۔ افضل اور اعلم کے ہوتے ہوئے بھی مفضول کی تقلید اکثر اہل علم کے نزدیک جائز ہے لیکن امام احمد اور کچھ دوسرے علماء اس کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک "زیادہ صحیح" کی تلاش ضروری ہے

بولا کما اقول عموم فاسئلوا اھل الذکر وثانیا القطع فی عصر الصحابۃ باستفتاء کل صحابی مفضول فکان اجماعا ومن ثم قال الامام لولا اجماع الصحابۃ لکان مذھب الخصم اولی انتھی ما فی مسلم الثبوت فمن انکر عموم اھل الذکر فاولی لہ ثم اولی لہ اللھم ارنا الحق حقا والباطل باطلا۔ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ الراقم عاجز سید محمد نذیر حسین

| سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ |
|---|

| زشرف سید کونین شد شریف حسین | سید احمد حسن | یہ طفیل نبی الٰہی بخش | شہاب الدین |
|---|---|---|---|

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ فی الواقع یہ رسالہ مسمی بہ ثبوت الحق الحقیق واسطے حق کے کافی ہے، اور واسطے ہدایت کے وافی ہے

حررہ محمد عبدالرؤف پھلوادی عظیم آبادی | محمد عبدالرؤف | محمد عبدالعزیز | عظیم آبادی

| خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین | عظیم آبادی | ابوالنصر محمد عبدالغفار | پھلوادی عظیم آبادی |
|---|---|---|---|

| محمد نظیر حسن ابونعیم ۱۳۰۰ | عظیم آبادی | محمد عبدالصمد ابن ملا عبدالواحد خاں | شہود الحق بتوفیق خداباد |
|---|---|---|---|

| محمد ۱۲۹۵ زاحمد شد ابوالحامد | ھذا الجواب صحیح ۔ محمد غلام اکبر خاں | عظیم آبادی |
|---|---|---|

محمد غلام اکبر خان | دہلوی | محمد عبدالقادر | جلیسری

محمد عبدالحمید ھوالتحقیق ماقال المجیب محمد عبدالحمید | محمد عبدالحمید | جلیسری

| محمد عبدالعزیز خادم شرع عزیز | فیروزپوری ثم الجلال آبادی | محمد عبدالعزیز رحیم آبادی | محمد عبدالغفار بنگالی |
|---|---|---|---|

| نعم المولیٰ ونعم النصیر نصیر الحق عظیم آبادی | زنور الحسن ۱۲۹۲ جہاں شد منور | حفیظ اللہ بنگالی | عبدالغفور بنگالی |
|---|---|---|---|

| محمد امیر علی عفی عنہ لکھنوی | محمد قاسم عفی عنہ شاہ آبادی | محمد عبدالسبحان خان متوشمس آبادی |
|---|---|---|

| محمد عبدالحق پنجابی | محمد جمیل اعظم گڈھی | (باقی مواہیر آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں) |
|---|---|---|

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں، کہ اولا اللہ تعالیٰ نے اہل الذکر میں عموم رکھا ہے اور ثانیا صحابہ کے زمانہ میں یہ فیصلہ ہو گیا کہ افضل کے ہوتے مفضول صحابی بھی فتوی دیا کرتے تھے تو گویا اس طرح پر اجماع ہو گیا یہی وجہ ہے، کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا اگر صحابہ کا اجماع نہ ہوتا، تو ہمارے مخالفین کی بات راجح ہوتی مسلم الثبوت کا مضمون ختم ہوا، سو جو عموم اہل ذکر کا انکار کرے، اس پر نہایت ہی افسوس ہے، خداوندا ہمیں حق حق دکھا اور باطل باطل ۱۲

| محمد سعید کنجاہی | محمد حسین خان عفی عنہ ساکن قصبہ مغلپور متعلقہ مراد آباد | محمد راج شاہی ساکن جامریہ | رحیم اللہ عفی عنہ مئوی |
|---|---|---|---|
| علی حسن خان حمید پوری ضلع اعظم گڈھ | عبد الہادی الاسلام آبادی | محمد امیر حسن البہاری عظیم آبادی | |
| محمد خلیل الرحیم نصیر آبادی | محمد حسین پنجابی سلطان پوری | محمد گلزار حسین عفی عنہ | |
| محمد عبد العزیز مراد آبادی | حافظ اللہ دیا پنجابی | نور محمد اعظم المئوی اعظم گڈھی | |

**سوال:** - چہ فرمایند علمائے دین درحق شخصے کہ ایمان بخدا وملائکہ وکتب منزلہ وپیغمبران وقیامت وتمامی ضروریات ایمان میدارد، واقرار شہادتین نمودہ وادائے صلوۃ وصوم مینماید واراده ادائے حج وزکوۃ بشرط فرض شدن آنہا میدارد وامیدوار رحمت پروردگار وخائف از عذاب اومی باشد، ومجتنب از ہمہ اقسام مناہی است، وعلی الخصوص از منافیات ایمان وتمامی برگزیدگان بارگاہ صمدیت راز صحابہ وتابعین وتمامی مجتہدین واولیاء اللہ وعلمائے ربانی رامقتدائے خود داند، وبرطریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ وتابعین عمل می نماید ودر ہیچ وجہ درعقاید اہل سنت واعمال نقصان نمی نماید، بلکہ بخیال سہو وخطا درعقاید وعمل دائما استغفار وتعوذ وردزبان میدارد، بالجملہ بجمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق میکند وحسب استطاعت وما خلاق واعمال شرعیہ فرو گذاشت نمی کند، آیا جامع این اوصاف مسلمان است یا نہ، وکسے کہ این چنین شخص راکافر گوید وبطلان اسلامش اعتقاد می کند بسبب آنکہ مذہب خود را بسوئے حنفیت وشافعیت وغیرہما نسبت نمی کند، حال این تکفیر کنندہ چیست، بینوا توجروا۔

**الجواب:** - درصورت صدق مستفتی ہرکہ این شخص راکافر می گوید وبطلان اسلامش

---

سوال: - کیا فرماتے ہیں علمائے دین، کہ ایک شخص خدا، فرشتوں تمام منزلہ کتابوں اور پیغمبروں اور قیامت کا یقین رکھتاہے، شہادتین کا اقرار کرتاہے، نماز روزے کا پابند ہے، حج اور زکوۃ اگر فرض ہوجائے تو ان کے ادا کرنے کی نیت رکھتاہے، خدا کی رحمت کا امیدوار اور اس کے عذاب سے ترساں ہے، تمام برے کاموں سے پرہیز کرتاہے، بزرگان دین صحابہ وتابعین کو اپنا مقتدا جانتاہے، غرضیکہ اہل سنت کے عقائد میں سے کسی میں کمی نہیں کرتا، اور اپنی غلطیوں سے ہر وقت استغفار کرتا رہتاہے، حتی المقدور نیک کام کرنے کی کوشش کرتاہے، لیکن اپنے آپ کو حنفی یا شافعی نہیں کہلاتا ایسا شخص مسلمان ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی اس کو کافر کہے، تو اس کا اپنا حال کیاہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: - جو شخص ایسے آدمی کو کافر کہے وہ خود کافر ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاہے،

اعتقاد می کند خود کافر می گردد، ودر مجمع البحار است، در شرح حدیث من قال لاخیه یا کافر فقد باء بہ لانہ ان صدق علیہ فھو کافر وان کذب عاد الکفر الیہ ای کفر بفرع من فروع الایمان ولا یخرج عن اصل الایمان وان کذب واعتقد بطلان الاسلام رجعت الی القائل وکذا ان استحلہ والا فمجرد تکفیرہ فسق لا یوجب الکفر قال لاخیہ کافر بالتنوین خبر مبتدا محذوف ای ھو کافر ومرفی یا کافر انتہی۔ وظاہر است کہ نسبت نکردن مذہب خود بیکے از ائمہ مجتہدین بالخصوص منافی ایمان نیست تا بسبب آن ایمان العیاذ باللہ تعالیٰ سلب شود وکافر گردد، وکتاب مسلم در اصول فقہ کہ مثلش درین علم کتابے دیگر نیست، نزد علمائے محققین بر لفظ فیہ ما فیہ تمام گشتہ مصنف او رحمہ اللہ در حاشیہ این نوشتہ قال العراقی انعقد الاجماع علی من اسلم فلہ ان یقلد من شاء من العلماء من غیر حجر واجمع الصحابۃ علی من استفتی ابابکر وعمر امیری المؤمنین فلہ ان یستفتی ابا ھریرۃ ومعاذ بن جبل وغیرھما ویعمل بقولھم من غیر نکیر فمن ادعی برفع ھذین الاجماعین فعلیہ البیان۔

ازیں ہر دو اجماع خصوصاً از اجماع ثانی ثابت شد کہ کسے کہ مذہب خود بیکے از مجتہدین منتسب نہ کند کافر نمی گردد، وکسے کہ کافر می گوید بر او لازم می آید کہ او تکفیر صحابہ کرام وتابعین غیر مجتہدین می کند نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک۔ اگر مکفر در جواب بگوید، کہ ہر دو اجماع مذکور

---

جو اپنے بھائی کو کافر کہے، تو اگر وہ واقعی کافر ہو تو وہ کفر کا فتوی اس پر جاری ہوگا، اور اگر وہ کافر نہ ہو، تو کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔ اور یہ ظاہر بات ہے، کہ اپنے آپ کو ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی طرف منسوب نہ کرنا ایمان کے منافی نہیں ہے کہ اس کے سبب سے آدمی کافر ہو جائے، مسلم الثبوت اصول فقہ میں ایک نہایت بیش قیمت کتاب ہے اس نے مصنف نے حاشیہ پر لکھا ہے، کہ عراقی کہتے ہیں، اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، کہ جو بھی آدمی مسلمان ہو، اس کو حق ہے، کہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی تقلید کرے، اور صحابہ کا اس پر اجماع ہے، کہ اگر کوئی آدمی ابوبکر و عمر امیر المؤمنین سے مسئلہ پوچھے، تو اس کو یہ بھی حق ہے، کہ ابوہریرہ اور معاذ بن جبل سے بھی مسئلہ پوچھ لے اور جس کے قول پر چاہے عمل کرے، اور اگر کوئی اس کے برخلاف کہے، تو وہ دلیل بیان کردے۔

ان دونوں اجماعوں خصوصاً دوسرے اجماع سے ثابت ہوا، کہ اگر کوئی آدمی کسی مجتہد کی طرف منسوب نہ ہو تو وہ کافر نہیں ہو جاتا، اور اگر کوئی اس کو کافر کہے، تو اسے چاہیے، کہ پہلے صحابہ اور تابعین پر کفر کا فتوی لگائے، اگر

باجماع ثالث کہ برخلاف ہر دو اجماع مذکور منعقد شدہ منسوخ شدند اجماع ثالث برین است، کہ مذہب خود بیکے از مجتہدین بالعموم یا بالخصوص بیکے از ائمہ اربعہ منتسب کردن از لوازم ایمان است، پس نفی لازم نفی ملزوم کہ ایمان است، لازم می آید، در رد این جواب می گویم کہ اول اجماع ثابت کند، بعد از ان قیل وقال کند، ہرگز ثابت نخواہد کرد، زیرا کہ مسئلہ اصول است الاجماع لایکون ناسخا ولا منسوخا کما فی جمیع کتب اصول الفقہ، بر تقدیر ثبوت اجماع ثالث خلاف این مسئلہ اصول لازم می آید، والتالی باطل فالمقدم مثلہ

اکنون باید دانست، کہ درین زمانہ اخیر دو قسم مردم پیدا شدہ اند یکے لعلمائے مجتہدین سب می کنند، العیاذ باللہ تعالے وی گویند، کہ حنفی وشافعی ومالکی مثلاً خود را گفتن از شراب نوشی وزنا کاری بدتر است، ودر حق خود می گویند کہ ما عمل بالحدیث می کنیم، در جواب شان گفتہ شدہ کہ عمل بر حدیث بشرط لیاقت حق است وعلی الراس والعین لیکن سب مجتہدین زندقہ وگمراہی است، در مقابل این فرقہ دیگرے اند کہ العیاذ باللہ تعالے بمحدثین اسارت ادب می کنند وعمل بر حدیث جائز نمی دارند گو مقرون بشرائط عمل باشد ومی گویند، کہ اگر کسے خود را حنفی یا شافعی مثلاً نمی گوید مومن ومسلمان نیست، واگر کسے ارشاد ہدایت این مسئلہ کند نمی فہمند واز عمل بالحدیث متنفر اند العیاذ باللہ تعالے، تا آنکہ اشارہ بسبحہ در تشہد کہ ثابت باحادیث صحیحہ است

کوئی یہ کہے کہ پہلے دونوں اجماع تیسرے اجماع سے منسوخ ہو گئے کیونکہ بعد میں اپنے آپ کو کسی مجتہد کی طرف منسوب کرنے پر اجماع ہو گیا، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ یہ تیسرا اجماع جس کا حوالہ دیا جا رہا ہے کہاں ہے؟ روئے زمین پر اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور پھر علم اصول کا مسئلہ ہے، کہ اجماع نہ ناسخ ہوتا ہے نہ منسوخ، اگر بالفرض محال تیسرا اجماع ثابت بھی ہو جائے تو یہ فقہاء کا اصول باطل ہو جائے گا، اور چونکہ اصول ثابت ہے لہذا یہ دعوی باطل ہے ۔

اب یہ بھی یاد رکھنا چاہیے، کہ اس زمانہ میں دو گروہ پیدا ہو چکے ہیں، کچھ تو ائمہ مجتہدین کو گالی وغیرہ دیتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ ہم اپنے آپ کو حنفی یا شافعی کہنا شراب نوشی اور زنا کاری سے بھی بڑا گناہ سمجھتے ہیں، خدا کی پناہ اور اپنے متعلق دعوی کرتے ہیں، کہ ہم حدیث پر عمل کرتے ہیں، ان کا جواب تو یہ ہے، کہ حدیث پر عمل کرنا تو صحیح ہے، لیکن ائمہ مجتہدین کو برے الفاظ سے یاد کرنا بے دینی اور گمراہی ہے، اور ان کے مقابل دوسرا گروہ ہے جو محدثین کے حق میں زبان درازی اور بے ادبی کرتے ہیں، اور حدیث صحیح ثابت بھی ہو جائے تو بھی اس پر عمل نہیں کرتے، اور اگر کوئی ان کو سمجھانے کی کوشش کرے تو بھی نہیں سمجھتے ایسے لوگوں سے بھی خدا کی پناہ! نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ تشہد میں انگشت کے اشارہ کو خلاصہ کیدانی والے جیسے آدمی کے پیچھے لگ کر حرام کہہ دیتے ہیں، حالانکہ یہ حدیث

بر تقلید مثل خلاصہ کیدانی حرام می گویند، وجہل دیگر فرقہ این است، کہ با وجود ثبوت اشارہ باحادیث صحیحہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نیز ہست، صرح بہ الامام محمد فی الموطا، واگر کسے ہدایت باین مسئلہ کند بے آنکہ لیاقت فہم وشعور داشتہ باشند ناقہمیدہ ہدایت جق جق دبق بق آغاز می کند فیفتخرون عند العلماء وان کانوا یفتخرون عند الجہلاء، مثلہم در جواب ایشان استرجاع نمودہ تسلیہ خاطر مضمون این کریمہ نمودہ می آید کل حزب بما لدیہم فرحون مومن را باید کہ اعمال قلبی وقالبی خود را بمیزان شریعت غرا سنجیدہ باشد از تکفیر وتفسیق باطل کسے کفر وفسق لازم نمی آید، فقط واللہ تعالے اعلم بالصواب کتبہ العبد المذنب الراجی رحمۃ ربہ الباری محمد حیدر علی[1] حفظہ اللہ تعالی بلطفہ الخفی والجلی۔

سید محمد نذیر حسین　　محمد حیدر علی

مسئلہ حق ومدلل ہمیں است　محمد نور الحق حقی　الجواب قول فصل وما ہو بالہزل　علی احمد

اجاد من اجاب۔ محمد صدیق عفی عنہ　محمد انعام اللہ　الجواب حق　جعفر علی

بتائیدہ تعالے اصاب من اجاب، کافی ہست، بشرط مطابقت اعتقاد با اعتقاد اہل سنت

محمد امام الدین　الجواب اجود واحکم واللہ بالصواب اعلم　عبد المجید خان

**سوال:**۔ اضعف العباد نجم الدین مرشد آبادی بحکم آیت کریمہ ولا تلبسوا الحق بالباطل (حق کو باطل سے نہ ملاؤ) مقلدوں سے سخت ایذا پانے کے بعد نہایت مضطر ہو کر علمائے دین محمدی سے سوال کرتا ہے، کہ عمل تقلیدی کسی حجت شرعیہ میں سے ہے یا نہیں بینوا بالحق ولا تکتموا الحق۔

**الجواب:**۔ عمل تقلیدی کسی ایک حجت شرعیہ میں سے نہیں ہے یعنی عمل بقول اس شخص کے کرنا، کہ جس کا قول بلا دلیل شرعی کے حجت نہ ہو اس کو عمل تقلیدی کہتے ہیں، اور تقلید کی تعریف

---

صحیح سے بھی ثابت ہے، اور امام ابو حنیفہ بھی اس کے قائل ہیں، جیسا کہ امام محمد نے موطا میں اس کی تصریح کی ہے، اگر کوئی ایسے لوگوں کو دلائل کی بنا پر سمجھانے کی کوشش کرے، تو جاہل ہونے کے باوجود ٹرٹر کرنے لگتے ہیں، ایسے لوگ جاہلوں میں گو کچھ وقار رکھتے ہوں لیکن علماء کے نزدیک ذلیل ورسوا ہیں، ان کے جواب میں انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ دینا کافی ہے، مومن کو چاہیئے کہ اعمال کو شریعت کی ترازو میں تولے، اور کسی فاسق وفاجر کے فتوی کفر وفسق کی پرواہ نہ کرے، ایسے لوگوں کے فتوؤں سے کوئی آدمی کافر نہیں ہو جاتا ۱۲

[1] مولانا سید محمد حیدر علی صاحب ٹونکی رحمہ اللہ تعالے ۱۲

یہ ہے۔ التقلید[1] العمل بقول الغیر من غیر حجۃ متعلق بالعمل والمراد بالحجۃ حجۃ من الحجج الاربع کذا فی کتب الاصول الحنفیۃ وغیرھا کما لا یخفی علی الماھر بالاصول۔ پس تقلید کی تعریف سے حسب اصطلاح مقلدین کے واضح ہوا، کہ عمل تقلیدی دلائل اربع یعنی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واجماع صحابہ ومجتہدین وقیاس صحیح مجتہد مسلم الاجتہاد سے خارج ہے، اور یہ عمل تکلیفی شرعی اصلاً نہیں اور جو عمل بلا ادلہ اربعہ کے پایا جاوے، وہ عمل تکلیفی شرعی نہیں، وہ شرعاً مردود وباطل ہے، پس عمل تقلیدی بھی مردود اور باطل ہوا۔ الحمد للہ کہ بے اصل شرعی ہونا تقلید کا بموجب اصطلاح مقلدین کے ثابت ہوا، اور یہ مقلدین پر سخت حجت ہے، کما[2] لا یخفی علی المتفطن المنصف الماھر بالشریعۃ المحمدیۃ۔

قال[3] فخر الدین الرازی فی الکبیر ھذہ الایۃ دالۃ علی ان ما سوی ھذہ الاصول الاربع اعنی الکتاب والسنۃ والاجماع والقیاس مردود وباطل وقد امر اللہ تعالیٰ فی کل واحد منھا بتکلیف خاص معین دل ذلک علی انہ لیس للمکلف ان یتمسک بشیٔ سوی ھذہ الاصول الاربعۃ واذا ثبت ھذا فنقول القول بالاستحسان الذی یقول بہ ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ القول بالاستصلاح الذی یقول بہ مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ان کان المراد بہ احد ھذہ الامور الاربعۃ فھو تغییر عبارۃ ولا فائدۃ فیہ وان کان مغائراً لھذہ الاربعۃ کان القول بہ باطلاً قطعاً لدلالۃ ھذہ الایۃ علی بطلانہ کما ذکرنا انتہی

---

[1] عمل کے متعلق بغیر کسی دلیل کے کسی کے قول پر عمل کرنے کا نام تقلید ہے، اور دلیل سے مراد وہی ادلہ اربعہ ہیں، جن کی کتب اصول فقہ حنفیہ میں تصریح کی گئی ہے، جیسا کہ ماہران اصول اس کو جانتے ہیں ۱۲

[2] جیسا کہ شریعت محمدیہ کے ماہران منصف مزاج پر یہ امر کوئی پوشیدہ نہیں ہے ۱۲

[3] امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں، کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے، کہ ماسوائے ادلہ اربعہ یعنی کتاب سنت، اجماع، قیاس کے جو دلیل ہے، وہ مردود ہے، اللہ تعالےٰ نے ان میں سے ہر ایک کے متعلق ایک خاص معین ہدایت کی ہے، اور کسی مکلف کو جائز نہیں ہے کہ ان چار دلیلوں کے سوا کسی اور چیز سے استدلال کرے، جب یہ بات ثابت ہو گئی، تو ہم کہتے ہیں، کہ امام ابو حنیفہؒ کے "استحسان" اور امام مالک کے "استصلاح" سے مراد اگر انہیں چاروں امور میں سے کوئی چیز ہے، تو یہ صرف الفاظ کا ہیر پھیر ہے، اور اگر اس کے سوا اور کوئی چیز ہے

ما فی التفسیر الکبیر تحت آیۃ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر۔

اور اسی نظر سے شوکانی نے "قول المفید فی حکم التقلید" میں لکھا ہے، کہ نصوص ائمہ اربعہ کے منع تقلید میں مصرح ہیں قال[1] الشوکانی قد ذکرت نصوص الائمۃ الاربعۃ المصرحۃ بالنھی عن التقلید فی الرسالۃ التی سمیتھا القول المفید فی حکم التقلید فلا نطول المقام بذکر ذلک وبھذا تعلم ان المنع من التقلید ان لم[(1)] یکن اجماعا فھو مذھب الجمھور ویؤید ھذا حکایۃ الاجماع علی عدم جواز تقلید الاموات وکذلک عمل المجتھد برأیہ انما ھو رخصۃ لہ عند عدم الدلیل ولا یجوز لغیرہ ان یعمل بہ بالاجماع فھذان الاجماعان یجتثان التقلید من اصلہ انتہی ما فی ھدایۃ السائل۔

اور برعکس وخلاف اس کے ہر مقلد بمجرد تقلید آباء واسلاف کے فریفتہ اور مغرور ہو کر کتاب اور سنت سے ستیزہ کناں اسی تقلید بلا دلیل پر اڑا ہوا اپنے خیال خام اور ہوس نافرجام پر شاداں و نازاں ہے، چنانچہ آیت کریمہ کل حزب بما لدیھم فرحون ایسے ہی مقلد متعصب پر مشعر اور مخبر ہے، وہ ذرا غور اور فکر نہیں کرتا، کہ تقلید بلا دلیل درمیان محق اور مبطل کے امر مشترک فیہ ہے، اس لئے کہ ہر فرقہ کہ جس کی تقلید بلا دلیل کرتا ہے اس کو اچھا جانتا ہے، اور دوسرا فرقہ، فرقہ والے کے مقابل اس کے برعکس سمجھتا ہے، پس اگر یہ

---

تو یہ بالکل باطل ہیں، اور آیت اس کے بطلان پر صاف دلالت کر رہی ہے "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" الآیۃ کے تحت تفسیر کبیر کا مضمون ختم ہوا۔

[1] امام شوکانی کہتے ہیں، کہ میں نے اپنے رسالہ "القول المفید فی حکم التقلید" میں چاروں اماموں کے تقلید کی ممانعت کے بارے میں اقوال نقل کئے ہیں ہم یہاں اس بحث کو لمبا کرنا نہیں چاہتے، اگر تقلید کی ممانعت میں اجماع نہیں ہے تو بہر حال جمہور کا مسلک یہی ہے، اور جمہور کا مسلک اس پر اجماع ہے، کہ مردوں کی تقلید منع ہے، اور مجتہد کو عدم دلیل کے موقع پر اپنی رائے پر عمل کر لینے کی اجازت ہے، اور اس پر اجماع ہے، کہ کسی دوسرے کو اس کی رائے پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، ہدایۃ السائل کے بیان کے مطابق یہ دونوں اجماع تقلید کی جڑیں کاٹ رہے ہیں ۱۲

---

(1) ھذا علی التنزل لان اجماع السلف من القرون الثلثۃ وتعاملھم علی عدم جواز التقلید بلا دلیل ما انزل بھا من سلطان کما لا یخفی علی اھل الایمان والایقان من مھرۃ القرآن من ادعی خلاف ھذا فعلیہ البیان بالبرھان کما قال اللہ تعالی قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ۱۲ منصور رحمہ اللہ

تقلید بلا دلیل فی نفسہ مفضی الی الحق والصواب ہو تو شے اور نقیض شے کا حق اور صواب پر ہونا
لازم آتا ہے اور اسی کو اجتماع نقیضین کہتے ہیں، کیونکہ ہر شخص اپنے مقلد کو اچھا اور دوسرے کو
ناپسند کرتا ہے، اور یہ امر بالبداہت شرعاً اور عقلاً بلا ریب باطل ہے وما یعقلها الا
العالمون، اور اسی سبب سے اللہ جل شانہ نے جابجا اپنے کلام پاک میں تقلید بلا
دلیل کو رد کیا ہے، خاص کر سورہ زخرف میں زیادہ تر تقلید بلا دلیل کی شناعت اور
مذمت فرمائی ہے

قالوا لو شاء الرحمن ما عبدناهم ما لهم بذلك من علم ان هم الا
يخرصون ام آتيناهم كتابا من قبله فهم به مستمسكون بل قالوا انا
وجدنا آباءنا على امة وانا على آثارهم مهتدون وكذلك ما ارسلنا من
قبلك من نذير الا قال مترفوها انا وجدنا آباءنا على امة وانا على آثارهم
مقتدون قال او لو جئتكم باهدى مما وجدتم عليه آباءكم قالوا انا بما
ارسلتم به كافرون فانتقمنا منهم الى آخر الآية والمعنى انهم وجدوا ذلك
الباطل في كتاب منزل قبل القرآن حتى جاز لهم ان يعولوا عليه وان
يتمسكوا به والمقصود منه ذكره في معرض الانكار ولما ثبت انه لم يدل
عليه لا دليل عقلي ولا دليل نقلي وجب ان يكون القول به باطلا ثم قال
تعالى بل قالوا انا وجدنا آباءنا على امة وانا على آثارهم مهتدون والمقصود

---

لہ وہ کہتے ہیں، کہ اگر خدا چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے، ان کو اس کا کوئی علم نہیں، وہ محض تک بندی کرتے ہیں
کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے، جس سے وہ دلیل لیتے ہوں، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے
اپنے آباء واجداد کو اسی طریقہ پر پایا، سو وہ ان کے کھوجوں کی پیروی کر رہے ہیں، ایسا ہی ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر
بھی ایسا نہیں بھیجا جس کو اس کی امت کے دولت مندوں نے یہ نہ کہا ہو، کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی
طریقہ پر پایا ہے، سو وہ ان کے نشانات کی پیروی کر رہے ہیں، کہا اگرچہ میں تمہارے باپ دادا کی راہ سے
بہتر راہ تم کو دکھلاؤں، کہنے لگے ہم تمہاری تعلیم ہی کے منکر ہیں، سو ہم نے ان سے انتقام لیا آخر آیت تک
مدعا یہ ہے، کہ کیا ان لوگوں نے اس طریقہ باطل کو قرآن سے پہلے کی نازل شدہ کسی کتاب سے معلوم کیا ہے
جس کی وجہ سے وہ اعتماد کئے بیٹھے ہیں، اور یہ بطریق استفہام انکاری کے ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ
اس کو کوئی نقلی اور عقلی دلیل نہیں ہے، تو ضرور ہے، کہ یہ طریقہ باطل ہو، پھر فرمایا، انہوں نے کہا ہم نے اپنے باپ

انه تعالیٰ لما بین انه لا دلیل لهم علی صحة ذلك القول البتة بین انهلیس لهم حامل یحملهم علیه الا التقلید المحض ثم بین ان تمسك الجهال بطریقة التقلید امر كان حاصلا من قدیم الدهر فقال وكذلك ما ارسلنا من قبلك فی قریة من نذیر الا قال مترفوها انا وجدنا اباءنا علی امة وانا علی اثارهم مقتدون وفی الایة مسائل- المسئلة الاولی قال صاحب الكشاف قرئ علی إمّة بالكسر وكلتاهما من الام وهو القصد فالامة الطریقة التی تعمد ای تقصد كالرحلة للمرحول الیه والامة الحالة التی یكون علیها العام وهو القاصد- المسئلة الثانیة لو لم یكن فی كتاب الله الا هذه الایات لكفت فی ابطال القول بالتقلید وذلك لانه تعالیٰ بین ان هؤلاء الكفار لم یتمسكوا فی اثبات ما ذهبوا الیه لا بطریق عقلی ولا بدلیل نقلی ثم بین انهم ذهبوا الیه بمجرد تقلید الاباء والاسلاف وانما ذكر تعالیٰ هذه المعانی فی معرض الذم والتهجین وذلك یدل علی ان القول بالتقلید باطل ومما یدل علیه ایضا من حیث العقل ان التقلید امر مشترك فیه بین المبطل وبین المحق وذلك لانه كما حصل لهذه الطائفة قوم من المقلدة فكذلك حصل لاضدادهم اقوام من المقلدة فلو كان التقلید طریقا الی الحق لوجب كون الشئ ونقیضه حقا ومعلوم ان ذلك باطل انتهی ما فی التفسیر

دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے، اور مقصود یہ ہے، کہ ان لوگوں کے پاس ان صاف دلائل کا کوئی جواب سوائے تقلید آبار کے نہیں ہے، اور پھر فرمایا، کہ یہ جاہلوں کا تقلید کا طریقہ بہت پرانے زمانے سے چلا آرہا ہے، کہ آپ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں، ان کو ان کی قوم کے دولت مندوں نے یہی باپ دادا کی تقلید کا جواب سنایا ہے

صاحب کشاف کہتے ہیں، کہ اگر قرآن مجید میں صرف یہی آیات ہوتیں، تو بھی تقلید کی تردید کے لئے کافی تھیں، کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ ان کفار کے پاس اپنے دین باطل کے اثبات کے لئے سوائے تقلید آبار کے اور کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس تقلید کو مذمت کے انداز میں بیان فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تقلید کا مسلک باطل ہے اور عقلی حیثیت سے بھی تقلید میں دونوں امکان ہیں، ہو سکتا ہے، کہ مقلد حق پر ہو اور ہو سکتا ہے، کہ باطل پر ہو، کیونکہ اقوام دنیا میں ایک دوسرے کے طریق کے بالکل مخالف تقلید کرنے والے موجود ہیں، تو اگر تقلید امر حق ہوتا، تو لازم آتا کہ شے اور نقیض شے دونوں حق ہوں، اور یہ صریحا باطل ہے

الکبیر بلفظہ۔ اور نیز دوسری دلیل بطلان تقلید پر یہ ہے، کہ قول بوجوب تقلید موجب منع تقلید سے ہوگا، اور جو چیز مفضی ہو، اس کا ثبوت طرف نفی اس کی کے (یعنی ہر مقلد دوسرے مقلد کی تقلید کو نفی اور ناپسند کرتا ہے) تو وہ باطل ہے، اس قول سے بطلان تقلید کا واجب ہوا۔

واذ قال[1] ابراھیم لابیہ وقومہ اننی براء مما تعبدون الا الذی فطرنی فانہ سیھدین الی اخر الایۃ اعلم انہ تعالی لما بین فی الایۃ المتقدمۃ انہ لیس لاولئک الکفار داع یدعوھم الی تلک الاقاویل الباطلۃ الا تقلید الاباء والاسلاف ثم بین انہ طریق باطل ومنھج فاسد وان الرجوع الی الدلیل اولی من الاعتماد علی التقلید اردفہ بھذہ الایۃ والمقصود منھا ذکر وجہ اخر یدل علی فساد القول بالتقلید وتقریرہ من وجھین۔ الاول انہ تعالی حکی عن ابراھیم علیہ السلام انہ تبرأ عن دین ابائہ بناء علی الدلیل فنقول اما ان یکون تقلید الاباء فی الادیان محرما او جائزا فان کان محرما فقد بطل القول بالتقلید وان کان جائزا فمعلوم ان اشرف اباء العرب ھو ابراھیم وذلک لانہ لیس لھم شرف الا بانھم من اولادہ واذا کان کذلک فتقلید ھذا الاب الذی ھو اشرف الاباء اولی من تقلید سائر الاباء واذا ثبت ان تقلیدہ اولی من تقلید غیرہ فنقول انہ ترک دین الاباء وحکم بان اتباع الدلیل اولی من متابعۃ الاباء واذا کان کذلک

تفسیر کبیر کا خلاصہ ختم ہوا۔ [1] اور جب ابراہیم نے اپنی اولاد سے کہا، کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں مگر اس اللہ سے جس نے مجھے پیدا، وہ میری راہ نمائی کرے گا، آخر آیات تک، پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، کہ ان کے پاس ان باطل اقاویل کی تائید میں سوائے تقلید آباء کے اور کوئی دلیل نہیں ہے، پھر فرمایا تقلید کی راہ تو باطل ہے، اور دلیل کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، یہاں ایک اور انداز سے تقلید کی تردید فرمائی ہے، اور اس کی تقریر کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت تو یہ ہے، کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ دادا کی تقلید کو چھوڑ دیا تھا، اور دلیل کی طرف رجوع کیا تھا، اور دوسری یہ کہ تقلید کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو تقلید حرام ہوگی، یا جائز، اگر حرام مان لیا جائے، تو قصہ ختم ہوا، اور اگر جائز تسلیم کیا جائے، تو پھر بہتر باپ کی تقلید کرنا چاہیے، اور یہ تو معلوم ہی ہے، کہ ابراہیم علیہ السلام بہترین باپ تھے، اور ان کی تقلید یہ ہے، کہ

وجب تقلیدہ فی ترک تقلید الآباء ووجب تقلیدہ فی ترجیح الدلیل على التقلید وإذا ثبت هذا فنقول فقد ظهر ان القول بوجوب التقليد يوجب المنع من التقليد وما افضى ثبوته الى نفيه كان باطلا فوجب ان يكون القول بالتقليد باطلا فهذا طريق دقيق في ابطال التقليد انتهى ما في التفسير الكبير۔

ومن سورة ص وعجبوا ان جاءهم منذر منهم وقال الكافرون هذا ساحر كذاب اجعل الآلهة الها واحدا ان هذا لشيء عجاب وانطلق الملأ منهم ان امشوا واصبروا على آلهتكم ان هذا لشيء يراد ما سمعنا بهذا في الملة الآخرة ان هذا الا اختلاق الآية اقول منشاء التعجب من وجهين الاول هو ان القوم ما كانوا من اصحاب النظر والاستدلال بل كانت اوهامهم تابعة للمحسوسات فلما وجدوا في الشاهد ان الفاعل الواحد لا تفي قدرته وعلمه بحفظ الخلق العظيم قاسوا الغائب على الشاهد فقالوا لابد في حفظ هذا العالم الكثير من آلهة كثيرة يتكفل كل واحد منهم بحفظ نوع آخر والوجه الثاني ان اسلافهم لكثرتهم وقوة عقولهم كانوا مطبقين على الشرك فقالوا من العجب ان يكون اولئك الاقوام على كثرتهم وقوة

تقلید کو چھوڑ کر دلیل کی طرف رجوع کیا جائے، تو معلوم ہوا کہ وجوب تقلید، تقلید کی ممانعت کرتا ہے، اور جس چیز کا ثبوت اس کی نفی کی طرف لے جائے، تو وہ چیز باطل ہو گی، لہٰذا تقلید باطل ہوئی، تفسیر کبیر کا خلاصہ ختم ہوا
سورہ ص میں ہے، کہ ان کو اس بات کا تعجب ہوا، کہ انہی میں سے ایک پیغمبر ان کے پاس آ گیا، کافروں نے کہا یہ تو جھوٹا جادوگر ہے، اس نے اتنے خداؤں کا ایک ہی خدا بنا دیا، یہ بڑی عجیب بات ہے، سردار اٹھ کر چلے گئے، اور کہنے لگے اٹھو، اور اپنے معبودوں کی عبادت پر جمے رہو، اس کی یہ ایک سوچی سمجھی سکیم ہے، ہم نے پچھلے دین میں یہ باتیں کبھی نہ سنی تھیں، یہ ایک بناوٹی چیز معلوم ہوتی ہے" ان کے تعجب کی بنیاد دو چیزوں پر ہے، پہلی یہ کہ وہ لوگ نظر و استدلال کے اہل نہیں تھے، بلکہ ان کے اوہام محسوسات کے تابع تھے، جب انہوں نے مشاہدہ کیا، کہ ایک آدمی ایک کثیر تعداد آدمیوں کی حفاظت و نگرانی نہیں کر سکتا ہے، تو کہنے لگے، کہ ایک خدا اتنی خلقت کی حفاظت کیسے کر سکتا ہو گا، ضروری ہے کہ اتنی دنیا کی حفاظت کے لئے بہت سے خدا ہوں اور دوسری چیز یہ تھی، کہ ان کے آباء و اجداد اپنی کثرت تعداد اور قوت عقول کے باوجود شرک پر جمے ہوئے

عقولهم كانوا جاهلين مبطلين وهذا الانسان الواحد يكون محقاً صادقا قال قولی لعمری لو سلمنا اجراء حكم الشاهد على الغائب من غير دليل وحجة لكانت الشبهة الاولى لازمة ولما تواقفنا على فسادها علمنا ان اجراء حكم الشاهد على الغائب فاسد قطعا واذا بطلت هذه القاعدة فقد بطل اصل كلام المشبهة فى الذات وكلام المشبهة فى الافعال اما المشبهة فى الذات فهوانهم يقولون لما كان فى كل موجود فى الشاهد يجب ان يكون جسما و مختصا بحيز وجب فى الغائب ان يكون كذلك واما المشبهة فى الافعال فهم المعتزلة الذين يقولون الامر الفلانی قبيح منا فوجب ان يكون قبيحا من الله فثبت بما ذكرنا ان صح كلام هؤلاء المشبهة فى الذات وفى الافعال لزم القطع بصحة شبهة هؤلاء المشركين وحيث توافقنا على فسادها علمنا ان عمدة كلام المجسمة وكلام المعتزلة باطل فاسد واما الشبهة الثانية فلعمری لو كان التقليد حقا لكانت هذه الشبهة لازمة وحيث كانت فاسدة علمنا ان التقليد باطل انتهى ما فى الكبير بلفظه من عينه۔

پس قول امام رازی سے صاف واضح ہوا، کہ اگر تقلید بلا دلیل صحیح اور حق ہو، تو مشبہ فرقہ مجسمہ و کلام معتزلہ کا بھی حق ہو، حالانکہ قول و شبہ ان دونوں فرقوں کا باطل ہوا، تو تقلید

---

تھے، تو کہنے لگے اتنی اقوام اپنی کثرت اور قوت عقول کے باوجود باطل پر کیسے رہ سکتی ہیں، اور یہ ایک آدمی کیسے حق پر ہو سکتا ہے، میں کہتا ہوں، اگر شاہد کے حکم کو غائب پر محمول کیا جائے، اور دلیل سے صرف نظر کر لیا جائے، تو پہلا شبہ سچا ہو گا، اور جب ہم اس کو جھوٹا معلوم کر چکے ہیں، تو معلوم ہوا، کہ شاہد کے حکم کو غائب پر محمول کرنا درست نہیں ہے، جب یہ قاعدہ ختم ہوا، تو ذات اور صفات خداوندی میں مشبہ کا قول باطل ٹھہرا، ذات میں تشبیہ کے قائل کہتے ہیں، کہ عالم شہود میں ہر چیز کا ایک جسم ہے، تو لازم ہوا، کہ غیر مرئی خدا بھی جسم ہو اور صفات میں مشبہ کہتے ہیں، کہ فلاں کام چونکہ ہماری نسبت سے برا ہے، تو ضروری ہے، کہ خدا سے بھی وہ کام برا سمجھا جائے، ہماری اس تقریر سے معلوم ہوا، کہ ذات و افعال میں اگر مشبہ کا قول درست تسلیم کر لیا جائے، تو کفار کی بات درست ہو گی، اور اس کا باطل ہونا جب معلوم ہو چکا ہے، تو معلوم ہوا، کہ مجسمہ اور معتزلہ کا کلام باطل ہے، اور دوسری بات یہ ہے، کہ اگر تقلید صحیح ہوتی تو یہ شبہ بھی درست ہوتا، اور جب یہ باطل ٹھہرا، تو لازماً تقلید بھی باطل ٹھہری، تفسیر کبیر کا مضمون ختم ہوا۔

بلا دلیل بھی باطل ہوئی، اور خدا تعالٰے سورہ یونس میں فرماتا ہے۔ قالوا اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیہ اباءنا وتکون لکما الکبریاء فی الارض وما نحن لکما بمؤمنین اعلم ان حاصل هذا الکلام انهم قالوا لا نترك الدین الذی نحن علیہ لانا وجدنا اباءنا علیہ فقد تمسکوا بالتقلید ودفعوا الحجة الظاهرة بمجرد الاصرار انتہی ما فی الکبیر مختصرا بقدر الحاجۃ

اور سورہ ہود میں فرمایا ہے۔ قالوا یا شعیب اصلوتك تامرك ان نترك ما یعبد اباءنا او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء وقد اشاروا فیہ الی التمسك بطریقة التقلید لانهم استبعدوا منہ ان یامرهم بترك عبادة ما کان یعبد اباؤهم یعنی الطریقة التی اخذناها من اباءنا واسلافنا کیف نترکها وذلك تمسك بمحض التقلید انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصرا بقدر الحاجۃ

وایضا سورۂ صافات میں تحت آیت فهم علی اثارهم یهرعون کے امام رازی لکھتے ہیں والمقصود من الایة انہ تعالٰی علل استحقاقهم للوقوع فی تلك الشدائد کلها بتقلید الاباء فی الدین وترك اتباع الدلیل ولو لم یوجد فی القران ایة غیر هذه الایة فی ذم التقلید لکفی انتہی ما فی التفسیر الکبیر بقدر الحاجۃ۔

اب تحریر بالا سے ماہران شریعت غرا پر مخفی نہ رہے، کہ جب مذمت وقباحت تقلید بلا دلیل کی کلام ربانی سے قطعاً ثابت ہوئی، تو مسلمان دیندار تقوی شعار پر از راہ وجوب محبت

---

۱؎ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے، کہ ہم کو ہمارے باپ دادا کے دین سے پھیر دے، اور زمین میں تمہاری سرداری قائم ہو جائے، سو ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں، حاصل کلام یہ ہے، کہ انہوں نے دلائل کے مقابلہ میں اپنے باپ دادا کی تقلید سے تمسک کیا، اور کہنے لگے کہ ہم اپنے باپ دادا کی راہ کو نہیں چھوڑیں گے (خلاصہ تفسیر کبیر)

۲؎ کہنے لگے اے شعیب کیا تیری نمازیں تجھ کو یہی سکھاتی ہیں، کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور اپنے مال میں حسب خواہش تصرف نہ کریں؟ اس میں انہوں نے اپنے باپ دادا کی تقلید کی طرف اشارہ کیا ہے، اور تقلید آباء کے ترک پر حضرت شعیب پر خوردہ گیری کر رہے ہیں، کہ ہم اس دین کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں، اور یہ محض تقلید سے تمسک ہے ۱۲ تفسیر کبیر

۳؎ آیت کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالٰی نے ان کے مصائب میں مبتلا ہونے کی علت دین میں تقلید آباء اور ترک دلیل کو قرار دیا ہے، اگر قرآن میں اس آیت کے علاوہ اور کوئی آیت نہ ہوتی، تو بھی تقلید کی برائی کے لئے یہ کافی تھی (خلاصہ تفسیر کبیر)

واطاعت خالق اکبر اور رسول اطہر کی ماننا کلام ربانی کا، اور بدل وجان تصدیق کرنا اس کا درباب ذم تقلید بلا دلیل کے فرض اعتقادی وعملی ہوا، والا ساتھ شقاق ونفاق کے منسوب ہوگا اور دائرہ اسلام سے باہر بنا بر اس کے کہ محبت مطیع پر اطاعت وتابعداری محبوب مطاع کی واجب ہے، چنانچہ اس پر آیت کریمہ والذین امنوا اشد حبا للہ وغیرہا من الآیات[1] شاہد عدل ہیں، اور اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول[2] فرض ہے، اور حاکم مطلق اللہ تعالیٰ ہے اور ہر گاہ حاکم مطلق نے تقلید بلا دلیل کو باطل اور مذموم فرمایا، تو مخلوق محکوم پر فرمانبرداری حاکم مطلق کی فرض ہوگی، اور بے حکم حاکم کوئی امر اپنی طرف سے نکالنا، اور اس کو نیک سمجھنا، اور اس پر چلنا تو نہایت تقبیح اور تفضیح متصور ہوگا، اور مشاقت اور مخالفت حاکم کی لازم ہوگی، کیونکہ باذن اللہ نہیں ہے، اور قرآن میں فرمایا ہے وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ[3] ای بامر اللہ لان طاعۃ الرسول وجبت بامر اللہ کذا فی المعالم وغیرہ من التفاسیر

پس قول بلا دلیل پر تقلید کرنا کسی عالم کی اگرچہ وہ بڑا نامی گرامی ہو باطل ہے، اور موجب ناراضگی خدا اور رسول کا ہوگا۔ چنانچہ آیت کریمہ سے اظہر من الشمس ہے، اور کور باطن کو نہ سوجھے، تو آفتاب عالم تاب کا کیا قصور اسی واسطے سارے اہل اصول لکھتے ہیں الحاکم[4] ہو الذی صدر الحکم منہ، ولا حکم الا من اللہ تعالیٰ کذا فی مسلم الثبوت وھکذا فی تحریر ابن الہمام اور حکم خطاب ہے اللہ تعالیٰ کا کہ جو متعلق ہے ساتھ فعل مکلف کے، چنانچہ مسلم الثبوت کتب اصول میں یہ تفصیل مذکور ہے، اور دلیل اس پر قرآن شریف سے ان الحکم الا للہ[5] ولیس لغیر اللہ حکم واجب القبول ولا امر واجب الالتزام بل الحکم والامر والتکلیف لہ تعالیٰ شانہ انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصرا

پس آیت کریمہ اور نیز کتب اصول ہر چہار مذہب سے صاف واضح ہوا، کہ تقلید بلا دلیل

---

[1] ایماندار اللہ کی محبت میں سب سے پختہ ہیں ۱۲ [2] اللہ کا کہا مانو، اور اس کے رسول کا کہا مانو ۱۲ [3] آپ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں، وہ اسی لئے بھیجے گئے، کہ خدا کے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے، اس لئے کہ رسول کی اطاعت خدا کے حکم سے واجب ہے ۱۲ [4] حاکم وہ ہے جو حکم صادر کرے، اور حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، مسلم الثبوت میں ایسا ہی ہے ۱۲ [5] حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اور اللہ کے سوا کسی کا حکم واجب القبول اور واجب الالتزام نہیں ہے، حکم، امر اور کسی کو کسی امر کا مکلف بنانا صرف اللہ کا حق ہے (خلاصہ تفسیر کبیر)

حکم الٰہی سے خارج اور مذموم و قبیح ہے جیسا کہ اوپر آیت اور تفسیر سے اس کا بیان شافی و کافی ہو چکا، تو اب ہر مسلمان طالب حق کو بہت غور و فکر چاہیے، کہ مقلدین مقابلین ورطہ ودیائے تقلید ناپیدا کنار میں حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے لغایت حال غرق ہوتے چلے آتے ہیں۔ پھر بھی مقلدین زمانہ حال کے نصوص قرآنی میں نظر کر کے عبرت نہیں پکڑتے، اور خواہ مخواہ مصداق کریمہ لھم قلوب لا یفقھون بھا الی اخرہ (ان کے لیے دل ہیں جن سے سمجھتے نہیں ہیں) کے ہوتے ہیں۔ صد حیف، کیونکہ تقلید بلا دلیل ایسی پوچ و بیہودہ بے اصل ہے کہ خدا تعالیٰ نے معرفت توحید و رد شرک و کفر و معرفت رسالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف تقلید انبیاء سابقین کے اکتفا نہ کیا، بلکہ اوپر اثبات صانع و رد شرک و ثبوت نبوت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل قاہرہ گوناگوں جابجا اپنے کلام میں قائم کئے، اور مقلدین متعصبین کو کہ جو دلائل شرعیہ ما انزل اللہ پر اصلاً نظر و فکر نہیں کرتے تھے، طرح طرح کے الزامات دیئے چنانچہ ماہران قرآن شریف پر ہویدا و آشکارا ہے

اعلم انہ سبحانہ وتعالیٰ لما اقام الدلائل القاهرة علی اثبات الصانع وابطل القول بالشریك عقبه بما یدل علی النبوة ولما کانت نبوة محمد صلی اللہ صلی اللہ علیه وسلم مبنیة علی کون القران معجزا اقام الدلالة علی کونه معجزا فظهر انه سبحانه کما لم یکتف فی معرفة التوحید بالتقلید فکذا فی معرفة النبوة لم یکتف بالتقلید انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصرا بقدر الحاجة تحت قوله تعالیٰ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا الی اخر الایة

اور جو سادہ لوح عالم زمانہ حال کا یہ قول ہے، کہ مجھے تقلید کافی ہے، اور دلائل میں غور و خوض کی کچھ ضرورت نہیں، کیونکہ میں مقلد ہوں، اور مقلد کو دلیل سے کیا کام، سو یہ قول اس کا اس لئے باطل و مردود ہے، کہ دین میں ہر مکلف مومن باللہ والیوم الآخر پر دلائل کی طرف مہما امکن بقدر استعداد نظر کرنا لابد و ضرور ہے۔ چنانچہ صاحب تفسیر کبیر نے سورہ جاثیہ میں تحت آیت

---

[1] تفسیر کبیر میں آیت ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا الخ کے تحت لکھا ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے وجود صانع پر زبردست دلائل قائم کئے، اور شریک کے وجود کو باطل ٹھہرایا، تو اس کے بعد نبوت محمدیہ کو ثابت کیا، اور چونکہ حضور کی نبوت قرآن کے معجزہ ہونے پر موقوف تھی، تو قرآن کے معجزہ ہونے پر دلائل قائم کئے، اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے توحید اور نبوت کی معرفت میں تقلید کا طریق اختیار نہیں فرمایا۔۱۲

کریمہ تلک ایت اللہ نتلوھا علیک بالحق فبای حدیث بعد اللہ وایاتہ یؤمنون کے لکھا ہے ثم قال تعالیٰ فبای حدیث بعد اللہ وایاتہ یؤمنون یعنی ان من یتنفع بھذہ الآیات فلا شئی بعدہ لا یجوز ان ینتفع بہ وابطل قول من یزعم ان التقلید کاف وبین انہ یجب علی المکلف التامل فی دلائل دین اللہ تعالیٰ انتہیٰ ما فی التفسیر الکبیر

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، کہ انہوں نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ اگر تم کو دلیل ملے یعنی اگر دلیل شرعی کتاب اور سنت سے تم پر ظاہر ہو، تو اس پر عمل کرو اور میرے قول بلا دلیل کو چھوڑ دو، چنانچہ درمختار اور طحطاوی وغیرہ سے واضح ہوتا ہے قال لاصحابہ ان توجہ لکم دلیل فقولوا بہ انتہیٰ ما فی الدر المختار مختصرا ای ظھر لکم فی المسئلۃ وجہ الدلیل علی غیر ما قولہ انتہیٰ ما فی الطحطاوی، اب جو کوئی کہے، کہ یہ آیات کفار کے حق میں وارد ہیں، تو وہ بڑا جاہل اور بے وقوف ہے کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہے، نہ خصوص محال کا، جیسا کہ جابجا کتب احادیث وکتب اصول فقہ و استدلالات صحابہ کرام سے واضح ہوتا ہے، اور اس بارہ میں صاحب تفسیر اتقان نے بہت کچھ لکھا ہے کما لا یخفی علی الماھر بالشریعۃ الغراء اور کچھ بطلان اس کا تفسیر عزیزی سے لکھا جاتا ہے

چہارم آنکہ درین آیت اشارہ است بابطال تقلید بدو طریق اول آنکہ از مقلد باید پرسید، کہ ہر کرا تقلید می کنی نزد تو محق است یا نے، اگر محق بودن او نمی شناسی، پس باوجود احتمال مبطل بودن او را چرا او را تقلید می کنی، واگر محق بودن او می شناسی، پس بکدام دلیل می شناسی، اگر بتقلید دیگری شناسی سخن دران خواہد رفت وتسلسل لازم خواہد آمد واگر بہ عقل می شناسی، پس آن را چرا در معرفت حق صرف نہ می کنی وعار تقلید بر خود گوارا

---

لہ تفسیر کبیر میں آیت "فبای حدیث بعد اللہ وآیاتہ یؤمنون" کے تحت لکھا ہے، کہ جو قرآن کی آیات سے فائدہ اٹھا سکتا ہو۔ اس کو اس کے علاوہ اور کسی چیز سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے قول کی تردید کر دی جو کہتے ہیں، کہ تقلید کافی ہے، اور بیان فرمایا کہ عقل مند کے لئے ضروری ہے کہ دلائل میں غور کرے ۱۲

لہ آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا اگر تم کو کوئی دلیل مل جائے، تو اس کے مطابق فتویٰ دیا کرو (خلاصہ درمختار) یعنی اگر کسی مسئلہ میں میرے قول کے خلاف کوئی دلیل مل جائے، تو اس کے مطابق فتویٰ دیا کرو ۱۲

میناری، طریق دوم آنکہ کسے راکہ تقلید می کنی، اگر این مسئلہ را او ہم بہ تقلید دانستہ است، پس تو واو برابر شدید، اورا چہ ترجیح ماند، کہ تقلید او می کنی، واگر بدلیل دانستہ است پس تقلید و قتے تمام می شود، کہ تو ہم آن مسئلہ را بہمان دلیل مبانی والا مخالف اوباشی نہ مقلد او، وچون تو ہم آن مسئلہ را بدلیل دانستی تقلید ضائع شد انتہی ما فی التفسیر العزیزی۔

اے مسلمانو! تم قرآن وغیرہ سے تقلید بلا دلیل کی مذمت اور برائی تو سن چکے، اب کتاب وسنت پر بدل وجان مستعد اور مستقیم ہو جاؤ، کہ تم کو سرکار عالی جاہ سے جنت نعیم یعنی عیش وآرام ابدی کا مکان عنایت ہوگا۔ یا ایہا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا[1] الایۃ والبرھان ھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانما سماہ برھانا لان حرفتہ اقامۃ البرھان علی تحقیق الحق وابطال الباطل والنور المبین ھو القرآن وسماہ نورا لانہ سبب لوقوع نور الایمان فی القلب۔ انتہی ما فی الکبیر مختصرا۔

**تنبیہ** } رجوع کرنا طرف قاضی یا فتویٰ مفتی کے یا حکم کرنا قاضی کا اوپر شہادت شاہدان عدول کے یا اتباع اولی الامر کا بدلیل شرعی ہے، اس کو تقلید اصطلاحی مقلدین نہیں کہتے، کیونکہ تقلید اصطلاحی یہ ہے، کہ گلے میں پٹہ ڈال کر بلا دلیل ایک شخص کا ہو رہنا، اور اسی طرح عمل اوپر روایت راوی حدیث متصل مرفوع کے بدلیل شرعی ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فلیبلغ الشاھد الغائب الحدیث (جو حاضر ہو وہ غائب کو پہنچا دے)، اور جو مفتی یا قاضی سے غلطی سے واقع ہو جاوے، تو رجوع طرف قرآن وحدیث کے ضرور ہے، جیسے کہ فرمایا خدا تعالیٰ نے فان[2] تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول الی اخر الایۃ۔ وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم

---

[1] اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک دلیل آئی ہے، اور تمہاری طرف روشن نور نازل فرمایا ہے، دلیل سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کا نام دلیل اس لئے رکھا گیا کہ آپ کا شیوہ ہی حق کے ثبوت اور باطل کے ابطال میں دلائل قائم کرنا ہے، اور قرآن، نور مبین ہے، اس لئے کہ وہ دل میں نور ایمانی کے حاصل ہونے کا سبب ہے (خلاصہ تفسیر کبیر) ۱۲

[2] اگر تمہارا کسی بات میں جھگڑا ہو جائے، تو اس کو اللہ اور رسول کے پاس لے آؤ ۱۲

بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ اللہم لک الحمد علی ما وفقتنی لتحریر ہذہ الرسالۃ المسماۃ بواقعۃ الفتوی ودافعۃ البلوی سنۃ ۱۲۹۷ من ہجرۃ خیر البریۃ علیہ وعلی آلہ واصحابہ الف الف صلوات وتحیۃ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم واغفر لنا وارحمنا انک علی کل شیء قدیر۔

المؤلف العاجز محمد نذیر حسین عافاہ اللہ فی الدارین

سید محمد نذیر حسین

# کتاب الاعتصام بالسنۃ

## والاجتناب عن البدعۃ

**سوال:** جو کوئی اسلام علیکم سے ناراض ہوئے اور سلام کرنے والے کو بد کہے وہ کیسا ہے، جواب کتب معتبرہ سے زبان اردو میں تحریر فرما دیں اور جو عبارت کتاب کی ہو اس کا ترجمہ بھی کریں، تاکہ عوام کو نفع ہو۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** یہ ہے، کہ سلام علیک طریقہ مسلوکہ مرضیہ جمیع انبیاء مرسلین صلعم کا پایا گیا ہے اور جاری رہا ہے، اور جاری رہے گا، تو جو شخص اس کو برا جانے واستخفاف واہانت اس کی کرے وہ فاسق ہے، بلکہ خارج ہے دائرہ اسلام سے قال اللہ تعالیٰ ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا الآیۃ[1] استخفاف الشریعۃ واستھانتھا کفر کذا فی العقائد والفقہ اور فصول عمادیہ اور فتاوی عالمگیری اور بحر الرائق میں لکھا ہے من لم یرض بسنۃ من سنن المرسلین فقد کفر[2] اور بحر الرائق میں لکھا ہے یکفر[3] باستخفاف سنۃ من السنن انتہی کلامہ

خلاف پیمبر کسے راہ گزید  کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

فاعتبروا یا اولی الالباب  | طالب حسنین سید محمد نذیر حسین |

---

[1] اور جو ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول کی نافرمانی کرے، اور مسلمانوں کے رستہ کے علاوہ کوئی اور راستہ تجویز کرے، تو جدھر جاتا ہے جانے، ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے، اور وہ بد ترین جگہ ہے" اور شریعت کی توہین، اور استخفاف کفر ہے ۱۲

[2] رسولوں کی کسی سنت سے راضی نہ ہونا کفر ہے ۱۲ [3] پیمبر کی سنت کا استخفاف کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے ۱۲

**سوال**:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سالگرہ کرنا اس ہیئت سے کہ اس میں گرہ وغیرہ نہ ڈالی جاوے جیسا کہ دستور ہے، بلکہ فقط لڑکے کو نہلا کر نئے کپڑے پہنا دیں اور کچھ شیرینی مثل بتاشے وغیرہ بلا دینے فاتحہ وغیرہ کے تقسیم کردیں، جائز ہے کہ نہیں، اگر جائز ہے تو کس دلیل سے اور اگر ناجائز ہے تو کس دلیل سے، دلیل قرآن وحدیث سے ہو، بینوا توجروا۔

**الجواب**:- ہماری شریعت محمدیہ میں سالگرہ کرنا پایا نہیں جاتا، نہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی کی سالگرہ کی گئی، اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور نہ تابعین رحمہم اللہ علیہم کے زمانہ میں کی گئی، لہٰذا ممنوع ہے، فرعون مردود سالگرہ کیا کرتا تھا فرعونی رسم ہے، واللہ اعلم بالصواب، کتبہ محمد عبدالرحمٰن پنجابی

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ جو کھانا اولیاء اللہ کی قبروں پہ لے جاکر خواہ ایک یا دس یا بیس مساکین کو کھلا دے، اور مساکین وہاں پر موجود نہ ہوں یعنی وہاں نہیں رہتے ہیں، محض اس غرض سے دوسری جگہ سے مساکین کو طلب کرکے قبور مذکورہ پر کھانا کھلانا کہ ازدیاد ثواب کا موجب ہوگا، درست ہے یا نہیں، اور اگر منع ہے، تو کہاں تک منع ہے؟

سوال دوم۔ عصر ومغرب کے درمیان علاوہ رمضان کے پانی پینا درست ہے یا نہیں، اور جو لوگ عصر ومغرب کے درمیان پانی نہیں پیتے، ان کو گناہ ہے یا ثواب؟

**الجواب**:- اولیاء اللہ کی قبروں پر کھانا لے جانا، اور مساکین کو دوسری جگہ سے بلاکر غرض مذکور سے وہاں کھلانا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، اور جب یہ ثابت نہیں، تو اس میں ثواب ہی کی امید نہیں ہے، چہ جائیکہ زیادہ ثواب ہو، پس اس بے اصل ومحدث بات سے احتراز لازم ہے۔

جواب سوال دوم۔ جیسے اور وقتوں میں پانی پینا درست ہے، اسی طرح عصر اور مغرب کے درمیان میں پانی پینا بھی درست ہے، اس وقت پانی پینے کی ممانعت شرع میں نہیں آئی ہے، پس اس وقت پانی نہ پینا، اور نہ پینے کو دین کے اعتبار سے اچھا یا ضروری سمجھنا جہالت کی بات ہے، ہم چنیں فہم کے لوگوں کو سمجھانا چاہیئے، اگر وہ باز آجائیں، تو فبہا، ورنہ وہ ضرور گنہ گار ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب، حررہ عبدالرحیم اعظم گڈھی

کوپوی مہر ربیع الاول ۱۳۱۰ھ ہجری سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ ایک شخص فوت ہوگیا اس کے جنازہ کی نماز گذاری گئی بعد اس کے اسقاط نہ کیا، لوگ آپس میں جھگڑنے لگے یہاں اس ملک میں یہ دستور ٹھہرا ہوا ہے، کہ ایک قرآن شریف کو جنازہ کے ہمراہ کر دیتے ہیں، جب جنازہ کی نماز پڑھ چکتے ہیں تو قرآن شریف کو ایک دوسرے کے ہاتھ پھراتے ہیں ایجاب و قبول جس طرح سے ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا

**الجواب**:۔ ہمراہ جنازہ کے قرآن مجید کو لے جانے اور بعد نماز جنازہ کے اس کو ایک دوسرے کے ہاتھ پھرانے اور ایجاب و قبول کرنے کا جو وہاں دستور ہے، وہ بالکل ناجائز و نادرست ہے اور بدعت و محدث ہے، اس دستور کو مٹانا اور بند کرنا اور لوگوں کو اس ناجائز دستور سے روکنا اور منع کرنا حسب استطاعت فرض ہے، واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید محمد ابوالحسن سید محمد ابوالحسن سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ ماقولکم رحمکم اللہ تعالے اندر ینکہ در بعض امصار و اقطار این دیار بکثرت مروج است، کہ شخصے از اولیائے میت بعوض فرائض و واجبات متروکہ میت چند کلام مجید خریدہ علی وجہ الخصوص در ہنگام تدفینش چند اشخاص مخصوصہ را از حجاج و حفاظ بخواندہ می دہد و بآن از جانبین این چنین اقوال مع عقاید قویہ مسموع آید، کہ تاحین حیات این متوفی ہرچہ صوم و صلوۃ وغیرہا عمداً یا سہواً قضا و ترک کرد آن معطی بجزم اجزا و اسقاطہا یش آن قرآن مذکور می دہد و اخذ آن ہم بآن چنان عقیدہ عطیاتش قبول نمایند، و بر آن ہر خاص و عام چنان معتقد و متیقن اند کہ این مردہ باعطاء چندیں کلام مجید بار روزہ و نماز ہائے خود بر گردن گیرندگان آن عطیات انداختہ بری الذمہ شد، و بعضے علماء ہم باعطاء ہم چنین اسقاطات مروجہ مع عقاید مذکورہ عوام الناس را تاکید بلیغ و ترغیب تام می دہند تا عقیدۂ آخذ و معطی بدان قوی ماند پس این چنین اسقاط حکم جواز و صحت و اجزا دارد یا نہ بینوا توجروا۔

---

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس علاقہ میں یہ رواج ہے، کہ جب مردہ کو کفن کر چکتے ہیں تو اولیائے میت میں سے کوئی آدمی ایک یا چند قرآن مجید حاجیوں اور حافظوں سے بلا کر کہتا ہے، کہ میں نے یہ قرآن مجید اس میت کے متروکہ نماز و روزہ کے عوض تم کو دیتا ہوں، اور پھر وہ آدمی اسی طرح دوسرے کو وہ قرآن مجید بخشتا ہے اور پھر وہ کسی اور کو علی ہذا القیاس چند بار اس کو پھیر کر پھر اسی آدمی کے پاس پہنچ جاتے ہیں، اور اس طرح کرنے سے ان کا خیال ہے کہ اس کے نماز روزہ جو اس کے ذمہ واجب الادا رہتے، اس سے ساقط ہو جاتے ہیں، اور اس علاقہ کے بعض علماء اس کی

**الجواب**:- آن اسقاط حکم جواز وصحت ندارد، لما فی رد المختار فی ذکر الفدیۃ ولو قضاها ورثتہ بامرہ لم یجز لانها عبادۃ بدنیۃ بخلاف الحج لانہ یقبل النیابۃ وفیہ ایضا ولو فدی عن صلوتہ فی مرضہ لایصح بخلاف الصوم وکذا فی الشامی ان الصلوۃ لاتسقط عن المیت بذلک وکذا الصوم نعم لو صام او صلی وجعل ثواب ذلک للمیت صح لانہ یصح ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ عندنا قولہ ای الدر المختار لانہ یقبل النیابۃ لانہ عبادۃ مرکبۃ من البدن والمال فان العبادۃ ثلاثۃ انواع مالیۃ وبدنیۃ ومرکبۃ منهما فالعبادۃ المالیۃ کالزکوۃ تصح فیها النیابۃ حالۃ العجز والقدرۃ والبدنیۃ کالصلوۃ والصوم لاتصح فیها النیابۃ مطلقا والمرکبۃ منهما کالحج ان کان نفلا تصح فیها النیابۃ مطلقا وان کان فرضا لاتصح الخ وفیہ ایضا ثم اعلم انہ اذا اوصی بفدیۃ الصوم یحکم بالجواز قطعا لانہ منصوص علیہ واما اذا لم یوص فتطوع بها الوارث فقد قال محمد فی الزیادات انہ یجزیہ ان شاء اللہ تعالیٰ فعلق الاجزاء بالمشیۃ لعدم النص وکذا علقہ بالمشیۃ فیما اذا اوصی بفدیۃ الصلوۃ لانهم الحقوها

عوام کو تلقین کرتے ہیں، کیا اس طرح نماز، روزہ ساقط ہو جاتے ہیں؟

الجواب:- اس طرح کا اسقاط جائز نہیں ہے، درمختار میں ہے، کہ اگر روزہ کے فدیہ کی مرنے والا وصیت کر جائے، تو اس کے وارث اگر ادا کر دیں، تو اس سے ساقط ہو جائے گا، اور اگر وصیت نہ کرے اور وارث از خود ادا کریں، تو یہ صحیح نہیں ہے، بخلاف نماز کے کہ وہ بدنی عبادت ہے، اور حج میں نیابت جائز ہے شامی میں ہے، کہ اس طرح میت سے نماز ساقط نہیں ہوتی، اور ایسے ہی روزہ کا حکم ہے، ہاں اگر بدنا خود نماز پڑھیں اور روزہ رکھیں، اور اس کا ثواب میت کو بخشیں، تو صحیح ہے، کیونکہ آدمی اپنا عمل غیر کو ہبہ کر سکتا ہے، اور عبادت تین قسم کی ہے، مالی، بدنی اور مرکب، مالی عبادات مثلاً زکوٰۃ وغیرہ میں نیابت جائز ہے، جب کہ اس کو قدرت نہ ہو، اور بدنی عبادات میں نیابت جائز نہیں ہے، مثلاً نماز اور روزہ، اور مرکب عبادات مثلاً حج وغیرہ میں اگر نفل ہو، تو نیابت جائز ہے، اور اگر فرض ہو، تو نیابت جائز نہیں ہے، میت اگر روزہ کے فدیہ کی وصیت کر جائے تو درست ہے، اور اگر وارث از خود فدیہ دیں، تو امام محمد نے زیادات میں کہا ہے، کہ امید ہے انشاء اللہ اس کو معاف فرمائے گا، اور عجز کی حالت میں رہی ہوئی نمازوں کو بھی بعض نے روزہ پر قیاس کیا ہے، لیکن

بالصوم احتیاطا لاحتمال کون النص فیہ معلولا بالعجز فتشمل العلۃ الصلوٰۃ وان لم یکن معلولا تکون الفدیۃ برا مبتدأ یصلح ماحیا للسیئات فکان فیہا شبہۃ کما اذا لم یوص بفدیۃ الصوم فلذا جزم محمد بالاول ولم یجزم بالاخیرین فعلم انہ اذا لم یوص بفدیۃ الصلوٰۃ فالشبہۃ اقوی وفیہ ایضا قولہ ولو فدی عن صلوتہ فی مرضہ لا یصح فی التتارخانیۃ عن التتمۃ سئل الحسن بن علی عن الفدیۃ عن الصلوٰۃ فی مرض الموت ہل تجوز فقال لا و سئل ابو یوسف عن الشیخ الفانی ہل تجب علیہ الفدیۃ عن الصلوات کما تجب علیہ عن الصوم وہو حی فقال لا (الی) وفی القنیۃ ولا فدیۃ عن الصلوٰۃ حالۃ الحیاۃ بخلاف الصوم (الی) ومقتضاہ ان غیر الشیخ الفانی لیس لہ ان یفدی عن صومہ فی حیاتہ لعدم النص ومثلہ الصلوٰۃ (الی) بخلاف الشیخ الفانی فانہ تحقق عجزہ قبل الموت عن اداء الصوم وقضائہ فیفدی فی حیاتہ ولا یتحقق عجزہ عن الصلوٰۃ لانہ یصلی بما قدر ولو مومیا براسہ فان عجز عن ذلک سقطت عنہ اذا کثرت (الی) وبما قررنا ظہر ان قول الشارح بخلاف الصوم ای فان لہ ان یفدی عنہ فی حیاتہ خاص فی الشیخ الفانی تامل وفی کتب الاصول ان الفدیۃ فی الصوم للشیخ الفانی لما کانت ثابتۃ بنص غیر معقول ینبغی ان تقتصروا علیہ ولم تقیسوا علیہ من مات وعلیہ صلوٰۃ

پس ازین ادلہ کثیرہ کتب معتبرہ چون معلوم شد کہ عبادات بدنیہ بجبر محض مخصوص باعطاء اموال ساقط وکافی نمی شود تاہم بطریق اولے آن چنان اسقاطات مروجہ مع خصوصیات ممنوعہ وعقیدہ مذکورہ عوام این زمان اخذ واعطاء روا وجائز نخواہد شد بلکہ

روزہ کے متعلق تو یقین سے کہتے ہیں، کہ وہ فدیہ ہوگیا، اور نماز کے متعلق توقع کے الفاظ بیان کرتے ہیں، اگر آدمی اپنی بیماری کی حالت میں نمازوں کا فدیہ دے، تو یہ جائز نہیں ہے، اگر بوڑھا آدمی جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتا اپنے روزہ کا فدیہ دے، تو یہ جائز ہے، اور عاجز آدمی نماز کا فدیہ نہیں دے سکتا، اگر لیٹے نہ پڑھ سکتا ہو، تو اشارہ سے پڑھے، اگر اشارہ کی بھی طاقت نہ ہو، تو جب نمازیں زیادہ ہو جائیں گی، تو اس سے ساقط ہو جائیں گی، ہاں روزہ کا فدیہ چونکہ نص سے ثابت ہے، اس پر نماز کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ بدنی عبادات میں نیابت اصولاً منع ہے
الحاصل ایسی اسقاط کتاب وسنت اور فقہ کی کتابوں کے بھی برخلاف ہے خصوصا جب کہ اس کے

اولویت آن است کہ اولیائے میت روزہ داشتہ ونماز گذاردہ بروحش ایصال ثواب بنمایند، چنانکہ بعبارت شامی ماسبق معلوم شدہ است۔ المستخرج محمد امین الدین عفی عنہ

| رشید احمد | عبد الوہاب | محمد وسیم الدین | محمد اسد علی |
|---|---|---|---|
| محمد عبد المطلب | این چنین اسقاط حکم جواز وصحت ندارد | | سید محمد نذیر حسین |

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مزارات اولیائے عظام پر بامید صحت یابی یا دفع خباثت یا بر آنے کسی دوسرے مقصد دنیاوی کے چلہ کرنا کیسا ہے اس مسئلہ کا جواب کتب معتبرہ سے زبان اردو میں تحریر فرماویں، اور جو عبارت کتاب کی ہو اس کا ترجمہ بھی نیچے کریں، تاکہ عوام کو نفع ہو، بینوا توجروا

**الجواب**: یہ ہے کہ اولیاء اللہ کے مزار کے پاس جاکر دعائے حاجت یا چلہ کرنا کہ مؤثر الی الاجابۃ وحاجت روا ہو غیر مشروع ہے، کیونکہ شارع کی طرف سے امر واذن نہیں پایا گیا، اور نہ صحابہ وتابعین وغیرہم رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، بلکہ ممنوع ومحظور ہے شرعاً من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد کما رواہ البخاری وکرہ مالک ان یقول زرنا قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم وعللوہ بان لفظ الزیارۃ صار مشترکا بین ما شرع وما لم یشرع فان منھم من قصد بزیارۃ قبور الانبیاء والصلحاء ان یصلی عند قبورھم ویدعو عندھا ویسألھم الحوائج وھذا لا یجوز عند احد من العلماء المسلمین فان العبادۃ وطلب الحوائج والاستعانۃ حق اللہ وحدہ انتہی ما فی مجمع البحار للشیخ العلامۃ المحدث ابن طاہر الفتنی، ہر مسلم ودیندار شریعت شعار پر فرض ہے، کہ ایاک نعبد وایاک نستعین پر متوجہ ہو کر رہے

ساتھ یہ عقیدہ بھی شامل ہو جائے، کہ اس طرح فرائض ساقط ہو جاتے ہیں، بہتر یہ ہے، کہ شامی کی عبارت کے مطابق ورثاء خود نماز، روزہ ادا کر کے اس کو ثواب پہنچائیں، واللہ اعلم ۱۲

لہ جو کوئی ایسا کام کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو، وہ کام مردود ہے، امام مالکؒ اس قول کو کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی مکروہ سمجھتے تھے کیونکہ لفظ "زیارت" کا لفظ مشروع اور غیر مشروع طریقوں میں مشترک ہو گیا ہے، بعض لوگ انبیاء اور صلحاء کی قبروں پر جاتے ہیں، وہاں قبر کے پاس جاکر نماز پڑھتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں، اور ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں اور یہ کام کسی بھی مسلمان عالم کے نزدیک جائز نہیں ہے، کیونکہ عبادت اور طلب حاجات اور استمداد صرف اللہ کا حق ہے ۱۲

وقال[1] اللہ تعالیٰ واذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان الآیۃ وقال[2] اللہ تعالیٰ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء الآیۃ ومن یرزقکم من السماء والارض ءالٰہ مع اللہ قل هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین الآیۃ ومن یرزقکم من السماء والارض وغیرها من الآیات الدالۃ علی ان لا یدعو ولا یسأل الحوائج من غیر اللہ تعالیٰ کما لا یخفی علی من تامل وتدبر القرآن المجید ؎

آن نیاز مریمی بود است ودرد — کان چنان طفلی سخن آغاز کرد
ہر کجا دردے دوا آن جا بود — ہر کجا فقرے نوا آنجا بود

قال[3] اللہ تعالیٰ ولا تکونوا کالذین اوتوا الکتاب من قبل فطال علیهم الامد فقست قلوبهم وکثیر منهم فاسقون الآیۃ ؎

دلے کز نور رحمن نیست روشن — مخوانش دل کہ آن سنگ است وآہن
دلے کز گرد غفلت زنگ دارد — ازآن دل سنگ وآہن ننگ دارد

مجالس الابرار میں مذکور ہے اما[4] الزیارۃ البدعیۃ فهی زیارۃ القبور لاجل الصلوٰۃ عندها والطواف لها وتقبیلها واستلامها وتعفیر الخدود علیها واخذ ترابها ودعاء اصحابهم والاستعانۃ وسوالهم النصر والرزق والعافیۃ والولد وتفریج الکربات واغاثۃ اللهفان وغیر ذلک من الحاجات التی کان عباد الاصنام یتسألون من اصنامهم فان اصل هذہ الزیارۃ البدعیۃ ماخوذ منهم ولیس

---

[1] جب تم سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں، تو آپ کہدیں میں قریب ہوں، دعا کرنے والے کی دعا کو فوراً قبول کرتا ہوں ۱۲ [2] بے قرار جب دعا کرتا ہے، تو اس کی دعا کو کون سنتا ہے، اور کون تکالیف کو دور کرتا ہے الآیۃ تم کو آسمانوں اور زمین سے کون رزق دیتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے، آپ کہیں کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو، یہ آیات دلالت کرتی ہیں، کہ اللہ کے سوائے نہ کسی کو پکارا جائے، نہ سوال کیا جائے ۱۲

[3] تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تھی، ان کو مہلت زیادہ ملی، تو ان کے دل سخت ہو گئے ان میں سے اکثر فاسق ہیں ۱۲ [4] اگر کوئی آدمی کسی قبر کے پاس نماز پڑھے، طواف کرے، اس کو سلام کرے، بوسے دے، اپنے رخسارے اس پہ ملے، اس کی مٹی برکت کے لئے لے لے، اور قبر والے سے دعا کی درخواست کرے، اس سے مدد مانگے، رزق، عافیت، اولاد، تکلیفوں کے دور کرنے کی درخواست کرے تو یہ زیارت بدعیہ ہے

بشئ من ذلک مشروعا باتفاق علماء المسلمین اذ لم یفعلہ رسول رب العلمین ولا احد من الصحابۃ والتابعین وسائر ائمۃ الدین انتہی ما فی مجالس الابرار مختصرا۔

ومولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی تحت آیت کریمہ فلا تجعلوا للہ انداداً کے اپنی تفسیر میں افادہ کرتے ہیں، کہ منجملہ فرقہائے مشرکین چہارم فرقہ پیر پرستاں گویند، چون مرد بزرگے کہ بسبب کمال ریاضت ومجاہدہ مستجاب الدعوات ومقبول الشفاعت عند اللہ شدہ بود ازین جہان می گذرد، روح او را قوتے عظیم ووسعتے فخیم بہم می رسد ہر کہ صورت اورا برزخ سازد یا در مکان نشست وبرخاست او یا برگور او سجود وتذلل تمام نماید روح او بسبب وسعت واطلاق بر آن مطلع شود، ودر دنیا وآخرت در حق او شفاعت نماید انتہی ما فی التفسیر العزیزی۔

وقاضی شہاب الدین دولت آبادی صاحب تفسیر بحر مواج در عقیدہ اسلامیہ در بیان الفاظ کفر نوشتہ منہا استہزاء الشریعۃ واستہانتہا وطلب الحوائج من الاموات انتہی کلامہ مختصرا حقیقۃ الدعاء استدعاء العبد ربہ جل جلالہ والاستمداد والمؤنۃ انتہی ما فی التفسیر النیشاپوری۔ الاستعانۃ نوع تعبد کذا فی معالم التنزیل ولم یکن احد من السلف یاتی قبر نبی ولا غیر نبی لاجل الدعاء عندہ ولا کان الصحابۃ یقصدون الدعاء عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا عند قبر غیرہ من الانبیاء وانما کانوا یصلون ویسلمون علی النبی صلی اللہ

---

بت پرست لوگ اپنے بتوں پر جا کر یہ کچھ تو کیا کرتے تھے، اور یہ بدعت زیارت انہی لوگوں سے حاصل کی گئی ہے اور باتفاق علمائے مسلمین یہ کام غیر مشروع ہیں کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور دین کے ائمہ میں سے کسی نے بھی یہ کام نہیں کئے ۔

[1] مشرکین میں سے چوتھا فرقہ پیر پرستوں کا ہے، ان کا عقیدہ یہ ہے، کہ جب آدمی کثرت عبادت کی وجہ سے مقبول الشفاعت اور مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے، تو جب وہ اس جہان سے چلا جاتا ہے، تو اس کی روح کو بہت زیادہ قوت نصیب ہو جاتی ہے پھر جو کوئی اس کا تصور کرے یا اس کی نشست و برخاست کی جگہ پر جا کر سجدہ کرے، تو وہ اس سے مطلع ہو جاتے ہیں اور دنیا و آخرت میں اس کے حق میں شفاعت کریں گے ۔

[2] شریعت کو ٹھٹھا کرنا، اس کی توہین کرنا، اور مردوں سے حاجات طلب کرنا، سب کفر کے کلمات ہیں تفسیر

علیہ وسلم وصاحبیہ رض کذا قال شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم فی صراط مستقیم ؎

| | |
|---|---|
| ندارم ہیچ گونہ توشہ را | بجز لا تقنطوا من رحمۃ اللہ |
| تو فرمودی کہ نومیدی میارید | زمن لطف وعنایت چشم دارید |
| بدین معنے بسے امیدواریم | بہ بخشا زانکہ بس امیدواریم |
| امید دردمنداں را رواکن | دل امیدواراں را دواکن |
| ذرا سن تو نصیحت اے میری جان | کہ راضی تجھ سے ہووہ آفریں جان |
| خدا کو کیوں نہیں کافی سمجھتا | کہ بندوں پاس پھرتا ہے بھٹکتا |
| وہ کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے | جسے تو مانگتا ہے اولیاء سے |
| خدا وہ ہے جو چاہے ایک کن سے | بنادے لاکھ عالم ایسے ایسے |
| جہان سارا اگر آمادہ ہو جا | نہ ہو اک بال بھی ٹیڑھے سے سیدھا |
| جو خود محتاج ہو اپنی بقا میں | تصرف کیا کرے گا اور جا میں |
| جو خود مرجائے جانبر ہو نہ اک دم | وہ کیوں کر زندہ کرے گا جان عالم |
| جو اپنے رزق میں محتاج ہووے | وہ کیونکر بھوک کو بھوکے کی کھووے |
| ذرا تو خوف کر قہر خدا سے | حیا کر روئے پاک مصطفے سے |
| نبی کرتے رہے تعلیم توحید | سکھاتے تھے سدا وہ حق کی تمجید |
| تو سکھلاتا ہے بدعت شرک کی بات | مسلمانوں پہ نازل کرتا آفات |
| تصرف کس کا عالم میں بھلا ہے | خدا نے کس کو قادر یاں کیا ہے |
| تدبر سے قرآن پڑھتا نہیں ہے | سمجھتا مدعا اس کا نہیں ہے |
| پڑھی ہیں پوتھیاں شاید کہ تو نے | یہ باتیں شرک کی پائیں اسی سے |
| بھلا کیا زید کے ہاں ڈھیر میں ہے | مگر تو ریوڑیوں کے پھیر میں ہے |
| رہ توحید کو کیوں تو نے چھوڑا | خدا سے کس لئے یوں منہ کو موڑا |

نیشاپوری اور معالم التنزیل میں ہے، کہ استعانت عبادت کی ایک قسم ہے اور سلف صالحین میں سے کوئی بھی انبیاء اور غیر انبیاء کی قبروں پہ دعا کرنے کے لئے نہیں جایا کرتا تھا، بلکہ صحابہ تو آنحضرت کی قبر پر بھی نہیں جایا کرتے تھے، وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین پر درود اور سلام کہا کرتے تھے ۱۲

خدا نے انبیاء اور اولیاء کو | بنایا تا نہ چھوڑیں شرک کی بو
یہاں تو نے خدا ان کو بنایا | نہ تو نے نفع کچھ ان سے اٹھایا
اگر کچھ عقل ہے کافی ہے اتنا | دگر ہے مہر دل پر تو کہوں کیا
بس اب حق سے یہی ہے چاہ اپنی | دکھا دے ہم سبھوں کو راہ اپنی

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين

طالب حسنین سید محمد نذیر حسین

ز شرف سید کونین شد شریف حسین

الجواب صحیح وخلافہ قبیح

محمد عبدالحلیم

محمد حفیظ اللہ

محمد یوسف

جواب مجیب صحیح ہے، جو اس پر بھی نہ سمجھے تو جہل ہے، خدا نے مہر ہے دل پر لگائی

محمد غلام اکبر خان سنی محمدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم، محمد حسین قادری وغفوری

ہست منصور علی از احمد

محمد صدیق

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب عورتوں کے اولاد پیدا ہوتی ہے، تو مولود کا ناڑا کاٹ کر اسی گھر میں جہاں وہ پیدا ہوا دفن کرتے ہیں، اور کچھ چھلکے وغیرہ آگ میں جلاتے ہیں، اور مولود کو سوپلا یعنی چھاج میں لٹاتے ہیں، سو یہ درست ہے یا نہیں

(۲) جب عورتوں کے اولاد پیدا ہوتی ہے، تو سوا مہینہ کنویں پر جانا، اور اس کو چھونا برا جانتی ہیں، جب خون نفاس سے فارغ ہوتی ہیں، اور تاریخ ولادت سے چالیس روز گذر جاتے ہیں، تو کنویں پر جاتی ہیں، اور کنویں میں خواجہ خضر کو سمجھ کر تھوڑا سیندور اور چاول اور سرسوں اس کنویں پر رکھتی ہیں، بعد ازاں پانی بھر کر چلی آتی ہیں، اس کو کنواں چھونا کہتے ہیں، تو اس کا نکاح باقی رہا یا نہیں، اور یہ رسم کیسی ہے؟

(۳) جو عورت ایسا کام کرے، کہ اس کا نکاح ٹوٹ جائے، تو اس پر طلاق رجعی عائد ہوئی یا بائن، اور وہ عورت کس صورت سے اسی شوہر کے نکاح میں آسکتی ہے؟

(۴) ایک آدمی نے اپنی عورت کو اسقاط حمل کی دوا دی، اس کا حمل گر گیا، تو وہ شخص گنہگار ہوگا یا نہیں؟

(۵) یا اپنی عورت کو ایسی دوا دیتا ہے، کہ جس سے حمل نہ رہے، اور وہ بانجھ ہو جاوے

درست ہے یا نہیں فقط۔

**الجواب**:۔ جواب سوال اول، یہ رسم نادرست و ناجائز ہے، اس واسطے کہ محض بے اصل ہے، اس کی شرع سے کوئی سند نہیں ہے، اور مولود کو سوپیلا میں لٹانا بھی نہیں چاہیے، کیونکہ عوام اس فعل کو اس غرض سے کرتے ہیں، کہ اس سے مولود زندہ رہے گا لہذا اس فعل سے اجتناب چاہیئے۔

جواب سوال دوم۔ یہ رسم بالکل جہالت و ضلالت کی رسم ہے، اس سے بھی احتراز واجتناب لازم ہے، سواحیلینہ تک کنویں پر جانے کو اس خیال سے برا سمجھنا کہ کنویں میں خواجہ خضر رہتے ہیں عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے، عقل کے خلاف اس وجہ سے ہے، کہ جب ایک خاص کنویں میں خضر علیہ السلام کا وجود مانا جاوے گا، تو اور کنوؤں میں بھی ان کا وجود ضرور ماننا پڑے گا، ورنہ تخصیص بلا مخصص لازم آوے گی، اور جب دیگر کنوؤں میں بھی خضر کا وجود مانا جاوے گا، تو بہت سے خضر کا ہونا لازم آئے گا، کیونکہ شخص واحد کا ایک وقت میں امکنہ متعددہ میں ہونا محال ہے، اور حسب تعداد کنوؤں کے بہت سے خضر کا ہونا، اور حسب کمی بیشی کنوؤں کے خضر کا کم و بیش ہونا بالکل خلاف عقل ہے، اور خلاف نقل اس وجہ سے ہے، کہ کسی نقلی دلیل سے خضر علیہ السلام کا کنویں میں ہونا ثابت نہیں، بلکہ کسی دلیل صحیح سے اب ان کا موجود ہونا ہی ثابت نہیں، بلکہ صحیح بخاری کی اس حدیث سے خضر علیہ السلام کا زندہ نہ ہونا صاف طور پر ثابت ہوتا ہے،

عن[1] عبد اللہ بن عمر رض قال صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ العشاء فی اخر حیاتہ فلما سلم قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ارأیتکم لیلتکم ھذہ فان راس مائۃ سنۃ لا یبقی ممن ھو الیوم علی ظہر الارض احد الحدیث

غرض حضرت خضر علیہ السلام کو کنویں میں سمجھنا اور تاریخ ولادت سے سواحیلینہ تک کنویں پر نہ جانا، اور اس کے چھونے کو برا سمجھنا، اور چالیس دن گذر جانے کے بعد سینددر وغیرہ کنویں پر رکھنا نہایت بری رسم ہے اور سراسر جہالت اور ضلالت کی بات ہے، جو عورت یہ کنواں چھونے کی رسم کرے گی، وہ بلاشبہ گنہ گار ہوگی، مگر ہاں اس رسم سے اس کا نکاح نہیں ٹوٹے گا،

---

[1] عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں، کہ حضور نے اپنی آخری زندگی میں ایک عشاء کی نماز پڑھائی آپ سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ آج کی رات مجھے معلوم ہوا ہے، کہ آج سے سو سال بعد تک آج کی دنیا کا کوئی انسان موجود نہ رہے گا۔

جواب سوال سوم۔ جو عورت ایسا کام کرے، کہ جس کی وجہ سے اس کا نکاح ٹوٹ جائے تو اس پر طلاق عاید نہیں ہوتی ہے نہ بائن اور نہ رجعی، اور وہ عورت اگر پھر اپنے شوہر کے نکاح میں آنا چاہے، تو اس کو چاہیئے کہ اس کام سے توبہ کرے، اور پھر اس سے نکاح کرلے۔

جواب سوال چہارم۔ اگر نفخ روح کے بعد اسقاط حمل کی دوا دی، اور حمل گر گیا، تو وہ بالاتفاق گنہ گار ہوگا، اور بہت بڑا گنہ گار ہوگا، اور قبل نفخ روح کے اسقاط حمل کی دوا دی، اور حمل گر گیا تو اس صورت میں جن علماء کے نزدیک عزل ناجائز ہے، ان کے نزدیک وہ شخص گنہ گار ہوگا اور جن علماء کے نزدیک عزل جائز ہے، ان کے نزدیک گنہ گار نہیں ہوگا، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

[1] یتنزع من حکم العزل حکم معالجة المرأة اسقاط النطفة قبل نفخ الروح فمن قال بالمنع هناك ففی هذه اولی ومن قال بالجواز یمكنه ان یقول فی هذه ایضا بالجواز ومن قال بالجواز یمكنه ان یفرق بانه اشد لان العزل لم یقع فیه تعاطی السبب ومعالجة السقط بعد السبب انتهی قال ابن الهمام فی فتح القدیر یباح الاسقاط ما لم یتخلق وفی الخانیة لا اقول انه یباح الاسقاط مطلقا فان المحرم اذا كسر بیض الصید یكون ضامنا لانه اصل الصید فاذا كان هناك مع الجزاء اثم فلا اقل ان یلحقها اثم ههنا اذا اسقطت من غیر عذر وقال فی البحر ینبغی الاعتماد علیه لان له اصلا صحیحا یقاس علیه والظاهر ان هذه المسئلة لم تنقل عن ابی حنیفة صریحا ولذا یعبرون بقالوا انتهی۔

---

[1] عزل کے حکم سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے، کہ جان پڑنے سے پہلے عورت کا حمل گرا دینا بھی جائز ہے، اور جو عزل کو ناجائز سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک حمل گرانا بالاولی ناجائز ہے، اور جو عزل کو جائز سمجھتے ہیں، وہ اس کو بھی جائز سمجھتے ہیں، اور جو عزل کو جائز سمجھتے ہیں، وہ اسقاط کو ناجائز بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ عزل میں سبب ممانعت کوئی نہیں ہے، اور یہاں سبب موجود ہے، ابن الہمام نے فتح القدیر میں کہا ہے، جب تک جان نہ پڑے حمل کا گرا دینا جائز ہے، اور خانیہ میں ہے کہ اسقاط حمل کو مطلقاً مباح کہنا درست نہیں ہے، کیونکہ محرم اگر کسی پرندہ کا انڈا توڑ ڈالے، تو اس پر ضمان ہے، کیونکہ وہ شکار کا اصل ہے، اور جس صورت میں وہاں جزا کے باوجود گناہ بھی ہوتا ہے، تو بغیر عذر آدمی کے حمل کو گرا دینا اس سے کم تو نہیں ہوگا، بحر میں کہا ہے، کہ خانیہ کی روایت پر اعتماد کرنا چاہیئے، اور ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ امام ابوحنیفہ سے ثابت نہیں ہے، اسی لئے تو اسے قالوا کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں ۱۲

جواب سوال پنجم۔ ایسی دوا دینا جس سے حمل نہ رہے حکم میں اسقاط قبل از نفخ روح کے ہے پس جن کے نزدیک وہ جائز ہے، یہ بھی جائز ہے، اور جن کے نزدیک وہ جائز نہیں، یہ بھی جائز نہیں، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، یلتحق بھذہ المسئلۃ تعاطی المرأۃ ما یقطع الاصل من اصلہ فقد افتی بعض المتاخرین من الشافعیۃ بالمنع وھو مشکل علی قولھم باباحۃ العزل مطلقا انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ عبد الرحیم عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ بتقریب شادی رنگ وتماشہ نمودن وآتش بازی وآرائش وغیرہ جائز است یا حرام؟

(۲) حکم مرتکبین وفاعلین آنہا چیست؟

(۳) بمحفلے کہ این چنین منکر باشد، خواہ آن مجلس مجلس ولیمہ یا عقد ثانی باشد، یا غیر آن باشد مسلمانان را دران مجلس شریک شدن جائز است یا نہ، واگر نا دانستہ حاضر شوند چہ کنند باز آیند یا شریک مجلس باشند

(۴) واگر کسے از مولویان یا کسے دیگر کہ عوام لفعل او حجت گیرند ویا او تندا کنند شریک آن مجلس شود وبوقت طلب دلیل بہ دیگر مردمان گوید، دلیلش از کجا آورم، خود زبانم دلیل است، شرعا حکم این چنین شخص چیست ونماز مسلمین در پس او جائز است یا نہ، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ بتقریب شادی وغیرہ رنگ تماشہ نمودن وآتش بازی سر کردن ناجائز است عن عقبۃ بن عامر رضی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ

---

ل اس مسئلہ کے ساتھ یہ بھی ملحق ہے، کہ عورت حمل گرانے کے لئے دوائی استعمال کرے، شافعیہ میں سے بعض متاخرین نے اس سے منع کیا ہے لیکن عزل کے جواز کا فتویٰ دے کر اس سے منع کرنا مشکل ہے

سوال:۔ (۱) شادی بیاہ میں راگ رنگ اور تماشہ، آتشبازی اور زیب وزینت جائز ہے یا حرام؟

(۲) ان کا ارتکاب کرنے والے کیسے ہیں؟

(۳) ایسی مجلسوں میں مسلمانوں کو شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی نادانستہ چلا جائے تو پھر اس میں شامل رہے یا واپس آ جائے

(۴) اگر کوئی مولوی یا پیر ایسی مجلس میں چلا جائے، کہ لوگ اس کی سند لیتے ہوں، اور اس سے دلیل طلب کی جائے، تو وہ جواب میں کہے اس کی دلیل خود میری زبان ہے، ایسا آدمی کیسا ہے؟ اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شادی میں راگ رنگ اور آتشبازی وغیرہ منع ہے، عقبہ بن عامر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا

تعالیٰ یدخل بالسہم الواحد الحدیث وفیہ کل شئ یلھو بہ الرجل باطل الا رمیہ بقوسہ وتادیبہ فرسہ وملاعبتہ امرأتہ فانھن من الحق رواہ الترمذی وابن ماجہ یعنی ہر چیز کہ بازی کند بآن چیز مرد باطل وناروا ست مگر تیر انداختن او بکمان خود وادب کردن او اسپ خود را وبازی کردن مرد زن خود را پس بدرستیکہ این اشیار از جملہ حق است وثابت است وبحقیقت داخل لہو نیستند

مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ در بعضے تحریرات وتالیفات خود در بیان رسومات منہیات نوشتہ اند ولا یجوز تضییع المال باحراق البارود والکاغذ ورکوب الخیل والطواف بالبلد من غیر حاجۃ قال اللہ تعالیٰ ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطرا ورئاء الناس واظہار المعازف والملاھی واظہار لعب اللعابین وستر حیطان البیت بالثیاب الجمیلۃ تزینا ودخول النساء الاجنبیات علی الزوج بعد الفراغ من العقد وکلامھن معہ ومس انفہ واذنہ ووضع النبات علی جسد الزوجۃ وامر الزوج ان یرفعہ بلسانہ وحفوف النساء حول الزوج والزوجۃ عند الخلوۃ کلہ من البدعات المحرمۃ انتہی کذا فی المسائل الاربعین لمولانا محمد اسحٰق الدھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

والیضا فیہ سر کردن آتش بازی اسراف است در شادی باشد یا غیر آن واسراف در شرع شریف ممنوع است قال اللہ تعالیٰ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطٰن لربہ کفورا ۱۲ انتہی

---

اللہ ایک تیر کی وجہ سے کئی آدمیوں کو جنت میں داخل کرتے ہیں، اس میں یہ بھی ہے، کہ تمام کھیل ناجائز ہیں، سوائے تیر اندازی، اور گھوڑے کو کرتب سکھانے اور اپنی بیوی سے کھیلنے کے کہ یہ تینوں کھیل جائز ہیں، شاہ عبد العزیز نے اپنی تالیفات میں ممنوع رسوم کے ضمن میں لکھا ہے، آتشبازی کرنا، دولہا کو گھوڑے پر سوار کرا کے شہر کے گرد چکر لگوانا منع ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو اپنے گھروں سے فخر اور ریا کی نیت سے نکلے" باجے بجانا، دیواروں پر پردے لٹکانا، اجنبی عورتوں کا دولہا کے پاس آکر باتیں کرنا، اس کے ناک کان مروڑنا، اور دلہن کے جسم پر شیرنی رکھ کر دولہا کو کہنا، کہ اس کو اپنے منہ سے اٹھاؤ، اور خلوت کے وقت دولہا دلہن کو عورتوں مردوں کا گھیر لینا سب حرام بدعات ہیں۔

مولانا محمد اسحاق دہلوی اپنے رسالہ اربعین میں لکھتے ہیں، آتشبازی اسراف ہے، اور اسراف حرام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا نافرمان ہے۔

(۲) مرتکبین آنہا مبتدعین و مسرفین و گنہ گارانند۔

(۳) بمحفلے کہ این چنین منکر باشد خواہ آن محفل محفل ولیمہ باشد یا غیر آن باشد مسلمانان را خواہ مقتدا باشند یا غیر مقتدا دران محفل شریک شدن جائز نیست و اگر نادانستہ حاضر شوند باز آیند، ہمیں حکم از ظاہر احادیث ثابت می شود، و اہل علم درین باب گونہ اختلافے دارند در مسائل اربعین مرقوم است، مدعو اگر قبل از حضور معلوم کند کہ در آنجا منکر است، حاضر نہ شود، و اگر او را معلوم نہ بود، و بعد حاضر شدن منکرات پیش آمد پس آن مدعو اگر مقتدا است و قدرت منع آن از دست یا زبان می دارد رد کردہ بنشیند، و سنت ولیمہ کہ اجابت دعوت است ادا کند والا ازان مکان بیرون آید، و اگر عامی است و قدرت منع بر آن منکرات آنجا نمی دارد، پس اگر نشستہ بخورد جائز است، زیرا کہ اجابت دعوت سنت است و عامی را نمی رسد کہ بوجود بدعت سنت را ترک نماید، چنانچہ در شرح وقایہ مرقوم است اعلم انہ لا یحلو انہ ان علم قبل الحضور ان ہنالک لہوا لا یحضر وان لم یعلم قبل ذلک لکن ھجم بعدہ فان کان قادرا علی المنع یمنع وان لم یکن قادرا فان کان الرجل مقتدی یخرج لئلا یقتدی الناس وان لم یکن مقتدی فان قعد واکل جاز لان اجابۃ الدعوۃ سنۃ فلا تترک بسبب بدعۃ کصلوۃ الجنازۃ تحضرھا النائحۃ انتہی، لیکن عامی را ہم ضرور است، کہ کراہت آن بدل دارد وفی الحدیث فلم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان و اگر کراہت بدل ندارد خوف زوال ایمان است، انتہی ما فی المسائل الاربعین، این مذہب حنفیہ است۔

---

(۲) ان کے مرتکب بدعتی، فضول خرچ اور گنہ گار ہیں۔

(۳) ایسی مجلسوں میں خواہ وہ ولیمہ ہی کی کیوں نہ ہوں، تمام مسلمانوں کو خواہ وہ مقتدا ہوں یا دوسرے عوام شامل ہونا جائز نہیں ہے، اگر نادانستہ چلے جائیں، تو واپس آ جائیں۔

مسائل اربعین میں ہے، کہ اگر جانے سے پہلے علم ہو جائے، تو نہ جائے، اور اگر جانے کے بعد وقوع میں آجائیں، تو اگر مقتدا ہو، اور روک سکتا ہو تو رد کرے، اور دعوت ولیمہ میں شامل ہو، اور اگر عام آدمی ہو، روک نہ سکتا ہو، تو وہ ایک بدعت کے لئے سنت نہ چھوڑے، شرح وقایہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے، اور مثال دی ہے، کہ جیسے کوئی جنازہ پڑھنا جس کے ہمراہ کوئی نوحہ کرنے والی ہو، نہیں چھوڑ دینا چاہیئے، لیکن عامی کو بھی ایسی چیزوں کو دل سے برا سمجھنا چاہیئے، اور یہ کمزور ترین ایمان ہے، احناف کا یہی مذہب ہے،

حافظ ابن حجر در فتح الباری گفتہ کہ علماء گفتہ اند کہ در آنجا لہوے مختلف فیہ باشد حضور جائز است، واولے ترک است، واگر حرام باشد چون می نوشی پس اگر مدعی ازان کسان است کہ از حضورش آن حرام رفع کردہ خواہد شد پس باید کہ حاضر شود، واگر چنین نہ باشد پس شافعیہ را درین صورت دو وجہ است، یکے آنکہ حاضر شود وبحسب قدرت انکار کند، اگرچہ اولے این است کہ حاضر نہ شود بیہقی گفتہ کہ این ظاہر نص شافعی است وبرہمین وجہ عراقیین از اصحاب او جاری شدہ اند، ووجہ دوم آنکہ حضور حرام است زیراکہ حضور گویا راضی شدن است بمنکر، واین وجہ دوم را مراوزہ یعنی اہل مرو صحیح گفتہ اند، واگر مدعو را معلوم نیست کہ دران جا منکر است وحاضر شد پس باید کہ برایشان انکار کند، واگر باز نیاید پس از انجا رجوع کند، مگر وقتے کہ بر نفس خود خوف کند، وبرہمین وجہ جاری شدہ اند حنابلہ۔

قال الحافظ ویؤید منع الحضور حدیث عمران بن حصین نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اجابۃ طعام الفاسقین اخرجہ الطبرانی فی الاوسط ویؤیدہ مع وجود الامر المحرم ما اخرجہ النسائی من حدیث جابر مرفوعا من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یقعد علی مائدۃ یدار علیھا الخمر واسنادہ جید انتہی ودر منتقی الاخبار است عن علی رضی اللہ عنہ قال صنعت طعاما فدعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجاء فرأی فی البیت تصاویر فرجع رواہ ابن ماجہ ودر مشکوۃ شریف است عن سفینۃ ان رجلا ضاف علی ابن ابی طالب

---

ابن حجر کہتے ہیں، کہ اگر کوئی ایسی بے ہودگی ہو جس میں اختلاف ہے، تو اس میں حاضر ہونا جائز ہے، اور نہ جانا بہتر اور اگر حرام ہے مثلا شراب نوشی، تو اگر اس کو روکنے کی طاقت ہو تو ضرور جا کر روکے، اور اگر روک نہ سکتا ہو تو شافعیہ کا مسلک یہ ہے، کہ جائے اور حسب طاقت انکار کرے، اور اگر نہ جائے تو بہتر ہے، عراق کے شافعی اسی کے قایل ہیں، مرو کے شافعی کہتے ہیں، کہ ہرگز نہ جائے، اور اگر علم نہ ہو تو چلا جائے، جانے کے بعد وقوع میں آئے، تو اس پر انکار کرے ورنہ واپس آجائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق کے گھر کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے، نسائی کی روایت میں ہے، کہ جو آدمی خدا پر ایمان رکھتا ہو، وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے، جس پر شراب نوشی ہو، حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانا تیار کیا، آپ نے گھر میں تصویریں دیکھیں، تو واپس چلے گئے، حضرت فاطمہ رض نے روکنے کی کوشش کی، تو آپ نے فرمایا، نبی تصویر والے گھروں میں داخل نہیں ہوسکتا۔

فصنع له طعاما فقالت فاطمة لو دعونا رسول الله صلی الله علیه وسلم فاكل معنا فدعوه فجاء فوضع یدیه على عضادتي الباب فرأى القرام قد ضربت في ناحية البيت فرجع فقالت فاطمة فتبعته فقلت یا رسول الله ما ردك قال انه ليس لنبي ان يدخل بيتا مزوقا۔ وفي فتح الباري عن ابي مسعود ان رجلا صنع طعاما فدعاه فقال افي البيت صورة قال نعم فابى ان يدخل حتى تكسر الصورة وسنده صحيح۔ وفي صحيح البخاري ودعا ابن عمر ابا ايوب فرأى في البيت سترا على الجدار فقال ابن عمر غلبنا عليه النساء فقال من كنت اخشى عليه فلم اكن اخشى عليك والله لا اطعم لكم طعاما فرجع

ازین روایات معلوم شد، کہ وجہ دوم از دو وجہ شافعیہ کہ آن را مراوزہ صحیح گفتہ اند، و بران حنابلہ جاری شدہ اند ہمان صحیح وحق است، ومؤیداو این آیت کریمہ است فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۴) این چنین شخص بلا شبہ فاسق است، ونماز درپس او اگرچہ جائز است، چہ نماز درپس ہر بر و فاجر رواست، لیکن اورا برائے امامت مقدم باید نہ کرد، واورا امام نباید ساخت واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارک پوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ ذکر ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جو مجلس مولد میں کھڑے ہو جاتے ہیں، تو یہ کھڑا ہونا بایں اعتقاد کہ روح مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہاں تشریف لاتی ہے، اور آنحضرت ہر جگہ حاضر ناظر ہیں، شرع میں کیا حکم رکھتا ہے، اور بے اعتقاد اس امر کے

ابو مسعود کہتے ہیں، کہ ایک آدمی نے آپؐ کی دعوت کی، آپ نے پوچھا، اس گھر میں تصویریں ہیں، اس نے کہا، ہاں! آپ نے فرمایا تصویریں توڑ پھوڑ دو گے، تو آجاؤں گا، حضرت عبد اللہ بن عمر نے ابو ایوب کی دعوت کی، انہوں نے گھر کی دیواروں پر پردے دیکھے، تو روٹی کھائے بغیر واپس آ گئے، اور کہا آپ سے یہ توقع نہ تھی، انہوں نے کہا، عورتوں نے زبردستی لٹکا دیئے، کہنے لگے، آپ سے یہ امید بھی نہ تھی، ان روایات سے معلوم ہوا، کہ مروزی شوافع کا عمل درست ہے، قرآن مجید میں بھی آیا ہے، کہ یاد آجانے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھو، واللہ اعلم۔

(۴) ایسا آدمی فاسق ہے، اگر کوئی اتفاقی نماز اس کے پیچھے پڑھ لی جائے، تو ٹھیک ہے، ورنہ ایسے آدمی کو امام نہیں بنانا چاہیے، واللہ اعلم ۱۲

کیا حکم رکھتا ہے؟

**الجواب**:۔ قیام وقت ذکر ولادت کے بغیر اس اعتقاد کے بدعت ہے، اور ساتھ اس اعتقاد کے شرک ہے، اس واسطے کہ صفت حاضر ناظر ہونے کی ہر جگہ میں سوائے اللہ تعالیٰ اور کسی میں پائی نہیں جاتی ہے، جائے غور ہے، کہ اگر مثلاً سو جگہوں میں ایک وقت خاص میں مجلس مولود کی ہو، تو کس طرح اسی وقت خاص میں ہر جگہ روح آپ کی تشریف لائے گی، قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے کتاب تحفۃ القضاۃ میں فرمایا ہے۔ وما[1] یفعلہ الجہال علی راس کل حول فی شہر الربیع الاول لیس بشیء ویقومون عند ذکر مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم ویزعمون ان روحہ صلی اللہ علیہ وسلم یجیئ فزعمہم باطل بل ھذا الاعتقاد شرک وقد منع الائمۃ الاربعۃ مثل ھذا انتہی۔

اور قاضی نصیر الدین نے طریقۃ السلف میں لکھا ہے۔ وقد[2] احدث بعض جہال المشائخ امورا کثیرۃ لا نجد لہا اثرا فی کتاب ولا فی سنۃ منہا القیام عند ذکر ولادۃ سید الانام علیہ التحیۃ والسلام اور سیرت شامی میں مذکور ہے جرت[3] عادۃ کثیر من المحبین اذا سمعوا بذکر وضعہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوموا تعظیما لہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا القیام بدعۃ لا اصل لہا انتہی

حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

| سید محمد نذیر حسین | ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق |
|---|---|

**سوال**:۔ چہ می فرمایند مرکز علمائے متبحر وقطب فضلائے دہر شمس سمائے شریعت وبدر

---

[1] اور یہ جو سال بعد جاہل لوگ ربیع الاول کے مہینہ میں اکٹھے ہوتے ہیں، یہ بے اصل بات ہے، اور پھر آپ کی ولادت کے وقت اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں، کہ آپ کی روح آتی ہے، تو ان کا یہ عقیدہ شرک ہے، اور چاروں اماموں نے اس سے منع کیا ہے۔

[2] آج جاہل پیروں نے بہت سی باتیں ایجاد کر لی ہیں، جن کا کتاب وسنت میں کوئی نام ونشان نہیں ملتا، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کے وقت اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں ۱۲

[3] آج بہت سے محبان کی عادت ہو چکی ہے کہ جب آپ کی ولادت کا ذکر سنتے ہیں تو آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور یہ کھڑا ہونا بدعت ہے اس کا کوئی اصل نہیں ہے ۱۲

سوال:۔ کیا حکم ہے ان رسوم کا کہ نوشہ کے گلے میں ہار ڈالا جاتا ہے، اور نکاح کے بعد مصافحہ ہوتا ہے نوشہ

فلک طریقت شیخ العرب والعجم ہادی الناس الی الطریق الاسلم کریم السجایا جمیل الشیم قدوۃ البررۃ صاحب اخلاق الرضیہ اندرین مسئلہ محدثہ کہ در امکنہ مختلفہ ومواضع کثیرہ ہند بسیار عوام الناس داماد را حین تزویج بگل پوشی اعنی قلادہ گلہا بگلو درانداختن وغیرہ وبعد عقد نکاح مصافحہ وتسلیم بر حضار مجلس وپابوسی خسر وغیرہ من الاکابر امر می کنند، ودر شب زفاف بعد اداے رسم آرسی ومصحف اقارب داماد را بیک طرف نشانند، واقارب عروس را بیک جہت وزان بعد رسم سلامی بجا می آرند، یعنے ہرگاہ کہ از جانبین یا از جانب واحد رومال وغیرہ ادا می نمایند، باید کہ ناکح برخاستہ یا بحالت قعود تسلیم بنام ہر یک ہر دا حبیب بجا آرد وچون روز جمعہ می شود، داماد را بخانہ مادر زن می طلبند آن را جمعگی موسوم می کنند، آیا دارا این مراسم بوجہ مالابد منہا از روئے شریعت مستنیرہ ثابت وجائز است یا نہ ومرتکب وآمرش سنی است یا مبتدع، وود ترکش طعن کردن کہ اینان سالکان شرع اند وغیرہ من الہذیانات چیست باید کہ بمجرد وصول این عریضہ باعتنا تمام جواب صافی دلپذیر ودستخط تحریر بلاتانی وتاخیر مارا بفراوان منت ممنون وبہزاران عطوفت مسرور سازند، الراقم جماعۃ معسکر بنگلور مسجد اہلحدیث متصل نیومارکٹ بنام محمد یعقوب گاؤ قصاب،

**الجواب**: بر ارباب خبرت کاملہ وبصیرت ناقدہ مکشوف است کہ در عہد سعادت عہد حضرت وبعدہ من القرون المشہود لہا بالخیر مناکحات بکثرت وقوع یافتہ، چنانچہ در اسفار حدیث ذکر شان مذکور است بہیچ ازان نام ونشان این چنین شنائع وصنائع نبود بلکہ دران ازمنہ تزویج یافتہ، ہمین خطبہ ومہر مخفف وغیرہ امور مشروعہ مسنونہ بود ونہ بس بحکم حدیث من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد این ہمہ رسوم بدعت مردودہ خواہند

حاضرین مجلس کو سلام کرتا ہے، اپنے خسر کے پاؤں کو بوسہ دیتا ہے، اور شب زفاف کے بعد آرسی اور مصحف کی رسم کے بعد دولہا دلہن کے اقارب ایک دوسرے کے سامنے بیٹھتے ہیں، ایک دوسرے کو رومالوں کا تحفہ دیتے ہیں، اور دولہا اٹھ کر ہر ایک کو سلام کرتا ہے، اور جمعہ کے دن دولہا کو اپنی ساس کے پاس بلایا جاتا ہے اس رسم کو جمعگی کہتے ہیں، آیا یہ رسوم شریعت سے ثابت ہیں یا نہیں ان کا مرتکب سنی ہے یا بدعتی، اور جو ان رسوم کو ادا نہ کرے، اس کو شریعت والا کا طعنہ دینا کیسا ہے، جواب فوراً عطا فرما کر ممنون فرمائیں

الجواب:۔ اہل علم جانتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ، اور تین بہترین زمانوں میں ان رسوم کا نام ونشان نہ تھا، نکاح ہوتے تھے، خطبہ اور حق مہر ہوتا تھا، بحکم حدیث "جو ہمارے دین میں نیا کام نکالے وہ مردود ہے" یہ

بود بر متدین متبع سنت احتراز از نیہا لازم داز خوف طعن وتشنیع عوام کالانعام باین چنین مہالک افتادن موجب مقت ایزد جبار است، دہیچ یکے ازین رسوم مذکورہ از شریعت ثابت نیست بلکہ ہمہ صریحاً خلاف نصوص شرعیہ اند مثلاً مصافحہ وسلام بوقت ملاقات مشروع ومسنون است، نہ از بہر حاضرین مجلس وپابوسی منجملہ امور شرکیہ است وہکذا سائر مراسم مذکورہ از باب تشریع مالم یشرعہ اللہ است واللہ تعالےٰ اعلم، حررہ عبدالحق ملتانی

سید محمد نذیر حسین

**سوال:** چہ میفرمایند علمائے دین درین کہ سہرہ گل بستن مباح وجائز است یا غیر مباح وناجائز. بینوا توجروا۔

**الجواب:** سہرہ بستن امر مباح است زیراکہ در اصل اشیاء اباحت است نزد عامہ علمائے حنفیہ، لیکن اولٰے وبہتر آن ست، کہ مسلم از سہرہ بستن احتراز نماید، زیراکہ این امر در قرون صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم نبودہ لہذا در بدعت داخل است، چنانکہ تسبیح وغیرہ ونہ آنکہ صاحب آن مرتکب صغیرہ وکبیرہ است، ہمین مضمون فہمیدہ می شود از اصول فقہ واللہ اعلم بالصواب

حاجی قاسم

قیاس این قائل سہرہ گل را بر تسبیح کہ بدعت حسنہ در دائرہ مباح داخل است، قیاس مع الفارق است، زیراکہ بدعت مباحہ را باید دید، کہ از افعال اہل سنت است یا از اہل کفر واہل بدعت پس مدار کار بر شعائر است وبر ظاہر است کہ سہرہ گل وغیرہ ساختہ پرداختہ

کام بھی مردود ہیں، تبع سنت کو ایسی بدرسموں سے پرہیز کرنا چاہیئے، کہ ان میں سے کوئی بھی شریعت سے ثابت نہیں ہے لوگوں کے طعن وتشنیع کے خوف سے خدا کی ناراضگی نہ لینا چاہیئے سلام اور مصافحہ ملاقات کے لئے تو مسنون ہے حاضرین مجلس کے لئے منع ہے، اور پاؤں کو بوسہ دینا مشرکوں کی رسم ہے، اور شرک ہے، واللہ اعلم

سوال:- دولہا کے سر پر پھولوں کا سہرا باندھنا مباح اور جائز ہے یا غیر مباح وناجائز؟ بینوا توجروا

الجواب:- سہرہ باندھنا جائز ہے، کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک اصل اباحت ہے لیکن بہتر ہے، کہ نہ باندھا جائے کیونکہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کا وجود نہیں ملتا، لہذا بدعت میں شامل ہے، جیسے کہ تسبیح وغیرہ، البتہ اس کا مرتکب صغیرہ یا کبیرہ کا مرتکب نہیں ہے، واللہ اعلم۔ حاجی قاسم

سہرے کو تسبیح پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کسی کام کو اس نظر سے دیکھنا چاہیئے، کہ یہ اہل سنت کے افعال میں سے ہے یا اہل بدعت واہل کفر کے شعار سے، اور یہ تو ظاہر بات ہے کہ سہرہ ہندوؤں کی رسم ہے

ہنود ان است، چنانچہ مالا مقابل تسبیح شعار ایشان بخلاف تسبیح کہ مخترع اہل اسلام و شعار ایشان است و ما منع کردہ شدہ ایم از تشبہ باہل کفر و اہل بدعت کہ شعار ایشان است، لو کانت البدعۃ مباحۃ سواء کانت من افعال اهل السنۃ او من افعال اهل الکفرۃ واهل البدعۃ فالمدار علی الشعار فانا ممنوعون من التشبہ باهل الکفر واهل البدعۃ فی شعارهم کذا قال الملا علی القاری فی شرح الفقہ الاکبر۔

ہر چند در اصل اشیاء اباحت است، چنانکہ قول قائس است، مگر بسبب تشبہ بکفار امر مباح متشبہ بافعال کفار متروک العمل و منہی عنہ شدہ و باید دانست کہ اصل اشیاء عند التحقیق متوقف است، اگرچہ بعض حنفی مذہب بر اباحت مستند قال فی المدارک قد استدل الکرخی وابو بکر الرازی والمعتزلۃ لقولہ تعالیٰ خلق لکم ما فی الارض جمیعا الایۃ علی ان الاشیاء التی تصلح ان ینتفع بہ خلقت مباحۃ فی الاصل وفی شرح المنار الاشیاء فی الاصل علی الاباحۃ عند بعض الحنفیۃ ومنهم الکرخی وقال اصحاب الحدیث الاصل فیها الحظر وقال اصحابنا الاصل فیها التوقف بمعنی انہ لابد لها من حکم لکن لم نقف علیہ بالعقل انتہی وقال صاحب الدر المختار فی باب استیلاء الکفار الصحیح من مذهب اهل السنۃ ان الاصل فی الاشیاء التوقف انتہی. وایضا فیہ فی کتاب الطهارۃ المنصور من ان الاصل فی الاشیاء التوقف الا ان الفقهاء کثیرا ما یلهجون بان الاصل الاباحۃ انتہی واللہ اعلم بالصواب وعندہ

---

اور تسبیح مسلمانوں کا شعار ہے، اور ہم کو اہل بدعت و اہل کفر کے شعار کے ساتھ تشبہ کرنے سے روک دیا گیا ہے چنانچہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اس کی تصریح کی ہے،

ہم تسلیم کر لیتے ہیں، کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے لیکن کوئی چیز جب اہل کفر کے ساتھ مشابہ ہو جائے تو وہ ممنوع ہو جاتی ہے، اور یہ جو اشیاء میں اباحت کو اصل قرار دیا گیا ہے یہ بھی متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ اکثر کے نزدیک اصل اشیاء میں توقف ہے، اگرچہ بعض حنفی اباحت کے قائل ہیں، کرخی، ابو بکر رازی اور معتزلہ اشیاء میں اباحت کے قائل ہیں، اور اہل حدیث اشیاء میں اصل ممانعت سمجھتے ہیں، اور اکثر احناف توقف کے قائل ہیں، شرح المنار میں ایسا ہی لکھا ہے، اور صاحب در مختار نے کتاب الطہارت وغیرہ میں اشیاء

امرالکتاب۔ کتبہ السید محمد نذیر حسین [سید محمد نذیر حسین]

**مسئلہ**:۔ بر دانشمندان شرع مخفی مباد کہ رسم سہرہ و کنگن بستن در مسلمانان از جملہ رسم و سنت جاہلیت و شعار کفار است، پس ہر کہ شعار کفار را اختیار کند و بجا آرد ابغض الناس الی اللہ خواہد بود بدلیل حدیث ہذا عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابغض الناس الی اللہ ثلاثۃ ملحد فی الحرم ومبتغ فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ ومطلب دم امرء مسلم بغیر حق لیھریق دمہ رواہ البخاری کذا فی المشکوۃ و شناعت و مذمت سہرا و کنگن حضرت آدم بنوری مرید ارشد جناب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ در خلاصۃ المعارف نوشتہ اند، و در فتاوی مرأۃ الصفا لسنۃ المصطفے وغیرہ نیز شعار کفار و مجوس نگاشتہ بعض شاعر فارس در مدح سہرا بستن عروس مجوس این بیت گفتہ ؎

ماہ من از حیا رخش بس کہ بآب و تاب شد　　سہرہ چو بست عارضش پنجہ آفتاب شد

بنا بر قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ للہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم کذا فی صحیح البخاری گذارش کردم وما علینا الا البلاغ

الراقم العاجز محمد نذیر حسین عفی عنہ [سید محمد نذیر حسین]

**سوال**:۔ شب ستائیسویں رمضان المبارک میں روشنی کثرت سے کرتے ہیں چراغاں بہت روشن کرتے ہیں، پس اس شب میں روشنی کرنے کا کیا حکم شرع شریف میں ہے

**الجواب**:۔ روشنی کثرت سے کرنا مسجد میں یا غیر مسجد میں خواہ شب ستائیسویں رمضان المبارک ہو، خواہ کوئی اور شب ہو، ناجائز ہے، کیونکہ اسراف میں داخل ہے، اور تشبہ

---

کے لئے اصل توقف قرار دیا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔　　سید نذیر حسین

مسئلہ:۔ شریعت کے واقف لوگوں پر مخفی نہ رہے، کہ سہرا و کنگنہ باندھنا مسلمانوں میں ہندوؤں کی رسوم سے آیا ہے، اور جو کفار کی رسوم کو اختیار کرے، وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ترین آدمی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین آدمی خدا کے نزدیک بدترین آدمی ہیں، حرم میں الحاد کرنے والا، اسلام میں جاہلیت کی رسمیں اختیار کرنے والا، اور کسی مسلمان آدمی کا ناحق خون کرنے والا"

اور سہرا کنگن کی مذمت آدم بنوری مجدد الف ثانی کے مرید نے خلاصۃ المعارف میں لکھی ہے، اور مرأۃ الصفا لسنۃ المصطفے وغیرہ میں اس کو کفار اور مجوس کی رسم کہا گیا ہے، لہٰذا اس سے پوری پرہیز کرنی چاہیئے۔

ساتھ قوم پراکے ہے، جیسا کہ فقیہ طرطوسی نے لفح المسائل میں اور ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں اور شیخ عبدالحق محدث نے اثبت بالسنۃ میں لکھا ہے، اور حموی نے شرح اشباہ ونظائر میں خوب وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب۔

حررہ سید شریف حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

**سوال:** ۔ مصافحہ بالتخصیص بعد نماز جمعہ یا عیدین کے غیر وقت ملاقات کے کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت ہے یا نہیں اور اس کا کیا حکم اور محققین حنفیہ نے اس کو کیا لکھا ہے

**الجواب:** ۔ مصافحہ وقت لقا کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام سے ثابت ہے، اور بالتخصیص بعد نماز جمعہ اور عیدین کے بدعت ہے، کسی حدیث سے ثابت نہیں، اور ائمہ دین سے بھی منقول نہیں، جیسا کہ شیخ ابن الحاج نے مدخل میں لکھا ہے موضع المصافحۃ فی الشرع انما ھو عند لقاء مسلم لاخیہ لا فی ادبار الصلوۃ فحیث وضعھا الشارع لا یضعھا فینھی عن ذلک ولیزجر فاعلہ لما اتی بہ خلاف السنۃ انتہی اور شیخ احمد بن علی رومی مجالس الابرار میں فرماتے ہیں۔ اما المصافحۃ فی غیر حال الملاقاۃ مثل کونھا عقیب صلوۃ الجمعۃ والعیدین کما ھو العادۃ فی زماننا فالحدیث سکت عنہ فیبقی بلا دلیل وقد تقرر فی موضعہ ان ما لا دلیل علیہ فھو مردود ولا یجوز التقلید فیہ انتہی۔

اور شیخ عبدالحق نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے، آنکہ بعضے مردم مصافحہ می کنند ابعد از نماز یا بعد از جمعہ چیزے نیست، و بدعت است از جہت تخصیص وقت، اسی طرح ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں اور ابن عابدین نے رد المختار میں لکھا ہے۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین — ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق

---

لہ مصافحہ کرنے کا مقام مسلمان بھائی سے ملاقات کرنے کا وقت ہے نہ کہ نماز کے بعد اگر کوئی آدمی ایسے مقام پر مصافحہ کرے گا، جہاں شارع نے نہیں بتایا، تو اس کے فاعل کو رد کیا جائے گا، کیونکہ اس نے سنت کے خلاف کیا ہے۔ ؎۲ ملاقات کے وقت کے علاوہ اور کسی وقت مثلاً جمعہ یا عیدین کے بعد مصافحہ کرنا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عادت ہو چکی ہے، حدیث اس سے خاموش ہے، اور اپنی جگہ پر یہ ثابت ہے، کہ جس کام پر دلیل نہ ہو، وہ مردود ہے، اور اس میں تقلید جائز نہیں ہے۔

**سوال**:۔ بوقت ذکر ولادت قیام و ہاتھ باندھنا کیسا ہے، و مجلس مولود و غزلیات کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ قیام و ہاتھ باندھنا بوقت ذکر ولادت بدعت و ناجائز ہے، کسی دلیل شرعی سے اس کا ثبوت نہیں ہے اگر یہ قیام و ہاتھ باندھنا اس عقیدہ و نیت سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت ذکر ولادت تشریف لاتے ہیں، اور حاضر مجلس میلاد ہوتے ہیں، تو یہ شرک ہے، اور مولود و غزلیات جو آج کل چھپ کر شائع ہیں، وہ ناجائز مضامین اور روایات موضوعات و مفتریات سے مملو ہیں، ان کا پڑھنا اور سننا بلاشبہ ممنوع و ناجائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ ما قولکم رحمکم اللہ فی مجالس المیلاد الشائعۃ فی ھذا الزمان ھل ھی جائزۃ ام لا ولیکن الجواب مفصلا مع مالہ وما علیہ بینوا توجروا

**الجواب**:۔ عقد مجالس المیلاد الشائعۃ فی ھذا الزمان بدعۃ لا مریۃ فی کونہا بدعۃ لان عقدھا امر محدث وکل محدث بدعۃ فعقدھا بدعۃ اما الصغری فظاہرۃ فان ھذہ المجالس لم تکن تعقد فی الزمن النبوی ولا فی زمن من بعدہ من الصحابۃ والتابعین والائمۃ المجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وایضا ھذہ المجالس المشتملۃ علی انواع من المفاسد والبلایا والشدائد والوزر ایالا یستنبط جوازھا البتۃ لا من کتاب اللہ ولا من سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا من الاجماع ولا من القیاس الصحیح فہل ھذا الا من محدثات الامور واما الکبری فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ

سوال:۔ آج کل جو مجالس میلاد قائم ہوتی ہیں، کیا یہ جائز ہیں یا نہیں؟ جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

الجواب:۔ مجالس میلاد بدعت ہیں، اور ان کے بدعت ہونے میں کسی قسم کا کلام نہیں، کیونکہ یہ دین میں نیا کام ہے، اور دین میں نئے کام بدعت ہیں، اس مقدمہ کا صغری تو ظاہر ہے کیونکہ یہ مجالس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں نہیں ہوتی تھیں، اس کے علاوہ ان میں اور بھی بہت سی برائیاں اور مفاسد موجود ہیں جن کو قرآن، سنت، اجماع صحابہ اور قیاس صحیح سے استنباط نہیں کیا جا سکتا تو یہ نیا کام ٹھہرا، اور کبری یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نئے کاموں سے بچو کہ وہ بدعت ہیں اور

وکل بدعۃ ضلالۃ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ کذا فی المشکوۃ فی باب الاعتصام وایضا قال صلی اللہ علیہ وسلم شر الامور محدثاتہا وکل بدعۃ ضلالۃ رواہ مسلم کذا فی الباب المذکور وقد صنف علماء اہل الحدیث فی الرد علی ہذہ المجالس والانکار علیہا رسائل عدیدۃ فمن شاء الاطلاع علی ہذہ المسئلۃ مع مالہا وما علیہا فلیطالع تلک الرسائل واللہ تعالی اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ این مجلس متعارف یعنی مجلس مولود کہ در شہرہا مے شود جائز و مستحب است یا بدعت و مکروہ، بینوا توجروا۔

**الجواب**: انعقاد این محفل متعارف یعنی محفل مولود کہ درین شہرہا میشود بدعت و مکروہ است، کدامی دلیل شرعیہ یعنی کتاب و سنت و اجماع و قیاس بر ثبوت این قائم نیست۔ وہر امرے کہ چنین باشد آن بدعت سیئہ و نامشروع می شود وادنی درجہ بدعت سیئہ و غیر مشروع مکروہ است قال ابن الحاج فی المدخل ومن جملۃ ما احدثوہ من البدع مع اعتقادہم ان ذلک من اکثر العبادات واظہار الشعائر ما یفعلونہ فی شہر ربیع الاول من المولد وقد احتوی ذلک علی بدع ومحرمات، انتہی۔ وقال تاج الدین الفاکہانی فی رسالتہ لا اعلم لہذا المولد اصلا فی کتاب ولا سنۃ ولا ینقل عملہ عن احد من علماء الامۃ الذین ہم القدوۃ فی

---

ہر بدعت گمراہی ہے اور یہ بھی فرمایا بدترین کام نئے ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے، لہذا یہ بھی گمراہی ہے، علماء نے اس کی تردید میں بہت سے رسائل تصنیف کئے ہیں، اگر اس کی پوری تفصیل مطلوب ہو تو ان کا مطالعہ کریں، واللہ اعلم۔

سوال:۔ یہ مجالس میلاد جو ہمارے شہروں میں ہوتی ہیں جائز و مستحب ہیں یا بدعت و مکروہ؟ بیان فرمائیں

الجواب:۔ یہ مجالس میلاد مکروہ و بدعت ہیں، ان کے انعقاد پر کتاب و سنت اجماع و قیاس سے کوئی بھی دلیل نہیں ہے، اور جو کام اس طرح کا ہو، وہ بدعت سیئہ اور نامشروع ہے، اور اس کا ادنی درجہ مکروہ ہے، ابن حاج نے اپنی کتاب مدخل میں لکھا ہے ان بدعات سے جن کو اکثر لوگ عبادت اور شعائر اسلامی سمجھتے ہیں ربیع الاول کے مہینہ میں مجالس میلاد کا انعقاد ہے، اس میں کئی طرح کی بدعتیں اور حرام امور ہیں۔ اور تاج الدین فاکہانی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے، کہ اس میلاد کا کوئی اصل نہ تو کتاب و سنت میں ہے اور نہ ہی سلف صالحین سے منقول ہے بلکہ

الذین المتمسکون باثار المتقدمین بل ھو بدعۃ احدثھا البطالون وشھوۃ نفس اعتنی بھا الاکالون انتھی واللہ اعلم حررہ سید محمد نذیر حسین۔

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

ہذا الجواب صحیح، چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی جناب مرشدنا و مخدومنا قدس سرہ در مکتوب دو بست و ہفتاد و سوم کہ بمرزا حسام الدین صدور یافتہ تحریر میفرمایند در حق مولد حضرت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کہ مرزا حسام الدین استفسار بآں حضرت کردہ بود خلاصہ عبارت این ست، کہ بنظر انصاف ببینند، کہ اگر فرضاً حضرت ایشان درین زمان در دنیا زندہ می بودند و این مجلس و اجتماع منعقد می شد آیا باین امر راضی می شدند و این اجتماع را پسندیدند یانہ، یقین فقیر آں است، کہ ہرگز این معنی را تجویز نہ میفرمودند، بلکہ انکار می نمودند مقصود فقیر اعلام بود، قبول کنند یا نہ کنند، انتہی کلام العبد محمد مسعود نقشبندی مجددی

ھکذا وجدت فی المکتوب الامام الھمام قدس سرہ فاستمع انہ لحق مبین ومنکرہ لمن الضالین ونحن علی ذلک من الشاھدین

انا العبد اذل الثقلین محمد حسین البنجابی پٹیالوی

سید محبوب علی جعفری ۱۲۷۹　|　فقیر خواجہ ضیاء الدین احمد ۱۲۶۱　|　محمد قطب الدین ۱۲۷۴

انا ک حمید مجید　|　محمد حسین ۱۲۷۹　|　حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ ۱۲۷۸　|　محمد شاہ صدیقی

محمد ہاشم ۱۲۷۹　|　محمد صدیق　|　خواجہ محمد اشرف علی　|　محمد عبد الصمد

الجواب صحیح محمد قطب الدین عفا اللہ عنہ بن قاضی محمد سراج الدین مرحوم ساکن سکندر آباد

کما قال استاذی مخدومی مولوی اولاد حسن علی قنوجی سے مجلس میلاد جو ایجاد ہے وہ یہ بھی بدعت ہے غرض آبادی ہے

الجواب صحیح　|　عبد الحمید عفی عنہ　|　الجواب صحیح　|　محمد صدیق پشاوری　|　امیدوار مغفرت غفار

اصاب من اجاب　|　محمد حسن　|　ساکن تترو ضلع سہارنپور ہذا الجواب مع الاسناد صحیح　|　سرفراز علی یغفر اللہ

ہذا الجواب صحیح　|　عبد الرزاق　|　المجیب مصیب　|　محمد اسمعیل　|　المسکین محمد عبد القادر　|　ساکن ضلع انبالہ

یہ بدعت ہے، جس کو باطل پرستوں اور پیٹ کی پوجا کرنے والوں نے ایجاد کیا ہے" سید نذیر حسین

یہ جواب بالکل صحیح ہے، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب ص ۲۷۳ میں مرزا حسام الدین کو لکھا ہے کہ انصاف کی نگاہ سے دیکھو، اگر ایسی مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں منعقد ہوتی، تو حضور اس کو پسند فرماتے یا نہ، اس فقیر کا یقین ہے، کہ آپ اس کو کبھی پسند نہ فرماتے، بلکہ اسے رد کر دیتے" محمد مسعود نقشبندی

**سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ داری کرنا، اور بچوں کو طوق بیڑی پہنانا، اور ماتم کرنا، اور بھوسا اڑانا وغیرہ اور ذکر سوانح و وقائع شہادت وغیرہا میں سلمان کرنا اور اس پر رونا، اور رلانا، اور اس کے واسطے انعقاد مجلس تعزیت کرنا موجب ثواب ہے یا باعث عقاب۔ اور نوحہ اور مرثیہ خوانی کرنا کیسا ہے۔ اور یزید کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ تعزیہ داری، علمداری، ماتم کرنا، بچوں کو طوق بیڑیاں پہنانا، فقیر بنانا وغیرہ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہیں، جن کی خیر[1] خیر امتی قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ہے کما روی البخاری عن عمران بن حصین نہ کسی اصل شرعی کے تحت میں مندرج ہے، نہ سلف و خلف صالحین کا اس پر عمل، پس محض بدعت و ضلالت و احداث فی الدین ٹھہرا جس کے عدم قبول اور رد ہونے پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول منقول ہے من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ اور رونا آنکھوں سے آنسو بہانا خواہ بحالت نہایت مسرت ہو جیسے قدوم قادم کے وقت یا محتاجگی پر رونا، یا بچیاں سزائے حاکم یا استاد مربی وغیرہ کے رونا، یا کسی کے سدھار مفارقت جسمانی سے رونا اس میں کوئی مانع شرعی نہیں، محض محبت الٰہی میں رونا اس کے عذاب و عقاب و محاسبہ کے ڈر سے رونا انبیاء مرسلین اور صالحین زاہدین سے ثابت ہے، و نیز کم ہنسنا اور زیادہ رونا آیۃ کریمہ فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا سے واضح ہے کسی حاکم عادل یا عزیز رشتہ دار یا استاد شفیق و مرشد برحق و پیشوائے دین کے انتقال و ذکر انتقال سے، بوجہ مزید حزن و ملال رونا، یا یاد آخرت سے رونا ممنوع نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات ابراہیم بن ماریہ قبطیہ میں آبدیدہ ہونا منقول ہے،

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جنازہ کے ساتھ تشریف لے جانا اور قبر پر بیٹھ کر یاد آخرت و موت پر بہت رونا حضرت براء بن عازب رضے سے مروی ہے، اسی طرح آیت فکیف اذا جئنا من کل امۃ سنکر آنسو جاری ہونا حضرت عبداللہ بن مسعود رضے سے مروی ہے، قرآن مجید کی تلاوت میں رونا، اور رونا نہ آئے تو بتکلف رونا اس کا حکم بروایت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ثابت ہے، خدا کے خوف سے

---

[1] میری بہترین امت میرے زمانہ کی ہے، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔

ذرا سے آنسو نکل آنے پر جو فضیلت وارد ہے، حدیث مرویہ حضرت عبداللہ بن مسعود کیں موجود ہے، بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کا حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آنا اور انہیں روتا دیکھ کر دونوں کا رونا روایت حضرت انس رض میں مذکور ہے، وقت معین پر ایصال ثواب فاتحہ و درود سے کرنا موجب اجر جزیل ہے، مجمع مشروع میں میت کے اوصاف کمال و واقعات صحیحہ نتیجہ خیز مفید دقت بیان کرنا اور اس کے لئے نظماً و نثراً مغفرت مانگنا (جس کا وہ مستحق ہے) کرنا کسی زبان میں ہو اس کے جواز میں کلام نہیں، ہاں نوحہ مشرکین جو عہد جاہلیت میں مروج تھا، وہ ہرگز نہ چاہیئے، وہ نہ میت کے لئے فائدہ رساں ہے اور نہ پس ماندگاں کے لئے مفید، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ راوی ہیں نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المراثی و فی نسخۃ یعنی النوح یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مراثی سے منع کیا، ابن ماجہ کے ایک نسخہ میں ہے، کہ مراد اس سے نوحہ ہے۔

حاصل یہ کہ مراثی سے مطلقاً مراثی مراد نہیں ہو سکتے، ورنہ بہت سے صحابہ، بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مراثی لکھے گئے، اور دین اسلام کا کوئی قاعدہ اس کے منع کا مقتضی نہیں ہے اسی بنا پر شیخ جلال الدین ابو بکر رحمہ اللہ تعالےٰ مشہور مصنف اسلام نے مصباح الزجاجہ میں بذیل حدیث مذکور فرمایا ہے۔ قال الخطابی انما کرہ من المراثی النیاحۃ علی مذہب الجاھلیۃ فاما الثناء والدعاء للمیت فغیر مکروہ لانہ رثی غیر واحد من الصحابۃ کثیرا من المراثی انتہی،[1] اور کسی سیہ کار کے سوء خاتمہ و حسن خاتمہ کے یقینی علم نہ ہونے پر ہم اس کو کرنے کے لئے مامور و مجاز نہیں ہیں، اور رنج میں ترک لذائذ و تزئین ریاءً بغیر خلوص کچھ مفید نہیں لو خلوص کے ساتھ بنظر زہد ہو تو اس کا فضل معلوم و مسلم ہے ھذا ما ظھرلی واللہ سبحانہ اعلم و علمہ اتم واحکم۔ العبد نعمانی عفی عنہ

**ہو المصوب**:۔ واقعی رسم تعزیہ داری بدعت ہے، نہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے کے زمانہ میں پایا گیا ہے، نہ خلفاء کے زمانہ میں، بلکہ اس کا وجود قرون ثلاثہ میں کہ مشہود لہا بالخیر ہیں منقول نہیں ہوا، اور تا این دم حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً میں رائج نہیں ہے، اور نہ کسی اصل

---

[1] خطابی نے کہا، جاہلیت کے زمانہ کی طرح مرثیہ کہنا حرام ہے ورنہ میت کے لئے دعا کرنا، یا اس کی تعریف کرنا مکروہ نہیں کیونکہ ایسے مرثیہ تو کئی ایک صحابہؓ سے بھی منقول ہیں۔

شرعی کے تحت میں مندرج ہے، پس یہ بدعت ضلالت ٹھہرا، اور بدعت ضلالت کو اختیار کرنا لعنت خدا و ملائکہ کا موجب اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رنجیدگی کا باعث ہے[1] روی الطبرانی عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث حدثا او اوی محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا وروی البخاری ومسلم وغیرھما من اصحاب الصحاح عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد وروی مسلم انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ۔

اور سینہ کوبی کرنا، کپڑے پھاڑنا، نوحہ کرنا، خاک اڑانا، بال نوچنا یہ سب افعال منہیات و ممنوعات سے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔[2] لیس منا من حلق وسلق وخرق ولیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ولعن اللہ النایحۃ اور نفس بیان وقائع شہادت اور اس پر رونا بشرطیکہ نوحہ وغیرہ سے خالی ہو، درست ہے، اور اس کے واسطے خاص مجلس منعقد کرنا تشبہ روافض و کراہت سے خالی نہیں، جیسا کہ جامع الرموز میں ہے[3] اذا اراد ذکر مقتل الحسین ینبغی ان یذکر اولا مقتل سائر الصحابۃ لئلا یشابہ الروافض کما فی العون اور صراط المستقیم میں ہے، ذکر قصہ شہادت بعقد مجلس باین قصد کہ مردم بشنوند وتاسفہا نمایند وگریہ وزاری کنند ہرچند در نظر ظاہر خللے دران ظاہر نمی شود، واما فی الحقیقت آن ہم مذموم و مکروہ است[4] انتہی، اگر مرثیہ میں احوال واقعی ہوں، پس اس قسم کے مرثیوں کو پڑھنا اور سننا کچھ مضائقہ

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی بدعت ایجاد کرے یا بدعتی کو پناہ دے، اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور سارے جہان کی لعنت ہے، اللہ نہ اس کی نفل عبادت قبول کرے گا نہ فرض، اور فرمایا جو کوئی ہمارے دین میں ایسا کام کرے جو اس کا حصہ نہیں، تو وہ کام مردود ہے، اور فرمایا بدترین کام بدعت ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

[2] جو سر کے بال نوچے، سینہ کوبی کرے، اور کپڑے پھاڑے، وہ ہم میں سے نہیں ہے، اور فرمایا جو رخسارے پیٹے، گریبان پھاڑے، وہ ہم میں سے نہیں ہے، اور فرمایا، خدا نوحہ کرنے والے پر لعنت کرے۔

[3] جب امام حسین کا واقعہ بیان کرنا چاہے، تو پہلے تمام صحابہ کی شہادت کا تذکرہ کرے تاکہ شیعہ کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

[4] کسی مجلس میں شہادت کا واقعہ اس طرح سے بیان کرنا کہ لوگ سنیں اور افسوس کریں، اور گریہ وزاری کریں بظاہر اس میں کوئی عیب معلوم نہیں ہوتا، لیکن حقیقت میں یہ بھی برا ہے ۱۲

نہیں رکھتا ہے،

یزید کے بارے میں بعض کہتے ہیں، کہ باتفاق مسلمانوں کے وہ امیر ہوا تھا، اس کی اطاعت امام علیہ السلام پر واجب تھی، حالانکہ اس کی خلافت پر مسلمانوں کا اتفاق نہ ہوا، اور ایک جماعت صحابہ رضہ واولاد صحابہ رضہ نے اس کی بیعت نہیں کی، اور جن حضرات نے بیعت کی بھی تھی، جب ان کو اس کے فسق وفجور کا حال معلوم ہوا خلع بیعت کر کے مدینہ میں واپس آگئے، اور بعض قائل ہیں کہ یزید نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا، نہ اس فعل سے راضی تھا، یہ بھی باطل ہے۔ قال[1] العلامۃ التفتازانی فی شرح العقائد النسفیۃ والحق ان رضی یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذالک واھانتہ اھل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احادا انتہی، اور بعض کہتے ہیں، کہ قتل امام رضی اللہ عنہ گناہ کبیرہ ہے نہ کفر، اور یہ لعنت مخصوص بکفار ہے، نا زم باین فطانت، نہیں جانتے ہیں، کہ کفر ایک طرف خود ایذار رسول الثقلین کیا ثمرہ رکھتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعد لھم عذابا مھینا[2] اور بعض کہتے ہیں، کہ اس کے خاتمہ کا حال معلوم نہیں، شاید اس نے اس کفر ومعصیت کے بعد توبہ کی ہو، وقت موت کے تائب ہوگیا ہو، امام غزالی کا احیاء العلوم میں اسی طرف رجحان ہے،

جاننا چاہیے، کہ توبہ کا احتمال ہی احتمال ہے حالانکہ اس بے سعادت نے اس امت میں وہ کچھ کیا ہے، کہ کسی نے نہیں کیا، شہادت امام حسین واہانت اہل بیت کے بعد مدینہ منورہ کی تخریب واہالیان مدینہ کی شہادت وقتل کے واسطے لشکر بھیجا، تین روز تک مسجد نبوی بے اذان ونماز رہی، من بعد حرم مکہ میں لشکر کشی کر کے عین حرم مکہ میں عبداللہ بن الزبیر کو شہید کرایا، اور انہیں مشاغل میں تھا کہ اس کی موت آگئی اس جہان کو پاک کیا اور اس کے بیٹے معاویہ نے برسر منبر اس کی برائیاں بیان کیں، واللہ اعلم بما فی الضمائر، اور بعضے سلف واعلام امت سے اس شقی پر لعن تجویز کرتے ہیں، چنانچہ علامہ تفتازانی نے کمال جوش وخروش کے ساتھ اس پر اور اس کے اعوان پر لعنت کی ہے، اور بعضوں نے اس مسالہ میں توقف کیا ہے، پس مسلک اسلم یہ ہے، کہ اس شقی کو مغفرت

---

[1] صحیح بات یہ ہے، کہ امام حسین رضہ کے قتل سے یزید خوش ہوا، اور اہل بیت کی توہین کی، اگرچہ اس کی تفصیل احاد ہے، لیکن اس کے معنی متواتر ہو چکے ہیں ۱۲

[2] جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں، اللہ کی ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے، اور ان کے لئے ذلیل کن عذاب ہے ۱۲

وترحم سے ہرگز یاد نہ کرنا چاہیئے اور اس کے لعن سے کہ عرف میں مختص بکفار ہے، اپنی زبان کو روکنا چاہیئے، جیسا کہ قصیدہ آمالیہ میں ہے ؎

ولم یلعن یزید ابعد موت سوی المکثار والاغراء غالی

واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ تراب اقدام اولیاء الباری محمد عبد الہادی الانصاری بن مقبول من رفع السماء بغیر عمد مولانا علی محمد بن خاتم الفقہاء والمحدثین مولانا محمد معین بن سید المخصصین سند المدققین محمد معین ادخلھم اللہ فی اعلیٰ علیین وافاض علینا من برکاتھم وبرکات مشائخھم الکاملین

محمد عبد الہادی

تعزیہ بنانا اس میں شریک ہونا اس پر چڑھاوا چڑھانا، یا منت ماننا ان ایام عشرہ محرم میں ذکر شہادت حسنین کرنا، رونا، پیٹنا، چلانا، نوحہ کرنا کپڑے پھاڑنا یہ سب نادرست ہے، اور بدعت سیئہ، اور یزید کو برا کہنا خلاف احتیاط ہے، فقط واللہ اعلم، بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

رشید احمد ۱۳۰۱

تعزیہ داری کرنا وغیرہ امور مذکورہ فی السوال ناجائز و بدعت ہیں، اور موجب عقاب، اور یزید اپنے کئے کو پہنچ گیا اب اس پر لعنت کرنا اس کو گالی دینا برا کہنا نہ چاہیئے، فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لا تسبوا الاموات فانھم قد افضوا الی ما قدموا رواہ البخاری کذا فی بلوغ المرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ الراقم سید محمد عبد السلام غفرلہ

سید محمد عبد السلام

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولود خوانی ولادت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ہیئت سے کہ جس مجلس میں امردان خوش الحان خوانندہ ہوں، وزیب وزینت وشیرینی وروشنی ہائے وغیرہ، اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں جائز ہے یا نہیں، اور قیام ذکر ولادت صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز ہے یا نہیں، اور حاضر ہونا مفتیان کا ایسی مجلس میں جائز ہے یا نہیں، اور نیز بروز عیدین وپنجشنبہ وغیرہ کے آب وطعام سامنے رکھ کر اس پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ وغیرہ پڑھنا اور اس کا ثواب اموات کو پہنچانا، اور نیز بروز سوم میت کے لوگوں کو جمع کرکے قرآن خوانی وکلمہ طیبہ بھنے ہوئے چنوں پر مع پنج آیت کے وشیرینی

ف مردوں کو گالی نہ دیا کرو، جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا وہ وصول کر رہے ہیں ۱۲

تقسیم کرنا بحدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب**:۔ انعقاد محفل میلاد اور مقام وقت ذکر پیدائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرون ثلاثہ سے ثابت نہیں ہوا، پس یہ بدعت ہے، اور علی ہذا القیاس بروز عیدین و پنجشنبہ وغیرہ میں فاتحہ مرسومہ ہاتھ اٹھا کر پایا نہیں گیا، البتہ نیابت عن المیت بغیر تخصیص ان امور مرقومہ سوال کے لئے مساکین و فقراء کو دے کر ثواب پہنچانا، اور دعاء استغفار کرنے میں امید منفعت ہے، اور ایسا ہی حال سوم دہم چہلم وغیرہ اور پنج آیت اور چنوں اور شیرینی وغیرہ کا عدم ثبوت حدیث و کتب دینیہ سے ہے، خلاصہ یہ کہ یہ سب بدعات مخترعات ناپسند شرعیہ ہیں

| سید محمد نذیر حسین | حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ |
|---|---|
| ز شرف سید کونین شد شریعت حسین | بہ طفیل نبی الٰہی بخش |

الجواب صحیح۔ محمد محمود دیوبندی | محمد محمود ۱۲۹۶ | محمد یعقوب | مدرس اول دیوبند

الجواب صحیح۔ کتبہ محمد احسن صدیقی | محمد احسن صدیقی | محمد عبد الحمید ۱۲۹۴

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان ہے، اور وہ ایک موضع میں رہتا ہے، اور نماز روزہ کبھی نہیں پڑھتا، اور نہ کبھی اس کی زوجہ ہی نماز پڑھتی ہے، غرضکہ دونوں میاں بیوی روزمرہ شراب پیتے، اور شرک و بدعت کے کام کرتے ہیں، شرک یہ ہے کہ اس شخص نے ایک ہنود عورت کو مقام دیرہ سے بلا کر اسے کہا، کہ ہمارے گاؤں بھر میں ڈنگر دل میں دکھ یعنی بیماری پھیل رہی ہے تم اس کو کسی طرح دفع کر دو، جواب میں اس عورت نے یہ شرط پیش کی، کہ جس طرح سے میں تم کو بتلاؤں، تم کو اس پر کاربند ہونا پڑے گا، اور میں اس بیماری کو دفع کر دوں گی، اس مسلمان نے اس کی ہر ایک بات منظور کرنے کا اقرار کر لیا، تب مسماۃ مذکورہ نے کہا، کہ تین روز تک اس گاؤں بھر میں کوئی مسلمان اپنے اپنے گھر میں چولہے پر توا نہ چڑھائے یعنی روٹی نہ پکائے، اور نہ ہی تین روز تک کوئی دودھ دہی جمائے، چنانچہ گاؤں بھر کے مسلمانوں نے ایسا ہی کیا، پھر اس عورت نے تین روز تک سب مسلمانوں میں جا کر صبح و شام سنکھ بجایا، بعد ازاں اس نے یہ کہا، کہ ایک ان بیاہی بکری یعنی بغیر بچہ کے لاؤ، سو اس مسلمان نے ویسا ہی کیا، یعنی بکری لا دی گئی، تو عورت نے بکری کو کسی کلہاڑہ وغیرہ سے مار ڈالنے کی ہدایت کی، مسلمان مذکور نے ایک چمار ملازم سے اس کی ہدایت کے بموجب مروا ڈالا، پھر عورت مذکورہ نے اس بکری کے خون سے پتلی وغیرہ کی قسم کی ایک مورت بنا کر تین روز تک سب

مسلمانوں کے گھروں میں بھجوائی، اور حکم دیا، کہ اس عورت کو تمام گھروں کی دیواروں سے چھواکر واپس لے آؤ، چنانچہ مسلمان مذکور نے ایسا ہی کیا، اور پھر اس عورت نے معہ بکری کے گوشت کے مورت کو ڈنگروں کے راستہ میں مدفون کراکر کہا، کہ اب تمہارے ڈنگروں میں کبھی دکھ نہیں آنے پاوے گا، اور اپنا کچھ محنتانہ لے کر اپنے مقام دیرہ کو واپس چلی گئی، اور یہ بھی سننے میں آیا ہے، کہ مسلمان مذکور کے والدین کا نکاح بھی نہیں ہوا ہے، اور وہ خود بھی زناکار ہے، اور اس نے اپنی دختروں کو ان کے زندہ خاوندوں سے زبردستی چھین کر کسی دوسری جگہ سے سو سو روپیہ لے کر ان کا نکاح کرا دیا، حالانکہ ان کے سابق شوہروں نے انہیں آج تک طلاق نہیں دی، تو اب فرمایئے، کہ اس کے گھر کا کھانا اور اس سے سلام کرنا جائز ہے یا نہیں

دوسرے یہ کہ وہی شخص بدعتی و شرابی جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے، ان لوگوں سے جو ان کے پاس بیٹھنے اور کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں، یہ کہتا ہے، کہ مجھ سے تو تم اتنا پرہیز کرتے ہو، مگر جس امام کے پیچھے تم لوگ نماز پڑھتے ہو، اس کی عورت قوم ہنود سے ہے، اور وہ کسی مسلمان کے گھر کی پکی ہوئی چیز نہیں کھاتی، اور اب تک امام صاحب سے اس کا نکاح نہیں ہوا، اس پر جب لوگوں نے امام صاحب کو بلا کر سب مسلمانوں کے روبرو اس تمام ماجرا کی نسبت دریافت کیا اور یہ بھی پوچھا، کہ جب کہ وہ عورت مسلمان ہو چکی ہے، پھر آپ کا اس کے ساتھ نکاح نہ ہونے کا کیا باعث، جس پر امام صاحب نے یہ جواب دیا کہ جو کچھ یہ شرابی بیان کرتا ہے، سراپا دروغ ہے، اس عورت سے میرا نکاح ہوئے، چودہ سال ہو چکے ہیں، اور میرے اس نکاح کے گواہ اور وکیل فلاں فلاں شخص فلاں فلاں موضع میں موجود ہیں، آپ لوگ ان سے بذریعہ خط و کتابت دریافت کر سکتے ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ میں اور میری عورت بعض لوگوں کے گھروں کی پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے کیوں پرہیز کرتے ہیں، تو اس کے لئے صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہوگا کہ وہ اور ان کی عورتیں شراب پیتی ہیں، میں ان کے گھروں کا کھانا وغیرہ جائز نہیں سمجھتا، اور گوشت میری عورت کسی بیماری کی وجہ سے نہیں کھاتی، کچھ گوشت پر ہی مسلمانی موقوف نہیں۔

اس کے بعد اسی کفر و شرک کرنے والے شرابی شخص نے ایک مولوی صاحب عبد الرحیم نامی ساکن رامپور ضلع سہارنپور سے بغرض حصول فتوے اس مضمون کا سوال لکھ کر بھیجا، کہ ایک ایسا شخص جس کی عورت کسی مسلمان کے گھر کا کھانا نہ کھاتی ہو، اور اس کا نکاح بھی نہ ہوا ہو، وہ قابل امامت ہے یا نہیں، مولوی صاحب مذکور نے بلا تحقیق طرفین کے لکھ دیا، کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں ہو

سکتی، تاوقتیکہ اس عورت کو کفر سے توبہ کرا کر اس سے نکاح نہ ہو جاوے، اب چند روز سے ان لوگوں کے جو امام صاحب کے نکاح میں شامل تھے، جواب آ گئے ہیں، ان سب کا بیان امام صاحب کی تائید میں ہے، اور خطوط پر ان گواہوں کے نام اس طرح ثبت ہیں، گواہ شد نکاح شہاب الدین ساکن موضع بلاقی والہ، گواہ شد نکاح خدا بخش سایہ والہ، وکیل کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔

اس موقعہ پر کچھ امام صاحب کے اوصاف کی نسبت بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں، آپ ابتدا میں پل جمن پر رہتے تھے، چودہ پندرہ سال سے یہ وہاں سے اٹھ کر یہاں ان مواضعات و قریات میں چلے آئے، جہاں کہ مسلمان بہت کم آباد تھے، اور نہ یہاں کوئی مسجد تھی، امام صاحب موصوف نے آتے ہی تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا، اور بے خبر مسلمانوں کو رفتہ رفتہ سمجھا بجھا کر طریقہ اسلام پر لائے، آخر مسلمان نماز روزہ سے واقف ہو کر نمازیں پڑھنے لگے، اور بدعت و کفر سے الگ ہو گئے، ازاں بعد امام صاحب مذکور نے ایک مسجد اور چبوترہ کی تعمیر کے لئے ہندو راجہ سے جو ان مواضعات کے مالک ہیں بذریعہ درخواست منظوری منگوائی، چنانچہ لوگوں کے چندوں اور آپ کی سعی بلیغ سے جب سے مسجد تیار ہو گئی ہے، تب اسلام میں اور بھی زیادہ رونق اور ترقی ہوتی جاتی ہے،

اب فرمائیے، کہ ایسے پرہیزگار امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کس آیت یا حدیث سے ناجائز ہے، اور نیز یہ بھی لکھیں، کہ جو شخص کبھی نماز نہ پڑھتا ہو، اور روز مرہ شراب پیتا ہو، اور شرک و بدعت کے کام کرتا ہو، تو اس سے سلام علیکم کرنا، اور اس کے گھر کا کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال دوم۔ جو امام نماز جماعت میں ہر لحظہ کھانسے آیا نماز مکروہ ہوگی، یا نہیں؟

سوال سوم۔ جو شخص امام ہو کر لوگوں کو قیام مولود، غزلیات شعر کی رغبت دلائے، تو اس امام کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں، اور اگر ہے، تو کس دلیل سے، اور کون سی حدیث سے معہ حوالہ کتب حدیث و روایت و آیات کے تحریر فرمائیے۔

**الجواب**:۔ امام مذکور کے پیچھے نماز بلا شبہ جائز و درست ہے، ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، جو شخص ایسے امام کے پیچھے نماز کو ناجائز بتلائے، وہ جاہل ہے، اور جو شخص نہ کبھی روزہ رکھتا ہو، اور نہ نماز پڑھتا ہو، اور روز مرہ شراب پیتا ہو، اور شرک و بدعت کے کام کرتا ہو، تو اس سے سلام و کلام کا ترک کر دینا جائز ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے عن نافع ان رجلا

اتی ابن عمر فقال ان فلانا یقرأ علیک السلام فقال انہ بلغنی انہ قد احدث فان کان قد احدث فلا تقرئہ منی السلام الخ رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ وقال ھذا حدیث حسن صحیح غریب امام نووی لکھتے ہیں وردت الاحادیث بھجران اھل البدع والفسوق ومنابذی السنۃ وانہ یجوز ھجرانھم دائما والنھی عن الھجران فوق ثلاث لیال انما ھو لمن ھجر لحظ نفسہ ومعائش الدنیا واما ھجران اھل البدع ونحوھم فھو دائم انتہی۔ اور ایسے شخص کے یہاں کھانا کھانا، اور اس کی دعوت قبول کرنا نہیں چاہیئے، کیونکہ فساق کی دعوت قبول کرنے سے ممانعت آئی ہے

جواب سوال دوم۔ ہر لحظہ کھانسنا اگر عذر کی وجہ سے ہے، تو نماز میں کچھ کراہت نہیں آئے گی اور اگر بلا عذر ہے، تو ظاہر ہے، کہ نماز کے اندر بلا عذر اور بلا ضرورت ہر لحظہ کھانسنا محض لغو حرکت ہے، اس سے نماز کا مکروہ ہونا کیا معنے نماز کے فاسد ہونے کا خوف ہے، واللہ اعلم بالصواب

جواب سوال سوم۔ قیام مولود وغزلیات منجملہ بدعات کے ہے، بلکہ اگر اس اعتقاد سے قیام کرے، کہ ذکر ولادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوتے ہیں، تو کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے، پس ایسے بدعتی امام کے پیچھے اقتداء کرنے سے احتراز چاہیئے، واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبدالحق ملتانی | سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین ان مسائل میں کہ عمرو کہتا ہے کفر وشرک کرنے سے اور ہر حرام وممنوعات شرعیہ وسماع ورقص ومزامیر وملاہی کی حلت کرنے، اور کل محارم وممنوعات کو کہ اس کے مرتکب پر قرآن وحدیث میں وعید آئی ہے، ان کے حلال اور اچھا اور بہتر اور روا جاننے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے، مناسب ولائق ہے، کہ مرتکب کفر وشرک ومحارم وممنوعات قطعی کا حلال جاننے والا، حلال کو حرام جاننے والا، توبہ از کفر وشرک ومعاصی وتجدید ایمان وتجدید نکاح کرے، تاکہ داخل اسلام رہے، مگر خالد اور پیر زادہ اس کے یہ کہتے ہیں، کہ کفر وشرک کرنے سے اور ہر حرام وممنوعات شرعیہ وسماع ورقص ومزامیر وملاہی کی حلت اور محارم وممنوعات قطعی کے مرتکب ہونے اور حلال جاننے سے نہ کچھ ایمان واسلام میں خلل وحرج واقع ہوتا ہے، اور نکاح بھی ہرگز ہرگز نہیں ٹوٹتا، تجدید ایمان وتجدید نکاح کا مسئلہ بے اصل اور محض غلط ہے، تجدید ایمان وتجدید نکاح کا مذکور قرآن وحدیث وفقہ میں کس جگہ اور کہاں آیا ہے، اکثر بزرگان دین صاحب علم وعمل واہل کرامت وکشف، غیب کی باتیں بتانے والے، اور حالات غیب کے جاننے

والے تو مجلس سماع ورقص میں باادب دست بستہ بیٹھ کر بشوق طبع تمام راگ سنتے ہیں اور ذرہ بھی انکار نہیں کرتے، اور نہ کسی کو سماع ورقص کے سننے و دیکھنے سے منع کرتے بلکہ ترغیب دیتے ہیں جس تقریب میں کہ سماع ورقص نہ ہو مثلاً نکاح وغیرہ میں، تو اس تقریب میں شریک ہونے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ بے سماع ورقص کے شریک محفل ہونا بے فائدہ ہے چنانچہ خالد وتابعین اس کی کل تقریبات مشروعہ سے انکار کرتے ہیں، اور جو کوئی تقریب شرعی میں شامل ہو اس سے متنفر رہتے ہیں۔

(۲) عمرو کے پاس زید از خود باارادہ توبہ خالص کرنے کو آیا، اور عمرو سے زید نے کہا کہ جو ترکیب توبہ کرنے کی ہے، وہ مجھ کو تعلیم کرکے توبہ کرادو، چنانچہ عمرو نے حسب طلب زید اس کو دو رکعت نماز توبہ پڑھوا کر بعد سلام دست بر داشتہ بطور استغفار اور جو دعا کہ توبہ کے بارے میں احادیث نبوی سے ثابت ہے پڑھوا کر بعدہ مصلیاً قرآن شریف زید کے ہاتھ میں دے کر بطور عہد وپیمان اس سے کہلوایا، کہ جو کچھ کہ اوامر ونواہی قرآن شریف واپنے کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں ان اوامر کو حتی الوسع بجالاؤں گا، اور نواہی سے تا بمقدور باز رہوں گا، مگر اب خالد اور اس کے متبع کہتے ہیں، کہ توبہ کرنا، اور ہاتھ میں قرآن شریف لے کر عہد وپیمان اوامر کے بجالانے کا، اور منکرات سے باز رہنے کا نہایت زبون اور بے جا، اور نادرست ہے، کیونکہ قرآن شریف کے اوامر ونواہی بجالانا ضبط وطاقت بشریت وانسانی سے بعید اور غیر ممکن ہے، توبہ کرنا اور قرآن شریف کا اٹھانا نہایت شوم ومنحوس نامناسب ونامبارک ہوتا ہے، جو کوئی توبہ کرکے قرآن شریف کو اٹھاتا ہے، وہ تباہ وجذامی وخوار اور ویران ہو جاتا ہے، خالد واس کے پیرو عمرو وزید کو بسبب توبہ کرنے اور قرآن شریف کے اوامر ونواہی پر عہد کرنے سے نہایت ذلیل وخوار وحقیر سمجھتے ہیں، اور متنفر وبیزار وکنارہ کش رہتے ہیں، خالد اور اس کے پیرو کہتے ہیں، کہ جو شخص جب تک تائب نہیں ہوتا، وہ بے گناہ اور مرفوع القلم ہے، اس کے سب گناہ معاف ہیں، مگر جو تائب ہو کر پھر گناہ کرے، تو وہ گنہگار ہے، اس وجہ سے غیر تائب اچھا ہے، تائب بے خوف ہے، توبہ کرنے سے کیا حاصل، اللہ تعالیٰ نے ممنوعات وفواحش کیوں پیدا کئے، انسان ہی تو ممنوعات وفواحش وغیرہ کے مستحق ہیں، ورنہ فرشتے تو حظ نفس سے مبرا ہیں درعایت زندگی مقدم ہے۔

(۳) عمرو تو، توبہ کو طریقہ اسلام سے شمار کرتا ہے، اور بدعات اور منکرات سے منع کرتا

ہے، اور توبہ کرنا ہر حال میں بہتر و انسب و افضل جانتا ہے، اور تائب سے نہایت خوش و راضی ہوتا ہے، بخلاف اسکے خالد اور اس کے پیر و توبہ کرنے کو مذموم و فعل عبث تصور کرتے ہیں اور تائب کی نہایت مذلت و مذمت بیان کرتے ہیں اور تائب سے از حد بیزار رہتے ہیں بلکہ کینہ در پے خراش اور در پے ازار رہتے ہیں، اور ارتکاب بدعات کو موجب فلاح و ثواب دارین تصور کرتے ہیں، اور مرتکب بدعت کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں، اتباع سنت سے بیزار رہتے ہیں، اور متبع سنت کے عدو مبین ہیں

اب سوال یہ ہے، کہ عمرو و خالد کے اقوال مذکورہ سے، کس کا قول حق و موافق شریعت کے ہے اور کس کا قول ناحق و خلاف شریعت ہے ؟

**الجواب**:۔ عمرو کا یہ قول کہ "کفر و شرک کرنے سے، اور ہر حرام و ممنوعات شرعیہ کی حلت کرنے، اور کل محارم و ممنوعات کو کہ اس کے مرتکب پر قرآن و حدیث میں وعید آئی ہے، ان کے حلال اور اچھا جاننے، اور روا جاننے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے" حق اور موافق شریعت کے ہے، بے شک جو شخص کل محارم و ممنوعات قطعیہ کو حلال اور اچھا اور بہتر جانے اور حلال کو حرام جانے وہ مرتد اور خارج از اسلام ہو جاتا ہے، اور اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، ایسے شخص کو کفر و شرک سے اور محارم و ممنوعات کے حلال جاننے اور حلال کو حرام جاننے سے توبہ کرنا لازم ہے، اور پھر توبہ نصوح کے بعد تجدید نکاح ضروری ہے، ہاں یہ بھی معلوم ہو، کہ وہ محرمات جن کی حرمت میں ائمہ دین مختلف ہوں، اور وہ حلال جن کی حلت میں اہل علم کا اختلاف ہو، سو ایسے محرمات مختلف فیہا کے حلال جاننے سے اور ایسے حلال مختلف فیہ کے حرام جاننے سے نہ نکاح ٹوٹتا ہے، اور نہ خروج از اسلام لازم آتا ہے۔

اور خالد اور اس کے پیرؤوں کا یہ کہنا کہ "کفر و شرک کرنے سے اور ہر حرام و ممنوعات شرعیہ اور محارم قطعیہ کے مرتکب ہونے اور حلال جاننے سے نہ کچھ ایمان و اسلام میں خلل و حرج واقع ہوتا ہے، اور نہ نکاح ٹوٹتا ہے الخ" سراسر ناحق و خلاف شریعت ہے، اور بالکل الحاد و جہالت اور کفر و ضلالت کی باتیں ہیں، اور خالد اور اس کے پیرؤوں نے سند میں جن بزرگان دین کا ذکر کیا ہے، وہ بزرگان دین نہیں ہیں، بلکہ وہ فساق و رہزنان دین ہیں، اس واسطے کہ راگ اور ناچ کی مجلس میں بیٹھ کر بشوق تمام راگ سننا اور ناچ دیکھنا

اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینا، اور جس تقریب میں ناچ اور راگ نہ ہو اس میں شریک ہونے سے انکار کرنا بزرگان دین کا کام نہیں ہے، اور ان فساق و رہزنان دین کو جو خالد اور اس کے پیروؤں نے غیب کی بات بتانے والے اور حالات غیب کے جاننے والے کہا ہے، سو یہ بھی محض شرک و کفر کی بات ہے، کیونکہ بجز ذات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کوئی اور غیب کی بات بتانے والا، اور حالات غیب جاننے والا نہیں ہے

(۲) عمرو نے جس طریقہ سے زید سے توبہ کرائی ہے، وہ صحیح اور شریعت کے مطابق ہے، یعنی دو رکعت زید سے پڑھوانا، پھر بطور استغفار کے ان دعاؤں کو پڑھوانا، جو توبہ کے بارہ میں احادیث نبوی سے ثابت ہیں، اور پھر زید سے اس کا عہد و پیمان لینا، کہ مامورات شرعیہ کو حتی الوسع بجا لاؤں گا، اور منہیات شرعیہ سے تابمقدور باز اور دور رہوں گا، یہ سب کچھ ٹھیک اور شریعت کے موافق ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن علی قال حدثنی ابوبکر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من رجل یذنب ذنبا ثم یقوم فیتطھر ثم یصلی یستغفر اللہ الا غفر اللہ لہ الحدیث رواہ الترمذی وابن ماجہ (مشکوٰۃ شریف باب التطوع) ونیز مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے عن عبد اللہ بن ابی اوفی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ حاجۃ الی اللہ او الی احد من بنی آدم فلیتوضأ فلیحسن الوضوء ثم لیصل رکعتین الحدیث

ہاں عمرو نے جو مصحف قرآن شریف زید کے ہاتھ میں دے کر عہد و پیمان لیا ہے، سو قرآن شریف کو ہاتھ میں دے کر عہد و پیمان لینا شریعت سے ثابت نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور آپ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے، پھر تابعین و تبع تابعین وغیرہم نے بہت سے لوگوں کو شرک و بدعت سے اور معاصی سے توبہ کرائی ہے، اور مامورات کو بجا لانے اور منہیات سے بچنے کا عہد لیا ہے، مگر قرآن ہاتھ میں دے کر عہد لینا کسی سے

---

[1] ابوبکر کہتے ہیں، کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے، جو آدمی گناہ کرے، پھر وضو کرے، پھر نماز پڑھے، پھر اللہ سے استغفار کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کا گناہ بخش دیتے ہیں، الحدیث ۱۲

[2] عبد اللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کو اللہ تعالیٰ یا کسی بندے کی طرف کوئی کام ہو، وہ اچھی طرح وضو کرے، اور پھر دو رکعت نماز پڑھے، الحدیث ۱۲

بھی ثابت نہیں ہے، لہذا عمرو کو اس سے احتراز چاہیئے۔

اور خالد اور اس کے متبعین کا توبہ کرانے کو، اور مامورات کے بجالانے، اور منہیات سے باز رہنے پر عہد لینے کو نہایت زبون اور نادرست کہنا، اور اس کی وجہ یہ ٹھہرانا، کہ اوامر قرآن شریف کو بجالانا، اور نواہی قرآن سے باز رہنا ضبط و طاقت بشری و انسانی سے بعید اور غیر ممکن ہے سراسر جہالت اور حماقت ہے، قرآن مجید و حدیث کے جتنے اوامر و نواہی ہیں، سب کے سب سہل و آسان ہیں، ایک بھی طاقت بشری سے بعید و ناممکن نہیں ہے، اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں خود فرماتا ہے ماجعل علیکم فی الدین من حرج یعنے اللہ تعالےٰ نے تم پر دین میں کچھ تنگی نہیں کی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان الدین یسر الحدیث رواہ البخاری یعنے بے شک دین اسلام آسان اور سہل ہے، توبہ کرنا شعار اسلام سے ہے، قرآن و حدیث میں توبہ کرنے کا حکم ہے، توبہ اور توبہ کرنے والوں کے فضائل و مناقب کثرت سے ثابت ہیں، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یا ایھا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا یعنے اے مسلمانو! اللہ تعالےٰ سے خالص توبہ کرو، اور فرماتا ہے ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین یعنے اللہ تعالےٰ محبوب رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں کو، اور محبوب رکھتے ہیں پاکی حاصل کرنے والوں کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یا ایھا الناس توبوا الی اللہ فانی اتوب الیہ فی الیوم مائۃ مرۃ رواہ مسلم یعنے اے لوگو! توبہ کرو اللہ کی طرف، پس میں ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں، دیکھو سید المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو معصوم تھے، اور جن کی شان میں لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر[1] وارد ہے، دن بھر میں سو مرتبہ توبہ کرتے تھے، پس خالد اور ان کے متبعین کا توبہ کرنے کو نہایت زبون اور بے جا اور نادرست کہنا شریعت کی صاف مخالفت کرنا ہے، خالد اور اس کے متبعین کو اپنے اس قول سے توبہ کرنی لازم ہے، اگر وہ اپنی جہالت اور ناواقفی کی وجہ سے ایسی بات بولتے ہیں، تو وہ اپنی ناواقفی کی وجہ سے قابل معذوری ہو سکتے ہیں، اور اگر دانستہ ایسی بات بولتے ہیں، تو انہیں ذیل کی دونوں آیتوں کے وعید سے بہت ڈرنا چاہیئے ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولی ونصلہ جھنم

---

[1] تاکہ اللہ آپ کے پہلے اور پچھلے گناہ بخش دے ۱۲

وساءت مصیرا (۲) فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبہم فتنۃ او یصیبہم عذاب الیم۔ پہلی آیت کا ترجمہ "اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی، جب کھل چکی اس پر راہ کی بات، اور چلے سب مسلمانوں کی راہ سے سوا، ہم اس کو حوالہ کریں، جو اس کو پکڑ لے، اور ڈالیں اس کو دوزخ میں، اور بہت بری جگہ پہنچا" اور دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے "سو ڈرتے رہیں، جو لوگ خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا، کہ پڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو دکھ کی مار"

اور خالد اور اس کے متبعین کا یہ کہنا، کہ "توبہ کرنا اور قرآن شریف کا اٹھانا نہایت شوم و منحوس و نامبارک ہوتا ہے، جو کوئی توبہ کر کے قرآن شریف کو اٹھاتا ہے، وہ تباہ و جذامی وخوار و ویران ہو جاتا ہے" سراسر باطل و مردود ہے، توبہ جیسی مبارک اور محبوب چیز ہے، اس کا حال اوپر معلوم ہو چکا، رہا توبہ کے وقت قرآن شریف کا اٹھانا، سو اس میں صرف اتنی بات ہے، کہ یہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے، مگر اس کو شوم و منحوس سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا، کہ جو قرآن کو توبہ کے وقت اٹھاتا ہے، وہ تباہ و جذامی ہو جاتا ہے محض باطل و غلط ہے اور خیال و عقیدہ شرکیہ ہے، صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ رضہ سے روایت ہے قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا طیرۃ الحدیث یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ کسی چیز میں شوم اور نحوست نہیں، اور سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن عبد اللہ بن مسعود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الطیرۃ شرک قالہ ثلاثا الحدیث یعنے عبد اللہ بن مسعود رضہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ شگون بد لینا، اور کسی چیز میں شوم نحوست سمجھنا شرک ہے، آپ نے اس کو تین بار فرمایا، اور خالد اور اس کے متبعین کا یہ کہنا کہ جو شخص جب تک تائب نہیں ہوتا ہے، وہ بے گناہ اور مرفوع القلم ہے الخ نہایت نادانی کی بات ہے، اللہ تعالٰے ان کو ہدایت کرے، اور ان کی سمجھ کو سیدھا کرے واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم[1]

(۳) عمرو کا توبہ کو طریقہ اسلام سے شمار کرنا، اور بدعات و منکرات سے منع کرنا، اور توبہ کو اچھا جاننا، اور تائب سے خوش و راضی رہنا حق ہے اور یہی دین اسلام کی تعلیم ہے۔

---

[1] اللہ جسے چاہے سیدھے راہ کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔

اور خالد اور اس کے متبعین کا توبہ کو مذموم اور فعل عبث تصور کرنا، اور تائب کی مذلت اور مذمت کرنا، اور ارتکاب بدعات کو موجب فلاح دارین سمجھنا، اور اتباع سنت سے بیزار رہنا یہ سب باتیں ایسی ہیں، کہ ان کی وجہ سے خالد اور اس کے متبعین کے ایمان کی خیر نہیں ہے، تائب کی مذلت و مذمت کرنا اور توبہ کو فعل عبث تصور کرنا، درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت و مذلت بیان کرنا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فعل عبث کی نسبت کرنا ہے، اور اس کا جو نتیجہ ہے وہ ظاہر ہے، نعوذ باللہ من ذلک اور اتباع سنت سے بیزار ہونے والے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من رغب عن سنتی فلیس منی یعنے جو شخص میری سنت سے بیزار ہو وہ مجھ سے نہیں ہے، اور فرمایا کہ جو شخص میری سنت کو دبیزاری سے ترک کرے، اس پر میں نے لعنت کی، اور ہر نبی نے لعنت کی، کذا فے المشکوۃ باب الایمان بالقدر واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ سید محمد نذیر حسین سید محمد نذیر حسین

**سوال**: بخدمت علمائے فضیلت شعار گذارش ہے، کہ جواب مسئلہ ہذا سے ممتاز فرماویں (۱) اگر کوئی شخص بلا دریافت حال ایسے شخص کا مرید ہو جاوے، کہ اس شخص کے ہاں علانیہ شرک و بدعت ہوتا ہو، اور جلسے خلاف شریعت ہوتے ہوں، تو کیا بعد معلوم ہو جانے حالات مندرجہ کے اس مرشد سے تعلقات مریدی منقطع کر لینے چاہئیں یا بدستور قائم رہنے دیئے جائیں، کیونکہ شریعت کے خلاف کرنا، یا دوسروں کو کرتے ہوئے دیکھنا طبیعت کو برا معلوم ہوتا ہے، الحاصل اگر ایسے مرشد سے قطع تعلق اور سلسلہ آمد و رفت کا بند کر دیا جاوے، تو وہ شخص قابل مواخذہ تو نہیں ہو سکتا، براہ کرم اس عاصی کو جواب باصواب سے سرفراز فرمادیں۔

(۲) برہنہ سر ہو کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں، جیسا کہ آج کل کے فقیر بوجہ ریا کے ننگے سر نماز پڑھا کرتے ہیں۔

(۳) مسواک اگر گھستے گھستے بالکل چھوٹی ہو جاوے، اور قابل گرفت نہ رہے، تو اس کو کیا کرنا چاہیئے، اکثر لوگ کہا کرتے ہیں، کہ اس کو زمین میں گاڑ دینا چاہیئے، کہ قیامت کے دن اس کا سایہ اس شخص پر ہوگا، یہ مسئلہ سچ ہے یا مصنوعی بینوا توجروا۔

**الجواب** (۱) اس صورت میں اس مرشد سے قطع تعلق کرنا ضروری ہے اور

آمدورفت کا سلسلہ بھی بند کرنا لازم ہے، اور ایسے مرشد کی تابعداری شرعاً ہرگز درست نہیں، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن[1] ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السمع والطاعۃ علی المرء المسلم فیما احب وکرہ ما لم یؤمر بمعصیۃ فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ متفق علیہ وعن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طاعۃ فی معصیۃ انما الطاعۃ فی المعروف، و عن النواس بن سمعان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق رواہ فی شرح السنۃ سب لوگوں پر عموماً، اور علمائے حقانی پر خصوصاً ضروری ولازم ہے، کہ عوام الناس کو ایسے مرشد سے ہاتھ سے روکیں اگر ہاتھ سے نہ روک سکیں، تو زبان سے، اگر زبان سے بھی نہ روک سکیں، تو دل میں تو ضرور بیزار ہوں مگر یہ اضعف ایمان ہے، جیسا کہ مسلم شریف میں ہے عن[2] ابی سعید الخدری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان

(۲) بوجہ ریا برہنہ سر نماز پڑھنا درست نہیں، کیونکہ ریا شرک میں داخل ہے جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے عن[3] محمود بن لبید ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اخوف ما اخاف علیکم الشرک الاصغر قالوا یا رسول اللہ وما الشرک الاصغر قال الریاء رواہ احمد ہاں اگر بلا ریا برہنہ سر نماز پڑھے، تو جائز ہے، جیسا کہ بخاری میں ہے عن[4] ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلی احدکم فی الثوب

---

[1] عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمان کا کام ہے سننا اور اطاعت کرنا خواہ آسے پسند ہو یا ناپسند، بشرطیکہ وہ کام گناہ کا نہ ہو، اور اگر اسے گناہ کا حکم دیا جائے، تو نہ سننا ہے اور نہ اطاعت، حضرت علی کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ میں کسی کی اطاعت نہیں ہے، اطاعت صرف اچھے کام میں ہے نواس بن سمعان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی فرمانبرداری نہیں ہے ۱۲

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی برائی دیکھے، اسے اپنی طاقت سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر اتنا بھی نہ کر سکے، تو دل سے اسے برا سمجھے، اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے ۱۲

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سب سے زیادہ خوف تمہارے لئے چھوٹے شرک کا ہے، لوگوں نے پوچھا چھوٹا شرک کیا ہے، فرمایا دکھلاوا ۱۲　[4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی آدمی ایک کپڑے میں اس طرح

الواحد لیس علی عاتقہ منہ شئی، اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ نماز میں سر ڈھانپنا ضروری نہیں، ہاں یہ ایک مسنون امر ہے، اگر کرے تو اولٰے ہے، نہ کرے تو عقاب نہیں اللہ پاک نے فرمایا ہے یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد اس آیت پاک سے ثابت ہوا کہ ٹوپی وعمامہ سے نماز پڑھنا اولٰے ہے، کیونکہ لباس سے زینت ہے، اگر عمامہ یا ٹوپی رہتے ہوئے تکاسلاً برہنہ نماز پڑھے تو مکروہ ہے، اور اگر بوجہ عاجزی وانکساری برہنہ سر نماز پڑھے، تو بلاشبہ جائز ہے، جیساکہ عالمگیریہ میں ہے. یکرہ الصلوۃ حاسراً راسہ اذا کان یجد العمامۃ وقد فعل ذلک تکاسلاً وتہاوناً ولا باس بہ اذا فعلہ تذللاً وخشوعاً بل ھو حسن کذا فی الذخیرۃ۔

(۳) یہ مسئلہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، بلکہ محض مصنوعی ہے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ حمید الرحمٰن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ فرمایند علمائے دین کہ تصور شیخ از کتاب وسنت وتعامل صحابہ وتابعین وصوفیہ متقدمین رحمہم اللہ ثابت است یا نہ، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ ہیچ دلیل شرعی از کتاب وسنت برآن قائم نیست ونہ تعامل صحابہ وتابعین وتبع تابعین وصوفیہ کبار متقدمین یافتہ شد، پس از احداث وبدعات خالی نخواہد بود، زیراکہ از آداب شریعت غرا خارج است، وامرے کہ از آداب شریعت خارج باشد، بلاشبہ محدث وبدعت شود، چنانکہ بر دانشمندان ذی انصاف پوشیدہ نیست قال الشیخ الکامل عبد القادر الجیلانی قدس سرہ اتبع الشرع فی جمیع ما ینزل بک موافقا فی الحرکات والسکنات بالشریعۃ فان الشریعۃ ادل واجب فلا

---

نماز نہ پڑھے، کہ اس کے کندھے پر اس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ لے اے بنی آدم مسجدوں میں جاتے وقت اپنی زیب وزینت کیا کرو۔ ۲ے اگر کوئی آدمی محض سستی کی وجہ سے پگڑی ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھے، تو مکروہ ہے، اور اگر خشوع و ذلت اور انکساری کی بناپر ننگے سر پڑھے، تو یہ بہتر ہے۔

سوال:۔ علمائے دین کیا فرماتے ہیں، کہ تصور شیخ کتاب وسنت اور تعامل صحابہ وتابعین وصوفیہ متقدمین سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: تصور شیخ کے لئے نہ تو کتاب وسنت سے کوئی دلیل ہے، نہ صحابہ تابعین وتبع تابعین کے تعامل سے یہ آداب شریعت سے خارج ہے، بدعت ہے شیخ عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں تمام حرکات وسکنات میں شریعت

طریقۃ ولا حقیقۃ ولا کشف الا برکات معاملات الشریعۃ انتہی کلامہ وفی رسالۃ القشیری قال ابن عطاء من الزم نفسہ باداب الشریعۃ نور اللہ تعالی قلبہ بنور المعرفۃ فلا مقام اشرف فی مقام متابعۃ الحبیب ولا دلیل علی الطریق الی اللہ تعالی الا بمتابعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اقوالہ واحوالہ وافعالہ انتہی کلامہ۔ چنانکہ شیخ عبد اللطیف برہان پوری در رسالہ سلوک نوشتہ ونیز ظاہر است، کہ تصور شیخ از اقوال وافعال واحوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام وتابعین وغیرہم اصلا مروی نہ شدہ، پس چگونہ روا باشد، ونیز مخالف امر قاطع او تعالے جل شانہ است واذکر اسم ربک دم علی ذکرہ لیلا ونہارا وتبتل الیہ تبتیلا وانقطع الیہ بالعبادۃ وجرد نفسک عما سواہ انتہی ما فی البیضاوی وغیرہ من التفاسیر۔ ودر تفسیر عزیزی مے نویسد کہ فائدہ این قطع وتبتل اول در عین ذکر است، کہ خطرات ماسوی اللہ تعالے در خاطر خطور نہ کند انتہی کلامہ۔

پس تصور شیخ مخل ومانع مداومت ذکر الٰہی خواہد بود وصوفیہ کبار ہم می نویسند کہ مبتدی را در بدایت باید کہ دوام بذکر الٰہی مستغرق باشد، کہ رفتہ رفتہ بمقام اعلے برسد قال الامام الغزالی فی اربعینہ فان دام ذلک وصار عادۃ راسخۃ عرج بہ الی عالم الاعلی و ذلک فی البدایۃ کذا ذکرہ الشیخ عبد اللطیف البرہان پوری فی رسالۃ السلوک وازین جہت کہ تصور شیخ در قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر رواج نہ یافتہ مولانا محمد اسمعیل شہید مرحوم در صراط مستقیم این را حرام واز بدعات شرکیہ نوشتہ اند زیرا کہ صورت قرطاسی چندان در ذہن مرتسم نمی شود، چنانکہ صورت خیالیہ در ذہن منتقش مے گردد، وصورت قرطاسی یعنی تصویر

---

کی پیروی کو ملحوظ رکھو، شریعت سب سے پہلا فرض ہے، اور اس کے بعد کوئی طریقت اور حقیقت نہیں ہے، اور کوئی کشف ہے، رسالہ قشیری میں ہے، کہ شریعت کے آداب کو ملحوظ رکھنے ہی سے دل روشن ہوتا ہے، حضور کی اطاعت سے بڑھ کر کوئی بلند مقام نہیں ہے، شیخ عبد اللطیف برہان پوری اپنے رسالہ "سلوک" میں لکھتے ہیں کہ تصور شیخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وتابعین سے ہرگز مروی نہیں ہے، اور اللہ تعالے فرماتے ہیں "اپنے رب کے نام کا ذکر کر اور اس کے لئے اپنے آپ کو فارغ کر دے" تو معلوم ہوا، کہ ذاکر کو دوسرے تمام تصورات سے خالی الذہن ہو جانا چاہیئے، تاکہ کوئی چیز ذکر میں مخل نہ ہو، اور تصور شیخ ذکر الٰہی میں مخل ہے، لہذا باطل ہے، شاہ اسمعیل شہید نے "صراط مستقیم" میں اس کو حرام اور بدعات شرکیہ سے شمار کیا ہے، کیونکہ کاغذ کی تصویر ذہن پر اتنا اثر نہیں کرتی، جتنا کہ ایک

حرام است ہم چنین صورت خیالیہ حرام خواہد بود، انتہے خلاصتہ

الغرض در ہر عبادت دلیل شرعی ضرور است ونوشتن بعضے اکابر آن را بغیر دلیل و تجویز کردن آن را با برہان شرعی بر دیگر حجت نمی شود، لہذا اجماع امت بر امرے بغیر سند شرعی معتبر نمی شود، چنانکہ در اصول فقہ مذکور است، پس تتبع سنت سنیہ را لازم است، کہ از امر مشتبہ کہ میان مباح وبدعت دائر باشد قطعاً احتراز کند زیرا کہ در کتب فقہ مذکور است، کہ چیزے کہ دران تردد باشد کہ این من قبیل سنت است یا از بدعت ترک آن لازم است، چنانکہ شیخ ابن الہمام در فتح القدیر حاشیہ ہدایہ بدان تصریح کردہ است وہم حموی محشی اشباہ، نظائر نوشتہ، واللہ اعلم بالصواب　　سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ تصویروں کا پاس رکھنا یا کہ دیواروں پر چسپاں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**:۔ ذی روح کی تصویروں کا پاس رکھنا اور دیواروں پر چسپاں کرنا شرعاً ممنوع وحرام ہے۔ حررہ السید محمد ابوالحسن　　سید محمد نذیر حسین

**سوال**(۱) . . . . . . . .

**الجواب**، معلوم کرنا چاہیے، کہ مستفتی نے جتنی حدیثیں تقبیل عینین کے بارے میں لکھی ہیں، ساری محض بے اصل اور موضوعات ہیں، شیخ جلال الدین سیوطی نے تیسیر المقال میں لکھا ہے الاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلھا علی العینین عند سماع اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المؤذن فی کلمۃ الشہادۃ کلھا موضوعات[۱] انتہی وقال الملا علی القاری فی رسالۃ الموضوعات لا اصل لہا اور محمد طاہر صاحب مجمع البحار اور

---

صورت، پھر اگر وہ شریعت میں حرام ہے، تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے باقی اگر کچھ لوگوں نے اسے جائز لکھا ہے، تو اس کے جواز پر چونکہ دلیل کوئی نہیں ہے، لہذا ان کی پرواہ نہ کرنی چاہیے، اور پھر فقہ کا یہ اصول بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کوئی کام مباح اور بدعت میں دائر ہو، یا سنت اور بدعت میں دائر ہو، تو اس کو چھوڑ دینا ضروری ہے، واللہ اعلم

[۱] وہ تمام احادیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مؤذن سے سن کر یا کلمہ شہادتین میں سننے پر انگلیوں کے چومنے اور پھر آنکھوں پر لگانے کے بارے میں آئی ہیں، وہ سب موضوع ہیں، ملا علی قاری نے بھی رسالہ موضوعات میں لکھا ہے کہ ان کا کوئی اصل نہیں ہے ۱۲

---

(۱) اس سوال کی عبارت نہیں ملی، اس وجہ سے صرف جواب لکھا گیا ہے لیکن اس سوال کی نقل دوم مع جواب کے آگے آرہی ہے ۱۲

علامہ شوکانی نے لکھا ہے، کہ تقبیل عینین کے بارے میں جو حدیثیں آئی ہیں، وہ صحیح نہیں ہیں، اسی واسطے مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے اپنے فتوے تقبیل العینین میں فرمایا ہے، کہ تقبیل عینین اگر سنت جان کر کرے، تو بدعت ہے، کیونکہ حدیث صحیح اس باب میں ائمہ اربعہ و محدثین کبار سے نہیں پائی گئی، اور مولانا حسن علی محدث لکھنوی نے بھی اسی طرح اپنے فتوے تقبیل العینین میں لکھا ہے، کہ ان حدیثوں کا کچھ اصل نہیں، اس لئے کہ ائمہ اربعہ و محدثین متقدمین کبار سے اس کی کچھ اصل ثابت نہیں، اور جو حدیث تقبیل عینین کی ابوبکر صدیق رضہ سے مقاصد حسنہ میں فردوس دیلمی سے نقل کی ہے، اس حدیث کے راوی مجہول ہیں جن کا حال معلوم نہیں، کہ وہ کیسے ہیں، اور جب تک کسی حدیث کے راوی کا حال معلوم نہ ہو، وہ حدیث پایۂ اعتبار سے ساقط ہے نزدیک محدثین کے، جیسا کہ کتب اصول حدیث شرح نخبہ اور جواہر الاصول اور تدریب الراوی وغیرہ میں مذکور ہے، اور کتاب فردوس دیلمی میں واہیات اور موضوعات تودہ تودہ مذکور ہیں، جیسا کہ مولانا شاہ عبد العزیز بستان المحدثین میں فرماتے ہیں " درکتاب فردوس دیلمی موضوعات وواہیات تودہ تودہ مذکوراست" انتہی کلامہ، اور شیخ زادہ شارح وقایہ کا لکھنا یا اور فتاوے میں ذکر آنا اس کا معتبر اور مقبول نہیں، جب تک حدیث ائمہ اربعہ اور محدثین متقدمین کبار مثل صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ترمذی اور ابو داؤد، و نسائی وابن ماجہ اور مسند دارمی اور مسند شافعی و مسند ابو داؤد الطیالسی و مسند امام اعظم و مسند امام احمد و مسند ابو یعلی موصلی و مسند ابو عوانہ و سنن کبری بیہقی کہ دس جلدیں ہے و مسند مسلم[1] و سنن سعید بن منصور و مصنف عبد الرزاق و مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ میں بااسناد ثقات معتبرین سے نہ پائی جاوے قابل تمسک اور عمل کے نہیں جیسا کہ کتب اصول حدیث وغیرہ میں مذکور ہے، اور ظاہر ہے، کہ حدیث تقبیل العینین کی کتب مذکورہ بالا میں منقول ہو مذکور نہیں نہیں، اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں، کہ جو حدیث میری مسند میں نہ پائی جاوے، وہ حدیث قابل حجت کے نہیں، اور مدار حدیث کا اوپر نقل محدثین نقاد کی کتاب معتبر معمول بہ میں ہے، کہ صدر اول سے لے کر آخر تک مشہور ہوئی ہو، اور حدیث تقبیل العینین کی صدر اول اور ثانی اور

ف مسند فردوس دیلمی میں بے شمار موضوع اور واہیات روایات پائی جاتی ہیں ۱۲

(۱) مسند مسلم لابن ابی بکر محمد بن عبد اللہ الجوزقی المتوفی سنۃ ۳۸۸ھ وھو المسند الصحیح علی کتاب مسلم اختصرہ یعقوب بن اسحاق وابو عوانۃ الحافظ کذا فی کشف الظنون مکتبہ ابو الطیب عفی عنہ

ثالث میں پائی نہیں گئی، اگر پائی جاتی تو محدثین کی کتب مرقومہ بالا میں مذکور ہوتی اور مسند دیلمی میں بھی اکثر واہیات مذکور ہیں، جیسے کہ موضوعات کبیر وتذکرہ نور الدین سے واضح ہوتا ہے، وجناب مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ در رسالہ عجالہ نافعہ می فرمایند کہ

"مراد از قبول حدیث آن است، کہ نقاد حدیث آن کتاب را اتہام نکنند ودر آن اعتراض نکنند، وحکم صاحب کتاب را در بیان حال احادیث آن کتاب را تصویب وتقریر نمایند وفقہاء بآن حدیث تمسک نمایند بے اختلاف وبے انکار، وطبقہ چہارم احادیثے کہ نام ونشان آنہا در قرون سابقہ معلوم نبود، ومتاخران آن را روایت کردند، پس حال آنہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند وآنہا را اصلی نہ یافتند تا مشغول بروایت آنہا می شدند یا یافتند ودر آن قدحے وعلتے دیدند کہ باعث ہمہ آنہا را بر ترک روایت آنہا شد وعلی کل تقدیر این احادیث قابل اعتماد نیستند، ودرین قسم احادیث کتب بسیار مصنف شدہ اند برخے را بشماریم کتاب الضعفاء لابن حبان وتصانیف حاکم وفردوس دیلمی وغیرہ" انتہی مافی بستان المحدثین

اور جو حدیث مسند حاکم سے نقل کی ہے، اس کا جواب یہ ہے، کہ مسند حاکم کی نہیں ہے بلکہ مستدرک حاکم کی ہے، اور جو حدیث اس سے نقل کی ہے درباب پڑھنے قل ہو اللہ کے کلوخ پر اور رکھنے قبر میں مردہ کے ساتھ وہ بھی محض واہی اور بے اصل ہے، کیونکہ یہ حدیث کتب معتبرہ میں ثابت نہیں ہوئی، اور صدر اول وثانی وثالث میں درمیان فقہاء مجتہدین اور محدثین محققین کے شہرت نہ پائی، اور مستدرک حاکم میں بقدر ربع احادیث کے واہیات ومناکیر بلکہ بعض موضوعات بھی ہیں، اسی واسطے تمام مستدرک حاکم کی معیوب ہوئی، جیسے کہ مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ نے بستان المحدثین میں لکھا ہے، اور جو کتاب نور العین وغیرہ سے نقل کی ہے، وہ بھی صحیح اور قابل تمسک کے نہیں، کیونکہ ائمہ اربعہ اور محدثین اور متقدمین اور

---

لہ شاہ عبد العزیز عجالہ نافعہ میں فرماتے ہیں "قبول حدیث کا مطلب یہ ہوتا ہے، کہ نقادان حدیث اس کتاب کو معتبر سمجھیں، اور صاحب کتاب کے حدیث کے متعلق فیصلہ کو صحیح سمجھیں، فقہاء اس سے تمسک کریں، اور کوئی اختلاف وانکار نہ کریں، چوتھے طبقہ کی وہ حدیثیں ہیں، جن کا قرون اولیٰ میں نام ونشان نہ تھا، اور پچھلے لوگوں نے ان کو روایت کیا، یہ دو حال سے خالی نہیں ہے، یا تو سلف صالحین کو اس کا کوئی اصل نہ ملا، کہ ان کی روایت میں مشغول ہوتے، یا اگر کوئی اصل ملا، تو اس میں ایسی علتیں دیکھیں کہ ان کو چھوڑ دیا، دونوں صورتوں میں یہ روایتیں قابل اعتماد نہیں ہیں، اور اس قسم کی حدیثیں کئی کتابوں میں پائی جاتی ہیں، جن میں سے ابن حبان کی کتاب "الضعفاء" اور حاکم وفردوس دیلمی کی تصانیف ہیں" ۱۲

متاخرین محققین سے ثابت نہیں، اور قرون ثلاثہ میں درمیان فقہاء اور محدثین کے شہرت نہیں ہوئی اور محدثین نقاد نے اپنی کتاب میں بسند صحیح راویان ثقات سے نقل نہیں کی ہے، اور حدیث کی صحت کا مدار اوپر سند صحیح راویان ثقات سے ہے، کتب معتبرہ متداولہ میں غرباً و شرقاً جیسے کہ اصول حدیث اور فقہ میں مفصلاً مذکور ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

نعم التحقیق وحسبنا التوفیق والحق ان ھذا لشئ عجاب فاعتبروا یا اولی الالباب

محمد عبدالرب　حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ　محمد اسد علی　اسلام آبادی

**سوال:** بعض لوگ ناواقف علم حدیث جن کو صحیح اور سقیم اور ضعیف اور موضوع اور غیر موضوع میں کچھ امتیاز نہیں ہے، مؤذن سے اشھد ان محمدا رسول اللہ کے سننے کے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگاتے ہیں، اور اس فعل کو چند احادیث کتب طبقہ رابعہ سے جو بت لاکر سنت جانتے ہیں، اس باب میں کتب معتبرہ سے جو صاف صاف حکم ہو ارشاد فرمادیں، بینوا توجروا۔

**الجواب:** اس مقدمہ مذکور میں جتنی حدیثیں کہ مذکور ہیں، ان میں سے ایک بھی صحیح و ثابت نہیں، اور نہ ان کا کسی معتمد کتاب میں پتہ و نشان پایا جاتا ہے، محققین و نقاد احادیث نے ان سب احادیث میں کلام کرکے تصریح غیر صحیح اور موضوع ہونے کی کردی ہے، تفصیل اس اجمال اور تشریح اس مقال کی یہ ہے کہ اول تو یہ سب حدیثیں کتب احادیث طبقہ رابعہ سے ہیں، اور اس طبقہ کی احادیث اس قابل نہیں، کہ کسی عقیدہ اور عمل کے ثابت کرنے میں ان پر اعتماد کیا جاوے، اور ان کو متمسک بہ ٹھہرایا جاوے، چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ عجالہ نافعہ میں ارشاد فرماتے ہیں

"طبقہ رابعہ احادیثے کہ نام و نشان آنہا در قرون سابقہ معلوم نبود و متاخرین آنرا روایت کردہ اند پس حال آنہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند آنہا را اصلے نیافتند تا مشغول بروایت آنہا می شدند یا یافتند و دران قدحے و علتے دیدند کہ باعث شد ہمہ آنہا را بر ترک

لہ چوتھے طبقہ کی وہ حدیثیں ہیں، جن کا پہلے زمانہ میں نام و نشان نہ تھا اور متاخرین نے ان کو روایت کیا ہے، ان کا حال دو حیثیتوں سے خالی نہیں ہے، یا تو سلف نے ان کو پرکھا، اور ان کا کوئی اصل نہ مل سکا کہ ان کی روایت کرتے یا کوئی اصل تو تھا لیکن ان میں ایسے نقص دیکھے، کہ ان کو چھوڑ دینا ہی مناسب معلوم ہوا، بہرحال وہ حدیثیں کسی طرح بھی اس

روایت آنہا دعلی کل تقدیر این احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عمل بآنہا کردہ شود" انتہی کذا فی بصارۃ العینین۔

دوسرے یہ کہ علامہ شمس الدین ابو الخیر محمد بن وجیہ الدین عبد الرحمن سخاوی نے مقاصد حسنہ میں اور شیخ الاسلام مترجم بخاری اور حسن بن علی ہندی اور ابن ربیع شافعی اور سندقانی مالکی اور محمد طاہر فتنی حنفی نے ان احادیث کو لایصح لکھا ہے، اور لفظ لایصح کا معنے ثابت نہ ہونے کے آتا ہے، چنانچہ علامہ محمد طاہر پٹنی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے قولنا لم یصح لا یلزم منہ اثبات العدم وانما ھو اخبار عن عدم الثبوت انتہی یعنی قول ہمارا لایصح نہیں لازم آتا ہے اس سے اثبات نہ ہونے کا، اور نہیں ہے وہ قول مگر خبر دینا ہے نہ ثابت ہونے سے، اور شیخ الاسلام نے ترجمہ بخاری میں لکھا ہے کہ

"[1]در فردوس از حدیث ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ آوردہ کہ وے چوں می شنید قول مؤذن اشہد ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وگفت ہم چنین و بوسید باطن انملہ دو انگشت سبابہ را و مسح کرد بدان دو چشم خود را پس فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسے کہ بکند مانند تو شفاعت بروے واجب شدہ واز حسن بن علی رضی اللہ عنہ آرند ہر کہ بگوید نزد سماع این کلمہ از مؤذن مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بوسد دو ابہام خود را و بگرداند آنرا بر دو چشم خود نابینا در دو چشم نہ شود وہرگز صحیح نہ شدہ نزد محدثین چیزے ازاں انتہے"۔

اور حسن بن علی ہندی صاحب سبیل الجنان نے تعلیقات مشکوۃ المصابیح میں لکھا ہے۔ کل ما روی فی وضع الابہامین علی العینین عند سماع الشہادۃ من المؤذن لم یصح انتہی

قابل نہیں کہ ان پر عقیدہ و عمل کی بنیاد رکھی جاتی ۱۲

[1] مسند فردوس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے، کہ جب وہ مؤذن سے اشہد ان محمدا رسول اللہ سنتے، تو اپنی دونوں سبابہ انگلیوں کے پوروں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر لگا لیتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی تیری طرح کرے گا، اس کے لئے شفاعت واجب ہو جائے گی، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا، جو آدمی مؤذن سے یہ کلمہ سنکر کہے مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ اور اپنے انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرے، تو وہ کبھی نابینا نہ ہوگا، اور نہ کبھی اس کی آنکھیں دکھیں گی، اور محدثین کے نزدیک یہ دونوں روایتیں قطعاً ثابت نہیں ہیں ۱۲

یعنے جو کچھ روایت کیا گیا ہے، مؤذن سے رکھنے انگوٹھوں میں آنکھوں پر وقت سننے کلمہ شہادت کے ثابت نہیں ہوا، اور محمود احمد عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں بیچ باب مایقول اذا سمع المنادی کے لکھا ہے یجب علی السامعین ترك عمل غیر الاجابۃ انتہی ملخصا یعنے اذان کے سننے والوں پر ہر کام کا چھوڑ دینا اور جواب اذان دینا واجب ہے، اور یہ بھی شرح مذکور کے اسی باب میں لکھا ہے۔ ینبغی ان لا یتکلم السامع فی خلال الاذان والاقامۃ ولا یقرأ القراٰن ولا یسلم ولا یرد السلام ولا یشتغل بشئ من الاعمال سوی الاجابۃ انتہی یعنی لائق یہ ہے، کہ نہ کلام کرے سننے والا درمیان اذان اور اقامۃ کے اور نہ پڑھے قرآن اور نہ سلام کرے اور نہ جواب سلام کا دے، اور نہ مشغول ہو ساتھ کسی عمل کے سوا جواب دینے اذان کے۔

اور محمد یعقوب بنبانی نے خیر جاری شرح صحیح بخاری میں بعد نقل عبارت عینی کے لکھا ہے واعلم انہ یستفاد من کلام العینی المذکور فیہ منع وضع الابھامین علی العینین عند سماع اشہد ان محمدا رسول اللہ یعنے جان تو تحقیق مستفاد ہوتا ہے کلام عینی سے جو یہاں مذکور ہے منع ہونا رکھنے انگوٹھوں کا آنکھوں پر وقت سننے اشہد ان محمد رسول اللہ کے

اور علامہ ابو اسحاق بن عبد الجبار کابلی نے شرح رسالہ عبد السلام لاہوری میں لکھا ہے قد تکلموا فی احادیث وضع الابہامین علی العینین فلم یصح شئ منہا بروایۃ ضعیفۃ ایضا صرح بعضہم بوضع کلہا انتہی یعنے تحقیق کلام کیا ہے، علمائے محدثین نے حدیثوں میں رکھنے انگوٹھوں کے آنکھوں پر، پس نہیں ثابت ہوا ہے کچھ ان میں سے ساتھ روایت ضعیفہ کے بھی، اور اسی واسطے تصریح کی ہے بعض محدثین نے ساتھ موضوع ہونے کل ان احادیث کے چنانچہ امام ابو الحسن عبد الغافر فارسی صاحب مفہم شرح صحیح مسلم اور مجمع الغرائب نے کتاب اقوال الاکاذیب میں لکھا ہے، بعد نقل احادیث فردوس دیلمی کے جو اس باب میں وارد ہیں لکھا ہے والروایات فی ھذا الباب کثیرۃ لا اصل لہا بسند ضعیف ایضا وقال ابو نعیم الاصفہانی ما روی فی ذلك کلہ موضوع انتہی یعنے روایات چومنے انگوٹھے اور ان کے آنکھوں پر رکھنے کی بہت ہیں، مگر نہیں ہے کچھ اصل ان کی سند ضعیف سے بھی، اور فرمایا حافظ ابو نعیم اصفہانی نے، کہ اس میں جو روایت کیا گیا ہے، سب موضوع ہے

اور امام جلال الدین سیوطی نے کتاب تیسیر المقال میں لکھا ہے والاحادیث التی رویت

فی تقبیل الانامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المؤذن فی کلمۃ الشہادۃ کلہا موضوعات انتہی یعنے جو حدیثیں مؤذن سے کلمہ شہادت سننے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر انگلیاں چومنے اور پھر ان کے آنکھوں پر پھیرنے کے بارہ میں روایت کی گئی ہیں سب موضوع ہیں، اور ایسا ہی امام مذکور نے کتاب الدرۃ المنتشرہ فی احادیث المنتشرہ میں لکھا ہے، انتہی ما فی لصارۃ العینین ملخصًا مختصرًا

پس اس سبب سے معلوم ہوا، کہ علمائے محدثین معتبرین کے نزدیک فعل مذکور ثابت و صحیح نہیں ہوا اور کل احادیث جو اس باب میں مذکور ہیں، سب موضوع ہیں اور فعل مذکور ہرگز ہرگز سنت و مستحب نہیں ہے، بلکہ بدعت و ممنوع ہے، چنانچہ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتوے میں ارقام فرماتے ہیں

" در وقت اذان سوائے جواب کلمات اذان چیزے ثابت نہ شدہ و در وقت ذکر نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوائے فرستادن درود و سلام بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیز چیزے دیگر ثابت نہ شدہ و این عمل از روے احادیث معتبرہ در زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و زمانہ خلفائے راشدین نبودہ پس این عمل را بوقت اذان یا بوقت شنیدن نام آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنت یا مستحب دانستہ کردن بدعت است و ازین امر احتراز باید و آنچہ در بعضے کتب فقہ می نویسند آن کتب چندان اعتبار ندارند انتہی بلفظہ ملخصًا

اور محدث لکھنوی مرزا حسن علی صاحب بھی اپنے فتوی میں اسی طرح لکھتے ہیں، کہ" این عمل ممنوع است، و از قبیل بدعت، و آنچہ درین باب حدیثے از جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در عمل کردن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نقل کنند موضوع است کما ذکرہ الشیخ جلال الدین السیوطی وغیرہ من المحدثین و بحسب روایات فقہ معتبرہ ہم اصلاً ثبوت ندارد انتہی بلفظہ کذا فی لصارۃ العینین

لہ اذان کے وقت جواب کلمات اذان کے سوا اور کوئی چیز ثابت نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سننے پر ان پر درود و سلام بھیجنے کے علاوہ کوئی چیز درست نہیں، اور یہ انگوٹھے چومنے کا عمل خلفائے راشدین کے زمانہ میں نہیں تھا، پس بوقت اذان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنکر ایسا کرنا سنت اور مستحب نہیں ہے، بلکہ بدعت ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہیے، اور فقہ کی بعض کتابوں میں جو اس کے جواز کے متعلق لکھا ہے، وہ کتابیں معتبر نہیں ہیں ۱۲

لہ ایسا کرنا منع ہے اور بدعت، اور وہ جو ابو بکر رض کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، وہ حدیث موضوع ہے، اور فقہ کی معتبر کتابوں میں بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ۱۲

واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر لوگ اذان میں جب اشھد ان محمدا رسول اللہ کہا جاتا ہے، یا جمعہ کے خطبہ میں جب اللّٰھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم آتا ہے، تو انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگا لیتے ہیں، یہ فعل کیسا ہے، کتب احادیث وفقہ یا قول ائمہ سے پایا جاتا ہے یا نہیں، اور اگر کہیں سے اس کا جواز ثابت نہیں، تو اس کے کرنے والے کیسے ہیں، اور بعض یہ کہتے ہیں، کہ اس فعل سے آنکھ کی روشنی تیز ہوتی ہے، اور اس کو فرمودہ رسول بتلاتے ہیں، اس کا پتہ بھی کچھ حدیث وفقہ میں کہیں لگتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب وھو الموفق للصواب** } صورت مرقومہ میں معلوم کرنا چاہیئے، کہ دنیا فانی ہے چند روز کی زندگانی ہے، مرنا برحق ہے، جہاں تک ہوسکے اتباع جمیع امور میں سنت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا چاہیئے کیونکہ فلاح دارین اسی میں ہے، اور اپنی طرف سے ایجاد ہرگز نہ کرنا چاہیئے اگرچہ وہ عند الطبع مرغوب ومستحسن ہو، جیسے کہ یہی امر یعنی تقبیل ابہام وغیرہ جہال عوام کالانعام بلکہ بعض بعض خواص کے نزدیک بھی بہتر واحسن معدود وشمار کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ امر یعنی چومنا انگوٹھوں وغیرہ کا عند الاذان یا عند قول الخطیب اللّٰھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم الخ صحابہ کرام نے [۲] مع انہ لم یکن شخص احب الیھم منہ صلی اللہ علیہ وسلم کما جاء فی الحدیث اور نہ کسی امام نے ائمہ اربعہ میں سے کیا، اور جو فعل نہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا، اور نہ صحابہ کرام سے، اور نہ ائمہ اربعہ سے، تو وہ کام بدعت اور مردود ہوتا ہے۔ قال الامام الجلیل السیوطی الاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلھا علی العینین عند سماع اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المؤذن فی کلمۃ الشہادۃ کلھا موضوعات انتہی ما فی الرسالۃ المسماۃ بتیسیر المقال للامام

---

[۱] اے اللہ اس کی مدد کر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کرے اور اس کو ذلیل کر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو ذلیل کرے ۱۲

[۲] حالانکہ کوئی شخص بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا نہیں ہے ۱۲

الکبیر الشیخ جلال الدین السیوطی نے جس قدر حدیثیں در بارہ چومنے انگوٹھوں وغیرہ کے لوگ نقل کرتے ہیں، سب کی سب موضوع اور بناوٹی جھوٹی ہیں، اور ماہر فن لکھتے چلے آتے ہیں، کہ یہ حدیثیں بے اصل ہیں، اور پایہ صحت کو نہیں پہنچیں۔ کذا قال الشیخ محمد طاہر الحنفی والملا علی القاری الحنفی والشیخ الشوکانی المحدث وغیرھم فی کتبھم المشھورۃ المنسوبۃ الیھم اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اپنے فتوے تقبیل العینین میں فرماتے ہیں، کہ جو شخص اس فعل کو سنت جان کر کرے، وہ مبتدع اور کرنا اس کا بدعت ہے، اور بہت علمائے ماہرین اس فعل کو بدعت کہتے ہیں، بخوف طول ترک کیا، اور مولانا الشیخ یعقوب بچرخی نے خیر الجاری شرح صحیح البخاری میں صاف صاف اس فعل کو بدعت لکھا ہے، الغرض یہ فعل ہرگز درست نہیں، بلکہ بدعت ہے۔

**اقول:**۔ افسوس صد افسوس مسلمان دینداروں پر کہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تعلیم فرمایا، کہ یہ اذان کے وقت یا اس کے بعد کہا کرو، اس کو ترک کیا، اور اپنی طرف سے بہت سی باتیں ایجاد کر لیں، حضرت نے فرمایا ہے، کہ جیسے مؤذن کہتا ہے، ویسے ہی کہو، تمام گناہ صغائر معاف ہو جائیں گے، بعد ختم اذان کے درود شریف پڑھے، اور یہ دعا۔ اللھم[1] رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ ات محمد ن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودن الذی وعدتہ۔ بس یہاں تک پڑھے حضرت کی شفاعت اس کے لئے واجب ہو جائے گی، اور بعض لوگ وعدتہ کے پیچھے اور چند کلمات پڑھتے ہیں، وہ درست وثابت نہیں ہیں، کیونکہ کسی صحیح حدیث شریف میں نہیں آتے، اور جو بعض لوگ اذان کے بعد یعنے کلمہ لا الہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ زیادہ کر کے پڑھتے ہیں، یہ بھی نادرست ہے، یعنے محمد رسول اللہ قرآن شریف وغیرہ میں آیا ہے، ولیکن خاص اس محل میں شارع سے ثابت نہیں ہوا جو امر شارع سے ثابت ہو وہی کرنا چاہیئے، نہ یہ کہ اپنی طرف سے ایجاد کر لینا یہ بہت مذموم ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، کہ جب عطاس یعنے چھینک کوئی لیوے، تو کہے الحمد للہ، اور سننے والا یرحمک اللہ کہے، یہ شارع کا حکم تھا۔ تو صحابہ کرام کے وقت ایک شخص نے عطاس لے کر الحمد للہ السلام علیکم کہا، تب سالم صحابی نے کہا وعلیک وعلی امک یعنی تیری

[1] اے اللہ اس پوری دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے رب، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مقام وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور آپ کو مقام محمود پر پہنچا جس کا آپ سے تو نے وعدہ کیا ہے ۱۲

ماں پر اور تجھ پر سلام ہو پس وہ شخص کچھ خفا سا ہوا، تب سالم نے فرمایا کہ بھائی خفا کیوں ہوگئے ہو میں نے کچھ بے جا کلمہ نہیں کہا، اسی طرح حضرت کے پاس ایک شخص نے کہا تھا جیسا کہ تم نے چھینک کے بعد کہا، تو حضرت نے بھی ایسا کہا جیسا کہ میں نے کہا، تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ محل سلام کہنے کا نہیں ہے هکذا فی الترمذی وابی داود والمشکوۃ وغیرھا من کتب الحدیث۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے، کہ عبداللہ بن عمر رضہ کے پاس ایک شخص نے چھینک لی بعدہ اس نے کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ تو عبداللہ بن عمر رضہ نے فرمایا، ہم بھی یہی کہتے ہیں، کہ سب تعریف اللہ پاک کو ہے، اور درود رسول پر ہے، ولیکن یہ محل درود وغیرہ کا نہیں ہے، جس طرح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی ہے یعنی الحمد للہ کہنا چاہیئے ویسا ہی کرو، اور یہ اس محل پر ہم کو حضرت نے تعلیم نہیں کیا، کذا فی المشکوۃ

اب ارباب فطانت پر مخفی نہ رہے، کہ معاذ اللہ کچھ محمد رسول اللہ کا انکار نہیں ہے ولیکن غرض یہ ہے، کہ اس کا یہ محل نہیں ہے، اس محل میں ادعیہ واذکار جو وارد ہیں، ان کا کہنا چاہیئے اور شیخ عبدالحق حنفی دہلوی نے بھی یہی لکھا ہے، کہ محمد رسول اللہ کا یہ محل وموقعہ نہیں ہے کہنا نادرست ہے، کذا فی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ للشیخ عبدالحق دہلوی، انتہی۔

اب معلوم کرنا چاہیئے، کہ مسنون طریقہ بعد اذان کے یہ ہے، اول تو جس طرح مؤذن کہے اللہ اکبر تو سننے والا بھی اسی طرح کہے، جب مؤذن اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے، تو وہ بھی یوں ہی کہے، جب مؤذن اشھد ان محمدا رسول اللہ کہے تو سننے والا بھی اشھد ان محمدا رسول اللہ کہے اور انگوٹھے وغیرہ نہ چومے، کیونکہ یہ بدعت ہے، کما مر، اور جب مؤذن حی علی الصلوۃ کہے، تو سننے والا لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے، اور جب مؤذن حی علی الفلاح کہے، تو سننے والا کہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، اور بعض بوقت سننے ان ہر دو کلمہ کے یعنی حی علی الصلوۃ و حی علی الفلاح کہتے ہیں ما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن یہ نادرست اور بے اصل بات ہے، ھکذا فی شرح الشیخ عبدالحق حنفی الدہلوی، اور جب مؤذن اللہ اکبر کہے، تو سننے والا بھی اللہ اکبر کہے، اور جب مؤذن کہے لا الہ الا اللہ تو سننے والا بھی

---

[1] سب تعریف اللہ کے لئے اور رسول اللہ پر سلام ہو۔

لا الٰہ الا اللہ کہے، بس اور محمد رسول اللہ نہ ملاوے، کیونکہ یہ محل نہیں ہے، بلکہ بدعت ہے، افسوس جہالت نے ایسا زور پکڑا ہے، کہ جو حق بات ہے، وہ ناحق اور باطل معدود کی جاتی ہے، اور جو بات باطل اور بے اصل ہے، وہ مروج اور دائرہ حق میں شمار کی جاتی ہے، سچ فرمایا ہے، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے، کہ جب سنت کی جگہ بدعت اور بے اصل بات قائم کی جاوے، تو سنت تو نیست و نابود ہو جاتی ہے، اور بے اصل بات گڑ اور جم جاتی ہے، کذا فی المشکوٰۃ حقیقت میں یہی حال ہے، کہ سنت متروک اور بدعت مروج ہو رہی ہے، اور جب تکبیر میں قد قامت الصلوٰۃ (نماز کھڑی ہوگئی) کہے تو سننے والا اقامہا اللہ وادامہا (اللہ اسے کھڑا رکھے اور ہمیشہ رکھے) کہے، اور کچھ نہ کہے، اور باقی کلمات کا جواب جیسا اوپر مذکور ہوا ویسا ہی کہے، اور جب مؤذن الصلوٰۃ خیر من النوم (نماز سونے سے بہتر ہے) کہے، تو سننے والا بھی الصلوٰۃ خیر من النوم کہے اور کچھ نہ کہے یعنی صدقت و بررت وغیرہ نہ کہے، کیونکہ اس کا ثبوت حدیث میں نہیں ہے پس بعد فراغت جواب مؤذن درود شریف اور مذکورہ بالا دعا پڑھے، اور اپنے یا غیر کے لئے جو دعا مانگے قبول ہوگی، یہ مسنون طریقہ ہے، باقی بدعت ہے فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی الجھنگوی ثم الملتانی نزیل الدھلی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والجلی فی اواخر شہر المحرم ۱۳۰۶ھ

| سید محمد نذیر حسین | سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۱ | ابو محمد عبد الحق لودہانوی ۱۳۰۵ |
|---|---|---|
| خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبد الوہاب ۱۳۰۰ | عبد الجبار ابن عبد العلی | عبد الجبار حیدرآبادی |
| | | عبد الرؤف |

**سوال:** چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ بماہ محرم الحرام شہادت حسنین علیہما السلام حسب روایات کتاب سر الشہادتین روز عاشورا یا غیر آن بیان کردن جائز است یا نہ، وشنیدہ می شود کہ علمائے اعلام از دہلی تا لکھنؤ در عشرہ محرم بیان شہادت امامین ہمامین را معمول خود می دارند و جناب مولانا مرزا حسن علی صاحب محدث علیہ الرحمۃ کہ از اجل تلامذہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ بودند در عشرہ

---

سوال: محرم کے دنوں میں شہادت حسنین کا تذکرہ کرنا حسب روایت "سر الشہادتین" جائز ہے یا نہیں کہتے ہیں کہ دہلی سے لکھنؤ تک کے تمام اکابر علماء امامین کی شہادت کے تذکرہ کو اپنا معمول بنائے ہوئے ہیں اور مرزا حسن علی

محرم شہادت حسنین علیہما السلام راہم بیان می فرمودند، و بعضے از اہل علم بیان شہادت را حرام می دانند، و بقول ابن حجر مکی کہ در صواعق محرقہ است تمسک می نمایند عبارتہ ھکذا عن الغزالی وغیرہ یحرم علی الواعظ وغیرہ روایۃ قتل الحسین والحسن وما جری بین الصحابۃ من التشاجر والتخاصم فانہ یھیج الی بغض الصحابۃ والطعن فیھم وقول مولوی اسمعیل شہید مرحوم کہ در صراط المستقیم افادہ فرمودہ اند ہم سند می آرند خلاصہ این است کہ چون حسنین علیہما السلام برتبہ شہادت فائز شدند داخل جنت گشتند پس محل سرور است نہ محل غم، واگر اقربائے شما در حسنین مصائب مبتلا شدہ باشند وکسے آن مصائب را پیش شما بیان کند ہرگز شنیدن آن مصائب را جائز نمیدارید، و مبین آن را از دائرہ محبت خارج می شمارید، پس چیزے کہ در حق اقربائے خود جائز نمیدارید، در حق امام علیہ السلام چگونہ تجویز مے کنید، انتہے بمضمونہ ملخصًا، ونیز می گویند کہ کتاب سر الشہادتین از شاہ عبد العزیز صاحب نیست، کدامی شیعہ تصنیف کردہ بنام شاہ صاحب مشتہر ساختہ، جواب ہر سوال مفصلاً ومشرحًا ارشاد شود، بینوا توجروا۔

**الجواب:** ۔ در صورت مرقومہ راجح در قصہ کربلا امتناع وحرمت است چنانکہ صاحب صواعق ومولوی محمد اسمعیل شہید مرحوم افادہ فرمودہ اند، ونیز جناب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ در قول جمیل ارشاد نمودہ عبارتہ ھکذا ردبنا فی سنن ابن ماجہ وغیرہ ان القصص لم تکن فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی

بھی جو شاہ عبد العزیز دہلوی کے اجل تلامذہ سے ہیں، محرم میں شہادت کا تذکرہ کرتے ہیں، اور بعض اہل علم اس کو ناجائز بتاتے ہیں، جیسا کہ علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں امام غزالی سے نقل کیا ہے، کیونکہ اس سے صحابہ میں لڑائی جھگڑا سا جانا ہے، اور صحابہ کے متعلق دل میں حسن ظن نہیں رہتا، اور شاہ شہید نے صراط المستقیم میں لکھا ہے، کہ وہ امام تو شہید ہو کر جنت میں چلے گئے، یہ خوشی کی بات ہے، نہ کہ رونے پیٹنے کی، اور اگر کوئی آدمی کسی شخص کو اس کے اقارب کی دردناک داستان سنائے، اور دونوں کو بتلائے، کہ اس کو دشمنوں نے اس طرح مارا، تو وہ اس سے ناخوش ہوگا پھر اماموں کے متعلق اس کو کیوں جائز رکھا جائے، اور کتاب "سر الشہادتین" کہتے ہیں کہ شاہ عبد العزیز کی نہیں ہے، بلکہ کسی شیعہ کی تصنیف ہے، جواب مفصل عنایت فرمائیں

الجواب: ۔ صورت مرقومہ میں بہتر یہی ہے، کہ کربلا کے واقعہ کو نہ بیان کیا جائے، جیسا کہ صاحب صواعق اور شاہ اسمٰعیل شہید نے لکھا ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے قول الجمیل میں لکھا ہے، کہ قصہ گوئی کی رسم رسول اللہ

زمان ابی بکر و عمر رضؓ ورویناان الصحابۃ کانوا یخرجون القصاص من المساجد فعلمنا ان القصص غیر موعظۃ وانہ مذموم وانہا محمودۃ واما الآفات التی تعتری الوعاظ فی زماننا فمنہا عدم تمییزھم بین الموضوعات وغیرھا بل غالب کلامھم الموضوعات والمحرفات وذکرھم الصلوات والدعوات التی عدھا المحدثون من الموضوعات ومنہا قصصھم قصۃ کربلا والوفات وغیر ذلک وخطبھم انتہی ما فی القول الجمیل۔



فی الواقع ذکر قصہ کربلا و وفات ایشان رضی اللہ تعالےٰ عنہم موجب آفات ارتکاب امور منہی عنہا مانند نوحہ وشیون وماتم وشور گریہ وزاری وفغان وبے قراری دران لازم مے آید وشائع است کہ بیان این قصہ لامحالہ مودی بسوئے امور منکر مذکور سے شود وقاعدہ مطردہ فقہار کہ ما یودی الیٰ ما لا یجوز لا یجوز مقتضی وباعث بر منع آن ست کما لا یخفی علی المتامل المنصف، وازین سبب بیان این قصہ باوجود فرط محبت باہل بیت نبوت در قرون ثلاثہ درمیان سلف اخیار وعلمائے ثقات متبعان آثار سید الابرار رواج نیافتہ آری استرجاع ودعائے خیر از ایشان رحمہم اللہ تعالےٰ البتہ مروی شدہ کما لا یخفی علی الماہر بالاخبار قال الشیخ شہاب الدین بن حجر الہیثمی المکی فی الصواعق المحرقۃ اعلم ان ما اصیب بہ الحسین رضی اللہ عنہ فی عاشورا انما ہو الشہادۃ الدالۃ علی مزید خطوتہ ورفعۃ درجتہ عند ربہ والحاقہ بدرجات اھل بیت الطاہرین فمن ذکر ذلک الیوم مصابہ لا ینبغی ان یشتغل الا بالاسترجاع امتثالا للامر احرازا لما رتبہ اللہ تعالیٰ بقولہ اولئک علیہم صلوات من

---

صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ میں نہ تھی بعد میں اگر کوئی قصہ گو آیا تو اس کو مسجد سے نکال دیا گیا، قصہ گوئی وعظ نہیں ہے یہ اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی، وہ آفات جو آج کل واعظوں کو پیش آتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اکثر موضوع اور محرف روایات بیان کرتے ہیں، اور ان کی وہ صلوات ودعوات کہ جن کو محدثین نے موضوعات سے شمار کیا ہے، انہی میں سے کربلا کا واقعہ اور میلاد خوانی کی روایات ہیں۔

اور پھر کربلا کے واقعہ کے ضمن میں کئی ناجائز امور کا ارتکاب ہوتا ہے، مثلاً نوحہ، شیون، سینہ کوبی وغیرہ جو کہ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں باوجود محبت اہل بیت کے نہیں تھے ہاں ان کے لئے دعائے مغفرت کرنا چاہیئے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا چاہیئے جیسا کہ صواعق محرقہ کی عبارت سے واضح ہے، اور پھر اگر کوئی یہ اچھا کام ہوتا

ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون ولا یشتغل ببدع الرافضۃ ونحوھم من الندب والنیاحۃ والحزن اذ لیس ذلک من اخلاق المؤمنین والا لکان یوم وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی بذلک واحری او ببدع الناصبۃ المتعصبین علی اھل البیت او الجھال المتقابلین للفاسد بالفاسد والبدعۃ بالبدعۃ والشر بالشر من اظھار غایۃ الفرح والسرور واتخاذہ عیدا واظھار الزینۃ فیہ الی اٰخر ما ذکرہ الشیخ عبد الحق المحدث الدھلوی رحمہ اللہ فیما ثبت من السنۃ فی ایام السنۃ۔

وسر الشہادتین بلا ریب از تصنیفات جناب مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ است، وامور غامضہ کہ منتہیان ازان فائدہ گیرند وعبرت پذیرند باعث تصنیف آن بودہ است، نہ برائے عوام، کہ از فہم بعض مطالب آن عاری مستند، چہ فہم مطالب مخصوص بقوم دون قوم است، پس بیانش روبروئے عوام بجز تحریض بر محذورات امرے دیگر متصور نیست، و فقہا می نویسند ضرر العام مقدم علی ضرر الخاص، درین صورت بیان قصہ کربلا کہ مہیج بر نوحہ وماتم واہانت وذلت اہل بیت باشد بہ نسبت عوام کالانعام ممنوع بلا شبہ خواہد بود، ازین جہت امام غزالی در بعض تصانیف خود بیان قصہ کربلا را از منہیات شمردہ، واللہ اعلم بالصواب، حررہ سید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

**سوال:**۔ چہ می فرمایند علمائے محققین اہل سنت کہ نظر در کتاب وسنت غائر میدارند، درین باب کہ شیعہ بر اہل سنت اعتراض می کنند کہ ایشان روز تولد و وفات نبی و عرس بزرگان را ہر سال موجب سرور و حزن گردانیدہ اند واز اتخاذ خوشی عید غدیر و عید

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن ماتم ونوحہ ہوتا، نہ تو رافضیوں کی طرح ان دنوں میں نوحہ وشیون ہونا چاہئیے اور نہ ہی خارجیوں کی طرح اس دن خوشی کا اظہار کرنا چاہیئے۔

اور سر الشہادتین واقعی شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، اس میں منتہی لوگوں کے فائدہ کے لئے ہدایات لکھی گئی ہیں، عوام اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اور عوام کو اس کا مطالعہ بھی نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ان کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے، امام غزالی نے اپنی تصنیفات میں اسی لئے کربلا کے قصہ کو منہیات سے شمار کیا ہے، کہ اس سے عوام پر برا اثر پڑتا ہے ۱۲

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے محققین کہ شیعہ لوگ اہل سنت پر اعتراض کرتے ہیں، کہ تم نبی کی وفات اور بزرگوں

بابا شجاع الدین دارباتم دگریہ وزاری درشہادت امام حسین رضی اللہ عنہ روز عاشورا بر ما طعن وخندہ می کنند حالانکہ در اتخاذ عید وسرور وحزن روز تولد ووفات نبی وعرس بزرگے وماتم ہر سال روز عاشورا لشہادت امام حسین رضؓ وعید غدیر اصلا فرق نیست، ودیگر این کہ بر تصویر قبور ما این ہم خندہ می کنند واز وہمیات میدانند، بنا بر آنکہ صورت چیزے را حکم آن چیز دادن از وہمیات است، وخود اہل سنت صورت شئے را حکم ذی صورت میدہند کہ تصویر نعل را موجب برکت ودفع شر وبلا می دانند، لہذا استفسار از حل این شبہ کردہ می شود، کہ اعتراض ایشان دور شود، وحقیقت این بخوبی واضح گردد،

**الجواب:** درصورت مرقومہ اعتراض شیعہ بر اہل سنت محض بے جا است ودفع این شبہ از تحفہ اثنا عشریہ مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ درباب یازدہم در خواص مذہب شیعہ در نوع پانزدہم بخوبی نوشتہ اند، کہ ازان احوال طرفین سنی وشیعہ بوجہ اتم معلوم خواہد شد، وعبارت تحفہ این است

نوع پانزدہم امثال متجددہ رایک چیز بعینہ دانستن واین وہم خیلے بر ضعیف العقلاں غلبہ دارد حتی کہ آب دریا وشعلہ چراغ وآب فوارہ را اکثر اشخاص یک آب ویک شعلہ خیال کنند واکثر شیعہ در عادات خود منہمک این خیال اند مثلا روز عاشورا در ہر سال کہ بیاید آن را روز شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ گمان برند واحکام ماتم ونوحہ وشیون و گریہ وزاری وفغان وبے قراری آغاز نہند مثل زنان کہ ہر سال بر میت خود این عمل نمایند، حالانکہ

---

کے عرس کو سال بسال باعث سرور وحزن سمجھتے ہو، اور ہم پر عید غدیر اور عید بابا شجاع الدین اور محرم میں امام حسین کے ماتم کی وجہ سے ہم پر اعتراض کرتے ہو، حالانکہ تمہارے اور ہمارے عمل میں کوئی فرق نہیں، اور ہم پر امام حسین رضی اللہ عنہ کے تعزیہ کی وجہ سے اعتراض کرتے ہو، اور اس کو وہمی چیز بتلاتے ہو، اور نعل کی تصویر کو موجب برکت سمجھتے ہو تمہارا ہمارا کیا فرق ہے اس کو حل فرمائیں؟

الجواب: شیعہ کا اعتراض ہم پر محض بے جا ہے، شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے تحفہ اثنا عشریہ کے گیارہویں باب میں خواص مذہب شیعہ کی پندرہویں شق کے تحت لکھا ہے کہ "تصاویر کو بعینہ ایک چیز سمجھنا اور یہ وہم بہت سے بے وقوفوں پر مسلط ہے، کہ وہ دریا یا فوارہ کے پانی اور چراغ کے شعلہ کی تصویر کو واقعی پانی یا آگ سمجھنے لگتے ہیں، شیعہ ایسی ہی عادات میں مبتلا ہیں، وہ عاشورا کے روز کو سال بسال امام حسین کی شہادت کا دن سمجھ کر ماتم ونوحہ وشیون کرتے ہیں، جیسے کہ جاہل عورتیں اپنے عزیزوں کی موت پر سال بسال نوحہ کرتی ہیں،

عقل بالبداہت می داند کہ زمان امر سیال غیر قار است ہرگز جزو ثبات و قرار ندارد و اعادہ معدوم محال و شہادت حضرت امام در روزے شدہ بود کہ این روز ازان روز فاصلہ ہزار وصد سال دارد، و این روز بآن روز چہ اتحاد و کدام مناسبت در روز عید الفطر و عید النحر را برین قیاس نباید کرد، کہ درین جا مایہ سرور و شادی سال بسال متجدد است یعنی ادائے روزہ رمضان و ادائے حج خانہ کعبہ کہ شکر النعمۃ المتجددہ سال بسال فرحت و سرور نو پیدا می شود، ولہذا اعیاد شرائع برین وہم فاسد ننہادہ، بلکہ اکثر عقلا نوروز و مہرجان و امثال این تجددات و تغیرات آسمانی را عید گرفتہ اند کہ ہر سال چیزے نو پیدا می شود، و موجب تجدد احکام مے باشد و علی ہذا القیاس تعید بعید بابا شجاع الدین و تعید بعید غدیر و امثال ذلک مبنی برہمیں وہم فاسد است، ازین جا معلوم شد کہ روز نزول آیت الیوم اکملت لکم دینکم و روز نزول وحی و شب معراج را چرا در شرع عید قرار ندادہ اند، و عید الفطر را و عید النحر را قرار دادہ اند، و روز تولد و وفات ہیچ نبی را عید نہ گردانیدند، و چرا صوم یوم عاشورا کہ سال اول بموافقت یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجا آوردہ بودند منسوخ شد، درین ہمہ ہمیں سر است کہ وہم را دخلے نہ باشد، بدون تجدد نعمت حقیقت سرور و فرحت نمودن یا غم و ماتم کردن خلاف عقل خالص از شوائب وہم است،

نوع شانزدہم صورت چیزے را حکم آن چیز دادن و این وہم اکثر راہ بت پرستان زدہ و

---

ان کو اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا، کہ زمانہ گذرنے والا وقت ہے، جو وقت نکل چکا ہے، وہ کبھی واپس نہیں آتا، اور امام حسین کو شہید ہوئے آج بارہ سو سال گذر رہے ہیں، پھر آج کا دن اس دن سے کیا نسبت رکھتا ہے؟ اگر اعتراض کیا جائے، کہ عید کا دن سال بسال کیوں منایا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ ہر سال اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکریہ کے طور پر سال بسال عید منائی جاتی ہے، کیونکہ ہر سال حج و قربانی اور رمضان شریف کے روزے رکھے جاتے ہیں، یعنی یہاں سبب خوشی ہر سال نیا ہو جاتا ہے، اور امام حسین رضہ کی شہادت کے روز ہر سال نیا سبب پیدا نہیں ہوتا، اور جو لوگ ہر سال مہرجان اور نوروز کی عیدیں منایا کرتے تھے ان میں بھی نیا سبب ہوتا تھا، کہ ہر سال نئے نئے پیدا ہوتے ہیں، اور ان کی عید بابا شجاع الدین اور عید غدیر بھی اسی وہم فاسد پر مبنی ہے۔ اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ وحی کے نزول کے دن اور معراج کی رات کو شریعت نے کیوں عید قرار نہیں دیا، اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات و پیدائش کے دنوں کو غم اور خوشی کا دن سمجھا گیا ہے، اور عیدین کے دنوں کو کیوں عید قرار دیا گیا ہے، اور عاشورا کے دن کا روزہ کیوں منسوخ ہو گیا۔

اور سولہویں شق یہ ہے، کہ وہ ایک تصویر کو اصل حقیقت سمجھتے ہیں، چھوٹے بچے بھی اس وہم میں مبتلا ہوتے ہیں،

آنہا را در ضلالت افگندہ‘ و اطفال خورد سال نیز درین وہم بسیار گرفتار می باشند اسپان سلاح ودیگر چیزہا را از چوب وگل ساختہ خورسند می شوند‘ وحقیقت اسپ وسلاح انگارند‘ ودختران خورد سال وپسران ودختران از جامہائے منقش ملون ساختہ باہم نکاح آنہا مے کنند وشادی می نمایند‘ ودر شیعہ این وہم خیلے غلبہ کردہ قبور حضرت امامین وحضرت امیر وحضرت زہرا رض تصویر کنند وبگمان آنکہ این قبور حقیقۃ قبور مجمع النور آن بزرگوار آن است تعظیم وافر نمایند بلکہ نوبت بسجدات رسانند وفاتحہ خوانند وسلام ودرود رسانند ومگس رانند ونقش ومزیب گرفتہ گرد اگرد استادہ شوند ودرنگ مجاوران داد شرک دہند‘ ونزد عقل در حرکات طفلان وحرکات این پیران نابالغ ہیچ تفاوت نیست‘ انتہی کلام مولانا فی التحفۃ۔

پس از تقریر مولانا مرحوم صاف ہویدا گردید‘ کہ اگر روز تولد ووفات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم در شرع شریف سبب سرور وخوشی وعید یا ماتم قرار ندادہ شد‘ کہ مانند روز عید اہتمام در انعقاد مجلس آن کردہ شود‘ لہذا این عقد مجلس بہیئت کذائیہ مرسومہ حال از صحابہ کبار وتابعین وائمہ مجتہدین کہ باتباع شریعت ومحبت آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جان بازی می فرمودند منقول نشدہ ومروج نیافت وہم چنین تعظیم کردن تصویر نعال وموجب برکات ودفع بلیات وانستن آن را از صحابہ اخیار وائمہ مجتہدین بروایت معتبرہ ثابت نشدہ‘ کہ مورد طعن شیعہ گردد‘ زیرا کہ اہل سنت وائمہ دین کہ اولو الامر در دین بودہ اند این کار نہ کردند‘ ورواج ندادند کہ طعن واعتراض شیعہ بر ایشان عاید گردد‘ وہرگاہے کہ صورت چیزے را حکم آن چیز دادن از وہمیات شمردند تصویر نعال نیز ازین قسم البتہ خواہد شد یعنی از جملہ وہمیات فاسدہ شمردہ خواہد شد‘ وبرین تقریر شیعہ واعتراض

---

کو مٹی کے گھوڑے بنا کر ان کو اصل سمجھ کر خوش ہوتے ہیں‘ اور کپڑوں کی گڑیاں بنا کر ان کی شادی کرتے ہیں‘ اور خوشی مناتے ہیں اور شیعہ وہمیات میں حد سے زیادہ مبتلا ہیں‘ وہ امامین و حضرت علی و حضرت فاطمہ رض کی قبروں کی تصویریں بناتے ہیں اور ان کو اصلی قبریں قرار دے کر ان کی تعظیم کرتے ہیں‘ سجدہ میں گرتے ہیں ان سے مکھیاں اڑاتے ہیں‘ اور مشرکوں کی طرح معتکف کی داد دیتے ہیں‘ ان نابالغ پیروں اور چھوٹے بچوں میں کیا فرق ہے؟

شاہ صاحب کی تقریر سے معلوم ہو گیا‘ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش یا وفات کے دن کو کیوں غمی اور خوشی کا دن مقرر نہیں کیا گیا‘ یہی وجہ ہے‘ کہ متقدمین سلف صالحین ان مجالس کو کیوں منعقد نہیں کیا کرتے تھے‘ حالانکہ آپ پر جان قربان کرتے تھے‘ اور نعل کی تعظیم بھی سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے کہ شیعہ ہم پر اعتراض کریں‘ کیونکہ اہل سنت کے مقتدا اور ائمہ نے ایسا نہ کیا‘ اور جب ہم تصویر کو وہمیات سے سمجھتے ہیں‘ تو اس صورت میں شیعہ کا اعتراض

شیعہ بر اہل سنت وارد نہ شود، و بر اتخاذ عرس بزرگان ہر سال نیز شبہ شیعہ بر ائمہ مجتہدین و مقتدائے دین اہل سلف متوجہ نخواہد شد کہ ایشان این را تجویز نہ فرمودند، و از اتخاذ بعضے سنی کہ از جملہ اولوالامر و پیشوائے دین و اہل اجتہاد نیستند، درین زمان کہ عقد نمودن مجلس عرس را از جملہ واجبات شرعیہ میدانند، و بر عدم فاعل آن انکار مثل ترک واجب می شمارند، البتہ اعتراض وارد می شود برایشان، پس از ورود اعتراض برایشان بر علماء و مجتہدین کہ مدار کار دین بر تدوین کتب ایشان است، این اعتراض عاید نہ گردد، واللہ تعالے اعلم وعلمہ احکم، الراقم سید محمد نذیر حسین

| سید محمد نذیر حسین | نوازش علی | از اکرام علی معروف شد مفتی رحمت علی ۱۲۲۷ |
|---|---|---|

صحت جواب ظاہر است، کہ درین صورت اعتراض بر ائمہ دین وارد نیست فقط

| شد محبوب علی جعفری ۱۲۴۳ |
|---|

**سوال**:- چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین بحق کسانے کہ دعوی اہل سنت و جماعت نمودہ محبت حضرت حسنین رضی اللہ تعالے عنہما را وسیلہ گردانیدہ در عشرہ ماہ محرم شیوہ تعزیہ پرستی کنند باین طور کہ بشب تاریخ پنجم دو مشت گل از جائے آوردہ او را نعش حضرت حسنین رض قرار دادہ با تعظیم و تکریم و حفاظت تمام بالائے چبوترہ نہادہ ہر روز بآن گل مذکور چیزہائے مثل شربت و مالیدہ و شیرینی وغیرہ فاتحہ مے کنند و آن گل را باعث نجات و برار مطالب دنیا و عقبی خود دانستہ پیش آن سجدہ می نمایند و استدعائے مال و دولت و اولاد وغیرہ از ان می نمایند و بشب ہفتم با طہارت تمام دستار بستہ بر آن دستار سہرہ و حمائل گل نہادہ بر چوکی کہ ہر دو طرفش شکل دست می باشد با عزت و اکرام می نہند و بشب

---

ہم پر کیسے اعتراض ہو سکتا ہے، باقی جو لوگ بزرگوں کے عرس کرتے ہیں، نہ ہمارے عقیدہ کے آدمی ہیں، نہ ہم ان کو اچھے آدمی جانتے ہیں شیعہ ان پر جاکر اعتراض کریں، ہم پر اعتراض کرنے کا ان کو کوئی حق نہیں۔

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین، کہ بعض آدمی اہل سنت ہونے کا دعوے کرتے ہیں، اور امام حسین رض کی محبت کو وسیلہ بنا کر عشرہ محرم میں تعزیہ پرستی کرتے ہیں، اس کی کیفیت اس طرح ہے، کہ پانچویں محرم کو کہیں سے دو مشت خاک لے آتے ہیں، اور اس کو امام حسین کی لاش قرار دے کر اس کی تعظیم کرتے ہیں، اور چبوترہ پر رکھتے ہیں پھر ہر روز اس پر شربت فالودہ مٹھائی وغیرہ کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اس مٹی کو باعث نجات و مطلب برآری سمجھتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں، اور اس سے مال و دولت و اولاد وغیرہ مانگتے ہیں، پھر ساتویں رات کو طہارت کرتے ہیں ایک پگڑی

ولشب ہشتم آن چوکی را مع دستار و شکل پر سر برداشتہ با ڈھول و تاشہ ماتم کنان و سینہ کوبان واہائے حسین گویان کوچہ بکوچہ می گردانند، ولشب نہم آن دو مشت گل را اول مثل میت کفن پوشانیدہ بقبریکہ اندرون تعزیہ تیار می کنند مع دستار و سہرہ و مقنعہ داشتہ باجماع کثیر بالبسیار گریہ وزاری واہائے حسین گویان و سینہ زنان و مرثیہ خوانان برائے گشت می برند و یک کس باادب و تعظیم تمام مورچھل کنان پس تعزیہ می رود، و بروز دہم بوقت برآمدن قریب یک دنیم پاس روز آن گل کفن اندودہ را مع ساز و سامان بطریق ماتم زدگان باشور و شیون در کربلائے معہودہ خودہا بردہ دقبر کندیدہ مع سہرہ وغیرہ دفن می کنند، ولبعد دفن بران قبرہا پان دنان وشیرنی کہ ہمراہ بطریق توشہ می برند، فاتحہ می کنند، ولوقت شام چراغان بر آن قبرہا روشن می نمایند ونحق کسانیکہ ضریح از چوب وارزیز وطلا ولقرہ علی قدر استعداد خودہا بہ تصویر روضہ مقدسہ حضرت حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہما تیار کردہ بخانہ خودہا بجائے پاکیزہ محفوظ میدارند، ونحسنا اعتقادے کہ مذکور گردید پرستش آن می نمایند، و بعضے علم شبیہ دست مبارک ساختہ باضریح بستہ ولشب ہفتم علم را از ضریح جدا کردہ برائے گشت می برند، و بروز دہم علم مذکور در کربلا بردہ سہرہ و حمائل گل کہ بعلم می باشد قبر کندیدہ دفن می سازند، و رسومات فاتحہ وغیرہ قسمیکہ نوشتہ شد می نمایند ونحق کسانیکہ از ابتدائے شب رویت ماہ عشرہ محرم مجلسے از شیشہ آلات و فروش مکلف

---

باندھتے ہیں، اور اس پر پھولوں کا سہرہ لٹکاتے ہیں، اور ایک چوکی پر جس کی دونوں طرف ہاتھ کی شکل کا پنجہ بنا ہوتا ہے دستار بڑی عزت سے رکھ دیتے ہیں، آٹھویں رات کو اس چوکی کو مع دستار کے سر پر اٹھا لیتے ہیں، ڈھول بجتا ہے، اور ماتم و سینہ کوبی کرتے ہوئے گلی کوچوں میں پھرتے ہیں، اور نویں رات کو اس دو مشت خاک کو کفن پہنا کر اس قبر میں جو تعزیہ کے اندر بنی ہوتی ہے، دفن کر دیتے ہیں، اور پھر اس کو کندھوں پر اٹھا کر گریہ وزاری اور سینہ کوبی کرتے ہوئے ہائے حسین ہائے حسین کہتے ہوئے گشت کرتے ہیں، ایک آدمی تعزیہ کے پیچھے مورچھل کرتا جاتا ہے، اور دسویں تاریخ کو چاشت کے وقت اس کفن میں لپٹی ہوئی مٹی کو مع ساز و سامان کے روتے پیٹتے اپنے بنائے ہوئے کربلا میں لے جا کر دفن کر دیتے ہیں، اور اس کے بعد کچھ چیزیں جن کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں فاتحہ پڑھتے ہیں، اور شام کو اس قبر پر چراغ جلاتے ہیں، اور ان لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے، جو امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی شبیہ اپنی طاقت کے مطابق لکڑی، سونے چاندی سے بناتے ہیں، اس کو اپنے گھروں میں نہایت تعظیم سے رکھتے ہیں، اس کی پوجا کرتے ہیں، بعضے ہاتھ وغیرہ کا علم بنا کر قبر کے ساتھ باندھ دیتے ہیں، اور ساتویں رات علم کو تعزیہ سے جدا کر کے گشت کے لئے لے جاتے ہیں اور دسویں دن علم مذکور کو سہرے وغیرہ پہنا کر تعزیہ کے ساتھ قبر میں دفن کر دیتے ہیں، اور ایسے لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے

بازیب وتکلفات ترتیب دادہ ومردمان کثیر را جمع کردہ مرثیہ ونوحہ متضمن واقعات کربلا می خوانند وحالات ذلت مستورات مطہرات کہ از دست کوفیان ولشکر اعدا دادہ ونیز چیزے از جانب خود ہا ابداع واختراع کردہ بدان مجلس کہ جمعے کثیر مجتمع می باشند بآواز بلند بیان می کنند وحسین حسین کردہ باگریہ وزاری مثل ماتمیان سینہ زنی می کنند وبعدہ چیزے از قسم شیرینی وشربت فاتحہ نمودہ بر حضار مجلس تقسیم می سازند این قسم تعزیہ پرستی نزد اہل سنت وجماعت جائز است یا شرک یا کفر یا گناہ صغیرہ ویا کبیرہ۔ بینوا توجروا

**الجواب**:۔ دعوی سنت وجماعت کسے را میرسد کہ استقامت بران طریقہ داشتہ باشد کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ ما انا علیہ واصحابی وارتکاب تعزیہ پرستی وساختن ضریح وعلم وغیرہ وآوردن از جائے گل وبالائے چبوترہ نہادہ نعش سبطین رسول الثقلین قرار دادن وتعظیم وتکریم آن نمودہ بر آن چیز ہائے مثل شربت ومالیدہ وشیرینی وگل وسہرہ داشتہ فاتحہ بر آن ودرود خواندن واین امور مذکورہ را موجب نجات اخروی ووسیلہ ترقی درجات وانجاح مقاصد وبرآمدن مطالب دنیوی دانستن ودیگر حرکات نامشروعہ نمودن مستلزم مخالفت ومشاقت جناب سید المرسلین واتباع غیر سبیل مومنین واعراض وتولی از طریقہ مسلمین است کہ موجب سخط خدا ومستحق دخول آتش جہنم است، چنانچہ خدا تعالیٰ در قرآن می فرماید، ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الہدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا وقال البیضاوی الایۃ تدل علی حرمۃ مخالفۃ الاجماع لانہ تعالی رتب الوعید الشدید علی المشاقۃ واتباع غیر

---

جو محرم شروع ہوتے ہی پورے تکلفات سے کمروں کو آراستہ کرتے ہیں، آدمیوں کو بلا کر مرثیہ خوانی کرتے ہیں کربلا کے واقعات سناتے ہیں مستورات کی بے عزتی کی داستانیں بیان کرتے ہیں، اور ہائے حسین کہتے ہوئے ماتم کرتے ہیں پھر شیرنی تقسیم ہوتی ہے، کیا یہ لوگ اہل سنت والجماعت ہیں، اور کیا یہ کام جائز ہے، یا کفر اور شرک ہے، یا گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ اہل سنت والجماعت وہ آدمی ہو سکتا ہے جو نبی کریم اور صحابہ کرام کی راہ پر چلتا ہو، اور یہ تمام امور جو سوال میں مندرج ہیں نامشروع حرکات ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور ایمانداروں کی راہ یہ نہیں ہے، خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہیں، جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی نافرمانی کرے، اور ایمانداروں کی راہ چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرے تو جدھر جاتا ہے جائے، ہم اس کو جہنم میں

سبیل المؤمنین انتہی۔

دیگر ظاہر است، کہ این چنین مردمان در دعوے سنی بودن خود کاذب و مفتری مستند و داخل در مضمون آیت یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم در این امور اتباع سنت و پیروی اجماع امت سلف صالحین از صحابہ و تابعین و مجتہدین کجا است، بہر حال مرتکبان امور مذکورہ از شریعت غرا منحرف اند چہ ساختن تعزیہ و تربت ہا وغیرہ و خاک از جائے آوردہ پیش آن فاتحہ و درود برآن خواندن از بدعت و ضلالت و کفر و موجبات لعنت است، و در حق مرتکب بدعت ضلالت وعید شدید وارد است، کہ صوم و صلوۃ و حج و زکوۃ و دیگر عبادات او مقبول نمی شود عن حذیفۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقبل اللہ لصاحب بدعۃ صوما ولا صلوۃ ولا صدقۃ ولا حجۃ ولا عمرۃ ولا جہادا ولا صرفا ولا عدلا ویخرج من الاسلام کما یخرج الشعر من العجین کما رواہ ابن ماجہ، و ہم چنین طبرانی بدین مضمون از ابن عباس رض و بزار از ثوبان روایت کردہ است،

و سجدہ بتذلل تام پیش تعزیہ کردن موجب شرک و عبادت غیر اللہ تعالی است لہذا جناب مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ در تفسیر عزیزی این را از شرک شمردہ اند عبارتہ کذا و انبیاء و مرسلین را لوازم الوہیت از علم غیب و شنیدن فریاد ہر کس در ہر جا و قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کنند و ملائکہ و ارواح انبیاء و اولیاء را در پردہ صور تماثیل و قبور و تعزیہ ہا معبود سازند انتہی کلامہ مختصرا و پرستش و سجدہ کردن تعزیہ را از جملہ نصب و انصاب است قال اللہ تعالی یا ایہا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون الآیۃ فالانصاب جمع نصب بضمتین او جمع نصب بالفتح والسکون وھو کل ما نصب وعبد من دون اللہ تعالی من شجر او حجر او قبر

داخل کریں گے، اور وہ بدترین جگہ ہے" امام بیضاوی کہتے ہیں، کہ "اس آیت سے اجماع کی مخالفت کی حرمت معلوم ہوتی ہے" اور ایسے لوگ اہل سنت کا دعوی کرنے میں بالکل جھوٹے ہیں، شریعت مطہرہ کے دائرہ سے خارج ہیں، ایسے لوگوں کی کوئی عبادت قبول نہ ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" اللہ تعالی بدعتی آدمی کا روزہ، نماز، صدقہ، حج، عمرہ جہاد، نفل اور فرض کچھ بھی قبول نہیں کرتے، اور وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے آٹے سے بال" اس مضمون کی حدیث ابن ماجہ، بزار اور طبرانی میں آئی ہے، شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے ان امور کو اپنی تفسیر میں شرک کہا ہے اور تعزیہ کو سجدہ کرنا بت کو سجدہ کرنے کے برابر ہے، کیونکہ لغۃً ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے نصب (بت) ہے

وغیر ذلک والواجب ھدم ذلک کلہ کذا فی مجالس الابرار وھو کل ما عبد من دون اللہ قالہ الجوھری ونصب بفتحتین رنج ورنج دیدن وبت وآنچہ برپائے کنند بہر پرستش کذا فی الرشیدی، پس پرستش تعزیہ منحوتہ ہم درین داخل است، کما لا یخفی علی المتأمل الماھر

ودر شرح مواقف نوشتہ، کہ سجدہ کردن آفتاب را کفر است، پس می گویم در سجدہ آفتاب وتعزیہ ہیچ فرق نیست، برین معنے مسلمانان را واجب است کہ از سجدہ وپرستش تعزیہ منحوتہ اجتناب کنند، تا در کفر نیفتند، وثواب دانستن در تعزیہ داری از بدعت وضلالت است ازین نیز حذر واجب ولازم است، بہر حال ترک آن واجب است، وہرگاہے کہ تعزیہ داران از ممانعت ونہی ازان ناخوش شوند، وناہی ومانع را دور از صواب ودین دانند وبر تعزیہ داری اصرار نمایند وپرستش وسجدہ آں را نمایند ونماز وروزہ وحج وزکوۃ کہ حکم خدا ورسول است بالائے طاق نہند، چگونہ در زمرہ اہل اسلام شمردہ شوند، چہ جائے کہ از اہل سنت وجماعت معدود ومحسوب گردند، خدا تعالے ہدایت بخشد ایشان را۔ ودر ترمذی از ابی واقد لیثی مذکور است عن ابی واقد اللیثی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما خرج الی غزوۃ حنین مر بشجرۃ للمشرکین کانوا یعلقون علیھا اسلحتھم یقال لھا ذات انواط فقالوا یارسول اللہ اجعل لنا ذات انواط کما لھم ذات انواط فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ ھذا کما قال قوم موسی اجعل لنا الھا کما لھم الھۃ والذی نفسی بیدہ لترکبن سنن من کان قبلکم رواہ الترمذی

پس تعزیہ داری از ایجاد ذات انواط کم نیست، بلکہ ازان بد است در معصیت کہ بسرحد کفر

صاحب مجالس الابرار اور جوہری نے اس کی تصریح کی ہے،

شرح مواقف میں ہے، کہ سورج کو سجدہ کرنا کفر ہے، اب خود ہی سوچو تعزیہ اور سورج میں کیا فرق ہے؟ مسلمانوں کو ان امور بدعیہ سے پرہیز کرنا چاہیئے تاکہ صحیح مسلمان بن سکیں، ترمذی میں ابوواقد لیثی سے حدیث ہے، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین کو نکلے، تو راستہ میں ایک درخت آیا جس پر مشرک لوگ اپنی تلواریں لٹکایا کرتے تھے، اس کو ذات انواط کہتے تھے، تو مسلموں نے کہا یارسول اللہ ہمیں بھی ایک ذات انواط بنادیں، توآپ نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو قوم موسی کی سی بات ہوئی، کہ انہوں نے موسی سے درخواست کی تھی، کہ ان کے خداؤں جیسا کوئی ہمیں بھی خدا بنادیں، خدا کی قسم تم یہود ونصاری کی ضرور پیروی کرو گے، پس تعزیہ داری بھی ذات انواط ہی کی ایک صورت ہے، کہ لوگ اس پر چڑھاوے

نیرساند وسبب بربادی ایمان است درین نعوذ باللہ من ہذہ العقیدۃ الفاسدۃ

الغرض این ہمہ امور داخل انصاب اند کہ خدا تعالے آن را رجس فرمودہ وانصاب عبارت از ما نصب للعبادۃ است، خواہ صنم باشد یا وثن یا دیگر مثل اشیاء مذکورہ در ماسبق، بلکہ ہر چیز جز خدا تعالے کہ تعظیم وتکریم وخضوع وتذلل از روے عبادت کردہ شود، بران اطلاق انصاب کردہ خواہد شد، واگر آن را مساوی ذات وصفات واجب تعالے اعتقاد نمودہ متصرف در امور ممکنات وقادر بر ہر شے ومنجح مطالب ومقاصد قرار دہد دران ہنگام اطلاق ند وشریک باری عز اسمہ کردہ شود بران ومرتکب آن را مشرک وکافر توان گفت، ودر مخاطبین قولہ تعالے فلا تجعلوا للہ انداداوانتم تعلمون داخل توان کرد۔

واگر قائلے گوید کہ اہل تعزیہ وضرائح وغیرہ بلکہ مشرکان عرب چیزے را کہ ساختہ عبادت من دون اللہ می نمودند، چگونہ انداد گفتہ شود، حالانکہ آن چیز را مساوی در ذات وصفات او تعالے زعم نمی کردند، چہ جائے کہ مسلمانان این چنین خیال فاسد واعتقاد باطل چگونہ خواہند کرد ودر جلب نفع وضرر بر خلاف ارادہ ومشیت سبحانہ تعالے قادر ومختار چگونہ خواہند دانست، پس دفع آن این است کہ ہر گاہے کہ ایشان از تعظیم تبارک وتعالے اعراض نمودند، وتوجہ کلی بتعظیم وتذلل تعزیہ نمودند، و افعالے کہ مختص بذات او تعالے است، مثل اطلاع حال جمیع خلائق حاضر وناظر بودن وانجاح مطالب ومقاصد وبرآوردن حاجات در تعزیہ دانستند، وسجدہ کردن آن را مشابہت تمام با کسانے کہ در شان معبودان خود اعتقاد می دارند پیدا نمودند، زیرا کہ لوازم الوہیت تعزیہ را ثابت کردند، لامحالہ در زمرۂ ایشان داخل شدہ سزاوار خطاب فلا تجعلوا للہ انداداً وانتم تعلمون گشتند قال البیضاوی تحت ہذہ الآیۃ وتسمیۃ ما یعبدہ المشرکون من دون اللہ انداداً وما زعموا انہا تساویہ فی ذاتہ وصفاتہ ولا انہا

---

پڑھاتے ہیں، یہ لوگ پورے مشرک وکافر ہیں، کیونکہ انہوں نے خدا کے لئے شریک بنا دیئے جس کی مخالفت قرآن مجید کی آیت فلا تجعلوا للہ انداداً میں ہے ۱۲

اگر کوئی آدمی سوال کرے، کہ تعزیہ وضریح بلکہ مشرکوں کے بت وغیرہ کو بھی خدا کا شریک کیسے بنایا جا سکتا ہے، جب کہ وہ ان کو خدا کے برابر درجہ نہیں دیتے، بلکہ اس سے کم تر سمجھتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے، کہ جب اپنی توجہ ان چیزوں کی طرف کر لی گئی، اور ان سے اپنی حاجتیں مانگنے لگے، اور خدا کی درگاہ چھوڑ دی، تو پھر خواہ زبانی برابری تسلیم نہ کریں، عملی برابری بلکہ اس سے بڑھ کر ان کو سمجھا جانے لگا تو ان پر مشرک کا لفظ صادق آئے گا، چنانچہ تفسیر بیضاوی میں بعینہٖ یہ مضمون بیان کیا گیا ہے،

لتخالفہ فی افعالہ لانھم لما ترکوا عبادتہ الی عبادتہا وسموھا الھۃ فشابہت حالہم حال من یعتقد انہا ذوات واجبۃ بالذات قادرۃ علی ان تدفع عنہم باس اللہ وتمنحہم مالم یرد اللہ بہم من خیر فتہکم بہم وشنع علیہم بان جعلوا للہ اندادا لمن یمتنع ان یکون لہ ند۔

وباید دانست کہ مدار کار ومناط شعار تعزیہ وگل پرستی غیر از اتباع ہوی امرے دیگر متصور نمی شود چنانچہ جابر رض از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روایت می کند قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اخوف ما اتخوف علی امتی الھوی وطول الامل فاما الھوی فیصد عن الحق واما طول الامل فینسی الاخرۃ الی اخر الحدیث رواہ البیہقی فی شعب الایمان کذا فی المشکوۃ، وایں قسم از اقسام الاشراک فی الحکم است، کہ اطاعت حکم ہوی مساوی بلکہ در بعض مواضع فوق اطاعت حکم الٰہی دانستہ ترک متابعت ہُدی می کنند ومطاوعت ہوی می سازند، وہر گاہے کہ سنگے در نظر ایشان مستحسن می نماید مشغول ومبہوت بعبادتش می شوند، وگاہے دیگر شئے مثل تعزیہ وگل وغیرہ در نظر ایشان جلوہ وظہور می دہد باستیلاء محبت او گرفتار گردیدہ عبادتش می کنند وچون معلم الٰہی ضلالت ایشان بدرجہ کمال می رسد وجوہر روح ایشان فاسد وتباہ می گردد، وادی پیمائے خذلان وحیرانی آن را ساختہ مہر بر قوت سامعہ وقلب ایشان مے کند پس بعدم مبالات وعظ ونصیحت وسامب تفکرات مبتلا می سازد وبر قوت باصرہ ایشان پردہ عمی وکوری انداختہ صین استبصار را چشم اعتبار را منزوع النظر ومعدوم الاعتبار مے گرداند، چنانچہ در کلام معجز نظام خود ارشاد می فرماید افرایت من اتخذ الھہ ھواہ واضلہ اللہ علی علم وختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشاوۃ فمن یھدیہ من بعد اللہ افلا تذکرون۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے، کہ یہ تعزیہ پرستی وغیرہ تمام امور ہوائے نفس اور خواہشات نفسانی کی بنا پر کئے جاتے ہیں اور ہوی پرستی بھی تو شرک ہے، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کیا وہ آدمی بھی دیکھا ہے، جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے" اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ مجھے اپنی اُمت پر ہوائے نفس اور طول حرص کا خوف ہے، کیونکہ خواہش راہ حق سے روک دیتی ہے، اور لمبی امید آخرت کو بھلا دیتی ہے" اور یہ اشراک فی الحکم کی قسم ہے، کہ جب کوئی چیز اچھی معلوم ہوئی تو اس کے سامنے جھک گئے،

وبعض کسان ازچنین اعتقادات فاسدہ وتخیلات باطلہ بری وخالی الذہن میباشند ولیساختن تعزیہ وضرائح وعلم وغیرہ وبعض صرف مجالس انعقاد نمودہ طریقہ شیون وماتم ومرثیہ خوانی نہادہ محض رسم آباو اجداد خود دانستہ مرتکب اسراف وتضییع اموال می شوند، ودرعداد اخوان الشیاطین داخل می گردند، ودرشرع وارد شدہ کہ دعا واستغفار واسترجاع نمودن و صدقات بلاتخصیص ایام برائے شہدار کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم من الاموات دادن نافع دارین است وبکار باواز بلند ونوحہ وضرب خدود وشق جیوب وسینہ کوبی وآہ وفغان وآنچہ واقعہ ازاعداء اللہ روز شہادت حسین رض باہل بیت شدہ، دربیان آن نہایت حقارت واہانت اہل بیت متصور می شود، چنانکہ جہال پورب درعشرہ محرم می کنند ہمہ ممنوع وحرام است، کہ دعوئے جاہلیت است، وآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازین افعال واقوال جاہلیت بیزار ہستند، ومرتکبان این امور جاہلیت در وعید شدید داخل خواہند بود، چنانچہ درمشکوٰۃ شریف وغیرہ مذکور است، ونیز این شعار روافض جہال است، بہرحال ازین حذر باید۔

وبعض کسان این امور را مستحسن دانستہ متوقع ثواب جمیل واجر جزیل می شوند، این فرقہ مبتدع بدعت ضلالت مستحق وعید شدید کلام خیر الانام اہل البدع کلاب النار میشوند وبہ نیت ثواب تعزیہ وترتیب داد از بانس، وکاغذ ترکیب دادہ فاتحہ ودرود می خوانند وزیارت آن می نمایند، ودر مواعید شدیدہ داخل می گردند، چنانچہ در برزخ سلمی از ابن مسعود رض روایت می کند من زار بلا مزار فقد ضل وعن طریق اٰخر لعن اللہ من زار بلا مزار و فی روایۃ من زار سوحا بلا روح اخرجہ ابن ابی الدنیا واخرج الطبرانی والحکیم الترمذی من زار بلا مقبور فکانما عبد الصنم پس تعزیہ داران دروعید آیت کریمہ

---

ہاں بعض لوگ ان اعتقادات فاسدہ سے خالی الذہن ہوتے ہیں اور محض آبائی رسم سمجھتے ہوئے اس تعزیہ داری کی رسوم کو بجالاتے ہیں، اس صورت میں اسراف اور تضییع مال میں مبتلا ہوتے ہیں، یہ بھی تو شیطان کے بھائی ہیں، پس صحیح طریق صرف یہ ہے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا جائے، ان کے لئے دعا مغفرت کی جائے، اور یا پھر کوئی صدقہ وغیرہ کر کے ان کو ثواب پہنچا دیا جائے، وہ بھی بلاتخصیص ایام، باقی رہا یہ سینہ کوبی اور نوحہ شیون وغیرہ، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بالکل برخلاف ہے، اور یہ بانس وکاغذ وغیرہ سے تعزیہ بنانا اور اس کی زیارت کرنا لعنت کا موجب ہے، حدیث میں آیا ہے "اللہ اس آدمی پر لعنت کرے جو کسی فرضی قبر کی جس میں کوئی مردہ دفن نہیں ہے، زیارت کرے"

فمن زین لہ سوء عملہ فرآہ حسنا شامل اند، خداتعالیٰ ہدایت کند ایشان را کہ از تیہ ضلالت بیرون بودہ براہ سنت آیند ہر کہ از سنت سنیہ وطریقہ صحابہ کرام وتابعین عظام ومجتہدین اعلام وغیرہم من علمائے دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم رو گردان شود، ورسم تعزیہ پرستی را کہ از بدعات شرکیہ است عمل آرد وپند ونصیحت ناصحان از علماء نشنود بلکہ بیزار وغضبان گردد پس آن کس فارق الجماعت وخارج از دائرہ اسلام خواہد بود، چنانکہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ است عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ رواہ احمد وابوداؤد و بالجملہ تعزیہ پرستان ازین افعال بدعیہ شرکیہ اجتناب نمودہ توبہ واستغفار نمایند وایصال ثواب از عبادات بدنیہ ومالیہ بارواح شہیدان کربلا کردہ باشند سعادت دارین درین حاصل است وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین — سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

سید احمد حسن ۱۲۸۹
سید شریف حسین ۱۲۸۸
بسم اللہ الرحمن الرحیم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم
محمد عنایت علی
محمد اسحاق بہاری ۱۲۹۰
محمد حسین قادری غفوری
حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ
محمد غلام اکبر خان محمدی السنی

**سوال:-** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر مسلمان کوئی میلہ کریں، جس کی مذہب میں کوئی اصل نہیں، جیسے تعزیہ داری، اور کافر نہ اس لحاظ سے کہ میلہ کی تخریب ہو، بلکہ اس لحاظ سے کہ مسلمانوں کو بحیثیت مذہب ہزیمت ہو مزاحم ہوں، تو ایسی صورت میں میلہ والے مسلمانوں کی شرکت دوسرے مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب:-** درصورت مرقومہ ارباب فطانت ودیانت پر مخفی نہیں، کہ مسلمانوں کو

---

پس ایسے لوگ جو محض اتباع ہوائے نفس کی بنا پر تعزیہ پرستی وغیرہ کریں اور سنت کی پرواہ نہ کریں، اہل سنت والجماعت بلکہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جو جماعت سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہو جائے، اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی" ایسے لوگوں کو شرک و بدعت چھوڑ کر توبہ واستغفار کرنی چاہیے، اور عبادات بدنیہ ومالیہ کا ثواب ان کو بخشنا چاہیے" تاکہ سعادت دارین حاصل کریں۔ واللہ اعلم ۱۲

بحیثیت مذہب مذہبیت جب ہو، کہ یہ میلہ تعزیہ داری کا مذہب و ملت کے اور نیز شعائر اسلام میں بھی داخل ہوتا، حالانکہ داخل نہیں، اور جب یہ میلہ مذکورہ داخل ہی نہیں ہوا، بلکہ یہ میلہ بعض وجہ سے میلہ فسقیہ ہے، اور بعض وجوہ سے میلہ شرکیہ ہے، تو اس صورت میں مسلمانوں کو من حیث مذہب دینی و ملت یقینی کیونکر مذہبیت متصور ہوگی، یہ خیال خام بعض بلا یان نافرجام ہے، وقول رب العالمین یوحی[1] بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا الایۃ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون مناسب حال و مقال ملایان بدخصال کے ہے، پس فذرھم وما یفترون (ان کو اور ان کے بہتانوں کو چھوڑ دو) مشعر چال ڈھال ان کی کا ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے، کہ میلہ تعزیہ داری کا میلہ فسقیہ ہے باعتبار اجتماع فساق تماشبین کے، اور یہ میلہ باعتبار بنانے والے اور تعظیم کرنے والے، اور تقرب لغیر اللہ چاہنے والے کے میلہ شرکیہ ہے، پس صورت اولیٰ میں تماشہ دیکھنا راون کے میلہ کا اور تماشہ دیکھنا تعزیہ کے میلہ کا دونوں برابر ہیں، زور ولہو ولعب وما لاینبغی اور غیر مشروع ہونے میں بموجب اس آیت کریمہ فلا تقعد[2] بعد الذکری مع القوم الظلمین کے نیز بدلیل آیت سورہ فرقان کے والذین[3] لا یشھدون الزور، ہرچند یہ آیت محتمل احتمالات کثیرہ کو ہے لیکن احتمال اقوی یہی ہے یحتمل[4] حضور کل موضع یجری فیہ ما لا ینبغی ویدخل فیہ اعیاد المشرکین ومجامع الفساق لان من خالط اھل الشر ونظر الی افعالھم وحضر مجامعھم فقد شارکھم فی تلک المعصیۃ انتہی ما فی التفسیر الکبیر والفصول العمادیۃ اور مدد دینا بنا بر تکثیر سواد اور اشاعت و رونق تعزیہ کی زیادہ تر سخت گناہ ہے، حسب منطوق لازم الوثوق کے تعاونوا[5] علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان نیز مطابق فرمودہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من[6] کثر سواد قوم فھو منھم الحدیث اور صورت ثانیہ میں یہ

---

[1] ان میں سے بعض بعض کی طرف جھوٹی اور ملمع کی باتیں القا کرتے ہیں، وہ صرف ظن کی پیروی کر رہے ہیں اور ایک اندازہ کر رہے ہیں۔ [2] یاد آجانے کے بعد ظالم قوم کے پاس مت بیٹھو۔ [3] جو بے ہودہ چیزوں پر حاضر نہیں ہوتے۔

[4] یہ حاضر ہونا ہر اس چیز کو شامل ہے، جو لائق و شائستہ نہیں اس میں مشرکوں کی عیدیں اور فاسقوں کی مجالس بھی شامل ہیں، کیونکہ جو بد لوگوں کے پاس جائے گا ان کے افعال کو دیکھے ان کی مجلس میں حاضر ہو تو اس نے ان کے گناہ میں شرکت کی۔ [5] نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی میں مدد نہ کرو۔ [6] جو آدمی کسی قوم کی تعداد بڑھائے وہ انہی میں سے ہے۔

میلہ شرکیہ بلا رتیب ہے، کیونکہ یہ تعزیہ منصوبہ فی ثمانصب وعُبِدَ من دون اللہ میں داخل ہے کقولہٖ تعالیٰ کانہم الیٰ نصب وفی قراءۃ بضم الحرفین شئ منصوب کعلم او رایۃ یوفضون یسرعون کذا فی تفسیر الجلالین

پس تعزیہ بنانا اور ساتھ نشان توقیر و تعظیم کے چبوترہ یا کسی بلند مقام پر قائم کرنا اور رکھنا، اور نذر و نیاز بتوقع حصول مطالب دنیاری و امید حاجت روائی اور فراخی روزی و طلب اولاد و جاہ و منصب کے اس پر چڑھانا اور اس کی بے ادبی میں نقصان جان و مال کا اعتقاد رکھنا اور بجہت عقیدہ واجب التعظیم کے سلام اور مجرا اور سجدہ اس کو کرنا، جیسا کہ رسم و رواج و عرف و عادت تعزیہ پرستوں کی ہے، صریح بت پرستی ہے، مانند بت پرستی کفار مکہ مکرمہ وغیرہم کے ایام جاہلیت میں، کیونکہ کفار مکہ معظمہ نے تین سو بت تقریباً گرداگرد خانہ کعبہ شریف کے کھڑے کر رکھے تھے، اور نذر و نیاز اور ذبح جانور بنا بر تعظیم بتوں کی کیا کرتے تھے، پس درمیان تعزیہ داران اور کفار بت پرستان مکہ مکرمہ وغیرہ کے کچھ فرق نہیں ہے، اس لئے کہ تعزیہ دار تعزیہ سے اعتقاد جلب منفعت و دفع مضرت کا رکھتے ہیں، جیسے کفار بتوں سے معتقد حصول منافع و دفع مضار کے ہیں، جیسے کفار خدا تعالیٰ کو خالق ارض و سما و کل مخلوقات و مدبر امور کائنات کا جانتے ہیں، ویسے ہی تعزیہ دار بھی جانتے ہیں، پھر کفار کو مشرک و کافر کہنا، اور تعزیہ دار کو نہ کہنا بلا دلیل ہے۔ لقولہ تعالیٰ ولئن سالتہم من خلق السموات والارض لیقولن اللہ الآیۃ قل لمن الارض ومن فیہا ان کنتم تعلمون. سیقولون للہ قل افلا تذکرون قل من رب السموات السبع ورب العرش العظیم سیقولون للہ قل افلا تتقون قل من بیدہ ملکوت کل شئ وھو یجیر ولا یجار علیہ ان کنتم تعلمون سیقولون للہ قل فانی تسحرون. ھذہ الآیات من سورۃ المؤمنون

---

[1] جو کھڑا کیا جائے، اور اللہ کے سوائے اس کی عبادت کی جائے ۱۲ [2] گویا وہ اپنے بتوں کی طرف دوڑتے جاتے ہیں نُصُب بضمتین ہر وہ چیز جو کھڑی کی جائے، جیسے جھنڈا وغیرہ ۱۲ [3] اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمان اور زمین کو کس نے بنایا ہے، تو کہیں گے اللہ نے الآیۃ ان سے پوچھو کہ یہ زمین اور اس کی مخلوقات کس کی ہے، اگر جانتے ہو، تو جواب دو، تو کہیں گے، اللہ کی، آپ کہیں کہ کیا نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو، کہیں ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے کہیں گے اللہ، کیا تم ڈرتے نہیں، کہیں ہر چیز کا اختیار کس کے قبضہ میں ہے، کون پناہ دے سکتا ہے، اور اس کے برخلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا، اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ، کہیں گے اللہ، آپ کہیں پھر تم پر کون سا جادو چل گیا ہے۔

اب اگر کوئی اعتراض کرے، کہ جب کفار اللہ تعالیٰ ہی کو خالق و مالک و رازق و مدبر کل امور، محی و ممیت جانتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو کافر اور مشرک کیوں کہا، ان کے اعمال دنیا کے کیوں ہباءً منثورًا و برباد کر ڈالے، جواب اس کا یہ ہے، کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت خالصًا چھوڑ دی، اور عبادت غیر اللہ حجر و شجر و نشان و جھنڈا و بعض عباد اللہ کاملین کی کرنے لگے، تو ظاہرًا حال کفار کا عبادت غیر اللہ میں مشابہ حال اس شخص کے ہوا، کہ جو ما سوائے اللہ کو واجب بالذات قرار دیتا ہو، اور اعتقاد رکھتا ہو، و الا کفار بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو واجب بالذات اور مدبر امور حقیقۃً نہیں جانتے تھے، چنانچہ جابجا قرآن مجید اور تفاسیر مثل بیضاوی وغیرہ سے صاف مستفاد ہوتا ہے، اور ماہران شریعت پر مخفی نہیں

وتسمیتہ[1] ما یعبدہ المشرکون من دون اللہ اندادا وما زعموا انہا تساویہ فی ذاتہ وصفاتہ ولا انہا تخالفہ فی افعالہ لانہم لما ترکوا عبادتہ الی عبادتہا وسموہا الہۃ شابہت حالہم حال من یعتقد انہا ذوات واجبۃ بالذات قادرۃ علی ان تدفع عنہم باس اللہ تعالی وتمنحہم ما لم یرد اللہ بہم من خیر فتہکم بہم وشنع علیہم بان جعلوا للہ اندادا لمن یمتنع ان یکون لہ ند کذا فی التفسیر البیضاوی تحت قولہ تعالی فلا تجعلوا للہ اندادا وانتم تعلمون

الغرض جو معاملہ کفار اپنے بتوں کے ساتھ کرتے تھے، وہی معاملہ تعزیہ دار تعزیے سے کرتے ہیں چنانچہ آیت کریمہ وما ذبح[2] علی النصب سورہ مائدہ وغیرہا من الآیات ہمارے قول کی مصدق اور شاہد عدل ہیں، تفسیر کبیر کی عبارت کو بغور ملاحظہ فرمائیے

قال ابن جریج النصب لیس باصنام فان الاصنام احجار مصورۃ منقوشۃ وہذہ النصب احجار کانوا ینصبونہا حول الکعبۃ وکانوا یذبحون عندہا للاصنام

[1] مشرکوں کے من دون اللہ معبودوں کو انداد کیوں کہا گیا ہے، حالانکہ وہ ان کو خدا کے برابر نہ ذات میں سمجھتے ہیں، نہ صفات میں، تو جواب یہ ہے، کہ جب انہوں نے خدا کو چھوڑ کر ان کو پوجنا شروع کر دیا تو گویا انہوں نے اس شخص جیسا معاملہ کیا جو سمجھتا ہے کہ وہ بھی مستقل بالذات حیثیت رکھتے ہیں، وہ اللہ کے عذاب کو روک سکتے ہیں، یا ان کی حاجتیں پوری کر سکتے ہیں، تو ان کو اس کا الزام دیا، اور ان کی برائی بیان کی [2] جو بتوں کے تھانوں پر ذبح کیا جائے ۱۲

[3] نصب، صنم (بت) کا نام نہیں، صنم تو وہ پتھر لکڑی وغیرہ تھے، جن کی شکلیں تراشی جاتی تھیں، اور نصب وہ پتھر تھے جن کو خانہ کعبہ کے گرداگرد گاڑ رکھا تھا، ان کے پاس بتوں کو خوش کرنے کے لئے جانور ذبح کرتے تھے، ان کو خون لگاتے

وکانوا یلطخونها بتلك الدماء ویصبغون اللحوم علیها فقال المسلمون یارسول الله کان اهل الجاهلیة یعظمون البیت بالدم فنحن احق ان نعظمه وکان النبی صلی الله علیه وسلم ینکره فانزل الله تعالی لن ینال الله لحومها ولا دماؤها ولکن یناله التقوی منکم وعلم ان قوله وما ذبح علی النصب فیه وجهان احدهما وما ذبح علی اعتقاد تعظیم النصب والثانی وما ذبح للنصب فاللام وعلی یتعاقبان قال الله تعالی فسلام لك من اصحاب الیمین ای فسلام علیك منهم وقال وان اسأتم فلها ای فعلیها انتهی ما فی التفسیر الکبیر وما ذبح علی النصب کانت لهم احجار منصوبة حول البیت یذبحون علیها ویعظمونها بذلك ویتقربون به الیها کذا فی المدارك والبیضاوی۔ اور معنی اس آیت کے یہ ہیں، کہ جو جانور ذبح کیا جاوے اوپر کسی نشان اور تھان کے۔ اور دوسری آیت یہ ہے۔ کانهم الی نصب یوفضون اعلم ان فی نصب ثلاث قراأت احدها وهی قراءة الجمهور نصب بفتح النون و النصب کل شئ نصب والمعنی کانهم الی علم لهم یستبقون والقراءة الثانیة نصب بضم النون وسکون الصاد والمراد بالنصب الانصاب وهی الاشیاء التی تنصب فتعبد من دون الله کقوله تعالی وما ذبح علی النصب۔ تمام ہوئی عبارت تفسیر کبیر کی بیچ سورہ معارج کے کانهم حال الی نصب وهو کل ما نُصِب وعبد من دون الله کذا فی المدارك۔ ساری آیت یہ ہے۔ یوم یخرجون من الاجداث سراعًا کانهم الی نصب یوفضون۔ جس دن نکل پڑیں قبروں سے دوڑتے ہوئے، گویا جیسے کہ نشانہ پر دوڑے جاتے ہیں، کذا فی موضح القرآن۔ اور عبارت تفسیر معالم التنزیل کی یہ ہے وقرأ الآخرون نصب بفتح النون وسکون الصاد یعنون الی شئ منصوب

---

تو مسلمانوں نے کہا اے اللہ کے رسول کافروں کی تعظیم کے لئے ان کو خون وغیرہ لگاتے ہیں، ہمارا زیادہ حق ہے کہ ہم خدا کو خوش کرنے کے لئے ان کو قربانی کا خون لگائیں، تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ کہ اللہ کے پاس خون اور گوشت نہیں پہنچتا اس کے پاس صرف پرہیز گاری پہنچتی ہے، وما ذبح علی النصب کا ترجمہ دو طرح پر ہے، ایک یہ کہ نُصُب کی تعظیم کے عقیدہ سے کوئی چیز ذبح کی جائے، دوسرا یہ کہ نُصُب کے لئے کوئی چیز ذبح کی جائے۔ عربی میں لام اور علیٰ ہم معنی استعمال ہوتے ہیں ۱۲ ۔ ؎۲ نُصُب میں تین قراءتیں ہیں ایک تو یہی جو جمہور کی قراءت ہے، دوم نَصْب اور سوم نُصْب اور معنی ایک ہیں یعنی ہر وہ چیز جسے کھڑا کیا جائے، مثلاً جھنڈا وغیرہ ۱۲

یقال فلان نصب عینی وقال الکلبی الی علم ورایۃ انتہی مافی المعالم
اور مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر عزیزی میں تحت آیت مذکورہ کے فرماتے
ہیں یوم یخرجون یعنے روزے کہ خواہند برآمد تنہا برہنہ بدن و برہنہ سر و برہنہ پا من
الاجداث یعنے از قبرہا سراعا یعنے دوندہ و شتابان بشنیدن آواز نفخ صور حضرت اسرافیل
کانہم یعنے گویا کہ ایشان بسوئے نصبے کہ برائے زیارت از تہ خانہ برآوردہ استادہ کردہ
اند یوفضون یعنے می دوند و می شتابند بقصد آنکہ پیش از ہمہ زیارت او نمایند و بوسہ
دہند و دست با و رسانند بایں طمع کہ ہر کہ دریں وقت پیش آمد انتہی مافی التفسیر العزیزی،
نصب نصب الشیء وضعہ وضعا نابیا کنصب الرمح والبناء والحجر کذا
فی مفردات القرآن للامام الراغب۔
پس آیات و تفسیر ماسبق سے واضح ہوا کہ نصب مبنی شئے منصوب کے ہے اور شئی
منصوب میں علم و نشان ورایت و جھنڈا اور چھڑی اور تعزیہ داخل ہیں، بنا بر تعظیم و تقرب
لغیر اللہ کے کان حکم المثلین واحد والامور بمقاصدہا میں میلہ راون و میلہ تعزیہ کا برابر
ہے، کیونکہ دونوں میں تقرب لغیر اللہ پایا جاتا ہے، یعنے جس طرح کفار کہ نصب کے تقرب
چاہتے تھے، اسی طرح سے تعزیہ سے تعزیہ والا ایک دوسرے سے بڑھ کر تقرب چاہتے ہیں، کیونکہ کوئی دو گز کا کوئی
پانچ گز کا کوئی دس گز کا اونچا ساتھ آرائش زرق برق کے بنا کر تعظیم تمام و احترام تمام چبوترہ پر
قائم کرکے نذر و نیاز اس پر چڑھاتے ہیں، اور ساتھ ادب کے سلام و سجدہ کرتے ہیں، تو یہ سارے
امور مذکورہ موجب شرک جلی اور شعار مشرکین ہیں کما لا یخفی علی العلماء الماہرین
باللہ ربعتہ اور طرفہ تماشا یہ کہ دونوں فرقے یعنے راون والے اور تعزیہ والے بناز و خرام
و تبختر تمام مقابلہ و لڑنے مرنے پر مستعد ہیں، اور ہر فرقہ اپنی شان و شوکت بڑھانے پر نعرہ
ھل من مبارز کا مارتا ہے، نعم ما قیل ؎

طرز خرام کرتی ہے سر سینکڑوں قلم  تلوار چل رہی ہے نئی چال ڈھال پر

القاتل والمقتول کلاھما فی النار[1]۔ اللہ ذی کریم تعالے شانہ سارے مسلمانوں
کو ایسے عقیدہ فاسدہ اور عمل مذموم شرکی تعزیہ داری سے محفوظ رکھے، اور دین محمدی پر
توفیق رفیق عطا فرماوے، اور جو لوگ خود نہیں بناتے، مگر مددگار امور شرکیہ کے ہوتے ہیں

[1] قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں ۱۲

ان کو بھی اس بلائے عظیم تائید شرک سے توبہ نصیب کرے، کہ امداد غیر مشروع سے باز آویں، اور حسب توقیع وتیح فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین کے تعزیہ دار کی صحبت سے احتراز کرتے رہیں، کہ غضب الٰہی میں گرفتار نہ ہوں عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقبل اللہ لصاحب البدعۃ صوما ولا صلوۃ ولا صدقۃ ولا حجا ولا عمرۃ ولا جھادا ولا صرفا ولا عدلا یخرج من الاسلام کما یخرج الشعرۃ من العجین رواہ ابن ماجہ اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی احداث بدعت کرے، یا محدث کو جگہ دے، یا اس کی تعظیم کرے اس پر بھی لعنت خدا کی اور اس کے نماز روزہ حج زکوٰۃ مقبول نہیں۔ من احدث حدثا او اوی محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ عنہ صرفا ولا عدلا رواہ الطبرانی عن ابن عباس رض ورواہ البزار عن ثوبان اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی کسی قوم کی کثرت اور بھیڑ بھاڑ اس کی بڑھا دے، یا تشبہ کرے، وہ اسی قوم سے شمار کیا جائے گا قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کثر سواد قوم فھو منھم ومن تشبہ بقوم فھو منھم کما فی المشکوۃ ای من تشبہ بالکفار فی اللباس وغیرہ او بالفساق او بالصلحاء فھو منھم کذا فی مجمع البحار

حاصل یہ کہ مشارکت دنظاہرت صورت سوال میں صورت رسمیت جاہلیت اولیٰ کی ہے نہ اسلامی فاجتنبوا الرجس من الاوثان۔ یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون الآیۃ فریقین یعنے راون والے اور تعزیہ والے پر حجت قاطع اور برہان ساطع ہے، کیونکہ تعزیہ سازی ونشان وجھنڈا وغیرہ منجملہ انصاب عمل شیطانی بلا ارتیاب

---

لہ یاد آجانے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ مت بیٹھو ۱۲ ؂۲ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بدعتی کا روزہ، نماز، صدقہ، حج، عمرہ، جہاد، فرض اور نفل کچھ بھی قبول نہیں کرتے، وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے بال آٹے سے ۱۲ ؂۳ جو بدعت جاری کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے، اس پر اللہ، فرشتوں، اور سارے جہان کی لعنت ہے۔ اللہ اس سے نفل قبول کرے گا نہ فرض ۱۲ ؂۴ جو کسی قوم کی تعداد بڑھائے، وہ انہی میں سے ہے، جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے، وہ انہی میں سے ہے یعنی کفار یا فساق یا صلحاء سے لباس وغیرہ میں ۱۲ ؂۵ بتوں کی گندگی سے بچو اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان اور تیروں کی فال یہ سب گندے اور شیطانی کام ہیں ان سے بچو تاکہ تم خلاصی پاؤ ۱۲

عند اولی الالباب ہے ۔

دل نے جس راہ لگایا میں اسی راہ چلا　　وادی عشق میں گمراہ کو رہبر سمجھا

واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم سید محمد نذیر حسین　سید محمد نذیر حسین

الامر کذلک قال اللہ تعالیٰ ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمۃ وھم عن دعائھم غافلون وقال اللہ تعالیٰ ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظالمین۔ اخرج الترمذی عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقوم الساعۃ حتی تلحق قبائل من امتی بالمشرکین وحتی تعبد قبائل من امتی الاوثان

اور جب تعزیہ پرست تعزیہ کے سبب ظالمین میں داخل ہوئے، تو تعزیہ پرست مثل اون دکانی والوں کے ہوئے، تو اب دونوں کی شرکت و اعانت مساوی الاقدام ہوئی بلکہ تعزیہ والوں کی اعانت بدتر ہے، کیونکہ بہ سبب تعزیہ پرستی کے کفار اسلام پر بت پرستی کا الزام دیتے ہیں، اور اکثر اوقات مسلمانوں میں تعزیہ پرستی کو دیکھ کر ہدایت سے باز رہتے ہیں، پس جس چیز کے سبب اسلام پر دھبہ لگے، اور طریقہ ہدایت کا مسدود ہو اس چیز کی شرکت و اعانت سراسر اسلام پر ظلم کرنا ہے، اور کیوں ایسے امر قبیح کو مسلمانوں نے اختیار کیا جس کے سبب بمقابلہ کفار ہزیمت اٹھانی پڑے، پس ہر مسلمان پر فرض ہے، کہ ان سب میلوں کی تخریب میں برابر کوشش کرے، بلکہ میلہ تعزیہ داری کے اندراس تخریب میں زیادہ کوشش کرے، تاکہ اسلام پر الزام نہ آوے، اور طریقہ ہدایت کا مسدود نہ ہو، اور ہزیمت بھی نہ اٹھانی پڑے، اور نیز اس میں توہین اہل بیت رضی اللہ عنہم کی لازم آتی ہے، جیسا کہ ماہرین اہل سنت پر مخفی نہیں ہے، پس پرائے شگون پر ناک کٹانی عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔ من لہ عقل سلیم یقتدی بالمصطفی۔ الراقم العاجز تلطف حسین عفی عنہ

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے زیادہ گمراہ کون آدمی ہے جو ان کو پکارے، جو اس کو قیامت تک بھی جواب نہ دے سکیں، اور وہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہیں" اور فرمایا، اللہ کے سوائے ان چیزوں کو مت پکار، جو نہ تجھے نفع دے سکیں، اور نہ نقصان پہنچا سکیں، اگر تو نے ایسا کیا، تو ظالموں سے ہو جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی، جب تک کہ میری امت کے کچھ قبیلے مشرکوں سے نہ مل جائیں اور کچھ قبیلے میری امت کے بتوں کی پوجا نہ کرنے لگیں ۱۲

**سوال:** ہنود کے میلوں میں نظارہ بغرض تجارت یا بلا غرض جانا جائز ہے یا ناجائز؟ نیز تعزیہ داری کے میلوں میں شامل ہونا کیسا ہے؟

**الجواب:** ایسے میلوں میں جانا منع ہے، ہرگز شامل نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس قسم کے تمام منکرات کو ہاتھ اور زبان سے مٹانا چاہیے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دل سے تو ضرور برا جاننا چاہیے صحیح مسلم میں ابو سعید خدری سے مرفوعا مروی ہے من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان دیکھو دعوت کا قبول کرنا اور اس میں شریک ہونا ضروری ہے، مگر وہاں بھی اگر منکرات ہوں تو وہاں نہیں جانا چاہیے، اور اگر جاوے اور جانے کے بعد کوئی امر منکر دیکھے تو لوٹ آنا چاہیے عن علی رضی اللہ عنہ قال صنعت طعاما فدعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجاء فرای فی البیت تصاویر فرجع۔ پس معلوم ہوا کہ ایسے حرام وناجائز ومنکر میلوں میں بذریعہ تجارت بھی نہیں جانا چاہیے۔ واللہ تعالے اعلم الطیب سید عبدالوہاب عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال:** جو شخص مرثیہ خوانی کرے، اور محفل تعزیہ داری میں جاوے، اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جو شخص مرثیہ خوانی کرے، اور محفل تعزیہ داری میں جاوے، سو ایسا شخص اگر نماز پڑھاتا ہو اور کوئی اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاوے، تو اس کی نماز تو ہو جاوے گی مگر ایسے شخص کو بالقصد امام نہیں بنانا چاہیے، اور نماز پڑھانے کے لئے آگے نہیں کرنا چاہیے اس واسطے کہ مرثیہ خوانی اور تعزیہ داری بلا شبہ فسق وفجور کے کام ہیں، اور فسق وفجور کے کام جو راضی ہوا اور اس کی محفل میں جاوے، وہ بھی فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے، مگر اس کو بالقصد امام نہیں بنانا چاہیے۔ حررہ عبدالرحیم اعظم گڈھی کوپوی۔

سید محمد نذیر حسین

**سوال:** ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو کھانے میں اہل وعیال پر وسعت کرے، آیا اس کا ثبوت کوئی شرعی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** محرم کی دسویں تاریخ کو کھانے میں وسعت کرنے کا ثبوت اس حدیث سے

لہ حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی آپ آئے اور گھر میں تصویریں دیکھیں تو واپس چلے گئے

ہوتا ہے عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وسع علی عیالہ فی النفقۃ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر سنتہ قال سفیان انا قد جربناہ فوجدناہ کذلک رواہ رزین وروی البیہقی فی شعب الایمان عنہ وعن ابی ہریرۃ وابی سعید وجابر وضعفہ (مشکوۃ باب فضل الصدقۃ) یعنی ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص عاشوراء کے روز اپنے عیال پر نفقہ میں وسعت کرے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے رزق میں اس سال کے باقی تمام دنوں میں وسعت کرے گا، سفیان نے کہا کہ ہم نے اس کا تجربہ کیا ہے، پس ایسا ہی پایا ہے روایت کیا اس حدیث کو رزین نے، اور روایت کیا اس کو بیہقی نے ابن مسعود رض سے اور ابو ہریرہ رض اور ابو سعید رض اور جابر رض سے اور ضعیف کہا اس حدیث کو۔

اس حدیث کو اگرچہ بعض محدثین نے ضعیف اور ناقابل احتجاج اور بعض نے موضوع بتایا ہے مگر حق بات یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے، اور کثرت طرق کی وجہ سے حسن وقابل احتجاج ہے، حافظ سیوطی تعقبات علی ابن الجوزی صفحہ ۴۹ میں لکھتے ہیں قلت[1] اخرجہ البیہقی فی الشعب من حدیث ابی سعید الخدری وابی ہریرۃ وجابر وقال اسانیدہ کلہا ضعیفۃ ولکن اذا ضم بعضہا الی بعض افاد قوۃ وقال الحافظ ابو الفضل العراقی فی امالیہ حدیث ابی ہریرۃ رض ورد من طرق صحح بعضہا الحافظ ابو الفضل بن ناصر وسلیمان الذی قال ابن الجوزی انہ مجہول ذکرہ ابن حبان فی الثقات قال فالحدیث حسن علی رأیہ وحدیث ابی سعید اخرجہ ابن راہویہ فی مسندہ والبیہقی من طریق عبد اللہ بن نافع عن ایوب بن سلیمان بن مینا عن رجل عن ابی سعید قال الحافظ ابن حجر ولولا الرجل المبہم لکان اسنادہ جیدا لکنہ یقوی بما اخرجہ الطبرانی من طریق محمد بن اسمعیل الجعفری عن عبد اللہ بن سلمۃ الربعی عن محمد بن عبد اللہ بن علی بن عبد الرحمن بن صعصعۃ عن ابیہ عن ابی سعید والجعفری ومن فوقہ مدنیون معروفون

---

[1] اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں ابو سعید خدری، ابو ہریرہ رض اور جابر رض سے روایت کیا ہے، گو یہ تمام سندیں ضعیف ہیں، لیکن ایک دوسرے سے مل کر قوی ہو جاتی ہیں، حافظ ابو الفضل نے کہا ہے کہ ابو ہریرہ رض کی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے ان میں سے بعض کی تصحیح ابو الفضل بن ناصر نے کی ہے، اور سلیمان کو

والجعفری ضعفہ ابو حاتم وشیخہ ضعفہ ابو زرعۃ قال الحافظ العراقی ورواہ البیہقی ایضا من حدیث جابر من روایۃ ابن المنکدر عنہ وقال اسنادہ ضعیف وقد ورد باسناد علی شرط مسلم اخرجہ ابن عبد البر فی الاستذکار من روایۃ ابی زبیر عنہ وقد قال البیہقی ھذہ الاسانید وان کانت ضعیفۃ فھی اذا ضم بعضہا الی بعض احدثت قوۃ مع کونہ لم یقع لہ روایۃ ابی الزبیر عن جابر التی ھی اصح طرق الحدیث قال وقد ورد من حدیث ابن عمر اخرجہ الدارقطنی فی الافراد موقوفا علی عمر اخرجہ ابن عبد البر بسند رجالہ ثقات لکنہ من روایۃ ابن المسیب عنہ وقد اختلف فی سماعہ منہ ورواہ البیہقی فی الشعب عن ابراھیم بن محمد بن المنتشر قال کان یقال فذکرہ قال وقد جمعت طرقہ فی جزء انتہی کلام العراقی واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال** :۔ سوم، چہارم، چہلم وغیرہ کرنا، اور اس کا کھانا، کھانا کیسا ہے، بینوا توجروا

**الجواب** : سوم، چہارم، چہلم وغیرہ سب بدعات ہیں، کیونکہ ان میں سے کسی کا نشان وپتہ قرون ثلاثہ میں نہ تھا، تو بدعات ہوئے، اس سے مسلمانوں کو حذر کرنا بہت ضروری ہے اور اس میں کسی قسم کی شرکت بھی نہ کرنی چاہیئے، اللہ تعالےٰ نے فرمایا نیک کاموں میں مدد کرو، اور برے کاموں پہ مدد نہ کرو۔ تعاونوا[1] علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، اور اس کا کھانا، کھانا بھی نہیں چاہیئے، کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی اعانت ہے، اگرچہ کھانا فی نفسہ حرام نہیں ہے اور امور مذکورہ یعنی سوم ودہم وبستم وچہلم وعرس وغیرہ کے بدعت اور نامشروع ہونے پر یہ حدیث جو صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہے، دلیل صریح وقوی ہے من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد کما رواہ البخاری وغیرہ من المحدثین یعنی جو کوئی عمل کرے، کہ جس پر ہمارا حکم نہ ہوا ہو وہ مردود ہے، پس بموجب اس حدیث کے سارے امور مذکورہ بالا بدعت ومحدث میں داخل ہیں،

---

ابن جوزی نے مجہول کہا ہے، حالانکہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں بیان کیا ہے، بہرحال اس حدیث کو دوسرے طرق سمیت محدثین نے قابل احتجاج سمجھا ہے، گو یہ ضعیف ہے، لیکن اس پر کسی عقیدہ کی بنیاد نہیں ہے امام بیہقی نے ایک رسالے میں اس کے تمام طرق جمع کئے ہیں، واللہ اعلم ۱۲

[1] ایک دوسرے کا نیکی اور تقوے پر تعاون کرو، گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون مت کرو ۱۲

اور نیز حضرت نے فرمایا ہے شر الامور محدثاتہا کما فی صحیح البخاری وغیرہ خداوند کریم تمام مسلمان بھائیوں کو بدعت سے بچا دے وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب

| | | |
|---|---|---|
| سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ | سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹ | محمد ابراہیم ۱۳۰۲ |
| المعتصم بحبل اللہ الاحد | محمد یوسف ۱۳۰۳ | محمد عبد الحمید ۱۲۹۳ |
| ابو البرکات حافظ محمد | محمد عبد الغفار ۱۲۶۸ | محمد عبد العزیز ۱۲۸۸ |

**سوال**:- تیجا کرنا یعنے بعد مرنے مردوں کے تیسرے دن جو لوگ جمع ہوکر قرآن پڑھتے ہیں، اور چنیوں پر کلمہ پڑھ کر تقسیم کرتے ہیں، اور دسواں، بیسواں، چالیسواں، چھ ماہی، برسی کرنا کیسا ہے

(۲) مردہ کو دفن کرنے کے بعد جمعہ کے دن تک کسی کو قبر پر قرآن پڑھنے کے واسطے بٹھانا اور جب جمعہ کا دن آیا جمعہ کے سپرد کرکے چلے آنا، اس اعتقاد سے کہ جب تک جمعہ کا دن نہیں آیا ہے، قرآن پڑھنے کے سبب سے منکر نکیر نہیں آئیں گے، اور اس پر عذاب نہ آوے گا، یہ فعل شرع سے ثابت ہے یا نہیں، اور بصورت نہ ہونے کے عقیدہ رکھنے والا اس کا کیسا ہے؟

**الجواب**:- دونوں سوالوں کا یہ ہے، کہ تیجا اور دسواں، بیسواں، چالیسواں، چھ ماہی، برسی اور گیارہویں، اور فاتحہ مروجہ، شب برات کرنا، اور اس طریقہ خاص سے جمع ہوکر قرآن اور کلمہ پڑھنا خواہ مکان میں بیٹھ کر، خواہ قبر پر، اور مردے کے دفن کے بعد جمعہ تک قبر پر بٹھانا یہ سب بدعت و گمراہی ہے، کسی حدیث سے ثابت نہیں، اور نہ صحابہ کا اس پر عمل ہوا، اور نہ کسی مجتہد سے استحباب ان افعال کا منقول ہے، حاصل یہ ہے، کہ یہ طریقے سب ایصال ثواب کے لئے ساتھ تقید اور تعیین روز و ماہ کے اور التزام قیودات مرسومہ کا کسی دلیل سے دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں، اور کرنے والا ان افعال کا مبتدع ہے

شیخ عبد الحق نے مدارج النبوۃ میں لکھا ہے" وعادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور و نہ غیر آن واین مجموع بدعت است نعم برائے تعزیت اہل میت جمع و تسلیہ و صبر فرمودن ایشان را سنت و مستحب است اما این اجتماع مخصوص روز سوم و ارتکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامی بدعت است و حرام

ل پہلے یہ دستور نہیں تھا، کہ میت کے لئے جمع ہوں، اور قرآن پڑھیں اور ختم کریں، نہ قبر پر نہ کسی اور جگہ پر یہ تمام بدعتیں ہیں ہاں میت کے اقرباء سے تعزیت کرنا ان کو صبر کی تلقین کرنا سنت اور مستحب ہے اور جو تیسرے روز لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، اور یتیموں کا مال آکر بے جا صرف کرتے ہیں، یہ سب حرام اور بدعت ہے ۱۲

انتہی، وفقیہ محمد بن محمد کردری نے فتاوی بزازیہ میں لکھا ہے
یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ بقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقراءۃ سورۃ الانعام والاخلاص انتہی اور فتاوے جامع الروایات میں ہے، فی شرح المنہاج للنووی الاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود واطعام الطعام فی الایام المخصوصۃ کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشہر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ انتہی۔
شیخ ولی اللہ المحدث رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت نامہ میں لکھا ہے، دیگر از عادات شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتم ہا وسوم وچہلم وششماہی وفاتحہ سالینہ واین را در عرب اول وجود نبود انتہی، بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خاص مذہب یہ ہے، کہ قراءۃ قرآن مطلقاً قبر کے پاس مکروہ ہے، جیسا کہ عبدالوہاب شعرانی نے میزان کبری میں تصریح کی ہے حررہ ابوالطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

| سید محمد نذیر حسین | ابوالطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق |
|---|---|

**سوال:**- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ماتم وتعزیت پرسی کرنے والوں کو اہل میت کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں، اور دوسرے، تیسرے، چوتھے دن جو مرد اور عورتیں رسم کے طور سے جمع ہوتی ہیں، اس میں کھانا کھانا اور جمع ہونا درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔
**الجواب:**- درصورت مرقومہ ارباب شریعت غرا پر مخفی نہیں، کہ طریق مسنون یہ ہے کہ تعزیت اور ماتم پرسی کرنے والے جو نزدیک اور ایک بستی کے ہوں، ان کو کھانا اہل میت کے گھر کا نہ چاہیے کیونکہ یہ امر جاہلیت سے ہے، بلکہ قریب اور پاس والوں کو چاہیے کہ تعزیت اہل میت کی کرکے اپنے اپنے گھر چلے جاویں نہ یہ کہ اہل میت کے گھر دھرنا دیں کھانا کھانے کے لئے، اور جو لوگ دور دراز مسافت بعیدہ سے تعزیت کے لئے آویں، ان کو کھانا کھانا اہل میت کے گھر کا مضائقہ نہیں، اس لئے کہ ان کو اپنے گھر پہنچنا دشوار ہے، اور یہ رسم نامشروع

لہ پہلے اور تیسرے اور دسویں روز کھانا پکانا، اور کھانا قبر پر لے جانا قرآن پڑھنے کے لئے فقراء اور صلحاء اور علماء کو جمع کرنا سب حرام ہے
ے تیسرے روز اکٹھا ہونا اور پھول اور عود تقسیم کرنا، اور ایام مخصوصہ میں کھانا پکانا مثلاً تیسرے، پانچویں، نویں، دسویں، بیسویں چالیسویں دن اور چھٹے مہینے یا سال کے بعد یہ سب بدترین قسم کی بدعات ہیں۔

جو مروج ہے، کہ دوسرے دن یا تیسرے دن یا چوتھے دن چند جاہل و نساء کہ برادری وغیرہ کے اہل میت کے گھر جمع ہوتے ہیں، اور اہل میت چار و ناچار اگرچہ مقدور نہ ہوں، روپیہ سودی یا قرض دام کر کے کھانا پکوا کر حاضرین کو کھلاتے ہیں، سو یہ امور جاہلیت سے ہے، اس کو سارے علماء قرناً بعد قرن منع کرتے آئے ہیں، اور نامشروع جانتے ہیں، اور جس مقام میں عورتیں رونے پیٹنے کے لئے جمع ہوتی ہیں، اور اہل میت ان کے واسطے کھانا پکواتے ہیں، اور کھلاتے ہیں، ان کو زیادہ موجب معصیت کا ہے، کہ اعانت اوپر نوحہ و معصیت کے کرتے ہیں اور ضیافت شرع شریف میں بروقت سرور اور مقام خوشی کے جیسے تقریب شادی و عقیقہ وغیرہ کے مشروع ہے، نہ بروقت شرور و حزن و ماتم و مصیبت کے کہ ایسے وقت میں ضیافت کرنی بہ ثبات مستقبح ہے اتخاذ[1] الطعام من اهل البيت بدعة مستقبحة لانه شرع فى السرور لا فى الشرور كذا فى فتح القدير والبحر والطحطاوى وغيره من كتب الفقه۔

اسی نظر سے وصیت میت کی جو ایسے کھانے کی کر جاوے باطل ہے تنویر الابصار اور در مختار میں لکھا ہے اوصى بان يتخذ الطعام بعد موته للناس ثلاثة ايام فالوصية باطلة كذا فى الخانية عن ابى بكر البلخى وعن ابى جعفر اوصى باتخاذ الطعام بعد موته يطعم الذين يحضرون للتعزية جاز من الثلث ويحل لمن طال مقامه او مسافته لا لمن لم يطل كذا فى تنوير الابصار والدر المختار والفتاوى العالمگيريه وغيره من كتب الفقه وتفسير طول المقام ان لا يبيتوا فى منازلهم وانما قلنا يمنع اتخاذ الضيافة فى ايام الماتم وهى ثلاثة ايام لانها ايام تاسف والضيافة انما تتخذ عند السرور لا فى الشرور وان اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا كذا فى الغرائب

---

[1] میت کے گھر والوں کی طرف سے کھانے کا بندوبست ہونا بہت بری بدعت ہے کیونکہ دعوت خوشی کے وقت ہوتی ہے، نہ مصیبت کے وقت فتح القدیر، بحر طحطاوی وغیرہ کتب فقہ میں ایسا ہی لکھا ہے ۱۲

[2] اگر مرنے والا وصیت کرے، کہ موت کے بعد تین دن تک کھانا پکانا، تو یہ وصیت باطل ہے، ابو بکر بلخی اور ابو جعفر نے کہا، اگر یہ وصیت کرے کہ تعزیت کے لئے آنے والوں کو کھانا کھلانا، تو یہ وصیت ثلث سے پوری کی جائے گی، اور یہ کھانا ان آدمیوں کے لئے جائز ہوگا، جن کو زیادہ دیر ٹھہرنا ہو، یا جن کی مسافت دور ہو، زیادہ دیر ٹھہرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات کو واپس نہ جائیں، اور ہم نے جو یہ کہا ہے، کہ ماتم اور افسوس کے تین دنوں میں کھانا پکانا منع ہے، تو یہ اس لئے

الطعام الذی یصنعہ اهل المیت فیجتمع علیہ النساء والرجال فهو فعل قوم لاخلاق لهم فی الدین وقال احمد بن حنبل هو من فعل الجاهلیۃ وروی ابن ماجۃ فی سننہ عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعۃ الطعام من النیاحۃ انتهی ما فی تذکرۃ القرطبی المالکی، پس بموجب روایات مرقومہ بالا کے ایسے امور جاہلیت کا مٹانا اور موقوف کرنا عین ثواب اور خیرخواہی شرع شریف کی ہے اور اس سے غفلت اور درگذر کرنا کمال سفاہت اور قباحت ہے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم مسلمانوں میں یہ دستور ہے، کہ جب کوئی مرد یا عورت مر جاوے، اور کفن وغیرہ کا فکر کیا جاوے، تو ساتھ ہی اس کے جو برادری کے آدمی دفن کرانے کو ہمراہ میت کے جاتے ہیں، ان کے کھانے کا بھی انتظام کیا جاتا ہے، اور برادری کے آدمی سب مل کر کھاتے ہیں، اس کھانے کا نام حاضری رکھا ہے، چاہے اس کو مقدور ہو یا نہ ہو، ایسا ہی دسواں اور بیسواں اور اس سے زیادہ چالیسواں کہ کل برادری کو کھانا کھلانا پڑتا ہے، اور اگر کسی شخص کے پاس کچھ نہ ہو اور برادری کو نہ کھلاوے، تو برادری کے لوگ زبردستی سے کھانا لیتے ہیں، بلکہ مجبور ہو کر سودی روپیہ لے کر برادری کو کھانا کھلانا پڑتا ہے، ایسا کھانا شرعاً جائز ہے یا مکروہ یا حرام ہے بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ صورت مسئولہ میں اہل موتے کے گھر جو برادری کے لوگ اس دن کھانا کھاتے ہیں، وہ بدعت ہے، شریعت میں کہیں ثابت نہیں، ان کو چاہیئے کہ اس سے توبہ کریں۔ بلکہ یہ لوگ خود کھانا پکا کر اس دن اہل موتے کے گھر روانہ کریں، کیونکہ ترمذی شریف میں عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے، کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جعفر کے شہید ہونے کی خبر پہنچی، تو لوگوں سے آپ نے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے واسطے

---

ہے، کہ وہ افسوس کے دن ہیں، اور ضیافتیں تو خوشی کے وقت ہوتی ہیں، غمی میں نہیں ہوتیں۔ اور اگر محتاجوں کے لئے کھانا پکائے تو اچھا ہے، غرائب میں ہے، کہ وہ کھانا جو میت کے گھر والے پکاتے ہیں، اور عورتیں اور مرد اس پر جمع ہوتے ہیں، یہ اس قوم کا فعل ہے، جس کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہے، امام احمد نے کہا یہ جاہلیت کی رسم ہے جریر بن عبداللہ نے کہا کہ میت کے گھر اکٹھا ہونا، اور کھانا پکانا نوحہ کی ایک قسم ہے ۱۲۔

کھانا تیار کرو، کہ ان کو اس مصیبت میں کھانا پکانے کی فرصت نہیں، اور مشکوٰۃ شریف میں بھی یہ حدیث موجود ہے، لفظوں میں کچھ فرق ہے، اسی طرح دسواں، بیسواں، چالیسواں کہ اس کی بھی شریعت میں کچھ اصل نہیں ہے، مطلق ثواب پہنچانا میت کے لئے بلا قید ایام مذکورہ کے درست ہے، اور شریعت سے ثابت ہے، کہ میت کو سعی احیاء سے دو طرح پر نفع پہنچتا ہے، اول یہ کہ خود وہ اپنی حیات میں کوئی سبب اپنے ثواب کا مثل خیرات جاریہ مقرر کر جائے، اور احیاء اس کو جاری رکھیں، دوسرے یہ کہ مسلمان اس کو دعائے مغفرت و صدقہ و حج وغیرہ کے ساتھ یاد کریں۔ اتفق اھل السنۃ ان الاموات ینتفعون من الاحیاء بامرین احدھما ما تسبب الیہ المیت فی حیاتہ والثانی دعاء المسلمین و استغفارھم والصدقۃ والحج کذا فی شرح الفقہ الاکبر لملا علی القاری و اللہ اعلم۔ حررہ حبیب احمد دھلوی سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسم مروج تیجا و دسواں و بیسواں و چالیسواں و چھماہی و برسی کہ اہل اسلام میں جاری ہے، عند الشرع جائز ہے یا ناجائز بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ درصورت مرقومہ رسومات مذکورہ مکروہ و بدعت ہیں کیونکہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ رض و تابعین و مجتہدین میں ان امور کی کچھ اصل و سند نہیں پائی جاتی، لہٰذا علمائے رحمۃ اللہ علیہم نے ان رسومات کو بدعت ممنوع اور قبیحہ سے شمار کیا ہے۔ یکرہ[1] اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقابر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقرأۃ القرآن وجمع الصلحاء والفقراء للختم او لقرأۃ سورۃ الانعام او الاخلاص انتہی ما فی البزازیۃ۔

اور فتاوے جامع الروایات میں شرح منہاج نووی سے نقل کرتا ہے فی[2] شرح المنہاج للنووی والاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود واطعام فی الایام المخصوصۃ کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین

[1] پہلے اور ساتویں دن کھانا پکانا، اور اس کو قبر پر لے جانا قرآن ختم کرانے کے لئے دعوت کرنا، اور علماء صلحاء و فقراء کو قرآن خوانی کے لئے جمع کرنا مکروہ ہے (بزازیہ) [2] تیسرے روز قبر پر اکٹھا ہونا اور پھول، عود، کھانے کا مخصوص دنوں میں تقسیم کرنا مثلاً تیسرے، پانچویں، نویں، دسویں، بیسویں، چالیسویں، چھٹے مہینے اور سال بعد یہ سب بدعت اور منع ہیں

والشہر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ۔ اور شیخ علی المتقی استاد شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے رسالہ رد بدعت میں فرماتے ہیں الاول الاجتماع للقراءۃ بالقرآن علی المیت بالتخصیص علی المقبرۃ او المسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ لانہ لم ینقل فی الصحابۃ رضی اللہ عنہم شیئا انتہی۔

وصاحب قاموس مجدالدین فیروزآبادی نے بیچ سفر السعادت کے لکھا ہے، کہ "عادت نہ بود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات کنند نہ بر گور و نہ غیر آن مکان و این بدعت است و مکروہ، اور نصاب الاحتساب وغیرہ میں ان امور مذکورہ کے بدعت اور کراہت میں بہت کچھ لکھا ہے، پس تعین اوقات مخصوصہ میں ایصال ثواب کرنا بدعت اور مکروہ ہے، اور بغیر قید دن مقررہ کے ثواب میت کو پہنچانا درست و جائز ہے، جیساکہ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں رواج تھا، اور رسومات مروجہ اس دیار کے بدعت اور کراہت تحریمی سے خالی نہیں، جیساکہ علمائے متبعین شرع شریف پر پوشیدہ نہیں، واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

| سید محمد نذیر حسین | محمد قطب الدین |
|---|---|
| محمد عبیداللہ | محمد ہاشم |
| سعادت علی | |

## سوال[1]

**الجواب:** بوسہ قبر حقیقی غیر فرضی ہرگاہ جائز نہ شود، چہ جائے کہ قبر فرضی لہذا در مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی می نویسند بوسہ دادن قبر را و سجدہ کردن آن را و گلہ نہادن حرام و ممنوع است، و در بوسہ دادن قبر والدین روایت فقہی نقل می کنند و صحیح آن است کہ لا یجوز است و ادنی لا یجوز گناہ صغیرہ است و اصرار بر آن کبیرہ است چنانکہ

لہ میت کے لئے قرآن پڑھنے کے لئے جمع ہونا خصوصاً قبرستان میں یا مسجد میں یا اس کے گھر تو یہ بدترین قسم کی بدعتیں ہیں، کیوں کہ صحابہ کرام سے ان میں سے کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہے ۱۲ سلہ یہ دستور نہیں تھا، کہ میت کے لئے جمع ہو کر قرآن پڑھیں، ختم کرائیں، نہ قبر پر نہ کسی اور جگہ پر یہ بدعت ہے اور مکروہ ہے ۱۲

سلہ اصلی قبر کو بھی جب بوسہ دینا جائز نہیں ہے، تو فرضی قبروں کو بوسہ دینا کیسے جائز ہوگا، چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں " قبر کو بوسہ دینا، سجدہ کرنا، اس پر رخسار رکھنا حرام و ممنوع ہے، والدین کی قبر کو بوسہ دینے کے متعلق ایک روایت نقل کرتے ہیں، وہ بھی جائز نہیں ہے، اور جائز نہ ہونے کا مطلب کم از کم صغیرہ گناہ ہے

(۱) اس سوال کی عبارت نہیں مل کی، جواب سے سوال کی نوعیت ظاہر ہے۔

در کتب فقہ وعقاید مرقوم است، وآنچہ حوالہ ملا علی قاری کردہ درمسائل تہمہ نیز دروغ بے فروغ است، چراکہ ہرگاہ ہمہ فقہاء حنفیہ ناجائز ومکروہ نویسند ملا علی قاری چگونہ جائز خواہد نوشت، چنانکہ درفتاوے بزازی ومستملی شرح منیۃ المصلی وتبیین المحارم وغیرہ مذکور است یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والفقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الحزن وھی بدعۃ مستقبحۃ کما فی المستملی شرح منیۃ المصلی وشرح الھدایۃ للعینی وشیخ عبدالوھاب متقی استاذ شیخ عبدالحق المحدث الدھلوی۔

ونیز استاذ ملا علی قاری دررسالہ خودمی نویسند کہ ختم خواندن قرآن مجید روز سیوم درمسجد یا درخانہ چنانکہ رسم است بدعت است زیراکہ از آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام وتابعین ومجتہدین عظام ثابت نشدہ، وعلامہ حسام الدین سنامی در رسالہ خود بست وپنج وجہ مفاسد درباب سیپارہ خواندن روز سیوم وچہارم نقل کردہ ودرجامع الروایات نیز لوجہ بسط نظر باید کرد، وکتب دیگر مذاہب ہم برین منوال است، چنانچہ امام نووی شافعی درشرح مہذب وقرطبی مالکی درتذکرہ خود امور مذکورہ را بدعت وکراہت نوشتہ اند، وجناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی درترجمہ مشکوۃ شریف وشرح

---

اور اس پر اصرار کرنے سے گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے، اور وہ جو ملا علی قاری کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں، وہ بھی خالص جھوٹ ہے، کیونکہ جب تمام فقہاء اس کو ناجائز لکھتے ہیں، تو ملا علی قاری اس کو کیسے جائز کہہ سکتے ہیں چنانچہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ "تیسرے اور ساتویں روز کھانا پکانا اور اس کو قبر پر لے جانا اور قرآن خوانی کے لئے مدعو کرنا، اور فقراء وصلحاء کو ختم قرآن کے لئے بلانا سب مکروہ ہے، اور میت کے گھر والوں سے ضیافت کھانا بھی ناجائز ہے کیونکہ ضیافت خوشی میں ہوتی ہے نہ کہ غم میں، یہ بدترین قسم کی بدعت ہے" احناف میں یہ مضمون علامہ عینی شیخ عبدالوہاب متقی شیخ عبدالحق دہلوی اور ملا علی قاری کی کتابوں میں صراحۃً پایا جاتا ہے علامہ حسام الدین سنامی نے اپنے رسالہ میں میت پر قرآن خوانی کے متعلق پچیس وجہیں اس کے باطل اور ناجائز ہونے کے متعلق لکھی ہیں "جامع الروایات" میں اس مضمون کو بڑے بسط سے بیان کیا ہے، امام نووی شافعی نے شرح مہذب میں اور قرطبی مالکی نے اپنے تذکرہ میں ان تمام امور کو بدعت سیئہ قرار دیا ہے شیخ عبدالحق محدث

فارسی آن می نویسند، کہ اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چنانکہ در کردن است در ناکردن است انتہی یعنے آنچہ کردہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دران تابعداری باید نمود، وآنچہ نہ کردہ درین ہم تابعداری در نہ کردن آن چنانکہ بر دانندگان مخفی نیست، کہ بزمان برکت نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام وتابعین وتبع تابعین ومجتہدین مقرر کردن روز سیوم چنانکہ رسم درین زمانہ افتادہ ہرگز نبود، ودر ہیچ کتب ائمہ اربعہ ومحدثین متقدمین ومتاخرین محققین این امر مذکور ومروی نہ شدہ پس لا بد در حیز بدعت وکراہت خواہد بود ودرین دلا بسبب فقدان کتب دینیہ ازین شہر برین چند سطر بر سبیل اکتفا رفتہ ان شاء اللہ تعالیٰ از عقب درین باب از دہ دوازدہ کتاب فقہ معتبرہ سند اولہ عزیا وشرقا نوشتہ بشرط فرصت خواہم فرستاد وبرادران دینی را لازم است کہ درانچہ از آن سرور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ مجتہدین ماثور ومنقول ومعمول بہ شدہ اند پیروی واتباع نمایند، چہ محب را باید کہ اتباع محبوب خود درانچہ کردہ ودر آنچہ نہ کردہ کنند، وخلاف فعل وے نمایند تا اتباع راست آید، واللہ اعلم بالصواب

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین |

نعم التحقیق وحبذا التوفیق والحق ان ھذا الشئ عجاب فاعتبروا یا اولی الالباب

| محمد عبد الرب | حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ | محمد اسد علی | اسلام آبادی

سوال :- چہ می فرمایند علمائے محققین دین اندرین مسئلہ کہ عبادت شاقہ ونفس کشی در کثرت ثواب وقرب الٰہی افضل واو سے واوفق است یا اتباع واقتدائے محبوب رب العالمین، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم افضل والزم وموجب زیادت قرب الٰہی ست امید دارم کہ بدلائل کتاب وسنت بلا رو ورعایت احدی ارشاد فرمایند، کہ امت مرحوم

دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی جیسے اعمال کے بجا لانے میں ہے، اسی طرح منہیات سے اجتناب کرنے میں بھی ہے"

علمائے کرام جانتے ہیں کہ ان تمام چیزوں کا نام ونشان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین کے زمانے میں نہیں تھا، لہٰذا یہ بدعت ثابت ہوئے، اور بدعت سے ہر مسلمان کو پرہیز کرنا چاہیئے، یہ مختصر جواب ارسال ہے، اس کے بعد انشاء اللہ فقہ کی دس بارہ معتبر کتابوں کی عبارتیں نقل کرکے آپ کو مفصل جواب لکھوں گا، واللہ اعلم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ عبادات شاقہ اور نفس کشی ثواب کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع زیادہ بہتر ہے؟ امید ہے کہ کتاب وسنت سے اس کا جواب عنایت فرمائیں گے،

بران کار بند شود، وازافراط وتفریط باز ماند۔

**الجواب**۔ کثرت ثواب وقرب الٰہی در اتباع ورضا جوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاصل خواہد بود، نہ در عبادت شاقہ ونفس کشی کہ خلاف طریقہ مرضیہ آن خیر البریہ صلی اللہ علیہ وسلم باشد، ومواظبت ومداومت بران دشوار تر شود، پس بر نوید جاوید لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ عمل باید کرد، وتاویل فاسدہ وتخیلات نفسانیہ دران نشاید

خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

زیرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحکم رب العالمین واحکم الحاکمین بملت حنیفیہ سمحہ سہلہ مبعوث ومامور شدند باشرف احوال چنانکہ فرمان عالی شان فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا الآیۃ وماجعل علیکم فی الدین من حرج الآیۃ ویرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر وغیرھا من الآیات بران شواہد عادلہ ہستند

چون طمع خواہد زمن سلطان دین　　خاک بر فرق قناعت بعد ازین

در صحیح بخاری بابے است، در بیان قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرمود احب الدین الی اللہ محبوب ترین دینہا بسوے خدا تعالیٰ الحنیفیۃ طریقہ ایست کہ منسوب بسوے حنیف است، یعنی ملت ابراہیم خلیل الرحمن علیہ الصلوۃ والسلام وحنیف در لغت بمعنے میل کنندہ است از باطل بسوے حق السمحۃ طریقہ ایست کہ آسان باشد، انتہی مافی صحیح البخاری۔

قولہ احب الدین ای خصال الدین لان خصال الدین کلھا محبوبۃ لکن ماکان منھا سمحا ای سہلا فھو احب الی اللہ ویدل علیہ مارواہ احمد بسند صحیح من حدیث اعرابی لم یسمہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ثواب زیادہ ہے، نہ کہ عبادات شاقہ میں جو سنت کے خلاف ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسان دین دے کر بھیجا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ابراہیم حنیف کے مذہب کی پیروی کرو" الآیۃ "اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی" الآیۃ "اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتے ہیں نہ کہ تنگی" وغیرہ۔ بخاری شریف میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارا دین حنیف ہے، جو آسان ہے، مطلب یہ ہے کہ دین کے تمام امور ہی خدا تعالیٰ کو پسند ہیں لیکن سب سے زیادہ پیارا

یقول خیر دینکم ایسرہ الحدیث والحنیفیۃ ملۃ ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام والحنیف فی اللغۃ ما کان علی ملۃ ابراھیم وسمی ابراھیم حنیفا لمیلہ عن الباطل الی الحق لان اصل الحنف المیل والسمحۃ ای السھلۃ ای انھا مبنیۃ علی السھولۃ لقولہ تعالی وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم الی اخر ما فی فتح الباری شرح صحیح البخاری السمحۃ السھلۃ الابراھیمیۃ الحنیفیۃ المخالفۃ لادیان بنی اسرائیل وما یتکلفہ احبارھم من الشدائد واحب بمعنی المحبوب لا بمعنی محب وھذا تعلیق اسندہ ابن ابی شیبۃ فیما قالہ الزرکشی والبخاری فی الادب المفرد واحمد بن حنبل فیما قالہ الحافظ ابن حجر وغیرہ وانما استعملہ المؤلف فی الترجمۃ لانہ لیس علی شرطہ ومقصودہ ان الدین یقع علی الاعمال لان الذی یتصف بالعسر والیسر انما ھو الاعمال دون التصدیق انتہی ما فی القسطلانی شرح صحیح البخاری۔

فی الجملۃ دین سہل ترکہ شائبہ حرج وتنگی دران نہ باشد آن ملت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ است زیرا کہ حق تعالے درشان آن فرمود وما جعل علیکم فی الدین من حرج واین دین محمدی بہ نسبت تمام ملل وادیان اسہل وارفق است چنانچہ قول خداوند کریم ازعرض حال وقال بندگان فرمود ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ازان خبرے دہد یعنے اے رب العالمین وارحم الراحمین اعمال شاقہ کہ در امتہائے سابقہ واشتہ بود ازین امت مرحومہ برطرف وموقوف فرمودہ واحکام سہلت الوجود مشروع نمود الاصر فی اللغۃ الثقل والشدۃ انتہی ما فی التفسیر الکبیر وغیرہ

وعن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان الدین یسر ہر آئینہ دین وآئین من آسان است ازین قول رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم رد وانکار نامے شود برمنکران آسان بودن دین محمدی را والتکلیف بان رد

---

آسان مسلک ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین دین وہ ہے جو آسان ہے اللہ تعالے کے بندوں کو تعلیم فرمایا ہے کہ خدا کے بندے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا پہلے لوگوں پر ڈالا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دین آسان ہے" اس حدیث سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے جو کہتے ہیں

علی منکر بسیر ھذا الدین فاما ان یکون المخاطب منکرا او نقدیرا تنزیلہ منزلتہ او علی تقدیر المنکرین من المخاطبین او نکون القصۃ مما یھتم بھا کذا فی القسطلانی فی شرح صحیح البخاری۔ ولن یشاد الدین الا غلبہ ہرگز مغالبہ ومقابلہ کردہ نہ شود دین را مگر آن کہ غالب می شود دین آن مقابل را۔ ودر بعضے روایات آمدہ لن یشاد الدین احد الا غلبہ یعنے تعمق وتکلف نمی کند ہیچ کس در دین بارتکاب اعمال شاقہ وترک افعال سہلہ مگر آن کس عاجز شود ومغلوب گردد، ودین باوجود آنکہ یسیر وآسان است بروغالب آید یعنی در آخر الامر مضطر بسوئے عمل بر خصت وسہولت خواہد بود، وترک افضل وقصور در ادائے فرائض وواجبات ازو بوقوع آید، وطلب الکل فوت الکل گردد،

ومقصود الشارع منع الافراط المؤدی الی الملال او المبالغۃ فی التطوع المفضی الی ترک الافضل او اخراج الفرض عن وقتہ کمن بات یصلی اللیل کلہ ویغالب النوم الی ان غلبتہ عیناہ فی اخر اللیل فنام عن صلوۃ الصبح فی الجماعۃ او الی ان خرج الوقت المختار انتہی ما فی الفتح الباری وع ـــ

کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

فسددوا پس لازم گیرید صواب را در قول وفعل وتجاوز نہ کنید از اعتدال بسوئے افراط وتفریط وقاربوا ونزدیک باشید در طریق ریاضت وعبادت بسہولت کہ بران مواظبت می توانید کرد ودر مقاربت میانہ روی قرب الٰہی بجوئید وابشروا ومژدہ دہید بثواب جزیل بر عمل دائم اگرچہ قلیل باشد یا خوش باشید وان واستعینوا بالغدوۃ وطلب یاری کنید بر دوام عبادت وقیام ریاضت بہ بگاہ یعنے اول وقت والروحۃ بآخر وقت بعد زوال وشیئ من الدلجۃ وبچیزے از سیر آخر شب، پس گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کہ دین پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے، حضور نے فرمایا، جو دین میں سختی اختیار کرے گا، دین اس پر غالب آجائے گا" یعنے وہ ریاضات شاقہ سے تنگ آکر بالآخر رخصت پر عمل کرنے پر مجبور ہو جائے گا، اور اس صورت میں طلب الکل فوت الکل کا مصداق بن جائے گا، شریعت کا مقصد یہ ہے، کہ ایسی نفلی افراط سے بچنا چاہیے، جو ترک نفل کرائے یا واجب وفرض میں خلل ڈالے مثلاً کوئی ساری رات نفل پڑھے اور آخری وقت میں اس پر نیند غالب آجائے، اور صبح کی نماز ضائع ہو جائے پس تم افراط تفریط سے بچو، اور ریاضت شاقہ سے بچتے ہوئے سہولت اختیار کرو، کہ اس پر تم مواظبت اختیار کر سکو گے، اور لوگوں کو ملازمت پر اجر جزیل کی بشارت سناؤ، اور کچھ سفر پہلے پہر کر لیا کرو، اور

باین کلام برکت التیام درین مقام تشبیہ داد عامل را بہ مسافر بسبیل استعارہ ومخاطب کرد مسافرے کہ بسوئے یک مقصد سفر نمودہ باشد، پس وے را براوقات نشاط متنبہ ساخت زیراکہ مسافر وقتے کہ تمام شب و روز سیر کند البتہ عاجز می شود و بمقصد خود نمی رسد، وہرگاہ کہ دریں اوقات نشاط سیر کند بلا ریب اور امداومت بر مسافرت آسان شود، و بمقصد خود واصل گردد، و این استعارہ باحسن وجہ واقع گردید، زیراکہ دنیا دار نقل است بسوئے دار آخرت وفی روایۃ ابن ابی ذیب القصد القصد بالنصب فیہما علی الاغراء القصد الاخذ بالامر الاوسط انتہی مافی فتح الباری مختصرًا ومصنف این حدیث را ازان جہت آوردہ، کہ این حدیث مناسب الرائے احادیث سابقہ است چہ آن احادیث متضمن ترغیب اند، در قیام وصیام و در جہاد وغیرہ پس ارادہ کرد کہ بیان نماید کہ اولے وافضل برائے عامل شریعت آن است، کہ درین اعمال حداعتدال وتوسط بجبز افراط وتفریط اختیار کند، تا دوام برآن اعمال میسر گردد، واز جہت ملال وکسل ترک آن اعمال بالکل حاصل نیاید، ہذہ خلاصۃ مافی فتح الباری وغیرہ رواہ البخاری، روایت کرد این حدیث را امام بخاری در صحیح خود، ونیز در باب دیگر مے گوید باب احب الدین الی اللہ ادومہ باب است در بیان آنکہ محبوب ترین دین وآئین بسوئے خدا ہمیشہ ترین آن دین است، ومراد مؤلف ازین باب استدلال است برآنکہ اطلاق ایمان بر اعمال می شود، زیراکہ مراد از دین عمل است، ودین حنیفی متحد باسلام است واسلام مرادف ایمان است پس مقصود باین قدر صحیح باشد، وقبل ازین ذکر کہ حسن اسلام باعمال صالحہ است پس درین باب تنبیہ کرد، کہ

کچھ پچھلے پہر اور کچھ رات کی تاریکی میں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل کو مسافر سے تشبیہ دی، کہ اگر کوئی مسافر دن رات چلتا ہے تو تھک جائے گا، اور اگر کوئی مسافر کچھ دیر آرام کرلے، اور کچھ سفر کرلے، تو وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے گا، اور حضور کی یہ تشبیہ بہت صحیح ہے، کیونکہ دنیا سے آخرت کو چلنا بھی ایک سفر ہے، بخاری شریف میں اس حدیث سے پہلے قیام اور صلوۃ وغیرہ کے فضائل کی حدیثیں بیان ہوئی تھیں، ان کے بعد امام بخاری اس حدیث کو لاتے ہیں، کہ اعمال بجالانے میں میانہ روی اختیار کرنا چاہیے، بخاری شریف کی دوسری حدیث یہ ہے، کہ اللہ کو پیارا دین وہ ہے، جس پر عامل ہمیشہ عمل کرسکے، اس کا مطلب یہ ہے، کہ انسان ہمیشگی اسی عمل پر کرسکتا ہے، جو آسان ہو، اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ اعمال کو دین کہا گیا ہے، کیونکہ تنگی یا آسانی تو اعمال میں ہی ہوسکتی ہے، نہ کہ تصدیق میں اور دوام سے مراد حقیقی نہیں ہے کہ ہر وقت

مجاہدہ نفس تا بحد ملالہ مطلوب نیست شرعاً و بعضے ازین معنے در باب الدین یسر گذشت
و این خلاصہ فتح الباری است و ادوم افعل التفضیل من الدوام والمراد منہا
الدوام العرفی وھو قابل للکثرۃ والقلۃ انتہی ما فی القسطلانی شرح البخاری یعنے
دوام قابل از برائے تفضیل نیست زیرا کہ آن عبارت از شمول ازمنہ و اوقات است، پس
معنے لفظ ادوم چیست، جواب داد شارح کہ مراد از دوام عرفی است نہ حقیقی و آن قابل
است از برائے کثرت و قلت،

عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیہا گفت حضرت
عائشہ رض بدرستیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درآمد بروے وعندھا امرأۃ و نزد وے
زنے بود و نام آن زن حولاء بنت تویت بہ و تائے مثناۃ فوقانیہ بصیغہ مصغر پسر حبیب
پسر اسد پسر عبد العزی از گروہ و قوم ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبرے بود فقال پس
گفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من ھذہ کیست این قالت گفت حضرت عائشۃ
فلانۃ کہ این زن فلان زن است، کنایہ کرد از حولاء اسدیہ و عبد الرزاق در روایت معمر
از ہشام زیادہ کردہ است حسنۃ الہیئۃ راتن کرد کرمی کرد حضرت عائشہ رض و این بر تقدیر
صیغہ مؤنث معروف است و در بعضے روایات یذکر بصیغہ مذکر مجہول آمدہ و بریں تقدیر
لفظ من صلوتہا مفعول مالم یسم فاعلہ وے خواہد بود و در بعضے روایات آمدہ لا تنام باللیل
و در بعضے روایات آمدہ و یزعموا انہا لا تنام باللیل واخرجہ الحسن بن سفیان فی
مسندہ من طریقہ ولفظہ کانت عندی امرأۃ فلما قامت قال لہا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم من ھذہ یا عائشۃ قال یا رسول اللہ ھذہ فلانۃ وھی اعبد
اھل المدینۃ فذکر الحدیث ھذا ملخص ما فی الفتح الباری و ارشاد الساری
قال فرمود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مہ باز ایست و باز مان اے عائشہ و خود را نگہدار از ین

---

عمل بجا رہے، بلکہ اس سے مراد دوام عرفی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان کے پاس تشریف لائے، اور حضرت عائشہ رض کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی، آپ نے پوچھا یہ کون عورت ہے
حضرت عائشہ نے جواب دیا یہ فلاں عورت ہے (یعنی حولاء اسدیہ) جو رات کو کبھی نہیں سوتی یہ مدینہ میں سب سے زیادہ
عبادت کرنے والی عورت ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ اس بات کو چھوڑ، تم پر اتنا ہی ضروری ہے
جس کی تم طاقت رکھو، جب تم اکتا جاتے ہو، تو خدا تعالےٰ بھی اکتا جاتے ہیں، اللہ کو سب سے پیارا دین وہ ہے جو آسان ہو، ۱۲

سخن دمہ کلمہ ایست کہ گفتہ می شود برائے زجر وانکار و بعد ازان احتمال دارد کہ این زجر وانکار از برائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باشد و مقصود ازین کلام نہی ومنع آن باشد از انچہ ذکر کرد از مدح آن زن بکثرت ریاضت وعبادت تمام شب، واحتمال دارد کہ مراد نہی ازان فعل باشد چنانچہ جماعتے از ائمہ دین ہمین احتمال بر سبیل تعیین اخذ نمودند وگفتہ اند کہ نماز تمام شب خواندن مکروہ است، چنانچہ دیگر جا بخاری ذکر این خواہد کرد۔ وھذا الزجر یحتمل ان یکون لعائشۃ والمراد نھیھا عن مدح المرأۃ بما ذکرت ویحتمل ان یکون المراد النھی عن ذلک الفعل وقد اخذ بذلک جماعۃ من الائمۃ فقالوا یکرہ صلوۃ جمیع اللیل کما سیاتی فی مکانہ انتہی ما فی فتح الباری۔ علیکم بما تطیقون لازم گیرید شما آن چیز کہ طاقت دارید بر مواظبت بر آن ہا وعلیکم اسم فعل است بمعنی الزموا وخطاب درین کلام ہمراہ نساء بود لیکن حکم را تعمیم نمود واز جہت شرافت تغلیب داد ذکور را بر اناث واین کلام باعتبار منطوق تقاضا می کند از برائے امر باقتصاد وتوسیط کہ مغائر از افراط وتفریط است، تا بر آن مواظبت یافتہ شود، قاضی عیاض گفتہ کہ این نہی احتمال دارد کہ بنماز تمام شب باشد واحتمال دارد کہ عام برائے جمیع اعمال شرعیہ باشد۔ قال القاضی عیاض یحتمل ان یکون ھذا خاصا بصلوۃ اللیل ویحتمل ان یکون عاما فی الاعمال الشرعیۃ۔ قلت سبب ورودہ خاص بالصلوۃ لکن اللفظ عام وھو المعتبر وقد عبر بقولہ علیکم مع ان المخاطب النساء طلبا لتعمیم الحکم فغلب الذکور علی الاناث انتہی ما فی فتح الباری فواللہ پس سوگند است مرا بخدائے تعالیٰ ودرین کلام دلالت است کہ سوگند خوردن بغیر طلب روا است، بلکہ مستحب است برائے تفہیم وتعظیم امرے از امور دین باشد یا تیز کردن بر آن امر باشد یا برائے تنفیر از محذور باشد، چنانکہ این مسئلہ بمقام خود مصرح است، ودر اہل بلاغت مخفی نیست لا یمل اللہ حتی تملوا کہ ملال نمی کند خدا تعالیٰ تا آنکہ ملال کنید شما، ومراد از ملال خدا تعالیٰ ترک ثواب دادن بر عمل است، ومراد از ملال مخاطبین ترک عمل است و این مجاز از قبیل اسم سبب بر مسبب است زیرا کہ ملال از شئے سبب ترک آن شئے می شود و توجیہ درین باب بسیار است، در شرح صحیح بخاری ومسلم باید دید وکان احب الدین الیہ و ہست محبوب ترین دین بسوئے خدا ما داوم علیہ صاحبہ رواہ الشیخان آن چیز کہ

اس حدیث کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت سے علماء نے استنباط کیا ہے، کہ تمام رات نماز پڑھنا مکروہ ہے، امام نووی

مداومت ومواظبت نماید بر آن چیز صاحب آن دین ومراد از دین درین جا عمل است چنانکہ سابق گذشت، ومراد از مداومت مواظبت عرفی است، از جہت آنکہ مداومت حقیقی کہ عبارت از شمول جمیع ازمنہ واوقات است از بشر محال وممتنع است وزاد المصنف ومسلم من طریق ابی سلمۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان احب الاعمال الی اللہ ما دووم علیہ وان قل کذا فی فتح الباری۔

وامام نووی گفتہ کہ اندک از طاعت وقربت بسبب دوام ومواظبت بر کثیر منقطع اضعاف مضاعفہ زاید می شود، ودرین اشارہ است بسوے قول وے حق سبحانہ کہ فرمود ورہبانیۃ ن ابتدعوھا ماکتبناھا علیہم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتہا الآیۃ وازین جا است کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص چون از عمل ضعیف می شد پشیمان می شد بر انکار ومراجعتے کہ ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درباب تخفیف کردہ بود می گفت لیتنی قبلت رخصۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہرگز قطع نمی شد از عملے کہ التزام کردہ بود آن عمل چنانچہ این قصہ در صحیح بخاری ومسلم وغیرہما بوجہ بسط مذکور است، وپر ظاہر است کہ مداومت ومواظبت بر امر شاق وگران دشوار است، لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از راہ شفقت ورافت امت خود را خصوصاً صحابہ کرام را بر عمل سہل کہ بر آن مواظبت ممکن باشد بتاکید ارشاد وہدایت نمود کما لا یخفی علی المتامل الماھر بالشریعۃ الغراء۔ قال النووی بدوام القلیل تستمر الطاعۃ بالذکر والمراقبۃ والاخلاص والاقبال علی اللہ بخلاف الکثیر الشاق حتی ینمو القلیل الدائم بحیث یزید علی الکثیر المنقطع اضعافا کثیرۃ انتہی ما فی فتح الباری، وفواید درین حدیث بسیار است چنانکہ بر دانشمند شرع پوشیدہ نیست،

نے کہا ہے، کہ تھوڑے عمل کا اجر بسا اوقات ہمیشگی کی وجہ سے بڑھ جاتا ہے، اور زیادہ عمل کا اجر بسبب منقطع ہونے عمل کے گھٹ جاتا ہے، اور اس حدیث میں قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے "اور رہبانیت کو انہوں نے از خود بنا لیا تھا، ہم نے ان پر اس کو فرض نہیں کیا تھا، بالآخر وہ اس کو نباہ نہ سکے الآیۃ، یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص جب عمل سے تھک جاتے تو اس تکرار پر بڑے پشیمان ہوتے، جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تخفیف عبادت کے متعلق کی تھی، اور کہتے تھے کاش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کو قبول کر لیتا اور اپنے مقرر کردہ عمل میں کبھی کوتاہی نہ کرتا۔

وعن عائشۃ رض قالت گفت عائشہ رض کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اذا امرھم من الاعمال امرھم بما یطیقونہ وقتیکہ کرام
می فرمود اصحاب کرام را امری فرمود از جملہ اعمال وافعال بآن چیزے کہ طاقت می داشتند
آن چیزرا، حاصل آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچیزے کہ در وسع وطاقت مداومت ومواظبت
باشد لیکن مداومت ومواظبت بروے بسبب عادت محال و دشوار باشد تکلیف نمی
فرمود بلکہ تکلیف بآن چیزے می فرمود کہ مواظبت ومداومت بروے آسان وسہل تر باشد
زیرا کہ فرمود احب الاعمال الی اللہ ادومہ، قالوا گفتند اصحاب کرام برائے آن خیر الانام
انا لسنا کھیئتک بدرستیکہ ما یان نیستیم مثل صورت مبارک تو یارسول اللہ یعنی حال ما یان
مثل حال شما نیست زیرا کہ ان اللہ قد غفر لک ہر آئینہ خدا تعالے بخشیدہ است ترا
فغضب پس قہر وخشم کرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از قول صحابہ کرام حتی یعرف فی وجہہ
الغضب تا آنکہ شناختہ می شد در روئے مبارک آثار قہر وخشم ثم یقول انا اتقاکم
پستر می فرمود من پرہیز گار تر شما ام و درین قول اشارہ است بسوئے کمال قوت عملیہ
واعلمکم باللہ انا دوانا ترین شما بخدائے تعالے منم و درین قول اشارہ است بسوئے
کمال قوت علمیہ، خلاصہ این کہ من زیادہ تر در تقوے وپرہیزگاری وعلم ودانش از شما ام ہرچہ امر کنم
بر آن اقدام کنید، واز رائے وعقل خود دران چون وچرا نہ کنید واز وہم وخیال بر عبادت شاقہ ارادہ
نماشد وفرمودہ مرا موجب قرب الٰہی دانید، ازینجاست کہ امام بخاری در کراہت عبادت
شاقہ بابے جداگانہ نوشتہ باب ما یکرہ من التشدید فی العبادۃ عن انس بن مالک
قال دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا حبل ممدود بین الساریتین فقال

---

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کو کوئی حکم دیتے
تو ایسا ہی حکم دیتے جو لوگوں کی طاقت کے مطابق ہوتا، اور فرماتے کہ اللہ تعالے کو پیارا عمل وہ ہے، جس پر مداومت کی
جائے، لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم آپ جیسے تو نہیں ہیں اللہ تعالے نے آپ کے گناہ تو معاف
کر دیئے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے یہاں تک کہ آپ کے چہرے پر غضب کے آثار
نظر آنے لگے، پھر آپ نے فرمایا میں تم سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں تم سب سے زیادہ اللہ تعالے کو جانتا ہوں
مطلب یہ کہ خداوند تعالے کا قرب حاصل کرنے کے لئے میری اطاعت کرو، میری ہدایات کو ملحوظ رکھو، اپنے اوپر
آسان اعمال رکھو، اور اپنے قیاس سے عبادات شاقہ اختیار نہ کرو، یہی وجہ ہے، کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسکے

ما هذا الحبل قالوا هذا حبل لزينب فاذا فترت تعلقت فقال النبي صلى الله عليه وسلم لا حلوه ليصل احدكم نشاطه فاذا فتر فليقعد - وعن عائشة قالت عندي امرأة من بني اسد فدخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال من هذه قلت فلانة ما تنام بالليل فذكر من صلاتها فقال مه عليكم بما تطيقون من الاعمال فان الله لا يمل حتى تملوا رواه البخاري في الجزء الخامس-

خلاصہ ترجمہ روایت انس بن مالک این است، کہ حضرت زینب کہ یکے از ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بودند رسن دراز کردہ میان دو ستون بستہ بودند بروقت کسل و سستی در قیام نماز بر آن رسن می آویختند، کہ سستی و غلبہ خواب رفع شود دور گردد، پس آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آن را دیدہ فرمودند، کہ این رسن تنیدہ درمیان دو ستون بستہ چیست گفتند دیگر مردمان کہ این رسن بستہ حضرت زینب است، کہ ہرگاہ کہ در قیام نماز فتور و سستی واقع می شود، ایشان آن رسن را گرفتہ می آویزند کہ این سستی و غلبہ خواب دفع شود پس آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ بکشلانید این رسن را و دور کنید و این کشاید باید کہ تا وقت نشاط نماز خواند و بروقت فتور و غلبہ خواب بنشیند یا بخپسد و بعد استراحت از خواب یا از نشست برخواست باز نماز خواند و لفظ لا محتمل است کہ معنی نفی باشد ای لا یکون هذا الحبل ولا یبدو محتمل کہ لائے نہی باشد ای لا تفعلوہ چنانچہ از عینی و دیگر شرح بخاری مستفاد می شود، پس ازین حدیث واضح شد، کہ عبادت شاقہ مکروہ و خلاف طبع و

متعلق ایک الگ باب باندھا ہے، کہ "عبادت میں سختی مکروہ ہے" اور حدیث بیان کی ہے، انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے، اور دیکھا، کہ دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہے آپ نے فرمایا، یہ رسی کیسی ہے، لوگوں نے کہا یہ زینب کی رسی ہے، جب وہ قیام کرتے کرتے تھک جاتی ہے، تو اس سے اپنے آپ کو باندھ لیتی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کھول دو، اپنی خوشی تک نماز پڑھنی چاہیے، جب تھک جائے تو بیٹھ جائے، اور حضرت عائشہ رضی نے کہا، کہ میرے پاس بنو اسد کی ایک عورت بیٹھی تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر داخل ہوئے، آپ نے پوچھا یہ عورت کون ہے، میں نے کہا یہ فلاں عورت ہے یہ رات کو کبھی نہیں سوتی، پھر اس کی نماز کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا، اے عائشہ اس بات کو چھوڑ دے، اتنا ہی عمل کیا کرو جتنی تمہیں طاقت ہو، اس وقت تک خدا تعالیٰ بھی نہیں اکتاتے، جب تک کہ تم نہ اکتا جاؤ؛

وضع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم است زیرا کہ مداومت برآن دشوار باشد۔

ومنجملہ فوایداین حدیث یکے آن است کہ نفس امارہ را طمع شود از تجاوز حدودے کہ شارع مقرر فرمودہ از عزیمت ورخصت واعتقاد کند کہ عمل کردن باسہل وارفق کہ موافق شرع شریف باشد ولے وارفق وافضل است از اختیار اشد کہ مخالف آن باشد چنانچہ خداتعالے مے فرماید کہ ما اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ الآیۃ بہرحال اتباع قول وفعل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم لازم است، نہ بر خواہش نفسانی عمل باید کرد امام بخاری ومسلم درباب اعتصام بالکتاب والسنۃ حدیثے آوردہ از انس بن مالک صحابی عن انس قال جاء ثلاثۃ رھط الی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسألون عن عبادۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم گفت حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ آمدند سہ تن از صحابہ بسوئے زنانِ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم در حالے کہ می پرسیدند از ایشان از عبادت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فلما اخبروا بھا پس چون خبر دادہ شدند بعبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وبیان کردند ازواج مطہرات کہ عبادت ایشان این قدر بود کانھم تقالوھا گویا کہ این سہ تن صحابی کم پنداشتند آن عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را فقالوا این نحن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد غفر اللہ لہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر پس گفتند کجا ایم ما از مرتبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم یعنے مارا بجناب فیض مآب وے چہ نسبت اگر عبادت کم کند او را می رسد، وحالانکہ ہر آئینہ کم مرزیدہ است خداتعالے مر او را آنچہ پیش گذشتہ است از گناہان وآنچہ پس آمدہ اورا فقال احدھم اما انا فاصلی اللیل ابدا پس گفت یکے از ان سہ تن صحابی اما من پس عہد کردم کہ نماز بگذارم در شب ہمیشہ یعنی تمام عمر با تمام شب وقال الاخر انا اصوم النھار ابدا وگفت دیگرے من روزہ می دارم ہمیشہ ولا

اس حدیث سے واضح ہوا کہ عبادات شاقہ مکروہ وخلاف طبع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیونکہ ان پر مداومت دشوار ہے امام بخاری ومسلم وباب الاعتصام بالکتاب والسنۃ" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث لاتے ہیں، کہ تین آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے پاس آئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا جب انہوں نے آپ کی عبادت کے متعلق خبر دی، تو انہوں نے اس عبادت کو کم محسوس کیا کہنے لگے ہماری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے برابری کیسے ہوسکتی ہے، اللہ تعالےٰ نے آپ کے سارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں تو ایک نے کہا، کہ میں تو ہمیشہ ساری رات، نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا، میں ہمیشہ روزے رکھا کروں گا، اور کبھی

افطار نمی کنم روزہ را وقال الاٰخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا وگفت دیگرے من گوشہ بگیرم از زنان پس نکاح نمی کنم ہمیشہ فجاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیھم فقال انتم الذین قلتم کذا وکذا پس آمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسوے ایشان پس گفت شمائید کہ می گفتید چنان وچنین اما واللہ انی لاخشاکم للہ آگاہ باشید بخدا سوگند کہ بدرستیکہ من ہر آئینہ ترسگار ترین شما ام مر خدائے را واتقاکم لہ وپرہیزگار ترین شما ام خدائے را ولکنی اصوم وافطر ولیکن من روزہ میدارم ودے کشایم نیز روزہ را یعنے گاہے میدارم وگاہے نمیدارم ولفظ لکن استدراک است از محذوف کہ سیاق کلام بر آں دلالت می کند تقریر کلام این است انا وانتم بالنسبۃ الی العبودیۃ سواء ولکنی الخ کذا فی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری واصلی وارقد ونماز می خوانم وخواب نیز می کنم واتزوج النساء ونکاح می کنم زنان را وجماع می کنم بالیشان فمن رغب عن سنتی فلیس منی پس کسے کہ اعراض کند از سنت وطریقہ مرضیہ وپسندیدہ من پس نیست آن کس از تابعان من روایت کرد این حدیث را بخاری ومسلم وغیرہما۔

وازین جہت شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر محشی ہدایہ وملا علی قاری گفتند کہ بالجملۃ فالافضلیۃ فی الاتباع لافیما یخیل النفس انہ افضل نظروا الی ظاہر عبادۃ او توجہ ولم یکن اللہ عزوجل یرضی لاشرف انبیاءہ الاباشرف الاحوال انتہی مافی المرقاۃ شرح المشکوۃ لملا علی القاری الحنفی مختصراً پس آنچہ خلاف طبع ووضع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باشد مردود است، چنانکہ فمن رغب عن سنتی فلیس منی ازان مخبر ومظہر است

---

افطار نہ کروں گا، اور تیسرے نے کہا، میں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا، کبھی نکاح نہ کروں گا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اور فرمایا، کیا تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے اس طرح کہا ہے، خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں، لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں، اور افطار بھی کرتا ہوں، اور رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں، اور سوتا بھی ہوں، اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کر رکھے ہیں، جو شخص میری سنت کو حقیر سمجھے وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے، کہ شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر محشی ہدایہ اور ملا علی قاری نے کہا ہے، فضیلت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہے، دل اپنے خیال کے مطابق عبادات شاقہ میں جو بظاہر افضل معلوم ہوتی ہیں، اللہ تعالےٰ نے اپنے سب سے افضل نبی کے لئے سب سے اشرف اعمال پسند فرمائے ہیں، پس جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کے

ودر تفسیر معالم التنزیل وتفسیر نیشا پوری مذکور است، کہ روزے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پند و وعظ فرمود، واز آفات، واہوال قیامت ترسانید وبجاد خوف قیامت اہل مجلس وعظ را بسیار شد، پس دہ نفر از صحابہ کرام یعنی حضرت ابوبکر صدیق وعلی مرتضے وعبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عمرو، وابوذر غفاری وسالم مولے ابی حذیفہ ومقداد بن اسود وسلمان فارسی ومعقل بن مقرن وغیرہم در خانہ عثمان بن مظعون کہ برادر رضاعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بودند، جمع شدند وباخود ہا مشورہ کردند کہ رہبانیت اختیار کنیم، کہ قطع ذکر کنیم وہموارہ روزہ داریم وتمام شب نماز خوانیم وخواب نکنیم ومستلذات از قسم گوشت ورد وغن نخوریم واز نکاح وجماع پرہیز نمائیم وسیاحی اختیار کنیم، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خبر شد از احوال ایشان پس فرمود مر ایشان را کہ خبر دادہ شدہ ام کہ بر چنان وچنین اتفاق کردید وعزم نمودید، گفتند آن صحابہ کرام مذکورین آرے چنین عزم کردہ ایم واز این ارادہ نہ کردہ ایم مگر خیر وحسنات را پس فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ من بآن چیزہا کہ شما ارادہ کردید ماموز نہ شدہ ام بہر حال نفوس خود را نگاہ دارید وحقوق نفس خود را نیز بشناسید، روزہ دارید، وافطار کنید، و نماز خوانید وہم خواب کنید، ولحم ودیگر چیزہائے لذیذ بخورید من رغب عن سنتی فلیس منی

علاقہ ہے، وہ مردود ہے، تفسیر نیشاپوری اور معالم التنزیل میں مذکور ہے، کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو وعظ فرمایا، قیامت کا حال بیان کیا، لوگوں کی طبیعت نرم ہوئی، اور رونے لگے تو دس صحابہ کرام حضرت عثمان بن مظعون کے گھر میں جمع ہوئے (یہ آنحضرت ؐ کے رضاعی بھائی تھے) اور آپس میں مشورہ کیا، کہ ان باتوں پر اتفاق کریں، کہ ہم راہب بن جائیں گے، موٹے کپڑے پہنیں گے اپنے آپ کو خصی کر دیں گے، ہمیشہ روزہ رکھا کریں گے، رات کو قیام کیا کریں گے، سوئیں گے نہیں، روغن اور گوشت نہیں کھائیں گے، عورتوں کے قریب نہ جائیں گے، خوشبو نہ لگائیں گے، زمین میں سیاحت کریں گے، جب اس بات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی، تو آپ عثمان بن مظعون کے گھر تشریف لے گئے، وہ تو نہ ملے آپ نے اس کی عورت سے پوچھا، کیا جو بات تیرے خاوند اور اس کے ساتھیوں کے متعلق مجھے پہنچی ہے، وہ صحیح ہے؟ اس نے اپنے خاوند کا راز بتانا بھی مناسب نہ سمجھا اور آپ سے غلط بیانی بھی نہ کرنا چاہتی تھی کہنے لگی یا رسول اللہ اگر آپ کو عثمان نے بتایا ہے، تو پھر صحیح ہی ہوگا، آپ واپس تشریف لے آئے، پھر جب وہ صحابہ آپ سے ملے، تو آپ نے فرمایا، مجھے تم سے اس طرح کی بات پہنچی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ کہنے لگے ہاں اے اللہ کے رسول ہمارا ارادہ تو بھلائی کا تھا، آپ نے فرمایا، مجھے ان باتوں کا حکم نہیں دیا گیا ہے، تمہاری جانوں کا بھی تم پر حق ہے، روزے بھی رکھا کرو، اور افطار بھی کیا کرو، سویا بھی کرو، اور نماز بھی پڑھا کرو، میں قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار

ہرکہ اعراض کند از طریقہ مرضیہ من پس نیست آن کس از تابعان من پس تر جمیع مردمان راجمع نمود و فرمود کہ شیوہ رہبانیت وقسیسین دردین من نیست پس این آیات نازل شدند یا ایہا الذین امنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین الی اخر الایۃ چنانچہ عبارت بتمامہا نوشتہ می شود ازان مفصل حال واضح خواہد بود۔

قال اھل التفسیر ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الناس یوما ووصف القیامۃ فرق لہ الناس وبکوا فاجتمع عشرۃ من اصحابہ فی بیت عثمان بن مظعون الجمحی وھو ابوبکر الصدیق وعلی بن ابی طالب وعبد اللہ بن مسعود وعبد اللہ بن عمر و ابوذر الغفاری وسالم مولی ابی حذیفۃ والمقداد بن الاسود وسلمان الفارسی ومعقل بن مقرن رضی اللہ عنہم وتشاوروا واتفقوا علی ان یترھبوا ویلبس المسوح ویجبوا من اکیرھم ویصوموا الدھر ویقوموا اللیل فلا ینا موا علی الفراش ولا یاکلوا اللحم والودک ولا یقربوا النساء والطیب ویسیحوا فی الارض فبلغ ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتی دار عثمان بن مظعون فلم یصادفہ فقال لامرأتہ احق ما بلغنی عن زوجک واصحابہ فکرھت ان تکذب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکرھت ان تبدی علی زوجہا فقالت یارسول اللہ ان کان اخبرک عثمان فقد صدقک فانصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلقی اصحابہ فقال لہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الم انبأ انکم اتفقتم علی کذا وکذا قالوا بلی یارسول اللہ وما اردنا الا الخیر فقال صلی اللہ علیہ وسلم انی لم اومر بذلک وقال ان لانفسکم حقا علیکم فصوموا وافطروا ونا موا وقوموا فانی انا اقوم وانام واصوم وافطر واکل اللحم والدسم واتی النساء ومن رغب عن سنتی فلیس منی ثم اجمع الناس وخطبہم فقال ما بال اقوام حرموا النساء والطعام والطیب والنوم وشہوات النساء اما انی لست آمرکم

بھی کرتا ہوں، گوشت اور روغن بھی کھاتا ہوں، عورتوں سے تعلقات بھی رکھتا ہوں، جو میری سنت کو حقیر سمجھے وہ میری امت میں سے نہیں ہے، پھر آپ نے لوگوں کو اکٹھا فرمایا، اور خطبہ ارشاد فرمایا، ان لوگوں کا کیا حال ہے، جنہوں نے عورت، کھانے، خوشبو، نیند اور خواہشات کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے، میں تم کو اس بات کا حکم نہیں دیتا، کہ

ان تکونوا قسیسین ورھبانا فانہ لیس فی دینی فانما ھلک من کان قبلکم بالتشدید شددوا علی انفسھم فشدد اللہ علیھم فلولئک بقایاھم فی الدیارات والصوامع فانزل عز وجل ھذہ الآیۃ یاایھا الذین اٰمنوا لاتحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ انتہی ما فی معالم التنزیل مختصرا ومثل ھذا فی التفسیر النیشاپوری۔

وآنانکہ بصیرت شان بکحل شریعت مکحل شدہ می دانند کہ وقوف واطلاع کماحقہ برحقایق ومصالح شریعت خاصہ نبی است، کہ مورد وحی است نہ ولی اگرچہ ولی بہ تقویٰ وطہارت وولایت کامل باشد، زیراکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رائے ومصلحت صحابہ کرام کہ افضل واکمل ایشان ابوبکر صدیق وعلی مرتضےٰ بودند ناپسند نمود وانکار فرمود، حال آنکہ صحابہ کرام مذکورین سراسر نیت خیرات وحسنات وقرب الٰہی دانستہ عزم براعمال شاقہ وترک چیزہائے لذیذ ومرغوب کردہ بودند لیکن رائے ومصلحت ایشان پسند خاطر عاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نشد، وائے برحال دیگران کہ از صحابہ کرام فروتر باشند عبادت شاقہ ایشان وترک نمایند چگونہ پسندیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باشد کما لایخفی علی المتامل الماہر بالشریعۃ۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ در ارشاد الطالبین کتاب تصوف خود مے فرمایند، کہ خواجہ عالی شان بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ وامثال شان حکم کردند کہ ہر عبادت کہ موافق سنت است آن عبادت مفید تر است، برائے ازالہ رذائل نفس وتصفیہ عناصر وحصول قرب الٰہی لہذا از بدعت حسنہ مثل از بدعت قبیحہ اجتناب می کنند

تم راہب بن جاؤ، یہ میرا دین نہیں ہے، پہلے لوگ بھی اپنے اوپر سختی کرکے ہلاک ہوئے تھے، پھر اللہ تعالےٰ نے بھی ان پر سختی کی، اور آج گرجوں میں یہ انہی کا بقایا ہیں، تو اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اے ایماندارو! اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام مت ٹھہراؤ، اور زیادتی نہ کرو، اللہ تعالےٰ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتے،

اہل بصیرت جانتے ہیں کہ شریعت کے مصالح وحقائق پر نگاہ رکھنا صرف نبی کا کام ہے، نہ کہ ولی کا خواہ وہ کتنا ہی کامل کیوں نہ ہو، کیونکہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر رضا اور ان کے ساتھیوں کی رائے بھی پسند نہ آئی، تو دوسرا کوئی ان سے بہتر اور کون ہوگا۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ارشاد الطالبین میں فرمایا ہے، کہ خواجہ

کہ رسول فرمود صلی اللہ علیہ وسلم کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ، پس نتیجہ این حدیث آن است کہ کل محدث ضلالۃ وبدیہی است، کہ لا شیٔ من الضلالۃ بھدایۃ فلا شیٔ من المحدث بھدایۃ ونیز در حدیث آمدہ ان القول لا یقبل مالم یعمل بہ وکلاھما لا یقبلان بدون النیۃ والقول والعمل والنیۃ لا یقبل مالم یوافق السنۃ وچون اعمال غیر مطابقہ سنت مقبول نہ باشد ثواب بر آن مرتب نہ شود، واگر مشقت را در حصول دافع رزائل مدخلیت بودے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازان منع نہ فرمودے یعنی سخن مقبول نیست بدون عمل کردن وہر دو مقبول نیستند بدون نیت وہر سہ مقبول نیستند تا آنکہ موافق سنت نہ باشند، ابوداؤد از انس رضی روایت کردہ لا تشددوا علی انفسکم فان قوما شددوا علی انفسھم فشدد اللہ علی انفسھم فتلک بقایاھم فی الصوامع اگر کسے گوید کہ ما بہ ریاضت شاقہ ترقیات می بینیم و مکاشفات وصفائی باطن می یابیم کہ انکار نہ می توانیم کرد، گفتہ شود، کہ کشف کونیہ وخرق عادات وتصرف در عالم کون وفساد از ریاضت دست می دہد لہذا حکمائے اشراقیین وجوگیان ہندیان متصف می شدند واین کمالات از نظر اعتبار اہل اللہ ساقط است بجوئے نہ می خرند چہ رذائل نفس وقتل شیطان وساوس

بہاؤالدین نقشبند اور ان جیسے بزرگوں نے فیصلہ کیا ہے، کہ جو عبادت سنت کے موافق ہے، وہ عبادت تزکیہ نفس کے لئے مفید تر ہے، لہٰذا بدعت حسنہ سے بھی اسی طرح گریز کرنا چاہیئے، جیسے کہ بدعت سیئہ سے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، ہر بدعت گمراہی ہے اور یہ تو ظاہر ہے، کہ کوئی گمراہی ہدایت نہیں ہوسکتی، پھر حدیث میں یہ بھی آیا ہے، کہ کوئی قول اس وقت تک قبول نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس پر عمل نہ کیا جائے، اور پھر قول وعمل دونوں نیت کے بغیر قبول نہیں ہوتے اور پھر قول وعمل ونیت تینوں اس وقت تک قبول نہیں ہوتے جب تک کہ سنت کے مطابق نہ ہوں، اور جب اعمال سنت کے مطابق نہ ہوں گے، تو ان کا ثواب کیا ملے گا؟ اور اگر عبادات شاقہ کو تزکیہ نفس میں کوئی دخل ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو اس سے منع نہ فرماتے، حضرت انس رضی کی حدیث میں آیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی جانوں پر سختی نہ کرو، ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی تھی، سو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی، بس آج گرجوں میں انہیں لوگوں کا بقایا ہے۔

اگر کوئی سوال کرے، کہ عبادات شاقہ وریاضات بدنیہ سے ہم ترقی محسوس کرتے ہیں، مکاشفات

بے نور سنت ممکن نیست ؎

محال ست سعدی کہ راہ صفا توان رفت جز بر پے مصطفا

انتہی ما فی ارشاد الطالبین مختصراً للشیخ القاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

اور ترقی باطن نصیب ہوتی ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا تو ہم کہتے ہیں، واقعی ریاضات سے یہ چیزیں نصیب ہوتی ہیں، لہٰذا حکمائے اشراقیین اور ہندو جوگی ان صفات سے متصف ہیں، یہ کمالات اہل اللہ کی نظر سے ساقط ہیں، ان کے نزدیک ان کی قیمت ایک جو بھی نہیں ہے، کیونکہ نور سنت کے بغیر رذائل نفس اور وساوس شیطانی کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے" واللہ اعلم ۱۲

# کتابُ العلم

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ایک شخص کہتا ہے، کہ صحاح ستہ میں پچاس حدیثیں موضوع ہیں، آیا یہ قول صحیح ہے یا غلط، بینوا توجروا،

**الجواب**:۔ جو شخص یہ کہتا ہے، کہ صحاح ستہ میں پچاس حدیثیں موضوع ہیں، اس کا یہ قول سراسر غلط ہے، اور وہ شخص محض جاہل وناواقف ہے، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں تمام احادیث مرفوعہ مسندہ صحیح ہیں، ان میں کسی حدیث کا موضوع ہونا کیا معنی کوئی حدیث ضعیف بھی نہیں ہے، اور ان احادیث مرفوعہ مسندہ کے علاوہ اور جتنی روایات تعلیقات وغیرہا ہیں، ان میں بھی کوئی روایت موضوع نہیں ہے، رہیں سنن اربعہ سو جامع ترمذی اور ابو داؤد و نسائی میں بھی کوئی حدیث موضوع نہیں ہے، ہاں ابن ماجہ میں صرف ایک حدیث موضوع بتائی جاتی ہے، جو ابن ماجہ کے شہر قزوین کی فضیلت میں آئی ہے، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فوائد المجموعہ کے صفحہ ۱۵۰ میں لکھتے ہیں:۔

حدیث[1] ستفتح علیکم الافاق ویفتح علیکم مدینۃ یقال لھا قزوین من رابط فیھا اربعین کان لہ فی الجنۃ عمودین من ذھب الی قولہ) قد اوردہ ابن الجوزی فی الموضوعات فاصاب ولعل ھذا ھو الحدیث الذی یقال ان فی سنن ابن ماجۃ حدیثا موضوعا انتہی. مگر حافظ سیوطی اپنی تعقبات میں لکھتے ہیں، کہ ابن ماجہ کی اس حدیث کو موضوعات کے سلک میں درج کرنا نہیں چاہیے، عبارتہ ہکذا۔ قلت[2] اخرجہ ابن ماجہ قال المزی فی التہذیب انہ حدیث منکر

[1] تمہارے لئے دنیا فتح ہوتی جائے گی، ایک شہر فتح ہوگا، جس کا نام قزوین ہوگا، جو اس میں چالیس دن پہرہ دیگا اس کے لئے جنت میں سونے کے دو ستون ہوں گے، ابن جوزی نے اس کو موضوع کہا ہے، اور شاید یہی وہ حدیث ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے، کہ سنن ابن ماجہ میں ایک موضوع حدیث ہے ۱۲ [2] اس کو ابن ماجہ نے بیان کیا ہے

لا یعرف الا من روایۃ داؤد والمنکر من قسم الضعیف وھو محتمل فی الفضائل وعبارتہ فی اخر الکتاب ھکذا ھذا اخر ما اوردتہ فی ھذا الکتاب من الاحادیث المتعقبۃ التی لا سبیل الی ادراجھا فی سلک الموضوعات۔ انتھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین احادیث مذکورہ ذیل کے بارہ میں، کہ یہ صحیح ہیں یا ضعیف یا موضوع، اور ان میں سے نمبر ۱ و نمبر ۴ کو حدیث قدسی کہنا کیسا ہے، ونیز امام شوکانی علیہ الرحمۃ کا سماع مزامیر کو جائز کہنا کیسا ہے، اور مرزا غلام احمد کا مسیح موعود ہونے کا دعوے کرنا کیسا ہے، وہ حدیثیں یہ ہیں (۱) لولاک لما خلقت الافلاک (۲) من زار العلماء فکانما زارنی ومن صافح العلماء فکانما صافحنی ومن جالس العلماء فکانما جالسنی ومن جالسنی فی الدنیا اجلس لہ یوم القیمۃ (۳) علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (۴) انہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین (۵) رجب شھر اللہ وشعبان شھری ورمضان شھر امتی۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ ماسوائے حدیث نمبر ۴ کے باقی سب حدیثیں موضوع ہیں، اور حدیث موضوع کو موضوع جان کر بیان کرنا حرام ہے، اور داخل وعید ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں، یحرم روایۃ الحدیث الموضوع علی من عرف کونہ موضوعا اوغلب علی ظنہ وضعہ فمن روی حدیثا علم وضعہ او ظن وضعہ فھو مندرج فی الوعید ۱؎ حدیث نمبر ۱ کی نسبت ملا علی قاری اپنے موضوعات میں لکھتے ہیں قال الصنعانی انہ موضوع کذا فی الخلاصۃ لکن معناہ صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس مرفوعا اتانی جبرئیل فقال یا محمد لولاک ماخلقت الجنۃ ولولاک ماخلقت النار ۲؎ ونیز

مزی نے تہذیب میں کہا ہے، یہ حدیث منکر ہے، صرف داؤد سے مروی ہے، اور منکر ضعیف کی ایک قسم ہے، اور حدیث ضعیف فضائل میں مقبول ہے، اور اس کو موضوع نہیں کہنا چاہیئے۔ ۱؎ حدیث موضوع کی روایت کرنا اس آدمی پر حرام ہے، جس کو اس کے موضوع ہونے کا علم ہو، یا غالب ظن اس کے موضوع ہونے کا ہو، اور جو ایسی حدیث جانتے ہوئے روایت کرے، جو موضوع یا بظن غالب موضوع ہو تو وعید میں شامل ہے، ۲؎ صنعانی نے کہا، یہ حدیث موضوع ہے، لیکن اس کا معنے صحیح ہے، ابن عباس نے مرفوعا روایت کیا ہے، کہ جبرائیل نے میرے پاس آ کر بیان کیا، کہ اللہ تعالیٰ

حدیث نمبر ۳ کی نسبت لکھتے ہیں، کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں سکوت(۱) کیا ہے، اور بعد ثبوت وضع حدیث نمبر ا کے اس کو حدیث قدسی کہنا محض خطا ہے، و نیز حدیث نمبر ۴ یہ بھی قدسی نہیں ہے، اس لئے کہ عبارت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود دال ہے اس پر کہ یہ قول اللہ عزوجل کا نہیں، کیونکہ حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں، جو بواسطہ جبرئیل یا بلا واسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ سے پہنچی ہو، اسی وجہ سے جو حدیث قدسی ہوتی ہے، عبارت اس کی یوں ہوتی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عزوجل۔

امام شوکانی علیہ الرحمۃ کا سماع مزامیر کو جائز کہنا بجا ہے، مگر وہی جس کو شارع نے مباح کہا ہے، جیسا کہ نیل الاوطار جلد سادس باب الدف واللھو فی النکاح میں مذکور ہے، اور حد مباح سے جو باہر ہے، ہرگز جائز نہیں، بلکہ اس پر وعید ہے، چنانچہ نیل الاوطار جلد سابع باب ماجاء فی آلۃ اللھو میں مذکور ہے، ابن ماجہ کی حدیث میں ہے لیشربن(۱) ناس من امتی الخمر یسمونہا بغیر اسمہا یعزف علی رؤسہم بالمعازف والمغنیات یخسف اللہ بہم الارض ویجعل منہم القردۃ والخنازیر، غرضکہ سماع بامزامیر مجاوز حد اباحت ہے جس کے عدم جواز میں صحیح حدیثیں مروی ہیں۔ ہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، جماعت صوفیہ اباحت مطلقہ کے قائل ہیں، اور امام شوکانی بھی انہیں میں سے ہیں، حالانکہ جس حدیث سے اباحت ثابت کی جاتی ہے اس میں حضرت عائشہ رضہ کا قول ولیستا بمغنیتین ثبوت اباحت کی نفی کرتا ہے بخاری شریف پارہ ۴ باب سنۃ العیدین میں ہے عن(۲) عائشۃ رضہ قالت دخل ابوبکر رضہ وعندی جاریتان من جواری الانصار تغنیان بما تقاولت الانصار یوم بعاث ولیستا بمغنیتین و نیز بہت سے علماء نے حرام لکھا ہے۔

فرماتے ہیں، اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تو نہ ہوتا، تو میں جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا"

(۱) میری امت میں سے کچھ لوگ شراب پئیں گے، اور اس کا نام کوئی اور رکھ لیں گے، اور ان کی مجالس میں باجا اور راگ رنگ ہوگا، اللہ بعض کو ان میں سے زمین میں غرق کر دے گا، اور بعض کو بندر اور خنزیر بنا ڈالے گا

(۲) حضرت عائشہ رضہ کہتی ہیں، کہ میرے پاس ابوبکر آئے، اس وقت انصار کی دو چھوکریاں میرے پاس وہ شعر گا رہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث میں کہے تھے، اور وہ پیشہ ور گانے والیاں نہ تھیں ۱۲

(۱) لکن امام شوکانی نے الفوائد المجموعہ میں لکھا ہے قال ابن حجر والزرکشی لا اصل لہ انتہی۔ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ

اور مرزا غلام احمد کا مسیح موعود ہونے کا دعوے سراسر غلط اور محض باطل ہے، وہ مسیح موعود نہیں ہے
حررہ عبد الوہاب عفی عنہ

**ہوالموفق**:۔ حدیث نمبر ۴ کو ابن جوزی نے موضوع کہا ہے، مگر حق یہ ہے، کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے، حاکم نے مستدرک میں اس کو صحیح کہا ہے، اور حافظ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں حاکم کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے، کما فی الفوائد المجموعۃ للعلامۃ الشوکانی رح حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر صفحہ ۲۷۵ میں لکھتے ہیں واما الثانی ای حدیث اللھم احینی مسکینا الخ[1] فرواہ الترمذی من حدیث انس رضہ واستغربہ واسنادہ ضعیف وفی الباب عن ابی سعید رواہ ابن ماجہ و فی اسنادہ ضعف ایضا ولہ طریق اخری فی المستدرک من حدیث عطاء عنہ و طولہ البیھقی ورواہ البیھقی من حدیث عبادۃ بن الصامت واسرف ابن الجوزی فذکر ھذا الحدیث فی الموضوعات انتھی۔

مجیب نے مسئلہ غنا وسماع میں اجمال سے کام لیا ہے، ونیز علامہ شوکانی کو اباحت مطلقہ کے قائلین سے شمار کیا ہے، حالانکہ علامہ ممدوح اباحت مطلقہ کے ہرگز قائل نہیں ہیں، علامہ ممدوح نے اس مسئلہ پر نیل الاوطار میں دو مقام میں بحث کی ہے، دونوں مقام سے ان کی عبارت مع ترجمہ نقل کی جاتی ہے، تاکہ اس مسئلہ میں جو ان کی تحقیق ہے، وہ ظاہر ہو اور فی الجملہ اس مسئلہ کی توضیح بھی ہو، نیل الاوطار صفحہ ۱۰۶ جلد ۶ باب الدف واللھو میں لکھتے ہیں وفی ذلک ای فی حدیث فصل مابین الحلال والحرام الدف والصوت فی النکاح) دلیل علی انہ یجوز فی النکاح ضرب الادفاف ورفع الاصوات بشیئ من الکلام نحو اتیناکم اتیناکم ونحوہ لا بالاغانی المھیجۃ للشرور المشتملۃ علی وصف الجمال والفجور ومعاقرۃ الخمور فان ذلک یحرم فی النکاح کما یحرم فی غیرہ وکذلک سائر الملاھی المحرمۃ۔ یعنی اس حدیث میں کہ حلال نکاح اور حرام نکاح میں دف اور صوت کا فرق ہے، دلیل ہے اس بات کی کہ جائز ہے نکاح میں دف بجانا اور آواز بلند کرنا ایسے کلام کے ساتھ جو اتیناکم کے مثل ہو، نہ ایسا گیت گانا جو برائیوں کو ہیجان میں لانے والا ہو یعنی جو بیان حسن وجمال اور فجور وشراب نوشی پر مشتمل ہو اس واسطے کہ ایسا گیت

[1] اے اللہ مجھ کو مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ" الحدیث، اس کو ترمذی نے انس سے روایت کیا ہے، اور اس کی سند ضعیف ہے، اور ابن ماجہ نے ابو سعید سے روایت کیا ہے، اور اس کی سند بھی ضعیف ہے مستدرک حاکم میں اس کے دوسرے بھی طرق ہیں، اور بیہقی نے اس کو عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے اور ابن جوزی نے زیادتی کی جو اس کو موضوع لکھ دیا ۱۲

نکاح میں بھی حرام ہے، اور غیر نکاح میں بھی، اور اسی طرح تمام ملاہی محرمہ نکاح میں بھی حرام ہیں، اور غیر نکاح میں بھی حرام ہیں۔

اور نیل الاوطار جلد سابع صفحہ ۳۱۵ میں لکھتے ہیں۔ قد اختلف العلماء فی الغناء مع آلة من آلات الملاهی وبدونها فذهب الجمهور الی التحریم مستدلین بما سلف وذهب اهل المدینة ومن وافقهم من علماء الظاهر وجماعة من الصوفیة الی الترخیص فی السماع ولو مع العود والیراع یعنی غناء کی حلت وحرمت میں علماء کا اختلاف ہے، آلات ملاہی میں سے کسی آلہ کے ساتھ ہو یا بدوں اس کے ہو، جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے، اور ان کی دلیل وہ احادیث وروایات ہیں جو پہلے مذکور ہو چکیں، اور اہل مدینہ اور بعض علمائے ظاہر کے نزدیک اور صوفیہ کی ایک جماعت کے نزدیک جائز ہے، اگرچہ عود اور یراع کے ساتھ ہو۔

پھر دلائل طرفین کے مع مالہا وما علیہا بیان کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔ واذا تقرر جمیع ما حررناه من حجج الفریقین فلا یخفی علی الناظر ان محل النزاع اذا خرج عن دائرة الحرام لم یخرج عن دائرة الاشتباه والمؤمنون وقافون عند الشبهات کما صرح به الحدیث الصحیح ومن ترکها فقد استبرأ لعرضه ودینه ومن حام حول الحمی یوشک ان یقع فیه ولا سیما اذا کان مشتملا علی ذکر القدود والخدود والجمال والدلال والهجر والوصال ومعاقرة العقار وخلع العذار والوقار فان سامع ما کان کذلک لا یخلو عن بلیة وان کان من التصلب فی ذات الله علی حد یقصر عنه الوصف وکم لهذه الوسیلة الشیطانیة من قتیل دمه مطلول واسیر بهموم غرامه وهیامه مکبول نسأل الله السداد والثبات ومن اراد الاستیفاء للبحث فی هذه المسئلة فعلیه بالرسالة التی سمیتها ابطال دعوی الاجماع علی تحریم مطلق السماع یعنی جب فریقین کے دلائل کو مع مالہا وما علیہا ہم تحریر کر چکے تو اب ناظرین پر مخفی نہیں ہے، کہ محل نزاع دائرہ حرام سے خارج ہو تو ہو، مگر دائرہ اشتباہ سے خارج نہیں ہو سکتا ہے، اور مؤمنین کی شان یہ ہے، کہ شبہات کے پاس ٹھہر نہیں جاتے جیسا کہ حدیث صحیح میں اس کی تصریح آئی ہے، اور جو شخص شبہات کو ترک کرتا ہے، وہ اپنی آبرو اور دین کو پاک کرتا ہے، اور جو شخص چراگاہ کے گرد گھومتا ہے، اس کا اس میں واقع ہو جانا کچھ بعید نہیں ہے بالخصوص جب کہ غنا مشتمل ہو، ذکر قد وقامت اور خد وخال اور بیان حسن وجمال اور ہجر ووصال وغیرہ پر اس واسطے کہ ایسے غنا اور راگ کا سننے والا بلا اور معصیت سے خالی نہیں ہو

سکتا، اگرچہ نہایت درجہ کا دیندار ہو، اور دین میں نہایت سخت ہو، اور اس شیطانی وسیلہ کے کتنے قتیل ہیں، جن کا خون مدر و رائگان ہے، اور کتنے قیدی ہیں، جو اس کے عشق و شیفتگی میں گرفتار و مقید ہیں، اللہ تعالے سے ہم میانہ روی اور ثابت قدمی کا سوال کرتے ہیں) اور اس مسئلہ کی بحث کو پورے طور پر جو شخص دیکھنا چاہے، اس کو ہمارا رسالہ موسومہ ابطال دعوے الاجماع علے تحریم مطلق السماع ضرور دیکھنا چاہیے

نیل کی ان دونوں عبارتوں سے صاف معلوم ہوا، کہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ جماعت صوفیہ کی طرح اباحت مطلقہ کے قائل نہیں ہیں، واللہ تعالے اعلم، کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مابین اہل اسلام ملک کشمیر کے تنازع دربارہ صحابیت معمر حبشی اور تابعیت علی ہمدانی کے واقع ہو کر دو فریق ہو گئے ہیں، دعوے ایک فریق کا یہ ہے، کہ ایک شخص معمر حبشی نام حضرت عیسی علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھا، آپ کی دعا کی برکت سے ہمارے حضرت علیہ السلام کے زمانہ بابرکت تک زندہ رہ کر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف صحبت حاصل کیا، من بعد بدعائے حضرت علیہ السلام لغایت ۷۰۰ھ ہجری تک زندہ رہ کر حضرت علی ہمدانی سے ملاقات کی، جس کی وجہ سے فریق مذکور حضرت علی ہمدانی کے تابعی ہونے کا مدعی ہے" اور فریق ثانی کا دعوی ہے، کہ "معمر حبشی کا حضرت عیسی علیہ السلام کے حواریوں میں سے ہونا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک زندہ رہ کر شرف صحبت حاصل کرنا بالکل غلط و باطل ہے، کیونکہ یہ بات کسی دلیل سے ثابت نہیں (ونیز معمر حبشی کا ۷۰۰ھ ہجری تک زندہ رہنا چونکہ مخالف صحیح حدیث بخاری ومسلم (ما من نفس منفوسۃ یاتی علیہا مائۃ سنۃ الحدیث) کے ہے باطل و مردود ہے، پس جب کہ معمر حبشی کا صحابی ہونا پایہ ثبوت کو نہ پہنچا، تو اس سے علی ہمدانی کا تابعی نہ ہونا بھی اظہر من الشمس ہے" اور درمیان دونوں فریقوں کے نوبت باین جا رسید کہ ایک فریق دوسرے کو گمراہ و بے دین تصور کرتا ہے، اب ان ہر دو فریقوں میں سے حق بجانب کس کے ہے، بینوا توجروا

**الجواب**:۔ ان دونوں فرقوں میں حق بجانب فریق ثانی ہے، اور فریق اول کا دعوے بلا شبہ باطل و مردود ہے، فریق اول کا دعوی چار باتوں پر مشتمل ہے:۔

(۱) معمر حبشی کا عیسی علیہ السلام کے حواریین میں سے ہونا۔

(۲) حضرت عیسی علیہ السلام کی دعا سے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک

اس کا زندہ رہنا،

(۳) اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف صحبت حاصل کرنا،

(۴) بدعائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ۶۰۰؁ھ ہجری تک زندہ رہ کر علی ہمدانی سے ملاقات کرنا،

ان چار باتوں میں سے ایک بھی کسی دلیل صحیح سے ثابت نہیں، بلکہ چاروں باتیں بالکل غلط وسراسر باطل ہیں بنا ٔعلیہ فریق اول کا دعوی باطل ومردود ہے، بہت سے معمرین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہونے اور شرف صحبت حاصل کرنے کا جھوٹا دعوی کیا ہے، یا ان کی طرف اس بات کی غلط نسبت کی گئی ہے، ان معمرین کے دعوی کی تردید، اور ان کی طرف اس بات کی نسبت کی تغلیط محدثین رحمہم اللہ تعالےٰ نے خوب اچھی طرح سے کر دی ہے، علامہ شوکانی نے الفوائد المجموعہ صفحہ ۱۴۵ میں بہت سے معمرین کذابین مدعیان صحبت کا ذکر مع ان کی تکذیب کے کیا ہے، پھر آخر میں لکھتے ہیں:۔

وثما یدفع دعاوی هؤلاء اجماع اهل العلم علی ان اخر الصحابة موتا فی جمیع الامصار ابو الطفیل عامر بن واثلة الجهنی وکان موته سنة اثنتین ومائة بمکة انتہی اور علامہ محمد طاہر مجمع البحار صفحہ ۱۴۵ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔ وقد اتفقوا علی ان اخر من مات فی جمیع الارض من الصحابة ابو الطفیل عامر بن واثلة سنة مائة واثنین بمکة وقد ثبت انه قال قبل موته بشهر او نحوه فان علی رأس مائة سنة لا یبقی علی وجه الارض فانقطع المقال قال وقد بسطت القول فی المعمرین فی تذکرة الموضوعات فطالعه ینفعك فانه کتاب نفیس تلقته علماء الحرمین بالقبول انتہی۔ واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم۔ کتبه محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

لہ ان کے دعوی کی تردید کے لئے علماء کا اجماع کافی ہے، کہ صحابہ میں آخری صحابی ابو طفیل عامر بن واثلہ جہنی ۱۰۲؁ھ میں فوت ہوئے ۱۲　　ئہ اس پر اتفاق ہے، کہ تمام روئے زمین پر آخری صحابی جو فوت ہوئے، وہ ابو الطفیل عامر بن واثلہ ہیں، جو ۱۰۲؁ھ میں مکہ میں فوت ہوئے، اور یہ بھی ثابت ہے، کہ انہوں نے اپنی موت سے ایک مہینہ پہلے یہ حدیث سنائی تھی، کہ آج سے سو سال بعد روئے زمین پر آج کا کوئی انسان زندہ نہ رہے گا، اس حدیث سے ساری بحث ہی ختم ہو گئی، اور میں نے معمرین کے متعلق موضوعات کے تذکرہ میں بڑے بسط سے کلام کیا ہے، اس کا مطالعہ

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضوع علم حدیث کا کیا ہے، اور اس کی تعریف اور اس کی غایت کیا ہے، بینوا توجروا

**الجواب**:۔ موضوع علم حدیث کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے، اس حیثیت سے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور موضوع باعتبار شرعی احوال کے ہیں موضوع علم الحدیث ھو ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حیث انہ رسول اللہ من الاحوال الشرعیۃ اور علم حدیث ان قوانین کا نام ہے، جن سے احوال سند اور متن کے باعتبار صحت اور حسن اور ضعف اور علو اور نزول اور کیفیت تحمل اور ادا یعنی پڑھنے پڑھانے اور رجال یعنی راویوں کے حالات وغیرہ معلوم ہوں، اور سند متن کے طریق سے خبر دینے کا نام ہے، اور متن وہ ہے، کہ جس پر کلام ختم ہو سیوطی نے اتمام الدرایہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ علم الحدیث علم بقوانین یعرف بھا احوال السند من صحۃ وحسن وضعف وعلو ونزول وکیفیۃ التحمل والاداء وصفات الرجال وغیر ذلک والسند الاخبار عن طریق المتن والمتن ماینتہی الیہ غایۃ الکلام انتہی ملخصاً من اتمام الدرایۃ اور حدیث کی غایۃ اور فائدہ سعادت دارین کی کامیابی ہے واما غایتہ وفائدتہ فھی الفوز بسعادۃ الدارین

سید محمد نذیر حسین

**بدانکہ** حقیقت سحر ووجود آن ثابت است بخلق ایزد پروردگار نزدیک علمائے نامدار کہ پیروان مستند سنت سنیہ سید مختار وخیر الابرار چنانکہ صاحب معالم التنزیل کہ یکے از جمہرہ مفسرین ذی اعتبار است گفتہ کہ السحر لوجودہ حقیقۃ عند اھل السنۃ وعلیہ اکثر الامم انتہی کلامہ۔ وقال السید وملا علی القاری فی شرح المشکوٰۃ ان للسحر حقیقۃ عند عامۃ

---

کہ، وہ بڑی نفیس کتاب ہے، علمائے حرمین شریفین نے اس کو قبول کیا ہے ۱۲

۱؎ علم حدیث کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بحیثیت شرعی ہے ۱۲ ۲؎ علم حدیث ایسے قوانین کا نام ہے جس سے سند کے حالات صحت، حسن، ضعف، بلندی، پستی، اور رد و قبول اور آدمیوں کے حالات معلوم ہوتے ہیں، اور سند طریق متن کی خبر کا نام ہے، اور متن وہ ہے جہاں کلام کی انتہا ہو ۱۲ ۳؎ علم حدیث کا فائدہ یہ ہے، کہ دونوں جہانوں میں آدمی کامیاب ہو ۱۲

جادو کی حقیقت و وجود علمائے اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے، خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے، چنانچہ صاحب معالم التنزیل اور ملا علی قاری نے تصریح کی ہے کہ علمائے اہل سنت کے نزدیک جادو کی حقیقت ثابت

العلماء خلافاً للمعتزلۃ وابی جعفر الاستر ابادی انتہی کلامہ. می گویم کہ از قصہ ہاروت ماروت وجود سحر و حقیقت صریح معلوم شد، چہ او تعالےٰ خود برآن نص فرمودہ کہ وما انزل علی الملکین ببابل ہاروت وماروت ھو علم السحر ابتلاء للناس من تعلمہ منہما وعمل بہ کان کافرا ان کان فیہ رد ما لزم فی شرط الایمان انتہی و شیخ عبدالحق محدث دہلوی در ترجمہ مشکوۃ بیان کردہ کہ تاثیر سحر و وقوع آن بخلق خدا تعالےٰ صحیح است و وارد گشتہ کہ السحر حق انتہی۔ اما معرفت او بوجہ تفصیل از معنے لغوی و اصطلاحی منکشف می شود کہ مبتدیان ازان بہرہ گیرند و حظ کافی پذیرند۔

فاعلم ان السحر فی اللغۃ عبارۃ عن کل ما لطف ماخذہ ودق امرہ وخفی سببہ ومنہ الساحر العالم وفی الشرع فی تعریفہ اختلاف کثیر واولاہ منعاً وطرداً ما ذکرہ یعقوب بنبانی فی حاشیۃ البیضاوی حقیقۃ السحر علم بکیفیۃ استعداد یقتدر خارق من مزاولۃ فعل او قول محرم فی الشرع اجری اللہ تعالی عادتہ بحصولہ عندہ ابتداء فان کان کفرا کعبادۃ الکواکب او انضم معہ اعتقاد تاثیر من غیرہ تعالی کفر صاحبہ والا فہو فسق انتہی کلام المحشی وغیرہ وقیل ھو فی الشرع مختص بکل امر یخفی سببہ ویتخیل من غیر

---

ہے، معتزلہ اور ابوجعفر استرآبادی اس کے قائل نہیں ہیں، میں کہتا ہوں کہ ہاروت اور ماروت کے قصہ سے اس کی حقیقت ثابت ہوتی ہے، کہ خدا تعالےٰ نے اس پر نص فرمائی ہے وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت یہ جادو ہی کا علم ہے جسے لوگوں کی آزمائش کے لئے نازل کیا گیا ہے، اگر ایمان کی شرائط کی تردید کرے تو اس کا کرنے والا اور سیکھنے والا کافر ہے۔ شیخ عبدالحق نے ترجمہ مشکوۃ میں کہا ہے، کہ جادو کی تاثیر اور اس کا وقوع خدا کی تخلیق سے حق اور ثابت ہے، جادو کی بالتفصیل معرفت لغوی اور اصطلاحی معانی سے کھل جاتی ہے، مبتدی اس سے کافی فائدہ اٹھائیں گے۔

لغت کے لحاظ سے سحر (جادو) ہر وہ چیز ہے جس کا ماخذ لطیف ہو، اسباب مخفی ہوں، چنانچہ کہتے ہیں، کہ "عالم آدمی جادوگر ہوتا ہے" مطلب یہ کہ بڑی باریک باتیں عالم کو معلوم ہوتی ہیں، شریعت کے لحاظ سے اس کی تعریف میں اختلاف ہے، سب سے بہتر تعریف یہ ہے، کہ سحر ایک ایسا علم ہے، جس سے خرق عادت کی قوت پیدا ہوتی ہے، کسی قول یا فعل حرام کی ہمیشہ مزاولت سے، پھر اگر اس چیز کو جادوگر خدا کے سوا کسی اور چیز کی طرف اس طرح نسبت کرے کہ وہ موثر بالذات ہے جیسے کہ ستاروں کو موثر بالذات سمجھ کر ان کی طرف کسی چیز کو منسوب کرے

حقیقۃ ویجری مجرا لتمویہ والخداع ومتی اطلق ولم یقید افاد ذم فاعلہ قال تعالی سحروا اعین الناس یعنی موھوا علیہم حتی ظنوا ان حبالھم وعصیھم تسعی انتہی ما فی نیشاپوری فھذا التعریف بلوازمہ الخارجیۃ من شرارۃ الساحر لشرط وجودہ لا من اجزائہ الداخلیۃ وقد یستعمل مقیدا فیما یمدح ویحمد وھو السحر الحلال قال صلی اللہ علیہ وسلم ان من البیان لسحرا سمی بعض البیان سحرا لان صاحبہ یوضح الشئ المشکل ویکشف عن حقیقۃ بحسن بیانہ ولطف عبارتہ ویقدر علی تحسین القبیح وتقبیح الحسن ھذا خلاصۃ ما فی التفسیر النیشاپوری وغیرہ من حواشی البخاری والمشکوۃ وقال القاضی ناصر الدین البیضاوی ان المراد بالسحر ما یستعان فی تحصیلہ بالتقرب الی الشیطان مما لا یستقل بہ الانسان وذلک لا یستتب الا لمن یناسبہ فی الشرارۃ وخبث فی النفس فان التناسب شرط فی التضام والتعاون وبھذا یتمیز الساحر عن النبی والولی انتہی کلامہ قال محشیہ قولہ لا یستتب اشارۃ الی ان شرارۃ الساحر من شروط وجود السحر لا من اجزائہ الداخلیۃ فی حقیقۃ السحر کما یفعلہ اصحاب الحیل والشعبدۃ وقولہ لا ادویۃ کشحم الضفدع اذا وضع فی السراج یری البیت مملوا بالماء ویسمی ھذا النوع بالنیرنجات وفی القاموس اخذ السریج اخذۃ کالسحر ولیس بہ والاخذۃ بالضم رقیۃ کالسحر انتہی کلام المحشی۔

پس از تقریر قاضی بیضاوی واضح شدہ، کہ درمیان جادو و معجزہ وولایت ہمیں فرق است، کہ جادو بتقرب شیطان وبے توسل اسماء الرحمن حاصل می شود چہ بالاستقلال تاثیرات آنہا را از غیر خدا ساحران می دانند و معجزہ وکرامت بوسیلہ کاملہ وقدرت بالغہ جناب الٰہی کہ مؤثر حقیقی در ہمہ افعال است دانستہ می شود، ودرین جا مابہ الامتیاز در سحر و معجزہ وسیلہ وتاثیرات مستقلہ است، یعنی

تو وہ کافر ہے، اگر ان کو مؤثر بالذات نہ جانے، اور فعل یا قول حرام سے جادو کرے، تو وہ فاسق ہے، اور اگر قول یا فعل حرام نہ ہو، اور کسی چیز کو مؤثر بالذات نہ سمجھے تو وہ مومن ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے، کہ بعض بیان جادو ہیں، اور یہ سحر حلال ہے، کہ اس سے مشکل چیز کی وضاحت ہو جاتی ہے، بیان سے قبیح چیز خوبصورت معلوم ہونے لگتی ہے، اور خوبصورت قبیح۔

ہمیں را اگر بسوئے خدا منسوب کردہ شود معجز گفتہ آید، و اگر تاثیرات مستقلہ بجانب شیطان و خبیثان دکواکب وغیرہ گردانیدہ شود بزعم زاعم جادو گفتہ شود، چنانچہ درین مقام با حسن مرام مولانا جامع کمالات وحامل روایات ودرایات حضرت شاہ عبد العزیز قدس اللہ سرہ العزیز با شکال کردہ اند عبارتہ ہکذا، درین جا شبہ الیست، کہ اکثر بخاطر ہا می رسد حاصلش آنکہ افعال خارقہ عادت کہ محض بقدرت الٰہی صدور می یابند اکثر اوقات از اولیا بظہور می رسد مثل تقلیب اعیان و تبدیل صور تہا، ہمیں آن افعال کہ شبیہ معجزات پیغمبران اند مثل احیائے موتی وقطع مسافت طویلہ دریک ساعت و مانند آن نیز از اولیا کثیر الوقوع است و احوال نویسان آن اولیا آن افعال را در کرامات و مناقب آن اولیا می نویسند، پس اگر نسبت فعل الٰہی بغیر کفر باشد، درین جا ہم کفر باشد، و اگر نظر بسببیت ظاہر کہ آن غیر دارد کفر نہ باشد پس درحق ساحران چرا حکم بکفر کردہ اند بلکہ درحال دعوتیاں و عزائم خوانان کہ بسیفی و دعوت و امثال این عجائب بسیار ظاہر می کنند مشابہت تمام باساحران ہم می رسد وجہ فرق چیست، جوابش آنکہ افعال خارقہ عادت خواہ شبیہ معجزات پیغمبران باشند خواہ از جنس دیگر ہمہ مقدور قدرت الٰہی اند و بارادہ وایجاد او صادر می شوند، ودر افعالے کہ از دست اولیا ظاہر می شوند، و افعالے کہ از ساحران صادر می گردند، درین باب فرقے نیست، فرق آن ست کہ اولیا و دعوتیان و عزائم خوانان آن افعال نسبت بغیر خدا نمی کنند بل بقدرت او تعالیٰ یا خواص اسماء او تعالیٰ نسبت می نمایند پس شرکے لازم نمی آید و ساحران آن افعال را نسبت بغیر خدا از ارواح خبیثہ و خواص افسونہا و اسمائے اصنام می نمایند و لہٰذا آن افعال را در قابوے خود می آرند، و در حکم خود می آرند و در حکم خود می انگارند و بران اجرت می گیرند و حلوان می خواہند، و نذر و قربانی برائے آن ارواح خبیثہ و آن افعال با طلبہ درخواست می کنند پس شرک صریح لازم می آید، و موجب کفر می گردد، بنا بر آنکہ افعال عادی الٰہی را مثل بخشیدن فرزند و توسیع رزق و شفاء مریض و امثال ذالک را مشرکان نسبت بارواح خبیثہ و

---

خرق عادت کئی قسم کا ہے، اگر دعوئے نبوت ہو، اور اس سے خرق عادت ظاہر ہو، تو وہ معجزہ ہے، اگر کسی مومن متقی سے بغیر دعوئے نبوت بغیر ظاہری اور خفیہ اسباب کے کوئی چیز خرق عادت ہو تو وہ کرامت ہے، اگر مومن سے کوئی چیز اسباب خفیہ کے ماتحت ظاہر ہو، تو وہ جادو حلال ہے، اور اگر عامی آدمی سے خفیہ اسباب کے تحت کوئی خرق عادت ظاہر ہو اور اس کو غیر خدا کی طرف مجازاً منسوب کرے تو اس کا کرنے والا فاسق ہے، اور اگر حقیقۃً غیر خدا کی طرف منسوب کرے تو وہ جادو حرام ہے، اور اس کا کرنے والا کافر ہے۔

اصنام می نمایند و کافر می شوند، و موحدان در ہمہ افعال از تاثیر اسمائے الٰہی یا خواص اسماء می دانند، یا از خواص مخلوقات او میدانند تا ادویہ و عقاقیر یا دعاء صلحا و بندگان او کہ ہم از جناب او در خواستہ انجاح مطالب می کنانند می فہمند پس در ایمان ایشان خلل نمی افتد آمدیم برآنکہ حقیقت سحر چیست و اقسام او چند است و کدام قسم موجب کفر است و کدام موجب فسق و کدام مباح کہ در شریعت جائز است، تفصیل این مبحث طولے می خواہد مجملش آنکہ حقیقت سحر حاصل کردن قدرت است بر افعال عجیبہ خارقہ عادت بمزاولۃ اسباب خفیہ بے توسل بجناب الٰہی بدعاء یا تلاوت اسماء او تعالیٰ و بے نسبت آن افعال بقدرت او تعالیٰ و چون اسباب خفیہ در عالم چند قسم است سحر نیز چند قسم شدہ آہ انتہی کلام المحدث الالمعی و مبرکرا استیعاب کما حقہ منظور باشد در تفسیر مولانا مرحوم نظر کند

پس از کلام معجز نظام مولانا علیہ الرحمۃ معلوم گردید کہ حقیقت سحر و تاثیر او متحقق است، چنانکہ معجزہ و کرامت، مگر فرق ہمیں است، کہ نسبت جادو و تاثیر بالاستقلال بسوئے غیر خدا مانند شیاطین و اصنام و کواکب و ارواح خبیثہ می کنند و نسبت معجزہ و کرامت بطرف حق تعالیٰ و باسمائے کریمہ و دعوات شریفہ می نمایند والا باعتبار خرق عادات و تاثیرات ہر دو متساوی اند، و ہم دانستہ شد کہ سحر باعتبار مفہوم جنس است و باعتبار فصول کہ امور خفیہ و اسباب غریبہ تحت او ہستند انواع متعددہ دارد، زیرا کہ بعضے نوعش کفر و بعضے فسق، چنانچہ از تفسیر نیشاپوری نیز بے تقلیم می آید عبارتہ ہکذا

ثم السحر علی اقسام منہا سحر الکلدانیین الذین کانوا فی قدیم الدھر وھم قوم یعبدون الکواکب ویزعمون انہا ھی المدبرۃ لہذا العالم ومنہا تصدیر

---

اس کی مثال بالکل یہی ہے، کہ مومن آدمی ادویہ اور جڑی بوٹیوں سے علاج معالجہ کرتے ہیں، لیکن ان کی تاثیر کو منجانب اللہ سمجھتے ہیں، ان کے ایمان میں کوئی خلل نہیں پڑتا، یا کسی نیک آدمی سے دعا کرلتے ہیں، کہ وہ بھی ایک غیر حسی علاج ہے، اور اس آدمی کو مؤثر بالذات نہیں سمجھتے، تو وہ مومن ہی رہتے ہیں، اور اگر کوئی ادویات کو مؤثر بالذات جانے یا کسی نیک آدمی یا بد کو مؤثر بالذات سمجھ کر اس چیز کو اس کی طرف منسوب کردے، تو وہ کافر ہو جاتا ہے، جیسا کہ مشرکین اپنے بتوں وغیرہ سے جا کر طلب رزق یا فرزند وغیرہ کرتے ہیں۔

پھر جادو کی کئی قسمیں ہیں، ایک تو کلدانیوں کا جادو تھا، یہ قدیم زمانہ کے لوگ تھے ستاروں کی پوجا کرتے تھے، ان کو مدبر عالم مانتے تھے، ان کے مقالات کو باطل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو

الخیرات والشرور والسعادة والنحوسة ویستحدثون الخوارق بواسطة
تمزیج القوی السماویة بالقوی الارضیة وهم الذین بعث الله تعالی ابراهیم
علیه السلام مبطلا لمقالتهم ورادا علیهم مذاهبهم ومنها سحر اصحاب الاوهام
والنفوس القویة بدلیل ان الجذع الذی یتمکن الانسان من المشی علیه
لو کان موضوعا علی الارض لا یمکنه المشی علیه لو کان کالجسر وما ذاک الا لان
تخییل السقوط متی قوی اوجبه وقد اجمعت الاطباء علی نهی المرعوف
عن النظر الی الاشیاء الحمر والمصروع عن النظر الی الاشیاء القویة اللمعان و
الدوران وما ذاک الا لان النفوس خلقت مطیعة للاوهام وحکی فی الشفاء
عن ارسطو ان الدجاجة اذا تشبهت کثیرا بالدیک فی الصوت وفی الحراب
مع الدیک نبتت علی ساقها مثل الشیئ النابت علی ساق الدیک وهذا
یدل علی ان الاحوال الجسمانیة تابعة للاحوال النفسانیة واجمعت الامم
علی ان الدعاء مظنة الاجابة وان الدعاء باللسان من غیر طلب نفسانی قلیل
الاثر ویحکی ان بعض الملوک عرض له فالج فدخل علیه بعض الحذاق من
الاطباء علی حین غفلة منه وشافهه بالشتم والقدح فی العرض فاشتد غضب
الملک وقفز من مرقده قفزة اضطراریة وزالت تلک العلة المزمنة ومنها
الاصابة بالعین مما اتفق علیها العقلاء والتحقیق فیه ان النفس اذا کانت

مبعوث فرمایا، اور جادو کی ایک قسم وہمی لوگوں کی ہے، کہ ان پر نفوس قویہ اثر انداز ہوتے ہیں، وہم کی کیفیت
کا اثر انسانی طبیعت پر ہوتا ہے، مثلاً اگر ایک لکڑی زمین پر پڑی ہو، تو انسان اس پر آسانی سے چل سکتا ہے
اور اگر وہی لکڑی کسی نہر یا دریا پر پل بنا کر رکھ دی جائے، تو اس پر انسان نہیں چل سکتا، کیونکہ قوت وہمیہ
نے غلبہ پا لیا، کہ میں اس سے گر جاؤں گا، حکماء کہتے ہیں جس کو نکسیر بہتی ہو، وہ سرخ چیزوں کی طرف نہ دیکھے،
اور مرگی والا چمکدار اور سریع الحرکت چیزوں کو نہ دیکھے، کہ قوت وہمیہ اس پر اثر انداز ہوگی، اور بیماری
کا حملہ ہو جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ احوال جسمانیہ احوال نفسانیہ کے ماتحت ہیں، تمام امتوں کا اجماع
ہے، کہ دعا میں قبولیت کا گمان ہوتا ہے، بعض بادشاہوں کو فالج کی بیماری ہوئی، حاذق حکیم نے اس کو
گالی دے کر اس کی حرارت غریزی کو تیز کر دیا، تو وہ فوراً تندرست ہو گیا، نظر کا لگ جانا بھی اسی قبیل سے
ہے، کہ روح جب بدن پر غالب آجاتی ہے، تو عالم بالا کی طرف جاتی ہے، تو وہ روح سماوی کی طرح قوی

مستعلية على البدن شديدة الانجذاب الى عالم السموات كانت كانها روح من ارواح السماوية وكانت قوية التاثير في مواد هذه العالم واما اذا كانت ضعيفة شديدة التعلق بهذه اللذات البدنية فحينئذ لا يكون لها تصرف البتة الا في هذا البدن فاذا اراد ان يتعدى تاثيرها الى بدن اخر تخذ تمثال ذلك الغير ووضعه عند الحس فاشتغل الحس به وتبعه الخيال عليه واقبلت النفس الناطقة بالكلية الى ذلك فقوى التاثيرات النفسانية والتصرفات الروحانية وبعض الانقطاع عن المالوفات والمشتبهات وتقليل الغذاء والاعتزال عن الناس ثم ان كانت النفس مناسبة لهذا الامر بحسب ماهيتها وخاصيتها عظم التاثير واما الرقى فان كانت بالفاظ معلومة فالامر فيها ظاهر لان الغرض منها ان حس البصر كما اشتغل بالامور المناسبة للغرض فحس السمع ايضا يشتغل بها فان الحواس متى تطابقت متوجهة الى الغرض الواحد كان توجه النفس اليه اقوى وان كانت بالفاظ غير معلومة حصلت للنفس هناك حالة شبيهة بالحيرة والدهش و يحصل لها ذلك الجذب والانقطاع عن المحسوسات واقبال على ذلك الفعل ليقوى التاثير النفساني فيحصل الغرض وهكذا القول في الدخن قالوا فثبت ان هذا القدر من القوة النفسانية مستقل بالتاثير فان انضم اليه الاستعانة بالقسم الاول وهو تاثيرات الكواكب قوي الاثر جدا لا سيما ان حصل لهذه النفس مدد من النفوس المفارقة المشابهة لها من الانوار الفائزة من النفوس الفلكية ومنها سحر من يستعين

---

التاثیر ہو جاتی ہے، پھر اگر اس کو بیرونی امداد بھی مل جائے، مثلاً غذا کم کھائے لوگوں سے علیحدہ رہے، کثرت نفسانی سے آزاد ہو جائے، تو اس روح کی تاثیر دوسرے بیرونی جسم پر بھی اثر انداز ہوتی ہے، اور اگر اتنی طاقت نہ ہو، تو کم از کم اپنے بدن پر اثر کر سکتی ہے، جھاڑ پھونک کی بھی یہی کیفیت ہے، اگر اس میں الفاظ معلوم ہوں تو پھر ان کی تاثیر طبیعت انسانی پر ظاہر ہے، ورنہ انسانی طبیعت پر حیرت اور دہشت غالب آجاتی ہے اور وہ طبیعت پر اثر انداز ہوتی ہے، بعض جادو تاثیرات سماوی رکھتے ہیں، مثلاً کواکب کی تاثیر اگر قوت نفس کے ساتھ متفق ہو جائے، تو وہ قوی التاثیر ہو جاتی ہے، اور بعض میں قوت ارضی ہوتی ہے، مثلاً جنوں کی تسخیر وغیرہ

بالارواح الارضية وهو المسمى بالعزائم وتسخير الجن ومنها التخيلات الاخذة بالعيون ويسمى الشعوذة وذلك لان اغلاط البصر كثيرة فان راكب السفينة اذا نظر الى الشط رأى السفينة واقفة والشط متحركا والقطرة النازلة ترى خطا مستقيما والنقطة ترى في الماء الزجاجة وترى العظيم من البعد صغيرا وقد لا تقف القوة الباصرة على المحسوس وقوفا تاما اذا ادركت المحسوس في زمان صغير جدا فيختلط البعض بالبعض ولا يتميز فان الرحى اذا اخرجت من مركزها الى محيطها خطوط كثيرة بالوان مختلفة ثم استديرت فان البصر يرى لونا واحدا كانه مركب من كل تلك الالوان وايضا النفس اذا كانت مشغولة بشيء فربما حضر عند الحس شيء اخر فلا يشعر الحس به البتة كما ان الانسان عند دخوله على السلطان قد يلقاه انسان ويتكلم معه فلا يعرفه ولا يفهم كلامه لما ان قلبه مشغول بشيء اخر وكذا الناظر في المرآة ربما قصد ان يرى سطح المرآة هل هو مستو ام لا فلا يرى فيها شيئا مما في المرآة فالمشعبذ الحاذق يظهر عمل شيء يشغل اذهان الناظرين به ويأخذ عيونهم اليه حتى اذا استفرغهم الشغل بذلك الشيء والتحديق نحوه عمل شيئا اخر عملا بسرعة فيبقى ذلك العمل خفيا لتعاون الشيئين اشتغالهم بالاول وسرعة الاتيان بالثاني ومنها الاعمال العجيبة التي تظهر من الالات المركبة على النسب الهندسية او لضرورة الخلاء كفارسين يقتتلان فيقتل احدهما الاخر ومنه الصور التي يصورها الروم والهند حتى لا يفرق الناظر بينها وبين الانسان وقد يصورونها

اور بعض دفعہ صرف نظر کا دھوکا ہوتا ہے، اور نظر کے دھوکے عجیب و غریب قسم کے ہوتے ہیں، مثلاً گاڑی میں سوار آدمی جب باہر دیکھتا ہے، تو اسے دوسری چیزیں دوڑتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، اور گاڑی کھڑی معلوم ہوتی ہے، بارش کے قطرے جب متواتر گرتے ہیں، تو پانی کی ایک مسلسل دھار معلوم ہوتی ہے، بڑی چیز دور سے چھوٹی دکھائی دیتی ہے، جب انسان ایک چیز کو غور سے دیکھ رہا ہو، تو کسی دوسرے آدمی کی بات سنائی نہیں دیتی، اور نہ ہی اس کو سمجھ سکتا ہے، اگرچہ وہ قریب ہی کیوں نہ ہو، ایک کاریگر جادوگر بس یہی دو کام کرتا ہے، کہ لوگوں کے ذہنوں کو کسی دوسری طرف منتقل کر دیتا ہے، اور سرعت حرکت سے ایک چیز

ضاحكة او باكية وقد يفرق بين ضحك السرور وضحك الخجل ومن هذا الباب تركيب صندوق الساعات وعلم جر الاثقال وهذا لا يعد من السحر عرفا لان لها اسبابا معلومة يقينية ومنها الاستعانة بخواص الادوية والاحجار ومنها تعليق القلب وهو ان يدعي الساحر انه قد عرف الاسم الاعظم وان الجن ينقادون له في اكثر الامور فاذا اتفق ان كان السامع ضعيف القلب قليل التمييز اعتقد انه حق وتعلق قلبه بذلك وحصل في قلبه نوع من الرعب وحينئذ تضعف القوى الحساسة فيتمكن الساحر من ان يفعل فيه ما شاء وان من جرب الامور وعرف احوال الناس علم ان لتعليق القلب اثرا عظيما في تنفيذ الاعمال واخفاء الاسرار ومنها السعي بالنميمة والتضريب من وجوه خفية لطيفة وذلك شائع في الناس فهذه جملة الكلام في اقسام السحر وعند المسلمين كلها مستندة الى قدرة الله تعالى فانه لا يمتنع وقوع هذه الخوارق باجراء العادة عند سحر السحرة واتفقوا[1] على ان العلم به ليس بقبيح ولا محظور لان العلم لذاته شريف ولعموم قوله تعالى قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون ولولا الفرق بينه وبين المعجزة يمكن به الا ان اجتنابه اقرب الى السلامة

کرجاتاہے جس کی لوگوں کو سمجھ نہیں آتی، اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے، کہ جادوگر کسی آدمی کا علاج تو جڑی بوٹیوں سے کرتا ہے لیکن مریض پر اس طرح اثر ڈالتا ہے، کہ جن میرے ماتحت ہیں، یا مجھے اسم اعظم یاد ہے، تو مریض کے ذہن پر ان چیزوں کا اثر ہوتا ہے، اور قوی حساسہ کمزور ہو جاتے ہیں، پھر جادوگر جو اثر ان پر ڈالنا چاہے ڈال سکتا ہے۔

جو آدمی لوگوں کے حالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں، کہ کام کے پورا کرنے میں دل کے تعلق کا بڑا اثر ہوتا ہے، مثلاً ایک مریض جب کسی سے تعویذ لے لیتا ہے، تو اس کے دل میں آجاتا ہے، کہ اب اس پر بیماری کا حملہ نہیں ہوگا، یہ تمام جادو کی قسمیں ہیں، اور مسلمانوں کے نزدیک اللہ کی قدرت کی طرف منسوب ہیں، پھر اس پر علماء کا اجماع ہے، کہ جادو کا علم فی نفسہ برا نہیں ہے، اور نہ اس کا سیکھنا منع ہے لیکن اس سے بچنا بہتر ہے

(۱) فیہ ما قال الشیخ ابن حجر قد کثر اختلاف العلماء فیہ وحاصل مذہبنا ان تعلمہ فسق فی الحدیث لیس منا من سحر او سحر لہ وغیرہ من تعلمہ خلافا للغزالی ۱۲ منہ

کتعلم الفلسفة التی لا یؤمن ان تجر الی الغوایة

واما ان الساحر هل یکفر ام لا فلا نزاع بین الامة فی ان من اعتقد ان الکواکب هی المدبرة لهذا العالم وهی الخالقة لما فیہ من الحوادث والخیرات والشرور فانہ یکون کافرا علی الاطلاق وهذا هو القسم الاول من السحر واما النوع الثانی وهو ان یعتقد انہ قد یبلغ روح الانسان فی التصفیة والقوة الی حیث یقدر علی ایجاد الاجسام واعدامها وتغیر البنیة والشکل فالاظهر اجماع الامة ایضا علی تکفیرہ واما سائر انواع السحر فلا شک انها لیست بکفر وحکم من کفر بالسحر حکم المرتد واذا سحر انسانا فمات فان قال انی سحرتہ وسحری یقتل غالبا وجب علیہ القود وان قال سحرتہ وسحری قد یقتل وقد لا یقتل فهو شبہ عمد وان قال سحرت غیرہ فوافق اسمہ اسمہ فخطأ انتهی کلام صاحب النیشاپوری ونقل الامام الرازی انہ یقتل الساحر وبہ قال ابو حنیفة رحمة اللہ علیہ ولا یستتاب ولا یقبل قولہ انی ترکت السحر لانہ ورد فی الحدیث حد الساحر السیف۔

بدانکہ در تمامی انواع سحر مشکل ترین نوع سحر چاہ بابل بود، کہ حکماء در وقت نمرود ساختہ بودند وآن شش طلسم بود چنانکہ در مطولات معتبرہ مذکور است، ودرین جا گنجائش آن نیست و تحصیل این اقسام مشقتے تمام دارد لیکن ازد کسے کہ این را تحصیل کرد وبر صنعت آن قدرت یافتہ

بالکل اسی طرح جس طرح فلسفے کی تعلیم سے بچنا چاہیئے کیونکہ گمراہ ہونے کا خطرہ ہے

جو آدمی جادو سے کافر ہو اس کا حکم مرتد کا ہے، اور اگر کسی انسان پر جادو کرے، اور وہ مر جائے تو اگر وہ اپنے جادو کا اقرار کرے، اور کہے کہ میرے جادو سے عموماً آدمی مر جاتا ہے تو اس پر قصاص واجب ہے اور اور اگر اس کا جادو کبھی مارے اور کبھی نہ مارے، تو اس کا حکم شبہ عمد کا ہے اگر کسی اور پر اس نے جادو کیا اور وہ کسی دوسرے پر جا پڑا، تو اس کا حکم قتل خطا کا ہے، امام رازی کہتے ہیں، کہ جادوگر کو قتل کر دینا چاہیئے امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے، اور اس کی توبہ قبول نہ کرنی چاہیئے اور اگر کہے، کہ میں نے اب جادو چھوڑ دیا ہے، تو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ حدیث میں ہے، کہ جادوگر کی حد تلوار ہے،

سب سے مشکل ترین جادو چاہ بابل کا ہے، جس کو حکماء نے نمرود کے وقت بنایا تھا، یہ چھ قسم کا جادو تھا، اس جادو کے حاصل کرنے میں بڑی مشقت اٹھانا پڑتی ہے، اور اگر وہ حاصل ہو جائے، تو آدمی جو

ادرا این صناعت میسر گردید ہر چہ خواہد بکند از اظہار مخالف عادت یا منع موافق عادت می تواند، چنانچہ معالجہ امراضے کہ اطبا از ان عاجز گشتہ اند او می تواند شد، زیرا کہ او باستعانت روحانیات تدبیر می کنند و طبیب باستعانت جسمانیات، و کنہ این مسئلہ آن است ہر کہ جسم از فلک گرفتہ با عناصر و موالید روحی دارد کہ مدبر اوست، و تاثیرات اجسام ہمہ بواسطہ روح اند، چون ارواح تمام عالم نزد این کس مسخر شدند گویا مالک جہاں گردید پس بے ممارست جنگ و قتال دفع دشمنان از و ممکن است، چنانچہ ارسطو از حکیم برہماطوس و بیداغوس نقل کردہ کہ در شہر بابل درمیان این ہر دو کس منازعت افتاد، بیداغوس گفت کہ ترا با من تاب مقاومت نیست، کہ مریخ و زحل از مقاومت من عاجز اند برہماطوس چون این کلام شنید، ترنج محرق ساختہ استعانت بروح مریخ نمود، و بیداغوس را بسوخت و بے جنگ و جدال شر او را دفع کرد، ہذا خلاصۃ کلام مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ العزیز

پس ازین جا زعم منکران کہ می گویند کہ سحر محض معدوم و موہوم است و در حقیقت تاثیرش نیست مدفوع و مردود شدہ، چرا کہ از کتاب و سنت و علمائے اہل سنت و از حکمائے غیر ملت وجود و تاثیر آن حقیقۃ ثابت گشتہ، ولیس ہذا الامر ظاہرا، و معتزلیان عدم قائل تاثیر سحر و وجودش شدہ اند، بنا بر آنکہ امتیاز درمیان حد اعجاز و سحر نہ بود، اگر وجودش در حقیقت و وقوع تاثیرات آن ثابت کردہ شود، لہذا محض موہوم می دانند، و جوابہ ما قال فی شرح

---

چاہے کر سکتا ہے، وہ خلاف عادات امور کر جاتا ہے، اور عادت کے امور کو روک لیتا ہے بعض دفعہ ایسے بیماروں کا علاج کر لیتا ہے، جس کے علاج سے حکما عاجز آجاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے، کہ آدمی جسم فلکی اختیار کر لیتا ہے، اور عناصر و موالید روحی حاصل کر لیتا ہے، اور اجسام کی تاثیرات تمام روح کے ذریعہ ہیں، جب عالم ارواح اس کے ماتحت ہو جاتا ہے، تو گویا سارے جہان کا مالک بن جاتا ہے پس وہ بغیر جنگ و قتال کے دشمنوں کو شکست دیتا ہے، چنانچہ ارسطو نے ایک واقعہ لکھا ہے، کہ حکیم برہماطوس اور بیداغوس کا شہر بابل میں مقابلہ ہو گیا، بیداغوس نے کہا، کہ تو میرا مقابلہ نہیں کر سکتا، کہ مریخ اور زحل میرے مقابلہ سے عاجز ہیں، برہماطوس نے جب یہ بات سنی، تو اس نے ترنج جلا کر مریخ کی روح سے مدد حاصل کی، اور اسی وقت بیداغوس کو جلا دیا۔

قصہ مختصر جادو کا وجود حق ہے ثابت ہے، معتزلی اس کے قائل نہیں ہیں، کیونکہ معجزہ اور جادو کے ظاہر حال پر کوئی فرق اور حد فاصل نہیں ہے، لہذا وہ اس کے منکر ہو گئے، لیکن اہل سنت کے نزدیک جادو

المواقف وصاحب النیشاپوری وغیرھما من علماء اھل المذھب من السنۃ والجماعۃ وھو انہ لا مؤثر فی الوجود الا اللہ والسحر ونحوہ ان لم یبلغ حد الاعجاز الذی ھو کفلق البحر واحیاء الموتی کما ھو مذھب جمیع العقلاء فظاھر ای فی الامتیاز بین الاعجاز والسحر فان بلغ فامادون دعوی النبوۃ والتحدی فظاھر ایضا ومعہ فیتمکن فلابد من ان لا یخلقہ اللہ تعالی علی یدہ ای الساحر او ان یقدر غیرہ علی معارضتہ لئلا یحصل التلبیس والا لکان تصدیقا للکاذب وانہ محال فالحق یتمیز عن الباطل واما اذا لم یدع النبوۃ فظھرت الخوارق علی یدہ لم یفض ذلک الی التلبیس والمبطل لا یحصل لہ ھذہ الاشیاء مع ادعاء النبوۃ فاندفع عن ھذا قول المعتزلۃ انتہی فاذا جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا الایۃ وسمیت ھذہ الرسالۃ باقوال الحبر فی احوال السحر

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف میں جو یہ آیۃ ہے، کہ ان الحسنات یذھبن السیئات[1] اس کے معنی قرآن میں یہ لکھے ہیں کہ نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو، اگر کوئی اس کے معنے یوں کہے، کہ برائیاں لے جاتی ہیں نیکیوں کو، پس وہ شخص کس فریق اور کس مذہب کا ہے، اور کس دلیل سے معنی کی مخالفت کرتا ہے، اس کا جواب بیان کریں۔ اللہ تعالیٰ اجر دے گا،

**الجواب**:۔ باتفاق مفسرین اس آیت کے یہی معنی ہیں، کہ نیکیاں لے جاتی ہیں، برائیوں کو، اور شان نزول سے اور عربیت کے قاعدہ سے بھی اس آیت کا یہی معنی متعین ہے اس آیت کے معنی جو شخص یہ کہے کہ برائیاں لے جاتی ہیں نیکیوں کو وہ بالکل جاہل اور نالائق ہے کیونکہ جو شخص ذرا بھی عربیت سے واقف ہو گا، وہ ہرگز اس آیت کے یہ معنی نہیں کہے گا، اور اس کو صاف غلط سمجھے گا، جو شخص اس آیت کے یہ معنی کہتا ہے، کہ برائیاں لے جاتی ہیں نیکیوں کو اگر اس کا یہی عقیدہ ہے، کہ برائیوں سے نیکیاں جاتی رہتی ہیں، تو ایسا عقیدہ ایک شاخ مذہب

---

موثر بالذات نہیں ہے، بلکہ اس کی تاثیر خدا تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اور پہلے جو فرق معجزہ اور جادو میں بیان ہو چکا ہے اس کی بناء پر معتزلہ کا قول رد ہو جاتا ہے واللہ اعلم ۱۲

[1] نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں ۱۲

خوارج کی ہے، کیونکہ ان کا یہ مذہب ہے، کہ معاصی سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے، چنانچہ فتح الباری میں ہے الخوارج یکفرون بالمعاصی۔ انتہی واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ [سید محمد نذیر حسین]

**ھوالموفق**:۔ جواب صحیح ہے، بے شک آیت مذکورہ کے یہی معنے ہیں، کہ نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو، یعنی نیکیاں برائیوں کی کفارہ ہو جاتی ہیں، اور نیکیوں کی وجہ سے گناہ مٹائے جاتے ہیں، مگر ہاں یہ یاد رکھنا چاہیے، کہ نیکیاں اسی حالت میں برائیوں کا کفارہ ہوں گی، جب کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جاوے گا۔ اور اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب نہیں کیا جائیگا تو نیکیاں برائیوں کی کفارہ نہیں ہوں گی، حافظ ابن حجر فتح الباری جزء ۱۹ صفحہ ۲۱۵ میں لکھتے ہیں

وتمسك بظاهر قوله تعالى ان الحسنات يذهبن السيئات المرجئة[1] وقالوا ان الحسنات تكفر كل سيئة كبيرة كانت او صغيرة وحمل الجمهور هذا المطلق على المقيد في الحديث الصحيح ان الصلوة الى الصلوة كفارة لما بينهما ما اجتنب الكبائر فقال طائفة ان اجتنبت الكبائر كانت الحسنات كفارة لما عدا الكبائر من ذنوب وان لم تجتنب الكبائر لم تحط الحسنات شيئا وقال اخرون ان لم تجتنب الكبائر لم تحط الحسنات شيئا منها وتحط الصغائر منها انتہی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

**سوال**:۔ شاہ عبد العزیز وشاہ رفیع الدین وشاہ عبد القادر صاحبان چطور تفسیر آیات متشابہات مسلک مفسرین متقدمین نمودہ اند۔

---

[1] خوارج گناہوں کے مرتکب کی تکفیر کرتے ہیں ۔ [2] مرجیہ نے اللہ تعالےٰ کے قول ان الحسنات یذھبن السیئات کے ظاہر الفاظ سے تمسک کرتے ہوئے کہا ہے، کہ نیکیاں ہر گناہ کا کفارہ بن جاتی ہیں خواہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ اور جمہور نے اس مطلق آیت کو صحیح حدیث سے مقید کیا ہے، کہ نماز دوسری نماز تک کے گناہوں کا کفارہ ہے، جب تک کہ آدمی کبیرے گناہوں سے پرہیز کرے پھر ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر کبائر سے پرہیز کیا جائے تو نماز صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، اور اگر اجتناب نہ کرے تو پھر صغیرہ کا کفارہ بھی نہیں بنتی، اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ صغیرہ بہر حال معاف ہو جاتے ہیں، کبیرہ معاف نہیں ہوتے۔

سوال:۔ شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر صاحبان نے آیات متشابہات

**الجواب:** باید دانست کہ حضرات بارکات خلاف مفسرین متقدمین و متاخرین محققین متبعین سنت سنیہ در تاویل متشابہات ہرگز نہ کردہ اند بلکہ بر ظاہر آن کہ الاستواء و الید والوجہ معلوم والکیف مجہول مطابق مسلک متقدمین اہل سنت مثل امام ابو حنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ و غیرہما من المتقدمین حمل کردہ اند چنانکہ از کتب معتبرہ مانند فقہ اکبر تصنیف امام ابو حنیفہ رح و بزدوی فخر الاسلام و شرح آن و تفسیر مدارک و جلالین و کمالین حاشیہ جلالین وغیرہ ہویدا می شود قال اللہ تعالیٰ ثم استوی علی العرش ہو فی اللغۃ سریر الملک استواء یلیق بہ کذا فی الجلالین عن ام سلمۃ رض والامام جعفر الصادق والحسن البصری وعن ابی حنیفۃ ومالک ان الاستواء معلوم والکیف مجہول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ وروی البیہقی عن ابی حنیفۃ ان اللہ تعالیٰ فی السماء دون الارض وعنہ قال من انکر اللہ فی السماء فقد کفر وقال الشافعی رح ان اللہ علی عرشہ فی السماء یقرب من خلقہ کیف یشاء وینزل کیف یشاء ومثل ذلک قال احمد قال اسحق انا اجمع اہل العلم انہ فوق العرش استوی ویعلم کل شیٔ وہو قول المزنی والبخاری وابی داؤد والترمذی و ابن ماجۃ وابی یعلی والبیہقی وغیرہم من ائمۃ الحدیث وقال ابراہیم من

---

کی تفسیر میں متقدمین مفسرین کے مسلک کی خلاف ورزی کیوں کی ہے؟

**الجواب:** ان حضرات نے مسلک اہل سنت والجماعت کے ائمہ اور مفسرین کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کی ہے، بلکہ مسلک متقدمین کے مطابق ان آیات کو ظاہر پر محمول فرمایا ہے، ان کا مقصد تھا کہ "استوا اور ید اور وجہ معلوم ہیں کیفیت غیر معلوم ہے" امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا یہی مذہب ہے، چنانچہ بالکل یہی مضمون فقہ اکبر تصنیف امام ابو حنیفہ، بزدوی تفسیر مدارک، جلالین وکمالین حاشیہ جلالین میں موجود ہے، امام جعفر صادق اور حسن بصری، امام مالک امام ابو حنیفہ کا قول ہے "استوا معلوم ہے اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے" امام ابو حنیفہ کا قول ہے، کہ اللہ آسمانوں میں ہے نہ کہ زمین میں نہیں اور جو اللہ کے آسمانوں میں ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے، امام شافعی رح کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے، اور آسمانوں پر ہے، قرب اور نزول جس طرح چاہے کرتا ہے، امام احمد، اسحاق، مزنی، بخاری ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابو یعلی بیہقی اور تمام اہل علم کا قول ہے، کہ اللہ عرش پر مستوی ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے، ابراہیم حنبلی کا قول ہے، کہ سلف صالحین کا قول تھا اللہ اپنی تمام صفات میں کامل ہے

الحنابلة طريقنا طريق السلف المتبعين لكتاب والاجماع ومما اعتقدوه ان الله لم يزل كاملا بجميع صفاته الى ان قال وان الاحاديث التى ثبتت فى العرش والاستواء عليه يقولون بها ويثبتونها من غير تكييف ولا تمثيل وانه بائن من خلقه وقال الامام الحرمين والذى نرضاه ونعتقده اتباع السلف الى الا تكفاف الى التاويل واجراء الظاهر على مواردها وتفويض معانيها الى الله انتهى ما فى الكمالين مختصرا

والمنقول عن الصادق والحسن وابى حنيفة ومالك الاستواء معلوم والتكيف فيه مجهول والايمان به واجب والجحود به كفر والسوال عنه بدعة انتهى ما فى المدارك. وعن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يمين الرحمن ملاى سحاء لا يغيضها الليل والنهار قال ارايتم ما انفق منذ خلق السموات فانه لم يغض ما فى يمينه وعرشه على الماء وبيده الاخرى الميزان يخفض ويرفع هذا حديث حسن صحيح وهذا الحديث فى تفسير هذه الاية وقالت اليهود يد الله مغلولة غلت ايديهم الاية وهذا الحديث قال الائمة نؤمن به كما جاء من غير ان يفسر او يتوهم هكذا قاله غير واحد من الائمة منهم سفيان الثورى ومالك بن انس وابن عيينة وابن المبارك انه تروى هذه الاشياء ويؤمن بها ولا يقال كيف انتهى ما فى الترمذى ولله اى لله سبحانه يد ووجه ونفس اى كما يليق بذاته وصفاته فما ذكر الله فى القران من ذكر الوجه واليد والنفس فهو اى جميع ما ذكر اى له صفات بلحق

اللہ عرش پر مستوی ہے، اس کی کیفیت معلوم نہیں، اس کی کوئی مثال نہیں، وہ اپنی خلق سے بائن ہے سلف صفات میں تاویل نہیں کرتے تھے، ظاہری الفاظ کے مفہوم پر ایمان رکھتے تھے اور اس کے معانی اللہ کے سپرد کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اللہ تعالے کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے، دن رات بخشش کرنے میں مصروف ہے، جب سے اس نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں سخاوت کر رہا ہے، اور اس کے بحر کرم سے کوئی چیز بھی کم نہیں ہوتی، اس کا عرش پانی پر ہے اس کے دوسرے ہاتھ میں میزان ہے جسے چاہے اسے جھکاتا اور اٹھاتا ہے۔ ائمہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ اس حدیث پر ایمان لایا جائے اس کی تفسیر نہ کی جائے

متشابہات بلا کیف ای مجہول الکیفیات ولا یقال ای فی مقام التاویل کما علیہ بعض الخلق مخالف للسلف ان یدہ قدرتہ ای بطریق الکنایۃ او نعمتہ واستواءہ علی العرش استیلاءہ لان فیہ ای فی تاویلہ ابطال الصفۃ ای فی الجملۃ لانہ تعالی حیث اطلق الید ولم یذکر القدرۃ والنعمۃ بدلہا والظاہر ارادتہما غیر معانیہا وہو ای ابطال الصفۃ من اصلہا وباسرہا قول اہل القدر ای عموما والاعتزال ای خصوصا ولکن یدہ صفتہ بلا کیف ای بلا معرفۃ الی کیفیتہ کعجزنا عن کنہ معرفۃ بقیۃ صفاتہ فضلا عن معرفۃ کنہ ذاتہ انتہی ما فی الفقہ الاکبر وشرحہ لملا علی القاری مختصرا وکذلک اثبات الوجہ والید حق عندنا معلوم باصلہ متشابہۃ بوصفہ ولن یجوز ابطال الاصل بالعجز عن درک الوصف وانما ضلت المعتزلۃ من ہذا الوجہ فانہم ردوا الوصول لجہلہم بالصفات فصاروا معطلۃ انتہی ما فی البزودی للامام فخر الاسلام وعن اصحابنا ان الاستواء علی العرش صفۃ للہ بلا کیف انتہی ما فی التفسیر البیضاوی مختصرا وحمل الظواہر النقلیۃ اما علی التاویل واما علی تفویض علمہا الی اللہ تعالی وہو الحق انتہی ما فی المعالم فی العقائد للامام فخر الدین الرازی مختصرا۔

پس برہمیں روش حضرات موصوفین بودند، کہ مذکور شد درین اوراق و درین ثبوت تجسیم و استقرار نمی شود، و ہیچ گونہ شائبہ بدعت وکفر بر حضرات مذکورین عائد نمی گردد، بلکہ بخلاف مسلک مذکور وارد می شود کما لا یخفی علی المتامل المتفطن الماہر بالنصوص من الکتاب والسنۃ واین چند سطور برائے تنبیہ ناواقفان از مذہب و مشرب متقدمین کہ درآں

---

سفیان ثوری، مالک بن انس، ابن عیینہ ابن مبارک کا یہی قول ہے، قرآن مجید میں ہاتھ، چہرہ اور نفس کا اثبات خدا تعالے کے لئے آیا ہے، یہ خدا تعالے کی صفات متشابہات ہیں، ان کی کیفیت معلوم نہیں ہے اور ہاتھ کی تفسیر قدرت سے کرنا اور استوار کی غلبہ سے اہل سنت کے مذہب کے برخلاف ہے، کیونکہ اس سے صفات کا ابطال ہوتا ہے، یہ قدریہ اور معتزلہ کا مذہب ہے، اہل سنت کا نہیں، ہاں اہل سنت ہاتھ وغیرہ بلا کیف تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ جس طرح ہم ذات الٰہی کی کنہ سے عاجز ہیں، صفات الٰہی سے بھی عاجز ہیں۔ پس ان حضرات موصوفین کا بھی یہی مسلک ہے، اور اس چیز میں تجسیم و تشبیہ یا کفر و شرک کا شائبہ تک

امام اعظم و امام مالک وغیرہما من المتقدمین المحققین من اہل السنت داخل اند نگاشتہ شد کہ متنبہ شوند و برین اعتقاد دارند واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

**سوال**:۔ ترجمہ قرآن مجید مترجمہ ڈپٹی نذیر احمد خان دہلوی و ترجمہ قرآن مجید مترجمہ مرزا حیرت دہلوی ایڈیٹر کرزن گزٹ و سیکرٹری اسلامیہ پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی دہلی میں سے کس کا ترجمہ صحیح ہے، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ ترجمہ ہر دو صاحبان مذکور فصاحت اردو میں اچھا ہے، مگر میں نے اول سے آخر تک ترجمہ نہیں دیکھا ہے، کہ کس کو ترجیح دوں، مگر ہر دو صاحبان نے فصاحت خرچ کرکے مقاصد و مطالب قرآن کو بگاڑ دیا کہ جس کو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے، قرآن کا ترجمہ شاہ رفیع الدین شاہ عبدالقادر و شاہ ولی اللہ صاحب سے بڑھ کر کسی کا نہیں ہوسکتا ہے، ان لوگوں نے الفاظ قرآن و معانی کی پیروی کی ہے، اور ان لوگوں نے فصاحت اردو خرچ کی ہے، تھوڑے دنوں میں قرآن کو مثل انجیل وغیرہ کے کردیں گے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ، سید محمد عبدالحفیظ غفرلہ

سید محمد عبدالحفیظ | ہذا الجواب صحیح سید محمد عبدالسلام غفرلہ | الجواب صحیح سید محمد ابوالحسن

نہیں ہے، جیسا کہ ایک ماہر شریعت پر مخفی نہیں، یہ چند سطور نادافقوں کی تنبیہ کے لئے اہل سنت اور خصوصاً امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے مسلک کی وضاحت کے لئے لکھی گئی ہیں، واللہ اعلم ۱۲

# کتاب الطہارۃ

**سوال** :- ما قولکم ادام اللہ تعالیٰ نفعکم فی المسح علی الجوربۃ الشائعۃ فی الامصار المنسوجۃ من الغزل او الصوف غیر منعلۃ ولا ثخینۃ ومعلوم ان الحدیث المروی فی الباب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضعیف وتحسین الترمذی وتصحیحہ لا یقبلہ الحفاظ کما ہو مبسوط فی تخریج الہدایۃ للزیلعی وان قیس المسح علیہما علی مسح الخفین لعلۃ الستر ودفع الحرج فہل یکفی مع کونہ ظنیا فی اسقاط الغسل المفروض بالقران المتواتر وہل یزاد علی العلتین لکون الجوربین فی حکم الخفین صفۃ الثخانۃ وعدم نفوذ الماء کما قیل ہا الائمۃ والاصل فی باب الرجلین الغسل الثابت بالتنزیل والمسح علی الخفین رخصۃ فہل الرخص الشرعیۃ موقوفۃ علی بیان الشارع صلی اللہ علیہ وسلم ام لا ولیکن الجواب مفصلا مع مالہ وما علیہ فقط۔

---

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اونی یا سوتی جرابوں پر مسح جائز ہے یا نہیں؟ یہ تو معلوم ہے کہ جرابوں پر مسح کرنے کی حدیث ضعیف ہے اور امام ترمذی نے جو اس کو صحیح کہا ہے، محدثین نے اسے قبول نہیں، اور اگر موزوں کے مسح پر اس کو علت مشترکہ کی بنا پر قیاس کیا جائے، تو اس سے فرض غسل جو قرآن سے ثابت ہے ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟ اور ائمہ نے جو جراب کے لئے موٹا ہونے، اور پانی کے نفوذ نہ کرنے کی قید لگائی ہے، تو کیا اس سے زیادہ کسی اور علت کا بھی اضافہ ہو سکتا ہے یا نہیں، پاؤں کا دھونا فرض ہے، اور موزے پر مسح رخصت ہے، کیا رخصت شریعت شارع کے بیان پر موقوف ہے یا نہیں، جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

**الجواب** المسح على الجوربة المذكورة ليس بجائز لانه لم يقم على جوازه دليل وكل ما تمسك به المجوزون ففيه خدشة ظاهرة ومتمسكاتهم ثلث الحديث المرفوع وافعال الصحابة رضى الله عنه والقياس۔

اما الحديث المرفوع فهو ما رواه الترمذى وغيره عن المغيرة بن شعبة قال توضأ النبى صلى الله عليه وسلم ومسح على الجوربين والنعلين قال الترمذى هذا حديث حسن صحيح۔ واما الخدشة فى الاستدلال به فهى ان هذا الحديث ضعيف لا يصح الاستدلال به قال ابوداود بعد روايته كان عبد الرحمن بن المهدى لا يحدث بهذا الحديث لان المعروف عن المغيرة ان النبى صلى الله مسح على الخفين وروى هذا ايضا عن ابى موسى الاشعرى عن النبى صلى الله عليه وسلم انه مسح على الجوربين وليس بالمتصل ولا بالقوى انتهى قال البيهقى فى سننه ان ابا محمد يحيى بن منصور قال رايت مسلم بن الحجاج ضعف هذا الخبر عن المغيرة فقالوا مسح على الخفين وقال لا يترك ظاهر القرآن بمثل ابى قيس وهذيل قال فذكرت هذه الحكاية عن مسلم لابى العباس محمد عبد الرحمن الدغولى فسمعته يقول سمعت على بن محمد بن شيبان يقول سمعت ابا قدامة السرخسى يقول قال عبد الرحمن بن مهدى قلت لسفيان

---

الجواب:۔ مذکورہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے اور مجوزین نے جن چیزوں سے استدلال کیا ہے، اس میں خدشات ہیں، استدلال تین چیزوں سے کیا گیا ہے، حدیث مرفوع، فعل صحابہ اور قیاس۔

حدیث مرفوع تو وہ ہے، جس کو ترمذی نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، اور جراب اور جوتے پر مسح کیا، ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے، اس پر اعتراض یہ ہے، کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس سے استدلال صحیح نہیں ہے، عبد الرحمن بن مہدی یہ حدیث روایت نہیں کیا کرتے تھے، کیونکہ مغیرہ سے مشہور روایت موزے پر مسح کرنے کی ہے، ابو موسی اشعری نے بھی جراب پر مسح کرنے کی روایت نقل کی ہے لیکن اس کی سند متصل نہیں، امام مسلم نے اس کو ضعیف کہا ہے، مغیرہ بن شعبہ سے جتنے لوگوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، انہوں نے موزے پر مسح بیان کیا ہے، صرف ابو قیس اودی اور ہذیل بن شرحبیل نے جراب کا لفظ بیان کیا ہے، لیکن یہ دوسرے راویوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، عبد الرحمن بن مہدی نے سفیان ثوری سے کہا،

الثوری لوحدثتنی بحدیث ابی قیس عن ھذیل ما قبلتہ منک فقال سفیان الحدیث ضعیف ثم اسند البیھقی عن احمد بن حنبل قال لیس یروی ھذا الحدیث الا من روایۃ ابی قیس الاودی وابی عبد الرحمن بن مھدی ان یحدث بھذا الحدیث وقال ھو منکر واسند البیھقی ایضا عن علی بن المدینی قال حدیث المغیرۃ بن شعبۃ فی المسح رواہ عن المغیرۃ اھل المدینۃ واھل الکوفۃ واھل البصرۃ ورواہ ھذیل بن شرحبیل عن المغیرۃ الا انہ قال ومسح علی الجوربین فخالف الناس واسند ایضا عن یحیی بن معین قال الناس کلھم یروونہ علی الخفین غیر ابی قیس انتھی وقال البیھقی فی المعرفۃ واما المسح علی الجوربین والنعلین فقد روی ابو قیس الاودی عن ھذیل بن شرحبیل عن المغیرۃ بن شعبۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسح علی جوربیہ ونعلیہ وذلک حدیث منکر ضعفہ سفیان الثوری وعبد الرحمن بن مھدی واحمد بن حنبل ویحیی بن معین وعلی المدینی ومسلم بن الحجاج والمعروف عن المغیرۃ حدیث المسح علی الخفین وروی عن جماعۃ من الصحابۃ انھم فعلوہ انتھی

فان قلت قد اجاب عن ھذہ الخدشۃ الشیخ الامام تقی الدین ابن دقیق العید بقولہ ومن یصححہ یعتمد بعد تعدیل ابی قیس علی کونہ لیس مخالفا لروایۃ الجمھور مخالفۃ معارضۃ بل ھو امر زائد علی ما رووہ ولا یعارضہ ولا سیما وھو طریق مستقل بروایۃ ھزیل عن المغیرۃ لم یشارک المشھورات فی سندھا۔ قلت قد ظھر لک مما تقدم ان کل من روی حدیث

---

اگر آپ مجھے ابوقیس عن ہذیل کی حدیث سنائیں، تو میں اس کو آپ سے قبول نہیں کروں گا۔ سفیان نے کہا وہ حدیث واقعی ضعیف ہے علی بن مدینی نے کہا منیرہ کی حدیث کو مدینہ، کوفہ اور بصرہ والوں نے روایت کیا ہے سب موزہ کا ذکر کرتے ہیں، صرف ابوقیس جراب کا تذکرہ کرتے ہیں، بیہقی نے کہا یہ حدیث منکر ہے، اس کو سفیان ثوری، اور عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل، یحیی بن معین، علی بن مدینی، امام مسلم نے ضعیف کہا ہے،

اگر یہ سوال کیا جائے، کہ ابن دقیق العید نے اس کی تصحیح پر اعتماد کیا ہے اور کہا ہے، کہ ابوقیس کی روایت دوسروں کے مخالف نہیں ہے، کیونکہ وہ تو ایک امر زائد بیان کرتا ہے، اس کا جواب یہ ہے، کہ اگر اس روایت کے

المغیرۃ بن شعبۃ فی المسح من اھل المدینۃ واھل الکوفۃ واھل البصرۃ رواہ بلفظ انہ صلی اللہ علیہ وسلم مسح علی الخفین الا ھذیل بن شرحبیل فانہ روی بلفظ انہ صلی اللہ علیہ وسلم مسح علی الجوربین والنعلین فخالف الناس کلھم ولا شك ان روایتہ ھذہ معارضۃ ومنافیۃ لما رووہ لانہ یثبت من ھذہ الروایۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم مسح علی الجوربین والنعلین دون الخفین ویثبت من روایتھم انہ صلی اللہ علیہ وسلم مسح علی الخفین دون الجوربین والنعلین فکیف یصح قول ابن دقیق العید ان روایتہ لیست مخالفۃ لروایۃ الجمھور مخالفۃ معارضۃ واما قولہ بل ھو امر زائد علی ما رووہ ولا یعارضہ فھذا ایضا لیس بمستقیم لانھم رووہ بلفظ انہ صلی اللہ علیہ مسح علی الخفین ولم یزد ھذیل بن شرحبیل علی ھذا اللفظ لفظ والجوربین والنعلین حتی یقال انہ روی امرا زائدا علی ما رووہ بل روی مکان لفظ علی الخفین لفظ علی الجوربین النعلین فتفکر علا انہ قد اتفق علی تضعیف روایۃ ھذیل بن شرحبیل مثال سفیان الثوری وابن مھدی وابن معین واحمد وابن المدینی ومسلم وابوداود والنسائی فبعد اتفاق ھؤلاء الاجلۃ لا یجدی ما قالہ ابن دقیق العید نفعا واما تحسین الترمذی وتصحیحہ فقال النووی وعلی ما فی فتح القدیر کل منھم لو ای من ھؤلاء الاجلۃ لو انفرد قدم علی الترمذی مع ان الجرح مقدم علی التعدیل انتہی۔

فان قلت روایۃ ھذیل لیست بمنافیۃ لروایتھم حتی تترك روایتہ وتؤخذ روایتھم فان المراد بالجورب فی روایۃ الخف الکبیر الذی یکون

---

یہ الفاظ ہوتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر اور جرابوں اور جوتی پر مسح کیا تو ایک امر زائد تھا، لیکن اس نے تو موزے کے بجائے جراب اور جوتی کا ذکر کیا ہے تو یہ امر زائد نہیں ہے بلکہ ثقات کی مخالفت ہے۔ باقی رہا ترمذی کا اس کو حسن صحیح کہنا، تو امام نووی نے کہا کہ جن لوگوں نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے ان میں سے ہر ایک امام ترمذی سے مقدم ہے، اور پھر یہ اصول بھی ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ لفظ جراب مختلف المفہوم ہے موزے کے اوپر جو لفافہ پہنا جاتا ہے، اس کو

من الادیم فان لفظ الجورب یطلق علیہ ایضا بل بہ فسر العلامۃ الشوکانی حیث قال فی باب المسح علی الخفین الخف نعل من ادم یغطی الکعبین والجرموق اکبر یلبس فوقہ والجورب اکبر من الجرموق ثم قال فی باب المسح علی الجوربین قد تقدم ان الجورب الخف الکبیر انتہی وکذلک فسر بہ محمد بن اسمٰعیل الامیر فی سبل السلام وقال الطیبی الجورب لفافۃ الجلد وھو خف معروف من نحو الساق فلما جاء اطلاق لفظ الجورب علی الخف الکبیر ایضا تعین ان یراد ھو فی روایتہ ورواتیھم۔ قلت ان کان قولک ھذا صحیحا فھو لنا لا لک لانہ یثبت من ھذا انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یمسح علی الجوربین وھذا ھو مقصودنا وان کان قولک ھذا غیر صحیح فھو غیر صحیح۔ والحاصل ان الحدیث المرفوع فی المسح علی الجوربین لیس بصحیح فلا یصح احتجاج المجوزین بہ۔

وھھنا خدشۃ اخری وھی ان مطلوب المستدلین بھذا الحدیث انہ یجوز الاقتصار علی مسح الجوربین والظاھر من الحدیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یقتصر علیھما بل ضم الیھما مسح النعلین قال الطیبی معنی قولہ والنعلین ھو ان یکون قد لبس النعلین فوق الجوربین وقال الشیخ معنی الحدیث ان یکون قد لبس النعلین فوق الجوربین کما قالہ الخطابی وقال لم یقتصر علی مسحھما بل ضم الیھما مسح النعلین فعلی مزید عی جواز الاقتصار علی مسحھما الدلیل کذا فی ھامش الترمذی۔ ولو سلم انہ

اس کو جرموق کہتے ہیں، اور جرموق پر جو پہنا جاتا ہے، اس کو جراب کہتے ہیں، تو ممکن ہے، جراب سے چمڑے کا وہ لفافہ مراد ہو جو جرموق پر پہنا جاتا ہے، تو میں کہتا ہوں، کہ یہ دلیل تو ہماری ہوگی نہ کہ تمہاری اور پھر یہ بھی خیال کرنا چاہیئے، کہ جراب پر مسح کرنے والوں کا مقصد تو یہ ہے کہ صرف جراب پر مسح کرنا جائز ہے، حالانکہ اس حدیث میں جراب اور جوتی پر مسح کا ذکر ہے، یعنی جراب کے اوپر جوتی پہنے ہوئے آپ نے مسح کیا، صرف جراب پر مسح نہیں کیا،

یہاں ایک اور خدشہ بھی ہے، کہ جراب سوتی بھی ہوتی ہے اور اونی بھی، موٹی بھی اور باریک بھی

صلی اللہ علیہ وسلم مسح علی الجوربین منفردین عن النعلین ومسح علی النعلین منفردین عن الجوربین یلزم ان یجوز الاقتصار علی مسح النعلین ایضا والقائلون بجواز الاقتصار علی المسح علی الجوربین لیسوا بقائلین علی جواز الاقتصار علی مسح النعلین۔

وھھنا خدشۃ اخری ذکرھا صاحب غایۃ المقصود وھی ان الجورب یتخذ من الادیم وکذا من الصوف وکذا من القطن ویقال لکل من ھذا انہ جورب ومن المعلوم ان ھذہ الرخصۃ بھذا العموم التی ذھبت الیھا تلک الجماعۃ لا تثبت الا بعد ان یثبت ان الجوربین اللذین مسح علیھما النبی صلی اللہ علیہ کانا من صوف اوقطن سواء کانا منعلین او ثخینین فقط ولم یثبت ھذا قط فمن این علم جواز المسح علی الجوربین غیر المجلدین بل یقال ان المسح یتعین علی الجوربین المجلدین لا غیرھما لانھما بمعنی الخف والخف لا یکون الا من الادیم نعم لوکان الحدیث قولیا بان قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امسحوا علی الجوربین لکان یمکن الاستدلال بعمومہ علی کل نوع من انواع الجورب واذ لیس فلیس۔ فان قلت لما کان الجورب من الصوف ایضا احتمل ان الجوربین اللذین مسح علیھما النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانا من صوف اوقطن اذ لم یبین الراوی۔ قلت نعم الاحتمال فی کل جانب سواء یحتمل کونھما من صوف وکذا من ادیم وکذا من قطن لکن ترجح الجانب الواحد وھو کونہ من ادیم لانہ یکون حینئذ فی معنی الخف ویجوز المسح علیہ قطعا واما المسح علی غیر الادیم فثبت بالاحتمالات التی لم تطمئن النفس بھا وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم دع ما یریبک

اور وہ بھی جس کے نیچے چمڑا لگا ہوتا ہے۔ تو جب تک کسی خاص لفظ سے پتہ نہ چلے کہ وہ جراب جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح کیا، وہ چمڑے والی نہ تھی، تب تک مقصود مجوزین ثابت نہیں ہوسکتا، کیونکہ چمڑے والی جراب تو موزہ ہی کے حکم میں ہے، اگر کہا جائے کہ دوسری جراب کا بھی احتمال تو ہے، تو میں کہتا ہوں، کہ اس میں جب صراحت نہیں ہے، تو نفس مطمئن نہیں ہوسکتا، اور حضور نے فرمایا ہے،

الی ما لا یریبك اخرجہ احمد وغیرہ

واما افعال الصحابۃ رض فاخرج عبد الرزاق فی مصنفہ اخبرنا الثوری عن منصور عن خالد بن سعد قال کان ابو مسعود الانصاری یمسح علی الجوربین لہ من شعر ونعلیہ وسندہ صحیح۔ واخرج ایضا فیہ اخبرنی الثوری عن الزبرقان عن کعب بن عبد اللہ قال رأیت علیا بال فمسح علی جوربیہ ونعلیہ ثم قام یصلی۔ واخرج ایضا فیہ اخبرنا معمر عن الاعمش عن ابراھیم ان ابن مسعود کان یمسح علی خفیہ و یمسح علی جوربیہ واخرج ایضا فیہ اخبرنا الثوری عن الاعمش عن اسمعیل بن رجاء عن ابیہ قال رأیت البراء بن عازب یمسح علی جوربیہ ونعلیہ واخرج ایضا فیہ اخبرنا معمر عن قتادۃ عن انس بن مالک رض انہ کان یمسح علی الجوربین وقال ابو داؤد فی سننہ مسح علی الجوربین علی بن ابی طالب وابن مسعود والبراء بن عازب وانس بن مالک وابو امامۃ وسھل بن سعد وعمرو بن حریث وروی ذلک عن عمر بن الخطاب وابن عباس وقال ابن القیم فی حاشیتہ علی سنن ابی داؤد قال ابن المنذر یروی المسح علی الجوربین عن تسعۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی وعمار وابی مسعود الانصاری وانس وابن عمر والبراء وبلال وعبد اللہ بن ابی اوفی وسھل بن سعد وزاد ابو داؤد وابو امامۃ وعمرو بن حریث وعمر وابن عباس فھؤلاء ثلاثۃ عشر صحابیا والعمدۃ فی الجواز علی ھؤلاء رضی اللہ عنھم لا علی حدیث ابی قیس انتھی۔

واما المخدشۃ فی الاستدلال بھا فلانھا افعال الصحابۃ رضی اللہ عنھم

---

* شک والی چیز کو ترک کر دو"۔

باقی رہا صحابہ کرام کا عمل، تو ان سے مسح جراب ثابت ہے، اور تیرہ صحابہ کرام کے نام صراحت سے معلوم ہیں، کہ وہ جراب پر مسح کیا کرتے تھے، یعنی حضرت علی رض عمار رض ابو مسعود انصاری رض انس رض ابن عمر رض براء بن عازب رض حضرت بلال رض عبد اللہ بن ابی اوفی رض سہل بن سعد رض ابو امامہ رض عمرو بن حریث، عمر و ابن عباس رض اگر حدیث مرفوع کے بجائے ان کے عمل سے استدلال کیا جائے، تو یہ اس

وللاجتہاد فیہ مسرح فلا تنتہض للاحتجاج بہا وھھنا خدشات آخر نظہر لک مما سیاتی۔

واما القیاس فہو انہ لما جاز المسح علی الخفین جاز علی الجوربین ایضا قیاسا علیہما فانہ لا یظہر بین الجوربین والخفین فرق موثر یصح ان یحال الحکم علیہ۔

واما الخدشۃ فی الاستدلال بہ فہی ان العلۃ ھھنا لیست بمنصوصۃ فلا یعلم بیقین ان العلۃ الواقعیۃ فی جواز المسح علی الخفین ما ہی و القیاس بالعلۃ الغیر المنصوصۃ لیس الا ظنیا محضا فکیف یترک بمثل ہذا القیاس ما ثبت بالقران وما ثبت بالحدیث المتواتر من غسل الرجلین والمسح علی الخفین واما القول بانہ لا یظہر الفرق بین الجوربین والخفین فرق موثر الخ فممنوع کما لا یخفی علی المتأمل

والحاصل انہ لم یقم علی جواز المسح علی الجوربۃ المسئولۃ عنہا دلیل لا من الکتاب ولا من السنۃ ولا من الاجماع ولا من القیاس الصحیح کما عرفت والثابت من الکتاب غسل الرجلین ورخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسح علی الخفین ولم یثبت منہ الرخصۃ فی المسح علی الجوربین فکیف یجوز المسح علیہما

فان قال المجوزون لما ثبت ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسحوا علی الجوربین ثبت ان علی جواز المسح علیہما دلیل فان شان الصحابۃ رضی اللہ عنہم اجمعین اعلی من ان یعملوا عملا لیس

---

سے بہتر ہے لیکن ان کے عمل میں ایک اور شبہ پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ یہ فعل ایک ایسا کام ہے جس کو اجتہاد کو دخل ہے، اور جس میں اجتہاد کو دخل ہو صحابی کا وہ فعل مرفوع حکمی نہیں کہلا سکتا۔

باقی رہا قیاس کا مسئلہ کہ جب موزہ پر مسح جائز ہے تو قیاساً جراب پر بھی جائز ہونا چاہیے، کیونکہ ان دونوں میں کوئی فرق مؤثر نہیں ہے، اس پر شبہ یہ ہے کہ اگر مسح موزہ کی کوئی علت منصوص ہوتی، تو اس علت کی بنا پر جراب کے مسح کو اس پر قیاس کر لیا جاتا، لیکن یہاں کوئی علت منصوص نہیں ہے، ممکن ہے ہم کوئی اور علت سمجھیں، اور حقیقت میں کوئی اور ہو، اگر سوال کیا جائے کہ صحابہ کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ ہے

علیہ دلیل فیما جوز اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسح علیہما جوزنا نحن ایضا وان لم نعلم انہ ماھو۔ قلنا علام تمسکہم اما علی ما تمسک بہ الصحابۃ رضہ او علی مجرد انفہم فان کان الاول فما ھو فما لم نعلم انہ ماھو وکیف نترک ما علمنا من القران والاحادیث الصحیحۃ الثابتۃ بما لم نعلم وان کان الثانی فقد علمت ما فیہ من الخدشۃ ثم لا یدری ان الصحابۃ رضہ علی ای نوع من انواع الجورب مسحوا لان الرواۃ انما حکوا انہم مسحوا علی الجوربین ولم یبین اثرھم صفۃ الجوربین الذین مسحوا علیہما ومن المعلوم ان الفعل المثبت لا عموم لہ ولا یدری ایضا ان الصحابۃ الماسحین علی الجوربین کانوا قائلین بجواز المسح علی کل نوع من انواع الجورب او علی بعض دون بعض ولا یدری ایضا انہم کانوا قائلین بجواز المسح علی الجوربین مع النعلین او کانوا قائلین بجواز الاقتصار علی مسح الجوربین والظاہر من فعل ابی مسعود الانصاری و علی والبراء بن عازب رضی اللہ عنہم انہم کانوا یمسحون علی الجوربین مع النعلین فما لم یتحقق ھذہ الامور ولم یتبین کیف یصح الاستدلال بافعالھم رضی اللہ عنہم علی جواز المسح علی کل نوع من انواع الجورب او علی نوع معین منہا۔ واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے اہل حدیث اس مسئلہ میں کہ منی پاک ہے یا ناپاک، بینوا توجروا۔

---

کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں، تو آخر کسی دلیل کی بنا پر ہی صحابہ نے جراب پر مسح کیا ہوگا۔ اگرچہ وہ ہم کو معلوم نہیں، تو ہم بھی اسی وجہ سے مسح کر لیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے، کہ اگر صحابہ کے کوئی نقلی دلیل ہے، تو وہ کہاں ہے، کیسی ہے جبتک ہمیں معلوم نہ ہو جائے، ہم قرآن اور متواتر حدیث کے مضمون کو کیوں چھوڑ دیں، اور اگر صحابہ کے فعل سے استدلال کیا جائے، تو اس کا جواب پہلے گذر چکا ہے، کہ اس میں اجتہاد کو دخل ہے، اور پھر یہ بھی تو معلوم نہیں، کہ صحابہ کونسی جراب پر مسح کیا کرتے تھے، جب تک ان تمام باتوں کی وضاحت نہ ہو جائے ہم کتاب اللہ کے مضمون کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم ۱۲

**الجواب:** منی کے پاک اور ناپاک ہونے کے بارے میں حدیثیں مختلف آئی ہیں بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ منی پاک ہے، اور بعض سے ظاہر ہوتا ہے، کہ ناپاک ہے، اسی وجہ سے اس بارے میں علماء کی رائیں مختلف ہیں، امام شافعی اور امام احمد اور اصحاب الحدیث کے نزدیک منی پاک ہے، امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح میں لکھا ہے، کہ بہت سے لوگوں کا مذہب ہے، کہ منی پاک ہے، اور حضرت علی اور سعد بن وقاص اور عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے، کہ منی پاک ہے، اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک ناپاک ہے۔

اصحاب الحدیث کے نزدیک منی کے پاک ہونے کی تصریح حافظ ابن حجر نے فتح الباری صفحہ ۱۶۵ جلد ا میں اور نووی نے شرح صحیح مسلم صفحہ ۱۴۰ میں کی ہے، مگر متاخرین اہل حدیث میں علامہ شوکانی کی تحقیق یہ ہے، کہ منی ناپاک ہے، چنانچہ انہوں نے نیل الاوطار صفحہ ۴۵ جلد ا میں اس مسئلہ کو مع مالہا وما علیہا لکھ کر آخر میں لکھتے ہیں فالصواب ان المنی نجس یجوز تطہیرہ باحد الامور الواردۃ انتہی یعنی صواب یہ ہے، کہ منی نجس ہے اس کا پاک کرنا کسی ایک طریقہ سے منجملہ ان طریقوں کے جو احادیث میں وارد ہیں جائز ہے[1]

جن علماء کے نزدیک منی پاک ہے، ان کی دلیل وہ حدیثیں ہیں، جن میں منی کے کھرچنے اور چھیلنے کا ذکر ہے، وہ کہتے ہیں، کہ اگر منی ناپاک اور نجس ہوتی تو اس کا صرف کھرچنا و چھیلنا کافی نہ ہوتا بلکہ اس کا دھونا ضروری ہوتا، جیسے کہ تمام نجاستوں کا حال ہے، اور جن حدیثوں میں منی کے دھونے کا بیان ہے، ان احادیث کو استحباب پر محمول کرتے ہیں، اور ان لوگوں کی ایک دلیل ابن عباس رض کی یہ روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، منی کے بارے میں جو کپڑے میں لگ جاوے تو آپ نے فرمایا منی بمنزلہ تھوک اور رینٹ کے ہے، کسی خرقہ سے یا اذخر سے اس کا پونچھ ڈالنا کافی ہے رواہ الدارقطنی قال فی المنتقی بعد ذکرہ رواہ الدارقطنی وقال لم یرفعہ غیر اسحٰق الازرق عن شریک قلت وھذا لا یضر لان اسحق امام مخرج عنہ فی الصحیحین فیقبل رفعہ وزیادتہ انتہی اور ان لوگوں کی ایک دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے سے منی کو اذخر کی جڑ سے پونچھتے تھے پھر اس میں

---

[1] صحیح یہ ہے کہ منی ناپاک ہے اور اس کو تینوں طرق منقولہ سے پاک کیا جا سکتا ہے ۱۲

نماز پڑھتے تھے، اور جب کہ خشک ہوتی، تو کپڑے سے کھرچتے تھے، پھر اس میں نماز پڑھتے تھے اخرجہ احمد فی مسندہ وذکرہ فی المنتقی۔

اور جو علماء منی کو ناپاک کہتے ہیں، ان کی دلیل وہ حدیثیں ہیں، جن میں منی کے دھونے کا ذکر ہے، وہ کہتے ہیں، کہ منی اگر پاک ہوتی، تو اس کے دھونے کی کیا ضرورت تھی، جو چیز نجس وناپاک ہوتی ہے، وہی دھوئی جاتی ہے، اور ان لوگوں کی ایک دلیل عمار کی یہ مرفوع روایت ہے، کہ نہ دھویا جائے کپڑا مگر پاخانہ اور پیشاب اور مذی اور منی اور خون اور قے سے، مگر یہ روایت ضعیف ہے، دیکھو نیل الاوطار صفحہ ۴۵ جلد ۱۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، کہ منی کے دھونے اور منی کے کھرچنے کی حدیثوں میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ جو لوگ منی کے پاک ہونے کے قائل ہیں ان کے قول پر ان احادیث میں تطبیق وتوفیق واضح ہے، بایں طور کہ دھونے کو استحباب پر محمول کریں، تنظیف کے لئے، نہ وجوب پر، اور یہ طریقہ شافعی اور احمد اور اہل حدیث کا ہے، اور جو لوگ منی کی نجاست کے قائل ہیں، ان کے قول پر بھی ان احادیث میں تطبیق ممکن ہے بایں طور کہ دھونے کو تر منی پر محمول کریں اور کھرچنے کو خشک پر، اور یہ طریقہ حنفیہ کا ہے، پھر حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، کہ پہلا طریقہ ارجح ہے کیونکہ اس میں حدیث اور قیاس دونوں پر عمل ہوتا ہے، اس واسطے کہ منی اگر نجس ہوتی، تو قیاس یہ تھا، کہ اس کا دھونا واجب ہوتا، اور اس کا صرف کھرچنا کافی نہ ہوتا جیسے خون وغیرہ، اور دوسرے طریقہ کو حضرت عائشہ رض کی یہ روایت رد کرتی ہے، کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو اذخر کی جڑ سے دور کرتی تھیں، پھر آپ اس میں نماز پڑھتے تھے، اور جب کہ منی خشک ہوتی، تو آپ کے کپڑے سے کھرچتی تھیں، پھر آپ اس میں نماز پڑھتے تھے" اس واسطے کہ یہ روایت متضمن ہے ترک غسل پر منی کے تر ہونے کی حالت میں بھی، اور خشک ہونے کی حالت میں بھی، عبارۃ الفتح ہکذا۔

ولیس بین حدیث الغسل وحدیث الفرک تعارض[1] لان الجمع بینہما واضح علی القول بطہارۃ المنی بان یحمل علی الاستحباب للتنظیف لا علی الوجوب وھذہ طریقۃ الشافعی واحمد واصحاب الحدیث وکذا الجمع ممکن

---

[1] منی کو کھرچ دینے اور دھونے کی حدیثوں میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ جو لوگ منی کو پاک کہتے ہیں، ان کے مذہب پر یہ اس طرح جمع ہو سکتی ہیں، کہ دھونا استحباب پر محمول کیا جائے نہ کہ وجوب پر، امام احمد وشافعی

علی القول بنجاسته بان ثبت الغسل علی ماکان رطبا والفرك علی ماکان یابسا
وھذہ طریقة الحنفیة والطریقة الاولی ارجح لان فیه العمل بالخبر والقیاس معًا
لانه لو کان نجسا لکان القیاس وجوب غسله دون الاکتفاء بفرکه کالدم وغیرہ
وھم لا یکتفون فیما لا یعفی عنه الدم بالفرك ویرد الطریقة الثانیة ایضا ما
فی روایة ابن خزیمة من طریق اخری عن عائشة کانت تسلت المنی من ثوبه
بعرق الاذخر ثم یصلی فیه وتحکه من ثوبه یابسا ثم یصلی فیه فانه یتضمن
ترك الغسل فی الحالتین انتھت عبارة الفتح. واللہ تعالی اعلم وعلمه اتم

کتبه محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنه | سید محمد نذیر حسین |

**سوال:** - ایک شخص پیشاب کر رہا تھا، پیشاب کی چھینٹیں اس کے بدن پر پڑیں، اس نے فورًا پانی سے دھو ڈالا، یا ڈھیلے سے سوکھا ڈالا، وہ شخص پاک رہے گا، یا کہ غسل کی حاجت رہے گی۔ بینوا توجروا

**الجواب:** - پیشاب کی چھینٹیں بدن پر پڑنے سے غسل کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے فقط اس مقام کو جہاں چھینٹیں پڑی ہیں دھو ڈالنا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔ حررہ عبد الرحیم عفی عنہ

| سید محمد نذیر حسین |

**سوال:** - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے دھوتی پہنے ہوئے وضو کیا، اور بعد فارغ ہونے کے دھوتی اس کی ہوا سے اڑ کر کاندھے پر جا پڑی اور جانگ کھل گئی، اب غرض یہ ہے، کہ جانگ کے کھل جانے سے وضو اس کا باطل ہوا یا نہیں، فقط بینوا توجروا۔

**الجواب:** - صورت مسئولہ میں دھوتی کے کھل جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، چنانچہ صحیح

---

۱ اور اہل حدیث کا یہی مذہب ہے، اور جو اس کو ناپاک کہتے ہیں، ان کے نزدیک اس طرح جمع ہو سکتی ہیں، کہ تر کے لئے دھونا ہے، اور خشک کے لئے کھرچنا، یہ احناف کا مسلک ہے، اور مسلک اول زیادہ راجح ہے، کیونکہ اس میں حدیث اور قیاس دونوں پر عمل ہو سکتا ہے، کیونکہ اگر منی ناپاک ہوتی، تو اس کا دھونا خون کی طرح واجب ہوتا، کھرچنے کی اجازت نہ ہوتی، کیونکہ حنفی جب خون کے پلید ہونے کے قائل ہیں تو اس کے کھرچنے کے قائل نہیں، بلکہ اس کا دھونا ضروری سمجھتے ہیں، اور پھر دھونے کی روایت ایک اور طریق سے بھی آئی ہے، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اذخر کے پانی سے اسے ختم کر دیتیں، یا کھرچ ڈالتیں، اس سے دونوں طرح دھونے کا ترک ثابت ہو گیا ۱۲

بخاری میں ہے الا تغفطوا سنت قادتکم الحدیث جب کہ چوتڑ کے کھل جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، تو جانگ کے کھل جانے سے بدرجہ اولٰے نہیں ٹوٹے گا، فتح الباری میں ہے وکذا من[1] استدلال بہ بان ستر العورۃ فی الصلوٰۃ لیس شرطا لصحتہا بل ھو سنۃ و اللہ اعلم بالصواب۔ حررہ عین الدین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ چہ فرمایند علمائے دین درین مسئلہ کہ اگر سگ درچاہ افتاد چہ حکم است، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ حکم چاہ مذکور آن است، کہ اگر آب آن چاہ از افتادن سگ متغیر نشدہ است بلکہ برحال خود است، آن چاہ طاہر است، واگر بو یا مزہ یا رنگ آن متغیر شدہ است نجس است عن ابی سعید الخدری رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الماء طھور لا ینجسہ شئی اخرجہ الثلاثۃ وصححہ احمد کذا فی بلوغ المرام وفیہ ایضا عن ابی امامۃ الباھلی رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الماء لا ینجسہ شئی الا ما غلب علی ریحہ وطعمہ ولونہ اخرجہ ابن ماجۃ وضعفہ ابو حاتم وللبیہقی الماء طاھر الا ان تغیر ریحہ اوطعمہ اولونہ بنجاسۃ تحدث فیہ انتھی۔ وآنکہ درآخر حدیث ثانی گفتہ وضعفہ ابو حاتم این سخن مضر نیست زیراکہ جزو اول این حدیث یعنی ان الماء لا ینجسہ شئی بطریق دیگر مروی شدہ است وآن صحیح است، چنانکہ بطریق ابو سعید گذشت، وامام احمد تصحیح آن کردہ باقی ماند جزو اخیر یعنے الا ما غلب علی ریحہ اوطعمہ اولونہ پس بر عمل آن اجماع است پس برین تقدیر ہمین اجماع

[1] اس سے یہ استدلال بھی کیا جاسکتا ہے، کہ ستر عورت صحت نماز کے لئے شرط نہیں ہے ۱۲

سوال:۔ اگر کتا کنوئیں میں گر پڑے، تو اس کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اگر کتا کنوئیں میں گر پڑے، اور پانی کا رنگ یا مزہ یا بو تبدیل نہ ہو، تو وہ پانی پاک ہے ورنہ ناپاک، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، پانی پاک ہے، اس کو کوئی چیز پلید نہیں کرسکتی، اور پھر یہ بھی فرمایا، کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرسکتی، ہاں اگر کوئی چیز ناپاک اس کے رنگ یا مزہ یا بو پر غالب آکر اس کو بدل دے تو ناپاک ہو جاتا ہے، اس حدیث کو ابو حاتم نے ضعیف کہا ہے، لیکن دوسرے طرق سے اس کی تائید ہو جاتی ہے، اور دوسری حدیث کے آخری حصہ پر امت کا اجماع ہے یعنی اگر ناپاک چیز پانی میں گر کر اس کے رنگ یا مزہ یا بو کو بدل دے، تو وہ ناپاک ہے، اس حدیث کے پہلے حصہ پر اجماع ہی اس

دلیل جزو اخیر از دعوی صدر خواہد شد چنانچہ در سبل السلام شرح بلوغ المرام مرقوم است، کہ قال ابن المنذر اجمع العلماء علی ان الماء القلیل والکثیر اذا وقعت فیہ نجاسۃ فغیرت لہ طعما او لونا او ریحا فہو نجس فالاجماع ہو الدلیل علی نجاسۃ ما تغیر احد اوصافہ لا ہذہ الزیادۃ انتہی۔ آب ہر آبے کہ کم از مقدار قلتین است، بمجرد افتادن نجاست نجس خواہد شد خواہ رنگ یا بو یا مزہ آن متغیر شود یا نہ چنانچہ در بلوغ المرام است عن عبد اللہ بن عمر رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث وفی روایۃ لم ینجس اخرجہ الاربعۃ وصححہ ابن خزیمۃ وابن حبان۔

این تحقیق از روئے حدیث بود، باقی ماند حکم چاہ مذکور از روئے فقہ حنفیہ پس آن این است کہ بر آوردہ خواہد شد جمیع آب آن چنانچہ در ہدایہ است وان ماتت فیہ شاۃ او آدمی او کلب ینزح جمیع ما فیہا من الماء لان ابن عباس رض وابن الزبیر رض افتیا بنزح الماء کلہ حین مات زنجی فی بئر زمزم۔ لیکن این حکم قابل تسلیم نیست، زیرا کہ این حکم بر بنائے فتوئے ابن عباس رض وابن الزبیر رض است، وا ین فتوی مخدوش است بچند وجوہ:۔

اول آنکہ سند این فتوئے ضعیف است، چنانچہ در درایہ تخریج ہدایہ مرقوم است قولہ وروی عن ابن عباس رض وابن الزبیر رض انہما افتیا بنزح ماء البئر کلہا حین مات زنجی فی بئر زمزم رواہ الدارقطنی من طریق ابن سیرین ان زنجیا وقع فی بئر

کے پہلے حصہ کی بھی توثیق کر دیتا ہے، چنانچہ سبل السلام شرح بلوغ المرام میں اس کو تفصیلاً ذکر کیا ہے، ہاں اگر پانی دو قلہ (تقریبا پانچ مشکے) سے کم ہو، تو وہ نجاست کے گرنے سے ناپاک ہو جائے گا، خواہ اس کا رنگ یا بو یا مزہ بدلے یا نہ بدلے، چنانچہ بلوغ المرام میں حدیث ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب پانی دو قلہ ہو، تو وہ ناپاک نہیں ہوتا، یہ تحقیق تو از روئے حدیث ہے،

فقہ حنفی کی رو سے اس کنویں کا تمام پانی نکالا جائے گا، چنانچہ ہدایہ میں ہے، اگر کنویں میں بکری یا آدمی یا کتا گر کر مر جائے، تو اس کا تمام پانی نکالا جائے گا، کیونکہ ابن عباس اور ابن زبیر نے یہی فتوی دیا تھا، جب کہ زمزم کے کنویں میں ایک حبشی گر کر مر گیا، لیکن یہ حکم کئی لحاظ سے قابل تسلیم نہیں ہے۔

اولاً اس لئے کہ اس کی بنیاد ابن عباس رض اور ابن زبیر رض کے فتوے پر ہے، اور وہ فتوی کئی لحاظ سے مخدوش ہے اولاً اس لئے کہ اس کی سند ضعیف ہے، چنانچہ درایہ تخریج ہدایہ میں لکھا ہے، کہ حبشی والی حدیث کی

زمزم فامر به ابن عباس رض فاخرج اھ قال البیھقی ابن سیرین عن ابن عباس رض منقطع بعد ازین برائے این اثر چند طرق ذکر کردہ ہمہ را ضعیف گفتہ۔

دوم آنکہ اگر تسلیم کردہ شود کہ سند این فتوے صحیح است، تاہم ازو احتجاج صحیح نیست زیراکہ قول صحابی حجت نیست، چنانچہ در مجمع البحار کہ از تصنیف محمد طاہر پٹنی حنفی است، مرقوم است، والموقوف ماروی عن الصحابی من قول او فعل متصلا ومنقطعا وھو لیس بحجۃ۔

سوم آنکہ اگر این ہم تسلیم کردہ شود کہ قول صحابی حجت است تاہم احتجاج ازین فتوی صحیح نیست زیراکہ نافی این فتوے حدیث مرفوع صحیح است، چنانکہ گذشت، و ہر قول صحابی کہ خلاف حدیث مرفوع باشد قابل احتجاج نمی شود، و این نزد حنفیہ ہم مسلم است، چنانچہ در فتح القدیر شرح ہدایہ است قول الصحابی حجۃ فیجب تقلیدہ عندنا مالم ینفہ شئ اخرمن السنۃ (فتح القدیر۔ کتاب الصلوۃ۔ باب صلوۃ الجمعۃ۔ تحت قولہ اذا خرج الامام یوم الجمعۃ)

حاصل آنکہ فتوی ابن عباس رض و ابن الزبیر رض ہرگز قابل احتجاج نیست بوجوہ مذکورہ بالا پس آن حکم کہ از ہدایہ نقل شدہ ہم قابل تسلیم نخواہد شد، و عجب است ازین حضرات احناف کہ اینجا بر آب این چاہ حکم نجاست کنند، و جائے دیگر چنین آب حکم طہارت کنند کہ از آب این چاہ بدرجہا پلید است، چنانچہ گویند کہ اگر بر سطح مکان گندگی باشد، و بران بارش شود پس میزاب جاری شود اگر آن نجاست نزد میزاب باشد و ہمہ آب یا اکثر آن یا نصف آن ملاقی نجاست شود پس آن نجس

---

سند منقطع ہے، کیونکہ ابن سیرین کی ابن عباس رض سے ملاقات نہیں ہوئی، اور اس کے چند ایک طرق بھی ہیں، جو کہ سب کے سب ضعیف ہیں

ثانیاً اگر اس کی صحت تسلیم کر بھی لی جائے تو اس سے حجت نہیں لی جا سکتی کیونکہ صحابی کا قول ہے، اور وہ احناف کے نزدیک بھی حجت نہیں ہے، چنانچہ محمد طاہر پٹنی حنفی نے مجمع البحار میں اس کی تصریح کی ہے۔

ثالثاً اگر صحابی کے قول کو حجت تسلیم کر بھی لیا جائے، تو حدیث صحیح مرفوع کا معارض نہیں ہو سکتا، چنانچہ فتح القدیر کتاب الصلوۃ میں خود علمائے احناف نے اس کو تسلیم کیا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ابن عباس رض کا فتوی وجوہ مذکورہ بالا کی بنا پر قابل قبول نہیں ہے، اور اسی بنا پر ہدایہ کا بھی فیصلہ قبول نہیں، بڑے تعجب کی بات ہے، کہ احناف اس کنویں کے پانی کو تو ناپاک کہتے ہیں، اور اس پانی کو جو

است ورنہ طاہر است، واگر نجاست بر سطح مکان در مواضع متفرقہ باشد و بر سر میزاب نہ
باشد آن آب نجس نخواہد شد، چنانچہ در عالمگیری مرقوم است ولو کان علی السطح
عذرۃ فوقع علیہ المطر فسال المیزاب ان کانت النجاسۃ عند المیزاب وکان
الماء کلہ یلاقی العذرۃ او اکثرہ او نصفہ فھو نجس والا فھو طاھر وان کانت
العذرۃ علی السطح فی مواضع متفرقۃ ولم یکن علی راس المیزاب لا یکون
نجسا وحکمہ حکم الماء الجاری کذا فی السراج الوھاج (عالمگیری جلد اول کتاب
الطہارۃ باب ثالث فصل اول) واللہ تعالی اعلم بالصواب۔ الراقم ابو محمد عبد الحق
اعظم گڈھی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**ھو الموفق** حافظ ابن حجر در درایہ صفحہ ۳۰ گفتہ وروی البیھقی من طریق ابن عیینۃ
قال انا بمکۃ منذ سبعین سنۃ لم ار صغیرا ولا کبیرا یعرف حدیث الزنجی
ولا سمعت احدا یقول نزحت زمزم وقال الشافعی ان ثبت ھذا عن ابن
عباس فلعل نجاسۃ ظھرت علی وجہ الماء او نزحت للتنظیف یعنی بیہقی از طریق
ابن عیینہ روایت کرد کہ من در مکہ ہفتاد سال بودم کسے را از صغیر و کبیر ندیدم کہ حدیث زنجی را بشناسد
ونہ از کسے شنیدم کہ چاہ زمزم نزح کردہ شد، وشافعی گفت کہ این روایت از ابن عباس اگر ثابت
شود پس شاید نجاست بروئے آب ظاہر شدہ باشد یا نزح برائے تنظیف باشد پس از قول
ابن عیینہ وامام شافعی ہم مخدوش شدن استدلال بہ فتوی ابن عباس ظاہر است واللہ تعالی اعلم
وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

---

اس سے سینکڑوں حصہ کم ہے، اور گندگی اس سے زیادہ ہے، اس کو پاک کہہ لیتے ہیں، فتاوی عالمگیری میں ہے اگر بارش
کے وقت مکان کے پرنالے میں گندگی (پاخانہ وغیرہ) پڑی ہو اور بارش کا پانی اس کے ساتھ لگ کر بہہ رہا ہو، تو اگر
آدھے سے زیادہ یا آدھا پانی لگ کر گذرے، تو ناپاک ہے، اور اگر آدھے سے کم لگ کر گذرے تو پاک ہے، اور اگر
مکان کی چھت پر متفرق طور پر گندگی پڑی ہو اور بارش کا پانی اس پر برس کر پرنالے سے گرے، تو وہ پانی پاک ہے،
سبحان اللہ کیا تحقیق ہے، اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ پانی جاری ہے، واللہ اعلم ۱۲

حافظ ابن حجر نے درایہ ص ۳۰ میں لکھا ہے کہ بیہقی نے ابن عیینہ سے نقل کیا ہے، کہ میں مکہ میں ستر سال رہا، میں نے
کسی چھوٹے یا بڑے سے حبشی والی حدیث نہیں، اور نہ ہی زمزم کے پانی نکالنے کا قصہ کسی سے سنا، امام شافعی کہتے
ہیں، کہ اگر بالفرض یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو ہو سکتا ہے، کہ زمزم کا پانی متغیر ہو گیا ہو، واللہ اعلم

**سوال**:۔ ایک چاہ کے پارچہ ہے کہ اس میں اکثر حلال خوری ناپاک ہاتھ دھوتی ہے اور پیشاب بھی اکثر مرداں کرتے ہیں، چند طفل گیند سے کھیل رہے تھے، اور اس پارچہ میں گیند جا گری کہ وہ پانی ناپاک ہے، بعد اس کے نکالنے کے وہ چاہ میں جا پڑی، اور وہ چاہ ایسا ہے کہ اس میں پانی کثرت سے نہیں ہے، تو کتب فقہ کی رو سے وہ چاہ پاک ہے یا ناپاک، فقط بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ صورت تحریر سے ظاہر ہے، کہ پارچہ کا پانی ناپاک ہے، پس اس حالت میں بحالت گرنے گیند ناپاک کے کنویں میں وہ چاہ ناپاک ہوگیا اب تا وقتیکہ تمام دکمال پانی نہ نکلے پاک نہیں ہونے کا، ہکذا فی کتب الفقہ۔ حررہ محمد مسعود نقشبندی ۲۴ شوال ۱۲۸۵ھ

کتب حنفیہ میں ایسا ہی ہے

سید محمد نذیر حسین | محمد عبد الرب | محمد یوسف | محمد کریم اللہ | منصور علی

**سوال** دیگر اگر ایک جوتی استعمالی اندرون چاہ سے نکلی، اور وہ جوتی سائیس کی تھی، اور اس چاہ میں پانی کثرت سے نہیں ہے فقط

**الجواب**:۔ اگر جوتی مندرجہ سوال ناپاک ہے، تو سارا پانی چاہ کا نکالنا آتا ہے، ہم چنین است در کتب فقہ واللہ اعلم۔ حررہ محمد مسعود نقشبندی۔ کذا فی کتب الحنفیۃ

سید محمد نذیر حسین | محمد عبد الرب | محمد کریم اللہ

**سوال**:۔ چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین درین مسئلہ کہ عند الحنفیہ از افتادن بنچال زاغ چاہ نجس می شود یا نہ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ درصورت مرقومہ بر ماہران فقہ مخفی نیست، کہ در بنچال غیر ماکول اللحم روایات شتی است، در ہدایہ چنین است۔ وان اصابہ خرء ما لا یوکل لحمہ من الطیور اکثر من قدر الدرھم اجزأت الصلوۃ فیہ عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمۃ اللہ علیہما وقال محمد رحمۃ اللہ علیہ لا یجوز فقد قیل ان الاختلاف فی

---

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حنفیہ کے نزدیک اگر کنویں میں کوے کی بیٹ گر جائے تو کنواں ناپاک ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا، ان کی بیٹ کے متعلق فقہ میں مختلف روایتیں ہیں، ہدایہ میں ہے اگر غیر ماکول اللحم جانور کی بیٹ درہم سے زیادہ لگ جائے، تو اس کپڑے سے امام ابوحنیفہؒ

النجاسۃ وقد قیل فی المقدار وھو الاصح وھو یقول ان التخفیف للضرورۃ ولا ضرورۃ لعدم المخالطۃ فلا یخفف ولھما انھا تذرق من الھواء والتحامی عنہ متعذر فتحققت الضرورۃ ولو وقع فی الاناء قیل یفسدہ وقیل لا یفسدہ لتعذر صون الاوانی عنہ کذا فی الھدایۃ وصورۃ الاختلاف فی النجاسۃ یعنی انہ طاھر عندھما وھو المنقول عن الکرخی ونجس عند محمد انتہی ما فی العنایۃ مختصراً

اما ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ فلہ روایتان التخفیف والطہارۃ واما التغلیظ ولم ینقل عنہ وقد اختلف الامامان الھندوانی والکرخی فیما نقلاہ عن ائمتنا فیہ فروی الھندوانی انہ مخفف عند الامام ومغلظ عندھما وروی الکرخی انہ طاھر عندھما مغلظ عند محمد رحمۃ اللہ علیہ وصحح قاضی خان فی شرح الجامع الصغیر انہ نجس عند ابی حنیفۃ وابی یوسف حتی لو وقع فی الماء القلیل افسدہ وقیل لا یفسدہ لتعذر صون الاوانی عنہ وصحح صاحب المبسوط روایۃ الکرخی وھی الطہارۃ عندھما انتہی ما فی البحر مختصراً۔

پس درصورت اختلاف میان طہارت ونجاست مخففہ چنانکہ مذکور شد درافتادن خرچہ مالا یوکل لحمہ درآب اوانی است یعنی بتصحیح قاضی خان آب فاسد می شود وبروایت

اور ابو یوسف رح کے نزدیک نماز جائز ہے، امام محمد کے نزدیک جائز نہیں، پھر بعض کے نزدیک تو اختلاف نجاست یا غیر نجاست میں ہے، اور بعض کے نزدیک مقدار میں، اور صحیح آخری شق ہے، امام محمد کہتے ہیں نجاست خفیفہ کسی ضرورت کی بنا پر خفیفہ بنتی ہے، اور یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے، اور شیخین کہتے ہیں، کہ یہ مجبوری کی بنا پر ہے، کیونکہ پرندے ہوا سے بیٹ پھینک دیتے ہیں، اور اس سے بچنا مشکل ہے، تو ضرورت پیدا ہو گئی، اگر ایسے پرندے کی بیٹ برتن میں گر پڑے، تو اس میں بھی اختلاف ہے، بعض کے نزدیک وہ پلید ہے اور بعض کے نزدیک نہیں کرخی کے قول کے مطابق شیخین کے نزدیک ایسے پرندوں کی بیٹ سرے سے پلید ہی نہیں محمد اس کو پلید کہتے ہیں، ہندوانی نے کہا ہے، کہ امام صاحب کے نزدیک یہ بیٹ نجاست خفیفہ ہے، اور صاحبین کے نزدیک غلیظہ، قاضی خان نے کہا ہے، کہ ایسے پرندوں کی بیٹ شیخین کے نزدیک نجس ہے اگر تھوڑے پانی میں گرے، تو ناپاک ہو جاتا ہے، اور کرخی کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک نجس نہیں ہے، اور صاحب

کرخی و تصحیح صاحب مبسوط فاسد نمی شود پاک ماند۔

اما مسئلہ چاہ در افتادن خرء مالایوکل لحمہ مستثنے و خارج است عام است کہ نجاست مخففہ باشد یا طاہر، چنانکہ از درمختار و طحطاوی واضح می شود من نجاستہ مخففۃ کبول ماکول اللحم وخرء طیر من السباع او غیرہا غیر ماکول وقیل طاہر وصحح ثم الخفۃ انما تظہر فی غیر الماء فلیحفظ کذا فی در المختار قولہ ثم الخفۃ انما تظہر فی غیر الماء مفہومہ ان الخفیفۃ کلہا نجس ویستثنی منہ خرء طیر مالایوکل بالنسبۃ الی البیر فانہ لا ینجسہا کما ذکرناہ انفا حلبی انتہی مافی الطحطاوی۔ پس موجب قول صاحب درمختار و طحطاوی و ابراہیم حلبی از افتادن بچال زاغ چاہ نجس نشود کما لا یخفی علی المتأمل واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید شریف حسین عفی عنہ ۔ الجواب صحیح والرای نجیح

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

**سوال** : ۔ فرمایان کہ مذہب حنفی داریم پس درصورت تعذر تمام آب کشیدن از چاہے کہ نجس شدہ چہ کنیم، مطلب از کتب فقہ حنفیہ تحریر فرمودہ شود، بینوا توجروا۔

**الجواب** : ۔ درصورت تعذر تمام آب کشیدن بر قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ عمل باید کرد، کہ دو صد دلو بنا بر وجوب است و یک صد دلو زیادہ بنا بر استحباب است۔ چنانچہ فتوے برین روایت است از روے شدت احتیاج فالفتوی علی قول محمد نزح ثلاث مائۃ دلو کذا فی الفتاوی القنیۃ وعلیہ الفتوی انتہی و ہمیں طور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ فتوے می دادند بنا بر سہولت

---

مبسوط نے اسی کو پسند کیا ہے۔

علامہ طحطاوی نے کہا ہے "اگر ایسے پرندوں کی بیٹ کنویں میں گر پڑے، جن کا گوشت کھانا حرام ہے تو اس سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا" درمختار میں بھی ایسا ہی ہے، حلبی کا بھی یہی قول ہے، تو ان تینوں کے فتویٰ پر کنویں کا پانی پاک ہے، واللہ اعلم ۱۲

سوال : ۔ ہم لوگ حنفی مذہب کے ہیں، لہٰذا فقہ کی کتابوں سے بتائیں، کہ اگر کنویں کا سارا پانی نکالنا مشکل ہو تو کیا کیا جائے؟

الجواب : ۔ اس صورت میں امام محمد کے قول پر عمل کر لیا جائے، وہ کہتے ہیں کہ دو سو ڈول لازمی طور پر

وعدم حرج وعموم بلویٰ، ودر کتاب ملتقی الابحر نوشتہ وان لم یمکن نزح قدر ما کان فیہا یفتی بنزح مائتی دلو الی ثلاث مائۃ وما زاد من الوسط احتسبت بہ کذا فی الملتقی وقیل یفتی بمائتین الی ثلاث مائۃ وھذا ایسر وذلک احوط کذا فی الدر المختار۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

---

نکالے جائیں، اور اگر تین سو ڈول نکالیں تو بہتر ہے، اور فتوے اسی روایت پر ہے، شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ملتقی الابحر میں ایسا ہی فتوی دیا ہے، اور در مختار میں بھی ایسا ہی ہے، واللہ اعلم ۱۲

# کتاب المساجد

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بارہ شخص نے ایک قطعہ زمین خریدی، اور ان میں ایک ہندو بھی ہے، بعد خریدنے کے پانچ سو آدمیوں کو نفع اور نقصان کا شریک کر لیا، اور سو سو روپیہ ہر ایک شخص سے لے لئے، اور ان پانسو میں غریب اور یتیم اور بیوہ عورتیں شریک ہیں، بروقت نیلام کرنے کے اکثر شرکا موجود تھے، بعد نیلام کرنے کے ایک قطعہ زمین کل میں سے ان بارہ آدمیوں نے علیحدہ کر دی، اور یہ کہا، کہ نیچے بیٹھک اور اوپر مسجد بنائیں گے، مسجد بنانا اس طریق سے درست ہے یا نہیں، اور اکثر شرکا مسجد بنانے میں راضی نہیں ہیں، اور اپنے حصہ کی قیمت چاہتے ہیں، اگر ان حصہ داروں میں سے ایک شخص بھی تعمیر مسجد سے ناراض رہا، تو تعمیر مسجد درست ہوئی یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب:** صورت ہذا میں مسجد بنانا جائز نہیں، کس واسطے کہ جب زمین مشترکہ ہے، اور اس کے ہر ہر جزو میں ہر شخص کا حصہ ہے، اور بعض اشخاص بدون رضامندی دیگر شرکا مسجد بنانا چاہتے ہیں تو یہ ہرگز جائز نہیں، اور اگر بنا دیں گے، تو ظالم قرار دیئے جاویں گے، کیوں کہ حق یتیمان و بیوگان تلف کرتے ہیں، اور اگر وقف بھی کر دیں گے، تو وہ وقف باطل ہوگا، بحر الرائق میں ہے فلو استحق الوقف بطل[1] اور ظاہر ہے کہ وقف کے واسطے ملک شرط ہے بحر الرائق میں ہے ومن شرائطہ الملك وقت الوقف حتى لو غصب ارضا فوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن اليه او صالح على مال دفعه اليه لا تكون وقفا یعنی شرائط وقف سے مالک ہونا ہے شئے موقوفہ کا وقت وقف کے، یہاں تک کہ اگر وقف کیا زمین مغصوبہ کو اور پھر خرید لیا مالک سے اور قیمت بھی دے دی یا صلح کی مال پر تو بھی وقف صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ وقت وقف کے مالک نہ تھا، اور یہاں تو اس قدر شرکاء

---

[1] اگر کوئی حق دار ہو تو وقف باطل ہو جائے گا ۱۲

ہیں، جب تک ایک بھی ناراض رہے گا، یا کوئی ان میں سے کافر ہوگا، تو وہ وقف جائز نہ ہوگا واسطے مسجد کے، کیونکہ کافر کا مال مسجد میں لگانا جائز نہیں، ہاں بعض شرکا اگر قطعہ زمین خرید لیں اور کل شرکا، راضی ہو جاویں، یا بعض شرکا اپنا حصہ علیحدہ کر لیں، اور قیمت ادا کر دیں، تو درست ہوگا، یا قیمت کل شرکاء کو تقسیم ہو جاوے، ان کی رضا سے فقط۔

حررہ محمد کرامت اللہ — الجواب صحیح — فتح محمد مدرس فتحپوری

| فقیر محمد حسین | یقال لہ ابراہیم | محمد وصیت علی | مدرس مدرسہ حسین بخش |
|---|---|---|---|
| | حبیب احمد | مدرس فتح پوری | |

واضح ولائح ہو کہ اصل شرکت ہی مسئلہ میں صحیح وجائز نہیں، یہ تقریر جواب فتنے اور ہے، یہ تقریر بعد شرکت صحیح ہونے کے ہوگی۔ والضرب الثانی شرکة العقود ورکنها الایجاب والقبول وهو ان یقول احدهما شارکتک فی کذا وکذا ویقول الاخر قبلت ثم هی اربعة اوجه مفاوضة وعنان وشرکة الصنائع وشرکة الوجوه فاما شرکة المفاوضة فهی ان یشترک الرجلان فیساویان فی مالهما وتصرفهما ودینهما الخ کذا فی الهدایة۔ ولا بین مسلم والکافر کذا فی متن الهدایة واللہ اعلم۔ محمد یعقوب

| سید محمد نذیر حسین |
|---|

**سوال:** ۔کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے ارادہ کیا اپنے گاؤں میں مسجد بنانے کا، اور اس کی تعمیر کے لئے اس نے ایک ٹکڑا زمین کی آمدنی وقف کی، اس عرصہ تک کے لئے جب تک مسجد تیار نہ ہو جائے، آمدنی تو جمع ہوتی ہے، مگر مسجد کی تعمیر ابھی شروع نہیں ہوئی، اب وہ شخص اپنے ارادہ کو اس خیال سے بدلنا چاہتا ہے، کہ جس گاؤں میں اس نے مسجد بنوانے کا ارادہ کیا تھا، اس میں آبادی اہل اسلام کی نہیں ہے، صرف ایک یا دو آدمی نماز پڑھنے والے ہیں باقی گو چند مسلمان بھی آباد ہیں، مگر نام کے مسلمان ہیں، کوئی صورت ان میں دینداری کی نظر نہیں آتی، کیا اگر وہ شخص اس رقم کو کسی دوسری جگہ کی مسجد کی تعمیر میں صرف

---

لہ دوسری قسم شرکت عقود ہے، اور اس کا رکن ایجاب وقبول ہیں، اور وہ اس طرح ہے، کہ ایک کہے، میں نے تجھے فلاں چیز میں شریک کیا، اور دوسرا کہے میں نے قبول کیا، پھر اس کی چار قسمیں ہیں شرکت مفاوضہ وعنان وشرکت صنائع اور شرکت وجوہ، اور شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دو آدمی ہوں، اور مالیت، تصرف اور قرض میں برابر ہوں اور یہ شرکت کافر اور مسلمان میں نہیں ہو سکتی ۔۱۲

کردے، توکوئی شرعی مواخذہ تو اس پر عائد نہیں ہو جاتا، نیز کیا اس ارادہ کو بدلنے کی حالت میں کوئی دین تو اس پر عاید ولازم نہیں آتا، اگر آتا ہے، توکس قدر۔

**الجواب**: ۔صورت مرقومہ میں اگر وہ شخص اس رقم کو کسی دوسری جگہ کی مسجد کی تعمیر میں صرف کردے، توکوئی شرعی مواخذہ اس پر نہیں ہے، اور نہ کوئی فدیہ وکفارہ اس پر لازم آتا ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد بشیر عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

**سوال**: ۔کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے مکان کے چند پرنالے جنگی عرصہ دراز سے بجانب ایک قطعہ اراضی افتادہ آتے تھے، عرصہ تقریبا چالیس سال کا ہوا، کہ زمین افتادہ مذکور پر زر چندہ سے مسلمانان اہل محلہ نے مسجد تعمیر کی، بروقت تعمیر مسجد بانیان نے پرنالہائے جنگی مذکورہ مالک مکان مذکورہ سے قلفی دار کرا کر اندرون مسجد قائم رکھے، چنانچہ دو پرنالے حرف (الف)، و(ب)، جو دالان مسجد کی حد میں آئے، ان کو مسجد کی چھت پر سے کر پانی ان کا پشت مسجد کے کوچہ میں اتار دیا، اور دو پرنالے (ج)، و(دال) صحن مسجد میں واقع ہوئے، ان کا پانی لینے کے واسطے ایک نالی زیر دیوار مکان زید برنگ سرخ از حرف (ز) تا (ح) سراسر حق پشتہ برنگ زرد چھوڑ کر تعمیر کی گئی، اس نالی میں ایک پرنالہ حرف (واو) خاص مسجد کی چھت کا، اور دو پرنالے مذکورہ جو مکان زید کے صحن مسجد میں واقع ہوتے تھے لے لئے گئے، اور نالی مذکور ہمرہ فرش صحن مسجد پتھر کے چوکون سے ڈھانک دی گئی، پانی پرنالہائے مذکور کا بذریعہ نالی مذکور وضو کی نالی کشادہ میں ملا دیا گیا، چنانچہ اسی شکل میں اب تک جاری ہے، علاوہ ان کے ایک پرنالہ حرف (ہ)، جو مکتب خانہ کی چھت پر سے ہو کر آرہا ہے، اس کا پانی مکتب خانہ کی چھت کے پرنالہ قلفی دار میں شامل ہو کر وضو کی نالی میں آتا ہے۔

اب زید کی وارث ہندہ نے اپنے مکان پختہ دو منزلہ تعمیر کرایا، اور بوقت تعمیر بلحاظ مسجد گندہ پانی مثل پاخانہ وغسلخانہ کا مسجد کی طرف سے ہٹا کر دوسری جانب کو پھیر دیا، جو اس وقت ممکنات سے تھا، باقی پانی یعنے صحن بالاخانہ کا ونیز سقفہائے بالاخانہ مذکورہ کا بدستور جانب مسجد جاری رکھا، مکان ہندہ کے جو پانچ پرنالے حرف (الف و ب)، و(ج)، و(دال)، و(ہ) قدیم سے بجانب مسجد آتے تھے اسی شکل سے اب تک قائم ہیں، جیسا کہ نقشہ منسلکہ فتوے ہذا سے ظاہر ہے،

اب اہل محلہ چاہتے ہیں، کہ جو پانی صحن بالاخانہ ہندہ کا بذریعہ پرنالے حرف (ج)، و(دال)

صحن مسجد کی نالی قدیمہ میں آتا ہے، وہ موقوف کر دیا جاوے، کیونکہ وہ مستعمل یا گندہ پانی ہونے کی وجہ سے وضو کے پانی میں آکر بدبو دیتا ہے، جس سے وضو کرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے، بندہ یا اس کے رفقار شکایت بدبو کی مدافعت بلحاظ ادب و پاس مسجد بزر لاگت خود بذریعہ نل آہنی وغیرہ کر دینے کو تیار ہیں، لیکن ادھر سے بالکل پرنالے پھیر لینے میں نہایت وقت و ہرج و نقصان اس کو اپنی جائداد کا معلوم ہوتا ہے، بالخصوص ایسے وقت میں جب کہ کام تعمیر کا بالکل ختم ہو چکا ہے اس لئے وہ اپنی حقیقت چھوڑ دینے سے معذور ہے،

اب سوال یہ ہے نمبر ا۔ کہ از روئے شرع شریف بصورت مندرجہ بالا بندہ کا عذر قابل تسلیم ہوگا یا نہیں، اور وہ اپنی حقیقت کی بابت ایسے عذر سے عند اللہ گنہ گار ہے یا نہیں، اور جو لوگ ایسے فعل پر بندہ کو جس کو وہ محال و مضرت بخش خیال کرتی ہے، مجبور کریں، تو عند اللہ وہ مستحق اجر و ثواب کے ہیں یا نہیں۔

نمبر ۲۔ دوسرے بندہ اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کی بلا معصیت استحقاق رکھتی ہے یا نہیں رکھتی ہے؟

نمبر ۳۔ تیسرے صحن مسجد میں زیر دیوار مکان بندہ جو نالی پرنالہائے مذکورہ چوکوں سے ڈھکی ہوئی ہے، جس کی گہرائی تقریباً پاؤ درعہ ہے، کہ تری نالی کی غالباً چوکون تک نہیں پہنچ سکتی آیا اس پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

نمبر ۴۔ چوتھے جو اہل اسلام اپنے بھائی مسلمان کو کسی ایسے فعل پر مجبور کریں یا مطعون کریں یا اس کی توہین کے درپے ہوں یا نقصان پہنچا دیں، اور حق الامر کو چھپانے کی کوشش کریں، تو عند اللہ ان کے واسطے کیا حکم ہے بینوا توجروا۔ المرقوم ۲ر جمادی الثانی ۱۳۲۴ھ ہجری۔

**الجواب**۔ صورت مذکورہ فی السوال میں چونکہ پرنالے بندہ کے بجانب زمین افتادہ جس میں مسجد تیار ہوئی تھی قدیم سے جاری تھے، اور وقت تیاری مسجد کے حق پشتہ اور حق نالی مکان کو مورث بندہ اور بانیان مسجد نے قائم رکھا تھا، پس جو زمین پشتہ اور زمین نالی ہے وہ الضا[illegible] نہیں ہے، بلکہ اس میں حق العہد باقی ہے، عالمگیری میں ہے۔ حکی[1] الفقیہ ابو اللیث انہم استحسنوا ان المیزاب اذا کان قدیما وکان تصویب السطح الی داره وعلم ان التصویب قدیم ولیس بمحدث ان یجعل له حق التسییل، لہذا جو پشتہ کہ

[1] اگر پرنالہ قدیمی ہو، اور مکان کی چھت کی ڈھلوان اس کے گھر کی طرف ہو، اور یہ معلوم ہو کہ یہ ڈھلوان قدیمی ہے،

نقشہ میں برنگ زرد دکھایا گیا ہے، اور جو زمین نالی کی ہے، اگرچہ اس کو پتھر سے ڈھانک دیا گیا ہے وہ شرعاً مسجد کے حکم میں نہیں ہے، اور اس قدر زمین کو مسجد نہیں کہہ سکتے ہیں، اور ہندہ اپنے پنالہ قائم رکھنے کی شرعاً مستحق ہے۔ ہدایہ میں ہے[1] ومن جعل مسجدا تحتہ سرداب اوفوقہ بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزلہ عن ملکہ فلہ ان یبیعہ وان مات یورث عنہ لانہ لم یخلص للہ تعالی لبقاء حق العبد متعلقا بہ۔ پس صورت مذکورہ میں ہندہ کا عذر قابل تسلیم ہے، اور ہندہ شرعاً گنہ گار نہیں ہے، بلکہ جو لوگ ہندہ پر جبر کرنا چاہتے ہیں، وہ شرعاً بے راہی پر ہیں، بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ ہندہ بار لقائے ہندہ رفع شکایت بدبو کے واسطے اپنی لاگت سے نل آہنی وغیرہ بنا دینے کو تیار ہیں۔

دوسرے ہندہ شرعاً اپنے حقوق کی حفاظت کا استحقاق بلا معصیت رکھتی ہے۔

تیسرے جب کہ جو کون تک اثر نالی کے پانی کا نہیں پہنچتا ہے، تو شرعاً اس پر نماز درست ہے،

چوتھے جو لوگ کہ مسلمان کی توہین کے درپے ہوں، اور حق کو چھپا دیں، اور ناحق پر اڑیں، تو وہ لوگ شرعاً خطا پر ہیں فقط واللہ اعلم بالصواب کتبہ محمد مظہر اللہ

الجواب وباللہ التوفیق: ۔ اصل یہ ہے کہ کوئی زمین اس وقت تک مسجد نہیں ہو سکتی، کہ اس سے تعلق مالک کا نہ اٹھ جاوے، اور بندہ کا کوئی حق اس میں باقی نہ رہے، قال الشامی[2] وفی القہستانی ولا بد من افرازہ ای تمییزہ عن ملکہ من جمیع الوجوہ فلو کان العلو مسجدا والسفل حوانیت او بالعکس لا یزول ملکہ لتعلق حق العبد بہ کما فی الکافی صفحہ ۳۴۰ جلد ۳۔ پس جب کہ ہندہ مورث ہندہ کے پرنالے اسی زمین میں قدیم سے پڑتے تھے اور بوقت تعمیر مسجد وہ پرنالے برابر جاری رہے، تو وہ جگہ نالی

---

کی نہیں ہے، تو وہاں پرنالہ رکھنے کا اس کو حق ہے ۱۲　[1] اگر کوئی شخص مسجد بنائے اور اس مسجد کے نیچے اس کا کوئی تہ خانہ ہو، یا اوپر مکان ہو، اور وہ مسجد کا دروازہ شارع عام کی طرف رکھ دے، اور اس کو اپنے ملک سے خارج کر دے، تو وہ اس کو فروخت کر سکتا ہے اور اگر وہ خود فوت ہو جائے، تو وہ ورثہ میں تقسیم ہو سکتی ہیں، کیونکہ وہ اللہ کے لئے خاص نہیں ہوا، اس میں بندے کا حق ہے ۱۲

[2] اور ضروری ہے کہ (مسجد) آدمی کی ملکیت سے پوری طرح الگ ہو، اگر مسجد کے اوپر یا نیچے دکانیں یا مکان ہو، تو اس سے بندے کا حق چونکہ متعلق ہے لہذا اس کی ملکیت سے پوری طرح وہ مسجد علیحدہ نہیں ہو گی ۱۲

کی حکم مسجد میں داخل نہیں ہوئی، اور جب کہ وہ جگہ حکم مسجد میں داخل نہیں ہوئی، تو ہندہ اپنے مکان کے پرنالے باقی رکھنے، اور اپنا حق نہ چھوڑنے سے گنہ گار نہ ہوگی، بلکہ مجبور کرنا اس کو جائز نہیں ہے اور مجبور کرنے والے گنہ گار ہیں، البتہ یہ مناسب ہے، کہ رفع بدبو کی مناسب تدبیر کرادی جاوے۔

نقشہ منسلکہ میں جو پشتہ برنگ زرد اور جو نالی پانی کے نکلنے کی دکھلائی گئی ہے، وہ حکم مسجد میں نہیں ہے، ہندہ کے مکان کا تعلق اور حق اس میں ہے۔

ہندہ کو اپنے حقوق کی حفاظت میں جس کا اس کو شرعاً اختیار ہے کچھ گناہ نہیں، نماز ان تپھروں پر درست ہے، اگرچہ وہ داخل مسجد نہیں، کما عن الشامی

چوتھے جو لوگ بلاوجہ کسی مسلمان کی توہین اور اس کے حقوق زائل کرنے کے درپے ہوں وہ گنہ گار ہیں عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یحقرہ التقوی ھھنا ویشیر الی صدرہ ثلث مرار بحسب امرء من الشر ان یحقر اخاہ المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ رواہ مسلم۔ مشکوۃ شریف۔ واللہ اعلم۔

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ دیوبندی مفتی المدرسہ

بلاشک ہندہ کو شرعاً مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے پرنالے اکھیڑ کر دوسری طرف بنالے، کیونکہ بنائے مسجد سے پیشتر وہ پرنالے جاری تھے، جس کا حق اس کو حاصل تھا مگر ادب اور تعظیم مسجد اس کی متقاضی ہے، کہ ہندہ بہ نیت ثواب آخرت دنیا کا حرج قبول کر کے پرنالے دوسری طرف پھیر دے، عبد الحق مفسر تفسیر حقانی۔

سوال سائل صرف اس قدر ہے، کہ اجرائے میزاب کا حق ہندہ کو ہے یا نہیں اس کو جبراً اٹھانے کا کوئی مجاز رکھتا ہے یا نہیں ہے، ہندہ عاصی اور نافرمان ہوسکتی ہے پرنالہ کے قائم رکھنے میں یا نہیں، سو جملہ علماء جن کی مواہیر ثبت ہیں اس فتوے پر تحریر فرمارہے ہیں، کہ حق ہندہ کا ثابت ہے، اس کو مجبور کرنا جائز نہیں، اور پرنالہ کے قائم رکھنے میں نہ عاصی ہے اور نہ گنہ گار

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرسکتا ہے نہ ذلیل کرسکتا ہے نہ حقیر سمجھ سکتا ہے، پرہیزگاری یہاں ہے آپ نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کیا، اور تین دفعہ فرمایا آدمی کو یہی گناہ کافی ہے، کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ذلیل سمجھے، ہر مسلمان پر ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے ۱۲

پھر اس کو ملعون کرنا، اور اس کی توہین کرنا کیسے درست ہوگا، ہاں مسجد کی تعظیم ہر مسلمان پر لازم ہے، اگر بدبو آتی ہو تو اس کا رفع کرنا کسی تدبیر سے ضروری ہے، جس میں حق بندہ بھی تلف نہ ہو، اور تطہیر و تنظیف مسجد بھی باقی رہے، وہ دو صورت سے متصور ہے، یا بطور نل آہنی کے، یا دو میزاب کا ایک کر دیا جاوے، کس واسطے کہ احقر اس موقع کو خود جا کر دیکھ آیا ہے، اس میں تلویث مسجد کا تو احتمال ہی نہیں، اگر ہے، تو بدبو کا ہے، اس کو رفع کرنا بھی مسجد جملہ مسلمین کو لازم ہے، اور چونکہ بحکم شرع شریف ہر ذی حق کو اس کا حق دلوانا چاہیئے، تو بندہ کی حق تلفی کیونکر جائز ہوگی، کافر کا بھی حق دلوانا شارع علیہ السلام کا کام ہے، پس بفتوئے علمائے کرام بندہ پر جبر نہیں پہنچتا، ہاں بندہ اگر برضامندی خود اپنا حق چھوڑ دے، اور مسجد کی عظمت کا خیال کر کے پرنالہ کیا، بلکہ سارا مکان ہی اپنا قربان کر دے مسجد پر تو عنداللہ ماجور و مثاب ہوگی، جنت میں درجات عالیہ کی مستحق ہوگی، مگر یہ بات دوسری ہے، اور حکم اور ہے، اس میں بندہ کی کیا خصوصیت ہے، ہر مسلمان کو یہی چاہیئے، مگر اس پر کسی کو مجبور تو نہیں کیا جا سکتا، ایسا ہی بندہ متساوی الاقدام ہے، یہ تشریح ہے عبارات مسطورہ بالا کی، جو علمانے تحریر فرمائی ہیں، واللہ اعلم۔ حررہ کرامت اللہ عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح۔ محمد بشیر عفی عنہ

| سید محمد ابوالحسن | سید محمد عبدالسلام غفرلہ |
| --- | --- |

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں ایک مسجد مدت سے قائم ہے، اور اسی بستی سے نصف میل کے فاصلہ پر ایک دوسری بستی ہے، اور درمیان دونوں بستیوں کے چھ مہینہ تک اس قدر پانی رہتا ہے، کہ ایک سے دوسرے میں آمد و رفت متعذر رہتی ہے، اور دوسری بستی کے اکثر لوگ جمعہ و جماعت پنجوقتہ سے محروم رہتے ہیں، لہذا وہاں کے لوگ اپنی بستی میں ایک گھر بنا کر نماز جمعہ اور پنجوقتہ ادا کرنے لگے، اور اسی حال پر بارہ یا تیرہ برس گذر گئے، بعد ازاں صاحبان جوار مسجد قدیم بعض دنیاوی عداوت کی وجہ سے بانیان مسجد جدید کو کہنے لگے، کہ تم لوگوں کی مسجد حکم میں مسجد ضرار کے ہے، اس میں نماز درست نہیں ہے، اور جو لوگ اس میں نماز پڑھتے ہیں، وہ مسلمان نہیں بلکہ منافق ہیں، اب سوال یہ ہے، کہ مسجد جدید شرعاً مسجد ہے یا نہیں، اور ضرار کہنا ان لوگوں کا صحیح ہے یا نہیں، اور جو لوگ بانیان مسجد جدید کو منافق کہتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا

**الجواب**:۔ واضح ہو، کہ جس مسجد کی بنا غرض نفسانیت سے خالی ہو، بلکہ اس کی بنا

صرف کسی ایسے عذر کی وجہ سے ہو کہ جس کے سبب سے اکثر لوگ جمعہ اور جماعت پنجوقتہ سے محروم رہتے ہیں، وہ حکم میں مسجد ضرار کے نہیں ہے۔ نماز اس میں بلا شک جائز ہے، ہاں البتہ اگر مقصود ابتغاء لوجہ اللہ نہ ہو، تو نماز جائز نہ ہوگی، چنانچہ تفسیر مدارک میں ہے کل[1] مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جو مسجد ان صفتوں کی نہ ہوگی، وہ لاحق مسجد ضرار نہ ہوگی، اور بنا اس کی ابتغاء وجہ اللہ اور تاسیس علی التقوی ہوگی، اور اس مسجد میں امتثال امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، چنانچہ ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے عن[2] عائشۃ قالت امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ینظف ویطیب. گفت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ امر کرد پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم بنا کردن مسجد در سرا ہا و قبیلہا و محلہا (اگر بقصد ضرار نہ باشد) و امر کرد این کہ پاکیزہ داشتہ شود و خوشبو گردانیدہ شود، کذا فی اشعۃ اللمعات، اور بانیان مسجد جدید اجر عظیم کے مستحق ہوں گے، چنانچہ بخاری اور مسلم میں ہے عن عثمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ یعنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو کوئی بناوے ایک مسجد واسطے اللہ کے، بناتا ہے واسطے اس کے اللہ تعالے ایک گھر جنت میں۔

اور جو لوگ بانیان مسجد جدید کو منافق کہتے ہیں، وہ لوگ خود منافق ہیں، چنانچہ بخاری میں ہے عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرمی رجل رجلا بالفسق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک۔ حاصل ترجمہ یہ ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی مرد کسی مرد کو فاسق یا کافر کہے، اور وہ ایسا نہ ہو، تو اس کا یہ قول خود اسی کہنے والے پر لوٹ آتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

حررہ خلیل الرحمن غفر لہ المنان۔ ۱۱ محرم الحرام سنہ ۱۳۱۶ ہجری

سید محمد نذیر حسین

---

[1] ہر وہ مسجد جو فخر، ریا، یا سنانے یا کسی اور غرض سے، سوائے خدا کی رضا کے طلب کرنے کے بنائی جائے یا مال ناپاک سے بنائی جائے، وہ مسجد، مسجد ضرار سے ملحق ہے ۱۲۔ [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ گھروں میں مسجدیں بنائی جائیں، ان کو پاک صاف رکھا جائے، ان کو خوشبو لگائی جائے ۱۲

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قریہ میں قدیم الایام سے جمعہ قائم تھا، اب تھوڑے دنوں سے یعنی تین مہینہ کے عرصہ سے غالباً دوسرا جمعہ قائم ہوا ہے، اور اس ثانی جمعہ کے قیام کی وجہ یہ ہے، کہ ایک مولوی صاحب سے، اور ان کے خسر سے کچھ امور دنیاوی میں تکرار ہوئی، تو مولوی صاحب کے خسر نے مولوی صاحب سے کہا، کہ تم اور تمہارا حمایتی کا غذ دونوں جھوٹے ہیں، پس اس کلام کو سنتے ہی مولوی صاحب مسجد سے نکل گئے، اور کہنے لگے کہ اس مسجد میں نماز درست نہیں، کیونکہ مولوی کو بے عزت کیا گیا، پس ایسی حالت میں اب نماز جمعہ کس جگہ درست ہوگی، پہلی جامع مسجد میں یا ثانی میں یا ہر دو میں، جواب، قرآن و حدیث و اقوال فقہاء و محدثین سے مرحمت فرمائیے، بینوا توجروا

**الجواب**:۔ چونکہ دوسرا جمعہ محض دنیاوی عداوت اور نفسانی غرض کی وجہ سے قائم کیا گیا ہے، اور ساتھ اس کے اس دوسرے جمعہ کے قائم ہونے سے جماعت مسجدین کے درمیان تفریق لازم ہے، اس لئے دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے، اور پہلی ہی جامع مسجد میں جمعہ پڑھنا ضروری ہے، مسجد ضرار (جس کی بنیاد تفریق بین المومنین وغیرہ تھی) کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا تقم فیہ ابدا یعنی مت نماز پڑھ تو اس میں کبھی، اور مسجد نبوی یا مسجد قبا کی نسبت فرماتا ہے لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ یعنی جس مسجد کی بنیاد اول ہی روز سے تقوی پر رکھی گئی ہے، وہی مسجد زیادہ مستحق ہے اس امر کی کہ تو اس میں نماز پڑھے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب　　سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ میں نماز جمعہ بالاتفاق جماعت ایک ساتھ اہل دیار ہمیشہ پڑھتے تھے، اس اثنا میں چند آدمی تنازع کر کے ضد سے جدا ہو گئے اور سابق جامع مسجد کے قریب مثلاً دس رسی کے ایک مسجد جدید تیار کی، اور اس میں نماز جمعہ پڑھنے لگے، آیا ایسی حالت میں نماز جمعہ یا جامع مسجد قائم کرنا ہو سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا

**الجواب**:۔ صورت مذکورہ میں جامع مسجد اور اقامت جمعہ ہوتے ہوئے محض ضد اور باہمی تنازع کی وجہ سے الگ مسجد قائم کرنا، اور جامع مسجد جدید بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، اس واسطے کہ اس مسجد جدید کی بنیاد تفریق جماعت اور ضد پر ہے، اور تفریق جماعت ایک وصف ہے اوصاف مسجد ضرار سے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے وعید فرمائی ہے، حررہ السید محمد عبد الحفیظ عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جماعت مسلمانوں کی جو مدت درازسے موافق قرآن وحدیث کے عمل کرتی تھی، اور رسومات آبائی سے متنفر، بعد اس کے جو سردار اس جماعت کے تھے انہوں نے بعض بدعت کرنا اختیار کیا، اور باعث اختیار کرنے بدعت کا یہ ہے، کہ اس میں دنیا حاصل ہوتی ہے، تو اکثر لوگ جو اس قسم کے تھے ہمراہ سردار اپنے کے ہوئے، اور کچھ لوگوں نے سردار مذکور سے کہا کہ تم نے یہ بدعت جواب اختیار کی ہے چھوڑ دو، ورنہ ہم تمہارے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیں گے، اس پر بھی بدعت کرنے سے باز نہ آئے تو وہ لوگ ناچار ہو کر اپنے مکان میں مسجد تعمیر کر کے جمعہ و جماعت ادا کرنے لگے، لیکن سردار مذکور اور تابعداران ان کے کہتے ہیں کہ یہ مسجد ضرار ہے، اس میں نماز روا نہیں ہے، اس واسطے سوال کیا جاتا ہے، کہ یہ مسجد جو اس باعث سے بنی ہے حکم میں ضرار کے ہے یا نہیں، اور مسجد ضرار ہونے کی کیا صورت ہے دلیل شرعی سے، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ یہ مسجد حکم میں ضرار کے بالکل نہیں، کیونکہ آیت کریمہ میں مسجد ضرار چار وجہ سے مردود ہوئی تھی۔

ایک وجہ یہ کہ ضرر دوسری مسجد کا منصور ہوا بسبب عدم رعایت حال مسجد قبا کے۔

دوسری وجہ بنا بر کفر کرنے اللہ ورسول کے ساتھ۔

تیسری وجہ تفرقہ ڈالنا درمیان جماعت مسلمانوں کے بقصد درہم برہم ہونے شوکت وہیبت مسلمانوں کے کافروں پر۔

چوتھی وجہ یہ کہ ارصاد و امداد کرنا اس بہانہ سے کفار محاربین کی کہ جو اللہ ورسول سے مقابلہ کرتے، اور لڑتے تھے۔

اور مضامین آیت کریمہ کو حمل کرنا اوپر مسجد ہذا کے خالی ضد و تعصب سے نہیں ہوگا کیونکہ جب مردمان مجتنبین بدعت نے مخترعین بدعت سے کہا، کہ تم بدعت مخترعہ کو چھوڑ دو تو ہم لوگ تمہارے ساتھ ہیں، پھر جب وہ مخترعین بدعت ارتکاب بدعت سے باز نہ آئے بلکہ اپنی بدعت مخترعہ پر اڑے رہے، تو مجتنبین بدعت نے لاچار ہو کر بنا بر دفع شر وفساد کے مبادا آپس میں زیادہ تر مفسدہ نہ ہونے پاوے کنارہ ہو کر دوسری مسجد تعمیر کی، اور نیز مکروہ ہونے نماز خلف مبتدع کے پاس رضائے مولیٰ مفارقت اختیار کی، کیونکہ اجتناب اہل بدعت سے واجب ہے، جیسا کہ اہل حدیث و فقہ پر مخفی نہیں ہے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی خوف مفسدہ دنیوی و دینی سے قبل ہجرت کے

ایک مسجد چھوٹی سی اپنے گھر کے پاس بنا کر اسی میں نماز پڑھتے اور وعظ کرتے اور مسجد الحرام کو چھوڑ کر اس مسجد کو اختیار کیا، حالانکہ مسجد حرام میں لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے، مگر خوف فساد و جنگ و جدال کے جدی مسجد تعمیر کی، چنانچہ یہ صحیح بخاری وغیرہ میں مفصلاً مذکور ہے، اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی لکھا ہے کہ بنا بر کسی مصلحت و دفع مضرت کے ایک مسجد کو بیچ میں دیوار اٹھا کر دو مسجد بنا لینا جائز ہے، اور دو مسجد کو ایک کر لینا بھی درست ہے، چنانچہ درمختار و فتاوے عالمگیری وغیرہ سے واضح ہوتا ہے، اسی قیاس پر چند مردم مجتنبین بدعت نے بھی علیحدہ مسجد بنالی، اس میں کسی طرح کا حرج نہیں بلکہ بباعث اجتناب اہل بدعت کے موجب ثواب کا ہوگا۔ کما لا یخفی علی الماہر بالشریعۃ الغراء یجوز لاھل المحلۃ ان یجعلوا المسجد الواحد مسجدین فلھم ان یجعلوا مسجدین واحدا[1] انتہی ما فی العالمگیریۃ مختصرا فی باب الکراھۃ وھکذا فی الدر المختار فی کتاب الصلوۃ وغیرھما من کتب الشریعۃ واللہ اعلم بالصواب۔

| | | |
|---|---|---|
| محمد عبد الحلیم ۱۲۹۲ | محمد غلام اکبر خان محمدی السنی ۱۲۸۹ | سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ |
| حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ ۱۲۸۱ | سید محمد احمد ۱۳۸۹ | سید محمد شریف حسین |

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم
محمد حسین قادری وغفوری

ہذہ الروایۃ صحیحۃ معتبرۃ المعتصم بحبل اللہ المتین
احمد الدین عفی عنہ

اگر بدعت فرضی نام رکھا ہے سائل و مسئول عنہ نے تقلید ائمہ اربعہ کو، تو جواب صحیح نہیں ہے شک ایسی مسجد بحکم مسجد ضرار کے ہے، اور اگر واقعی وہ لوگ اہل بدعت ہیں، تو ایسوں سے علیحدہ ہونا عین ثواب ہے، اور جواب صحیح ہے، واللہ اعلم بالصواب

| ہست منصور علی از احمد ۱۲۸۳ |
|---|

اگر بدعت واقعیہ ہے، تو یہ مسجد ضرار نہیں، بلکہ نافع کما لا یخفی، اور اگر فرضیۃ بدعت سے یہ الگ مسجد بنائی ہے، تو یہ قطعی مسجد ضرار ہے فقط

| محمد عبد الحق ۱۲۹۰ |
|---|

**سوال:** مسجد کو مقفل کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب:** مسجد کا مقفل کرنا درست نہیں، مسجد کو ہر وقت کھلا رہنا چاہیئے، تاکہ جس کا جس وقت جی چاہے، اس میں جا کر اللہ کا ذکر کرے، اور مسجد کو مقفل رکھنا گویا اس میں ذکر اللہ کرنے

---

[1] اہل محلہ کو جہاں یہ جائز ہے، کہ ایک مسجد کو دو مسجدیں بنالیں، وہاں یہ بھی جائز ہے، کہ دو مسجدوں کو ایک بنا لیں، فتاوی عالمگیری میں ایسا ہی ہے ۱۲

سے لوگوں کو روکنا ہے وقال اللہ تعالیٰ ومن[1] اظلم ممن منع اللہ مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ ہاں اگر مسجد کی چیزوں کے چوری جانے کا خوف ہو اور مقفل کرنے سے اس میں ذکر اللہ سے رکاوٹ وممانعت لازم ذاتی ہو تو ایسی صورت میں مسجد کے مقفل کرنے میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ السید عبد الحفیظ

سید محمد نذیر حسین

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہم ملازمان دفتر نے احاطہ دفتر میں ایک چھپر کھپریل پوش ڈال کر مسجد بنا رکھی ہے، اور یہ مسجد سررشتہ کے پس پشت ایک گوشہ میں واقع ہے اور نماز ظہر وعصر وہاں ادا کرتے ہیں، اجازت لینے میں احتمال ہے، کہ مسجد اٹھا دی جاوے سردست اسی کو غنیمت جان کر نماز پڑھ لیا کرتے ہیں، اور نماز جمعہ دفتر سے کچھ دور کچہری کی مسجد میں ہوتی ہے وہاں ہم لوگ نوکری کی پابندی کی وجہ سے جا نہیں سکتے، اس صورت میں اور ایسی مسجد میں نماز جمعہ بھی درست ہے یا نہیں، اور یہ مسجد جو کہ بغیر حکم حکام بالا بنائی گئی ہے، مسجد کا حکم رکھتی ہے یا نہیں، اس کے حکم سے یعنی جواب سے آگہی بخشی جاوے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرماوے گا، فقط۔

**الجواب:** در صورتیکہ اجازت طلب کرنے میں یہ احتمال ہے، کہ مالک زمین مسجد کو اٹھوا دے، تو معلوم ہوا کہ مالک زمین اس مقام پر مسجد کا ہونا روا نہیں رکھتا، پس ایسی حالت میں وہ مسجد حکم مسجد میں نہیں ہے، بلکہ ایک عام عمارت کے حکم میں ہے، اس واسطے کہ کوئی زمین وعمارت حکم مسجد میں نہیں ہو سکتی، تا وقتیکہ مالک کی طرف سے بصراحت امامت اذان وجماعت کا اذن نہ حاصل ہو جاوے، یا آنکہ وہ بصراحت یہ نہ کہدے، کہ میں نے یہ عمارت یا یہ زمین ہمیشہ مسجد ہونے کو دے دی وھذا[2] مما لم یختلف فیہ فکیف اذا اتخذ قوم ارض غیرھم مسجدا وتصرفوا فیہ ما شاءوا علی غیر حکم المالک بناءً علیہ کہا جاتا ہے، کہ یہ بقعہ جس کو سائلین نے مسجد تصور کیا ہے، اس میں کوئی نماز بغیر کراہت نہیں ہوتی، تا وقتیکہ مالک سے صریح اجازت حاصل نہ کرلیں اس لئے کہ یہ زمین ایسے دغدغہ کی حالت میں شبیہ الغصب کے حکم میں ہے، والعلم عند اللہ۔

محمد قمر الدین

چونکہ یہ مسجد بلا حکم صاحب زمین کے بنائی گئی ہے، لہٰذا حکم مسجد کا نہیں رکھتی، اور اس میں نماز

---

[1] جو آدمی مسجد میں خدا کا نام لینے سے روکے اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو سکتا ہے ۱۲

[2] یہ وہ مسئلہ ہے جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، پھر اندازہ کرو اگر کوئی قوم کسی زمین کو مسجد بنالے یا مالک کے علم کے بغیر اس میں اپنی مرضی سے جس طرح چاہے تصرف کرے، تو اس کا کیا حال ہوگا ۱۲

کا وہ ثواب نہیں ہوتا جو مسجد میں ہوتا ہے، اور جمعہ بھی اس میں جائز نہیں ہے فقط۔ الراقم محمد سدید الدین قریشی، اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا

الجواب وہو الموفق للصواب۔ زمین مسئولہ عنہا حکم مسجد میں کسی نہج سے نہیں ہو سکتی لیکن اس میں نماز ادا کرنا باجازت ضمنی حاکم وقت جائز ہے، اس لئے کہ انگریزی قانون و اشتہار میں صاف طور پر لکھا ہے، کہ کسی عبادت کو نہ روکا جاوے، اور جس قدر معابد ہیں سب سرکاری زمین میں واقع ہیں گو نسبت اضافی زید و محمود کی طرف عاید ہو اس نسبت اضافی ہی کی وجہ سے معابد وغیرہ بطور طرز وقف کا تحقق نہیں ہے، اس لئے مسجد نہ قرار دی جاوے گی، مگر اس میں نماز ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے، اور اگر اس اجازت ضمنی سے قطع نظر کی جاوے، تو بھی یہ زمین بیرون مصر اور جنگل میں واقع ہے، اور جنگل میں نماز گذارنا بلا اجازت لینے کے کسی سے باتفاق فقہاء بلا کراہت جائز ہے کیونکہ جنگل علی سبیل الخصوصیت کسی کے ملک میں نہیں ہوتا ہے۔ کما قال صاحب الہدایۃ فی باب المعادن والرکاز وان وجدہ فی الصحراء فہو لہ لانہ لیس فی ید احد علی الخصوص انتہی اور جمعہ بھی اس زمین میں جیسا ہندوستان میں ہوتا ہے جائز ہے، کیونکہ زمین مجوزہ فناء مصر میں واقع ہے وکما یجوز اداء الجمعۃ فی المصر یجوز اداءہا فی فناء المصر وہو الموضع المعد لمصالح المصر متصلا بالمصر انتہی ما فی العالمگیریہ حررہ واجابہ احمد حسن عفی عنہ۔ الجواب صحیح۔ شہاب الدین۔ اصاب فیما اجاب واللہ الموفق للصواب والیہ المرجع والمآب۔ عبد الغفور عفی عنہ مدرس مدرسہ درگاہ۔ الجواب صحیح۔ غلام یحییٰ سید محمد نذیر حسین

جناب حضرت میاں صاحب مدظلہم کو بعد سنانے دونوں جوابوں کے دوسرے جواب پر ان کی مہر ثبت کی گئی۔ الجواب الثانی صحیح۔ سید ابوالحسن۔ الجواب الثانی صحیح سید محمد عبد السلام۔ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں دو مسجدیں ہیں، قدیم و جدید، زید کہتا ہے، کہ مسجد قدیم کی نماز فضیلت زیادہ رکھتی ہے بہ نسبت مسجد جدید کے بکر کہتا ہے

---

۱؎ اگر اس (خزانہ) کو صحرا میں پائے، تو وہ اسی کا ہے، اس لئے کہ وہ جگہ کسی خاص آدمی کی نہیں ہے ۱۲

۲؎ جس طرح شہر میں جمعہ جائز ہے، شہر کے صحن میں بھی جمعہ جائز ہے، اور شہر کا صحن وہ گراؤنڈ وغیرہ ہوتی ہے جو شہر سے متصل شہری ضرورتوں کے لئے تیار کی گئی ہو، ۱۲

کہ سوا تین مسجدوں کے یعنی مکہ معظمہ، اور مدینہ منورہ، اور بیت المقدس کے اور سب مسجدیں از روے ثواب کے برابر ہیں، یعنے ایک کو دوسری پر فضیلت نہیں ہے، اب ان دونوں میں سے کون شخص حق پر ہے۔ بینوا توجروا

**الجواب**:۔ مسجد قدیم و جدید میں من حیث قدیم اور جدید ہونے کے فضیلت نماز میں کچھ تفاوت کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوتا، یعنے کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ مسجد قدیم کی نماز بسبب قدیم ہونے مسجد کے زیادہ فضیلت رکھتی ہے بہ نسبت نماز مسجد جدید کے، ہاں ابن ماجہ کی ایک حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ مسجد جامع کی ایک نماز کا ثواب پانچ سو نماز کے برابر ہوتا ہے، اور محلہ کی ایک نماز کا ثواب پچیس نماز کے برابر ہوتا ہے، پس اگر مسجد قدیم جامع مسجد ہے، اور مسجد جدید جامع مسجد نہیں ہے، تو مسجد قدیم کی نماز بسبب اس کے جامع ہونے کے زیادہ فضیلت رکھتی ہے بہ نسبت نماز مسجد جدید کے، اور اگر مسجد جدید جامع مسجد ہے، تو اس صورت میں مسجد جدید ہی کی نماز زیادہ فضیلت رکھتی ہے بہ نسبت نماز مسجد قدیم کے، اور ابن ماجہ کی وہ حدیث یہ ہے، عن[1] انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الرجل فی بیتہ بصلوۃ وصلوتہ فی مسجد القبائل بخمس وعشرین صلوۃ وصلوتہ فی المسجد الذی یجمع فیہ بخمس مائۃ صلوۃ رواہ ابن ماجہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبد الرحیم عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

**ھوالموفق**:۔ فقہاء حنفیہ نے تصریح کی ہے، کہ مسجد قدیم افضل ہے مسجد جدید سے درمختار میں ہے۔ افضل[2] المساجد مکۃ ثم المدینۃ ثم القدس ثم قبا ثم الاقدم ثم الاعظم ثم الاقرب انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

**سوال**:۔ جس مسجد کی زمین وقف نہیں ہے، بلکہ اس کی زمین خراجی ہے، اور یہ زمین فی الحال ایک ہندو کے پاس گرو ہے، اور مرتہن نیلام کے لئے مستعد ہے، فقط مسلمانوں کے ڈر سے نیلام نہیں کرتا ہے، ایسی زمین میں مسجد درست ہے یا نہیں، اور مسجد کیسی زمین میں ہونی چاہیئے

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ آدمی کی اپنے گھر میں نماز ایک نماز ہے، اور محلہ کی مسجد میں پچیس نمازیں ہیں، اور جامع مسجد میں ایک نماز پانچسو نمازیں ہیں ۱۲　[2] سب سے افضل مسجد خانہ کعبہ ہے، پھر مسجد نبوی، پھر بیت المقدس پھر سب سے قدیمی، پھر سب سے بڑی، پھر سب سے قریب ۱۲

اور وقف کی کیا تعریف ہے بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ زمین مذکور میں مسجد بنانا درست نہیں ہے، اس واسطے کہ جس زمین میں مسجد بنائی جاوے، اس زمین کا وقف ہونا ضروری ہے، اور صورت مسئولہ میں زمین مذکور وقف نہیں ہے، اور وقف کی تعریف یہ ہے۔ ھو حبس العین علی حکم ملک الواقف و التصدق بالمنفعۃ ولو فی الجملۃ یعنے حبس کرنا عین کو ملک واقف کے حکم پر اور صدقہ کرنا منفعت کا، اگرچہ فی الجملہ ہو، اور صاحبین کے نزدیک وقف کی تعریف یہ ہے ھو حبسہا علی حکم ملک اللہ وصرف منفعتہا علی من احب ولو غنیا فیلزم ولا یجوز لہ ابطالہ ولا یورث عنہ وعلیہ الفتوی کذا فی الدر المختار یعنے حبس کرنا عین اللہ کے ملک کے حکم پر اور صرف کرنا اس کے منفعت کا جس پر چاہے، اگرچہ وہ غنی ہو پھر جب واقف کی ملک سے خارج ہوا، تو وقف لازم ہوگیا، تو واقف کو اس کا باطل کردینا جائز نہیں، اور اس کا وارث اس کو وراثت میں نہ پاوے گا، اور صاحبین ہی کے قول پر فتوے ہے، کذا فی غایۃ الاوطار واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب۔ حررہ عبدالرحیم عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر دو مسجدیں ایک محلہ میں بلاے غرض دین بنائی جاویں، ایک اس میں جامع مسجد ہے اس میں بجز جمعہ اور نماز ظہر و عصر کے دیگر کوئی نماز نہیں ہوتی کیونکہ اس کے گرداگرد ہنود رہنے والے ہیں، اور امام بھی بعد نماز عصر کے اپنے خانہ کو چلا آتا ہے، اور دوسری مسجد مسلمانوں کے بیوت کے کنارے پر ہے، اس میں سوائے جمعہ کے نماز بجماعت ہوتی رہتی ہے، اور نماز جمعہ فریقین اتفاق سے مدت کثیر تک ایک جگہ مسجد جامع میں پڑھتے تھے، آخر الامر عرصہ ایک ماہ سے بباعث فساد مذہبی کے کہ ہم لوگ دوسری مسجد والے اہل حدیث اور موحدین ہیں انہوں نے ہمارے ساتھ فساد و شر کیا، ہم لوگوں نے واسطے دفع شر کے اپنی مسجد میں علیحدہ جمعہ شروع کیا، دوسرے بھائی ہمارے جامع مسجد والے حنفی مذہب تھے، انہوں نے ہماری مسجد کو مسجد ضرار مقرر کیا، اور عدم جواز صلوۃ کا فتوے دیا بلکہ ہدم اور احراق کا حکم ہوا، مگر بباعث آئین سرکاری کے مجبور رہے، اور چند دلیلیں مسجد ضرار ہونے کی ٹھہرائی ہیں۔

اول تو اپنے زعم فاسد کے موجب اس آیت کے مصداق میں داخل کیا والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المؤمنین وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ الآیۃ

---

لہ وہ جنہوں نے مسجد بنائی تکلیف دینے کے لئے، کفر کرنے کے لئے، مومنوں میں جدائی ڈالنے کے لئے، اور

دوسری قال[1] عطاء لما فتح الله علی عمر بن الخطاب الامصار امر المسلمین ان یبنوا المساجد وامرھم ان لا یبنوا فی موضع واحد مسجدین یضار احدھما الاخر. ھکذا فی الخازن۔

تیسری وقیل[2] کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجہ الله او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار۔ کذا فی المدارک

واللہ باللہ ثم تاللہ ہم لوگوں نے صرف تقرباً للہ کی وجہ سے عرصہ چار سال سے مسجد کو بنایا ہے، نہ واسطے خرابات مذکورات کے، حدیث شریف انما الاعمال بالنیات موجود ہے، یہی ہمارے بھائی حنفی ہمارے ساتھ اس مسجد میں چند دفعہ نماز پڑھ چکے ہیں، مگر اب باعث مخالفت کے مدت ایک ماہ سے مسجد ضرار ٹھہرا دیا ہے، اور ہم نے فتنہ اور فساد اور دفع شر کے لئے نماز جمعہ علیحدہ شروع کی نہ واسطے غرض تفریق مؤمنین کے، دیگر کیا اظہار کروں اللہ علیم بذات الصدور شاہد ہے، لہذا التماس ہے، کہ ضرور فی سبیل اللہ جواب عنایت فرما کر ان تینوں دلیلوں مذکورہ بالا اور قول فی موضع واحد مسجدین لیضار احدھما الاخر کا اور معنے بیان فرما دیں، اور جواز اور عدم جواز صلوۃ اور ضرار اور عدم ضرار کا فتوے نزد تر تحریر فرما دیں، بینوا توجروا۔

**الجواب**: صورت مسئولہ میں جب کہ اہل حدیث مذکورین نے اپنی مسجد کو عرصہ چار سال سے بنایا ہے، اور قسم کھاتے ہیں، کہ اس کو تقرباً للہ بنایا ہے، اور اب عرصہ ایک ماہ سے واسطے دفع شر و فساد احناف کے اس مسجد میں جمعہ شروع کیا ہے، تو وہ مسجد اس وجہ سے ہرگز ہرگز مسجد ضرار نہیں ہو سکتی، اور اس میں بلا شبہ نماز جائز و درست ہے، اور جو احناف اس مسجد کو مسجد ضرار قرار دیتے ہیں، اور اس کے ہدم و احراق کا حکم دیتے ہیں، اور اس عدم جواز کا فتوے دیتے ہیں (حالانکہ یہ احناف بھی اس میں چند دفعہ نماز پڑھ چکے ہیں) وہ بہت ہی بڑے ظالم ہیں، اور ساعی فی خراب المسجد ہیں، اور یہ احناف اس مسجد کے مسجد ضرار ٹھہرانے کی جو دلیلیں

---

اللہ و رسول کے برخلاف لڑائی لڑنے کے لئے گھات کی جگہ ۱۲ [1] حضرت عمرؓ نے جب شہروں کو فتح کیا، تو مسلمانوں کو حکم دیا، کہ مسجدیں بنائیں، اور حکم دیا کہ ایک جگہ میں دو مسجدیں نہ بنائیں، کہ ایک دوسری کو نقصان پہنچے ۱۲ [2] ہر وہ مسجد جو فخر، ریا، سنانے کے لئے یا کسی اور غرض سے اللہ کی رضامندی کے حصول کے علاوہ بنائی جائے، وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے ۱۲

پیش کرتے ہیں، ان میں کسی دلیل سے یہ مسجد مسجد ضرار نہیں ٹھہر سکتی،

پہلی دلیل یعنے آیت والذین اتخذوا مسجدا ضرارا الخ سے یہ مسجد اس وجہ سے مسجد ضرار نہیں ٹھہر سکتی، کہ اس آیت میں جس مسجد کا بیان ہے، اس کو بنایا تھا، اور اس کی بنیاد ضرارا و کفرا و تفریق بین المومنین و ارصادا لمن حارب اللہ و رسولہ پر تھی، اور صورت مسئولہ میں جس مسجد کو اہل حدیث نے بنایا ہے، اس کی بنیاد تقرب الی اللہ پر ہے، پس اس آیت سے یہ مسجد، مسجد ضرار کیونکر ٹھہر سکتی ہے،

اور قول حضرت عمر رضہ سے یہ مسجد اس وجہ سے مسجد ضرار نہیں ٹھہر سکتی، کہ اس قول کا مطلب یہ ہے، کہ ایک مقام میں ایسی دو مسجدیں نہیں بنانی چاہئیں، کہ ایک کی وجہ سے دوسری کو ضرر پہنچے، اور سوال سے ظاہر ہے، کہ صورت مسئولہ میں ایک مسجد کو دوسری مسجد سے بجز نفع کے کچھ بھی ضرر نہیں ہے، پس اس قول حضرت عمر رضہ سے بھی یہ مسجد مسجد ضرار نہیں ٹھہر سکتی،

پس تیسری دلیل یعنے قیل کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاداو سمعۃ الخ سے بھی یہ مسجد مسجد ضرار نہیں ٹھہر سکتی، اور رفع فتنہ وفساد اور دفع شر کے لئے جو اہل حدیث نے اس مسجد میں نماز جمعہ علیحدہ شروع کی، تو اس وجہ سے یہ مسجد ضرار نہیں ہوسکتی، اس واسطے کہ جب کسی مسجد میں نماز پڑھنے سے لوگ روکتے ہوں، اور فتنہ و شر و فساد کرتے ہوں، تو دفع شر و فساد کی غرض سے علیحدہ مسجد بنانا، اور اس میں علیحدہ نماز قائم کرنا جائز و درست ہے، دیکھو جب مشرکین مکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بیت اللہ شریف میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے، اور نماز ادا نہیں کرنے دیتے تھے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کے صحن میں ایک مسجد بنائی تھی، اور اس میں نماز ادا کرتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے، واللہ تعالے اعلم۔ حررہ احمد عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زمین مرہونہ مرتہن سے زبردستی کرکے مسجد میں شامل کرلی، اصل مالک زمین مذکور کا موجود نہیں ہے، اب وہ زمین از روئے شرع شریف شامل مسجد ہوسکتی ہے یا نہیں، جواب اس کا قرآن و حدیث سے عطا فرماویں، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ وہ زمین شرعا شامل مسجد نہیں ہوسکتی، اور اگر شامل کی جاوے گی

تو وہ زمین مسجد کے حکم میں ہرگز نہیں ہوگی حدیث شریف میں آیا ہے ان[1] اللہ طیب لا یقبل الا طیبا رواہ مسلم شیخ عبدالحق دہلوی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں چوں حق تعالیٰ پاک است و رزق حلال را بسبب پاک بودن او از چرک حرمت چون بجناب اقدس او نسبتے است قابل آن است کہ بوئے تقرب بجناب عزت او توان کرد و حرام کہ عند اوست قابل آن نہ بود انتہیٰ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**ھوالموفق**۔ کسی زمین کا مسجد ہونا یا مسجد میں شامل ہونا موقوف ہے اس کے وقف ہونے پر اور اس کا وقف ہونا موقوف ہے ملک پر، اور صورت مسئولہ میں چونکہ زید نے جو زمین مرہونہ مرتہن سے زبردستی کرکے مسجد میں شامل کرلی ہے، وہ وقف نہیں ہے کیونکہ اس کا مالک زید نہیں ہے بلکہ اس کا اصل مالک دوسرا شخص ہے، جو موجود نہیں ہے، بنا بریں وہ زمین مغصوبہ شامل مسجد نہیں ہوسکتی، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارک پوری عفا اللہ عنہ

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی نے اپنے مکان زنانہ کے گوشہ میں ایک مسجد تعمیر کروائی ہے، اس غرض و نیت سے کہ صرف اس مکان کی عورتیں اس مسجد میں نماز پڑھیں، اور بوجہ پردہ کے اذان و اقامت ہو نہیں سکتی ہے پس ایسی صورت میں اس پر مسجد کا حکم ہوگا یا نہیں، اور بلا اذن مالک مکان کے غیر عورتوں کو اس مسجد میں جاکر نماز پڑھنے کا حق ہے یا نہیں، اور اگر اس مسجد میں اذان و اقامت نہ ہو، تو بانی مسجد گنہ گار ہوگا یا نہیں، اور اس بستی میں ایک مسجد عام ہے، کہ جس کی اذان کی آواز بخوبی اس مسجد میں بھی آتی ہے تو وہی اذان اس مسجد کے واسطے کافی ہوگی یا نہیں، اور زمین اس مسجد زنانہ کی موقوفہ ہوجاوے گی یا نہیں بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ ہوالملہم للصواب۔ صورت مسئولہ میں جو مسجد گوشہ مکان زنانہ میں تعمیر کی گئی ہے اس پر حکم و اطلاق مسجد کا ہوسکتا ہے، گو اس میں اذان نہ ہو، اور نہ بانی مسجد آثم ہوگا، اور نہ زمین اس کی موقوفہ ہوگی، چنانچہ بخاری شریف میں ہے ان[2] عتبان بن مالک وھو من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممن شھد بدرا من الانصار

---

[1] اللہ خود بھی پاک ہے، اور پاک چیزوں ہی کو قبول کرتا ہے ۱۲ [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عتبان بن

انہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ قد انکرت بصری وانا اصلی لقومی فاذا کانت الامطار سال الوادی الذی بینی وبینہم لم استطع ان اتی مسجدھم فاصلی بھم ووددت یا رسول اللہ انک تاتینی فتصلی فی بیتی فاتخذہ مصلی فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سافعل ان شاء اللہ تعالی قال عتبان فغدا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر حین ارتفع النہار فاستاذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذنت لہ فلم یجلس حین دخل البیت ثم قال این تحب ان اصلی فی بیتک قال فاشرت لہ الی ناحیۃ من البیت فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر فقمنا فصففنا فصلی رکعتین ثم سلم

وفی العالمگیریۃ من بنی[1] مسجدا لم یزل ملکہ عنہ حتی یفرزہ عن ملکہ بطریقہ ویاذن بالصلوۃ فیہ۔ وایضا فیہا۔ سئل ابوبکر الاسکاف عمن بنی مسجدا علی باب دارہ ووقف ارضا علی عمارتہ ثم مات ھو وخرب المسجد واستغنی ورثتہ فی بیعہا فافتوا بالبیع۔ وایضا فیہا ولیس علی النساء اذان ولا اقامۃ فان صلین بجماعۃ یصلین بغیر اذان واقامۃ وان

بلا کسی نے آپ سے عرض کیا، یا رسول اللہ میری نظر کمزور ہے۔ اور میں قوم کا امام ہوں، جب بارشیں ہوتی ہیں، اور نالے بہنے لگتے ہیں، تو میں مسجد میں آکر ان کو نماز پڑھا نہیں سکتا، میں چاہتا ہوں، کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں، میں اس جگہ کو مسجد بنالوں گا، تو آپ نے فرمایا انشاء اللہ میں آؤں گا، پھر آپ اور ابوبکر دن چڑھے تشریف لائے، آپ اجازت لے کر گھر میں داخل ہوئے، تو آپ بیٹھے نہیں، اور فرمایا کہ تو کہاں چاہتا ہے، کہ میں تیرے گھر میں نماز پڑھوں، میں نے مکان کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کیا، آپ نے کھڑے ہوکر وہاں تکبیر کہی، اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی، آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر سلام پھیرا۔

[1] اگر کوئی مسجد بنائے، تو جب تک اس کو اپنی ملکیت سے خارج نہ کرے، اور نماز کی عام اجازت نہ دے وہ اس کی ملکیت میں رہے گی۔ اگر کوئی شخص اپنے مکان کے دروازے پر مسجد بنائے، اور اس زمین کو اپنی عمارت پر وقف کردے، اور مرجائے، اور مسجد ویران ہوجائے، تو اس کے وارث اس زمین کو بیچ سکتے ہیں۔ عورتوں کے لئے اذان اور اقامت نہیں ہے، اگر وہ جماعت سے نماز پڑھیں، تو بغیر اذان اور اقامت

مصلین جازت بھا صلوتھن بھا مع الا ساءۃ ھکذا فی الخلاصۃ۔ نیز یہ کہ غیر عورتیں بلا اذن اس میں جا کر نماز نہیں پڑھ سکتی ہیں۔ واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ایک شخص نے کچھ زمین مسجد کے واسطے خریدی، پہلے سے اس زمین میں دو منزلہ مکان بنا ہوا تھا، مشتری اوپر کی منزل کو مسجد اور نیچے کی منزل کو کرایہ پر واسطے خرچ مسجد کے دینا چاہتا ہے، اس صورت میں مسجد، مسجد کا حکم رکھے گی، اور مکان کرایہ پر دینا جائز ہوگا یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ صورت مرقومہ بالا میں معلوم کرنا چاہیئے، کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی تعلیم کی رو سے صورت مسئول عنہا جائز و درست معلوم ہوتی ہے، اور یہ مسجد مسجد کا حکم رکھے گی، اور مکان مسجد کے مصالح کے لئے کرایہ پر دینا جائز ہوگا، تاکہ مسجد کی درستی رہے اور ہمیشہ آباد رہے، اس کے اخراجات ضروریہ کے لئے آمدنی کی صورت نکالنا درست و جائز ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خادم مسجد نبوی کے آرام کے لئے مسجد نبوی میں یعنے نہ کنارے میں نہ ادھر نہ ادھر بلکہ اندرون مسجد کے ایک حجرہ بنایا تھا، اور اس کا رہنا سہنا وہاں ہی ہوتا تھا جیسا کہ صحیح بخاری صفحہ ۶۳ میں موجود ہے، اور نیز صحیح بخاری صفحہ ۶۶ میں موجود ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں بعض لوگوں کے فائدہ کے لئے خیمہ لگوا دیا، وہ اس میں مدت تک رہے۔

غرضکہ اندرون مسجد یا تحت مسجد یا بالائے مسجد میں کوئی مکان بنانا مصالح مساجد کے لئے درست و جائز ہے، وہ مکان مسجد کو مسجد کے حکم سے خارج نہ کرے گا، جیسا کہ یہ دونوں حدیثیں دلالت کرتی ہیں، اور یہی حکم خدا و رسول ہے، کہ جہاں خاص حکم شرعی نہ ہو، وہاں عام حکم شرعی سے استدلال کرنا جائز ہے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث میں اور خاص کر بخاری کے صفحہ ۱۰۹۳ میں موجود ہے سئل[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الحمر فقال ما انزل اللہ علی فیھا الا ھذہ الایۃ الجامعۃ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ الایۃ اور اس پر امام بخاری علیہ الرحمۃ نے باب یوں

---

کے پڑھیں گی اور اگر وہ نماز پڑھ لیں، تو ان کی نماز کراہت سے ہو جائے گی ۱۲ [1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا، ان کے لئے کوئی الگ حکم تو مجھ پر نازل نہیں ہوا، بس یہ آیت جامع موجود ہے، جو ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کرے گا، اس کو دیکھ لے گا ۱۲

منعقد کیا ہے باب الاحکام التی تعرف بالدلائل الخ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالی نے جن احکام کو ناجائز فرمانا تھا، ناجائز فرمایا، اور جن کو جائز فرمانا تھا ان کو جائز فرمایا، اور جن حکموں سے خاموشی کی ہے تم مت کرید کرو یعنی وہ معاف ہے، جیسا کہ مشکوۃ صفحہ ۲۴ میں موجود ہے ابو ثعلبہ خشنی سے۔

اور یہ اظہر من الشمس ہے، کہ اللہ اور رسول نے کہیں منع نہیں فرمایا، کہ اوپر مسجد اور نیچے مکان کرایہ مصالح مسجد کے لئے نہ بنانا بلکہ اللہ تعالے نے یوں ارشاد فرمایا ہے، ما جعل علیکم فی الدین من حرج[۱] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے، یسروا ولا تعسروا الحدیث[۲] یعنی عالموں کو چاہیئے، کہ جہاں کہیں اللہ تعالے اور رسول نے سختی نہیں فرمائی، تنگی نہ کریں، بلکہ آسانی کا فتوے دیں دلائیں، اب ہر شخص ذی فہم بتا سکتا ہے، کہ اس مسجد کے جواز میں مشتری مکان مذکور کے لئے آسانی ہے یا تنگی، اور نیز احادیث صحیحہ میں اضاعت مال سے ممانعت وارد ہوئی ہے، اب ہر شخص ذی شعور بتا سکتا ہے، کہ مسجد مذکور فی السوال کے عدم جواز میں اضاعت مال ہے یا نہ

غرض کہ ان احادیث و آیات کے رد سے ثابت ہوتا ہے، کہ مسجد مذکور فی السوال مسجد ہی کے حکم میں ہے، اور نیچے کا مکان کرایہ پر دنیا واسطے مصالح مسجد مذکور کے جائز و درست ہے تفسیر کبیر میں تحت آیت فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك الایۃ[۳] کے لکھا ہے، کہ عمومات کتاب اور سنت مقدم ہوتے ہیں عمومات قیاس پر واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الملتانی نزیل الدہلی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والجلی فی اوائل شہر جمادی الاولی من سنہ ۱۳۱۹ھ علی صاحبہا افضل صلوۃ وازکی تحیۃ اللھم ارزقنا علما نافعا والعمل بما تحب وترضی

سید محمد نذیر حسین

**ھوالموفق:** صورت مسئولہ میں اگر مشتری نے نیچے کی منزل کو مصالح مسجد کے واسطے وقف کر دیا ہے، اور اپنا کوئی تعلق باقی نہیں رکھا ہے، تو بے شک وہ مسجد مسجد کے حکم میں ہے اس واسطے کہ اس مسجد کے مسجد نہ ہونے کی کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور

---

[۱] اللہ تعالے نے تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ۱۲ [۲] آسانی کرو، اور تنگی نہ کرو ۱۲

[۳] تیرے رب کی قسم جب تک آپ کو حاکم نہیں بنائیں گے ان کو ایمان نصیب نہ ہوگا ۱۲

نیچے کی منزل کو واسطے خرچ مسجد کے کرایہ پر دینا بھی جائز ہے، کیونکہ عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے، فقہائے حنفیہ نے بھی تصریح کی ہے، کہ ایسی صورت میں مسجد مسجد کے حکم میں رہے گی درمختار میں ہے۔ لو بنی بیتا فوقہ للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق اور شامی میں ہے یؤخذ من التعلیل ان محل عدم کونہ مسجدا فیما اذا لم یکن وقفا علی مصالح المسجد وبہ صرح فی الاسعاف فقال واذا کان السرداب او العلو لمصالح المسجد او کانا وقفا علیہ صار مسجدا ونیز شامی میں ہے بقی لو جعل الواقف تحتہ بیتا للخلاء ھل یجوز کما فی مسجد محلۃ الشحم فی دمشق لم ارہ صریحا نعم سیاتی متنا فی کتاب الوقف انہ لو جعل تحتہ سردابا لمصالحہ جاز انتہی اور فقہ حنفی کی رو سے بھی نیچے کی منزل کو واسطے مصارف مسجد کے کرایہ پر دینے کا جواز مستفاد ہوتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے نیچے دکانیں اس کے مصارف کے لئے بنوانا کیسا ہے، اور اس میں نماز کا کیا حکم ہے، کیونکہ مسجد کا خرچ بغیر آمد کے بعض جگہ چلنا دشوار ہے، اس مسئلہ کو مدلل کتب معتبرہ فقہ سے ارقام فرمادیں بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیے، کہ مسجد کے نیچے یا اس کے اوپر دکان بلا وقف اپنے منافع کے واسطے بنائی، تو وہ مسجد حکم میں مسجد کے نہیں ہے، کیونکہ زیر و بالا اس کا خالص واسطے اللہ تعالے کے نہ ہوا، اور جو وقف کیا دکان زیر و بالا کو مصالح مسجد اور

---

لہ اگر مسجد کے اوپر امام کی رہائش کے لئے مکان بنایا جائے، تو درست ہے، کیونکہ یہ مسجد ہی کی آبادی ہے ہاں اگر مسجد پوری ہوجائے، پھر اس پر مکان بنایا جائے، تو منع ہے، اور اگر کہے کہ میری پہلے ہی سے یہ نیت تھی تو اس کو سچا نہ سمجھا جائے گا ۱۲ ؎ اس کا دارومدار تو سبب ہے، اگر مسجد ہی کی مصلحت کے لئے اس کے نیچے تہ خانہ یا اوپر کوئی مکان بنایا جائے، تو درست ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو جائز نہیں ۱۲ ؎ اگر وقف کرنے والا مسجد کے نیچے کوئی بیت الخلا بنائے تو جائز ہے یا نہیں، اس کی صاف جزئی تو میں نے کہیں دیکھی نہیں، ہاں یہ تو ہے کہ اگر مسجد کے نیچے کوئی تہ خانہ بنائے یا اس کے اوپر کوئی مکان مسجد کی مصلحت کے لئے بنائے تو جائز ہے ۱۲

خرچ مرمت مسجد کے واسطے تو وہ مسجد حکم مسجد شرعی میں ہوگی کیونکہ اس وجہ سے حق تصرف ومنافع عباد کا بالکل زائل ہوا، اور وہ مسجد خالص واسطے اللہ تعالےٰ کے قرار پائی ایسا ہی کتب معتبرہ فقہ سے واضح ہوتا ہے

قولہ ومن جعل مسجدا تحتہ سرداب وھو بیت یتخذ تحت الارض لغرض تبرد الماء او غیرہ او فوقہ بیتا لیس واحد منھما للمسجد فلیس بمسجد ولہ بیعہ ویورث عنہ اذا مات بخلاف ما اذا کان السرداب او العلو موقوفا لمصالح المسجد فانہ یجوز اذ لا ملک فیہ لاحد بل ھو من تتمیم مصالح المسجد کسرداب مسجد بیت المقدس ھذا ھو ظاھر المذھب. ھذا خلاصۃ ما فی الہدایۃ وفتح القدیر وغیرھما واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

**مسئلہ:** ہرگاہ گروہ مسلمانان نے درباب تعمیر مسجد اور مصالح اس کے مثلاً پانچ آدمیوں کو متولی اپنی طرف سے مقرر کیا، تو پانچوں کے مشورہ اور صلاح سے کارروائی مسجد کی کی جاوے گی، اور تفرد شخص واحد کا اس میں روا نہیں پس ایسی صورت میں اگر کسی ایک شخص نے اپنی رائے سے بلا مشورہ وصلاح بقیہ چار شخصوں کے درباب تعمیر ومصالح مسجد کوئی کارروائی کی، تو اس کی وہ کارروائی جائز نہیں ہوگی۔ الاصل فی جنس ھذہ المسائل ان کل تصرف یحتاج فیہ الی الرای فاذا وکل بہ رجلین ففعل ذلک احدھما دون الاخر لا یجوز انتہی ما فی العالمگیریۃ فی باب الوکالۃ۔ وان مات احد الوصیین واوصی الی جماعۃ لو ینفرد واحد بالتصرف انتہی ما فی العالمگیریۃ من باب الوقف۔ واذا جعل الواقف الولایۃ الی اثنین اوصارت الولایۃ

[1] جس کسی نے ایسی جگہ کو مسجد بنایا جس کے نیچے کوئی تہ خانہ ہے، یا اوپر کوئی مکان ہے، اور وہ مسجد کی ملکیت نہ ہوں، تو وہ مسجد مسجد نہیں ہے، وہ اس کو بیچ سکتا ہے، اور اگر مر جائے تو ورثہ میں چلی جائے گی، ہاں اگر تہ خانہ یا مکان مسجد کے لئے وقف ہو جائے، تو پھر وہ مسجد ٹھیک ہے، کیونکہ اس میں کسی آدمی کا حق نہیں رہا۔

[2] ان مسائل میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ تصرف جس میں رائے کا دخل ہو جب وہ دو آدمیوں کے سپرد کیا جائے تو ان میں سے ایک آدمی اگر دوسرے کے مشورہ کے بغیر سر انجام دے گا تو جائز نہیں ہوگا۔ اگر دو وصیوں میں سے ایک مر جائے، اور ایک جماعت کو وصیت کر جائے، تو ان میں سے ایک آدمی تصرف نہیں کر سکے گا،

الی الوصی والمتولی لم یکن لاحدھما بیع غلۃ الوقف انتہی ما فی العالمگیریۃ وغیرھا من کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسجد میں رہتا تھا متولی نے اس کو امامت سے معزول کردیا، اب وہ طرح طرح کے فساد نکالتا ہے، کبھی کہتا ہے مسجد کا قبلہ ٹیڑھا ہے، کبھی بیان کرتا ہے، چونکہ مجھے نوٹس دے کر مسجد سے خارج کردیا، تو یہ مسجد نہیں رہی کبھی لوگوں کو اس طرح بہکاتا ہے، کہ مسجد میں تھوڑی زمین غصب کی شامل ہے لہذا یہ مسجد نہیں رہی، حالانکہ اس میں زمین مغصوبہ نہیں ہے، فرضاً اس میں قدرے زمین مغصوبہ ہو تو کیا ساری زمین مسجد ہونے سے خارج ہو جاوے گی، حاصل یہ ہے، کہ مسجد کے قبلہ ٹیڑھے ہونے سے یا اس وجہ سے کہ متولی کسی شخص کو امامت سے معزول کردے یا کوئی شخص شبہ غصب کا لوگوں کے دلوں میں ڈال دے یعنی یہ کہے کہ تھوڑی زمین مسجد کی مغصوبہ ہے، تو عند الشرع یہ مسجد ہے یا نہیں، ہر ایک امر کا جواب مرحمت فرمائیں بینوا توجروا۔

**الجواب:** جب کہ وہ شخص معزول ہمیشہ سے اسی مسجد میں نماز پڑھتا رہا اور کبھی اس نے یہ ظاہر نہیں کیا، کہ اس میں زمین مغصوبہ بھی شامل ہے، تو اب اس کا قول اس باب میں غیر معتبر ہے، اور مسجد کے قبلہ تھوڑے ٹیڑھے ہونے سے نماز میں کچھ نقصان نہیں آتا، جہت کعبہ کی طرف منہ ہونا شرط ہے نہ عین کعبہ کی طرف، اور اس شخص کو اگر کسی وجہ سے نکال دیا، تو اس سے اس مسجد کے مسجد ہونے میں کچھ خرابی نہیں آتی، جب ایک مرتبہ کسی جگہ کو مسجد کا حکم قاعدہ شرعیہ کے مطابق ہوگیا، تو اب وہ مسجدیت نکل نہیں سکتی فقط واللہ اعلم بالصواب۔ بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ ۱۱ شوال ۱۳۱۶ھ

سید محمد نذیر حسین

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے سود خوار سے سودی روپیہ قرض لے کر اور اس میں قربانی و فطرہ کے روپیہ مخلوط کرکے ایک مسجد تیار کی، اور اس کے قریب ڈیڑھ سو ہاتھ کے فاصلہ پر دوسری مسجد موجود ہے، آیا یہ مسجد جدید حکم مسجد کا رکھتی ہے یا نہیں، اور اس میں نماز جائز ہے یا نہیں، اور اگر قرض ادا کردے، تب

---

جب واقف دو آدمیوں کے سپرد ولایت کرے، یا ولایت وصی اور متولی کے سپرد ہو تو ان میں سے ایک آدمی واقف کے غلہ کو فروخت نہیں کرسکے گا۔

بھی کیا نماز جائز ہے یا نہ۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** سود خوار سے سودی قرض لینا اور اس سے مسجد بنانا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ مال حرام ہے، اور مال حرام اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا ہے، صحیح مسلم میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں معنی حدیث آن است کہ چون وے تعالیٰ پاک است ورزق حلال را بسبب پاک بودن اوازچرک حرمت چون بجانب اقدس او نسبتے است قابل آن است کہ بوے تقرب بجانب عزت او توان کرد وحرام کہ ضد اوست قابل آن نبود انتہی۔

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں، از مال حرام تصدق کردن چیزے نیست وثوابے ندارد، اور موطا امام مالک میں سعید بن یسار سے مرفوعا مروی ہے من تصدق بصدقۃ من کسب طیب ولا یقبل اللہ الا طیبا کانما یضعھا فی کف الرحمٰن محلی شرح موطا میں اس حدیث کے تحت میں مرقوم ہے فیہ نص علی ان غیر الحلال غیر مقبول انتہی اور جو مسجد حرام وناپاک مال سے بنائی جاوے، وہ حکم میں مسجد ضرار کے ہے، جیسا کہ تفسیر کشاف ومدارک میں ہے کل مسجد بنی مباھاۃ اوریاء او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار انتہی

اور قربانی اور فطرہ کے روپیہ سے بھی مسجد بنانا شرعا ممنوع ہے، اس واسطے کہ چرم قربانی اور فطرہ حق مساکین ہے عالمگیریہ میں ہے۔ ولا یجوز ان یبنی بالزکوۃ المسجد وکذا القناطیر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانھار والحج والجھاد وکل ما لا تملیک فیہا انتہی۔ اور قربانی اور فطرہ کا روپیہ اگرچہ

---

لہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ پاک ہے، اور پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے ۱۲ کہ جو آدمی پاک کمائی سے کوئی صدقہ کرے، اور اللہ تعالیٰ پاک چیز ہی کو قبول فرماتے ہیں، پس گویا اس نے وہ صدقہ خدا کے ہاتھ میں رکھا ۱۲ سے اس میں صراحت ہے کہ حرام غیر مقبول ہے ۱۲ کہ ہر وہ مسجد جو فخر، ریا اور سمعہ یا خدا کی رضامندی کے بغیر کسی اور غرض سے یا ناپاک مال سے بنائی جائے، وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے ۱۲ ھ جائز نہیں ہے کہ زکوٰۃ سے کوئی مسجد یا پل یا سقایے تیار کئے جائیں، یا سڑکوں کی مرمت اور نہروں کی پٹڑیاں درست کی جائیں، یا حج اور جہاد کا سامان مہیا کیا جائے علاوہ ہر وہ چیز جس میں تملیک نہیں ہے ۱۲

پاک وحلال ہے، مگر سود کے روپیہ کے ساتھ مخلوط ہونے کی وجہ سے اس کی طہارت باقی نہیں رہی، بلکہ حکم حرمت کا آگیا، الاشباہ والنظائر میں ہے اذا[1] اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام انتہی۔ پس عبارات بالا سے ظاہر ہے، کہ مسجد جدید حکم مسجد کا نہیں رکھتی ہے بلکہ حکم مسجد ضرار کا رکھتی ہے، لہذا جو شخص اس میں نماز پڑھے گا، اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی، اور اگر سود خوار کا روپیہ ادا کر دے، جب بھی اس میں نماز جائز نہیں، کیونکہ بنا مسجد کی مال حرام سے ہے، اور چونکہ مسجد جدید کے قریب دوسری مسجد موجود ہے لہذا مسجد جدید باعث ضرر مسجد قدیم ہے، اس وجہ سے بھی مسجد جدید کا بنانا، اور اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں، تفسیر کشاف میں ہے لما[2] فتح الله الامصار علی عمر رضی الله عنه امر المسلمین ان یبنوا المساجد وان لا یتخذوا فی المدینة مسجدین یضار احدهما الاخر انتهی۔ والله اعلم بالصواب۔ حررہ محمد حمید الرحمن میمن سنگ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ایک جمعدار فوج نے خاص اپنے روپیہ سے مسجد تیار کرائی، آیا وہ مسجد شرعاً حکم مسجد کا رکھتی ہے یا نہ، اور اس مسجد میں مصلیوں کے نماز پڑھنے سے اس کو ثواب ملے گا یا نہ۔ بینوا توجروا

**الجواب**:۔ اگر اس مسجد میں کوئی مانع شرعی نہ ہو، تو بے شک وہ مسجد شرعاً مسجد کا حکم رکھتی ہے، اور اس میں مصلیوں کے نماز پڑھنے سے اس کو ثواب ملے گا، موانعات شرعیہ یہ ہیں، کہ مال حرام سے یا زمین مغصوبہ میں بنائی گئی ہو، یا زمین مشترکہ میں بلا اجازت شریک ثانی بنائی گئی ہو، یا بقصد فخر ومباہات وریا کے بنائی گئی ہو، یا ضرر رسانی وضد اور مخالفت مسجد ثانی کے بنائی گئی ہو، تو ایسی مسجد شرعاً حکم مسجد کا نہیں رکھتی تفسیر مدارک میں ہے کل[3] مسجد بنی مباهاة او رياء او سمعة او لغرض سوى ابتغاء وجه الله او بمال غير طيب فهو لاحق بمسجد الضرار اور تفسیر کشاف میں ہے عن[4] عطاء لما فتح الله الامصار على يد عمر رضى الله عنه امر المسلمين ان

[1] جب حلال اور حرام اکٹھے ہو جائیں تو حرام غالب آجاتا ہے ۱۲ [2] جب اللہ تعالے نے حضرت عمرؓ کو فتوحات عنایت فرمائیں، تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا، کہ مسجدیں بنائیں، اور ایک ہی شہر میں دو مسجدیں تعمیر نہ کریں، کہ ایک سے دوسری کو نقصان پہنچے ۱۲ [3] اس کا ترجمہ پہلے گذر چکا ۱۲ [4] اسکا ترجمہ بھی گزر چکا ہے۔

يبنوا المساجد ولا يتخذ وا في المدينة مسجدين يضار احدهما صاحبه الخ
تفسیر احمدی میں ہے۔ فالعجب من المشائخ المتعصبين في زماننا يبنون
في كل ناحية مسجدا طلبا للاسم والرسم واستيلاء لشانهم واقتداء
بابائهم ولم يتاملوا ما في هذه الاية والقصة من شناعة احوالهم
وافعالهم انتہی۔ پس اگر مسجد مذکور ان امور سے خالی ہو، اور خالص لوجہ اللہ بنائی گئی
ہو، تو بے شک وہ مسجد مسجد کا حکم رکھتی ہے، اور اس میں مصلیوں کے نماز پڑھنے سے اس
کے بانی جمعدار مذکور کو ثواب ملے گا۔ واللہ اعلم بالصواب، حررہ عبد الحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ بنانا مسجد کا مال چنگی سے
اور نماز پڑھنا اس میں درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**: چنگی عبارت ہے، مال لینا غیر کا بے رضامندی اس کے کہ وہ بحکم
سرکار دیتا ہے، سو اس قسم کا مال لینا بلاشک حرام اور ظلم میں داخل ہے، پس ایسے مال سے
مسجد کا بنانا اور اس سے امید ثواب کی رکھنی ناجائز ہے، اور معلوم کرنا چاہیئے، کہ غیر کا مال کھانا
بے رضامندی اس کے اس میں غیر کو ضرر پہنچتا ہے، اور حق اسلام یا حق ذمہ و عہد تلف
ہوتا ہے، اور دل اس کا جلتا ہے، جیسا کہ فتح العزیز میں تحت آیت احکام مضطر لکھا ہے، و
خوردن مال غیر بے رضامندی او ضرر ہم بآن غیر مے رسد و حق اسلام یا حق ذمہ و عہد ہم
تلف می شود و دل او ہم می سوزد انتہی۔

اور اسی تفسیر میں دوسری جگہ تقرب بخدا و ثواب جزیل میں اس طرح لکھا ہے، ہفتم آنکہ
مالے کہ بآن تقرب بخدا جوید و از بدل آن ثواب جزیل خواہد باید کہ بہترین مالہا باشد و نفیس
ترین مرغوبات انتہی۔ پس خلاصہ یہ ہے، کہ مسجد وغیرہ میں مال طیب صرف ہو، کہ یہ سبب
اس کے مستحق ثواب کا ہو، خصوصاً چنگی کے مال میں متوقع ثواب کا رہنا بے فائدہ ہے اس
واسطے کہ وہ مال ظلم کا ہے اس کے صرف کرنے میں تقرب خدا اور امید ثواب کی ہرگز نہیں

---

لے ہمارے زمانے کے متعصب مشائخ سے تعجب ہے، کہ وہ اپنے نام اور مشہوری اور برتری کے لئے
آبائی رسم کے مطابق ہر گوشہ میں مسجد بنا لیتے ہیں، کیا وہ اس آیت پر غور نہیں کرتے، اور منافقین کے
حالات و افعال سے واقف نہیں ہوتے ۱۲

جیسا کہ عبارت فتح العزیز سے واضح ہو چکا، واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | سید شریف حسین

**مسئلہ**: مسجد بنا کی ہوئی زانیہ کی حکم زمین مغصوب میں ہے، اور پڑھنا نماز کا زمین مغصوب میں مختلف فیہ ہے لیکن قول صحیح میں جائز ہے، جیسا کہ مسلم الثبوت و شرح اس کی میں مذکور ہے، اور اسی جواز پر قول امام ابو یوسف کا مذکور ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے قال[1] ابو یوسف اذا غصب ارضا فبنی فیہا مسجدا او حماما او حانوتا فلا باس بالصلوۃ فی المسجد انتہی ما فی العالمگیریۃ فی الباب الخامس فی آداب المسجد۔ اس صورت میں اس مسجد کو حکم مسجد کا ہو گا ادائے نماز میں، ہدم اس کا روا نہیں،

سید محمد نذیر حسین

**سوال**: ۔علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسماۃ زینب کے پاس روپیہ قطعی قسم حرام کا ہے، اس نے ایک مکان افتادہ قیمت ایک سو پچیس روپیہ کو خرید کر کے وقف کر دیا، دیگر مردمان مسلمان نے اپنا روپیہ حلال لگا کر اس مکان کی مسجد بنالی، اس کی لاگت میں تین سو روپیہ مردمان مذکور کا صرف ہوا ہے، عرصہ بیس سال کا ہوا کہ اس مسجد میں نماز پنج وقتہ و جمعہ پڑھتے ہیں، اب کسی شخص نے شبہ ڈال دیا کہ نماز نہیں ہوتی، اس کا جواب قرآن و حدیث سے فرمادیں، بینوا توجروا۔

**الجواب**: ۔ان مال حرام کا مساجد میں لگانا بالاتفاق ممنوع و ناجائز ہے، صحیحین میں ہے، عن[2] ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب۔ جو مسجد مال حرام سے بنائی جاوے، یا اصل بقعہ زمین مال حرام سے ہو، اس میں نماز جائز نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، حررہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ

۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۱۵ھ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**: ۔کیا فرماتے ہیں علمائے دین صورت مسئولہ میں کہ ایک رنڈی قوم مسلمان کی اپنے دارندہ سے (کہ وہ ہندو تھا) کہا کہ میرا ارادہ ہے، کہ ایک مسجد تیار کرواؤں، اگر تیری

---

[1] امام ابو یوسف نے کہا ہے، کہ جب کوئی کسی کی زمین غصب کر کے اس میں مسجد یا حمام یا دکان بنالے، تو تو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے ۱۲

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ پاک ہے، اور پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے ۱۲

مہربانی سے ایک مسجد تیار ہو جاوے، تو تیری مجھ پر بڑی مہربانی ہوگی، اس ہندو نے بپاس خاطر رنڈی مذکور ایک مسجد تیار کردائی، اور اس کے حوالہ کردی، اس رنڈی نے اس محلہ کے لوگوں سے کہا، کہ یہ وقف ہے، تم اس میں نماز پڑھا کرو، مگر مسلمانوں نے بسبب فرمانے بعض علما کے کہ مال حرام سے جو جگہ تیار ہو، وہ مسجد نہیں ہو سکتی ہے، اور کافر کا مسجد بنوانا شرعاً غیر مقبول ہے بنا برآں اس مسجد میں نماز مع الکراہت جائز ہے، اور ثواب مسجد کی نماز کا حاصل نہیں ہوتا ہے، اس مسجد میں نماز پڑھنے کو مکروہ تصور کرتے تھے، مگر جویان تھے، کہ کوئی صورت جواز صلوۃ بلاکراہت کی ظاہر ہو، کہ کسی فاضل نے فرمایا، کہ جب وہ مسجد ہی نہیں، تو اس کو خرید لو، اور وقف کر کے نماز پڑھو، پس اہل محلہ نے اس کو خرید لیا، اور فرش دیوار وغیرہ چھیل چھال کر از سر نو مرمت کردائی، اور ان کا زعم یہ تھا، کہ اس عمل سے مسجد پاک ہو جاوے گی، اور نماز مشروع ہوگی، آیا اب اس مسجد میں، نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہ، اور جائز ہے تو مسجد کا حکم اس پر درست ہو سکتا ہے یا نہ، بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ واللہ الموفق للصحیح الجواب جو مسجد مال حرام سے تیار ہو، وہ ملحق بمسجد ضرار ہے، اور اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور جس مسجد کو کافر بنا دے، وہ مسجد نہیں ہو سکتی یہی بہت صحیح و درست ہے، وجہ الاول ماذکر فی المدارک وغیرہ ان کل مسجد بنی مباہاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض اٰخر سوی ابتغاء وجہ اللہ او مال غیر طیب فہو لاحق بمسجد الضرار انتہی۔ ووجہ الثانی ما قال اللہ تعالیٰ ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاہدین علی انفسہم بالکفر الایۃ والمعنی ما صح للمشرکین وما استقام لہم تعمیر المساجد حال کونہم شاہدین علی انفسہم بالکفر یعنی لا یستقیم لہم الجمع بین المتنافیین عمارۃ بیت اللہ وعبادۃ غیر اللہ والمقصود منع المشرکین عن تعمیر المساجد حال کونہم علی الشرک انتہی ما فی التفسیر الاحمدیۃ۔ مگر صورت مسئولۃ الصدر

ل ہر وہ مسجد جو ریا اور سنانے یا خدا کی رضامندی کے بغیر کسی اور غرض سے یا مال حرام سے تیار کی جاتے وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے ۱۲ ۔ ع "مشرکوں کا کوئی حق نہیں ہے، کہ وہ کافر بنتے ہوئے اللہ کی مسجدوں کو تعمیر کریں"، یعنی یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے، کہ وہ جمع بین المتنافیین کریں، کہ ایک طرف تو خالص خدا کی عبادت کے لئے مسجد بنائیں اور دوسری طرف خدا کے ساتھ شرک کریں، اور غیر اللہ کی عبادت کریں ۱۲

اس حکم سے خارج ہے، کیونکہ وہ مسجد مال حرام سے اور نہ کافر کی جانب سے تیار ہوئی ہے، اس لئے کہ وہ معمر کافر اس مسجد کی تعمیر میں وکیل محض ہے، وہ اپنی جانب سے مسجد کی تعمیر کرواتا نہیں ہے، بلکہ اس مزنیہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے، پس معمر واقع میں وہی عورت ہے، اور وہ فی الواقع اہل تعمیر ہے، اس کی تعمیر اور وقف کرنا شرعا درست ہے، کما لا یخفی، اور مال مصروف بھی شرعا حرام نہیں ہوسکتا، کیونکہ جو مال کہ معصیت کے ساتھ مشروط ہوتا ہے، وہ حرام ہے، اور جو مال کہ غیر مشروط بالمعصیت ہو، ہرگز حرام نہیں ہوسکتا، چنانچہ عالمگیری کی جلد خامس کتاب الکراہیت صفحہ ۳۲۱ مطبوعہ احمدی بلدہ شاہدرہ میں مصرح ہے

عن محمد فی امرأة نائحة او صاحب طبل او مزمار اکتسب مالا قال ان کان علی شرط ردہ علی اصحابہ ان عرفھم یرید بقولہ علی شرط ان شرطوا لھا فی اولہ مالا بازاء النوحة او بازاء الغناء وھذا لانہ اذا کان الاخذ علی الشرط کان مقابلہ المعصیة فکان الاخذ معصیة والسبیل فی المعاصی ردھا ان عرفہ وان لم یعرفہ یتصدق عنہ لیصل الیہ نفع مالہ اذ لا یصل الیہ حینئذ عین مالہ واذا لم یکن الاخذ علی شرط لم یکن الاخذ معصیة والدفع حصل عن المالک برضاہ فیکون لہ ویکون حلالا لہ[1] پس وہ مسجد ملحق بمسجد ضرار ہرگز نہیں ہوسکتی، اور نمازیوں کو ثواب بھی مثل اور مساجد کے حاصل ہوگا، اگر وہ مزنیہ اپنے اس مال سے جو مشروط بالمعصیت کرکے حاصل کیا تھا تعمیر کرواتی، تو لاجرم وہ مسجد ملحق بمسجد ضرار ہوتی، اور احکام اس کے اس پر عاید اور وارد ہوتے ھذا ما سنح لی فی ھذا المقام واللہ تعالی اعلم بحقیقة المرام۔ حررہ الراجی عفو ربہ الخلاق محمد المدعو باسحق رزق الرزاق حلاوة الایمان فی الآفاق مہتمم مدرسہ احمدیہ ملگام عفی عنہ ۲ ربیع/جمادی الثانیة سنہ ۱۳۱۷ ہجری۔ صح جواب المجیب۔ حررہ محمد عبد الجمیل عفی عنہ۔ الجواب صحیح سید محمد نذیر حسین

[1] امام محمد کہتے ہیں۔ کہ اگر نوحہ کرنے والی عورت یا طبلہ یا باجا بجانے والے نے اپنی اجرت مقرر کرکے لوگوں سے مال لیا ہو، تو اس کو مال مالکوں پر واپس کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ گناہ کی مزدوری ہے، اور اس کا علاج صرف اس کو واپس کرنا ہے اگر مالک اس کو معلوم ہوں، تو ان کو واپس کردے، ورنہ وہ مال صدقہ کردے، اگرچہ اس صورت میں ان کا اصل مال تو نہ ملے گا، لیکن اس کا ثواب ان کو پہنچ جائے گا ۱۲

الجواب صحیح | سید ابوالحسن | الجواب صحیح | سید عبدالسلام غفرلہ

**سوال:۔** بنائے پاخانہ از روئے حکم شرع کے برد یوار و بنائے مسجد بعد اتمام کے درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:۔** ہر قسم بنائے بلکہ چوب بنا بعد اتمام کے اس پر رکھنا ناجائز و نا درست ہے۔ فمن بنی بیتا علی جدار المسجد وجب ھدمہ ولا یجوز اخذ الاجرۃ ولا یجوز للقیم ان یجعل شیئا من المسجد مستقلا و مسکنا۔ اور صدر عبارت یہ ہے۔ ولو بنی فوق المسجد بیتا للامام او غیرہ من الموقوف علیھم فانہ لا یضر فی کونہ مسجدا لانہ من المصالح ولکن ھذا لو کان قبل ان یخلی بینہ وبین الناس واما لو اراد بعد ذلک فلیس لہ ان یبنی واذا قال عنیت بنائہ حین بناء المسجد فانہ لا یصدق کما فی التاتارخانیۃ فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ الدر المختار لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تتارخانیۃ فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد الدر المختار۔ جاز وضع الجذوع علی جدار المسجد فی روایۃ عنہ والجواب ان لا حق لہ فی وضع الجذع بل فی الانتفاع بالتعبد فیہ ولھذا لو اشتغل فیہ بما لا یجوز منع وفی روایۃ اخری لم یوافقنا شرح ینابیع۔ رجل اخرج من دارہ مسجد الیس لہ ان یضع جذوعہ الا ان یکون اخرجہ وعلیہ جذوعہ خزانۃ المفتین۔ ولا یجوز وضع الجذع علی حائط المسجد وان کان لمن وقف خزانہ۔ لان البناء وان لم یکن

ف اگر کوئی آدمی مسجد کی دیوار پر اپنا مکان بنائے، تو اس کا گرانا ضروری ہے مسجد کے متولی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مسجد میں کوئی مستقل جگہ مقرر کرے، یا کوئی گھر بنالے، اگر مسجد کی اصلاح کے لئے امام یا خادم کا مکان مسجد کے اوپر بنایا جائے، تو جائز ہے بشرطیکہ واقف (وقف کرنے والے) نے مسجد کی تعمیر سے پہلے اس کا اعلان کر دیا ہو، اور اگر اس کے بعد ارادہ کرے، تو جائز نہیں ہے، اگر کہے کہ میری نیت پہلے ہی سے تھی، تو اس کی بات تسلیم نہ ہوگی، وقف کرنے والے پر اگر اتنی پابندی ہے، تو دوسرے کسی آدمی کو کیسے حق پہنچ سکتا ہے، اگر کوئی مکان مسجد کی دیوار پر بنالیا گیا، تو اس کو گرانا ضروری ہے، مسجد سے عبادت کے سوا اور کوئی فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، اگر کوئی مسجد کی دیوار پر اپنا شہتیر رکھنا چاہیئے، تو اس کو کوئی حق نہیں، اگر عبادت

مسجد احقیقۃ ولکن اذا وصل بالمسجد یصیر منہ ذخیرہ۔ البناء وان لم یکن مسجدا یصیر تبعا للمسجد عندہ الا تری ان البناء حالۃ الاتصال یستحق بالشفعۃ تبعا للبقعۃ فیکون بناء المسجد بمنزلۃ جزء من المسجد قاضی خان۔ فمن بنی بیتا علی جدار المسجد وجب ھدمہ البحر الرائق

**مواہیر علمائے لکھنؤ** واقعی بنائے پائخانہ بر دیوار و بنائے مسجد بعد اتمام درست نہیں۔ واللہ علیم۔ حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم عفر لہ العلی الرب الکریم

صح الجواب۔ واللہ اعلم۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی | ابو الحسنات محمد عبد الحی ۱۲۹۵ |

صحت الاجوبۃ الثلاثۃ۔ حررہ ابو المکرم محمد اکرم تجاوز اللہ تعالی عما اجرم | ابو المکرم محمد اکرم ۱۲۹۶ |

ما حرر فی ھذا الکتاب حق صدق صواب۔ رقمہ خادم الطلبۃ ابو الغنا محمد عبد المجید غفر لہ الوحید | ابو الغناء محمد عبد المجید ۱۲۹۲ |

ھو العلی الرب الحکیم الحلیم الاجوبۃ الثلثۃ ھکذا فی الکتب الفقہیۃ للہ در المجیب واللہ اعلم وحکمہ احکم حررہ العبد الاسی النفسی الاثیم خادم العلماء والفقراء ابو الحیاء محمد عبد الحلیم عفا اللہ عنہ الکریم من مقام دار العلم فرنگی محل من محلات بلدۃ لکھنؤ۔

| سنہ ۱۲۸۲ ہجری<br>ھو العلی الرب الحکیم عبد الاثیم خادم العلماء والفقراء ابو الحیاء محمد عبد الحلیم عفی عنہ اللہ الکریم<br>سنہ ۱۸۶۷ء |

کے سوا کوئی اور کام مسجد میں کرنا چاہے، تو اس کو روک دیا جائے گا، اگر کوئی آدمی اپنے گھر کی زمین سے کچھ حصہ مسجد کے لئے الگ کر دے، تو وہ بھی مسجد کی دیوار پر اپنا شہتیر نہیں رکھ سکتا، ہاں اگر پہلے ہی سے اس دیوار پر شہتیر ہو تو جائز ہے، اس لئے کہ اگرچہ وہ حصہ پہلے مسجد نہیں تھا، لیکن اب مسجد بن گیا حقیقت میں مسجد زمین کا نام ہے عمارت اس کے تابع ہے، اس کی دلیل یہ ہے، کہ مکان کی فروخت پر زمین کے اتصال کی وجہ سے ہمسایہ کو شفعہ کا حق پہنچ جاتا ہے اور اگر صرف زمین ہو، تو بھی شفعہ کا حق پہنچتا ہے، تو معلوم ہوا، کہ عمارت زمین کے تابع ہے ۱۲

**مواہیر علمائے رامپور:** ۔ فہذہ الاجوبۃ الثلاثۃ عین الصواب ومن خالف فقد ضل ضلالا مبینا۔ محمد عبد العلی عفا اللہ عنہ مدرس اول مدرسہ رامپور ۔ ھذہ الاجوبۃ الثلاثۃ صحیحۃ۔ حررہ محمد تفضل حسین خان رامپوری

**مواہیر علمائے دہلی**

سید محمد نذیر حسین | دھلوی | حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

زشرف سید کونین شد شریف حسین | دھلوی

عبد الغفور ۱۲۸۸ | بہ طفیل نبی الٰہی بخش | محمد عبد القادر | دھلوی

محمد عبد العزیز | غازیپوری | المعتصم بحبل اللہ الاحد ابو البرکات حافظ محمد

محمد عبد الحمید ۱۲۹۳ | جلیسری | سید احمد حسن | شہاب الدین ۱۲۸۸

محمد عبد الغفار ۱۲۸۶ | حفیظ اللہ ۱۲۸۸ | اعظم گڈھی | نعم المولی ونعم النصیر ۱۲۹۲

ہست منصور علی از احمد ۱۲۷۳ | دھلوی | جہاں شد منور ز نور الحسن ۱۲۹۲

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین | ابو محمد منصور علی سیفی

محمد عبد العزیز

**مواہیر علمائے مراد آباد:** ۔ لما وجدت تلک الروایات صریحۃ فی عدم جواز البناء وبناء بیت الخلاء علی المسجد وفنائہ فلہذا اقول ان المخالف عن تلک الروایات مخالف عن الحق الصریح ومنحرف عن الطریق القویم واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم وھو ملھم الحق والصواب والیہ المرجع والمآب فی کل فصل وباب۔ العبد الضعیف تراب اقدام الکل محمد گل المتوطن کابلی صانہ اللہ عن شر الجزء والکل

قد اصاب المجیب الی الصواب ولہ اجر عند الوھاب علی انہ اخذ بایدی المضلین وھداھم الی حق الیقین والحق ان ذلک فضل اللہ الملہم العلی لا یعطیہ للفتان المدعی۔ العبد المذنب المتمنی لرحمۃ رب الزمن محمد المدعو بسید حسن غفر اللہ لہ ولوالدیہ۔

اجاب المجیب بالحق الذی ھو احق بالاتباع ومن خالف عن ھذا الجواب لا برھان لہ سوی الاختراع۔ سید حسین صانہ اللہ عن کل شین اصاب من اجاب۔ محمد مجید الدین۔ ھذا ھو الحق والحق

بالاتباع حقیق۔ سید محمد عبد الرشید الجواب صحیح۔ محمد حسین تمنا
ھذا الجواب صحیح لاریب فیہ۔ سید مظہر حسین عفی عنہ۔ ھذا الجواب حق۔ شرافت علی۔

لما رأیت تلک الروایات من اولہا الی اٰخرہا الواجد فیہا سوی احقاق الحق وابطال الباطل شیئا فاسأل اللہ تعالیٰ ان یعطی الاجر لمؤلفہا وھدی السبیل الی مخالفہا ان اللہ علی کل شیٔ قدیر وھو بالاجابۃ جدیر۔ احمد حسن خان صانہ اللہ عن شرور الزمان ومحن الدوران

الجواب صحیح۔ محمد علی اصاب من اجاب فضل الرحمن عفی عنہ

اعلم ان کل واحد من ھذہ الروایات المذکورۃ فی ھذا الکتاب مثبت للحق ومظہر نور الحق المترجی لرحمۃ ربہ الکریم الجواب المذکور حق و مظہر للصواب بل مزیل للشک ومفید الاذعان ھذا لمن کان علی صراط العدل والمیزان معرضا عن المجادلۃ والمکابرۃ المروجتین فی ھذا الزمان و مفوضا عنان العنایۃ الی الحق ومحترزا عن البطلان۔ العبد الراجی الی غفران الرب المنان محمد عثمان خان صانہ اللہ عن اٰفات الدوران

ھذا الجواب حق ومخالفہ باطل لا طائل تحتہا۔ العبد الراجی الی غفران رب الرحیم محمد عبد الکریم۔

الجواب المذکور حق صحیح لا شک فی صحۃ ھذا الجواب المذکور واللہ ھدی من یخالفہ الی الصراط المستقیم۔ نمقہ رحمت علی عفی عنہ

ھذا ھو الحق المطاع والحق احق بالاتباع۔ حررہ علی حسن عفا اللہ الرب الزمن۔

ھذا ھو الجواب الصحیح فمن انکر فقد ارتکب القبیح۔ کتبہ المفتقر الی اللہ محمد عبد اللہ اوصلہ اللہ الی ما یتمناہ

ھذا لا یتجاوز عنہ الحق۔ محمد تصدق حسین عفی عنہ

رأیت ھذا اولا واخرا فما وجدتہ مخالفا للکتب الحنفیۃ باطنا وظاہرا محمد حبیب اللہ اعظم گڈھی۔

الجواب صحیح۔ کتبہ عباد اللہ پشاوری۔ الجواب مطابق بالکتاب۔ عبدالرحمن پشاوری

والحق ان الروایات المذکورۃ تھدی المضل سبیلا ومثبتۃ لحرمۃ المساجد وزنادھا ومانعۃ عن جواز البناء عموما وعن بیت الخلاء خصوصا فیما والمخالف عنہا مخالف عن الصراط المستقیم لانہ ضال ویضل العالم جمیعا ومثلہ کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ محمد عبد العظیم اوصلہ اللہ الی ماتمنا

والحق ان الروایات المکتوبۃ فی ھذا الکتاب موافقۃ لما نقلت عنہا ومظہرۃ للصواب والحق ان الحق لابد لکل احد ان یجعلہ المرجع والماٰب واللہ الھادی الی کل فصل وباب۔ محمد حسین الحسنی القدوسی خلیفہ جناب حافظ شاہ علی حسین شاہ صاحب چشتی قدوسی

نقل اصاب المجیب فی الاجوبۃ الثلاثۃ۔ نمقہ محمد شکر اللہ اوصلہ الی غایۃ متمناہ　　ھذا ھو الحق والحق احق بالاتباع۔ عبدالغنی اکبرآبادی

ان العلماء قد اصابوا فی الاجوبۃ الثلاثۃ وذلک ھو الحق المبین

ظہور حسن بندہ خاکسار

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد شہید کردی ہو انگریزوں نے اور عملہ اس کا متولی مسکین کو دے دیا ہو، اب متولی مسکین اس عملہ کو فروخت کرکے اپنے نان و پارچہ میں خرچ کرے یا نہیں، اور متولی اس قدر محتاج ہے، کہ نوبت فاقہ کی گذرتی ہے، اور پارچے بہت تنگ ہے، اور تمام مسجدیں اس جگہ پختہ ہیں، کوئی ایسی مسجد نہیں کہ اس پر خرچ کیا جاوے وہ عملہ، اور مبلغ تیئس روپے اس عملہ کے وصول ہوتے بینوا توجروا۔

**الجواب:** درصورت مرقومہ واضح ہو کہ مبلغ تیئس روپیہ جو متولی مذکور کو بابت عملہ مسجد وصول ہوئے، اس کو اپنے صرف میں لانا اس کا شرعاً جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو چاہیے کہ مبالغ مذکورہ کو اس جگہ کی کسی مسجد میں لگا دیوے، اور مرمت کرا دے، اور اگر وہاں حاجت نہ ہو مرمت کی، تو اور جگہ کی کسی مسجد کی مرمت وغیرہ میں صرف کردے اور اپنے کام میں وہ روپیہ نہ لاوے، اور چونکہ حاکم شرع کا موجود نہیں، تو متولی مذکور اس روپیہ کو امانت رکھے، جب تک کہ وہ مسجد میں صرف نہ کرے، ہدایہ کی کتاب الوقف میں ہے،

ولمّا انهدم من بناء الوقف والته صرفه الحاكم فی عمارة الوقف ان احتاج
اليه وان استغنى عنه امسكه حتى يحتاج الى عمارته فيصرفه فيها لانه لا بد
للعمارة ليبقى على التابيد فيحصل مقصود الواقف الخ حرره السيد شريف حسين
عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مسجد چھاؤنی میں بنوائی، اور اسے ایک متولی مسکین کو دے دی، اور کہا کہ تم اس کی باختیار خود خدمت کرو، جب چھاؤنی اس جگہ سے انگریزوں نے توڑ ڈالی، اور مسجد بھی ساتھ ہی ٹوٹ گئی، اور متولی نان ونفقہ سے تنگ ہے، جو عملہ مسجد مذکور کا ملے، اس کو فروخت کرکے اپنے کام میں لادے یا نہیں؟

الجواب:۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے، کہ مسجد مذکور کو جو انگریزوں کے منہدم کر دیا ہے حقیقت میں وہ مسجد حکم مسجد کا نہیں رکھتی، کیونکہ بنا اس کی سرکاری زمین یعنی چھاؤنی کی زمین پر تھی، تو بقاء حق العباد ساتھ اس کے متعلق تھا، پس وہ مسجد خالصاً للہ نہ ہوئی تو اس حالت میں بیع عملہ کی واسطے مالک کے جائز ہے شرعاً، جیسا کہ ہدایہ سے واضح ہے
ومن جعل مسجدا تحته سردابا او فوقه بيت وجعل باب المسجد الى الطريق
وعزله عن ملكه فله ان يبيعه وان مات يورث عنه لانه لم يخلص لله تعالى لبقاء
حق العبد متعلقا به كذا فی الهداية۔ پس اول مستحق اس عملہ کا مالک ہے اور وہ جو مر گیا ہو تو وارث اس کے مستحق ہوں گے، اور جو وہ بھی نہ ہوں مر گئے ہوں، تو بلا شک متولی مسکین عملہ مذکور کو فروخت کرکے اپنے کام میں لادے، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد شریف حسین
عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

---

[1] اگر کوئی وقف کی عمارت گر جائے، تو اس کے سامان کو حاکم وقت وقف کی عمارت میں خرچ کرے، اور اس کی ضرورت نہ ہو، تو اسے اپنے پاس امانت رکھے، جب عمارت کی ضرورت پڑے تو پھر اس کو خرچ کرے، کیونکہ عمارت کا ہمیشہ تک رہنا ضروری ہے، تاکہ واقف کا مقصود حاصل ہو ۱۲ [2] اگر کوئی مسجد بنائے، اور اس کے نیچے اس کا تہ خانہ ہو، یا اوپر کوئی مکان ہو، اور اس نے مسجد کا دروازہ راستہ کی طرف کھول دیا ہو، اور اپنی ملکیت سے الگ کر دیا ہو، تو اس کو حق پہنچتا ہے، کہ اس مسجد کو بیچ سکے، اگر وہ مر جائے، تو وہ ورثہ میں چلی جائے گی کیونکہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہے، اس کے ساتھ بندے کا حق ابھی تک متعلق ہے ۱۲

**سوال**:۔ ایک شخص نے زمین دوسرے کی کرایہ پر لی، اور اس پر مسجد تعمیر کی، اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب**:۔ حکم ایسی مسجد کا یہ ہے، کہ وہ شرعی مسجد نہیں اس واسطے کہ اس میں بقا حق العبد پایا گیا ہے، خالصًا اللہ کے واسطے نہیں، جیسا کہ ہدایہ سے مستفاد ہے، عبارتہا ہکذا ومن جعل مسجد اتحتہ سرداب او فوقہ بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزلہ عن ملکہ فلہ ان یبیعہ وان مات یورث عنہ لانہ لم یخلص للہ تعالی لبقاء حق العبد متعلقا بہ لکن انی الھد ایۃ۔ پس معلوم کرنا چاہیئے، کہ اگرچہ صورت کتاب علیحدہ ہے صورت سوال سے الا ہیچ دلیل کے دونوں مشترک ہیں، اور مسجد میں جو فضیلت نماز کی ہے، وہ اس میں نہیں ہے. واللہ اعلم بالصواب، حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں کہ بعض مساجد میں مثل جامع مسجد وغیرہ کے صلوۃ تراویح وجمعہ وعیدین کے لئے جگہ روکنا جیسا کہ عام دستور اس شہر میں ہے، کہ جو شخص آتا ہے، وہ دو پٹہ یا پگڑی یا چادر وغیرہ ڈال کر اپنے احباب کے واسطے جو ابھی تک مسجد میں نہیں آئے ہیں، ان کے لئے دور تک جگہ روک لیتا ہے، اور دوسرے شخص کو اس جگہ بیٹھنے نہیں دیتا، اور اگر کوئی اس جگہ بیٹھ جاتا ہے تو اس سے جھگڑتا ہے، اور لڑتا ہے اور مار پیٹ اور خون نکلنے تک نوبت پہنچتی ہے، یہ امر جائز ہے یا نہیں، اور جگہ روکنے والا عند الشرع الشریف گنہ گار ہوتا ہے یا نہیں؟

دوسرا یہ کہ کوئی شخص مسجد میں آکر بیٹھا، اور پھر کسی حاجت شرعی یا اور کسی واسطے اٹھ گیا، اور کپڑا وغیرہ صرف اپنی ہی جگہ پر چھوڑ گیا جتنے میں جگہ میں بیٹھا تھا، اس لئے کہ وہی شخص اس جگہ کا مستحق ہے اور دوسرے شخص کو نہیں بیٹھنے دیتا یہ امر جائز ہے یا نہیں. ونیز امام ومتولی ومہتمم مسجد جن کا اختیار ہے کہ ایسی خلاف حرکات سے نمازیوں کو روک سکتے ہیں بالکل اس طرف توجہ نہیں کرتے، ان کے حق میں شرع شریف کیا حکم دیتی ہے۔ بینوا بالکتاب وا نتونا لکم الثواب فی یوم الحساب۔

**الجواب**:۔ ان الحکم الا للہ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا۔ اس طرح

---

لہ اس کا ترجمہ کئی مرتبہ پہلے گذر چکا ۱۲

جگہ روکنا مساجد میں ہرگز جائز نہیں، اور ایسے کام کرنے والا خطاکار و گنہ گار ہے۔ اس لئے کہ مساجد سب خاص حق تعالےٰ شانہ کی ہیں، ان میں کسی کا استحقاق دوسرے سے زیادہ نہیں، سب برابر ہیں قال اللہ تعالیٰ وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا وقال اللہ تعالیٰ سواء ن العاکف فیہ والباد ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم۔ پس کوئی شخص سبقت کرکے آیا، تو بقدر اپنے جلوس کے جس محل میں بیٹھ گیا، اس محل کا مستحق ہوگیا، کہ کسی کو اس کا اٹھانا یا وہاں سے ورست نہیں، اور اگر وہ زیادہ جگہ روکے گا، تو البتہ اس کو دوسرا آنے والا لے گا، کیونکہ حصر اس کا اس کو جائز نہیں، کہ وہ حق دوسرے حاضر ہی کا ہے، چنانچہ حدیث بخاری و مسلم کی ناطق ہے۔ وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقیمن احدکم اخاہ یوم الجمعۃ ثم یخالف علی مقعدہ فیقعد فیہ ولکن یقول تفسحوا متفق علیہ۔ پس اول منطوق حدیث سے استحقاق سابق کا، اور اس کو اٹھانے کی حرمت ثابت فرمائی، اور آخر حدیث سے زیادہ جگہ لینے کی ممانعت سابق کو، اور اس زیادہ کا لے لینا دوسرے حاضر کو ارشاد فرمایا، کیونکہ اگر زیادہ کا کوئی اور مستحق نہ ہوتا، تو کلمہ تفسحوا کہہ کر کس طرح اپنی جگہ اس سے نکال سکتا، کہ وہ پہلے سے آیا ہوا تھا پس ظاہر ہوگیا، کہ اگر زائد جگہ کہیں ہو، تو حاضر اس کو لے لیوے، کیونکہ حاضر اس کا مستحق ہے، اور سوائے اس دلیل قوی کے اور دلیل محکم امر مسئول میں یہ بھی ہے، کہ ایک وقت جب صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب خاص میں آپ کے لئے منٰی میں مکان بنانے کو عرض کیا، تو آپ نے فرمایا لا منی مناخ من سبق یعنے میرے لئے مکان مت بناؤ، کہ منی فرودگاہ ہر سابق کے لئے ہے، اور در صورت بنانے مکان کے تخصیص بانی کی ہوجاتی ہے اور حصر محل کا قبل از حضوری حاضر لازم آتا ہے، اور منی اس حکم مساوات تصرف عامہ میں مثل مسجد کے ہے کما لا یخفی علی الماہر الفطین۔

پس ظاہر ہوا کہ ایسے امکنہ یعنے مکانوں میں کسی کو پہلے سے جگہ روکنا روا نہیں، جو شخص آتا

---

لہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں، سو تم اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارا کرو۔ اس میں رہنے والے اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں، اور جو اس میں ظلم کی وجہ سے ٹیڑھا ہونے کا ارادہ بھی کرے، تو ہم اس کو دردناک سزا دیں گے ۱۲

سلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جمعہ کے روز کوئی آدمی تم میں سے اپنے بھائی کو اٹھاکر اس کی جگہ میں نہ بیٹھے، ضرورت ہو تو فراخ ہوجایا کرو ۱۲

جائے اپنی جگہ لیا جائے، نہ یہ کہ اپنے اقارب وا جاب کے لئے جائے خاص کر رکھے، اور کپڑے ڈال کر روکے رکھے، کیونکہ یہ فعل ایک نوع کا ظلم ہے، دیکھو تو کہ خود حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی ذات پاک کے لئے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ پھر اور کسی کی تو کیا حقیقت رہی اور مار پیٹ آپس میں خاص ایسے امکنہ مبارکہ میں کرنے اور خون جاری کر دینا، تو سراسر نفس و شیطان کی پیروی ہے، اور شناعت اور حرمت اس کی ظاہر ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

جواب مسئلہ ثانیہ کا یہ ہے، کہ جو شخص پہلے سے آکر بہر ضرورت کے لئے اپنا کپڑا رکھ کر چلا جاوے، سو اگر یہ شخص حاجت ضروری قریب کے لئے مثلاً وضو یا استنجا کرنے کو گیا ہے تو البتہ یہ مستحق اس جگہ کا اول ہو چکا تھا، اب بھی وہی احق ہے یعنی حق دار ہے، بدلیل محکم حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن[1] النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام الرجل عن مجلس ثم رجع الیہ فھو احق بہ رواہ ابو داؤد فی سننہ ہاں اگر وہ بھی جگہ کو حبس کر کے اپنے اور کاروبار اور گیر وار دنیاوی کے لئے چل دیا، تو اب وہ مستحق نہ رہا، بلکہ مثل اور غیر حاضرین کے ہے، چنانچہ حدیث منیٰ مناخ من سبق سے معلوم ہو سکتا ہے۔

لہذا اس کے مخفی نہ رہے، کہ جب یہ امور منکرہ شنیعہ قبیحہ مساجد میں سرزد ہوتے ہیں اگر متولی مسجد یا امام اور مہتمم اس کے جو ایسے امور کے دفع کرنے اور رد کرنے پر قادر ہیں اور جان کر ان کا ازالہ اور رد نہ کریں، تو وہ بھی گنہ گار اور ماخوذ ہوں گے۔ لقولہ[2] علیہ الصلوٰۃ والسلام ما من رجل فی قوم یعمل فیھم بالمعاصی یقدرون علی ان یغیروا علیہ ولا یغیرون الا اصابھم اللہ منہ بعقاب قبل ان یموتوا رواہ ابو داؤد۔ پس ہر شخص قادر پر اصلاح اور ازالہ اس فساد کا لازم ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ الفقیر محمد حسین عفا اللہ عنہ [فقیر محمد حسین]

الجواب حسن۔ فقیر محمد مسعود نقشبندی دہلوی امام مسجد فتحپوری

جواب ہذا صحیح ہے۔ حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ دہلوی۔ مجیب نے جواب صحیح و درست لکھا ہے ایسا ہی فتاوی عالمگیریہ میں بھی ہے، حررہ محمد یسین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی۔

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی آدمی اپنی جگہ سے اٹھے اور پھر واپس آجائے، تو وہ اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے ۱۲ [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی آدمی کسی قوم میں رہ کر گناہ کرے، اور وہ اس کو روکنے پر قادر ہوں اور پھر بھی نہ روکیں، تو اللہ تعالیٰ ان کو مرنے سے پہلے پہلے اس کی سزا ضرور دیں گے ۱۲

اصل الجواب صحیح۔ حررہ الفقیر الحقیر محمد شاہ عفی عنہ مدرس مدرسہ مسجد فتحپوری دہلی

| ہست در دو جہان محمد شاہ ۱۲۵۳ | دارد امید شفاعت ز محمد یعقوب | فقیر محمد یعقوب |
|---|---|---|

عفا اللہ عنہ الذنوب الجواب صحیح والرائے نجیح۔ حررہ ابو محمد عبد الرؤف ابہاری)

| سید محمد عبد السلام غفرلہ | سید محمد ابو الحسن | عبد الرؤف ۱۳۰۲ |
|---|---|---|

| خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبد الوہاب | خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۲ |
|---|---|

| الجواب صحیح۔ محمد طاہر سلہٹی۔ المسئلۃ صحیحۃ والمجیب نجیح۔ | محمد عبد الرب ۱۲۹۰ |
|---|---|

| سید محمد نذیر حسین |
|---|

**سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ زید نے عمرو سے مسجد اور کنواں بنانے کے لئے زمین مانگی، عمرو نے زمین مسجد اور کنویں کے لئے وقف کر دی، پھر اس زمین میں مسجد اور کنواں تیار ہو گیا، بعد مدت کے وہ مسجد مسمار ہو گئی، مگر کنواں موجود ہے، پھر زید بانی مسجد و چاہ اور عمرو واقف زمین دونوں مر گئے، بعدہ عمرو کی زوجہ نے وارث بن کر اس زمین مسجد ویران کو مع چاہ فروخت کر دیا، بکر مشتری نے اس زمین پر مکان بنا لیا، اور چاہ وقف شدہ کو جو فیض عام تھا مقیم اور مسافر اور مواشی اس سے پانی پیتے تھے، اپنے مکان میں لے لیا، تو اس صورت میں زمین ویران مسجد اور چاہ فروخت کرنا، یا خرید کرنا شریعت غرائے محمدیہ میں درست ہوا یا نہیں (افتونا لکم الثواب)

**الجواب**۔ ان الحکم الا للہ مسجد اگر منہدم اور ویران ہو جائے اور اس کا نام و نشان بھی نہ رہے، تب بھی وہ زمین مسجد کی تا ابد الآباد مسجد ہی رہتی ہے، اور وقف ہونے سے خارج نہیں ہوتی، اور بیع و شرا اس کی حلال نہیں ہے علی الاصح اگر واقف مر جائے، تو اس کے وارثوں کی ملک میں نہیں آتی۔ فی مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر واذ صح الوقف ای لزم الموقف فلا یملک مبنی للمفعول ای لا یکون مملوکا لاحد اصلا ولا یملک مبنی للمفعول من التفعیل ای لا یقبل التملیک لغیرہ بوجہ من الوجوہ وفی فتاوی الحامدیۃ لابن عابدین وبیع الموقف لا یصح وفی کتاب الاسعاف فی احکام

[1] جب وقف صحیح ہو جائے، تو وہ کسی کی ملکیت میں نہ آئے گا، وقف کی بیع درست نہیں، اگر کوئی مسجد ویران ہو جائے، اور آبادی وہاں سے اٹھ جائے، تو پھر بھی وقف زمین یا وقف کی ملکیت نہیں بن سکے گی۔

الاوقاف للشیخ الامام برھان الدین ابراھیم بن موسی ولو خرب المسجد ماحولہ وتفرق الناس عنہ لا یعود الی ملک الواقف۔ پس یہ بیع نادرست ہوئی، اور مشتری اس کا مالک نہیں ہوا، اور وہ مکان منہدم ہونا چاہیئے، اور اس زمین کا احاطہ بنا کر محفوظ رکھنا چاہیئے، کہ تلوث نجاسات سے محفوظ رہے، اور کنواں اپنی حالت پر رہے، یعنی جیسا کہ مسجد کی آبادی کے وقت فیض عام تھا، اور خلق اللہ اس سے نفع لیتے تھے، اسی طرح چھوڑا جائے، اور جس مکان نے اس کو روک لیا ہے، وہ مکان منہدم کیا جائے، کہ وہ بھی کسی کی ملک نہیں ہو سکتا واللہ اعلم بالصواب، حررہ الفقیر محمد حسین عفا اللہ عنہ۔ | فقیر محمد حسین ۱۲۷۳ | | یقال لہ ابراہیم |

| سید محمد نذیر حسین | ابو عبد عبد القدوس بن عبد اللہ الغزنوی۔ ہذا صحیح بلا مریتہ |
|---|---|

| محمد محمود | سبحان الملک القدوس | لا ریب فی صحتہ | ابو تراب عبد التواب |
|---|---|---|---|

الجواب صحیح۔ حررہ ابو عبد الرحمن محمد عفی عنہ

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں متولی یا منتظم مسجد یا اہل محلہ دوسرے محلہ کے مسلمانوں اہل سنت کو خصوصا جو لوگ نماز میں رفع الیدین اور آمین پکار کر اپنے رسول کا طریقہ سمجھ کر کرتے ہیں ان کو اس فعل مذکور کے کرنے سے روک سکتے ہیں یا نہیں، اور یہ لوگ آمین ورفع الیدین نماز میں کرنے والے مسجد میں نماز پڑھنے کا حق رکھتے ہیں یا نہیں، اور رفع الیدین اور آمین پکار کر کہنے سے رفع الیدین نہ کرنے والوں اور آمین پکار کر نہ کہنے والوں کی نماز میں حرج آتا ہے یا نہیں۔

**الجواب**:۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے، کہ مسجد کسی کی ملک نہیں ہے، اس میں کل مسلمانوں کا حق ہے، اور سب نماز پڑھنے کے اس میں مجاز ومختار ہیں، کوئی کسی کو روک نہیں سکتا، خواہ اس میں کوئی آمین رفع یدین کرے یا نہ کرے، سب کا حق اس میں واسطے نماز کے متعلق ہے۔ علاوہ اس کے خود بانی مسجد کسی کو روک نہیں سکتا، پھر متولی اور منتظم وغیرہ کو کیا اختیار، اگر مسجد کا بانی اس ارادہ سے مسجد تعمیر کرے، کہ سوائے اہل محلہ کے دوسرے محلہ والے اس میں نماز نہ پڑھیں، تو یہ ارادہ اس کا شرعا لغو وباطل ہے، بلکہ اہل محلہ اور غیر اہل محلہ سب اس میں نماز پڑھنے کا اختیار رکھتے ہیں، اور روکنا مسجد سے نمازی کو گناہ کبیرہ ہے، اور اصرار اس پر کفر ہے، جیسا کہ نہایہ حاشیہ ہدایہ اور فتاوے عالمگیری اور البحر الرائق وغیرہ میں مذکور ہے۔

وفی النہایۃ [1] وکان المتقدمون یکرھون شد المصاحف واتخاذ المشد لہا کیلا یکون ذلک فی صورۃ المنع من قراءۃ القرآن فہذا مثلہ او فوقہ لان المصحف ملک لصاحبہ والمسجد لیس بملک لاحد انتہی. واعجب من ذلک انہ اذا غضب علی شخص یمنعہ من دخول المسجد خصوصا بسبب امر دنیوی وھذا کلہ جہل عظیم ولا یبعد ان یکون کبیرۃ فقد قال اللہ تعالی وان المساجد للہ وما تلوناہ من الآیۃ السابقۃ فلا یجوز لاحد مطلقا ان یمنع مومنا من عبادۃ یاتی بہا فی المسجد لان المسجد ما بنی الا لہا من صلوۃ واعتکاف وذکر شرعی وتعلیم علم وتعلمہ وقراءۃ القرآن الخ کذا فی البحر الرائق وغیرہ فی الہندیۃ کما لو بنی مسجدا لاہل محلۃ وقال جعلت ھذا المسجد لاہل ھذہ المحلۃ خاصۃ کان لغیر اہل المحلۃ ان یصلی فیہ ھکذا فی الذخیرۃ انتہی ما فی العالمگیریۃ وغیرہا

اور آمین و رفع یدین احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، کما لا یخفی علی الماہر بالصحاح الستۃ اور علمائے حنفیہ بھی ان کے صحیح ہونے کے قائل ہیں، اور فقہاء نے بھی لکھا ہے، کہ آمین و رفع الیدین مفسد صلوۃ نہیں ہیں، پس عاملین بالحدیث کو مسجد میں نہ جانے دینے کی کیا وجہ سوائے عداوت و تعصب مذہب کے اور کوئی وجہ نہیں ہے. قال فی رفع الیدین وعدمہ [2] والکل سنۃ واخذ بکل واحد جماعۃ من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم وھذا احد المواضع التی اختلف فیہا الفریقان اہل المدینۃ

---

[1] متقدمین قرآن مجید کو غلاف میں بند کرنا مکروہ سمجھتے تھے، تاکہ تلاوت قرآن سے منع کی صورت نہ بن جائے اور مسجد سے روکنا تو اس سے بھی بدتر ہے، کیونکہ قرآن تو کسی آدمی کی ملکیت ہوتا ہے، اور مسجد کسی کی ملکیت نہیں ہوتی اور اس سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے، کہ کسی آدمی کو مسجد میں داخل ہونے سے روکا جائے، خصوصاً کسی دنیوی عداوت سے یہ سب جہالت کی باتیں ہیں، اور کچھ بعید نہیں کہ یہ کبیرہ گناہ ہو، کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا مسجدیں اللہ کی ہیں، تو کسی آدمی کو جائز نہیں کہ کسی مسجد سے مسلمان کو عبادت کرنے سے روکے، کیونکہ مسجدیں تو بنائی ہی اس لئے جاتی ہیں، مثلاً نماز، اعتکاف، شرعی تعلیم و تعلم اور قرآن کی تلاوت کے لئے، اگر کوئی آدمی کسی خاص محلہ والوں کے لئے مسجد بنائے، تو دوسرے محلہ والوں کو بھی حق پہنچتا ہے، کہ اس میں آکر نماز پڑھ لیں ۱۲

[2] رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں سنت ہیں، اور ہر ایک مسلک کو صحابہ تابعین اور بعد کے لوگوں کی ایک جماعت

والکوفة ولکل واحد اصل اصیل والحق عندی فی مثل ذلك ان الکل سنة ونظیرہ الوتر برکعة واحدة وبثلاث والذی یرفع احب الی ممن لا یرفع فان احادیث الرفع اکثر واثبت. کذا فی الحجة اللہ البالغة للشیخ ولی اللہ المحدث الدہلوی قدس سرہ۔

مولانا بحر العلوم حنفی رفع یدین کے بارہ میں رفع اور عدم رفع کی حدیثیں نقل کرکے اپنی کتاب ارکان اربعہ میں فرماتے ہیں: فقد تلخص ان فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم کان مختلفا وفعل الصحابة ایضا کان مختلفا فی الرفع وعدمہ الا عند الافتتاح وما عدا ذلك ان ترك فهو حسن وان فعل فلا باس به انتہی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب صراط مستقیم میں طرفین کے استدلالات بیان کرکے یوں کہتے ہیں: پس چارہ نیست از سنیت ہر دو فعل انتہی۔ رفع[2] الیدین لا یفسد الصلوٰۃ کذا فی الفتاوی العالمگیریہ وغیرہا وفی الذخیرۃ رفع الیدین لا یفسد الصلوٰۃ وکذا فی جامع الفتاوی لان مفسدہا ما لم یعرف قربة فیہا انتہی ما فی لسان الاحتساب فی بیان الاقتداء للشیخ علی القاری۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق: مولانا بحر العلوم عبدالعلی حنفی نے نفس تامین کو سنت ٹھہرایا ہے، اور بالجہر اور بالسر دونوں کو مندوب بتایا ہے، چنانچہ ارکان اربعہ میں فرماتے ہیں: اما تامین[3] الامام والماموم فلما روی مسلم عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

نے پسند کیا ہے، یہ ان مواقع میں سے ایک ہے، جن میں مدینہ اور کوفہ والوں کا اختلاف ہے اور فریقین کے پاس دلائل ہیں، میرے نزدیک صحیح یہ ہے، کہ دونوں سنت طریقے ہیں، اور اس کی مثال ایک یا تین رکعت وتر پڑھنا ہے، البتہ رفع یدین کرنے والے مجھے نہ کرنے والوں سے زیادہ محبوب ہیں، کیونکہ رفع یدین کرنے کی حدیثیں زیادہ بھی ہیں اور صحیح بھی ہیں ۱۲ [1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اس میں مختلف رہا ہے ہاں نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرنے میں اختلاف نہیں ہے، اور اس کے علاوہ اور جگہوں میں اگر رفع یدین نہ کرے تو بہتر ہے، اور اگر کرے تو کوئی حرج نہیں ہے ۱۲ [2] رفع یدین کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ نماز اس فعل سے فاسد ہوتی ہے جس سے خدا کا قرب حاصل نہ ہو (گویا رفع یدین کرنے سے خدا کا قرب نصیب ہوتا ہے) ۱۲ [3] امام اور مقتدی کا آمین کہنا، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے، کہ رسول

وسلم اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ واما الاسرار بالتامین فہو مذہبنا ولم یرد فیہ الا ما روی الحاکم عن علقمۃ بن وائل عن ابیہ انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا بلغ ولا الضالین قال آمین واخفی بہا صوتہ وہو ضعیف وقد بین فی فتح القدیر وجہ ضعفہ لکن الامر فیہ سہل فان السنۃ التامین۔ اما الجہر والاخفاء فندب انتہی کلامہ

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب امام آمین کہے، توتم بھی آمین کہو، جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو جائے گی، اس کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے، ہمارا مذہب یہ ہے، کہ آمین آہستہ کہی جائے، اور اس کی دلیل علقمہ بن وائل کی حدیث ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، جب آپ ولا الضالین پر پہنچے، تو آہستہ آواز سے آمین کہی، اور یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن اس امر میں وسعت ہے سنت صرف آمین کہنا ہے، اور آہستہ کہنا یا بلند آواز سے کہنا دونوں ٹھیک ہیں ۱۲

# کتاب الصلوۃ

**سوال**:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بدعتی عالم امام کے پیچھے اقتدا کرنا خصوصاً صلوٰۃ خمسہ میں کوئی حرج ہے یا نہیں، علی ہذا القیاس وعظ و پند اگر بدعتی عالم کا استماع میں لادیں تو کیا مضائقہ کی بات ہے، ممکن ہے کہ سامعین جو باتیں کہ وعظ کے اندر خلاف کتاب اللہ و سنت رسول کے ہوں خیال میں نہ لادیں، بقیہ باتیں خیال میں لادیں اور خصم یہ کہتا ہے، کہ بدعتی کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، اور وعظ و پند کو استماع میں نہ لادیں، ورنہ سامعین بدعتی ہوں گے (مرشد) تعجب ہے، کہ مومنین کے اندر تفرقہ ڈالنا، اور ثواب سے ایسی خیر و برکت کی چیزوں سے محروم رکھنا ہمارے نزدیک مقولہ خصم کی نفسانیت صادر ہوتی ہے یا نہیں، اس وجہ سے کہ بغیر غوض و فکر کے کسی کو بدعتی بنا دینا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس وقت کہ دستار فضیلت کا فرق مبارک پر رکھا گیا ہوگا من جانب اللہ کلید سقر کی ان کے ید مبارک میں دے دی گئی ہوگی، پس اختیار ہے، جسے چاہنا دوزخ کے دخول کا حکم دے دینا، بھلا غور تو کیجیے، کہ لفظ بدعت کا کسی کی شان میں نکالنا گویا اس کے دوزخی ہونے کا ثبوت کرنا ہے، خلاصہ کلام یہ ہے، کہ بدعتی عالم امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے، یا نہیں، اور وعظ و پند میں شریک ہوں گے یا نہیں؟

**الجواب**:- واضح ہو، کہ بموجب حدیث شریف کے بدعتی کو قصداً امام بنانا نہیں چاہیے، بلکہ اپنے میں سے جو اچھا شخص ہو، اس کو امام بنانا چاہیے۔ عن ابن عباس رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا ائمتکم خیارکم فانہم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم رواہ الدار قطنی ھکذا فی المنتقی۔ اور بوقت ضرورت

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے میں سے بہترین آدمی کو اپنا امام مقرر کیا کرو، کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ترجمان ہے ۱۲۔

اگر بدعتی کے پیچھے نماز پڑھ لے تو جائز ہے مثلاً وہ حاکم یا رئیس ہے، کہ اگر اس کا خلاف کرتے ہیں تو فتنہ اور فساد زیادہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کے باب امامۃ المفتون والمبتدع میں مذکور ہے، کہ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا۔ انک امام عامۃ ونزل بک ما تری و یصلی لنا امام فتنۃ ونتحرج یعنے آپ امام عامہ ہیں اور آپ پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے، اسے آپ دیکھ رہے ہیں، اور ہم کو امام فتنہ نماز پڑھاتا ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو ہم گناہ سمجھتے ہیں، اس وقت حضرت عثمان رض نے فرمایا الصلوۃ احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معھم یعنی لوگوں کے سب عملوں سے اچھا عمل نماز ہے، جب لوگ نماز پڑھیں تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو، یا اس لئے فرمایا، تاکہ فتنہ زیادہ نہ ہو، پس جب ایسا موقع ہو تو بدعتی کے پیچھے اگر نماز پڑھ لیں تو درست ہے، اور ایسی ہی حالت پر یہ حدیث محمول ہے۔ الصلوۃ المکتوبۃ واجبۃ خلف کل مسلم برا کان او فاجرا۔ یعنی ضرورت کے وقت فاجر کے پیچھے نماز واجب ہو جاتی ہے،

وعظ کے سننے اور سنانے کا فائدہ یہی ہے، کہ ہدایت ہو لوگ شرک و بدعت اور معاصی سے بچیں، توحید اور اتباع سنت کو لازم پکڑیں، اور ظاہر ہے، کہ بدعتی مولویوں کے وعظ سے بجائے ہدایت کے گمراہی پھیلتی ہے، ان کے بدعتی وعظ سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں، بدعت میں مبتلا ہوتے ہیں سنت کو چھوڑتے ہیں، اور طرح طرح کی خرابیاں ہوتی ہیں رہا یہ خیال کہ "بدعتی مولویوں کے وعظ کے اندر جو باتیں خلاف قرآن وحدیث ہوں ان کو سامعین خیال میں نہ لاویں، اور باقی باتوں کو خیال میں لاویں" صحیح نہیں کیونکہ ہر شخص کو اس کی تمیز نہیں، کہ کون بات قرآن وحدیث کے خلاف ہے، اور کون موافق، اور جس کو اس کی تمیز ہو اسے خلاف اور ناحق اور منکر باتوں کو سنکر انکار کرنا چاہیئے، ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے، ہاتھ اور زبان سے انکار کی یہی صورت ہے، کہ اس بدعتی واعظ کو وعظ سے روکے، اور دل سے انکار کی صورت یہ ہے، کہ اس کی مجلس وعظ میں شریک نہ ہو الحاصل بدعتی مولویوں کا بدعتی وعظ سننا نہیں چاہیئے واللہ اعلم بالصواب۔ سید محمد نذیر حسین

**ھوالموفق**:۔ ابن عباس رض کی روایت مذکور جو دارقطنی سے منقول ہوئی ہے، وہ ضعیف ہے، مگر اس کی تائید حضرت انس رض کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ عن انس بن مالک قال کان رجل من الانصار یؤمھم فی المسجد قبا الحدیث وفیہ وکانوا یرون

افضلهم وکرهوا ان يؤمهم غيره الخ اخرجه الترمذی و قال هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه من حديث عبيد الله بن عمر عن ثابت البنانی (جامع ترمذی صفحہ ۱۲۱م) کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا الله عنہ۔

**سوال**:۔ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ سے ثابت ہے یا نہیں، اور اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب**:۔ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا خواہ صلوٰۃ سریہ میں ہو یا جہریہ میں احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے۔ عن عبادة بن الصامت رض ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب رواه البخاری ومسلم عن ابی هريرة رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى صلوة لم يقرأ فيها بام القرآن فهی خداج غير تمام ثلاثا فقيل لابی هريرة رض انا نكون وراء الامام فقال اقرأ بها فی نفسك الحديث رواه مسلم عن عبادة بن الصامت قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصبح فثقلت عليه القراءة فلما انصرف قال انی اراكم تقرؤن خلف امامكم قال قلنا يا رسول الله ای والله قال لا تفعلوا الا بام القرآن فانه لا صلوة لمن لم يقرأ بها رواه الترمذی وقال حديث عبادة حديث حسن۔ اور روایت کی گئی ہے حدیث اس باب کی حضرت عائشہ وانس وابو قتادہ وعبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے، اور اسی پر عمل ہے بہت سے صحابہ اور تابعین اور محدثین کا، جیسا کہ جامع ترمذی میں مسطور ہے۔ باقی رہا حکم اس کا پس بعض قائل

---

سلہ انس بن مالک کہتے ہیں، کہ ایک انصاری آدمی مسجد قبا میں ان کی امامت کرتا تھا، اور اس کو لوگ اپنے سے افضل سمجھتے تھے، اور اس کے بغیر کسی اور کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ جانتے تھے ۱۲

سلہ عبادہ بن صامت کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو الحمد نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے، ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو بغیر فاتحہ کے نماز پڑھے، وہ نماز ناقص ہے، پوری نہیں ہے تین مرتبہ فرمایا، ابوہریرہ سے سوال کیا گیا، کہ ہم امام کے پیچھے ہوں تو کیا کریں؟ فرمایا اپنے دل میں آہستہ پڑھو۔ عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی، تو آپ پر قرآت بوجھل ہو گئی، جب فارغ ہوئے تو فرمایا، میں دیکھتا ہوں کہ تم امام کے پیچھے قرآت کرتے ہو، ہم نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول آپ نے فرمایا، ام القرآن کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو، کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی ۱۲

فرضیت کے ہیں، اور بعض قائل استحباب کے ہیں، جیسا کہ امام ابو عیسیٰ ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں:۔

قد[1] اختلف اهل العلم فی القراءة خلف الامام فرای اکثر اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم والتابعین ومن بعدهم القراءة خلف الامام وبه یقول مالك وابن المبارك والشافعی واحمد واسحاق وروی عن عبد الله بن المبارك انه قال انا اقرأ خلف الامام والناس یقرؤن الا قوم من الکوفیین واری من لم یقرأ صلوته جائزة وشدد قوم من اهل العلم فی ترك قراءة فاتحة الکتاب وان کان خلف الامام فقالوا لا تجزی صلوة الا بقراءة فاتحة الکتاب وحده کان او خلف الامام وذهبوا الی ما روی عبادة بن الصامت عن النبی صلی الله علیه وسلم وقرأ عبادة بن الصامت بعد النبی صلی الله علیه وسلم خلف الامام انتهی۔ اور دلائل دونوں فرقوں کے اپنی جگہ پر مذکور ہیں، اور وہ روایات جو در بارہ عدم جواز قرأت کے مروی ہیں، وہ مقابلہ ان روایات صحیحہ کا نہیں کر سکتی ہیں۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

| ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق |
|---|

| سید محمد نذیر حسین |
|---|

**سوال:**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پیش امام مسجد ہو کر جلسہ ہائے احباب مثل ناچ وغیرہ کی محفل میں شریک ہو اور بازاری طوائف کا کوئی رشتہ دار فوت ہو جاوے، تو وہ پیش امام اس کے سوئم وغیرہ کا کھانا کھاوے اور قرآن پڑھ کر طوائف سے محنتانہ حاصل کرے، اور وہ پیش امام اپنے ہم صحبتوں سے ظاہر کرے، کہ میری کسی عورت سے ملاقات ہے، اور دوست اس کے روبرو بیان کریں، کہ یہ شخص ایسی حرکت کرتا ہے،

[1] امام کے پیچھے الحمد پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کی اکثریت الحمد پڑھنے کی قائل ہے، امام مالک، احمد بن حنبل، ابن مبارک، امام شافعی، اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے، عبد اللہ بن مبارک نے کہا، میں امام کے پیچھے الحمد پڑھتا ہوں، اور دوسرے تمام لوگ بھی ماسوائے کوفیوں کی ایک جماعت کے امام کے پیچھے الحمد پڑھتے ہیں، میں اس آدمی کی نماز کو جائز سمجھتا ہوں، جو امام کے پیچھے الحمد نہیں پڑھتا لیکن اہل علم کی دوسری جماعت تو اس معاملہ میں بڑی سخت ہے، وہ ایسی نماز کو صحیح نہیں سمجھتے، جس میں فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو ان لوگوں نے عبادہ بن صامت کی حدیث اور ان کے طرز عمل سے استدلال کیا ہے۔

اور جب اس پیش امام سے دریافت کیا جائے، تو وہ جواب دے، کہ تم کو تین ماہ سے معلوم نہیں ہے، اور کوئی شخص فوت ہو جاوے، تو پیش امام بوجہ نہ ملنے اجرت کے جنازہ کی نماز پڑھانے سے منکر ہو اور کسی میت کی لاش کو غسل دیتے ہوئے کوئی چیز میت کی چرا لاوے تو ایسے پیش امام کے پیچھے اقتدا نماز جائز ہے یا نہیں از روئے شرع حکم صادر فرمایئے، ثواب عظیم درگاہ خدا سے پایئے۔

**الجواب**:۔ واضح ہو کہ جن امور مذکورہ کا پیش امام مرتکب ہے، وہ امور موجب فسق شدید ہیں، لہذا پیش امام مذکور بلاشبہ فاسق ہے، اور فاسق کو بالخصوص پیش امام مذکور جیسے فاسق ہو نماز پڑھانے کے لئے ہرگز امام نہیں بنانا چاہیے، بلکہ کسی صالح اور اچھے شخص کو امام بنانا چاہیے، منتقی الاخبار میں ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا ائمتکم خیارکم فانہم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم رواہ الدارقطنی۔ نیل الاوطار میں ہے۔ وقد اخرج الحاکم فی ترجمۃ مرثد الغنوی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤمکم خیارکم فانہم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم، ویؤید ذلک حدیث ابن عباس رض المذکور فی الباب انتہی۔

پس صورت مسئولہ میں پیش امام مذکور کو پیش امامی سے الگ کر کے کسی اچھے اور صالح شخص کو پیش امام مقرر کرنا چاہیے، ہاں پیش امام مذکور اگر نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی اس کی اقتدا کرے، تو اس کی نماز ہو جائے گی، مگر اس کو نماز پڑھانے کے لئے امام نہیں بنانا چاہیے اور نہ اس کو کسی مسجد کا پیش امام مقرر کرنا چاہیے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین درحق کسے کہ رافضی

---

۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ اپنے میں سے بہترین آدمیوں کو اپنا امام بنایا کرو، کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ترجمان ہیں ۱۲　۲؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نمازیں قبول ہوں، تو تمہارے امام بہترین آدمی ہونے چاہئیں، کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ترجمان ہیں ۱۲

- سوال ۳؎ ایک آدمی شیعہ ہے جو اپنے آپ کو شیعہ کہتا ہے، قرابت داری اور نکاح وغیرہ

است ومذہب خود را پیش مردمان شیعہ اقرار واظہار می کند ونکاح وتناسل در رشتہ وقرابت با رافضی کما ینبغی می دارد آیا نماز پس این چنین رافضی جائز است۔ جواب مطابق مذہب حنفی تحریر کردہ شود۔ بینوا توجروا

**الجواب**:۔ در صورت مرقومہ حسب مذہب حنفی نماز پس رافضی غیر جائز وناروا است۔ قال المرغینانی یجوز الصلوۃ خلف صاحب ھوی وبدعۃ ولا تجوز خلف الرافضی والجھمی والقدری والمشبھۃ ومن یقول بخلق القرآن۔ کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ وغیرھا من کتب الفقہ۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ اقتدا حنفی کی ساتھ شافعی کے جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**:۔ جائز ہے۔ لما دران الجماعۃ رحمۃ والفرقۃ عقوبۃ ویشیر الیہ قولہ تعالی واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا ولا یزال استمر الامر علی ذلک فی زمن ابی حنیفۃ ومالک والشافعی واحمد وسائر المجتہدین ھنالک فلم ینقل من احد من الائمۃ ان یمنع الاقتداء بالمخالف من اھل السنۃ وذلک لعدم قطعھم علی انھم علی الصواب البتۃ وغیرھم علی الخطاء لا محالۃ بل کانوا مجتھدین فی الامر للدین طالبین للاولی فی طریق المولی من جھۃ الفروع الفقیھۃ بالادلۃ الظنیۃ مع اتفاقھم علی الاصول الدینیۃ التی مدارھا علی الادلۃ الیقینیۃ کما یشیر الیہ حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء

---

شیعوں سے ہے، آیسے آدمی کے پیچھے حنفی مذہب والوں کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شیعہ کے پیچھے حنفی کی نماز نہیں ہوتی، مرغینانی میں ہے، بدعتی آدمی کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے، لیکن رافضی، جہمی، قدری، مشبہہ اور قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل کے پیچھے نماز نہیں ہوتی

لے کیونکہ جماعت بنے رہنا رحمت ہے اور تفرقہ بازی اللہ کی سزا ہے، خدا تعالی نے فرمایا اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام رکھو، اور فرقہ فرقہ نہ ہو، امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل اور تمام مجتہدین کے زمانہ میں یہی دستور رہا ہے، کسی ایک بھی امام سے مخالف کی اقتدا سے مخالفت ثابت نہیں ہوتی، وہ ہر مسلمان کے پیچھے اقتدا کو جائز سمجھتے تھے، کیوں کہ وہ دین کے اصول میں متحد تھے، اور فروع میں اجتہاد کرتے تھے ہر ایک یہ کوشش کرتا تھا، کہ بہتر سے بہتر چیز سامنے لائے، لیکن اس کے باوجود وہ ظنی دلائل میں

رواہ احمد والاربعۃ عن ابی الدرداء کذا ذکرملا علی القاری فی الرسالۃ
بالاقتداء المخالف۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال:**۔ ایک شخص امام مسجد کا ہے، نماز عشا اکثر نہیں پڑھتا ہے، کھانا کھا کر سو رہتا ہے، اور وہی شخص نماز صبح کی تنگ وقت آکر پڑھتا ہے، پھر باوجود تنگ وقت ہونے کے پہلے قضاء عشا پڑھتا ہے، خواہ صبح کا وقت جاتا رہے، یا بہت تنگ ہوجاوے، کہ شبہ طلوع آفتاب کا ہوتا ہے، لوگ کہتے ہیں، کہ وقت صبح کی نماز کا بہت تنگ ہوگیا، اول صبح کی نماز پڑھنا چاہیئے، وہ شخص نہیں مانتا، اور عادت ترک عشا اور تنگ وقت صبح کی نہیں چھوڑتا، ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ ترک کرنا نماز کا قصداً گناہ کبیرہ ہے، اور فرمایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز عشا اور فجر کی منافقین پر بہت بھاری ہے، اور بلا عذر تنگ وقت میں نماز کو پڑھنا، اور نماز کو قضا کرنا، یا وقت مشتبہ میں ادا کرنا درست نہیں بلکہ گناہ ہے، اگر وقت فراغت کا ہو، تو پہلے قضا پڑھے، بعدازاں وقتی ادا کرے، اور جو وقت تنگ ہو، تو پہلے نماز وقتی ادا کرے، بعدازاں قضا پڑھے، جیسا کہ حدیث اور فقہ میں مذکور ہے، وہ شخص فاسق ہے اس کو امام بنانا نہیں چاہیئے واللہ تعالےٰ اعلم۔ حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال:**۔ سورہ فاتحہ مقتدی بموجب حدیث بخاری شریف پڑھے یا نہ پڑھے، بعضے عالم اس کو دلیل آیت واذا قرئ القرآن الخ سے مکروہ تحریمی کہتے ہیں، اور سورت فاتحہ نماز میں فرض نہیں بتاتے، اور کہتے ہیں، کہ اگر فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا، تو نص جلی سے ثابت ہوتا، جس قدر فرض ہیں، نص جلی سے ثابت ہیں، حدیث شریف سے سنت ثابت ہوتی ہے نہ کہ فرض۔

**الجواب:**۔ بموجب حدیث بخاری شریف مقتدی پر سورت فاتحہ پڑھنا ضروری

---

اپنے آپ کو یقیناً حق پر اور مخالف کو یقینی غلطی پر نہیں سمجھتے تھے، وہ ہر ایک کو اجتہاد کا حق دیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف ہے "علماء نبیوں کے وارث ہیں" ملا علی قاری نے رسالہ "اقتداء بالمخالف" میں ایسا ہی لکھا ہے ۱۲"

ہے، اور جو عالم آیت واذا قرئ القرآن کی دلیل سے مکروہ تحریمی کہتے ہیں، وہ بڑی غلطی کرتے ہیں، کیونکہ نور الانوار میں لکھا ہے، کہ آیت واذا قرئ القرآن آیت فاقرؤا ماتیسر من القرآن کے معارض ہے، اور معارضہ کی وجہ سے ساقط عن الاحتجاج ہے، یعنی دلیل میں پیش کرنے کے قابل نہیں ہے، اور اس سے امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ حضرت عبادہ رضی سے یہ حدیث بخاری شریف میں مروی ہے، کہ لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب یعنی جو سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے اور یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ عن عبادۃ بن الصامت رض قال کنا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوۃ الفجر فقرأ فثقلت علیہ القراءۃ فلما فرغ قال لعلکم تقرؤن خلف امامکم قلنا نعم یا رسول اللہ قال لاتفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لاصلوۃ لمن لم یقرأ بہا۔ یعنی عبادہ بن صامت سے روایت ہے، کہ ہم لوگ نماز فجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے، پس آپ نے قرأت پڑھی، پس آپ پر قرأت بھاری ہوئی، جب آپ فارغ ہوئے، تو فرمایا، کہ شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو، ہم لوگوں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا، مت پڑھو مگر سورت فاتحہ، کیونکہ جس نے سورت فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں، یہ حدیث صحیح ہے، امام خطابی اور حاکم اور بیہقی اور ترمذی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی تصریح کی ہے،

ان دونوں حدیثوں سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ مقتدی کو سورت فاتحہ پڑھنا فرض ہے، بدوں سورت فاتحہ کے اس کی نماز نہیں ہوگی پس ان دونوں حدیثوں سے آیت واذا قرئ القرآن مخصوص ہے، اور حنفیہ کو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان کے نزدیک یہ آیت عام مخصوص منہ البعض ہے۔ دیکھو تفسیر احمدی مصنفہ ملاجیون، پس آیت مذکور کی اخبار احاد سے ان کے نزدیک بھی تخصیص ہو سکتی ہے۔

اور اس عالم کا یہ کہنا، کہ جس قدر فرض ہیں، وہ نص جلی سے ثابت ہوتے ہیں، صحیح نہیں دیکھو مثلاً نماز ظہر اور عصر کا چار چار رکعت ہونا بالاتفاق فرض ہے، حالانکہ نص جلی یعنی قرآن شریف میں ظہر اور عصر کی چار چار رکعت کا فرض ہونا کہیں مذکور نہیں ہے، بلکہ ظہر اور عصر وغیرہ فرائض پنجگانہ کی تعداد رکعت ہی کا ذکر نہیں ہے، اگر اس عالم کا یہ قول صحیح ہو تو لازم آتا ہے

کہ ظہر اور عصر کا چار چار رکعت ہونا فرض نہ ہو بلکہ سنت ہو، حالانکہ کوئی اس کا قائل نہیں ہے
پس اس عالم کا یہ قول صحیح نہیں ہے، بلکہ جیسے نص جلی یعنی قرآن شریف سے فرضیت ثابت ہوتی
ہے، حدیث شریف سے بھی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ حررہ علی محمد فیروزپوری عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ فاتحہ خلف الامام فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب؟

**الجواب**: فاتحہ خلف الامام پڑھنا فرض ہے، بغیر فاتحہ پڑھے ہوئے نماز نہیں ہوتی، تمام کتب احادیث میں مرقوم ہے، واللہ اعلم۔ حررہ السید محمد عبد الحفیظ غفرلہ

سید محمد نذیر حسین　سید محمد عبد السلام غفرلہ　سید محمد ابو الحسن ۱۳۰۵

**سوال**:۔ جو شخص امام کے پیچھے کسی رکعت میں سورت فاتحہ نہ پڑھ سکا اس کی وہ رکعت ہوئی یا نہ؟

**الجواب**:۔ بغیر سورت فاتحہ کے رکعت پوری نہیں ہوتی ہے، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، پس صورت مسئولہ میں اس شخص کی وہ رکعت نہیں ہوتی اس کو دہرانا چاہیے عن ابی ھریرۃ رضان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ادرک الامام فی الرکوع فلیرکع معہ ولیعد الرکعۃ رواہ البخاری فی جزء القراءۃ نیل الاوطار میں ہے قد حکی ھذا المذھب البخاری فی جزء القراءۃ عن کل من ذھب الی وجوب القراءۃ خلف الامام وحکاہ فی الفتح عن جماعۃ من الشافعیۃ وقواہ الشیخ تقی الدین السبکی الخ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ محمد عبد الحق ملتانی

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ جس وقت امام جماعت کے ساتھ نماز پڑھائے، تو مقتدی لوگ اپنے امام کے ساتھ آہستہ آہستہ سورت فاتحہ پڑھنے چاہئیں یا نہیں، اگر مقتدی اپنے دل میں آہستہ آہستہ امام کے ساتھ الحمد نہ پڑھیں گے، تو ان کی نماز میں کچھ نقصان آئے گا یا نہیں، بینوا توجروا۔

---

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امام کو رکوع میں پایا، وہ اس کے ساتھ رکعت ادا کرے اور اس رکعت کو لوٹائے ۱۲　ٹے امام بخاری نے جزء القراءۃ میں ہر اس آدمی سے یہی بیان کیا ہے، جو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا قائل ہے، شوافع کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے، اور سبکی نے اسی کو قوی کہا ہے ۱۲

**الجواب**:۔ امام کے پیچھے مقتدی کو آہستہ سورت فاتحہ پڑھنا نہایت ضروری ہے اگر مقتدی سورت فاتحہ نہیں پڑھیں گے، تو ان کی نماز ہی نہیں ہوگی صحیحین میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب یعنے بغیر فاتحہ کے کوئی نماز نہیں، اس حدیث میں حضرت نے عام طور پر فرمادیا، کہ کوئی نماز مقتدی کی ہو یا امام کی، فرض ہو یا نفل، کوئی نماز بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی، اور خاص مقتدیوں کے لئے فرمادیا ہے لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بہا۔ رواہ الترمذی وغیرہ یعنے مت پڑھو مگر سورت فاتحہ پڑھو اس واسطے کہ جس نے سورت فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں، واللہ تعالےٰ اعلم۔ حررہ عبدالحق ملتانی

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرأت فاتحہ خلف الامام فرض ہے یا نہیں، اور حدیث قرأت کی اصح و اثبت ہے، یا حدیث عدم قرأت کی بینوا توجروا۔

**الجواب**: قرأت خلف الامام فرض ہے، اور حدیث قرأت کی اعلیٰ درجہ کی صحیح و ثابت ہے، اور حدیث عدم قرأت کی ضعیف و غیر صحیح ہے، بلوغ المرام میں ہے، عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن متفق علیہ وفی روایۃ لابن حبان والدارقطنی لا تجزئ صلوٰۃ لا یقرأ فیہا بفاتحۃ الکتاب یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبادہ بن صامت رضہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نماز میں صورت فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں، اور ابن حبان اور دارقطنی کی روایت میں ہے، کہ جس نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے، وہ نماز کافی نہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر فرمادیا، کہ جو شخص مقتدی ہو یا امام یا منفرد نماز میں سورت فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں ہوتی، پس ثابت ہوا، کہ ہر نمازی کے لئے سورت فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے، اور یہ حدیث متفق علیہ ہے، اس وجہ سے اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور مقتدیوں کو خاص طور پر بھی سورت فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنے کو فرمادیا ہے، چنانچہ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہما میں عبادہ بن صامت رضہ سے روایت ہے، کہ کچھ مت پڑھو، مگر سورت فاتحہ پڑھو، اس واسطے کہ جس نے سورت

فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں، یہ حدیث بھی صحیح ہے، بہت سے محدثین نے اس کے صحیح ہونے کی تصریح کی ہے۔

اور جتنی حدیثیں قرأت فاتحہ خلف الامام کی ممانعت میں پیش کی جاتی ہیں ان میں جو حدیثیں صحیح ہیں، ان سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی، اور جن سے ممانعت ثابت ہوتی ہے، وہ یا تو بالکل بے اصل ہیں یا ضعیف و ناقابل احتجاج ہیں، علمائے حنفیہ میں سے صاحب تعلیق الممجد نے اس کی تصریح کر دی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ لم یرد فی حدیث مرفوع صحیح النہی عن قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام و کل ماذکروہ مرفوعا فیہ اما لا اصل لہ واما لا یصح (تعلیق الممجد صفحہ ۱۰۱) یعنی کسی حدیث مرفوع صحیح میں قرأت فاتحہ خلف امام کی ممانعت نہیں وارد ہوئی ہے، اور ممانعت کے بارے میں علمائے حنفیہ جتنی مرفوع حدیثیں بیان کرتے ہیں، یا تو وہ بے اصل ہیں یا صحیح نہیں ہیں، یہی وجہ ہے، کہ کوفہ والوں سے ایک قوم کے سوا باقی تمام لوگ قرأت فاتحہ خلف الامام کے قائل و فاعل ہیں، عبداللہ بن مبارک جو بہت بڑے محدث اور فقیہ ہیں، فرماتے ہیں۔ انا اقرأ خلف الامام والناس یقرؤن الا قوم من الکوفیین (جامع الترمذی صفحہ ۵۹) یعنی میں امام کے پیچھے قرأت کرتا ہوں، اور تمام لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں، مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم، اور خود علمائے حنفیہ میں سے بعض لوگوں نے ہر نماز میں (سری ہو خواہ جہری) قرأت فاتحہ خلف امام کو مستحسن بتایا، اور بعض لوگوں نے صرف نماز سری میں، علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں، بعض اصحابنا یستحسنون ذلک علی سبیل الاحتیاط فی جمیع الصلوات و بعضہم فی السریۃ فقط وعلیہ فقہاء الحجاز والشام انتہی واللہ تعالی اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

**سوال:۔** اگر کوئی شخص فجر کے وقت امام کے ساتھ رکعت ثانیہ میں شامل ہو گیا، اور سنتیں اس نے ترک کر دیں، تو بعد نماز فرض کے سنتیں پڑھے یا نہیں؟

**الجواب:۔** صورت مسئولہ میں بعد نماز فرض کے سنتوں کو پڑھنا جائز و درست ہے سنن ابوداؤد میں ہے۔ عن قیس بن عمرو قال رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یصلی بعد صلوۃ الصبح فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الصبح رکعتان فقال الرجل انی لم اکن صلیت الرکعتین اللتین قبلهما

فصیلتهما الا ان فسکت رسول الله صلی الله علیه وسلم. یعنی قیس بن عمرو سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا، جو بعد نماز صبح کے دو رکعت نماز پڑھ رہا تھا پس آپ نے فرمایا، کہ صبح کی نماز دو رکعت ہے، تو اس مرد نے کہا، کہ میں نے صبح کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں، سو اس وقت میں نے ان دو رکعتوں کو پڑھ لیا ہے، پس آپ چپ رہے

اس حدیث سے ثابت ہوا، کہ جو شخص فجر کی نماز میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے، اور پہلے سنت پڑھنے کا موقعہ نہ ملے، تو وہ بعد نماز صبح کے سنت کو پڑھ لے، کتاب اعلام اہل العصر مصنفہ جناب مولانا مولوی محمد شمس الحق صاحب میں یہ مسئلہ مع مالہا و ما علیہا خوب تحقیق سے لکھا گیا ہے۔ من شاء الاطلاع فلیرجع الیها۔ حررہ عین الدین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ فرض جمعہ کے بعد سنتیں فوراً پڑھے، یا اگر کچھ دیر وظیفہ پڑھ کر بعد کو سنتیں پڑھے، تو گناہ ہے یا نہیں؟

**الجواب**:۔ فرض جمعہ کے بعد اگر کچھ دیر وظیفہ مسنونہ ثابتہ پڑھ کر بعد کو سنتیں پڑھے، تو کچھ گناہ نہیں ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم الجیب۔ سید عبدالوہاب عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ فرضی یا نفلی نماز میں امام بعد تین آیت کے یا کم تین تین آیت سے بھول جائے، تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں، اور مقتدی و امام دونوں کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

دیگر حافظ بینا کی موجودگی میں حافظ نابینا کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

دیگر نماز جنازہ کے ادا سے وضو باقی رہتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے؟

دیگر سبحان اللہ تینتیس بار اللہ اکبر چونتیس بار پڑھے، اس میں شک ہے کہ الحمد للہ تا آخر پڑھے یا صرف الحمد للہ پڑھے؟

**الجواب**:۔ جب امام کسی نماز میں بھول جائے فرض ہو یا نفل، اور تین آیت کے بعد بھولے یا تین آیت سے کم میں بھولے ہر نماز میں اور ہر صورت میں مقتدی کو لقمہ دینا درست ہے، اور مقتدی اور امام دونوں کی نماز درست ہوگی لقمہ دینے سے نہ مقتدی کی نماز میں کچھ خلل آتا ہے، اور نہ امام کی نماز میں بلکہ امام جب بھول جائے، یا اس کو متشابہ لگے، تو مقتدی

کو لقمہ دینے کا حکم ہے سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن المسور بن یزید المالکی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الصلوۃ فترک شیئا لم یقرأہ فقال لہ رجل یا رسول اللہ ترکت آیۃ کذا وکذا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھلا ذکرتنیہا قال کنت أراھا نسخت وفی روایۃ ابن حبان فقال ظننت انہا نسخت قال فانہا لم تنسخ۔ یعنی مسور بن یزید سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرات پڑھ رہے تھے، پس کچھ چھوڑ دیا اور اس کو پڑھا نہیں، تو ایک مرد نے کہا یا رسول اللہ آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی، تب آپ نے فرمایا کہ تو نے مجھے کیوں یاد نہیں دلایا اس مرد نے کہا، کہ میں نے گمان کیا، کہ وہ آیت (جس کو آپ نے چھوڑ دیا اور پڑھا نہیں) منسوخ ہوگئی ہے آپ نے فرمایا منسوخ نہیں ہوئی ہے، و نیز سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوۃ فقرأ فلبس علیہ فلما انصرف قال لابی اصلیت معنا قال نعم قال فما منعک۔ یعنی عبد اللہ بن عمر رض سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھی پس آپ نے قرات کی، تو آپ پر قرات ملتبس ہوئی، تو پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، تو آپ نے ابی بن کعب سے کہا کہ تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے، انہوں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا کس چیز نے لقمہ دینے سے تم کو روکا۔

اور بعض فقہائے حنفیہ نے جو یہ لکھا ہے، کہ جب امام بقدر ما تجوز بہ الصلوۃ قرات پڑھ لے یا کسی دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جاوے، پھر مقتدی لقمہ دے تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جاوے گی، اور اگر امام لقمہ لیوے، تو اس کی بھی نماز فاسد ہو جاوے گی، سو یہ بالکل بے دلیل بات ہے، اسی وجہ سے حنفی مذہب میں ان بعض فقہا کے اس قول پر فتوے نہیں ہے بلکہ فتوے اس پر ہے، کہ ان دونوں صورتوں میں بھی لقمہ دینے سے نہ مقتدی کی نماز فاسد ہوتی ہے، اور نہ امام کی، قال فی شرح الوقایۃ قال بعض المشائخ اذا قرأ امامہ مقدار ما یجوز بہ الصلوۃ او انتقل الی آیۃ اخری ففتح تفسد صلوۃ الفاتح وان اخذ الامام منہ تفسد صلوۃ الامام ایضا وبعضھم قالوا لا تفسد فی

---

لہ جب امام اتنی قرات کرلے، کہ جس سے نماز جائز ہو سکتی ہو یا کسی دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے پھر کوئی لقمہ دے تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر امام لقمہ قبول کرے، تو اس کی نماز بھی

شئی من ذلک وسمعت ان الفتوی علی ذلک انتہی واللہ اعلم۔

(۲) نابینا امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہے، بلاکراہت جائز و درست ہے، اور جو لوگ نابینا کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ جانتے ہیں ان کا قول بالکل بے دلیل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کو جو اندھے تھے، مدینہ پر دو بار خلیفہ بنایا جو لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ عن انس أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم استخلف ابن ام مکتوم علی المدینۃ مرتین یصلی بہم وھو اعمی رواہ احمد وابوداؤد۔ پس حافظ بینا کی موجودگی میں حافظ نابینا کی امامت درست ہے اگر دونوں قرأت میں برابر ہیں، اور ان میں کوئی اعلم بالسنۃ نہیں ہے، اور اگر دونوں قرأت میں برابر ہیں، اور ان میں کوئی اعلم بالسنۃ ہے، تو اسی کو امام بنانا چاہیئے، وہ بینا ہو یا نابینا واللہ اعلم۔

(۳) نماز جنازے کے ادا سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، بلکہ علی حالہ باقی رہتا ہے

(۴) صرف الحمد للہ پڑھنا چاہیئے آخر تک نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ سجدہ سہو کرنا بھول جاوے تو پھر اس کو ادا کرے یا نہیں اور اگر ادا کرے تو کیونکر کرے؟

**الجواب**:۔ جو شخص سجدہ سہو کرنا بھول جاوے تو اس کو پھر کر لینا چاہیئے اور جس طرح سجدہ سہو کیا جاتا ہے اسی طرح کرنا چاہیئے، ہدایہ میں ہے۔ ومن سلم یرید بہ قطع الصلوٰۃ وعلیہ سہو فعلیہ ان یسجد لسہوہ انتہی۔ حررہ عبدالرحیم

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں نماز جماعت ہوگئی، اس کے بعد مسجد میں نماز پڑھنے، اور مکان پر نماز پڑھنے میں کوئی فرق ہے، یا دونوں صورتیں برابر ہیں، اور در صورت اول کون سی افضل ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ ایسی صورت میں گھر پر اور مسجد میں دونوں جگہ نماز پڑھنا مساوی ہے

---

فاسد ہو جائے گی بعض کہتے ہیں کہ کسی کی بھی نماز فاسد نہیں ہوتی اور فتوی اسی پر ہے ۱۲ لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ام مکتوم کو دو دفعہ مدینہ پر حاکم بنایا، وہ نماز پڑھاتے تھے حالانکہ وہ نابینا تھے ۱۲

ے اگر کوئی سلام پھیر کر نماز ختم کر دے، اور سجدہ سہو اس کے ذمہ ہو تو اسے بعد میں سجدہ سہو کر لینا چاہیئے ۱۲

اور ظاہر الروایت میں فضیلت کسی جگہ کو نہیں۔ فی الخانیۃ[1] رجل فاتتہ الجماعۃ فی مسجد حیۃ فان ذھب الی مسجد اخر وصلی فیہ بجماعۃ فھو حسن وان صلی فی مسجد حیۃ وحدہ فھو حسن وان دخل منزلہ وصلی فیہ باھلہ فھو حسن واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب۔ محمد اعظم غفر لہ اللہ عما اجرم۔

مخفی نہ رہے، کہ صورت مسئولہ میں تامل سے ثابت ہوتا ہے، کہ چار صورتیں پیدا ہوتی ہیں، ایک مسجد و مکان میں دونوں جگہ تنہا پڑھے دوسری دونوں جگہ جماعت سے پڑھے، تیسری مسجد میں جماعت سے اور گھر میں تنہا، چوتھی برعکس کے یعنی مسجد میں تنہا اور گھر میں جماعت سے، تو خانیہ کی عبارت سے اگر ثابت ہوتا ہے، تو اس صورت اخیر کا حکم ثابت ہوتا ہے اور پہلی تین صورتیں جو باقی رہیں ان کا حکم ظاہر نہیں ہوا اور اصلی مسئول صورت اول ہی ہے، تو واضح رہے، کہ ان تینوں صورتوں میں مسجد ہی افضل ہے، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم، حررہ ابو محمد یحییٰ شاہ جہانپوری۔

درصورت تنہا پڑھنے کے ہر دو جگہ مسجد میں پڑھنا افضل ہے، فضیلت مسجد میں جو احادیث مطلق وارد ہیں قطع نظر جماعت سے وہ دال ہیں اور اقوال فقہاء سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ اگر کوئی مسجد میں داخل ہو جاوے، تو اس کو وہاں سے دوسری مسجد میں جماعت کے واسطے بھی جانا نہ چاہیے، اگرچہ مسجد اول میں جماعت ہو چکی ہو۔ قال[2] صاحب فتح القدیر واذا کان مسجدان یختار اقدمھما وان استویا فالاقرب وان صلوا فی الاقرب وسمع اقامۃ غیرہ فان کان دخل فیہ لا یخرج ولا یذھب الیہ الخ یعنی پس جب مسجد میں آن کر دوسری مسجد میں جماعت ادا کرنے کے لئے اجازت نہیں دیتے، تو گھر کو کیا مناسبت ہے، بقیہ صورتیں چونکہ سائل کو مطلوب نہیں، لہٰذا جواب نہیں لکھا، اور سائل کی زبانی معلوم ہوا

[1] محلہ کی مسجد میں اگر کسی آدمی کی جماعت فوت ہو جائے، تو پھر اگر وہ کسی اور محلہ کی مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھ لے تو بھی ٹھیک ہے، اور اگر محلہ کی مسجد میں اکیلا نماز ادا کرے، تو بھی ٹھیک ہے اور اگر اپنے گھر جا کر بال بچوں سمیت نماز پڑھ لے، تو بھی ٹھیک ہے ۱۲

[2] اگر دو مسجدیں ہوں، تو قدیمی مسجد کو ترجیح دے، اگر دونوں ایک زمانہ کی ہوں، تو قریبی کو ترجیح دے اگر قریبی میں جماعت ہو چکی ہو اور دوسری میں تکبیر کہنے کی آواز سن لے تو اگر قریبی مسجد کے اندر داخل ہو چکا ہو تو پھر وہیں نماز پڑھے، اور اگر داخل نہ ہوا ہو، تو دوسری میں چلا جائے ۱۲

کہ قصد مسجد اقرب کا ہے فقط عبدالکریم پنجابی　　**محمد یعقوب**

مسجد اور گھر ادائے صلوۃ کے واسطے مساوی خیال کرنا مجیب صاحب ہی کا کام ہے فقہائے کرام نے کہیں نہیں لکھا ہے، کہ مسجد اور گھر صلوۃ کے واسطے مساوی ہیں، اور جو روایت مجیب نے نقل کی ہے، اس کا مطلب انہوں نے نہیں سمجھا کما لایخفی معلوم کرنا چاہیئے کہ گھر اور مسجد ادائے صلوۃ مفروضہ کے حق میں بلکہ اوراذکار کے حق میں بھی مساوی نہیں، بلکہ مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے باعتبار گھر کے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غدا الی المسجد او راح اعد اللہ لہ نزلہ فی الجنۃ کلما غدا او راح متفق علیہ[1] حافظ ابن حجر اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں وظاھر الحدیث حصول الفضل لمن اتی المسجد مطلقا ولکن المقصود منہ اختصاصہ بمن یاتیہ للعبادۃ والصلوۃ راسھا انتہی۔ حررہ سید محمد عبدالحفیظ عفا اللہ عنہ　　**سید محمد نذیر حسین**

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابینا اور لڑکے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا

**الجواب**: ارباب فہم وذکا پر مخفی نہیں ہے، کہ اندھا ہونا قدرتی عیب ہے، کوئی شرعی نہیں ہے، جس سے اندھا قابل ملامت ہو کیونکہ شرع میں اسی عیب پر ملامت ہوتی ہے جو کسب سے ہو اور یہ عیب کسبی نہیں ہے، کما لایخفی، فرمایا اللہ سبحانہ وتعالے نے لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت[2] پس اندھا ہونا کوئی ایسا عیب نہیں ہے جس سے نماز میں کسی قسم کا نقصان ہو، کہ اندھا قابل امامت نہ رہے، اور نہ فسق ہے کہ نماز اس کے پیچھے ناقص ذاتا یا وصفا ہو تو جب تک کوئی دلیل شرعی اس پر قائم نہ ہو، کہ اندھے کے پیچھے نماز مکروہ ہے اس کی امامت کی کراہت کا حکم لگانا صحیح نہیں ہو سکتا، جو لوگ اس کی امامت کو مکروہ کہتے ہیں ان کو دلیل شرعی قائم کرنی چاہیئے، ورنہ وہ مثل اور مسلمانوں کے ہے گا، اور جیسے بصیر مسلمان کے پیچھے نماز درست ہے، اس کے پیچھے بھی ہے، مکروہ کہنے والوں کی دلیل اور ان کا مذہب آئندہ ذکر کروں گا، اور اس کی کیفیت بھی حسنا دلبیئ انشاء اللہ اور اگر ان باتوں سے قطع نظر کریں

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی پہلے پہر یا پچھلے پہر مسجد کی طرف جائے، تو جب بھی وہ مسجد کی طرف جاتا ہے، اللہ تعالے اس کے لئے جنت میں مہمانی تیار کرتے ہیں ۱۲

[2] جو کمائی کرے گا اس کا نفع اسی کو پہنچے گا، اور جو برائی کرے گا، اس کا وبال اسی پر ہوگا ۱۲

تو بھی امامت اندھے کی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اقوال محققین بھی موافق اس کے ہیں، حدیثیں یہ ہیں۔ عن انس رض قال استخلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم یؤم الناس وھو اعمی رواہ ابوداؤد کذا فی المشکوٰۃ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم کو جو اندھے تھے مدینے میں اپنا خلیفہ بنا گئے تھے، وہ امامت کرتے تھے جب کسی سفر میں گئے تھے شیخ عبد الحق محدث دہلوی ترجمہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں، کہ ایسا اتفاق تیرہ بار ہوا، حالانکہ اور صحابہ بھی جلیل القدر موجود تھے، چنانچہ[1] حضرت علی رض گفتہ اند کہ آن سیزدہ بار بود یک بار ازاں وقتے کہ بغزوہ تبوک رفت، با آنکہ امیر المومنین علی رض در مدینہ بود و خلیفہ بود برابل و عیال و باعث بر استخلاف ابن ام مکتوم برائے امامت ہمیں بود تا علی رض را اشتغال بامر امامت مانع از قیام بحفظ اہل و عیال نباید کذا فی اشعۃ اللمعات للشیخ عبد الحق دہلوی

وعن[2] محمود بن الربیع عن عتبان بن مالک انہ کان یؤم قومہ وھو اعمی رواہ البخاری والنسائی۔ کذا فی منتقی الاخبار اور ابو اسحٰق مروزی اور امام غزالی نے کہا ہے، کہ اندھے کے پیچھے نماز افضل ہے، کیونکہ بہ سبب نہ دیکھنے کسی چیز کے اس کا خیال نہیں بٹتا، اور نماز میں دل خوب لگتا ہے۔ وقد[3] صرح ابو اسحٰق المروزی والغزالی بان امامۃ الاعمی افضل من امامۃ البصیر لانہ اکثر خشوعا من البصیر لما فی البصیر من شغل القلب بالمبصرات کذا فی نیل الاوطار۔ اور فقہ حنفیہ میں بھی حدیثوں کے موافق روایات آئی ہیں، و در روایات نقہیہ در مذہب ما نیز آمدہ است کہ اگر اعمی متقی تر وے باشد، جائز است امامت وے، و بعض گفتہ اند کہ اگر اعلم باشد پس وے اولیٰ است کذا فی شرح الکنز نقلا عن المبسوط، و ہم چنیں است در کتاب اشباہ و نظائر انتہے ملخصاً

[1] چنانچہ حضرت علی رض کہتے ہیں، کہ تیرہ دفعہ ایسا اتفاق ہوا، ایک بار ان میں سے وہ بھی تھی، جب آپ غزوہ تبوک کو گئے، حالانکہ حضرت علی رض اس وقت مدینہ میں موجود تھے اور آنحضرت کے اہل و عیال پر خلیفہ تھے، اور پھر عبد اللہ بن ام مکتوم رض کو اس لئے خلیفہ بنایا گیا تاکہ حضرت علی رض اہل و عیال کی خلافت اچھی طرح سے نباہ سکیں ۱۲　　[2] محمود بن ربیع کہتے ہیں کہ عتبان بن مالک اپنی قوم کی امامت کرتے تھے، حالانکہ وہ نابینا تھے ۱۲



[3] ابو اسحاق مروزی اور غزالی کہتے ہیں کہ نابینا کی امامت دیکھنے والے کی امامت سے بہتر ہے، کیونکہ نابینا آنکھوں سے معذور ہونے کی وجہ سے چیزوں کے دیکھنے میں مشغول نہیں ہوتا، لہٰذا اس کی نماز میں خشوع زیادہ ہوتا ہے ۱۲

اشعۃ اللمعات، اور حنفی مذہب میں مکروہ ہے، اور دلیل یہ ہے، کہ اندھا نجاست سے نہیں بچتا، واالاعمیٰ لانہ لا یتوقی النجاسۃ کذا فی الھدایۃ۔

ذرا صاحب بصیرت غور کریں، کہ یہ کیسی دلیل ہے، اول تو قاعدہ کلیہ کہ نجاست سے نہیں بچتا مشاہدہ سے غلط ثابت ہوتا ہے، کوئی شخص اس کو ثابت نہیں کر سکتا، دوسرے اگر مان بھی لیا جاوے، تو علت نجاست سے نہ بچنا ہے، اندھا ہونا بذاتہ علت نہیں پس مطلقاً یہ حکم لگانا کہ اندھے کے پیچھے نماز مکروہ ہے، کیونکر صحیح ہوگا، جس سے یہ عقیدہ فاسد عوام میں راسخ ہوگیا کہ اندھا ہونا خود ایسا عیب ہے، جس سے نماز مکروہ ہوتی ہے، بلکہ یہ حکم لگانا چاہیئے، کہ جو نجاست سے نہ بچے، چاہے اندھا ہو چاہے آنکھ والا اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، بھلا اے مسلمانوں تمہارا ایمان چاہتا ہے، کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بنایا ہو اس کی امامت کو ایسے ایسے خیالات موہومہ سے مکروہ بناؤ، اور حدیث کا مقابلہ خیالات واہیہ سے کرو۔

اور اسی طرح لڑکے کی امامت جب وہ ہوشیار قرآن پڑھا ہوا ہو حدیث صحیح سے ثابت ہے، عن عمرو بن سلمۃ، فی الحدیث الطویل فقدموفی وانا غلام ءعلی شملۃ لی قال فما شھدت مجمعا من جرم الا کنت امامھم الحدیث رواہ ابو داؤد اس کے خلاف کوئی دلیل شرعی قائم نہیں ہے، من ادعی فعلیہ البیان۔ واللہ اعلم وعلمہ۔

نمقہ العبد المھین محمد یٰسین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی

جواب ہذا صحیح ہے نابینائی قدرتی پر عیب کرنا خود نابینائی ہے علم سے

| | | |
|---|---|---|
| حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ | سید محمد نذیر حسین | سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹ |
| محمد عبد الحمید ۱۲۹۲ | ابو محمد عبد الحق ۱۳۰۵ لودیانوی | محمد یوسف ۱۳۰۲ نبیرہ نذیرپوری |
| | محمد طاہر ۱۳۰۲ سلہٹی | |

جواب ہر دو مسئلہ کا بہت صحیح ہے، اور خلاف اس کا تبیع اور امیر قابل اعتبار خاص کر لڑکے نابالغ کو امام بنانا، خواہ فرض ہوں یا نفل جیسے تراویح صحیح ودرست ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ میں آگیا ہے، کہ عمرو بن سلمہ صحابی صغیر چھ سات برس کے تھے۔ اور قرآن شریف خوب جانتے تھے، کہ امامت کراتے تھے، کذا فی البخاری وغیرہ من کتب الحدیث فقط واللہ۔

---

ف نابینائی امامت اس لئے مکروہ ہے، کہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا ۱۲

ف عمرو بن سلمہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے مجھے امام بنایا، حالانکہ ان دنوں میں ایک بچہ تھا ۱۲

اعلم حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی الجھنگوی ثم الملتانی نزیل الدھلی

اصاب من اجاب | خادم شریعت رسول الاداب
محمد حسین خان خورجوی | ابو محمد عبد الوہاب ۱۳۰۰

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز تراویح میں امامت لڑکے نابالغ کی اور اس کے پیچھے تراویح جائز و درست ہے یا نہیں؟

**الجواب**:۔ نزدیک علماء و مشائخ شہر بلخ اور مصر و شام کے جائز معمول بہ ہے اور علمائے ماوراء النہر کے نزدیک ناجائز ہے، اور مضمرات میں فتوی جواز ہی پر دیا ہے یعنی روا اور درست ہے۔ اختلف اصحابنا فی النفل فجوزہ مشائخ بلخ وعلیہ العمل عندھم وبمصر والشام ومنعہ غیرھم وعلیہ العمل بما وراء النھر انتھی ما فی المرقاۃ شرح المشکوۃ لملا علی القاری اور صحیح بخاری میں مذکور ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لڑکا چھ سات برس کا فرضوں کی جماعت کراتا تھا امام بن کر واللہ اعلم بالصواب

الراقم سید محمد نذیر حسین | سید محمد نذیر حسین

**ھو الموفق**:۔ اس لڑکے کا نام عمرو بن سلمہ تھا، اور اس کے پیچھے پڑھنے والے سب صحابہ رض تھے۔ نیل الاوطار میں ہے، الذین قدموا عمرو بن سلمۃ کانوا کلھم صحابۃ رض قال ابن حزم ولا نعلم لھم مخالفا یعنی جن لوگوں نے عمرو بن سلمہ رض کو امام بنایا تھا وہ سب کے سب صحابہ تھے ابن حزم نے کہا کہ ان صحابہ رض کا کوئی مخالف معلوم نہیں ہوتا، ابو داؤد اور احمد کی روایت میں اس لڑکے کا یہ بیان ہے کہ فما شھدت مجمعا من جرم الا کنت امامھم یعنی قبیلہ جرم کے جس مجمع میں میں حاضر ہوتا تھا، میں ہی اس مجمع کا امام ہوتا تھا، عمرو بن سلمہ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ فرض نمازوں میں چھ سات برس کے لڑکے کی امامت جائز و درست ہے، اور یہی مذہب ہے حسن بصری اور امام شافعی اور اسحق کا اور جب فرض نمازوں میں اس کی امامت اور اس کے پیچھے نماز کا پڑھنا درست ہے، تو تراویح میں اس کی امامت بدرجہ اولی درست ہوگی، اور امام احمد اور امام ابو حنیفہ سے دو روایتیں آئی ہیں، اور مشہور روایت ان دونوں اماموں سے یہ ہے، کہ نوافل میں نابالغ لڑکے کی امامت

---

لہ احناف نفلی نماز میں نابالغ کی امامت کے بارے میں مختلف ہیں، بلخ مصر اور شام کے مشائخ اس کو جائز کہتے ہیں، اور اسی پر عمل کرتے ہیں، اور ماوراء النہر کے مشائخ اس کو درست نہیں سمجھتے۔

درست ہے، اور فرائض میں نادرست، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں والی صحتہا مامۃ الصبی ذہب ایضا الحسن البصری والشافعی واسحق وکرہہا مالک والثوری وعن ابی حنیفۃ واحمد روایتان والمشہور عنہما الاجزاء فی النوافل دون الفرائض انتہی۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت ظہر کا اصح مذہب پر کہاں سے کہاں تک ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ ظہر کا وقت اصح مذہب پر آفتاب کے ڈھلنے سے اس وقت تک ہے کہ ہر شے کا سایہ اس کے برابر ہو، علاوہ سایۂ اصلی کے صحیح مسلم میں ہے عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال وقت الظہر اذا زالت الشمس وکان ظل الرجل کطولہ ما لم یحضر العصر الحدیث اور ابوداؤد و ترمذی میں ہے عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امنی جبریل عند البیت مرتین فصلی بی الظہر حین زالت الشمس وکانت قدر الشراک وصلی بی العصر حین صار ظل کل شیء مثلہ الحدیث طحطاوی حاشیہ در مختار میں ہے ووقت الظہر من زوالہ ای میل ذکاء عن کبد السماء الی بلوغ الظل مثلیہ وعنہ مثلہ وھو قولہما وزفر والائمۃ الثلاثۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قال الامام الطحاوی وبہ ناخذ وفی غرر الافکار وھو المأخوذ بہ وفی البرہان وھو الاظہر لبیان جبریل علیہ السلام وھو نص فی الباب وفی الفیض وعلیہ عمل الناس الیوم وبہ یفتی رسوی فی

---

لہ حسن بصری، امام شافعی اور اسحاق بچے کی امامت کے قائل ہیں، اور امام مالک و سفیان ثوری مکروہ سمجھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد سے دو روایتیں ہیں مشہور یہ ہے، کہ نفلوں میں جائز ہے، فرائض میں نہیں۔

ٹے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے ہے کہ سایہ کے ایک مثل ہونے تک ہے جب تک کہ عصر کا وقت نہیں ہوتا۔ سٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جبریل نے دو دفعہ بیت اللہ کے پاس میری امامت کرائی، ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھل گیا اور ایک تسمہ کے برابر سایہ تھا، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی، جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا۔

سٹے ظہر کا وقت سورج کے نصف النہار سے ڈھلنے سے لے کر دو مثل تک ہے، اور امام صاحب سے ایک مثل بھی مروی ہے، اور امام ابویوسف، محمد، زفر، امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کا یہی مذہب ہے یعنی ایک

یکون للاشیاد قبیل الزوال، ویختلف باختلاف الزمان والمکان ولو لم یجد مایعلم اعتبر بقامتہ وھی ستۃ اقدام ونصف بقدمہ من طرف ابھامہ، و وقت العصر منہ الی قبیل الغروب) انتہی واللہ اعلم۔ حررہ محمد ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد ابوالحسن | سید محمد نذیر حسین

**سوال**:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ حدیث ظل الرجل کطولہ کا یہ مطلب ہے کہ مرد کا سایہ بعد دلوک الشمس مشرق کی طرف شمار کرنا چاہیے، فی زوال کا قرآن وحدیث میں کہیں ذکر نہیں ہے، پھر اپنے اس قول کی تشریح بیان کرتا ہے، تشریح یہ ہے، زید کہتا ہے کہ بعد دلوک شمس سوائے فی زوال کے ایک مثل مشرق کی جانب یعنی پورب کی طرف ناپنا چاہیے، مثلاً ایک لکڑی سیدھی کھڑی کی جاوے، مثلاً یہ لکڑی ہے اس کا سایہ دوپہر کے وقت آج کل شمال کو ہوتا ہے، اس سایہ کو کچھ شمار نہ کرنا چاہیے، بلکہ اب جو سایہ مابین پورب وشمال کی جانب بڑھتا جائے، اس کو اس لکڑی کی جڑ سے لکڑی کے برابر ہونا چاہیے، تو ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، یعنی جو سایہ بڑھتا جاوے گا، اس کے سرے سیدھی لکڑی جنوب کی طرف کھینچے رہیں گے، جب اس لکڑی کی جڑ سے سرے تک برابر اس کے مقدار کے پورب کی طرف ہو جاوے گا، تو ایک مثل ہوگا، یہ مطلب ہے، حدیث ظل الرجل کطولہ کا، اور جو سایہ مابین مشرق وشمال کی طرف بڑھتا جائے گا، اس کا شمار نہ ہوگا، فقط عمرو کہتا ہے، مطلب حدیث ظل الرجل کطولہ کا یہ ہے، کہ جس طرف بغیر قید جہت کے کسی شئے لکڑی وغیرہ کا سایہ پڑے بعد دلوک شمس اس کو برابر یعنی ایک مثل لینا چاہیے، سوائے فی زوال یعنی اصلی سایہ چھوڑ کر وہ وقت عصر کا ہے، یہی وقت بیان کیا ہے، نواب صدیق الحسن خان صاحب نے مسک الختام میں زیر حدیث مذکور دو گر بود سایہ شخص درازی دے ورائے فی زوال اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۵ میں ہے، شاہ ولی اللہ در مصفی گفتہ کہ باشد سایہ ہر چیزے مانند قامت آں چیز سوائے فی زوال، اور امام شوکانی نے نیل میں صفحہ ۲۹۰ بمصیر ظل الشیٔ مثلہ غیر الظل الذی یکون عند الزوال دخل وقت العصر، اور قاضی ثناء اللہ صاحب نے مالابد منہ میں "سایہ

مثل الحاوی کہتے ہیں، ہمارا عمل اسی طرح ہے کیونکہ جبریل کی حدیث اس معاملہ میں نص ہے فیض میں ہے آج کل اسی پر ہے، اسی پر فتوی ہے یعنی ایک مثل اصلی سایہ کے بعد جو کہ مختلف علاقوں میں مختلف ہوتا ہے، اگر کوئی چیز گاڑنے کے لئے نہ مل سکے تو آدمی اپنا سایہ ماپ لے اور وہ ساڑھے چھ قدم ہے، انگوٹھے کی جانب سے

ہر چیز ہم چند او شود سوائے سایہ اصلی" اور وقت ظہر بعد دلوک شمس ہوگا، کہ وہ اندازہ ساڑھے بارہ بجے ہے، اس سے پیشتر نماز ظہر درست نہ ہوگی کیونکہ نقشہ تصدیق کردہ شاہ ولی اللہ صاحب میں ماہ حال یعنی شروع پھاگن میں وقت درمیان طلوع آفتاب وزوال چودہ گھڑی ہے اس وقت سورج سات بجے کے قریب نکلتا ہے، تو حساب سے چودہ گھڑی ساڑھے بارہ بجے ہی ہے، اور ما تجربہ بھی یہی ہے اور وقت عصر نصف پھاگن میں اندازہ پونے چار بجے کے بعد ہوتا ہے، جو اس سے پیشتر نماز عصر پڑھے گا، اس کی نماز عصر صحیح نہیں ہوگی کیونکہ نصف پھاگن میں سات انگل کی لکڑی کا اصلی سایہ پانچ انگل ہے، اور ایک مثل کے سات انگل تو اس کا مجموعہ بارہ انگل پونے چار بجے کے بعد پورا ہوتا ہے، اور وقت سے پہلے نماز درست نہیں، اب علمائے ربانی سے استفسار ہے، کہ موافق مذہب اہل حدیث کس کا مطلب و بیان درست ہے، بینوا توجروا۔

**الجواب**: زید کا قول صحیح نہیں، عمرو کا قول مطابق حدیث و علمائے مذاہب اربعہ شاہد ہ کے لئے، ابو داؤد میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ کانت قدر صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصیف ثلاثۃ اقدام الی خمسۃ اقدام وفی الشتاء خمسۃ اقدام الی سبعۃ اقدام ۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے، کہ فی زوال کو اعتبار ہے، ورنہ یہ فرق کیوں ہوتا، اس حدیث میں اگرچہ قدرے ضعف ہے، مگر تعامل اہل علم کا اس حدیث کے ضعف کو رفع کرتا ہے، جیسا کہ اصول حدیث میں ہے، کہ تعامل اہل علم سے حدیث کا ضعف رفع ہوتا ہے، امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔ کلتی خروج وقت الظہر بمصیر ظل الشئ مثلہ غیر الظل الذی یکون عند الزوال دخل وقت العصر، اور زرقانی علی الموطا میں ہے وقت الظہر اذا کان ظلک مثلک ای مثل ظلک بغیر ظل الزوال۔ شرح مختصر حنابلہ میں ہے۔ وقت العصر المختار من غیر فصل بینہما ویستمر الی مصیر الفئ مثلیہ بعد فئ الزوال ای بعد الظل الذی زالت علیہ الشمس۔ امام نووی منہاج میں جو فقہ شافعیہ میں نہایت معتبر

---

[۱] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا اندازہ گرمیوں میں تین اقدام سے پانچ اقدام تک تھا، اور سردیوں میں پانچ سے سات اقدام تک تھا۔ [۲] جب ظہر کا وقت نکل جائے، اور زوال کے سایہ کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو جائے، تو اب عصر کا وقت شروع ہوگیا۔ [۳] ظہر کی نماز اس وقت پڑھ جب کہ زوال کے سایہ کے علاوہ تیرا سایہ تیری مثل ہو جائے۔

کتاب ہے، لکھتے ہیں۔ آخرہ[1] (ای وقت الظہر) مصیر ظل الشئی مثلہ سوا ظل استواء الشمس۔ ابن ابی زید مالکی اپنے رسالہ میں جو فقہ مالکی میں معتبر کتاب ہے لکھتے ہیں آخر وقت[2] الظہران یصیر ظل کل شئی مثلیہ بعد ظل نصف النہار۔ اور فقہائے حنفیہ کی کتابوں میں تو یہ بات مشہور و معروف ہے، وقالا[3] اذا صار ظل کل شئی مثلہ سوی فیٔ الزوال وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ (فیٔ الزوال) ھو الفیٔ الذی یکون للاشیاء وقت الزوال اسی طرح شوکانی نیل الاوطار میں اور درر البہیہ میں فرماتے ہیں وآخرہ[4] مصیر ظل الشئی مثلہ سوی فیٔ الزوال اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی مصفیٰ و حجۃ اللہ البالغہ میں اور نواب صاحب نے اپنی تصانیف میں اس کے ساتھ تصریح کی ہے۔

غرض فیٔ زوال کے سوا ایک مثل یا مثلین تک ظہر کا وقت رہتا ہے، اور من بعد عصر کا وقت ہوتا مسئلہ متفق علیہا ہے، یہ امر بدیہی ہے، کہ اس ملک نیمچپور یا نگہ کے مہینوں میں سارے دن میں کوئی ایسا وقت نہیں آتا ہے کہ سایہ ہر شئے کا اس سے زیادہ نہ ہو، تو وقت ظہر کون سا ہوگا۔ تو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا، کہ سوائے فیٔ الزوال کے جب ایک مثل ہو جائے، تو وقت عصر داخل ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ فیٔ الزوال کس طرح نکالنا چاہیے، تو علماء نے اس کا یہ طریقہ لکھا ہے، کہ زمین ہموار میں ایک لکڑی کو سیدھا کھڑا کرکے دیکھیے، کہ عین استواء شمس میں سایہ اس لکڑی کا کس قدر ہے لکڑی کے مثل یا کم و بیش جس قدر سایہ ہو اسی قدر سایہ چھوڑ کر اس پر جو ایک مثل ہو جاوے عصر کا وقت داخل ہوتا ہے، لکڑی کی جڑ سے ایک مثل پورا کرنے سے وقت عصر کا داخل نہیں ہوتا امام ابوالحسن مالکی شرح رسالہ ابن ابی زید میں لکھتے ہیں۔ ویعرف[5] الزوال بان یقام عود مستقیم فاذا تناھی الظل فی النقصان واخذ فی الزیادۃ فھو وقت الزوال ولا اعتداد بالظل

---

[1] ظہر کا آخری وقت یہ ہے کہ کسی چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے اس سایہ کے علاوہ جو وقت زوال ہوتا ہے۔ [2] ظہر کا وقت یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ، زوال کا سایہ نکال کر اس کے برابر ہو جائے۔ [3] وہ کہتے ہیں کہ سایہ زوال کو چھوڑ کر جب کسی چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے تو یہی ظہر کا وقت ہے، امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت یہی ہے، اور سایہ زوال سے وہ سایہ مراد ہے جو نصف النہار کے وقت ہوتا ہے۔ [4] اس کا آخری وقت یہ ہے، کہ ہر چیز کا سایہ سوائے دوپہر کے سایہ کے اس کے برابر ہو جائے۔

[5] زوال کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک لکڑی سیدھی کھڑی کی جائے، جب اس کا سایہ کم ہوتے ہوتے ایسی جگہ پہنچ جائے کہ اس کے بعد بڑھنے لگے تو یہی زوال کا وقت ہے، اب زوال کے وقت جو سایہ ہوتا ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ وہ سایہ معتبر ہوگا جو اس کے بعد شروع ہوا ہے۔

الذی زالت علیہ الشمس فی القامۃ بل یعتبر ظلہ مفرغا عن الزیادۃ اور طحطاوی میں ہے۔ واستثنی فئ الزوال لانہ قد یکون مثلہ فی بعض المواضع فی الشتاء وقد یکون مثلین فلو اعتبر المثل او المثلین من عند ذی الظل لما وجد الظھر عندھما و لا عندہ[1] اور شامی میں ہے ان[2] وجد خشبۃ بغرزھا فی الارض قبل الزوال وینتظر الظل ما دام متراجعا الی الخشبۃ فاذا اخذ الظل فی الزیادۃ حفظ الظل الذی قبلھا فھو ظل الزوال فاذا بلغ الظل طول القامۃ مرتین او مرۃ سوی ظل الزوال فقد خرج وقت الظھر ودخل وقت العصر اور شرح وقایہ میں ہے[3] مثلا اذا کان فئ الزوال مقدار ربع المقیاس فاخر وقت الظھر ان یصیر ظلہ مثلی المقیاس وربعہ ھذا فی روایۃ عن ابی حنیفۃ وفی روایۃ اخری عنہ وھو قول ابی یوسف ومحمد و الشافعی واذا صار ظل کل شیء مثلہ سوی فئ الزوال اور کفایہ میں ہے[4] وطریقۃ معرفۃ الزوال ان ینصب عودا مستویا فی الارض فما دام ظل العود فی النقصان علم ان الشمس فی الارتفاع وان استوی الظل علم انہ حالۃ الزوال فاذا اخذ الظل فی الزیادۃ علم انھا زالت فیخط علی راس الزیادۃ فیکون من راس الخط الی العود فئ الزوال فاذا صار ظل العود مثلیہ من راس الخط لا من العود خرج الظھر عندہ اور شرح مختصر وقایہ میں ہے ثم[5] یعلم علی راس الظل علامۃ عند انحرافہ فاذا صار

---

[1] زوال کا سایہ اس سے مستثنیٰ ہوگا کیونکہ سردی میں یہ سایہ بعض جگہوں میں ایک مثل اور بعض جگہ دو مثل ہو جاتا ہے۔ تو اگر ایک مثل یا دو مثل کا اعتبار اس سایہ سے کیا جائے تو صاحبین اور امام صاحب دونوں فریق کے نزدیک ظہر کا وجود نہیں پایا جائے گا ۱۲ [2] ایک لکڑی لے کر زوال سے پہلے زمین میں گاڑ دی جائے پھر اس کا سایہ لکڑی کی طرف آتے ہوتے دیکھا جاتے جب سایہ بڑھنا شروع ہو تو پہلے سائے کو محفوظ کر لیا جائے بس یہی زوال کا سایہ ہوگا، اب اس سائے کے علاوہ جب سایہ اس لکڑی کے برابر یا دگنا ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہوگا ۱۲ [3] مثلاً جب زوال کا سایہ پیمانے کا ربع ہو تو جب یہ سایہ ایک ربع اور دو مثل ہوگا یہی ظہر کا آخری وقت ہوگا امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے، اور آپ سے ایک دوسری روایت بھی ہے، جو کہ امام ابو یوسف محمد اور امام شافعی کا قول ہے یعنی جب زوال کے سایہ کے علاوہ سایہ ایک مثل ہو ۱۲ [4] زوال معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک سیدھی لکڑی زمین میں گاڑ دی جائے، جب تک سایہ کم ہوتا جائے سمجھا جائیگا کہ سورج بلند ہو رہا ہے، جب سایہ برابر ہوگا تو یہ حالت زوال تصور ہوگی جب سایہ بڑھنے لگے، تو شروع زوال کی علامت ہوگا اس مقام پر ایک خط کھینچ لیجیے، اس خط سے لکڑی تک کا سایہ زوال کا سایہ ہوگا اب جب لکڑی کا سایہ خط کے اس سرے سے آگے لکڑی سے دوگنا ہو جائے گا تو امام صاحب کے نزدیک ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا ۱۲ [5] پھر جب سایہ پھرنے لگے تو اس کے سرے پر نشان لگا لیا جائے، تو اس نشان سے لے کر لکڑی کا سایہ جب دوگنا ہو

الظل من تلک العلامۃ لا من العود مثلی العود خرج وقت الظہر عند ابی حنیفۃ
شاید زید یہ دونوں قول متاخرین حنفیہ کے دیکھ کر اس سے اپنا مطلب نکالتا ہے، مگر درحقیقت یہ اس کی سمجھ کا فرق ہے، ان دونوں قولوں کا بھی وہی مطلب ہے، جو شامی اور صاحب شرح وقایہ نے بیان کیا ہے، مطلب اس علامت اور خط سے بھی یہی ہے کہ فی الزوال کا قدر معلوم کرنا ضروری ہے، اس علامت اور خط کے اندازہ پر سایہ جس طرف ہو جاوے، اسی قدر بوقت عصر چھوڑ کر نا بعد ازاں یک مثل پورا کرنا ضروری ہے، غرضیکہ زید کی تشریح و بیان لی سند میں میری نظر سے کسی محدث کا قول گذرا ہے اور نہ کسی فقیہ کا، یہ فقط اس کا عندیہ معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی

بیشک نسیعہ مولوی عبد الجبار غزنوی بہت درست ہے، اور پیمائش ان کی موافق حدیث جابر رض جو ذیل میں درج ہے، بہت ٹھیک ہے، کہ جس طرح سایہ بعد زوال پڑے لکڑی کی جڑ سے بقدر سایہ اصلی یعنے فی زوال اور ایک مثل کے ہو جانے سے وقت عصر کا ہو جاوے گا حدیث یہ ہے۔ عن بشیر بن سلام قال دخلت انا و محمد بن علی علی جابر بن عبد اللہ الانصاری رض فقلنا اخبرنا عن صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ذالک زمن الحجاج بن یوسف قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی الظہر حین زالت الشمس وکان الفیٔ قدر الشراک ثم صلی العصر حین کان الفیٔ قدر الشراک وظل الرجل الخ

یہ حدیث نسائی میں صحیح سند سے مروی ہے، اور سندھی محدث نے اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے۔ قدر[2] الشراک بکسر الشین احد سیور النعل التی علی وجہھا وظاہر ھذہ الروایۃ ان المراد الفیٔ الاصلی لا الزائد بعد الزوال ولذلک استثنی فی وقت العصر اور مجمع البحا

---

جائے گا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا۔ [1] حضرت بشیر بن سلام فرماتے ہیں، کہ میں اور محمد بن علی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق سوال کیا، یہ حجاج بن یوسف کا زمانہ تھا، آپ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب کہ سورج ڈھل چکا تھا اور سایہ تسمہ کے برابر تھا پھر آپ نے عصر اس وقت ادا فرمائی، جب سایہ تسمہ اور آدمی کے سایہ کے برابر تھا۔ [2] شراک، شین کی زیر سے جوتی کے اوپر کی جانب جو تسمے ہوتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو شراک کہتے ہیں، اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے، کہ یہاں اصل سایہ مراد ہے نہ کہ زائد جو کہ زوال کے بعد ہوتا ہے، اس لئے عصر کے وقت سے اس کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔

میں لفظ شراک کے تحت میں اس حدیث شراک کی شرح یوں کی ہے۔ صلی الظھر[1] حین کان الفیء بقدر الشراک ھو احد سیور النعل تکون علی وجہہا و قدرہ ھنا لیس علی وجہ التحدید لکن زوال الشمس لا یبین الا باقل ما یری من الظل وکان حینئذ بمکۃ ھذا القدر والظل یختلف باختلاف الازمنۃ والامکنۃ الخ یہ پیمائش موافق حدیث ایک مثل کے ہے، یہی مذہب راجح ہے، اور مذہب ثانی جو راجح نہیں لیکن بالکل بے اصل بھی نہیں، جیساکہ حدیث ابوہریرہ کا مضمون ہے۔ صل الظھر[2] اذا کان ظلک مثلک و العصر اذا کان ظلک مثلیک رواہ فی المؤطا۔ اسی واسطے مولوی عبدالجبار صاحب نے مذہب ثانی کی پیمائش بھی درج کر دی، ورنہ ان کے نزدیک روایت معمول بہا ایک ہی مثل ہے، اور زید کی پیمائش پر جو قول کسی فقیہ یا محدث کا نہ ملا، تو بیان کر دیا، کہ یہ اس کا عندیہ ہے پھر پیمائش زید مخالف ہے حدیث کے بھی، حدیث کہتی ہے، فی یعنی سایہ پیمائش کیا جاوے اور زید کی پیمائش میں دھوپ چلتی ہے، اور دوسرے مخالف ہے حدیث قیراط کے بھی، جو بخاری درباب وقت عصر میں، اور کہ رکعۃ قبل الغروب لایا ہے، جس سے عصر کا وقت بہ نسبت ظہر کم معلوم ہوتا ہے، نہ برابر نہ زیادہ، فتح الباری میں اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے، اگر وقت عصر کے ایک مثل پر تفریع کی جاوے، جیسے کہ مذہب جمہور کا ہے، لجیب بمنع المساواۃ وذلک معروف عند اہل العلم بھذا الفن وھو ان المدۃ التی بین الظھر والعصر[3] اطول من المدۃ بین العصر والمغرب۔ زید کی پیمائش میں برخلاف اس کے زید کا مقولہ درست نہیں ہے، ورنہ لازم آوے گا، کہ جن ایام میں سایہ اصلی ایک مثل یا اس سے زائد ہو تو نماز ظہر کا کوئی وقت نہ رہے گا، اس لئے کہ بفور ڈھلنے کے ایک مثل سایہ ہو جانے کے سبب اس تقدیر پر عصر کا وقت ہو جاوے گا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

---

[1] ظہر اس وقت پڑھی جب سایہ ایک تسمہ کے برابر تھا، یہ جوتی کا ایک تسمہ ہوتا ہے، جو سامنے کی طرف ہوتا ہے، اور یہاں اس سے تحدید مراد نہیں لیکن سورج کا زوال اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتا جب تک کہ کم از کم سایہ نمودار نہ ہو، مکہ میں اس وقت اتنا ہی اندازہ تھا، اور سایہ جگہ اور موسم کی تبدیلی سے بدلتا رہتا ہے۔ [2] تو ظہر اس وقت پڑھ جب تیرا سایہ تیرے برابر ہو جائے اور عصر اس وقت جب کہ سایہ دوگنا ہو جائے (موطا) [3] جواب دیتے ہوئے برابری کی نفی کی گئی ہے، اور یہ بات اس فن میں مہارت رکھنے والوں کے نزدیک مشہور ہے، کہ جو وقفہ ظہر اور عصر کے درمیان ہے وہ اس مدت سے زیادہ ہے، جو عصر اور مغرب کے درمیان ہے۔

**ھوالموفق** دونوں مجیب نے جو کچھ لکھا ہے، بہت صحیح و درست لکھا ہے، مگر مجیب ثانی نے جو یہ فرمایا، کہ مذہب ثانی یعنی وقت ظہر کا مثلین تک باقی رہنا، جو راجح نہیں لیکن بالکل بے اصل بھی نہیں، جیسا کہ حدیث ابوہریرہ رضؓ کا مضمون ہے، صل الظھر اذا کان ظلک مثلک والعصر اذا کان ظلک مثلیک، رواہ فی المؤطا، سو یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ابوہریرہ رضؓ کی اس حدیث کے مضمون سے مذہب ثانی کا با اصل ہونا ثابت نہیں ہوتا اس واسطے کہ اس حدیث میں ظہر وعصر کے اول وقت کا بیان نہیں ہے، بلکہ آخر وقت کا بیان ہے، اور مضمون اس حدیث کا یہ ہے، کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب سے ایک مثل تک ہے، اور عصر کا وقت ایک مثل سے مثلین تک، پس اس حدیث کے مضمون سے مذہب ثانی کا با اصل ہونا نہیں ثابت ہوتا ہے، بلکہ معاملہ برعکس ہے۔ قال فی التعلیق الممجد[1] اقتصر فیہ علی ذکر اواخر الاوقات المستحبۃ دون اوائلہا فکانہ قال الظھر من الزوال الی ان یکون ظلک مثلک والعصر من ذلک الوقت الی ان یکون ظلک مثلیک انتہی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال** فقہاء قاطبۃ در تمامی متون کتب فقہیہ روایت مثلین درج می کنند و شراح در شروح روایت مثل می آرند سبب ایراد روایت مثلین چیست، در بادی النظر اختیار یکے از دو امرین در متون مشعر ترجیح است وصاحب در مختار بر روایت مثل فتوے نقل مے کند و قاضی ثناء اللہ قدس سرہ در رسالہ مالابدمنہ بر روایت مثلین فتوے می دہند، درین باب محقق نزد جناب چیست، وبر افواہ بعض ارباب علم دائر است، کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ از روایت مثلین رجوع فرمودہ اند، اگر روایت رجوع از نظر تحقیق گذشتہ باشد عبارت آن

---

[1] ظہر اس وقت پڑھیے، جب آپ کا سایہ آپ کے مثل ہو، اور عصر جب سایہ دو مثل ہو ۱۲ مؤلف　　[2] التعلیق الممجد میں ہے کہ اس میں صرف آخری مستحب اوقات کا ذکر کیا ہے، نہ کہ ابتدائی وقتوں کا، گویا آپ نے فرمایا کہ ظہر زوال سے شروع ہو کر ایک مثل تک ہے، اور اس وقت سے آگے دو مثل تک عصر کا وقت ہے ۱۲

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین، کہ فقہ کی تمام کتابوں کے متون میں ظہر کے وقت میں روایت مثلین درج ہے اور شارح اپنی تمام کتابوں میں روایت مثل بیان کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ ان دونوں میں سے روایت مثلین کے اختیار کرنے کی کوئی وجہ تو ضرور ہو گی، صاحب در مختار نے مثل کی روایت پر فتویٰ دیا ہے، اور قاضی ثناء اللہ نے اپنے

مرحمت فرمائید، فقط۔

**الجواب**:۔ باید دانست کہ اہل متون مثل صاحب قدوری وہدایہ ومختصر وقایہ وشرح وقایہ وصاحب کنز وغیرہ کہ از خطہ ماوراء النہر اند عقیدہ وقاعدہ ایشان این بود کہ عمل بر مذہب مجتہد فی الشرع واجب است مر مقلد را بغیر اعتبار قوت دلیل وضعف آن پس ازیں جہت ایراد روایت مثلین در متون کردند قطع نظر از قوت دلیل نمودہ کاربند بروایت مثلین شدند، چنانکہ از فتاوے خانیہ مستفاد می شود، بخلاف صاحب در مختار وغیرہ کہ اسامی شان در در مختار مذکور است از جملہ علمائے عراقیین بودند، ودر ایشان چنداں تعصب نبودہ، لہذا بنظر قوت دلیل روایت مثل را اختیار کردہ اند، ودر آخر حاوی قدسی کہ در فقہاست می نویسد فان خالفاہ قال بعضہم یؤخذ بقولہ وقیل یخیر المفتی والاصح ان العبرۃ بقوۃ الدلیل انتہی کلامہ کما یستفاد من البحر پس بنا بر قوت دلیل در در مختار وغیرہ روایت مثل را معمول بہا قرار دادہ، مولانا عابد سندی حنفی در مواہب لطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ می نویسد۔ حدثنا ابو حنیفۃ عن شیبان عن یحیی عن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکروا بصلوۃ العصر وقد اختلف العلماء فی دخول وقت العصر فالجمہور علی ان وقت العصر یدخل بصیرورۃ ظل کل شیء مثلہ بلا فراد بدلیل ما اخرجہ البخاری الخ وبعد ایراد چند حدیث بر مثل این چنین می نویسد، وذکر فی

---

مثلین کو ترجیح دی ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے، کہ امام ابو حنیفہ نے مثلین کی روایت سے رجوع کر لیا تھا، آپ کی اس بارے میں کیا تحقیق ہے؟

الجواب:۔ صاحب قدوری وہدایہ ووقایہ وشرح وقایہ وکنز وغیرہ یہ سب علاقہ ماوراء النہر کے رہنے والے ہیں، ان کا مذہب یہ تھا کہ مقلد کو اپنے مجتہد کے قول سے کسی طرح انحراف نہیں کرنا چاہیئے، اور دوسرے مقلدوں کا یہ مذہب ہے، کہ دلیل کے ضعف وقوت کو ملحوظ رکھنا چاہیئے، اور صاحب در مختار اور چند ایک اور فقہا جن کے نام در مختار میں موجود ہیں، عراق کے رہنے والے ہیں، ان کا مسلک یہ ہے کہ جس مسئلہ میں دلیل واضح موجود ہو اس پر عمل کر لینا چاہیئے، اور جہاں ایسا نہ ہو، وہاں اپنے مجتہد کے قول پر عمل کرنا چاہیئے، چنانچہ اسی نظریہ کے اختلاف کے سبب اکثر اصحاب متون نے روایت مثلین کو قبول کر لیا، اور علمائے عراق کہ ان کے اندر اتنا تعصب نہیں تھا، انہوں نے روایت مثل کو اختیار کیا، حاوی قدسی عراقی نے لکھا ہے، کہ اگر صاحبین امام صاحب کے مخالف ہوں، تو بعض امام صاحب کے قول کو ترجیح دیتے ہیں، اور بعض اختیار کے قائل ہیں، کہ جس کے قول پر چاہے عمل کرے، اور صحیح بات یہ ہے، کہ دلائل کا جائزہ لیا جائے، جس کی دلیل قوی ہو اس کے قول کو ترجیح دی جائے

خزانۃ الروایات ناقلاعن ملتقی البحار ان ابا حنیفۃ رح قد رجع فی خروج وقت الظهر و دخول وقت العصر الی قولهما وممن نقل ایضا رجوع الامام الی صاحبیہ صاحب الفتاوی الشافی وصاحب کتاب الانیس وصاحب الجوهر المنیر شرح تنویر الابصار وذکرہ ایضا فی زیادات الهنداونی علی المستدرک الشیبانی فی باب ما یحل اکله وما لا یحل، قال قد صح رجوع ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ عن قوله لا یحل اکل لحم الخیل وعن اختلاف الشفق وعن خروج وقت الظهر ودخول وقت العصر بعد المثلین وعن اشیاء عددها وممن نقل الرجوع ایضا صاحب الصراط المقویم فاذا کان هذا القدر مقررا فی رجوع الامام وانضم الی ذلک قول اهل المذهب اذا کان الامام فی جانب وصاحباہ فی جانب فالمفتی بالخیار ان شاء افتی بقول الامام وان شاء افتی بقول الصاحبین کان العدول الی قول الجمهور واجبا انتهی ما فی المواهب اللطیفۃ فی الحرم المکی علی مسند الامام ابی حنیفۃ من روایۃ الحصکفی للملا عابد السندی رحمۃ اللہ علیہ وکذا نقل صاحب الحمادیۃ عن الظهیریۃ و التاسیس والاسرار وحاشیۃ المنظومۃ ترجیح قول صاحبیہ بروایۃ المثل لصلوۃ العصر انتهی

اعلم انہ قال الجمهور اذا صار ظل کل شیء مثله بعد ظل نصف النهار خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر وقال ابو حنیفۃ فی المشهور عنه انه لا یخرج الظهر بمصیر الظل المثل

پس اسی اصول کے مطابق صاحب درمختار نے ایک مثل والی روایت کو قبول کیا ہے، اور ملا عابد سندھی نے مواہب لطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ میں لکھا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ عصر کی نماز سویرے پڑھا کرو" عصر کا وقت شروع ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور کا مسلک یہ ہے، کہ ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اور پھر اس پر چند ایک حدیثیں نقل کر کے لکھا ہے، کہ امام ابو حنیفہ نے عصر کے وقت کے متعلق صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا، اور صاحب "فتاوی الشافی" صاحب "کتاب الانیس" صاحب "جوہر منیر" نے بھی امام صاحب کا رجوع نقل کیا ہے، اور زیادات الہنداونی علی المستدرک الشیبانی نے بھی باب "ما یحل اکلہ وما لا یحل" میں امام صاحب کا رجوع نقل کیا ہے، اور صاحب "الصراط المقویم" نے امام صاحب کا رجوع نقل کر کے لکھا ہے، کہ اگر امام صاحب ایک طرف ہوں، اور صاحبین دوسری طرف تو مفتی کو اختیار ہے، چاہے تو امام صاحب کا مسلک اختیار کرے، اور چاہے تو صاحبین کا،

جمہور کا مذہب یہ ہے، کہ سایہ کے ایک مثل ہو جانے پر ظہر کا وقت نکل جاتا ہے، اور عصر کا شروع ہو جاتا ہے، اور امام ابو حنیفہ سے مشہور روایت یہ ہے، کہ ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، اور عصر کا وقت دو

ولا یدخل العصر بل یکون اول وقت العصر بمصیر ظل کل شئ مثلیہ قال القرطبی خالفہ الناس کلھم حتی اصحابہ ورری عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ ایضا ان وقت الظھر الی المثل کما قالت الثلاثۃ الباقیۃ والجمھور وفی الید الثم ھو الصحیح المذکور فی الاصل وفی غایۃ البیان بھا اخذ ابو حنیفۃ وھو المشھور عنہ وفی الینا بیع ھو الصحیح عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ وفی در المختار ھو قولھما وزفر وطحاوی وبہ ناخذ الی اخر ما فی الدر المختار انتہی ما فی المحلی شرح الموطا للعلامۃ المحدث سلام اللہ الحنفی من اولاد الشیخ عبد الحق المحدث الدھلوی، اما خروج وقت الظھر فلم یوجد فی حدیث صحیح ولا ضعیف انہ یبقی بعد مصیر ظل کل شئ مثلہ ولذا خالف ابا حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ فی ھذہ المسئلۃ صاحباہ ووافقا الجمھور ودلالۃ حدیث الابراد علی ابقاء وقت الظھر بعد المثل ممنوع بل الابراد امر اضافی وشدۃ الحر انما یکون عند الزوال وبعض الابراد یحصل قبیل بلوغ الظل مثل الشئ ولو کان الحر فی دیارھم حین بلوغ ظل الشئ مثلہ اشد مما قبلہ کان مقتضی الامر بالابراد تعجیل الصلوۃ فی اول الوقت انتہی ما فی تفسیر المظہری للقاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ وتحقیق کما حقہ دریں مسئلہ در معیار الحق نوشتہ ام دراں بہ بیند، وقاعدہ کلیہ مطردہ نیست، کہ ہر مسئلہ متن صحیح ومفتی بہ باشد، چنانکہ خروج بصنع مصلی کہ متون از فرائض شمردہ اند، حالانکہ نزد محققین فرض نیست اما الخروج بصنع المصلی فلیس بفرض ھو الصحیح ھکذا فی التبیین واکثر الکتب ما لا یخفی علی الماھر بالروایات الحنفیۃ، واللہ تعالی اعلم بالصواب

مثل کے بعد شروع ہوتا ہے، اور درمیانی وقت نہ ظہر کا ہے نہ عصر کا، قرطبی نے کہا امام صاحب کے اس قول کی مخالفت ساری دنیا نے کی ہے، حتی کہ آپ کے تمام شاگردوں نے بھی، اور باقی تینوں امام بھی اس کے قائل ہیں کہ ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اور یہی صحیح ہے، اور ظہر کی نماز کو ایک مثل کے بعد ٹھنڈا کرنا ممنوع ہے بلکہ ابراد ایک اضافی امر ہے، کیونکہ گرمی کی شدت دوپہر کے وقت زیادہ ہوتی ہے، اور ایک مثل سایہ ہونے تک نسبتاً کم ہو جاتی ہے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں، جن علاقوں میں دوپہر کی نسبت سہ پہر کو گرمی زیادہ ہو جاتی ہے، انہیں چاہیئے، کہ وہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز اول وقت میں پڑھیں، تاکہ ابراد حاصل ہو اس مسئلہ کی پوری تحقیق معیار الحق میں لکھی گئی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں، اور یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے، کہ متن کی روایت صحیح اور مفتی بہ ہو دیکھئے، اکثر کتب فقہ میں لکھا ہے، کہ نمازی اپنے کام سے نماز سے باہر آئے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، چنانچہ تبیین اور اکثر کتب میں اس کی وضاحت موجود ہے، واللہ اعلم۔

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

**سوال** :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ عمرو کہتا ہے، کہ آیت الیس اللہ باحکم الحاکمین[1] اور سبح اسم ربک الاعلی[2] اور فبای حدیث بعدہ یؤمنون[3] وغیرہ آیات کا جواب جس طرح سے قاری کو دینا چاہیئے اسی طرح سامع کو بھی دینا چاہیئے، اور زید کہتا ہے، کہ ان آیات کا جواب صرف قاری کو دینا چاہیئے، سامع کو نہیں دینا چاہیئے، پس ان دونوں میں سے کس کا قول حق وصواب ہے، بینوا توجروا

**الجواب** :- صورت مسئول عنہا میں عمرو کا قول اقرب الی الصواب ہے، یعنی آیات مذکورہ کا جواب دینا جس طرح سے قاری کو دینا چاہیئے، اسی طرح سے سامع کو بھی چاہیئے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت قرأت ان آیتوں کا جواب دینا ثابت ہے، اور آپ کا کل قول وفعل امت کے لئے ہر وقت دستور العمل ہے، تا وقتیکہ اس کی تخصیص کسی وقت خاص یا شخص خاص یا حالت خاص کے ساتھ ثابت نہ ہو، مثلاً رفع الیدین اور وضع الیدین علی الصدر اور رفع سبابہ فی التشہد اور جلسہ استراحت اور تورک اور قبل افتتاح قرأت کے اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا[4] یا انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض الخ[5] یا اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب الخ[6] پڑھنا یا رکوع میں سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح[7] اور سجدہ میں لک سجد وجھی وعظامی ومخی[8] پڑھنا وغیر ذلک یہ ایسے افعال ہیں جن کی مسنونیت میں کسی طرح کا شک نہیں ہوسکتا ہے اور امت محمدیہ میں سے ہر شخص کے لئے یہ افعال مسنون ہیں، خواہ وہ شخص امام ہو یا مقتدی خواہ منفرد ہو، حالانکہ یہ کہیں ثابت نہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقتدیوں کو ان امور کی تعلیم فرمائی ہے، یا عام طرح پر فرمایا ہے، کہ جو شخص جب نماز پڑھے تو ایسا کرے، پھر بھی یہ احکام ہر شخص کے لئے اسی وجہ سے عام رہے، کہ قول وفعل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمام افراد امت کے

---

[1] کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں کا حاکم نہیں ہے؟ [2] اپنے رب بلند کی تسبیح بیان کر۔ [3] پھر اس کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔ [4] اللہ بہت ہی بڑا ہے، اللہ کی بہت تعریف ہے صبح و شام خدا کی پاکیزگی ہے۔ [5] میں نے اپنا رخ اس خدا کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا۔ [6] اے اللہ میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنا فاصلہ کردے، جتنا مشرق مغرب میں ہے۔ [7] فرشتوں اور روح کا رب پاک ہے۔ [8] اے اللہ تیرے سامنے میرا چہرہ میری ہڈیاں، میرا گودا جھک گیا۔

لئے دستور العمل ہوتا ہے، جب تک حدیث مرفوع ہی سے تخصیص ثابت نہ ہو قال اللہ تعالیٰ لقد[1] کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ الایۃ پس بنابر تقریر ہذا ان آیات کا جواب دینا ہر شخص کو چاہیے عام ازیں کہ قاری ہو یا سامع، نماز میں ہو یا غیر نماز میں، امام ہو یا مقتدی یا منفرد، اتباعاً لفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما رواہ ابوداؤد عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قرأ سبح اسم ربک الاعلی قال سبحان ربی الاعلی وروی ایضاً عن موسی بن ابی عائشۃ قال کان رجل یصلی فوق بیتہ وکان اذا قرأ الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی قال سبحانک فبلی فسألوہ عن ذلک فقال سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و روی البیہقی عن علی انہ قرأ فی الصبح بسبح اسم ربک الاعلی فقال سبحان ربی الاعلی الحدیث وروی ابوداؤد عن عوف بن مالک الاشجعی قال قمت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فقام فقرأ سورۃ البقرۃ لا یمر بایۃ رحمۃ الا وقف فسأل ولا یمر بایۃ عذاب الا وقف فتعوذ قال ثم رکع بقدر قیامہ یقول فی رکوعہ سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ ثم سجد بقدر قیامہ ثم قال فی سجودہ مثل ذلک ثم قام فقرأ بال عمران ثم قرأ سورۃ الحدیث واخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ بنحوہ مختصراً ومطولاً وروی الترمذی عن جابر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی اصحابہ فقرأ علیہم سورۃ الرحمن من اولہا الی اخرہا فسکتوا فقال لقد قرأتہا

---

[1] تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سبح اسم ربک الاعلےٰ پڑھتے تھے، تو سبحان ربی الاعلےٰ کہتے تھے، ایک آدمی اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ رہا تھا، جب اس نے الیس ذلک بقادر علے ان یحیی الموتےٰ پڑھا، تو کہا سبحانک فبلی، لوگوں نے اس بارے میں اس سے پوچھا، تو اس نے کہا، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہے، بیہقی میں روایت ہے، کہ آپ نے صبح کی نماز میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا، تو فرمایا سبحان ربی الاعلیٰ، عوف بن مالک کہتے ہیں، کہ ایک رات آپ نے نماز میں سورت بقرہ شروع کی، جب آپ کوئی رحمت کی آیت پڑھتے، تو ٹھہر جاتے اور خدا سے رحمت کا سوال کرتے اور جب عذاب کی آیت پڑھتے تو اس سے پناہ مانگتے، پھر آپ نے قیام کے برابر رکوع کیا، اور اس میں سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریا والعظمۃ پڑھتے رہے، پھر سجدہ بھی قیام کے برابر کیا، اور اس میں بھی رکوع والی دعا پڑھتے رہے، پھر آپ کھڑے ہوئے، تو سورت آل عمران اور ایک اور سورت پڑھی، جابر کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ پر سورہ الرحمن پڑھی، وہ خاموشی سے سنتے رہے، آپ نے فرمایا، میں نے جنوں کی رات میں یہی سورۃ

علی الجن لیلۃ الجن فکانوا احسن مردودا منکم کنت کلما اتیت علی قولہ فبای الاء ربکما تکذبان قالوا لا بشیٔ من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد انتہی

اس حدیث ترمذی سے یہ امر بھی معلوم ہوا، کہ اس قسم کی آیتوں کا جواب قاری یا مصلی کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ خود اس کلام پاک کے معنی اور موقع کے لحاظ سے ہے، جب ہی تو آپ نے صحابہ کرام کے سکوت پر اعتراض فرمایا، اور جنات کے جواب دینے کو مدحیہ طور پر ذکر فرمایا، حالانکہ آپ نے اس واقعہ سے قبل صحابہ کرام کو اس جواب کی تعلیم نہیں فرمائی تھی، بس معلوم ہوا، کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جن جن آیتوں کا جواب دیا ہے، وہ اس خصوصیت سے نہیں، کہ آپ امام تھے یا قاری تھے، بلکہ ان آیتوں کا معنی اور موقع ہی ایسا ہے، کہ جب وہ آیت پڑھی جاوے، تو پڑھنے والا، اور سننے والا ہر شخص اس کا مناسب جواب جو احادیث سے ثابت ہو دیوے۔

قال المناوی فی الشرح الجامع الصغیر کان اذا قرأ قولہ تعالی الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی قال بلی واذا قرأ الیس اللہ باحکم الحاکمین قال بلی لان قولہ بمنزلۃ سوال فیحتاج الی الجواب ومن حق الخطاب ان لا یترک المخاطب جوابہ فیکون السامع کھیئۃ الغافل او کمن لا یسمع الا دعاء ونداء من الناعق بہ صم بکم عمی فھم لا یعقلون فھذہ ھیئۃ سیئۃ ومن ثم ندب لواسن مر بایۃ رحمۃ ان یسأل اللہ الرحمۃ او عذاب ان یتعوذ من النار او بذکر الجنۃ بان یرغب الی اللہ فیھا او النار ان یستعیذ بہ منھا انتہی ثم قال اذا قرأ سبح اسم ربک الاعلی قال سبحان ربی الاعلی کما سمعتہ فیما قبلہ واخذ من ذلک ان للقاری او السامع کلما مر بایۃ تنزیہ ان ینزہ اللہ او تحمید ان یحمدہ او تکبیر

---

جنوں پر پڑھی تھی، وہ تم سے جواب دینے میں اچھے رہے، جب بھی میں پڑھتا، فبای آلاء ربکما تکذبان، تو وہ جواب دیتے، اے ہمارے رب ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے، تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں۔

لہ جب اللہ تعالی کا یہ قول الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی پڑھے، تو کہے بلی، اور جب الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھے، تو بلی کہے، کیونکہ ان میں سوال کیا گیا ہے، جس کا جواب دینا چاہیئے، اور خطاب کا حق ہے کہ مخاطب کلام کا جواب دے، اگر نہ دے گا، تو سامع بے خبروں کی طرح ہو گا، یا جیسے کوئی جانور، جو آواز تو سنتا ہے لیکن مطلب نہیں سمجھتا، یا کسی اندھے، گونگے، بہرے کی طرح، جسے کچھ سمجھ نہ آئے، یہ حالت تو بہت بری حالت ہے، پھر مستحب ہے، کہ رحمت کی آیت سے گذرے، تو رحمت کا سوال کرے، عذاب کی آیت سے گذرے، تو پناہ مانگے، جنت کا تذکرہ ہو تو اس کا سوال کرے، دوزخ کا ذکر ہو، تو پناہ مانگے، اگر تنزیہ کی آیت ہو،

ان یکبرہ و قس علیہ انتہی اور شرح صحیح مسلم للنووی میں ہے۔ اذا مر بآیۃ فیہا تسبیح سبح واذا مر بسوال سال واذا مر بتعوذ تعوذ فیہ استحباب ھذہ الامور لکل قاری فی الصلوٰۃ او غیرھا و من ھہنا استحبابہ للامام والماموم والمنفرد انتہی، وھکذا فی کتاب الاذکار للنووی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو عبد اللہ محمد ادریس عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ ہم لوگ چونکہ تبع امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں، اور امام مالک کے نزدیک ستر کو ہاتھ لگ جانے سے وضو ساقط نہیں ہوتا ہے، پس ہم لوگ غسل میں اول وضو کر لیتے ہیں، پھر تمام بدن کو دھوتے ہیں، پھر اس وضو سے نماز پڑھتے ہیں، آیا یہ غسل اور وضو ٹھیک ہے یا نہیں، اور نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھتے ہیں، اور قیام کی حالت میں دونوں پاؤں کے درمیان چار یا چھ انگشت کا فاصلہ رکھتے ہیں، اور امام کے پیچھے الحمد نہیں پڑھتے، اور جب امام الحمد ختم کرتا ہے، تو آمین آہستہ کہتے ہیں، جہر سے نہیں کہتے، اور تشہد میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہیں اور تورک نہیں کرتے، اور حسب روایات عدم رفع اور نسخ روایات رفع الیدین کے رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین نہیں کرتے، اور جمعہ کے دن خطبہ ہوتے وقت تحیۃ المسجد نہیں پڑھتے، اور وتر تین رکعت پڑھتے ہیں، ایک رکعت نہیں پڑھتے، اور فجر کی جماعت فرض ہوتے ہوئے اگر ایک رکعت میں شامل ہو جانے کی بھی امید ہو، تو فجر کی سنتیں مسجد کی کسی جانب میں پڑھ لیتے ہیں، بعد اس کے فرض نماز کی جماعت میں شامل ہوتے ہیں آیا ان سب صورتوں میں ہم لوگ عاملین سنت کے زمرہ میں ہیں، یا نہیں۔

**الجواب**: رد المستعان ہو اللہ العلی الوہاب، بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ آپ صاحبان کا یہ کہنا، کہ ہم لوگ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تبع ہیں محض ایک قول ہے، جس کے معنی کچھ نہیں ہیں، کیونکہ امام صاحب کا تبع وہ ہو سکتا ہے، جو ان کے حکم پر چلے، اور آپ صاحب ان کے حکم پر چلتے نہیں، یعنی وہ فرماتے ہیں، کہ کسی کو جائز نہیں ہے، کہ میرے کسی قول پر فتویٰ دے، جب تک یہ معلوم نہ کر لے، کہ میں نے وہ قول کس دلیل سے کہا ہے دیکھو، عقد الجید و فتح المبین،

---

تو اللہ کی پاکیزگی بیان کرے، تعریف کی آیت ہو، تو اللہ کی تعریف کرے، علیٰ ہذا القیاس۔

لہ جب تسبیح کی آیت سے گذرے تو تسبیح بیان کرے، جب سوال کا ذکر ہو، تو سوال کرے، اور جب تعوذ سے گذرے تو پناہ مانگے، نماز میں قاری کے لئے یہ سب امور مستحب ہیں، اور ہم اسے امام، مقتدی، منفرد سب کے لئے مستحب جانتے ہیں

وغیرہ، جس کا مطلب یہ تھا، کہ دینیات میں عمل کا مدار میرے قول پر نہ رکھنا، بلکہ دلیل یعنی قرآن وحدیث پر رکھنا۔ اور آپ صاحبوں نے سارا مدار قول ہی پر رکھا، کہتے ہیں چونکہ ہم حنفی ہیں، اس لئے ہم یوں کرتے ہیں، چونکہ امام صاحب نے فلاں حکم دیا ہے، اس لئے ہم یوں کرتے ہیں، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ میرے جس قول کو حدیث کے خلاف دیکھو، اس کو چھوڑ دینا، آپ صاحب حدیث کی مخالفت کے وقت ان کے قول کو نہیں چھوڑتے ہیں، بلکہ حدیث کو چھوڑتے ہیں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تقلید کو مستحب بھی نہیں فرماتے، آپ صاحب اس کو فرض وواجب بتلاتے ہیں، پھر اس ضد اور عکس کا نام اتباع رکھنا سراسر زبردستی نہیں ہے، تو اور کیا ہے ؏
ببیں تفاوت رہ از کجا است تابکجا

سائل کا جواب مختصرًا یوں ہے۔ کہ ستر کو ہاتھ لگ جانے کے بارے میں دونوں طرف روایتیں موجود ہیں، یعنی بعض حدیثوں میں آیا ہے، کہ اس سے وضو ساقط ہو جاتا ہے، اور بعض میں آیا ہے، کہ ساقط نہیں ہوتا، اور دونوں قسم کی روایتیں اچھی ہیں، ہاں اتنی بات ہے، کہ وضو کے ساقط ہو جانے کے بیان والی حدیث چونکہ از روئے سند کے زیادہ قوی ہے، ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے اور امام اوزاعی، شافعی، احمد، اسحٰق، بخاری، ابوزرعہ، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، یحییٰ بن معین، بیہقی، حازمی وغیرہم حفاظ وائمہ رحمہم اللہ نے اس کو صحیح بتایا ہے، دیکھو ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۳ کتاب الوضو، اور دارقطنی صفحہ ۵۴، اور التلخیص الحبیر صفحہ ۴۴، اور نیل الاوطار صفحہ ۱۹۲ جلد اول وغیرہ اور دوسری جانب کی حدیث میں کسی قدر ضعف ہے، جیسا کہ دارقطنی اور اس کی شرح مغنی صفحہ ۵۴ میں اور تلخیص صفحہ ۴۶ وغیرہ میں ہے، کہ امام شافعی، ابو حاتم، ابوزرعہ، دارقطنی، بیہقی، ابن جوزی وغیرہم رحمہم اللہ نے اس کو ضعیف کہا ہے، دوسرے یہ کہ پہلی حدیث پر عمل کرنے میں احتیاط بھی ہے اس لئے اولیٰ اور افضل تو یہ بات ہے، کہ اگر ستر کو ہاتھ لگ جاوے، تو پھر وضو کرلے، اور اگر نہ کرے، تو بوجہ دوسری حدیث کے جائز اور معاف ہے، کچھ جائے اعتراض نہیں ہے۔

اور نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں یہ بات ہے، کہ زیر ناف کی حدیثوں کو امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے لیکن دونوں صاحبوں نے ان کو ضعیف بھی بتایا ہے، اس بارے میں ایسی حدیث ایک بھی نہیں آئی ہے، کہ مرفوع بھی ہو، اور صحیح بھی ہو، اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور اس کو صحیح بھی بتایا ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے قبیصہ بن ہلب سے اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے، کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے، اور یہ حدیث حسن ہے، اور حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ نے فرمایا ہے، کہ آیت فصل لربك وانحر نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں آئی ہے، دیکھو دار قطنی اور اس کی شرح مغنی صفحہ ۱۰۶، اور بیہقی اور حاکم نے بھی کہا ہے، کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے، اور بیہقی نے اس تفسیر کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کیا ہے، اور سندیں ان سب روایتوں کی محفوظ ہیں یعنے ان میں کچھ طعن نہیں ہے دیکھو نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۱۰۶، اور یہ ظاہر بات ہے، کہ نحر کا لفظ گردن کے قریب پر صادق آسکتا ہے، زیر ناف پر صادق نہیں آسکتا، اور گردن کے قریب تب ہی ہوں گے، جب کہ سینے پر باندھے جاویں، پس جب زیر ناف کی کوئی حدیث مرفوع اور صحیح نہیں آئی، اور فوق الصدر کی حدیثیں مرفوعہ صحیحہ موجود ہیں، اور تفسیر صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم سے بہ سند صحیح اس کی تائید ہوتی ہے، اور صحابہ بھی وہ جن کا علم وفضل مشہور ہے، تو اس صورت میں اولیٰ اور سنت ثابتہ تو یہی ہوا کہ سینہ پر ہاتھ باندھے جاویں، اور زیر ناف ہاتھ باندھنا ایسا ہوا، کہ خیر یوں بھی جائز ہے، اور چنداں جائے اعتراض نہیں، اس لئے کہ کچھ سند اس کی بھی ہے

اور قیام میں درمیان دونوں پاؤں کے چار یا چھ انگشت کا فاصلہ رکھنے کا حکم نہ کسی آیت میں ہے نہ کسی حدیث صحیح یا ضعیف میں اس کا بیان، حدیثوں میں تو یوں آیا ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعت کے وقت حکم فرمایا کرتے تھے، کہ خوب مل کر کھڑے ہو، اور ایک دوسرے کے درمیان فاصلہ اور فرجہ نہ چھوڑو، اس کی تعمیل صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم یوں کرتے تھے، کہ ایک نمازی اپنے پاؤں کو دوسرے نمازی سے ملا دیتا تھا، دیکھو صحیح بخاری کتاب الصلوۃ ابواب تسویۃ الصفوف صفحہ ۹۲ جلد ۱، اور یہ صورت یعنی ایک شخص کا قدم دوسرے شخص کے قدم سے ملنا تب ہی ہوگا، جب کہ ہر آدمی اپنے دونوں پاؤں کے درمیان کم از کم ایک بالشت کا فاصلہ رکھے، آسانی تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ رکھنے میں ہوتی ہے، مگر اقل مرتبہ اتنا ضروری ولابدی ہے، اور ایک بالشت اوسط درجہ بارہ انگشت کی ہوتی ہے، پس یہ حدیث صحیح صاف طور پر چار یا چھ انگشت کے فاصلہ کی تردید کرتی ہے، اب رہا وہ شخص جو اکیلا نماز پڑھے، سو اس کے واسطے کسی حد کا بیان کسی حدیث میں نہیں آیا، لہٰذا جس شخص کو جتنے فاصلہ میں آسانی معلوم ہو، اسی قدر فاصلہ رکھے

اور مقتدی کو الحمد پڑھنے کا مسئلہ طویل البحث ہے، اور اس کی بابت بے شمار کتب، اور رسائل تالیف ہو چکے ہیں، جن کا حصر واحاطہ نہیں ہو سکتا، میں اس موقع پر بہت مختصر بقدر کفایت

لکھے دیتا ہوں، وہ یہ ہے، کہ اگرچہ اس بارے میں علماء کے کئی مذہب ہیں، جیسا کہ تفسیر معالم وغیرہ میں تحت آیت واذا قرئ القرآن الخ میں مذکور ہے، لیکن سیدھی اور پکی بات یہ ہے، کہ بدوں الحمد کے نماز نہیں ہوتی، کیونکہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب یعنی جو شخص الحمد نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں ہوتی، یہ حدیث مشکوۃ باب القرارت فصل اول میں ہے اور متفق علیہ ہے، اور جو حدیث متفق علیہ ہوتی ہے، اس کا درجہ صحت اور قوت میں سب سے زیادہ ہے، دیکھو نخبۃ الفکر مطبوعہ نظامی صفحہ ۱۵ و ۱۶ وغیرہ، اور یہ بات ایسی مقبول و مضبوط ہے کہ تخمیناً گیارہ سو برس سے اہل سنت والجماعت کے لاکھوں علماء اتفاق واقرار کرتے چلے آئے ہیں معتبر اور مستند لوگوں میں سے کوئی اس کا مخالف نہیں ہوا ہے، جب کہ یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہوئی، تو پھر اس بات کا کھٹکا ہی نہیں رہا، کہ حدیث کیسی ہے، اور واجب العمل ہے یا نہیں ہے صرف یہ بات باقی رہی، کہ اس میں حکم کیا بیان ہوا ہے، سو حکم اس میں یہ بیان ہوا ہے، کہ جو شخص الحمد نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی، اس میں نہ کسی کی خصوصیت ہے، نہ کسی کا استثناء ہے پس ہر ایک نمازی کو ہر قسم کی نماز میں الحمد کا پڑھنا ضروری ہوا، یعنی وہ نمازی منفرد ہو، یا امام یا مقتدی یا مرد یا عورت، اور وہ نماز فرض ہو یا نفل، یا رات کی یا دن کی یا حضر کی یا سفر کی یا صحت کی یا مرض کی، یا جہری یا سری، اور ایسی صحیح اور عام اور جامع حدیث کے بعد اس بات کی ضرورت تو نہیں ہے، کہ مقتدی کی خصوصیت اور صراحت کے ساتھ الحمد پڑھنے کا حکم تلاش کیا جائے لیکن اتفاقاً ایسی حدیث بھی چونکہ موجود ہے، اس لئے وہ بھی پیش کرتا ہوں، عبادہ بن صامت سے روایت ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فجر کی نماز پڑھائی، اور آپ کو اپنی قرارت میں خلجان ہوا، نماز کے بعد آپ نے مقتدیوں سے پوچھا، کہ تم امام کے ساتھ قرارت پڑھتے ہو، انہوں نے عرض کیا، کہ ہاں یا رسول اللہ ہم جلدی جلدی پڑھتے جاتے ہیں، آپ نے فرمایا، کہ کچھ مت پڑھا کرو، صرف الحمد پڑھ لیا کرو، کیوں کہ اس کے بدوں نماز نہیں ہوتی، یہ حدیث دارقطنی مطبوعہ فاروقی صفحہ ۱۲۰ میں ہے، دارقطنی نے کہا ہے، کہ یہ حدیث حسن ہے، اور دوسرے صفحہ میں اس مضمون کی حدیث کو کہا ہے کہ ابوداؤد میں بھی اسی سند سے آئی ہے جس کے راوی ثقہ ہیں، اور ترمذی میں بھی ہے، اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں، خطابی نے کہا ہے، کہ سند اس حدیث کی جید ہے، اس میں کوئی راوی ایسا نہیں، جس پر طعن ہو سکے، حاکم نے کہا، کہ سند اس حدیث کی ٹھیک اور ثابت ہے تخریج ہدایہ مطبوعہ فاروقی صفحہ ۹۴۔ اور امام بخاری نے کہا، کہ یہ حدیث صحیح ہے، دیکھو جزء القراءۃ فاروقی صفحہ ۳۲

وغیرہ، ابن حبان اور حاکم اور بیہقی نے بھی کہا ہے، کہ حدیث قرات خلف الامام کی صحیح ہے، دیکھو التلخیص الحبیر مطبوعہ انصاری صفحہ ۸۷۔

بعض حضرات ان حدیثوں میں کچھ جرح کرتے ہیں، مگر محققین نے جوابات شافی سے ان جرحوں کو بخوبی اٹھا دیا ہے، اگر زیادہ نہیں، تو جس کا جی چاہے، وہ رسالہ تعلیم المبتدی مؤلفہ مولوی محمد سعید صاحب بنارسی ہی کو مطالعہ کر کے اس بات کی جانچ کر لے، مجھ کو اس موقع پر اتنا ہی کہدینا کافی ہے، کہ یہ حفاظ وائمہ حدیث جن کا میں نے اس جگہ حوالہ دیا ہے، دنیا میں ایسا کون ہے، جس کی بات اس جماعت کی بات کو باطل اور بے کار کر سکے، ایک اکیلے بخاری علیہ الرحمۃ ہی کو اللہ پاک نے اس فن میں وہ مرتبہ عطا فرمایا ہے، کہ ان کی مخالفت لوہے کے چنے چبانے ہیں، اور جب کہ اور بھی کتنے ہی حفاظ وائمہ ان کے ساتھ ہوں، تو پھر اس بات کا ٹوٹنا کہاں، اور جب حدیث عام بھی موجود ہے، اور خاص بھی، اور دونوں صحیح بھی ہیں، اور دونوں میں صاف اور صریح لفظوں سے یہ بیان ہے، کہ جو کوئی الحمد نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی، تو اب کسی قسم کے نمازی کو کسی قسم کی نماز میں الحمد پڑھنے سے معافی یا ممانعت تب تک نہیں ہو سکتی، جب تک کہ کسی روایت میں یا کسی حدیث صحیح میں اس کا بیان نہ آوے، سو یہ لفظ کہ مقتدی الحمد نہ پڑھے، نہ کسی آیت میں آیا ہے، نہ کسی حدیث میں، جن حضرات کا یہ مذہب ہے، کہ مقتدی الحمد نہ پڑھے، انہوں نے جس قدر دلیلیں اپنے مذہب کی تائید میں پیش کی ہیں، ان میں کوئی آیت صریح یا حدیث صحیح صریح تو ہے ہی نہیں، کچھ کچھ تاویلیں کر کے سورہ اعراف کی آیت واذا قرئ القرآن الخ کو، اور ایک دو حدیث کو، اور بعض قول صحابہ رض کو اپنے دعوے پر منطبق کیا ہے، سو اول تو کسی تاویل کی یہ شان نہیں، کہ کسی تصریح کا مقابلہ کر سکے، چہ جائے کہ قرآن وحدیث کی تصریح وتاویل، کیوں کہ اس کی تصریح حکم ربانی ہے، اور اس کی تاویل رائے وقیاس انسانی، پھر بھلا وہ کہاں اور یہ کہاں، دوسری بات یہ ہے، کہ جواب دینے والوں نے بہت پر زور تقریروں سے ان تاویلوں کو اٹھا دیا ہے، سب کو تو کوئی کیا دیکھ سکتا ہے مگر جس کا جی چاہے، وہ پہلی کتابوں میں سے صرف رسالہ جزء القراۃ مؤلفہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کو اور پچھلی کتابوں میں سے رسالہ ہدایت المعتدی مؤلفہ مولوی عبد العزیز صاحب رحیم آبادی، اور تعلیم المبتدی مؤلفہ مولوی محمد سعید صاحب بنارسی کو غور وانصاف کی نظر سے مطالعہ کرے، انشاء اللہ تعالیٰ کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے گا، کچھ طول طویل کتابیں نہیں ہیں، مختصر رسالے ہیں، ان کی تمام سیر دو چار دن میں بہت آسانی اور اطمینان سے ہو سکتی ہے، ہدایت تو اللہ تعالےٰ

کے اختیار میں ہے، مگر تحقیق ماشاء اللہ ایسی ہو گئی ہے، کہ شاید و باید۔
اور آمین کے مسئلہ میں بھی یہ بات ہے، کہ جہر کی حدیثیں تو ایسی موجود ہیں، جو صحت کو پہنچ گئی ہیں، اور خفیہ آمین کی کوئی حدیث بھی ایسی موجود نہیں ہے، جو صحت کو پہنچ گئی ہو، چنانچہ ابوداؤد مطبوعہ قدیم شاہدرہ جلد اول صفحہ ۱۳۴ میں وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہ صلی خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجھر بآمین یعنی وہ بیان کرتے ہیں، کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین جہر سے کہی، نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۱۱۷ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ لفظ ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنی آواز سے آمین کہتے تھے، کہ پہلی صف میں سے قریب کے لوگ سن لیتے تھے اور ابن ماجہ کا یہ لفظ ہے، کہ پہلی صف والے سن لیتے تھے، اور آمین کی آواز سے مسجد میں گونج ہو جاتی تھی، اس حدیث کے بعض راوی ضعیف ہیں، لیکن ایسا راوی ایک بھی نہیں ہے، کہ اس کے ضعف پر سب محدثین کا اتفاق ہو، دیکھو کتب اسماء الرجال، اور دارقطنی نے بھی آمین بالجہر کی حدیث کو روایت کیا ہے، اور کہا کہ سند اس کی حسن ہے، اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے، اور کہا ہے سند اس کی صحیح ہے، اور بر شرط بخاری و مسلم کے، اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے، اور کہا کہ حسن صحیح ہے، دیکھو سبل السلام شرح بلوغ المرام مطبوعہ فاروقی جلد اول صفحہ ۱۰۸، اور نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۱۱۷ و التلخیص الحبیر صفحہ ۸۹ وغیرہ، اور صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۹۸ میں عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، کہ ابن زبیر وغیرہ سرداروں اور اماموں کا مکہ معظمہ میں یہ طریق دیکھا ہے، کہ امام اور مقتدی زور سے آمین کہا کرتے تھے، جس سے مسجد حرم گونج جاتی تھی، اور آہستہ آمین کہنے کی ایک حدیث بھی ایسی نہیں آئی جس کو حفاظ اور ائمہ حدیث نے صحیح کہا ہو، اس لئے مولانا بحر العلوم حنفی لکھنوی نے اپنی کتاب ارکان مطبوعہ علوی صفحہ ۷۶ میں لکھا ہے، کہ آہستہ آمین کہنے کے بارے میں سوائے ایک حدیث ضعیف کے کوئی روایت نہیں آئی، اور جب یہ صورت ہے، کہ جہر کی روایتیں صحیح سند سے موجود ہیں اور آہستہ کی کوئی روایت صحیح نہیں، تو والے اور افضل تو یہی ہوا، کہ آمین جہر سے کہی جاوے، اور اگر کوئی آہستہ بھی کہہ لے، تو خیر اس پر کچھ اعتراض نہ کیا جاوے، اس موقع میں یوں کہنا ٹھیک نہیں ہے، کہ جس کا جی چاہے جہر سے کہے، جس کا جی چاہے آہستہ کہے کیونکہ یہ ایسے موقع پر ہو سکتا ہے، جہاں دونوں طرف کی روایتیں ایک درجہ کی ہوں، یا بہت تھوڑی کمی بیشی ہو، ہاں اگر

کوئی حدیث آہستہ آمین کہنے کی صحیح سند سے موجود ہو، اور میں نے اس کو ظاہر نہیں کیا ہو، تو جن صاحب کے پاس ہو، وہ پیش کریں،

اور تشہد میں بیٹھنے کی یوں بات ہے، کہ دونوں طرف کی حدیثیں صحیح ہیں، یعنی وہ حدیثیں بھی جن میں یہ تصریح نہیں، کہ آخر کے قعدے میں تورک کرتے تھے، بلکہ مطلقاً یہ بیان ہے، کہ قعدے میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے تھے، اور جس حدیث میں یہ تصریح ہے، کہ پہلے قعدے میں پاؤں پر بیٹھتے تھے، اور آخر کے قعدے میں تورک کرتے، وہ بھی صحیح سندوں سے آئی ہیں، لہٰذا نمازی کو اختیار ہے، چاہے پاؤں پر بیٹھے، چاہے تورک کرے، ہاں تورک کے بیان والی حدیث چونکہ اول تو مقید ہے، اور عدم تورک کی مطلق، اور مطلق کا مقید پر محمول کرنا واجب ہے دوسرے از روئے سند کے بھی اعلےٰ ہے، اس لئے تورک کو ترجیح ہے، دیکھو نیل الاوطار صفحہ ۱۶۸۔

اور رفع یدین کی بات یوں ہے، کہ تکبیر تحریمہ میں اور رکوع میں جاتے ہوئے، اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متفق علیہ حدیث سے ثابت ہے لفظ یہ ہیں۔ عنؓ ابن عمر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوٰة واذا کبر للرکوع واذا رفع رأسہ من الرکوع متفق علیہ سبل السلام مطبوعہ فاروقی جلد اول صفحہ ۱۰۲، اور یہ بات پہلے الحمد کے مسئلہ میں بیان ہو چکی ہے، کہ متفق علیہ حدیث کا درجہ صحت و قوت میں سب سے اعلیٰ ہے، اسی لئے علی بن المدینی نے کہا ہے، کہ رفع الیدین کی حدیث سب کے اوپر حجت ہے، کیونکہ اس کی سند میں کسی کو کوئی موقع کسی طرح کے عذر کا نہیں ہے، دیکھو تلخیص صفحہ ۸۱۔ اور رفع الیدین کی حدیث صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت سے بیہقی میں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دار قطنی میں، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد میں، اور عبداللہ بن زبیر و عبداللہ بن عباس، و ابوموسیٰ اشعری و براء بن عازب رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے دار قطنی و نسائی و ابن ماجہ و بیہقی وغیرہ میں آئی ہیں، دیکھو تلخیص صفحہ ۸۲۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ترمذی جلد دوم، کتاب الدعوات صفحہ ۱۹۹ میں آئی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے

---

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تھے، تو اپنے ہاتھوں کو کندھے کے برابر تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع جانے کے لئے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو بھی کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے

ہیں، کہ جس قدر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین رفع الیدین کی حدیث کے راوی ہیں، غالباً کسی حدیث کے اتنے راوی نہ ہوں گے، ابن منذر نے کہا ہے، کہ اہل علم نے اس بات میں اختلاف نہیں کیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین کیا کرتے تھے، امام مجلدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے، کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے سترہ شخص سے رفع الیدین کی روایت آئی ہے، بیہقی نے تیس کی شمار کی ہے، حاکم نے کہا ہے، کہ اس روایت پر عشرہ مبشرہ کا اور دیگر بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا اتفاق ہوا ہے، اور بخاری نے بیان کیا ہے، کہ حسن بصری اور حمید بن ہلال نے کہا ہے، کہ تھے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین کرتے، ان میں سے کسی کو بھی مستثنے نہیں رکھا، بخاری کہتے ہیں، کہ کسی صحابی کی بابت یہ ثبوت نہیں ہوتا کہ وہ رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے، اور بیہقی نے اس حدیث میں یہ لفظ بھی روایت کیا ہے، کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ وفات تک اسی طور نماز پڑھتے رہے، یہ سب بیان تلخیص صفحہ ۸۱ و صفحہ ۸۲ و نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۶۸ میں ہے۔

آپ صاحبوں نے جو فرمایا کہ جب روایت عدم رفع الخ اس کا تو حال یہ ہے، کہ عدم رفع میں بہت اعلیٰ درجہ کی روایت ترمذی والی ہے، جس کو امام ترمذی نے حسن بھی کہا ہے، سو اس کا مقابلہ ایک تو یہ ہے، کہ خود ترمذی نے اسی باب میں عبداللہ بن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ رفع الیدین کی حدیث ثابت ہے، اور عبداللہ بن مسعود رضہ والی حدیث عدم رفع یدین کی ثابت نہیں ہوئی، پھر ترمذی نے اس پر کچھ کلام نہیں کیا، دیکھو ترمذی جلد اول صفحہ ۳۶، دوسرے یہ کہ ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے، کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد یحییٰ بن آدم اور بخاری، اور ابوداؤد، اور دارقطنی اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہم نے بھی اس کو ضعیف اور غیر ثابت کہا ہے، دیکھو تلخیص صفحہ ۸۳۔ پس ایک دو امام کا قول اتنے اماموں کے مقابلے میں، اور وہ بھی ایسے جو ترمذی کے استادوں کے استاد ہیں مستند نہیں ہو سکتا، اور دوسری روایت محمد بن جابر کی سند سے ہے، سو اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، کہ کوئی شئے نہیں ہے اور ابن جوزی نے کہا کہ موضوع ہے، دیکھو تلخیص صفحہ ۸۳۔ غرض عدم رفع کی کوئی حدیث ایسی نہیں ہے، جس کو دو چار حفاظ وائمہ حدیث نے بھی صحیح کہا ہو، اور دوسروں نے اس پر جرح نہ کی ہو، اور جب یہ حال ہے، تو سنت یہی ہوا کہ رفع الیدین کیا جاوے، اور اگر کوئی نہ کرے، تو بوجہ دوسری جانب کی روایات ضعیف کے اس پر کچھ اعتراض نہ کیا جاوے،

اور یہ جو آپ نے فرمایا، کہ حسب روایات نسخ کے سو نسخ کی یہ بات ہے، کہ معتمد و مستند حفاظ و ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس رفع الیدین کی حدیث کو منسوخ نہیں کہا ہے، اور جس حدیث کو حنفی صاحب اس کا ناسخ بتلاتے ہیں، وہ التحیات کے بعد سلام کے بارے میں ہے اس کو اس کے نسخ سے کچھ تعلق نہیں ہے، جیسا کہ محمد بن اسمٰعیل امیر نے، اور امام نووی نے اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے، دیکھو سبل السلام جلد اول صفحہ ۱۰۴، صحیح مسلم مع نووی جلد اول صفحہ ۱۸۱ اور تلخیص صفحہ ۸۲، اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے، کہ جو لوگ اس رفع الیدین کو حدیث مسلم مالی اراکم رافعی ایدیکم الخ سے منسوخ بتلاتے ہیں، ان کو علم کا کوئی حصہ نصیب نہیں ہوا ہے کیونکہ تمام اہل علم کا اتفاق ہے، کہ وہ حدیث تشہد کے بعد سلام پھیرنے کے بارے میں ہے دیکھو تلخیص صفحہ ۸۳۔

اور جمعہ کے دن خطبہ ہوتے وقت تحیۃ المسجد وغیرہ پڑھنے کی یہ بات ہے، کہ حدیث متفق علیہ میں یہ بیان موجود ہے، کہ ایک جمعہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے ایک شخص آیا، اور بیٹھ گیا، آپ نے پوچھا، کہ تم نے کچھ نماز پڑھ لی ہے، انہوں نے عرض کیا، کہ نہیں آپ نے فرمایا، کہ اٹھو، اور دو رکعتیں پڑھ لو، دیکھو سبل السلام جلد اول صفحہ ۱۶۲، اس حدیث سے اور اس بیان والی اور حدیثوں سے اکثر محدثین نے مراد یہ لی ہے، کہ یہ تحیۃ المسجد تھی لیکن کسی حدیث میں تحیۃ المسجد کا لفظ صراحۃً نہیں آیا ہے، اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ لفظ ہے اصلیت رکعتین قبل ان تجیٔ یعنی آنے سے پہلے تو نے دو رکعت پڑھ لی ہیں، یا نہیں، اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے، کہ قبل از جمعہ کے سنتیں مراد ہیں، تحیۃ المسجد مراد نہیں، کیونکہ تحیۃ المسجد کا موقع آنے کے بعد ہوا کرتا ہے، آنے سے پہلے نہیں ہوتا، اور سند اس حدیث کی صحیح ہے، اور ابن تیمیہ نے یہی مطلب اس حدیث کا بیان کیا ہے، دیکھو نیل الاوطار جلد سوم صفحہ ۱۳۶، مگر میں اس بحث سے قطع نظر کر کے یوں کہتا ہوں، کہ خواہ سنت قبل از جمعہ سمجھو، خواہ تحیۃ المسجد سمجھو، جب ان کا پڑھوانا حالت خطبہ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیث سے ثابت ہے، جو اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور بعض حضرات جو یوں بیان کرتے ہیں، کہ جتنی دیر میں اس آنے والے نے دو رکعت پڑھیں، آپ خطبہ سے خاموش رہے، وہ محض ضعیف ہے، دیکھو نیل الاوطار جلد سوم صفحہ ۱۳۲۔

---

ك مجھے کیا ہے، کہ تم کو ہاتھ اٹھاتے دیکھتا ہوں، الحدیث۔

اور وتر کی بات یوں ہے، کہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت وتر پڑھنے کا حکم بھی دیا ہے، اور خود بھی پڑھا ہے، دیکھو نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۲۷۶ و ۲۷۹۔ اور تین رکعت بھی وتر پڑھے ہیں لیکن دو تشہد نہیں کئے، صرف ایک تشہد آخر میں کیا ہے اور پانچ اور سات اور نو رکعت بھی وتر پڑھے، دیکھو نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۲۸۲، اور دار قطنی مع شرح صفحہ ۱۷۱ و ۱۷۲ وغیرہ پس خلاصہ مطلب اور لب لباب وتر کی بحث کا یہ ہے، کہ جس کا جی چاہے ایک رکعت وتر پڑھے، چاہے تین رکعت پڑھے، چاہے پانچ رکعت پڑھے چاہے سات رکعت پڑھے، چاہے نو رکعت پڑھے، سب طرح سنت ہے اور ایک اور تین اور پانچ رکعت میں ایک تشہد کرے، اور سات اور نو میں دو دو تشہد کرے، اور کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح پڑھتا ہے، ان میں سے کسی خاص عدد کو مثلاً ایک کو یا تین کو ہمیشہ لازم کر لینا اور دوسرے عدد کو ہمیشہ چھوڑے رکھنا خلاف سنت ہے، اور تین رکعت وتر میں دو تشہد کرنا بھی خلاف سنت ہے، کیونکہ کوئی حدیث صحیح بلکہ کوئی قول یا فعل صحابہ رضوان اللہ علیہم سے بسند صحیح ایسا نہیں ہے، جس میں صریح دو قعدے یا دو تشہد کا لفظ موجود ہو، اگر کوئی صاحب لا سکتے ہوں، تو ضرور لا دیں، اور دکھلائیں، اور صحیح سند سے اور صریح لفظوں سے ہوگی، تو انشاء اللہ تعالے بسر و چشم قبول ہے، اور اگر نہ ہووے، اور فی الحقیقت نہیں ہے، تو سنت کے خلاف ہونے میں کیا کلام ہے۔

اور فجر کی سنتوں کو جماعت فرض کے ہوتے ہوئے پڑھنے کی بات یوں ہے، کہ فرض کی جماعت ہوتے ہوئے سوائے اس فرض کے کوئی نماز پڑھنی جائز نہیں ہے خواہ سنت فجر ہو، خواہ کوئی اور نماز ہو، اور کسی وقت کے فرض کی نماز ہو، سب کا ایک ہی حکم ہے، اس لئے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ ترمذی مطبوعہ احمدی جلد اول صفحہ ۵۹ یعنی جب کسی فرض نماز کی تکبیر ہو جاوے، تو پھر سوائے اس فرض نماز کے اور کوئی نماز نہیں ہے اس میں ہر قسم کے نمازی کی نماز آگئی، اور یہ حدیث صحیح ہے، بخاری نے اس کو ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس حدیث کو مسلم اور ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے، دیکھو فتح الباری پارہ سوم صفحہ ۳۶۸، اور فتح الباری کے اسی پارہ، صفحہ ۳۶۹ میں ہے، کہ حضرت ابن عباس رضہ نے بیان کیا، کہ میں سنتیں پڑھ رہا تھا پھر تکبیر شروع ہوئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھینچ لیا، اور فرمایا، کہ صبح کی چار رکعتیں پڑھے گا،

اس حدیث کو ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہ نے روایت کیا ہے پس جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم بھی فرما دیا، کہ فرض کی تکبیر ہو جانے کے بعد سوائے اس فرض کے اور کوئی نماز نہیں، اور خاص فجر کی جماعت کے شروع ہونے پر سنتیں پڑھتے ہوئے خود نیت توڑوا دی، تو پکی بات اور سنت کا چلن یہی ہوا، کہ فرض کی تکبیر ہو جانے کے بعد سنتوں کی نیت نہ کرے، فجر ہو یا کوئی اور نماز ہو اور اگر پہلے سے سنتیں پڑھ رہا ہے، تو جس وقت فرض کے واسطے تکبیر ہو سنتوں کی نیت توڑ دے، اور جماعت میں شریک ہو جائے، حدیث صحیح سے کسی مسئلہ کے ثابت ہونے کے بعد یہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کہ اس بارے میں علماء کیا کہتے ہیں، جب کہ بڑے بڑے مجتہدین یوں کہہ گئے، کہ حدیث کے مقابلے میں ہمارے قول کو چھوڑ دینا، پھر دوسرے علماء کس شمار میں ہیں، ہاں کوئی شخص مسجد سے علیحدہ کسی مکان پر سنتیں پڑھتا ہے اور مسجد میں فرض کی جماعت شروع ہو گئی ہے، تو یہ دوسری بات ہے، اس پر کچھ گرفت نہیں ہے

اب باقی رہا آپ صاحبوں کا یہ فرمانا، کہ ان سب صورتوں میں ہم لوگ زمرہ عاملین سنت میں سے ہیں یا نہیں، سو حضرت نام کے لئے تو مسلمانوں کے جتنے فرقے ہیں حتی کہ روافض اور خوارج بھی عاملین سنت کے زمرہ میں ہیں، کیونکہ (ودی) زبانی ہر فرقہ کا یہی ہے، کہ ہمارا مذہب قرآن و حدیث سے نکلا ہے، مگر حقیقت اور اصلیت کی طرف اگر دھیان کرو تو عامل بالسنت وہی ہو سکتا ہے، جس نے کسی خاص مذہب یا خاص مجتہد کی تقلید کو لازم و واجب نہیں کر لیا محض قرآن و حدیث ہی اپنے عمل کا مدار رکھتا ہے، جو مسئلہ تحقیقات کے ذریعوں میں سے کسی ذریعہ سے تحقیق ہو گیا، اسی کو عمل میں لایا خواہ کسی مجتہد نے اس کو لیا ہو یا نہ لیا ہو اور جن حضرات نے کسی کی تقلید کو لازم و واجب مان لیا ہے، انہوں نے تو گویا یہ عہد کر لیا ہے، کہ جس حدیث کو خاص فلاں مجتہد نے قبول کیا ہوگا، ہم بھی قبول کریں گے، اگر اس نے قبول نہ کیا ہو گا ہم بھی قبول نہ کریں گے، چنانچہ کوئی شخص مقلد اسی وقت کہلاتا ہے، جب تک کہ وہ اپنے مذہب کے خلاف حدیث پر عمل نہیں کرتا، جہاں خلاف مذہب حدیث پر عمل کیا، لامذہب کہلایا، اور یہ بات خوب عیاں ہے، کہ تمام مذاہب مشہورہ مسلمانان میں سے اس امر سے خالی کوئی مذہب بھی نہیں، کہ تھوڑی بہت حدیثیں اس سے باہر نہ رہ گئی ہوں، پس کسی مذہب معین کی تقلید واجب جاننے کو بعض حدیث کا انکار یا ترک لازم ہوا، پھر جب ترک حدیث میں مذہب کی حفاظت ٹھہری تو متبع سنت کے زمرہ میں ہونا کہاں، ان کو تو ایک سخت وعید کا

سامنا ہوگیا، یعنی فرمایا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تارک سنت پر میری بھی لعنت ہے، اور اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہے، دیکھو مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر صفحہ ۱۶، اللہم احفظنا، اللہم احفظنا آمین۔

یہاں پر اگر کسی کو یہ خدشہ گذرے کہ جب مجتہدوں نے بعض بعض حدیث کو چھوڑ دیا تو اس وعید ترک سنت میں وہ بھی شامل ہوئے، تو جواب اس کا یہ ہے، کہ استغفر اللہ استغفر اللہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کسی حدیث کو جان بوجھ کر کیوں چھوڑنے لگے تھے، بلکہ یوں بات ہے کہ ان کے زمانوں میں چونکہ لکھنے پڑھنے کا چرچا کم تھا تو سب حدیثیں کتابوں میں جمع نہیں ہوئی تھیں ہزاروں حدیثوں کا مدار راویوں کی یادداشت پر تھا، اور سارے ملکوں اور شہروں میں متفرق تھے تو ایسی صورت میں سب حدیثوں کا ہر ایک مجتہد کو مل جانا ممکن نہیں تھا اس لئے جو حدیث ان کو نہیں ملی اور اگر ملی تو ایسی سند سے نہ ملی، جس پر اطمینان ہوتا وہ حدیث ان کے مذہب سے باہر رہ گئی، حضرات مجتہدین رحمہم اللہ کو بعض حدیث کا نہ ملنا کیا بعید ہے، جب کہ بڑے بڑے اجلہ صحابی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو بعض بعض حدیث کا نہ ملنا کتابوں میں مذکور ہے، اور نہیں تو ازالۃ الخفا ہی کی سیر کرلیں، کہ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے ایک فہرست لکھی ہے، کہ فلاں فلاں حدیث فلاں فلاں صحابہ رض کو نہ ملی تھی، پس مجتہدین رحمہم اللہ اس بارے میں معاف اور معذور ہیں، بایں ہمہ بطور مزید احتیاط ان سب نے یہ وصیتیں کی ہیں، کہ جب کوئی حدیث صحیح ہمارے قول کے خلاف پاؤ، تو اس حدیث کو لے لینا، اور ہمارے قول کو چھوڑ دینا، اور پچھلے زمانوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج زیادہ ہوگیا، یہاں تک کہ تمام حدیثیں ضبط تحریر میں آگئیں، اور ان کی سندوں کی بھی کامل طور پر جانچ پڑتال ہوکر سب باتیں کتابوں میں درج ہوگئیں، جس سے ہر ایک شخص کو سب حدیثوں کا پڑھنا سننا اور حال معلوم کرنا آسان ہوگیا، لہٰذا پچھلے لوگ کسی حدیث کے چھوڑنے میں کسی عذر وحیلہ سے معاف و معذور نہیں ہوسکتے۔ حررہ حمید اللہ عفی عنہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

سید محمد نذیر حسین

**سوال:** آمین بالجہر امام و ماموم و منفرد کے لئے صلوٰۃ جہریہ میں کہنا احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ سے ثابت ہے یا نہیں، اور اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** آمین بالجہر کہنا حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ عن ابی ھریرۃ رض قال کان رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من قراءۃ القرآن رفع صوتہ وقال آمین رواہ الدارقطنی و حسنہ والحاکم وصححہ کذا فی بلوغ المرام۔ عن[۲] وائل بن حجر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین وقال آمین ومد بہا صوتہ رواہ الترمذی۔ پس ان دونوں حدیثوں سے آمین بالجہر کہنا امام کا ثابت ہوا لیکن منفرد بعض حکم منفرد اور امام کا ہر چیز میں واحد ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے پس جب کہ ثابت ہوا واسطے امام کے ثابت ہوا واسطے منفرد کے، باقی رہا حکم مقتدی کا، پس لکھتا ہوں میں کہ مقتدی کا بھی آمین پکار کے کہنا حدیث مرفوع سے مستنبط ہے، اس واسطے کہ روایت ہے ابن عباس سے۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما حسدتکم الیہود علی شئی ما حسدتکم علی آمین فاکثروا من قول آمین رواہ ابن ماجہ یعنی فرمایا حضرت نے کہ نہیں حسد کیا یہود نے تم لوگوں کے ساتھ کسی فعل کے کرنے سے، جس قدر کہ حسد کرتے ہیں تم لوگوں سے آمین کہنے سے، پس بہت کثرت کرو آمین کہنے کی، اور ظاہر ہے کہ جب تک آمین بالجہر کہی نہ جاوے، اور کانوں تک یہود کے آواز اس کی نہ پہنچے، جب تک صورت حسد کی نہیں ہو سکتی، اور امام بخاری نے باب جہر الماموم بالتامین میں روایت کی ہے۔ عن[۳] ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین فانہ من وافق قولہ قول الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ رواہ البخاری۔ پس لفظ قولوا سے جہر قول بالتامین مراد ہے اور مؤید اس کے ہے عمل حضرت ابوہریرہ کا، کہ روایت کیا اس کو شیخ بدرالدین عینی نے کتاب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں بیہقی سے۔ وکان[۴] ابوہریرۃ مؤذنا لمروان فاشترط ان لا یسبقہ بالضالین حتی یعلم انہ قد دخل فی الصف فکان اذا قال مروان ولا الضالین

---

[۱] حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قرات فاتحہ سے فارغ ہوتے، تو بلند آواز سے آمین کہتے۔ [۲] وائل بن حجر کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو میں نے خود سنا کہ آپ نے بلند آواز سے آمین کہی۔

[۳] حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے متحد ہو جائے گی، اس کے پہلے گناہ بخش دیے جائیں گے

[۴] حضرت ابوہریرہ رضی مروان کے مؤذن تھے، آپ نے اس سے شرط کر لی تھی، کہ مروان اس وقت تک

قال ابوہریرۃ امین یمد بہا صوتہ وقال اذا وافق تامین اہل الارض تامین اہل السماء غفر لہ رواہ البیہقی کذا فی العینی۔ اور امام ترمذی بعد روایت حدیث وائل بن حجر رض کے فرماتے ہیں۔ قال ابو عیسی حدیث وائل بن حجر رض حدیث حسن وبہ یقول غیر واحد من اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین ومن بعدہم یرون ان یرفع الرجل صوتہ بالتامین ولا یخفیہا وبہ یقول الشافعی واحمد واسحق انتہی۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق

سید محمد نذیر حسین

**سوال**۔ ایک شخص آمین جہر سے کہتا ہے اور امام نماز مغرب میں سورہ فاتحہ غیر المغضوب تک جہر سے کہہ کر قرات کو اخفا کرکے دوسری سورت شروع کردے اس غرض سے کہ مقتدی آمین جہر سے نہ کہنے پاوے اس امام کو کیا کہنا چاہیے اور نماز اس کے پیچھے پڑھنا درست ہے یا نہیں، کیونکہ سنت کو حقیر سمجھتا ہے۔

**الجواب**:- آمین بالجہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت ہے، پس اس سنت کو حقیر اور برا سمجھنا اور اس سے چڑھنا اور ضد رکھنا مسلمان کا کام نہیں ہے بلکہ یہود کا کام ہے اور پھر اس چڑھ اور ضد کی بنا پر اس غرض سے کہ مقتدی جہر سے آمین نہ کہنے پاوے، نماز مغرب میں سورہ فاتحہ کو غیر المغضوب علیہم تک تو جہر سے پڑھنا اور والضالین کو اخفا کرکے دوسری سورت شروع کر دینا بڑا گناہ ہے، ایسے امام کو نماز کے اندر اس نیت سے ایسی حرکت کرنے سے توبہ کرنا لازم ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو حقیر سمجھنے اور اس سے چڑھنے میں ایمان کی خیر نہیں ہے، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے من رغب عن سنتی فلیس منی یعنی جو شخص میری سنت سے روگردانی کرے اور نفرت رکھے وہ مجھ سے نہیں، ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہو جاوے گی، مگر ایسے امام کو قصداً امام نہیں بنانا

---

ولا الضالین نہ پڑھے گا، جب تک کہ ابوہریرہ صف میں شامل نہ ہولیں گے، جب مروان ولا الضالین کہتا تو حضرت ابوہریرہ اونچی آواز سے آمین کہتے، اور فرماتے جب زمین والوں کی آمین آسمان والوں کی آمین سے مل جاتی ہے تو ان کو بخش دیا جاتا ہے ۔ سلے امام ترمذی کہتے ہیں: وائل بن حجر کی حدیث حسن ہے، بہت سے اہل علم صحابہ، تابعین اور بعد کے لوگوں کا یہی ارشاد تھا کہ آدمی بلند آواز سے آمین کہے، آہستہ نہ کہے، امام شافعی احمد بن حنبل اور اسحاق وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔

چاہیئے۔ حررہ محمد علی فیروز پوری
سید محمد نذیر حسین

**سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آمین بالجہر خاص مقتدیوں کے واسطے بالفاظ صریح غیر محتمل المعنیین آیا کسی حدیث صحیح مرفوع متصل الاسناد سے ثابت ہے یا نہیں اور امام پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، اس لئے کہ امام بہت سی چیزوں کو بالجہر کہتا ہے مثلاً تکبیر و قرأت و سلام وغیرہ آیا کسی حدیث سے یہ بات ثابت ہے یا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کسی مقتدی نے آمین بالجہر کہی ہے یا نہیں

سوال دوم۔ آمین بالجہر علی الخصوص نماز جہری میں کیوں خاص کی گئی ہے آیا کسی حدیث صحیح مرفوع سے تخصیص صلوٰۃ جہری و نفی صلوٰۃ سری کی بصراحت تمام وارد ہے یا نہیں اگر وارد ہے، تو براہ مہربانی دونوں سوالوں کا جواب حدیث مرفوع متصل الاسناد سے مع رواۃ و اسامی کتب کے تحریر فرمایا جاوے، بدرجہ تنزل میں اس کی بھی اجازت دیتا ہوں، کہ حدیث حسن یا ضعیف قابل عمل ہی سے لکھا جاوے، واضح رہے، کہ آثار صحابہ سے استدلال نہیں چاہتا ہوں۔

**الجواب**۔ ہاں آمین بالجہر خاص مقتدیوں کے واسطے بالفاظ صریح غیر محتمل المعنیین ایسی حدیث صحیح، مرفوع متصل الاسناد سے ثابت ہے جس کی صحت پر تمام علمائے اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے یعنی حدیث متفق علیہ سے ثابت ہے، وہ حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا امين فانه من وافق قوله قول الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه[1] اخرجه البخاري ومسلم واللفظ للبخاري۔ اس حدیث میں لفظ فقولوا کا مصدر قول ہے جو متضمن معنیین یا معانی چند کا ہرگز نہیں ہے، کیونکہ قول کے معنی لغت میں صرف گفتن کے ہیں پس معلوم ہوا کہ لفظ قولوا مشترک نہیں ہے اور جب مشترک نہیں ٹھہرا تو محتمل معنیین کا نہیں ہوسکتا، غایت مافی الباب لفظ قول چونکہ مطلق ہے اس وجہ سے اس کے افراد نکلیں گے اور کم از کم اس کے دو فرد نکلیں گے، قول بالجہر و قول بالسر پس اس حدیث متفق علیہ سے جو مرفوع متصل الاسناد در نہایت صحیح ہے آمین بالجہر مقتدیوں کے واسطے بالفاظ صریح غیر محتمل

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے، تو تم آمین کہا کرو، جس کا قول فرشتوں کے موافق ہوجانے گا اس کے پچھلے گناہ بخشے جائیں گے۔

المغلبین ثابت ہوا، اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مقتدی آمین بالجہر کہتے تھے، کیونکہ لفظ قولوا کے اصل مخاطب صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، جو آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، اور آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے جان سے حاضر رہتے تھے، اگر تم یہ کہو، کہ جب قول مطلق ہے، اور اس کے دو فرد ہیں، قول بالجہر و قول بالسر، تو اس حدیث سے جیسے مقتدیوں کے لئے آمین بالجہر کہنا صراحۃً ثابت ہوتا ہے، اسی طرح ان کے لئے آمین بالسر کہنا بھی صراحۃً ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں لفظ قولوا مطلق واقع ہے اور بالجہر یا بالسر کی قید نہیں ہے، تو جواب اس کا یہ ہے، کہ جب لفظ مطلق علی الاطلاق بلا کسی قید کے استعمال کیا جاتا ہے، تو اس مطلق سے اس کا فرد کامل مراد ہوتا ہے، اور فرد ناقص مراد نہیں ہوتا ہے، اور یہ قاعدہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک بھی مسلم ہے، علامہ صدر الشریعت توضیح میں تحریر فرماتے ہیں۔ لانّ[1] المطلق لایتناول رقبۃ وھو فائت جلس المنفعۃ وھذا ما قال علماؤنا ان المطلق ینصرف الی الکامل (انتہی) اور علامہ محب اللہ البہاری مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں۔ فانتقال[2] الذھن من المطلق الی الکامل ظاھر انتہی اور ملا جیون نور الانوار میں لکھتے ہیں۔ وثانی[3] ھذا المقام ضابطتان احدھما ان المطلق یجری علی اطلاقہ والثانیۃ ان المطلق ینصرف الی الفرد الکامل فالاول فی حق الاوصاف کالایمان والکفر والثانی فی حق الذات کالزمانۃ والعمی انتہی مختصراً۔ ان تمام عبارات سے صاف ظاہر ہوا کہ جب مطلق کا استعمال بلا کسی قید کے ہوتا ہے، تو اس کا صرف وہی فرد مراد ہوتا ہے، جو کامل ہوتا ہے، اور بالکل ظاہر ہے، کہ مطلق قول کے دونوں فرد قول بالجہر و قول بالسر میں سے قول بالجہر ہی فرد کامل ہے، اور مطلق قول سے اسی قول بالجہر ہی کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے، بنا بر علیہ حدیث مذکور میں لفظ فقولوا آمین سے آمین بالجہر کا مراد ہونا متعین ہے، اور مطابق قاعدہ مذکورہ کے آمین بالسر مراد لینا جائز نہیں ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے، کہ عند الحنفیہ یہ قاعدہ مسلم ہو چکا ہے، کہ قول صحابی مطلق یا عام کا

---

[1] اس لئے کہ مطلق ایسے غلام کو شامل نہیں ہوگا جس میں نفع کی جنس مفقود ہو، ہمارے علماء نے کہا ہے، کہ مطلق فرد کامل کی طرف پھرتا ہے۔ [2] ذہن کا مطلق سے فرد کامل کی طرف پھرنا ظاہر بات ہے [3] ہمارے اس مقام میں دو قاعدے ہیں، ایک یہ کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے، اور دوسرا یہ کہ مطلق فرد کامل کی طرف پھرتا ہے، پس پہلا تو صفات کے حق میں ہے، جیسے ایمان اور کفر، اور دوسرا ذات کے حق میں ہے جیسے نابینا ہونا وغیرہ۔

مخصص ہوتا ہے، مسلم الثبوت میں ہے فعل[1] الصحابی العادل العالم مخصص عند الحنفیۃ و الحنابلۃ خلافا للشافعیۃ و المالکیۃ انتہی مختصرا اور اہل علم پر مخفی نہیں ہے، کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فعل آمین بالجہر ہی تھا، امام کے پیچھے صحابہ رض آمین بالجہر ہی کہا کرتے تھے، صحیح بخاری میں ہے امّن[2] ابن الزبیر و من ورائہ حتی ان للمسجد للجۃ وکان ابوھریرۃ ینادی الامام لا تفتنی بامین فتح الباری میں ہے وصلہ[3] عبد الرزاق عن ابن جریج عن عطاء قال قلت لہ اکان ابن الزبیر یؤمن علی اثر ام القرآن قال نعم و یؤمن من ورائہ حتی ان للمسجد للجۃ ثم قال انما امین دعاء قال وکان ابوھریرۃ یدخل المسجد وقد قام الامام فینادیہ فیقول لا تسبقنی بامین وروی البیہقی من وجہ اخر عن عطاء قال ادرکت مائتین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا المسجد اذا قال الامام ولا الضالین سمعت لھم رجۃ بامین۔ پس جب ثابت ہوا، کہ صحابہ رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے آمین بالجہر کہتے تھے، تو صحابہ کا یہ فعل مطابق قاعدہ مذکورہ حنفیہ کے حدیث مذکور میں لفظ فقولوا امین کا مخصص ہوگا یعنی اس سے صرف آمین بالجہر مراد ہوگی، اور انہی آثار صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہوا، کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آمین بالجہر کہتے تھے کیونکہ یہ بات غیر معقول ہے، کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آمین بالجہر نہ کہیں، اور ابن زبیر رض وغیرہ امام کے پیچھے آمین بالجہر کہیں، اور ہاں واضح رہے، کہ کسی صحابی سے آمین بالسر کہنا بسند صحیح ثابت نہیں ہے، اور بعض آثار جو آمین بالسر کے بارے میں منقول ہیں وہ ضعیف ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال دوم۔ احادیث سے صرف نماز جہری میں آمین بالجہر کہنا ثابت ہے اور

---

[1] عادل، عالم صحابی کا فعل حنفیوں اور حنبلیوں کے نزدیک حدیث مطلق کا مخصص ہے، برخلاف شافعیہ اور مالکیہ کے ۱۲　[2] ابن زبیر اور ان کے مقتدیوں نے آمین کہی تو مسجد گونج اٹھی حضرت ابوہریرہ امام کو آواز دیا کرتے تھے، کہ مجھے آمین کہہ لینے دینا ۱۲　[3] ابن جریج کہتے ہیں، کہ میں نے عطاء سے سوال کیا، کیا عبد اللہ بن زبیر رض آمین کہا کرتے تھے، کہا ہاں، آپ کے مقتدی بھی آمین کہتے تھے، تو مسجد گونج اٹھتی تھی، پھر فرمایا، کہ آمین دعا ہے اور فرمایا کہ ابوہریرہ مسجد میں آتے اور جماعت کھڑی ہو چکی ہوتی، تو امام کو آواز دیتے میری آمین ضائع نہ کرنا، عطاء کہتے ہیں کہ میں نے دو سو صحابہ رض کو اس مسجد میں اس حال میں دیکھا، کہ جب امام ولا الضالین کہتا تو ان کی آواز سے مسجد کانپ جاتی ۱۲

نماز سری میں آمین بالجہر کہنا ثابت نہیں ہے، اسی لئے آمین بالجہر نماز جہری کے ساتھ خاص کی گئی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، حررہ السید محمد عبد الحفیظ غفر لہ ولوالدیہ۔

سید محمد نذیر حسین

**ھو الموفق** بیشک حدیث متفق علیہ مذکور سے صاف اور صریح طور پر مقتدیوں کے واسطے آمین بالجہر ثابت ہے، امام بخاری نے مقتدی کے واسطے آمین بالجہر کے لئے باب بایں لفظ منعقد کیا ہے، باب جہر الماموم بالتامین، اور اس باب میں اسی ابوہریرہ کی حدیث مذکور کو ذکر کیا ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ قال الزین بن المنیر مناسبۃ الحدیث للترجمۃ من جہۃ ان فی الحدیث الامر بقول امین والقول اذا وقع بہ الخطاب مطلقا حمل علی الجہر ومتی ارید بہ الاسرار وحدیث النفس قید بذلک وقال ابن رشید تؤخذ المناسبۃ منہ من جہات منہا انہ قال اذا قال الامام فقولوا فقابل القول بالقول والامام انما قال ذلک جہرا فکان الظاہر الاتفاق فی الصفۃ ومنہا انہ قال فقولوا ولم یقیدہ بجہر ولا غیرہ وہو مطلق فی سیاق الاثبات وقد عمل بہ فی الجہر بدلیل ما تقدم یعنی فی مسئلۃ الامام والمطلق اذا عمل بہ فی صورۃ لم یکن حجۃ فی غیرہا بالاتفاق ومنہا انہ تقدم ان الماموم مامور بالاقتداء بالامام وقد تقدم ان الامام یجہر فلزم جہرہ بجہرہ وہذا الاخیر سبق الیہ ابن بطال وتعقب بانہ یستلزم ان یجہر الماموم بالقراءۃ لان الامام جہر بہا لکن یمکن ان ینفصل عنہ بان الجہر بالقراءۃ خلف الامام قد نہی عنہ فبقی التامین داخلا تحت عموم الامر باتباع الامام ویتقوی ذلک بما تقدم عن عطاء ان من خلف ابن الزبیر کانوا یؤمنون جہرا وروی البیہقی من وجہ

لہ زین بن منیر کہتے ہیں کہ حدیث سے ترجمہ باب کی مناسبت کئی طرح سے ہے، حدیث میں آمین کہنے کا حکم ہے اور قول کے ساتھ جب خطاب مطلق واقع ہو، تو اسے جہر پر محمول کیا جاتا ہے، اور اگر اس سے سر مراد ہو، تو اسے مقید طور پر بیان کیا جاتا ہے، دوسرا یہ کہ آپ نے قال کے مقابلہ میں قولوا فرمایا ہے، اور جب قول، قول کے مقابل ہو تو اس سے وہی کیفیت مراد ہوتی ہے، جو پہلے کی ہو، تو جب امام ولا الضالین بلند آواز سے کہے گا، تو آمین بھی بلند آواز سے ہوگی، تیسری یہ کہ قولوا کا لفظ مطلق واقع ہوا ہے، اور اس پر جہر کی صورت میں عمل ہوا ہے، تو مطلق پر جب ایک صورت میں عمل ہو جائے، تو وہ بالاتفاق دوسری صورت میں حجت نہیں رہتا، چوتھی یہ کہ مقتدی کو امام کی اقتدا کا حکم ہے، اور چونکہ امام جہر سے قرأت کرتا ہے، لہٰذا مقتدی بھی جہر سے آمین کہے گا، اس پر یہ اعتراض

ان عطاء قال ادرکت مائتین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا المسجد اذا قال الامام ولا الضالین سمعت لھم رجۃ بامین والجھر بالماموم ذھب الیہ الشافعی فی القدیم وعلیہ الفتوی وقال الرافعی قال الاکثر فی المسئلۃ قولان اصحھما انہ یجھر انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

**سوال:** - چہ مے فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین در مسئلہ رفع یدین وآمین بآواز بلند در نماز سہ گانہ درست یا نہ وہر آن شخص کہ بر ہر دو مسئلہ مذکورہ عمل کند آن شخص از مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بیرون شود یا نہ بینوا توجروا۔

**الجواب:** - در صورت مرقومہ بر علمائے حقانی پوشیدہ نیست کہ در رفع یدین وقت رفتن در رکوع ووقت برداشتن سر از رکوع منازعت ومخاصمت ومشاتمت ومغاضبت کردن خالی از تعصب مذہبی وجہالت نخواہد بود زیرا کہ رفع وعدم رفع در ہر دو مقام باوقات مختلفہ از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ثابت است چہ دلائل طرفین درین باب موجود، لہذا شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ در شرح سفر السعادت بعد بیان دلائل طرفین نوشتہ اند کہ چارہ نیست از قول سنیت ہر دو فعل انتہی کلامہ وہم چنین مولانا عبد العلی حنفی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ در ارکان اربعہ بعد بیان دلائل طرفین نیز میفرمایند

---

ہو سکتا ہے، کہ امام قرات جہر سے کرتا ہے اور مقتدی جہر سے نہیں کرتا تو اس کا جواب یہ ہے، کہ قرات بلند آواز سے نص صریح سے بند ہوگئی، لیکن آمین چونکہ قرات نہیں تھی، وہ اپنے حال پر باقی رہی، اور اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ ابن زبیر اور ان کے مقتدی بلند آواز سے آمین کہتے تھے، عطاء کہتے ہیں کہ میں نے دو سو صحابہ کو اس مسجد میں بلند آواز سے آمین کہتے دیکھا ہے، مسجد کانپ جاتی تھی، امام شافعی کے نزدیک مقتدی بلند آواز سے آمین کہے، رافعی کہتے ہیں، اکثر اس مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں ان سے زیادہ صحیح یہ ہے، کہ بلند آواز سے آمین کہے۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز میں رفع الیدین کرنا اور تینوں جہری نمازوں میں بلند آواز سے آمین کہنا درست ہے یا نہیں، اور جو شخص ان دونوں پر عمل کرے وہ امام اعظم کے مذہب سے باہر ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ علمائے حقانی پر پوشیدہ نہیں ہے، کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے میں لڑنا جھگڑنا تعصب اور جہالت سے خالی نہیں ہے، کیونکہ مختلف اوقات میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں، اور دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں، شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادت میں طرفین کے دلائل بیان کر کے لکھا ہے، کہ دونوں طریقوں کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، مولانا عبد العلی

ان ترکہ فہو حسن وان فعل فلا باس بہ انتہی کلامہ واگر بنظر انصاف پرتی تا رفع در ہر دو موضع از بسیارے صحابہ عظام رضی اللہ عنہ ثابت گردیدہ، بعضے از پنجاہ صحابہ رضی نقل کردہ اند، چنانکہ عراقی در شرح تقریب گفتہ، ومولوی سلام اللہ حنفی کہ از اولاد امجاد شیخ عبدالحق محدث دہلوی مستند در محلی شرح موطا افادہ فرمودہ اند و بعضے از بست و سہ صحابہ روایت کردہ، چنانکہ شیخ جلال الدین سیوطی نقل کردہ و نزد بعضے چہار صد خبر و اثر از حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ وسلف رضوان اللہ تعالے عنہم اجمعین درین باب وارد یافتہ، چنانکہ مجدالدین فیروز آبادی صاحب قاموس در سفر السعادت گفتہ است ودعوے نسخ بآن دلیل است کما لا یخفی علے الماہر النبیل۔

اعلم انہ قد روی الرفع عند الرکوع والرفع منہ غیر ابن عمر وائل بن حجر ومالک بن الحویرث عند الشیخین وابو ہریرۃ وعلی وابو حمید الساعدی وابن عباس عند ابی داؤد وانس وجابر وصہیب عند ابن ماجہ والبیہقی وابو موسی عند الدار قطنی وابو سعید وسہل بن سعد ومحمد بن مسلمۃ وابو قتادۃ وابو موسی الاشعری وعمیر اللیثی کما ذکرہ الترمذی قال الشافعی فی الام یروی ذلک عنہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

لکھنوی ارکان اربعہ میں طرفین کے دلائل لکھ کر فرماتے ہیں: اگر نہ کرے تو بہتر ہے، اور اگر کرے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے، تو بہت سے صحابہ کرام سے رفع یدین کرنا ثابت ہے، چنانچہ عراقی نے شرح تہذیب میں اور مولوی سلام اللہ حنفی نے محلی شرح مؤطا میں پنجاہ صحابہ سے رفع یدین نقل کی ہے سیوطی نے تئیس صحابہ سے رفع یدین نقل کی ہے، اور مجدالدین فیروز آبادی صاحب قاموس نے سفر السعادت میں لکھا ہے، کہ مرفوع احادیث اور آثار واخبار رفع یدین کے متعلق اکٹھے کئے جائیں، تو ان کی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے اور رفع یدین کے منسوخ ہونے کا دعوی بالکل بلا دلیل ہے۔

رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا حضرت ابن عمر رض کے علاوہ مالک بن حویرث ابوہریرہ رض علی رض ابو حمید ساعدی رض ابن عباس رض انس رض جابر رض صہیب رض ابو موسی رض ابو سعید رض سہل بن سعد رض محمد بن مسلمہ رض ابو قتادہ رض ابو موسی اشعری رض عمیر لیثی رض وغیرہ صحابہ سے حدیث کی مختلف کتابوں میں منقول ہے امام شافعی رح نے کتاب الام میں چودہ صحابہ سے رفع یدین کی روایتیں نقل کی ہیں امام بخاری نے رفع یدین کو سولہ صحابہ رض سے روایت کیا ہے، حاکم کہتے ہیں کہ یہ وہ حدیث ہے جس کو عشرہ مبشرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے، ولی عراقی کہتے ہیں کہ ہم نے تتبع کیا تو ہم کو پچاس

اربعۃ عشر من الصحابۃ ویروی عن اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر وجہ وذکر البخاری انہ رواہ ستۃ عشر رجلا من الصحابۃ وذکر الحاکم ومن رواہ العشرۃ المبشرۃ وذکر الولی العراقی انہ تتبع من رواہ من الصحابۃ فبلغوا خمسین رجلا فروی عبدالرزاق عن ابی حمزۃ مولی بنی اسد قال رأیت ابن عباس اذا فتتح الصلوۃ یرفع یدیہ واذا رکع واذا رفع رأسہ من الرکوع وروی ابن ابی شیبۃ عن عطاء قال رأیت اباسعید الخدری وابن عباس وابن الزبیر یرفعون ایدیھم اذا فتحوا الصلوۃ وحین رکعوا بعد ما رفعوا وعن اشعث کان الحسن یفعلہ وعن ابن سیرین انہ کان یرفع وذکر الترمذی ممن یقول بالرفع جابر وانس وابوھریرۃ وعطاء وطاؤس ومجاھد ونافع وسالم وسعید بن جبیر وبہ قال الشافعی واحمد واسحق والمحدثون وقال الامام ابوحنیفۃ لا یرفع الا فی تکبیرۃ الاحرام وھو روایۃ ابن القاسم والشافعی عن مالک رح قال ابن دقیق العید ھو المشھور عند اصحاب مالک والمعمول بہ عند المتاخرین واحتجوا بما رواہ ابوداؤد والترمذی من طریق وکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود عن علقمۃ قال قال لنا ابن مسعود الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصلی ولم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ مع تکبیرۃ الافتتاح قال ابوداؤد وھذا حدیث مختصر من حدیث طویل لیس ھو بصحیح علی ذلک اللفظ قال الحافظ ابن حجر فی تخریج الرافعی قال ابن المبارک لم یثبت عندی وضعفہ احمد وشیخہ یحیی بن ادم والبخاری وابوداؤد وابوحاتم والدارقطنی والدارمی والحمیدی والبیھقی وقال ابن حبان

صحابہ رفع یدین کی روایت نقل کرنے والے ملے، ابوحمزہ کہتے ہیں، کہ میں نے ابن عباس کو رکوع میں جاتے، اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا ہے، عطاء کہتے ہیں، کہ میں ابوسعید خدری، ابن عباس اور ابن زبیر کو رفع یدین کرتے دیکھا ہے، امام حسن اور ابن سیرین رفع یدین کرتے تھے، امام ترمذی کہتے ہیں حضرت جابر رض انس رض ابوہریرہ رض عطاء رح طاؤس رح مجاہد رح نافع، سالم، سعید بن جبیر، امام شافعی، احمد، اسحاق اور تمام اہل حدیث رفع یدین کرتے تھے، امام ابوحنیفہ اور مالک کی ایک روایت رفع یدین نہ کرنے کے متعلق ہے، اور دلیل میں ابن مسعود رض کی روایت پیش کرتے ہیں، کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھائی اور تکبیر تحریمہ کے سوا اور کسی جگہ رفع یدین نہ کی، ابوداؤد نے کہا یہ حدیث صحیح نہیں ہے، ابن مبارک کہتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں ہے، امام احمد، یحیی بن آدم، امام بخاری، ابوداؤد، ابوحاتم، دارقطنی، دارمی، حمیدی، بیہقی، ابن حبان سب نے

هذا حسن خبر مروي لاهل الكوفة وهو في الحقيقة اضعف شيء يعول عليه لان له علة
توهنه ووقع في الخلاصة للنووي حكاية الاتفاق على تضعيف هذا الحديث انتهى وقال
ابن القطان هو عندي صحيح ولا يقول ثم لا يعود نقد قالوا ان وكيعا كان يقول من قبل
نفسه وكذا قال الدارقطني انه صحيح الا هذه اللفظة ذكره الحافظ في تخريج الهداية تركت قال
الترمذي انه حسن وبه يقول غير واحد من اصحابه صلى الله عليه وسلم وصححه ابن حزم ذكره
الزركشي في تخريج الرافعي فغاية ما في الباب ثبوت الرفع وعدمه كلاهما عنه وهي انما
يدل على نفي وجوب الرفع لا على عدم مذهبه وترك ابن عمر للرفع لا يفيد نسخ الندب
قال البيهقي وقد يمكن الجمع بينهما ان ما رآه ثابتا انه غفل عنه فلم يره وغيره رآه وغفل
عنه ابن عمر فلم يفعله مرة او مرات اذ كان يجوز تركه ففعله يدل على انه سنة وتركه يدل
على انه ليس بواجب على انا نقول وردت في الرفع المذكور اربعمائة خبر بين مرفوع و
اثر على ما قاله مجد الدين فيروزآبادي في السفر فالحديث متواتر معنى رواه خمسون من الصحابة
فيهم العشرة المبشرة على ما قاله العراقي في شرح التقريب وعده السيوطي رحمه الله تعالى من جملة
الاحاديث المتواترة في كتابه المسمى بالازهار المتناثرة في الاخبار المتواترة ونسبه الى رواية
ثلاثة وعشرين من الصحابة فقال حديث رفع اليدين في الاحرام والركوع والاعتدال اخرجه
الشيخان عن ابن عمر ومالك بن الحويرث ومسلم يعني في افراده عن وائل بن حجر والاربع
في اصحاب السنن الاربعة عن علي وابو داود يعني في افراده عن سهل بن سعد وابن الزبير
وابن عباس ومحمد بن مسلمة وابي اسيد وابي حميد وابي قتادة وابي هريرة وابن ملجة

---

اس حدیث کو ضعیف کہا ہے امام نووی نے کہا اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے ابن قطان نے کہا ثم [illegible]
لا یعود وہم نہ کرتے اسکے الفاظ وکیع نے اپنی طرف سے بڑھائے ہیں، دارقطنی نے کہا یہ لفظ "لا یعود" صحیح نہیں ہیں امام
ترمذی کہتے ہیں کچھ صحابہ سے رفع یدین نہ کرنا بھی ثابت ہے، ابن حزم نے اس حدیث کو صحیح کہا اور ترمذی نے حسن

قصہ مختصر رفع یدین کا ثبوت اور عدم ثبوت دونوں مروی ہیں، اس اختلاف سے وجوب کی نفی تو ثابت ہو سکتی
ہے اس کی عدم سنیت ثابت نہیں ہوتی اور عبد اللہ بن عمر کا رفع یدین نہ کرنا اس کے مستحب ہونے کے منافی نہیں اور
ہو سکتا ہے کہ ابن عمر نے کبھی خیال نہ کیا ہو، تو استمرار رفع یدین سے انہوں نے انکار کیا ہو اور اس سے زیادہ سے زیادہ
نفی وجوب رفع تو ثابت ہو سکتی ہے، عدم سنت نہیں رفع یدین کے اثبات کی مندرجہ بالا تقریر سے بخوبی واضح ہے
کہ یہ حدیث متواتر ہے، فیروزآبادی کے قول کے مطابق چار سو حدیثیں آثار و اخبار اس کے ثبوت میں موجود ہیں،

بیہقی فی افرادہ عن انس وجابر بن عبد اللہ وعمرو اللیثی واحمد عن الحکم بن عمیر والاعرابی والبیہقی عن ابی بکر الصدیق والبزار والدارقطنی عن عمر بن الخطاب وابی موسی الاشعری والطبرانی عن عقبۃ بن عامر ومعاذ بن جبل انتہی کلامہ ثم استمر علیہ دابہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی فارق الدنیا وہو فی زیادۃ البیہقی علی الحدیث المتفق علیہ عن الزہری عن سالم عن ابن عمر رض فمازالت تلک صلوتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ قال ابن المدینی فی حدیث الزہری عن سالم عن ابیہ ہذا الحدیث عندی حجۃ علی الخلق وکل من سمعہ فعلیہ ان یعمل بہ لانہ لیس فی اسنادہ شئ حکاہ الحافظ فی تخریج احادیث الرافعی و لکونہ لم ینسخ بعد صحتہ وتواترہ وروایتہ عن جم غفیر من الصحابۃ رض کان معمولا فی الصحابۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کذا فی دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب للعلامۃ معین الدین السندی۔

واگر تحقیق زیادہ تر ازین در ثبوت رفع یدین منظور باشد پس در تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین کہ یکے از مصنفات نفیسہ جناب مولانا محمد اسماعیل محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ است نظر کنند کہ حق حقیق بروظاہر شود واز عمل کردن بریک دو مسئلہ خلاف مذہب حنفی از مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بقول ہمیں امام عالی مقام بیرون نخواہد بود، چنانچہ تحقیق این مسئلہ در معیار الحق بوجہ بسط مذکور است، ہر کرا شک وشبہ باشد، در معیار الحق بیند تا تشفی خاطرش بخوبی شود وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری زندگی تک رفع یدین کرتے رہے ہیں، چنانچہ امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت ابن عمر رض سے حدیث روایت کی ہے، کہ "اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے وقت تک آپ کی نماز رفع یدین سے ہوتی رہی، عبد اللہ بن عمر رض کہتے ہیں، کہ یہ حدیث میرے نزدیک ہر اس آدمی پر حجت ہے، جو اسے سن لے، رفع یدین اپنی صحت اور تواتر اور ایک جم غفیر سے روایت کے بعد منسوخ نہیں ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہ صحابہ رض اور تابعین ہ کا معمول رہی ہے جیساکہ معین الدین سندی نے دراسات اللبیب میں بیان کیا ہے اور اگر اس کی زیادہ تحقیق مطلوب ہو تو شاہ اسمٰعیل شہید کی کتاب تنویر العینین ملاحظہ فرمائیں، آپ پر حق واضح ہو جائے گا۔

اور ایک دو مسائل میں امام صاحب کے قول کو چھوڑ کر دوسرے اقوال پر عمل کر لینے سے کوئی آدمی ان کے مذہب سے خارج نہیں ہو جاتا، چنانچہ اس مسئلہ کی پوری تحقیق معیار الحق میں موجود ہے اس کو ملاحظہ کر کے تسلی کریں،

جواب سوال دوم کا یہ ہے، کہ دلیل جمہور اور اکثر علماء کی اوپر جہر کرنے آمین کے حدیث ابوہریرہ کی ہے، جو کہ ابوداؤد وغیرہ نے نقل کی ہے، عن وائل بن حجر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرأ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین ورفع بہا صوتہ رواہ ابوداؤد وعن ابی ہریرۃ رض قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تلا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول رواہ ابوداؤد۔ وعن ابی ہریرۃ رض قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من قراءۃ ام القرآن رفع صوتہ وقال آمین رواہ الدارقطنی وحسنہ والحاکم وصححہ ذکرہ ابن حجر العسقلانی فی بلوغ المرام وقال الحاکم اسنادہ صحیح علی شرطہما وقال البیہقی حسن صحیح وحدیث وائل اخرجوہ من طریق الثوری بلفظ صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما قال ولا الضالین قال آمین ومد بہا صوتہ رواہ ایضا ابن ماجۃ من طریق اخری عنہ بلفظ قال آمین فسمعناہا منہ ورواہ احمد والدارقطنی من ہذہ الطریق بلفظ مد بہا صوتہ کذا قال شارح بلوغ المرام القاضی حسین بن محمد بن سعید بن عیسی المغربی اللاعی وعن وائل بن حجر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقال آمین ومد بہا صوتہ رواہ الترمذی وعن ابی ہریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین حتی یسمعہا اہل الصف الاول فیرتج بہا المسجد رواہ ابن ماجۃ وعن علی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا

---

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے، کہ جمہور اور اکثر علماء کے نزدیک آمین بالجہر کہنا سنت ہے، اور ان کے دلائل حسب ذیل ہیں، وائل بن حجر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھتے تو بلند آواز سے آمین کہتے، ابوہریرہ رض کہتے ہیں، کہ آپ جب ولا الضالین پڑھتے تو آمین کہتے، جس کو پہلی صف والے سن لیتے، ابوہریرہ رض کہتے ہیں، کہ جب آپ الحمد کی قرات سے فارغ ہوتے، تو بلند آواز سے آمین کہتے اس کی سند بخاری مسلم کی شرائط پر ہے، وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، تو جب آپ نے ولا الضالین کہا، تو بلند آواز سے آمین کہی، دوسری حدیث میں ہے، کہ ہم نے آپ کی آمین سنی، وائل بن حجر رض کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ولا الضالین کے بعد آمین بلند آواز اور مد کے ساتھ کہی، ابوہریرہ کہتے ہیں، کہ جب آپ نے ولا الضالین کہا، تو اتنی آمین کہی کہ پہلی صف والوں نے سن لی پھر صحابہ کی آمین سے مسجد گونج اٹھی، حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جب

قال ولا الضالین قال آمین رواہ ابن ماجہ وعن عبد الجبار بن وائل عن ابیہ قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما قال ولا الضالین قال آمین فسمعناھا منہ وعن عائشۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما حسدتکم الیہود علی شیء ما حسدتکم علی السلام والتامین وعن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما حسدتکم الیہود علی شیء ما حسدتکم علی آمین فاکثروا من قول آمین رواہ ابن ماجہ اور مقتدی کے حق میں فرمایا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ رواہ الترمذی وابوداؤد والبخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ۔

پس مقتدی کو چاہیے، کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے یعنی جس طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آمین پکار کر کہتے تھے، اسی طرح مقتدی بھی پکار کر کہے، کہ اقتدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بجا لاوے، کیونکہ رسول مقبول نے فرمایا ہے۔ صلوا کما رأیتمونی اصلی (ترجمہ) یعنی پڑھو نماز جیسا کہ مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا تم نے قال الاکثرون یجھر بالتامین کذا قال النووی وغیرہ من المحدثین مولانا عبد العلی حنفی در ارکان اربعہ می فرمایند کہ در باب آہستہ گفتن آمین ہیچ وارد نشدہ مگر حدیثے ضعیف اما تامین الامام والماموم فلما روی مسلم عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ واما الاسرار بالتامین فھو مذھبنا ولم یرد فیہ الا ما روی الحاکم عن علقمۃ بن وائل عن ابیہ انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا بلغ ولا الضالین

---

ولا الضالین پڑھتے، تو آمین کہتے، ابن حجر بیان کرتے ہیں، کہ ہم نے ولا الضالین کے بعد آپ کی آمین سنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جتنا حسد یہودی تمہاری آمین اور سلام پر کرتے ہیں اتنا اور کسی چیز پر نہیں کرتے، سو تم آمین بلند آواز سے کہا کرو اور فرمایا جب امام آمین کہے، تو تم بھی آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو جائے اس کے پہلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے آمین کہتے تھے تو ہمیں بھی بلند آواز سے کہنا چاہیے، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے جیسے تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو ویسی ہی نماز تم بھی پڑھا کرو، اکثر علماء نے کہا آمین بلند آواز سے کہنا چاہیے مولانا عبد العلی ارکان اربعہ میں فرماتے ہیں آمین آہستہ کہنے کے بارے میں صرف ایک حدیث ہے، اور وہ بھی ضعیف ہے آہستہ آمین کہنا ہمارا مسلک ہے مگر اس کے متعلق علقمہ بن وائل کی حدیث کے سوا کوئی حدیث نہیں ہے، اور

قال امین واخفی بها صوته وهو ضعیف وقد بین فی فتح القدیر وجه ضعفه لکن الامر فیه سهل فان السنة التامین اما الجهر والاخفاء فندب کما فی الارکان الاربعة۔
حاصل کلام کا یہ ہے کہ تامین بالجہر نماز جہریہ میں امام شافعی و امام احمد و جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے اور امام ابوحنیفہ و دیگر اہل کوفہ کے نزدیک تامین نماز جہریہ میں سراً مطلق جائز ہے اور استدلال جمہور کا حدیث وائل سے ہے۔ واستدل الجمهور مع مافی حدیث الباب بما رواه ابوداؤد عن ابی هریرة کان صلی الله علیه وسلم اذا تلی غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیه من الصف الاول کذا فی المحلی شرح الموطا لمولانا سلام الله الحنفی ومولانا محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ در رسالہ تنویر العینین می فرمایند کہ جہر آمین اولی است از آہستہ گفتن وعبارته هکذا والتحقیق ان الجهر بالتامین اولی من خفضه۔ انتهی کلامه والله اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ حرره سید شریف حسین عفی عنه

| سید محمد نذیر حسین | هذا الجواب صحیح والمجیب نجیح | محمد عبد القادر |
|---|---|---|

المجیب مصیب ولد اجر نصیب خادم عبادالله الجمیل محمد اسمٰعیل۔

| محمد اسمٰعیل |
|---|

**فائدہ:۔** در مستدرک حاکم است حدثنا ابوبکر احمد بن سلمان الفقیه ببغداد ثنا الحسن بن مکرم البزار ثنا روح بن عبادة ثنا شعبة واخبرنی عبد الرحمن بن الحسن القاضی بهمدان ثنا ابراهیم بن الحسین بن دیزیل ثنا آدم بن ابی ایاس ثنا شعبة عن عاصم بن سلیمان ان اباعثمان النهدی حدثهم ان بلال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا یستغنی بامین هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه وابوعثمان النهدی مخضرم قد ادرک الطائفة الاولی من الصحابة وهذا بخلاف مذهب احمد بن حنبل فی التامین لحدیث ابی صالح عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا امین وخفیهما اهل المدینة قالوا بحدیث سعید وابی سلمة عن ابی هریرة فاذا

وہ حدیث ضعیف ہے لیکن معاملہ آسان ہے آمین کہنا سنت ہے اور آہستہ یا بلند کہنا مستحب ہے۔ مولانا اسمٰعیل شہید تنویر العینین میں فرماتے ہیں کہ آمین آہستہ کہنے سے بلند آواز سے کہنا بہتر ہے۔
فائدہ:۔ مستدرک حاکم میں ہے بلال کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا یستغنی بآمین" یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے، گو انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا امام احمد بن حنبل ابوہریرہ کی حدیث کی بنا پر بلند آواز سے

امن الامام فامنوا۔ انتہی ما فی المستدرک۔

**واضح باد** کہ در روایت بلال در لفظ حدیث حاکم دو غلطی واقع شدہ، یکے آنکہ مقولہ بلال را منسوب بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کردہ دوم آنکہ بجائے لفظ لا تسبقنی، لا تستغنی واقع شدہ و صحیح روایت این است حدثنا اسحق بن ابراہیم بن راھویہ انا وکیع عن سفیان عن عاصم عن ابی عثمان عن بلال انہ قال یا رسول اللہ لا تسبقنی بامین کما رواہ ابوداؤد فی سننہ (ترجمہ) بلال گفت اے رسول خدا در آمین گفتن سبقت نفرمایید، چیزے در قرات فاتحہ آہستگی نمائید کہ من ہم بمقارنت آمین شما شریک شوم زیرا کہ مرا در اقامت و تسویہ صف من وجہ دیرے میشود، و نظیر قول بلال قول ابوہریرہ در صحیح البخاری مذکور است و کان ابوہریرۃ ینادی الامام ہو العلاء بن الحضرمی کما عند عبد الرزاق لا تفتنی من الفوات ولابن عساکر لا تسبقنی بامین من السبق و عند البیہقی کان ابوہریرۃ یؤذن لمروان فاشترط ابوہریرۃ ان لا یسبقہ بالضالین حتی یعلم انہ دخل فی الصف وکانہ کان یشتغل بالاقامۃ و تعدیل الصفوف وکان مروان یبادر الی الدخول فی الصلوۃ قبل فراغ ابی ہریرۃ فکان ابوہریرۃ ینہاہ عن ذلک انتہی ما فی ارشاد الساری وغیرہ من الشروح البخاری۔

---

آمین کہتے اور مدینہ کے فقہاء کا بھی یہی مذہب ہے۔

واضح ہو کہ حاکم نے جو بلال سے روایت نقل کی ہے اس میں دو غلطیاں ہیں، ایک تو یہ کہ بلال کے قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے، یعنی یہ حدیث حقیقت میں موقوف ہے جسے مرفوع بنا دیا گیا ہے، اور دوسری غلطی یہ ہے، کہ "لا تسبقنی بآمین" (مجھے آمین کہہ لینے دینا) کے الفاظ کو "لا تستغنی بآمین" بنا دیا گیا ہے، چنانچہ صحیح روایت میں "لا تسبقنی بامین" کے لفظ آئے ہیں، اور اس کی نظیر ابوہریرہ رضہ کی حدیث ہے جسے بخاری نے روایت کیا ہے، کہ حضرت ابوہریرہ رضہ اپنے امام علاء بن حضرمی کو آواز دیا کرتے تھے، کہ میری آمین فوت نہ ہونے دینا، ابن عساکر کی روایت میں ہے، کہ مجھ سے آمین پہلے نہ کہہ لینا اس کی وجہ یہ تھی، کہ ابوہریرہ مروان کے مؤذن تھے ابوہریرہ رضہ نے مروان سے شرط کر لی تھی، کہ میں اس صورت میں مؤذن ہوں گا، کہ ولا الضالین میرے نماز شروع کرنے سے پہلے نہ کہہ لینا، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضہ کے ذمہ بحیثیت مؤذن یہ ڈیوٹی بھی تھی کہ صفوں کو درست کریں، اور اقامت وغیرہ کہیں، اور مروان ابوہریرہ کے فارغ ہونے سے پہلے ہی نماز شروع کر دیا کرتا تھا، تو ابوہریرہ رضہ نے اس لئے یہ شرط کی تھی۔

حاصل معنے روایت حاکم این است، کہ مقتدی بمعیت امام بلا مہلت آمین گوید زیراکہ بعدہ
می نویسد کہ ہذا بخلاف مذہب احمد بن حنبل الخ یعنی نزد احمد تقدم امام و تاخر مقتدی
بترتیب بلا مہلت باید بقرینۂ فاء فقولوا و فامنوا زیراکہ مقتضی فاء ترتیب بلا مہلت است چنانکہ
بر متامل ذکی مخفی نہ باشد، و لفظ یستغنی من الغناء بہ بر ن دبابرین یستغنی را بمعنے یتغنی قرار دادن یعنی
لا یجہر بآمین مراد گرفتن بناء فاسد علی الفاسد خواہد بود، زیراکہ استغناء بمعنی تغنی در لغت عرب مستعمل نہ
شدہ و من ادعی فعلیہ البیان بلکہ بلا شبہ از غلطی کاتبان بجائے لا یستبقنی لا یستغنی واقع شد
چہ روایت ابوداؤد بران شاہد عدل است، دہم قول ابوہریرہؓ مقوی و مساعد است آن را
چنانکہ از صحیح بخاری سابق مذکور گردید، و در روایت مستدرک شعبہ است و در روایت ابوداؤد
سفیان است قائم مقام شعبہ باقی عاصم و ابی عثمان نہدی از بلال در مستدرک و ابوداؤد متوافق
اند پس اگر غلطی آن محمول بر کتابت نقل کنندگان نباشد، درین صورت مقابلہ شعبہ با سفیان خواہد
بود، درمیان اختلاف روایت حاکم و ابوداؤد پس چنانکہ سنن ابوداؤد مقدم خواہد بود بر مستدرک
حاکم ہمچنان سفیان مقدم شود بر شعبہ در صورت اختلاف، چنانچہ در باب الرجحان فی الوزن مستفاد
میشود حدثنا ابن ابی رزمۃ قال سمعت یقول قال رجل لشعبۃ خالفک سفیان نقال
دمغتنی و بلغنی عن یحیی بن معین قال کل من خالف سفیان فالقول قول سفیان
حدثنا احمد بن حنبل نا وکیع عن شعبۃ قال کان سفیان احفظ منی انتہی ما فی سنن

---

امام احمد بن حنبل کے مذہب کے مطابق امام و مقتدی ترتیب وار بلا مہلت آمین کہیں، چنانچہ فقولوا کی فاء سے
یہ معنی مستنبط ہوتا ہے، کہ فاء ترتیب بلا مہلت کے لئے آتی ہے۔

عجیب لطیفہ ہے کہ احناف میں سے بعض نے لفظ لا یستغنی" کو غناء سے سمجھ لیا ہے، اور پھر یستغنی کا معنی
یتغنی قرار دیا ہے، یعنی آمین بلند آواز سے نہ کہو، یہ بناء فاسد علی الفاسد ہے، کہ استغناء کا معنی عربی زبان میں تغنی کبھی
نہیں آیا، جو اس کا دعوے کرے وہ دلیل بیان کرے، یہ صرف کاتب کی غلطی تھی، جس سے مطلب براری کی کوشش کی
گئی ہے اور ابوداؤد کی روایت اس کی شاہد ہے، دوسری بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ مستدرک کی
روایت میں شعبہ ہے اور ابوداؤد کی روایت میں سفیان ہے، جو شعبہ کے قائم مقام ہے، اگر بالفرض اسے کاتب کی
غلطی تسلیم نہ کیا جائے، تو شعبہ کا مقابلہ سفیان سے ہوگا، اور حاکم و ابوداؤد کے اختلاف روایت میں ابوداؤد، حاکم
سے مقدم ہے، اسی طرح سفیان شعبہ پر مقدم ہوگا، چنانچہ خود شعبہ کا قول ہے، کہ سفیان مجھ سے زیادہ احفظ
ہے، یحیی بن معین نے کہا ہے، کہ اگر کوئی بھی آدمی سفیان کی مخالفت کرے گا، تو قول سفیان ہی کا معتبر ہوگا

ابی داؤد۔ خلاصہ کلام دریں مقام این است، کہ ہر کہ بروایت مستدرک حاکم مانع جہر آمین شود غلطی است چہ ازیں روایت نفی جہر آمین اصلاً مرتبط نیست و مساسے ندارد چنانکہ از ماسبق بوضوح پیوست وما علینا الا البلاغ المبین۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ رفع یدین رکوع میں جاتے ہوئے، اور رکوع سے سر اٹھا کر، اور دوسری رکعت سے کھڑے ہو کر کرنا احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ سے ثابت ہے یا نہیں، اور اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب**:۔ رفع یدین تینوں حالتوں میں احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے۔ عن نافع عن ابن عمر کان اذا دخل فی الصلوۃ کبر ورفع یدیہ واذا رکع رفع یدیہ و اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ واذا قام من الرکعتین رفع یدیہ ورفع ذلک ابن عمر الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ البخاری[1]۔ اور سوائے حضرت ابن عمرؓ کے روایت کیا حدیث رفع یدین کو حضرت عمرؓ و علی و وائل بن حجر و مالک بن الحویرث و انس و ابوہریرہ و ابوحمید و ابوسعید و سہل بن سعد و محمد بن مسلمہ و ابو قتادہ و ابوموسیٰ اشعری و جابر و عمیر اللیثی رضی اللہ عنہم نے، اور اکثر صحابہ و تابعین و محدثین کا اسی پر عمل ہے، جیسا کہ جامع ترمذی میں مذکور ہے اور اس کا نسخ کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں ہے، پس جب کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت پایا گیا، اور اصحاب حضرت بھی اس کو عمل میں لائے، تو بے شک اس صورت میں اس پر عمل کرنے والا ماجور اور مصیب ہوگا، شیخ ولی اللہ دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں والذی یرفع احب الی ممن لا یرفع[2] انتہی۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | ابو الطیب محمد شمس الحق

**سوال**:۔ صدر یعنی سینہ پر ہاتھ باندھنا نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

---

خلاصہ یہ کہ مستدرک کی روایت سے جو آمین بالجہر کی ممانعت ثابت کرے، وہ غلطی پر ہے، واللہ اعلم

[1] عبداللہ بن عمر جب نماز شروع کرتے تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے، رکوع کو جاتے تو ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے اور جب دوسری رکعت سے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے، اور عبداللہ بن عمر اس فعل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے۔

[2] رفع یدین کرنے والا بہ نسبت نہ کرنے والے کے مجھ کو زیادہ پیارا ہے۔

یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ سینہ پر ہاتھ باندھنا نماز میں صحیح احادیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت ہے۔ حدثنا یحیی بن ھلب عن ابیہ قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ وعن شمالہ ویضع یدہ علی صدرہ وصف یحیی الیمنی علی الیسری فوق المفصل رواہ الامام احمد فی مسندہ۔ اخبرنا ابو سعید احمد بن محمد الصوفی قال انبانا ابو احمد بن عدی الحافظ انبانا ابن ساعد حدثنا ابراھیم بن سعید حدثنا محمد بن حجر الحضرمی حدثنی سعید بن عبد الجبار بن وائل عن ابیہ عن امہ عن وائل بن حجر قال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھض الی المسجد ثم رفع یدیہ بالتکبیر ثم وضع یمینہ علی الیسری علی صدرہ رواہ البیہقی فی السنن الکبری ان روایات سے سینہ پر ہاتھ باندھنا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں ثابت ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

المجیب ابو البرکات محمد عبد الحی نفی عرف صدر الدین احمد حیدرآبادی

الجواب صحیح والرأی نجیح | سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ بیس برس سے کادر پور کہ اہل حدیث اور حنفیہ میں نزاع ہوئی، اور دو فرقہ ہو گئے، ایک فرقہ اہل حدیث نماز جمعہ اور عیدین کی ایک محلہ کی مسجد میں ادا کرتے رہے، اس عرصہ میں ہم لوگوں کو معلوم ہوا، کہ نماز عیدین کی صحرا میں ادا کرنا افضل ہے، پس اس محلہ کی مسجد کو چھوڑ کر نماز عیدین کی ادا کرنے کے لئے چند آدمی صحرا میں چلے گئے، پس اس کے بعد چند آدمیوں نے طعن لعن کی، اور توڑنا جماعت کا چاہا، اور بعضے علماء نے فرمایا، کہ جو شخص بخیال سنت کے صحرا میں جائے گا، ماشاء اللہ ثواب پائے گا، اور یہ بھی فرمایا، کہ اللہ کا ہاتھ اوپر جماعت کے ہے، جماعت کو مقدم رکھو، اور پیسہ کے واسطے جاتے ہو تو نفل چلی جاتی ہے اور بعضے علماء نے یہ فرمایا کہ جس مسجد میں پنجگانہ نماز ادا کیجاتی ہے اس مسجد میں نماز عیدین ادا کرنا مکروہ معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میرے خیال میں توڑنا جماعت کا نہیں معلوم ہوتا ہے پس ہم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان دونوں میں ہمارے لئے کون افضل ہے جس کی ہم

---

ل یحیی بن ہلب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے دائیں بائیں جانب سلام پھیرا اور اپنے ہاتھ نماز میں سینے پر رکھے دایاں بائیں پر جوڑ کے قریب رکھا دوسری روایت میں ہے کہ آپ مسجد کی طرف تشریف لے گئے پھر تکبیر کیلئے اپنے ہاتھ اٹھائے پھر دایاں بائیں پر اپنے سینے پر باندھا

پیروی کریں

سوال دوم۔ نماز عیدین میں ہر تکبیر میں رفع یدین ہونا چاہئے یا بعد تکبیر اولٰے کے ہاتھ باندھنا چاہئے یا چھوڑ دینا چاہیے سنت سے کیا ثابت ہے بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ آپ لوگوں کے لئے افضل یہ ہے کہ صحرا میں نماز پڑھیں کیونکہ سنت کے مطابق یہی فعل ہے اور محلہ کی مسجد میں بلا عذر پڑھنا خلاف سنت ہے اور اس پر اہلحدیث اور حنیفہ سب کا اتفاق ہے چنانچہ نمونہ کے طور پر دونوں فریق کی دو دو ایک ایک سندیں لکھی جاتی ہیں منتقی میں ہے عن[1] علی علیہ السلام قال من السنۃ ان تخرج الی العید ماشیا وان تاکل شیئا قبل ان تخرج رواہ الترمذی وقال حدیث حسن اور ہدایہ میں ہے [2]ویتوجہ الی المصلی ولا یکبر عند ابی حنیفہ فی طریق المصلی وعندھما یکبر و نیز شرح وقایہ میں ہے [3]ویخرج الی المصلی غیر مکبر جہرا فی طریقہ نفی التکبیر بالجہر حتی لو کبر من غیر جہر لکان حسنا خاص کر حنفیہ کے نزدیک نماز عیدین کا صحرا میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے چنانچہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے قولہ[4] ویخرج الی المصلی بصیغۃ المجہول ہو موضع فی الصحراء یصلی فیہ صلوۃ العیدین ویقال لہ الجبانۃ ومطلق الخروج من بیتہ الی الصلوۃ وان کان واجبا بناء علی ان ما یتم بہ الواجب واجب لکن الخروج الی الجبانۃ سنۃ مؤکدۃ وان وسعھم المسجد الجامع والاصل فیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج الی المصلی ولم یصل صلوۃ العیدین فی المسجد کا مع شرفہ الا مرۃ بعذر المطر کما بسطہ ابن القیم فی زاد المعاد والقسطلانی فی المواھب اللدنیۃ وغیرھما والاحادیث فی

---

[1] حضرت علی کہتے ہیں سنت یہ ہے کہ عیدگاہ کی طرف پیدل جایا جائے اور عید کی نماز پڑھنے سے پہلے کچھ کھا لیا جائے۔ [2] عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے راستے میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیریں نہ کہے اور صاحبین کے نزدیک تکبیریں کہے [3] عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے آہستہ آواز سے تکبیریں کہے امام ابوحنیفہ سے جو نفی ذکر کی گئی ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ اونچی آواز سے نہ کہے۔ [4] عیدین کی نماز کے لئے جبانہ مقام کی طرف نکلنا چاہئے۔ یہ صحرا میں ایک مقام ہے نماز عید کے لئے گھر سے نکل کر باہر جانا تو واجب ہے اور جبانہ میں جانا سنت ہے اگرچہ مسجد وسیع ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں عیدین کی نماز کے سوائے ایک دفعہ کے (وہ بھی بارش

هذا الباب مخرجة فی کتب السنن وغیرها انتهی۔

مختصر اًخلاصہ یہ کہ نماز عیدین کی صحرا میں پڑھنا یہی فعل سنت کے مطابق ہے لہذا اس تقدیر پر لوگوں کا لعن طعن کرنا اور تفریق جماعت کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ بات بہت ظاہر ہے کہ لعن طعن کا محل اور تفریق جماعت کا باعث انسان اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب یہ فعل شر و فساد کی نیت سے کرے لیکن اگر ادائے سنت کے ارادے سے کرے تو ہرگز نہیں ہو سکتا معہذا یہ اعتراض فریق ثانی پر بھی موجود ہے کیونکہ جب جماعت کا قائم رکھنا ضروری ہے تو وہ لوگ بھی کیوں نہیں صحرا میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تاکہ جماعت بھی قائم رہے اور سنت پر بھی عمل ہو علی ہذا القیاس بعض عالموں نے جو یہ فرمایا ہے، کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے، اور اس کو مقدم رکھنا چاہیے اور ایک اشرفی کو چھوڑ کر پیسہ کے واسطے نہیں جانا چاہیے سو یہ قول بھی قابل تسلیم نہیں، کیونکہ ان سب باتوں کے لئے شرط یہ ہے، کہ حضرت کی سنتوں پر عمل رہے، اور اگر یوں ہی جماعت مقدم کی جاوے، تو ایک روز ایسا آوے گا، کہ تمام سنتیں اٹھ جاویں گی، اور اہل اسلام غالی بدعتی ہو جاویں گے، لہذا جو حضرات مخالف ہیں، ان کو چاہیے، کہ وہ اس سنت پر عمل کریں۔ اور تعصب کو راہ نہ دیں، کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔

اور تکبیرات عیدین میں رفع یدین نہ کرنا چاہیے، کیونکہ ثابت نہیں ہے اور خود حنفیہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس سے ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں رفع یدین کا ذکر ہی نہیں ہے، چنانچہ حدیث مذکور کے بارے میں، اور نیز عدم ثبوت کے بارے میں یوں مرقوم ہے۔ وذکر[1] من جملتها تکبیرات الاعیاد تقدم الحدیث فی باب صفة الصلوٰة ولیس فیه تکبیرات الاعیاد والله اعلم کما روی عن ابی یوسف انه لا ترفع الایدی فیها لا یحتاج فیه الی القیاس ولا تکبیرات الجنائز یکفی فیه کون المحقق من الشرع ثبوت

---

کے عذر سے) نہیں پڑھی، حالانکہ مسجد نبوی کی کتنی فضیلت ہے۔

[1] اور انہی میں سے عید کی تکبیروں کا مسئلہ بھی ہے پہلے باب صفة الصلوٰة میں حدیث گذر چکی ہے اور اس میں عید کی تکبیروں کا ذکر نہیں ہے، جیسا کہ ابو یوسف سے روایت کیا گیا ہے، کہ عید کی تکبیروں میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں اور نہ ہی جنازہ کی تکبیروں میں، بلکہ اس میں اتنا ہی کافی ہے کہ عید کی تکبیریں ثابت ہیں اور ان میں ہاتھ

التکبیر ولم یثبت الرفع نبقی علی العدم الاصلی انتہی مختصراً۔ اور بعد تکبیر تحریمہ کے ہاتھ باندھنے چاہئیں کیونکہ ظاہر ہے کہ تکبیر کے بعد اصل ہاتھ باندھنا ہے، پس تا وقتیکہ اس کے خلاف ثابت نہ ہو اسی اصل پر عمل ہوگا، اور اس اصل کے خلاف ثابت نہیں، لہذا اسی اصل پر عمل چاہیئے واللہ تعالے اعلم۔ حررہ عبدالحق سید محمد نذیر حسین

**ہوالموفق**:۔ فی الواقع عیدین کی نماز صحرا میں پڑھنا سنت ہے اور بلا عذر مسجد میں پڑھنا خلاف سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی نماز ہمیشہ صحرا ہی میں ادا فرمائی ہے، حالانکہ مسجد نبوی میں ایک نماز اور مقاموں کی ہزار نماز سے افضل ہے، باوجود اس فضیلت کے کبھی آپ نے بلا عذر مسجد نبوی میں عیدین کی نماز نہیں پڑھی، اور نہ آپ کے بعد خلفائے راشدین نے پڑھی، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں[1] استدل بہ (ای بحدیث ابی سعید الخدری کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی) علی استحباب الخروج الی الصحراء لصلوۃ العید وان ذلک افضل من صلاتہا فی المسجد لمواظبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ذلک مع فضل مسجدہ وقال الشافعی فی الام بلغنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج فی العیدین الی المصلی بالمدینۃ وکذا من بعدہ الا من عذر مطر ونحوہ انتہی بقدر الحاجۃ۔ پس جو لوگ عیدین کی نماز بلا عذر مسجد میں پڑھتے ہیں وہ خلاف سنت کرتے ہیں اور صحرا میں جانے والوں پر طعن کرنا یا ان پر تفریق جماعت کا الزام دینا محض بے جا اور ناروا کام ہے اور عیدین کی ہر تکبیر میں رفع یدین کرنا کسی حدیث مرفوع صحیح سے ثابت نہیں ہے ہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ہر تکبیر میں رفع یدین کرنا بسند صحیح ثابت ہے مگر یہ حضرت ابن عمرؓ کا فعل ہے عون المعبود شرح سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ۴۴۸ میں ہے

---

[1] ابوسعید خدری کی حدیث (کہ آنحضرتؐ عید الفطر اور عید الاضحی باہر جاکر پڑھا کرتے تھے) سے عیدین کی نماز کے لئے صحرا کی طرف نکلنے کے مستحب ہونے پر استدلال کیا گیا ہے اور یہ مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر ہمیشگی کی ہے باوجود مسجد نبوی کی فضیلت کے امام شافعی نے کتاب الام میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے بعد کے لوگ صحرا میں جاکر نماز پڑھا کرتے تھے ہاں اگر بارش کا عذر ہوتا تو مسجد میں پڑھتے

واما رفع الیدین فی تکبیرات العیدین فلم یثبت فی حدیث صحیح مرفوع وانما جاء فی ذلک اثر قال البیھقی فی المعرفۃ باب رفع الیدین فی تکبیر العید قال احمد البیھقی ورویناہ عن عمر بن الخطاب فی حدیث مرسل وھو قول عطاء بن ابی رباح وقاسم الشافعی علی رفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ حین افتتح الصلوۃ وحین اراد ان یرکع وحین رفع راسہ من الرکوع ولم یرفع فی السجود قال فلما رفع یدیہ فی کل ذکر کان حین یذکر اللہ قائما او تعالی قیام من غیر سجود لم یجز الا ان یقال یرفع المکبر فی العیدین یدیہ عند کل تکبیرۃ کان قائما فیھا انتہی واللہ تعالی اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

**سوال** - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مصلی پر دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے یا نہیں اور جو لوگ کہ مکروہ بتاتے ہیں اور منع کرتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے روی[2] عبد الرحمن بن ابی بکرۃ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج من بیتہ لیصلح بین الانصار فرجع وقد صلی فی المسجد بجماعۃ فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی منزل بعض اھلہ فجمع فصلی بھم جماعۃ ۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر نہ مکروہ ہوتا تکرار جماعت کا تو اسی مسجد میں آنحضرتؐ نماز پڑھتے نہ پڑھنا حضرت کا خود دلالت کرتا ہے مکروہ ہونے تکرار جماعت پر۔ اب مستفتی استفسار کرتا ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں اور مخرج اس کا کون ہے اور درصورت صحت حدیث کے

---

[1] عیدین کی تکبیرات میں ہاتھ اٹھانا کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہے محض ایک صحابی حضرت عمرؓ کا اثر ہے امام شافعی کہتے ہیں کہ اس بارے میں حدیث مرفوع تو ہے نہیں حضرت عمر نے دوسری نماز کے قیام اور رکوع کی تکبیروں پر اس کو قیاس کرکے کہا ہے کہ سجدہ کے علاوہ جب بھی آپ نے تکبیر کہی تو رفع یدین کیا [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار میں صلح کرانے کے لئے اپنے گھر سے نکلے واپس آئے تو مسجد میں جماعت ہو چکی تھی آپ اپنے کسی حجرہ میں چلے گئے اور اپنے گھر والوں کو اکٹھا کرکے ان کی جماعت کرائی۔

استدلال کراہت تکرار جماعت ایک مصلی پر ٹھیک ہے یا نہیں اور علمائے حنفیہ رحمہم اللہ کا اس میں کیا فتوی ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر جماعت اہل محلہ نے ہمراہ امام معین کے کرلی ہو تو اسی اہل محلہ کے باقی ماندہ کو اسی مسجد محلہ میں بہیئت اولی تکرار جماعت مکروہ ہے یعنی مسجد محلہ میں ساتھ اذان اور تکبیر کے اسی مصلی پر جماعت ثانیہ اسی اہل محلہ کی مکروہ ہے اور اگر بغیر اذان کے یا بہ تبدیل مصلی جماعت ثانیہ اسی اہل محلہ نے کی تو بلا کراہت درست اور جائز ہے اور اگر غیر اہل محلہ نے اول جماعت ساتھ اذان اور اقامت کے کرلی تھی تو اہل محلہ کو ساتھ اذان اور اقامت کے جماعت ثانیہ جائز ہے اور جو مسجد شارع عام میں ہو اس میں تکرار جماعۃ مطلقا خواہ ساتھ اذان کے ہو یا بہ تبدیل مصلی ہو یا نہ ہو ہر طرح درست ہے۔ ^(لہ)^ ویکرہ تکرار الجماعۃ باذان واقامۃ فی مسجد محلۃ لا فی مسجد طریق او مسجد لا امام لہ ولا مؤذن در مختار قولہ باذان واقامۃ الخ۔ عبارتہ فی الخزائن اجمع مما ہنا ونصہا یکرہ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ الا اذا صلی بہما فیہ اولا غیر اہلہ لکن بمخافتۃ الاذان ولو کرر اہلہ بدونہما او کان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس لہ امام ولا مؤذن ویصلی الناس فیہ فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان واقامۃ علحدۃ کما فی امالی قاضی خان ونحوہ فی الدرر والمراد بمسجد المحلۃ مالہ امام وجماعۃ معلومون کما فی الدرر وغیرہا قال فی المنبع والتقیید بالمسجد المختص بالمحلۃ احتراز من الشارع وبالاذان الثانی احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلۃ جماعۃ بغیر اذان حیث یباح اجماعا

لہ محلہ کی مسجد میں اذان اور اقامت سے بار بار جماعت کرانا مکروہ ہے اگر کسی راستہ پر مسجد ہو یا ایسی مسجد ہو کہ اس میں کوئی امام اور مؤذن مقرر نہ ہو تو اس میں تکرار جماعت اذان اور اقامت سے بھی مکروہ نہیں ہے بلکہ افضل ہے اگر محلہ کی مسجد میں پہلے بغیر اذان کے جماعت ہوئی ہو تو دوسری جماعت اذان اور اقامت سے مکروہ نہیں ہے اور محلہ کی مسجد وہ ہے جس کا امام اور مقتدی معلوم اشخاص ہوں۔

انتہی ما فی الشامی اور اسی طرح سے بدائع اور ظہیریہ اور عالمگیریہ اور شرح منیہ وغیرہم میں لکھا ہے کہ تبدل محراب اور مصلی میں ہئیت جماعۃ اولی کی بدل جاتی ہے۔ اور جماعۃ ثانیہ غیر مصلی اولی پر بلاکراہتہ ہوجاتی ہے۔ وفی شرح المنیۃ عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہ اذا لم تکن الجماعۃ علی الھیئۃ الاولی لاتکرہ والاتکرہ وھو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیئۃ کذا فی البزازیۃ انتہی وفی التتارخانیۃ عن الولوالجیۃ وبہ ناخذ انتہی ما فی الشامی اور حدیث مندرجہ سوال کو شارحین کتب فقہ نے بلا اسناد اور بلا مخرج باختلاف الفاظ بیان کیا ہے اور کتب صحاح میں صحیح سند اس کی کا پتہ نہیں لگتا پس قطع نظر اس کے کہ صحت اور عدم صحت حدیث میں بحث کی جاوے مطلب اس حدیث کا یہ نہیں ہے کہ جماعت دوسری مسجد واحد میں مکروہ ہے بلکہ اس حدیث سے تاکید جماعت ثابت ہوتی ہے کیونکہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو کوئی دوسرا نمازی نہیں پایا۔ اسی واسطے گھر میں جاکر ساتھ اہل اپنے کے نماز پڑھی اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی نمازی دوسرا ہوتا تو ضرور ہے کہ ان کو جماعۃ سے محروم نہ کرتے یا مسجد میں جماعۃ کراتے یا بیرون مسجد جیسا کہ حدیث ترمذی سے صاف ثابت ہوتا ہے۔

[2]عن ابی سعید الخدری قال جاء رجل وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایکم یتجر علی ھذا فقام رجل وصلی معہ رواہ الترمذی وھو قول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرھم من التابعین قالوا لاباس ان یصلی القوم جماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ وبہ یقول احمد واسحاق اور ابوداؤد میں اس طرح سے آئی ہے عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابصر

---

[1] امام ابو یوسف کہتے ہیں اگر دوسری جماعت پہلی ہئیت پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے اور اگر محراب کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر جماعت کھڑی ہو جائے تو اس سے ہئیت بدل جاتی ہے [2] ایک آدمی مسجد میں آیا جماعت ہو چکی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو اس آدمی پر صدقہ کرے تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھی" صحابہ اور تابعین میں سے اہل علم حضرات کا یہی مسلک ہے کہ دوبارہ جماعت کرالینا درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے [3] رسول اللہ صلی اللہ

رجلا یصلی وحدہ فقال الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ پس جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واسطے فضیلت حاصل کرنے جماعت کے اس شخص کو حکم شامل ہونے کا دیا کہ پہلے نماز پڑھ چکا تھا تو جن اشخاص نے کہ نماز نہ پڑھی ہو ان کو بالاولیٰ جماعت دوسری کرنی بلا کراہت ایک مسجد میں جائز ہوئی اور یہ امر نہیں ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کو جماعت دوسری کا حکم فرماویں اور آپ نہ کریں پس متحقق ہوا کہ حدیث مذکور فی السوال کا مورد یہ ہے کہ اس وقت دوسرا نمازی کوئی نہ تھا اگر ہوتا تو ضرور مسجد ہی میں نماز پڑھتے کیونکہ جماعت کی بہت تاکید احادیث میں آئی ماسوا اس کے چونکہ امر کو ترجیح اور غلبہ ہے فعل غیر ہمیشگی پر۔ اس لئے حدیث ترمذی پر عمل کرنا اولے اور اقدم ہوا اور تیسری وجہ یہ کہ حدیث ترمذی کی نص صریح ہے واسطے جماعت دوسری کے۔ اور حدیث مذکور فی السوال سے دلالۃً نکلتا ہے اور اصول فقہ میں مندرج ہے کہ بحالت تعارض عبارۃ النص و دلالۃ النص کی عبارت کو ترجیح دیتے ہیں دلالۃ النص پر۔ اور چوتھی یہ کہ نہ پڑھنا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ جماعت دوسری مکروہ ہے بلکہ دیگر امورات عارضہ پر بھی دلالت کرتا ہے پس اختیار امر واحد کا بلا دلیل قابل اعتبار نہیں در صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت انس مسجد میں آئے اور جماعت ہو چکی تھی پس اذان کہی اور تکبیر کہی اور جماعت سے نماز پڑھی[1] جاء انس بن مالك الی مسجد قد صلی فیہ فاذن و اقام وصلی جماعۃ رواہ البخاری پس امر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و فعل اصحابہ اور تابعین سے متحقق ہوا کہ جماعت دوسری مسجد واحد میں بلا کراہت صحیح و جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ واجابہ خاکسار محمد مسعود نقشبندی دہلوی۔ ۲۹ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ

سید محمد نذیر حسین

**ہو الموفق** ۔ تکرار جماعت بلا کراہت جائز ہے ایک مصلی پر ہو خواہ ایک مصلی پر نہ ہو۔ جامع ترمذی کی حدیث مذکور اور انسؓ کا اثر مذکور جواز پر صاف دلالت کرتا ہے

---

علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا وہ اکیلا نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کوئی ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے [1] انس بن مالک ایک مسجد میں آئے وہاں جماعت ہو چکی تھی۔ آپ نے اذان اور تکبیر کہہ کر جماعت کرائی۔

اور مطلقاً تکرار جماعت کا مکروہ ہونا یا ایک مصلی پر نہ ہو تو مکروہ نہ ہونا سو اس کی کوئی دلیل میری نظر سے نہیں گزری ہے اور اسی طرح مجیب نے جو تحقیق شامی سے نقل کی ہے اس کی بھی کوئی دلیل میری نظر سے نہیں گزری ہے واللہ اعلم اور عبد الرحمن بن ابی بکر کی حدیث جو سائل نے نقل کی ہے وہ بالکل غیر معتبر و ناقابل احتجاج ہے کیونکہ نہ اس کے مخرج کا پتہ ہے اور نہ اس کی سند کا حال معلوم فقہائے حنفیہ یوں ہی بلا سند و بلا ذکر مخرج اس کو ذکر کرتے ہیں اور اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ حدیث قابل احتجاج ہے تو اس سے تکرار جماعت کی کراہت ثابت نہیں ہوتی ہے جیسا کہ مجیب نے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم
کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

**سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایک جانماز واسطے تحفہ د نذر کرنے ایک رئیس کے تیار کرانے چاہتا ہے موافق نمونہ ذیل کے کہ جس کی پیشانی میں اسم اللہ اور دونوں پہلو میں رئیس کا نام مع نام ریاست لکھا کر تیار کرانا چاہتا ہے پس سوال یہ ہے کہ جانماز پر نام لکھنے میں کوئی حرج شرعی ہے یا نہیں بینوا توجروا

**الجواب**۔ صورت مسئولہ میں جانماز پر ان ناموں کے لکھنے میں حرج شرعی ہے اس واسطے کہ وہ لکھے ہوئے نام نماز پڑھنے والے کے خشوع میں خلل ڈالنے کے باعث ہوں گے اور اس کے قلب کو اپنی طرف مشغول کرنے کے موجب اور اس قسم کی چیزوں کے ازالہ و دفع کرنے کا حکم ہے صحیح بخاری میں ہے عن[1] انس قال کان قرام لعائشۃ سترت بہ جانب بیتہا فقال لہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم امیطی عنا قرامك هذا فانہ لایزال تصاویرہ تعرض لی فی صلوتی قال فی سبل السلام فی الحدیث دلیل علی ازالۃ ما یشوش علی المصلی صلوتہ مما فی منزلہ او فی محل صلوتہ انتہی ونیز صحیح بخاری میں ہے عن[2] عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی خمیصۃ لہا اعلام فنظر الی اعلامہا

---

[1] انس کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے پاس ایک پردہ تھا جس سے انہوں نے اپنے مکان کی ایک جانب ڈھانپ رکھی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا اپنے اس پردے کو میری آنکھوں سے دور کر دے۔ اس کی تصویریں میری نماز میں سامنے آتی رہی ہیں۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ ہر وہ چیز جو نمازی کو نماز سے غافل کر دے اس کو دور کر دینا چاہیے خواہ وہ چیز اس مکان میں ہو یا نماز کی جگہ میں [2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دھاری دار چادر میں نماز پڑھی آپ کی نظر

نظرۃ فلما انصرف قال اذهبوا بخمیصتی هذہ الی ابی جهم واتونی بانبجانیۃ ابی جهم فانها الهتنی انفا عن صلوتی قال فی سبل السلام وفی الحدیث دلیل علی کراهتہ ما یشغل عن الصلوۃ من النقوش ونحوها مما یشغل القلب وفیہ مبادرتہ صلی اللہ علی المفارش والسجاجید المنقوشۃ وکراهتہ نقش المساجد ونحوہ انتهی ملخصہا ونیز جانماز پر اسم اللہ لکھنے میں اس کے پامال ہونے کا خوف ہے اس وجہ سے بھی جانماز پر اسم اللہ لکھنے میں شرعی حرج ہے واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

**سوال۔** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تارک الصلوۃ کافر ہوتا ہے یا نہیں اور حدیث من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر کے کیا معنی ہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب۔** تارک الصلوۃ کے کافر ہونے اور نہ ہونے میں علمائے کرام مختلف ہیں علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں ولاخلاف بین المسلمین فی کفر من ترک الصلوۃ منکرا لوجوبها الا ان یکون قریب عهد بالاسلام اولم یخالط المسلمین مدۃ یبلغہ فیها وجوب الصلوۃ وان کان ترکہ لها تکاسلا مع اعتقادہ لوجوبها کما هو حال کثیر من الناس فقد اختلف الناس فی ذلک فذهبت العترۃ والجماهیر من السلف والخلف منهم مالک والشافعی الی انہ لایکفر بل یفسق فان تاب والا قتلناہ حدا کالزانی المحصن ولکنہ یقتل بالسیف وذهب جماعۃ من السلف الی انہ یکفر وهو مروی عن علی بن ابی طالب علیہ السلام وهو احدی الروایتین عن احمد بن حنبل وبہ قال عبداللہ بن المبارک واسحق بن راهویہ وهو وجہ لبعض اصحاب الشافعی وذهب ابوحنیفۃ وجماعۃ من اهل الکوفۃ والمزنی صاحب الشافعی الا انہ لایکفر ولا یقتل بل یعزر ویحبس حتی یصلی انتهی یعنی جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہو کر نماز کو ترک کرے وہ بالاتفاق کافر ہے اس کے کفر میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف نہیں مگر ہاں جو شخص نو مسلم ہو یا مسلمانوں کے ساتھ رہنے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو اس کو جب تک نماز کے

---

اس کی دھاریوں میں الجھ گئی جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میری یہ چادر ابوجہم کے پاس لے جاؤ اس سے سادہ چادر لے آؤ اس چادر نے تو مجھ کو میری نماز سے غافل کر دیا" اس حدیث میں دلیل ہے کہ نمازی کے سامنے ایسی چیزوں کا ہونا مکروہ ہے جو نماز میں خلل ڈالیں مثلاً نقوش وغیرہ اس سے معلوم ہوا کہ منقوش جائے نماز یا منقش فرش یا مسجد میں نقش و نگار ہونا مکروہ ہے۔

وجوب کی خبر نہ پہنچے تب تک وہ کافر نہیں ہوسکتا اور جو شخص نماز کے وجوب کا عقیدہ رکھ کر بہ سبب کاہلی اور غفلت کے نماز کو ترک کرے جیسا کہ بہت سے لوگوں کا حال ہے سو ایسے تارک الصلوۃ کے کافر ہونے اور نہ ہونے میں لوگوں کا اختلاف ہے پس عترت اور امام مالک اور امام شافعی اور جماہیر سلف وخلف کا مذہب یہ ہے کہ ایسا شخص کافر نہیں ہے بلکہ فاسق ہے وہ اگر توبہ کرے فبہا ورنہ اس کو قتل کرنا چاہیے اور اس کی یہی حد ہے جیسا کہ زانی محصن کی حد قتل ہے مگر ایسے تارک الصلوۃ کو تلوار سے قتل کرنا چاہیے اور سلف میں سے ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ وہ کافر ہے اور یہی مذہب مروی ہے حضرت علی سے اور امام احمد سے ایک روایت میں یہی منقول ہے اور عبداللہ بن مبارک اور اسحق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے اور بعض اصحاب شافعی کا بھی یہی مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ اور ایک جماعت اہل کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ نہ کافر ہے اور نہ وہ قتل کیا جاوے گا بلکہ اس کی تعزیر کی جائے گی اور جب تک وہ نماز نہیں پڑھے گا تب تک وہ قید میں رکھا جاوے گا اس کے بعد علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ ایسا تارک الصلوۃ کافر ہے اور وہ قتل کیا جاوے گا اس کا کافر ہونا تو اس وجہ سے حق ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ شارع نے ایسے تارک الصلوۃ کو کافر کہا ہے اور جو لوگ اس کے کافر ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ جس قدر معارضات وارد کرتے ہیں ان میں سے ایک بھی ہم کو لازم نہیں آتا کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ کفر کی بعض قسمیں ایسی ہوں جو مغفرت واستحقاق شفاعت سے مانع نہ ہوں جیسا کہ اہل قبلہ کا کفر بوجہ بعض ایسے گناہوں کے جن کو شارع نے کفر کہا ہے پس اس بنا پر ان تاویلات کی کچھ حاجت نہیں ہے جن میں لوگ پڑتے ہیں انتہی کلام الشوکانی مترجما۔ میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ علامہ ممدوح کی یہ تحقیق احق بالقبول ہے اس واسطے کہ اس تحقیق پر احادیث مختلفہ میں بلا کسی تاویل کے جمع وتوفیق ہو جاتی ہے مثلا حدیث من[1] ترك الصلوة متعمدا فقد كفر اور حدیث العهد الذي بيننا وبينهم الصلوة فمن تركها فقد كفر[2] اور حدیث بين الرجل وبين الكفر ترك الصلوة رواه الجماعة الا البخاري والنسائي اور حدیث كان[3] اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يرون شيئا من الاعمال تركه كفر غير الصلوة

[1] جو جانتے بوجھتے نماز چھوڑے وہ کافر ہوگیا [2] وہ عہد جو ہمارے اور انکے درمیان ہے نماز کا ہے جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ کافر ہوگیا [3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز کے علاوہ کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے

رواہ الترمذی سے صاف اور صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تارک الصلوٰۃ کافر ہے اور آیہ [1] ان اللہ لایغفر ان یشرك بہ ویغفر ما دون ذلك اور حدیث [2] ومن لم یات بھن فلیس لہ عند اللہ عھد ان شاء عذبہ وان شاء غفرلہ رواہ احمد وابوداؤد ومالك فی الموطا اور حدیث [3] من شھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وان عیسی عبد اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ والجنۃ حق والنار حق ادخلہ اللہ الجنۃ علی ما کان من العمل متفق علیہ اور حدیث [4] ما من عبد یشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ وان محمدا عبدہ ورسولہ الا حرمہ اللہ علی النار قال (ای معاذ) افلا اخبر بھا الناس الحدیث متفق علیہ اور حدیث [5] شفاعت فھی نائلۃ ان شاء اللہ من مات من امتی لایشرك باللہ شیئا رواہ مسلم وغیر ذلک من الاحادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تارک الصلوٰۃ کافر نہیں ہے بلکہ وہ مغفرت الٰہی وشفاعت نبوی ودخول جنت کا مستحق ہے۔

پس علامہ ممدوح کی تحقیق پر ان احادیث مختلفہ میں کسی کی تاویل کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ تمام احادیث اپنے ظاہر معنی پر محمول ہیں کیونکہ جن احادیث سے تارک الصلوٰۃ کا کفر ثابت ہوتا ہے ان احادیث سے وہ بلاشبہ کافر ہیں اور ان کو کافر کہنا روا ہے مگر ہاں تارک الصلوٰۃ کا کفر ایسا کفر نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ملت اسلام سے خارج ہو جائے اور مغفرت وشفاعت ودخول جنت کا مستحق نہ رہے بلکہ تارک الصلوٰۃ کا کفر وہ کفر ہے جس کی وجہ سے نہ وہ ملت اسلام سے خارج ہوتا ہے اور نہ استحقاق مغفرت وشفاعت ودخول جنت سے محروم ہوتا ہے اور ہاں واضح رہے کہ ایسا کفر جو نہ مخرج از ملت اسلام ہو اور نہ مانع از استحقاق مغفرت وشفاعت احادیث سے ثابت ہے دیکھو حدیث

---

[1] اللہ تعالیٰ کسی کو شرک نہیں بخشیں گے اور اس کے علاوہ دوسرے گناہ جس کو چاہیں معاف کر دیں گے [2] جو ان کو ادا نہیں کرے گا اللہ کے پاس اس کا کوئی عہد نہیں چاہے تو اسے سزا دے چاہے تو معاف کر دے [3] جو آدمی شہادت دے کہ اللہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی طرف ڈالا اور اس کی طرف سے روح ہے اور جنت دوزخ حق ہے اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا خواہ اس کے عمل کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ [4] جو آدمی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اللہ اس کو آگ پر حرام کر دے گا [5] میری شفاعت انشاء اللہ ہر اس آدمی کو پہنچے گی جو اللہ کے

متفق علیہ[1] سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر اور حدیث متفق علیہ[2] لیس من رجل ادعی لغیر ابیہ وھو یعلمہ الا کفر اور حدیث مسلم[3] اثنتان فی الناس ھما بہم کفر الطعن فی النسب والنیاحۃ علی المیت اور حدیث صحیح[4] ایما عبد ابق من موالیہ فقد کفر اور حدیث صحیح[5] من قال لاخیہ یا کافر فقد باء بہا وغیر ذلک من الاحادیث ان تمام احادیث میں کفر سے بالاتفاق اسی قسم کا کفر مراد ہے قال[6] الشوکانی الکفر انواع منہا مالاینافی المغفرۃ ککفر اھل القبلۃ ببعض الذنوب التی سماھا الشارع کفرا وھو یدل علی عدم استحقاق کل تارک الصلوۃ للتخلید فی النار وقال سبب الوقوع فی مضیق التاویل توھم الملازمۃ بین الکفر و عدم المغفرۃ ولیست بکلیۃ وانتفاء کلیتہا یریحک من تاویل کثیر من الاحادیث وقال من سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافرا سمیناہ کافرا ولانزید علی ھذا المقدار ولانتاول بشئ منہا لعدم الملجئ الی ذلک واللہ تعالی اعلم کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روز بلاناغہ نماز کو جمع کرکے پڑھنا لینے نماز ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ پڑھنا یا برعکس جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

---

[1] مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کے ساتھ جنگ کرنا کفر ہے [2] جو آدمی جان بوجھ کر اپنے باپ کا انکار کرے وہ کافر ہے [3] لوگوں میں دو چیزیں کفر کی نشانی رہ جائیں گی نسب میں طعن کرنا اور میت پر نوحہ کرنا۔ [4] جو غلام اپنے مالک سے بھاگ جائے وہ کافر ہو گیا [5] جس نے اپنے بھائی کو کہا اے کافر وہ خود کافر ہو گیا [6] شوکانی نے کہا کفر کی کئی قسمیں ہیں ان میں بعض وہ بھی ہیں جن کی مغفرت ہو سکتی ہے جیسے اہل قبلہ کا کفران اعمال کی وجہ سے جن کو شارع نے کفر کہا ہے اور وہ دلالت کرتا ہے کہ تارک نماز ہمیشہ کے جہنم کا مستحق نہیں ہے تاویل کی تنگنائے میں داخل ہونے کا سبب یہ ہے کہ ہم نے کفر اور عدم مغفرت کو لازم ملزوم سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ کوئی کلیہ نہیں ہے اور اس کلیہ کی نفی تجھے بہت سی حدیثوں کی تاویل سے نجات دلا دے گی جس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کہا ہے ہم بھی اس کو کافر کہیں گے اور اس پر کچھ زیادہ نہ کریں گے اور نہ اس کی کوئی تاویل کریں گے کیونکہ اس سے مفر نہیں ہے۔

**الجواب**۔ قال اللہ تعالیٰ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا[1]
وعن جابر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاءہ جبریل علیہ السلام
فقال لہ قم فصلی الظہر حین زالت الشمس الحدیث رواہ احمد والنسائی والترمذی[2]
ہر نماز کو اپنے اپنے وقت پر پڑھنا، جیسا کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، فرض ہے اور
جمع تقدیم یا تاخیر حنفیہ کے نزدیک سوائے حج کے مطلقاً جائز نہیں ہے، جیسا کہ شرح وقایہ اور
دیگر معتبرات فقہ میں ہے۔ ولا یجمع فرضان فی وقت بلا حج۔ اور شافعیہ اور محدثین کے
نزدیک سفر میں جائز ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اور سارش میں جمع کرنے کی
کوئی صحیح وصریح دلیل کتب فقہ وحدیث سے پائی نہیں جاتی، جیسا کہ ماہرین فقہ وحدیث پر مخفی
نہیں، اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الظہر و
العصر وبین المغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولا مطر قیل لابن عباس رضی اللہ عنہ
ما اراد بذلک قال اراد ان لا یحرج امتہ۔ یعنی جمع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ظہر وعصر کو اور مغرب وعشاء کو مدینہ میں بغیر خوف ومطر کے، سو یہ جمع صوری پر محمول ہے، جیسا کہ صحیح
نسائی میں موجود ہے۔ حررہ محمد جمال الدین بن حافظ غلام رسول بن حافظ محمود، ساکن امرتسر
مسجد باغ والی۔

سید محمد نذیر حسین

**ہوالموفق**:۔ حضر میں ہر روز بلاناغہ نماز کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں ہے، اس واسطے
کہ یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے، رہی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ جس سے بظاہر
معلوم ہوتا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بلا کسی عذر کے نماز کو جمع کر کے پڑھا
ہے، سو اہل علم نے اس کے متعدد جواب لکھے ہیں، ازاں جملہ ایک یہ ہے، کہ اس حدیث میں
جمع بین الصلوٰتین سے مراد جمع صوری ہے یعنی ظہر کو اس کے آخر وقت میں، اور عصر کو اس کے
اول وقت میں پڑھا، وعلی ہذا القیاس مغرب وعشاء کو پڑھا، اس جواب کو علامہ قرطبی نے پسند
کیا ہے، اور امام الحرمین نے اس کو ترجیح دی ہے، اور قدماء میں سے ابن الماجشون اور طحاوی
نے اسی کے ساتھ جزم کیا ہے، اور ابن سید الناس نے اس کو قوی بتایا ہے، اس وجہ سے
کہ اس حدیث کے راوی ابوالشعثاء جنہوں نے اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت

---

[1] ایمانداروں پر نماز وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے۔
[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل آئے اور کہا اٹھیے، پھر جب سورج ڈھل گیا تو ظہر کی نماز پڑھی، الحدیث۔

کیا ہے، کا بھی یہی خیال تھا، کہ اس حدیث میں جمع سے جمع صوری مراد ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، کہ اس کی تقویت اس سے ہوتی ہے، کہ حدیث کے کسی طریق میں جمع کے وقت کا بیان نہیں ہے (یعنی یہ بیان نہیں ہے، کہ ظہر و عصر کو آپ نے کس وقت جمع کیا، آیا آپ نے جمع تقدیم کی یعنی ظہر کے وقت میں ظہر و عصر کو جمع کیا، یا جمع تاخیر کی یعنی عصر کے وقت میں ظہر و عصر کو جمع کیا یا جمع صوری کی و علی ہذا القیاس مغرب و عشار کے جمع کے وقت کا بھی ذکر نہیں ہے) پس اس حدیث میں جمع سے یا تو مطلق جمع مراد لیا جاوے، تو نماز کو اس کے وقت محدود و معین سے بلا عذر خارج کرنا لازم آئے گا، یا کوئی ایسا جمع مراد لیا جاوے، جس سے نماز کا اس کے وقت محدود و معین سے خارج کرنا لازم نہ آئے، اور احادیث مختلفہ میں توفیق و تطبیق بھی ہو جاوے، تو جمع صوری ہی مراد لینا اولیٰ ہے، علامہ شوکانی نیل میں لکھتے ہیں، کہ اس حدیث میں جمع سے جمع صوری مراد ہونا متعین ہے، اس پر دلیل نسائی کی یہ حدیث ہے (عن ابن عباس رضی اللہ عنہ صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الظہر والعصر جمیعا والمغرب والعشاء جمیعا اخر الظہر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر اور عصر کی نماز جمع کرکے پڑھی، اور مغرب اور عشار کی نماز جمع کرکے پڑھی، ظہر میں دیر کی اور عصر میں جلدی اور مغرب میں دیر کی اور عشار میں جلدی کی۔ پس جب کہ ابن عباس نے جو حدیث کے راوی ہیں، خود تصریح کردی، کہ جمع سے مراد جمع صوری ہے، تو اس حدیث میں جمع صوری ہی مراد ہونا متعین ہوا، اور اس حدیث میں جمع سے جمع صوری مراد ہونے کی تائید ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ لغیر میقاتھا الا صلوتین جمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفۃ وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتھا[1]۔ پس ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جمع بین الصلوتین کی مطلقاً نفی کرکے اس کو مزدلفہ میں منحصر کردیا ہے، حالانکہ حدیث جمع بین الصلاتین فی المدینہ کے راوی ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہیں، پس ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ مدینہ میں جو جمع بین الصلوتین واقع ہوئی تھی، وہ جمع حقیقی نہیں تھی، بلکہ صوری تھی، ورنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی دونوں روایتیں باہم لڑ جاویں گی، و نیز حدیث مذکور میں جمع سے جمع صوری مراد ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے

---

[1] میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کبھی کوئی نماز بے وقت پڑھی ہو مگر دو نمازیں کہ آپ نے مغرب اور عشار کو مزدلفہ میں جمع کیا اور اس دن صبح کی نماز وقت سے پہلے پڑھی۔

بھی حدیث جمع بین الصلوتین فی المدینہ کو روایت کیا ہے، اور انہیں عبداللہ بن عمر رضہ سے یہ روایت آئی ہے۔ خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان یؤخر الظھر ویعجل العصر فیجمع بینھما ویؤخر المغرب ویعجل العشاء فیجمع بینھما رواہ ابن جریر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، پس ظہر میں تاخیر اور عصر میں تعجیل فرما کر دونوں کو جمع کیا، اور مغرب میں تاخیر اور عشاء میں تعجیل فرما کر دونوں کو جمع کیا، پس عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت صاف بتاتی ہے کہ حدیث جمع بین الصلوتین میں جس میں مطلق جمع لفظ وارد ہوا ہے، جمع صوری ہی مراد ہے، و نیز جمع بین الصلوتین کی تین صورتیں ہیں، جمع تقدیم و جمع تاخیر و جمع صوری، اور حدیث ابن عباس رضہ میں لفظ جمع بین الظھر والعصر وبین المغرب والعشاء تینوں صورتوں کو شامل نہیں ہو سکتا، اور نہ ان میں سے دو کو، کیونکہ لفظ جمع فعل مثبت ہے، اور فعل مثبت اپنے اقسام میں عام نہیں ہوتا، کما صرح بہ ائمۃ الاصول، پس لفظ جمع سے ایک ہی صورت مراد ہوگی، اور ایک صورت خاص کا متعین ہونا دلیل پر موقوف ہے، اور جمع صوری کے متعین ہونے پر دلیل قائم ہے، لہذا یہی صورت متعین ہوگی، انتہی کلام الشوکانی مترجما و ملخصا۔

علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں جمع بین الصلوتین پر بہت اچھی بحث تفصیل کے ساتھ کی ہے آخر میں لکھتے ہیں۔ فالقول[1] بان ذلک الجمع صوری متحتم وقد جمعنا فی ھذہ المسئلۃ رسالۃ مستقلۃ سمیناھا تشنیف السمع بابطال ادلۃ الجمع انتہی۔ علامہ محمد بن اسمعیل الامیر سبل السلام میں لکھتے ہیں۔ واما الجمع فی الحضر فقال الشارح بعد ذکر ادلۃ القائلین بجوازہ فیہ انہ ذھب اکثر الائمۃ الی انہ لا یجوز الجمع فی الحضر لما تقدم من الاحادیث المبینۃ لاوقات الصلوات ولما تواتر من محافظۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اوقاتھا حتی قال ابن مسعود ما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوۃ لغیر میقاتھا الا صلوتین جمع بین المغرب والعشاء بجمع وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتھا واما حدیث

---

[1] یہ کہنا کہ یہ جمع صوری تھی غلط ہے، ہم نے اس مسئلہ میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے جس کا نام تشنیف السمع بابطال ادلۃ الجمع ہے۔ [2] جمع حضر کے اکثر ائمہ قائل نہیں ہیں، اور ان کی دلیل وہ حدیثیں ہیں جن میں اوقات کی پابندی لازمی قرار دی گئی ہے، اور دوسرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اوقات نماز پر پابندی کرنا، چنانچہ ابن مسعود کی حدیث میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی کوئی نماز بے وقت نہیں پڑھی، ماسوائے مزدلفہ کی دو نمازوں کے کہ وہاں آپ نے مغرب اور عشاء کو جمع کیا اور صبح کی نماز وقت سے پہلے پڑھی، اور مسلم کی ابن عباس

ابن عباس عند مسلم انہ جمع بین الظہر والعصر والمغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولا مطر فقیل لابن عباس ما اراد بذلک قال اراد ان لا یحرج امتہ فلا یصح الاحتجاج بہ لانہ غیر معین بجمع التقدیم والتاخیر کما ھو ظاہر روایۃ مسلم وتعیین واحد منہما تحکم فوجب العدول عنہ الی ما ھو واجب من البقاء علی العموم فی حدیث الاوقات للمعذور وغیرہ وتخصیص المسافر لثبوت المخصص وھذا ھو الجواب الحاسم واما ما یروی من الآثار عن الصحابۃ والتابعین فغیر حجۃ اذ للاجتہاد فی ذلک مسرح وقد اول بعضھم حدیث ابن عباس بالجمع الصوری واستحسنہ القرطبی ورجحہ وجزم بہ الماجشون والطحاوی وقواہ ابن سید الناس لما اخرجہ الشیخان عن عمرو بن دینار راوی الحدیث عن ابی الشعثاء قال قلت یا ابا الشعثاء اظنہ اخر الظہر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء قال وانا اظنہ قال ابن سید الناس راوی الحدیث ادری بالمراد منہ من غیرہ وان لم یجزم ابو الشعثاء بذلک واقول انما ھو ظن من الراوی والذی یقال فیہ ادری بما روی انما یجری فی تفسیرہ للفظ مثلاً علی ان فی ھذہ الدعوی نظراً فان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم رب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ یرد عمومھا نعم یتعین ھذا التاویل فانہ صرح بہ النسائی فی اصل حدیث ابن عباس ولفظہ صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ ثمانیا جمعا وسبعا جمعا اخر الظہر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء والعجب من

---

والی حدیث کہ آپ نے بغیر کسی عذر کے مدینہ میں نمازیں جمع کر کے پڑھیں، اس سے استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اس میں جمع تقدیم وتاخیر کی تعیین نہیں ہے، اور اگر کوئی تعیین کرے، تو یہ زبردستی ہے، تو اس صورت میں معاملہ اپنے اصل پر رہے گا کہ معذور کو جمع کرنے کی اجازت ہے، کیونکہ ان کا مخصص ثابت ہے، باقی رہے صحابہ اور تابعین کے آثار تو وہ حجت نہیں ہیں کیونکہ اس میں اجتہاد کو دخل ہے بعض نے ابن عباس کی حدیث کو جمع صوری پر محمول کیا ہے، مثلاً قرطبی، ماجشون، طحاوی، ابن سید الناس، چنانچہ راوی حدیث نے ابو الشعثاء سے پوچھا، کہ آپ نے شاید جمع صوری کی ہو، تو اس نے کہا، میرا بھی یہی خیال ہے، اور وہ جو کہتے ہیں، کہ حدیث کا راوی اس کا مطلب اچھا جانتا ہے، تو اس کا مطلب صرف یہ ہے، کہ الفاظ حدیث کی تشریح اس کی معتبر ہے، لیکن ابن عباس کی حدیث کی صراحت کے ساتھ ان کا اپنا عمل بھی اس کی وضاحت کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں، کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں سات سات، آٹھ آٹھ نمازیں جمع کر کے پڑھی ہیں، آپ نے ظہر کو مؤخر کیا اور

النووی کیف ضعف ھذا التاویل وغفل عن متن الحدیث المروی والمطلق فی روایۃ یحمل علی المقید اذا کانا فی قصۃ واحدۃ کما فی ھذا والقول بان قولہ اراد ان لا یحرج امتہ یضعف ھذا الجمع الصوری لوجود الحرج فیہ مدفوع بان ذلک ایسر من التوقیت اذ یکفی للصلوتین ذھاب واحد وقصد واحد الی المسجد ووضوء واحد بحسب الاغلب بخلاف الوقتین فالحرج فی ھذا الجمع لا شک اخف واما قیاس الحاضر علی المسافر کما قیل فوھم لان العلۃ فی الاصل ھی السفر وھو غیر موجود فی الفرع والا لزم مثلہ فی القصر والفطر انتہی قلت وھو کلام رصین وقد کنا ذکرنا مایلا فیہ فی رسالتنا الیواقیت فی المواقیت قبل الوقوف علی کلام الشارح رحمہ اللہ وجزاہ خیرا ثم قال واعلم ان جمع التقدیم فیہ خطر عظیم وھو کمن صلی الصلوۃ قبل دخول وقتہا فیکون حال الفاعل کما قال اللہ وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا الایۃ من ابتدائہا وھذہ الصلوۃ المتقدمۃ لا دلالۃ علیہا بمنطوق ولا مفہوم ولا عموم ولا خصوص انتہی ما فی السبل واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفی عنہ

**سوال**۔ زید بوجہ ضعف وسلب قوت جمع بین الصلوتین کر سکتا ہے یا نہ وہم چنیں ترک جماعت کرنا اس کو پہنچتا ہے یا نہ۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ زید اگر اس قدر ضعیف ومسلوب القوی ہو گیا ہے کہ فرائض پنجگانہ کو اپنے اپنے وقت پر نہیں پڑھ سکتا ہے، تو اس کو بوجہ ضعف وسلب قوت کے جائز ہے کہ جمع بین الصلوتین کیا کرے، اور اگر فرائض پنجگانہ کو اپنے اپنے وقت پر پڑھ سکتا ہے، تو

---

عصر کو مقدم اور مغرب کو مؤخر کیا اور عشاء کو مقدم تعجب ہے کہ نووی نے اس تاویل کو کیسے ضعیف قرار دیا اور حدیث مروی کے متن سے کیسے غافل رہا اور مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے، جب کہ ان کا واقعہ ایک ہی ہو، جیسا کہ اس حدیث میں ہے اور جمع صوری کی تاویل کو یہ قول ضعیف قرار دیتا ہے، کہ آپ کی امت پر آسانی ہو، لیکن یہ غلط ہے جمع صوری میں بھی تو آسانی ہوتی ہے کیونکہ نماز کی تیاری اور وضو وغیرہ ایک ہی دفعہ کرنا پڑتا ہے، اور وقت پر نماز پڑھنے کی نسبت اس میں آسانی ہے اور مسافر پر حاضر کو قیاس کرنا وہم ہے، کیونکہ اصل میں علت سفر ہے اور وہ فرع میں موجود نہیں ہے، ورنہ اس سے قصر اور فطر بھی لازم آئے گا، اور جمع تقدیم ایک خطرناک کام ہے کہ اس سے نماز وقت کے ہونے سے پہلے پڑھی گئی، اور یہ غلط ہے، واللہ اعلم

اس کو جمع بین الصلاتین پر مداومت نہیں کرنا چاہیے، ہاں اگر گاہے گاہے جمع کر لیا کرے، تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور زید مذکور کو ترک جماعت کرنا بھی جائز ہے لیکن اس وقت کہ جماعت میں حاضر ہونے سے دہ بالکل معذور و مجبور ہو، اور اگر اس کو جماعت میں حاضر ہونے کی طاقت ہو، تو اس کو حاضر ہی ہونا چاہیے۔

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمع کرنا دو نمازوں کا کیسا ہے مثلاً زید اپنے مکان سے بازار کو چلا، جو کہ اس کے مکان سے ایک میل یا دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے، تو اتنے فاصلہ کے درمیان نماز کو جمع کر سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ ایک میل یا دو میل کی مسافت باتفاق ائمہ سفر نہیں ہے، اور اتنے فاصلہ پر بالاتفاق قصر جائز نہیں ہے، پس صورت مسئولہ میں اتنے فاصلہ کے درمیان نماز کو جمع کرنا جائز نہیں، اور سفر کے علاوہ حضر میں بلا عذر نمازوں کو جمع کرنا درست نہیں ہے۔ قال فی سبل السلام من ۵ اما الجمع فی الحضر فقال الشارح بعد ذکر ادلۃ القائلین بجوازہ فیہ انہ ذہب اکثر الائمۃ الی انہ لا یجوز الجمع فی الحضر لما تقدم من الاحادیث المبنیۃ لاوقات الصلوۃ ولما تواتر من محافظۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اوقاتہا حتی قال ابن مسعود رض ما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلاۃ لغیر میقاتہا الا صلوتین جمع بین المغرب والعشاء بجمع وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتہا۔ اور حدیث ابن عباس جس میں یہ بیان ہے، کہ مدینہ میں حضرت م نے بغیر مطر و خوف کے نمازوں کو جمع کیا، سو یہ حدیث جواز جمع فی الحضر کے لئے حجت نہیں ہو سکتی، اس واسطے کہ اس میں تعیین جمع تقدیم یا جمع تاخیر کی نہیں ہے، اور اپنی طرف سے بلا دلیل ایک کو معین کر لینا تحکم ہے قال فی سبل السلام واما حدیث ابن عباس رض عند مسلم انہ جمع بین الظہر و العصر والمغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولا مطر قیل لابن عباس ما اراد بذلک قال اراد ان لا یحرج امتہ فلا یصح الاستدلال بہ لانہ غیر معین لجمع التقدیم

لہ حضر میں نماز جمع کرنا شارح نے قائلین جواز کے دلائل ذکر کرنے کے بعد کہا ہے، کہ اکثر امام اس کے قائل نہیں ہیں، ان احادیث کی بنا پر جو اوقات معینہ پر نماز ادا کرنے کے متعلق ہیں، اور یہ بھی تواتراً ثابت ہے، کہ آنحضرت نے مزدلفہ کے علاوہ ساری زندگی نماز وقت سے بے وقت نہیں پڑھی۔

کہ ابن عباس کی حدیث کہ انہوں نے مدینہ میں بغیر کسی عذر کے نمازوں کو جمع کر کے پڑھا اس بنا پر کہ امت پر تنگی نہ ہو

وانا خیر کما ھو ظاھر روایۃ مسلم و تعیین واحد منھما تحکم فوجب العدول عنہ الی ما ھو واجب من ابقاء علی العموم فی حدیث الاوقات للمعذور وغیرہ وتخصیص المسافر لثبوت المخصص وھذا ھو الجواب الحاسم واما ما یروی من الاثار عن الصحابۃ والتابعین فغیر حجۃ اذ للاجتھاد فی ذلک مسرح وقد اول بعضھم حدیث ابن عباس بالجمع الصوری واستحسنہ القرطبی ورجحہ وجزم بہ الماجشون والطحاوی وقواہ ابن سید الناس لما اخرجہ الشیخان عن عمرو بن دینار راوی الحدیث عن ابی الشعثاء قال قلت یا ابا الشعثاء اظنہ اخر الظھر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء قال وانا اظنہ قال ابن سید الناس راوی الحدیث ادری بما روی انما یجری فی تفسیرہ للفظ مثلا علی ان فی ھذہ الدعوی نظرا فان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فرب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ یرد عمومھا نعم یتعین ھذا التاویل فانہ صرح بہ النسائی فی اصل حدیث ابن عباس ؓ لفظہ صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ ثمانیا جمعا وسبعا جمعا اخر الظھر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء والعجب من النووی کیف ضعف ھذا التاویل وغفل عن متن الحدیث المروی والمطلق فی روایۃ یحمل

اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ جمع تقدیم یا تاخیر کی اس میں تعیین نہیں ہے، اور از خود ایک جانب کی تعیین کرنا زبردستی ہے، تو حکم اپنے اصل پر رہے گا، کہ معذور کو جمع کرنے کی اجازت ہے، کیوں کہ اس کا مخصص موجود ہے، اور صحابہ اور تابعین کے آثار حجت نہیں ہیں، کیونکہ اس میں اجتہاد کو دخل ہے، بعض نے ابن عباس رضؓ کی حدیث کو جمع صوری پر محمول کیا ہے، اسے قرطبی، ماجشون، طحاوی اور ابن سید الناس نے پسند کیا ہے، کیونکہ بخاری و مسلم میں ابو الشعثاء سے راوی حدیث نے کہا میرا خیال ہے، کہ آپ نے ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم کیا ہوگا، تو ابو الشعثاء نے کہا، میرا بھی یہی خیال ہے، ابن سید الناس نے کہا، کہ راوی حدیث کے مطلب کو اچھا سمجھتا ہے، اگرچہ ابو الشعثاء نے اپنے خیال کو تمام بیان نہیں کیا، لیکن اس دعوی میں نظر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ بہت سے علم والے اپنا علم ایسے آدمی کے پاس لے جاتے ہیں جو اس سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے، ہاں یہ تاویل نسائی کی حدیث سے متعین ہو جاتی ہے، کہ ابن عباس نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات سات اور آٹھ آٹھ نمازیں اکٹھی کر کے پڑھی ہیں، آپ ظہر کو مؤخر کرتے اور عصر کو مقدم اور مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم۔ اور نووی سے تعجب ہے، کہ انہوں نے اس تاویل کو ضعیف

علی المقید اذا کانا فی قصۃ واحدۃ کما فی ھذا والقول بان قولہ اراد ان لا یحرج امتہ یضعف ھذا الجمع الصوری لوجود الحرج فیہ مدفوع بان ذلک ایسر من التوقیت اذ یکفی للصلوتین تاھب واحد وقصد واحد الی المسجد ووضوء واحد بحسب الاغلب بخلاف الوقتین فالحرج فی ھذا الجمع لا شک اخف انتھی وقال فی الروضۃ الندیۃ والحق عدم جواز ذلک وکذا فی بدور الاھلۃ۔ واللہ تعالی اعلم۔ حررہ عبد العزیز عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ زید بعمر پچیس سال مرگیا، اور وہ صاحب مال تھا، اب اس کے وارثان چاہتے ہیں، کہ کچھ مال اس کے نماز وروزہ میں دیا جاوے، اب سوال یہ ہے، کہ نماز جو بدنی عبادت ہے، مال کے دینے سے ادا ہو سکتی ہے یا نہیں، اگر ادا ہو سکتی ہے، تو فی نماز کس قدر دیا جائے، اور نقد دینا بہتر ہے یا اناج، یا کوئی مسجد شکستہ کی تعمیر کرنا، یا کنواں یا سرائے بنانا، اور فرضیت نماز کی کس وقت سے شمار کی جاوے اور اگر مال کے دینے سے ادا نہیں ہو سکتی، تو اور کون سی تجویز ہے، کہ اللہ اس کی مغفرت کرے۔ بینوا توجروا

**جواب**: واضح ہو، کہ فقہ حنفی کی رو سے مال کے دینے سے نماز ادا ہو جاتی ہے، اور فی نماز آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع خرما یا جو مقرر ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے۔ ومن مات وعلیہ قضاء رمضان فاوصی بہ اطعم عنہ ولیہ لکل یوم مسکینا نصف صاع من بر او صاعا من تمر او شعیر ونیز ہدایہ میں ہے۔ والصلوۃ کالصوم باستحسان المشائخ وکل صلوۃ تعتبر بصوم یوم ھو الصحیح۔ یعنی جو شخص کہ موت کے قریب ہو، اور اس کے ذمہ روزہ رمضان کی قضا ہو، اور وہ شخص اس کے بارے میں وصیت کرے، تو اس کے ولی کو ہر روز ایک مسکین کو آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو دینا ہوگا، اور نماز مثل روزہ کے ہے باستحسان مشائخ، اور ہر نماز ایک روزہ کے برابر اعتبار کی جاوے گی، یہی صحیح ہے، اور نقد یا اناج سے بہتر یہی ہے، کہ کسی مسجد شکستہ کی تعمیر کرادی جاوے، یا کوئی کنواں یا سرائے بنوائی

---

قرار دیا ہے، اور حدیث مروی کے متن سے غفلت اختیار کی ہے، کیونکہ جب واقعہ ایک ہی ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے، اور نووی کا یہ کہنا، کہ حدیث کے الفاظ کہ آپ کی امت پر تنگی نہ ہو، یہ جمع صوری کی تاویل کو ضعیف قرار دیتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے، کہ جمع صوری میں بھی ایک طرح کی آسانی ہے، کیونکہ نماز کی تیاری، وضوء وغیرہ ایک ہی دفعہ کرنا پڑتا ہے، تو بلاشبہ اس میں بھی ایک طرح کی تخفیف ہے، واللہ اعلم۔

جاوے، کیونکہ یہ باتیں صدقہ جاریہ کی قسم سے ہیں، اور نماز کی فرضیت بالغ ہونے کے وقت سے شمار کی جاوے گی، کیونکہ شرعی احکام انسان کے ذمہ بلوغ ہی کے وقت سے متعلق ہوا کرتے ہیں۔ حررہ عبدالحق اعظم گڈھی

سید محمد نذیر حسین

**ھوالموفق**:۔ مذہب حنفی کا مسئلہ یہ ہے، کہ جو شخص اپنے روزہ رمضان کی قضا کے بارے میں وصیت کرکے مرجاوے، تو ورثار پاس وصیت کی وجہ سے ورثار کو ضرور چاہیئے کہ اس کے ہر روزہ کے بدلے آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا کھجور ایک مسکین کو دیں، اور وصیت نہ کرے، تو ورثار کو دینا ضروری نہیں ہے، مگر باوجود اس کے اگر وہ دیں، تو ادا ہو جاوے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور مشائخ حنفیہ نے روزہ کی قضا پر نماز کی قضا کو قیاس کیا ہے، استحساناً تو اگر کوئی شخص اپنی نماز کی قضا کے بارے میں وصیت کرکے مرجاوے، تو ورثار پر ضروری ہے، کہ ہر نماز کے بدلے آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا کھجور ایک مسکین کو دیں، اور اگر وصیت نہ کرے تو دینا ضروری نہیں، مگر باوجود اس کے اگر دیں، تو ادا ہو جاوے گی، انشاء اللہ تعالیٰ، ہدایہ کی پہلی عبارت جو ہدایہ سے منقول ہوئی ہے، اس عبارت کے بعد یہ عبارت ہے [1] لانہ عجز عن الاداء فی اٰخر عمرہ فصار کالشیخ الفانی ثم لا بد من الایصاء عندنا خلافا للشافعی انتہی۔ ہدایہ کے حاشیہ میں ہے ثم لا بد من الایصاء عندنا معناہ لا بد فی لزوم الاداء علی الورثۃ من الایصاء عندنا فانہ اذا لم یوص لم یلزم ومع ھذا لو ادی الورثۃ یتادی عنہ ان شاء اللہ تعالیٰ وعند الشافعی وان لم یوص یجب علی الورثۃ ادائہ انتہی۔ اور حدیث مرفوع صحیح سے جو بات صاف اور صریح طور پر ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے، کہ جب کوئی شخص مرجاوے اور اس کے ذمہ روزے باقی ہوں تو اس کی طرف سے اس کے ولی کو روزہ رکھنا چاہیئے، اور یہی مذہب اصحاب حدیث اور ایک جماعت کا ہے اور ابن عباس رضؓ کا فتویٰ یہ ہے، کہ میت کے ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانا چاہیئے

---

[1] کیونکہ وہ اپنی آخری عمر میں ادا کرنے سے عاجز آگیا ہے، اور شیخ فانی کی طرح ہو چکا ہے، پھر ہمارے نزدیک وصیت کرنا بھی ضروری ہے امام شافعی کے نزدیک نہیں

[2] ہمارے نزدیک مرنے والے کو اپنی نمازوں کے متعلق وصیت کرنا ضروری ہے اور اگر وارث از خود اس کی طرف سے ادا کر دیں، تو ان شاء اللہ اس کی طرف سے ادا ہو جائیں گی لیکن ان کے ذمہ لازم نہیں ہوگا اور امام شافعی کے نزدیک اگر وصیت نہ بھی کرے تو بھی وارثوں کے ذمہ اس کا ادا کرنا واجب ہے۔

اور یہی مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و شافعی رم و ابوحنیفہ رم کا ہے، اور میت کی نماز فوت شدہ کے بارے میں حدیث صحیح سے کچھ ثابت نہیں ہے، نہ یہ ثابت ہے، کہ اس کی طرف سے اس کے ولی نماز پڑھیں، اور نہ یہ ثابت ہے، کہ اس کی نماز کے بدلے مسکین کو کھانا دیں، غرض کچھ ثابت نہیں ہے، اور اس بارے میں کسی صحابی کا کوئی فتوی بھی نظر سے نہیں گذرا، پس موافق مسلک فقہار حنفیہ کے اگر میت کی نماز فوت شدہ کے بدلے میں صدقہ دیا جائے تو بس اسی پر اکتفا نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ میت کے لئے دعائے مغفرت بھی ضرور کرنا چاہیئے، کیونکہ دعار کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے، اور اس بارے میں آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ صریحہ موجود ہیں، واللہ تعالے اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ،

**سوال**:۔ میت نے اپنی حیات کے وقت نماز فرض کسی وجہ سے نہیں پڑھی ہے، تو اس کے وارث بعد ممات اس کے نماز فرض ادا کرسکتے ہیں یا نہیں، الداہ بزرگانہ اس مسئلہ کے جواب سے بصراحت مطلع فرمایا جائے، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ میت کی طرف سے اس کی نماز فوت شدہ کو اس کا کوئی وارث، یا کوئی شخص ادا نہیں کرسکتا، نسائی شریف ہے۔ عن[1] ابن عباس قال لا یصلی احد عن احد ولکن یطعم عنہ مکان کل یوم مد من حنطۃ۔ واللہ اعلم بالصواب

المجیب سید عبدالوہاب عفی عنہ

**مسئلہ**:۔ نماز جو عمداً ترک کی گئی ہو اس میں اختلاف ہے علمار کا جمہور کے نزدیک قضا فرض ہے، اور ایک جماعت علمار کے نزدیک قضا کرنا نہیں آتا اما القضاء للعامد فیستفاد من مفہوم الخطاب ودلالۃ النص فیکون من باب التنبیہ بالادنی علی الاعلی او یقال انہ اریدبالنسیان الترک المطلق من ذھول اولا ومنہ قولہ تعالی نسوا اللہ فانساھم انفسھم وقیل وجوب القضاء لہ بالخطاب الاول الموجب للاداء وقد بسط فی اصول الفقہ وذھب بعضھم ان العامد لا یقضی استدلالا بمفہوم

---

[1] حضرت ابن عباس رضہ نے کہا کہ کوئی آدمی کسی آدمی کی طرف سے نماز نہ پڑھے لیکن اس کی طرف سے ہر دن ایک مد بھر گیہوں کھانا کھلا دیا کرے (نسائی)

(ترجمہ مسئلہ) اگر کوئی شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے، تو اس کی قضا ہے یا نہیں؟ جمہور کا مذہب یہ ہے، کہ وہ قضا کرے لیکن داؤد ظاہری، ابن حزم اور بعض شافعی حضرات کہتے ہیں کہ اس پر قضا نہیں ہے، اور نہ قضا سے اس کا گناہ ختم ہوگا

الشرط انتہی ما فی المحلی شرح الموطا للشیخ سلام اللہ رح اقول قد اختلف اهل العلم فی قضاء الفوائت المتروکۃ لا لعذر فذهب الجمهور الی وجوب القضاء و ذهب داؤد الظاهری و ابن حزم و بعض اصحاب الشافعی و حکاه فی البحر عن ابن الهادی و الاستاذ و روایۃ عن القاسم و الناصر الی انه لا قضاء علی العامد غیر المعذور بل قد باء باثم ترک الصلوٰۃ و الیه ذهب شیخ الاسلام تقی الدین بن تیمیۃ و لم یات الجمهور بما یدل علی ذلک و لم اجد دلیلا لهم من کتاب و سنۃ الا ما ورد فی حدیث الخثعمیۃ حیث قال لها النبی صلی اللہ علیه و سلم فدین اللہ احق ان یقضی و هو حدیث صحیح و فیه من العموم الذی یفید لا المصدر المضاف ما یشتمل هذا الباب فهذا الدلیل لیس بایدی الموجبین سواه و قد اختلف اهل الاصول هل القضاء یکفی فیه دلیل وجوب المقضی ام لا بد من دلیل جدید یدل علی وجوب القضاء و الحق انه لا بد من دلیل جدید لان ایجاب القضاء مستقل غیر تکلیف الاداء و محل الخلاف هو الصلوٰۃ المتروکۃ بغیر عذر عمدا و اما اذا کان الترک لعذر نوم او سهو او نسیان او اشتغال بملاحمۃ القتال فانه یجب قضاء الصلوٰۃ المتروکۃ عند زوال العذر انتہی ما فی الدراری المضیۃ شرح الدرر البہیۃ للشیخ محمد بن علی الشوکانی و اللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الابصار حررہ سید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

**سوال:** ایک شخص سے بحالت بے ہوشی پانچوں وقت کی نماز فوت ہو گئی اس کا

---

اور اسی مسلک کو بحر الرائق میں ابن الہادی کی طرف منسوب کیا ہے۔ قاسم اور ناصر سے بھی یہی مروی ہے۔ کہ غیر معذور جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے پر قضا نہیں ہے۔ اور اگر وہ قضا دے بھی تو منظور نہیں ہے ابن تیمیہ کا یہی خیال ہے، اور اگر نماز نسیان یا نیند یا مجبوری کی وجہ سے فوت ہو جاوے تو اس کی قضا ہے سونے والا جب اٹھے اور بھولنے والا جب یاد کرے اور عذر والا عذر زائل ہو جانے کے بعد نماز ادا کرے اور جمہور کے پاس کوئی صریح حدیث یا اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ ماسوائے خثعمیہ کی روایت کے کہ اللہ کے قرضہ کا زیادہ حق ہے کہ اس کو ادا کیا جائے" یہ حدیث گو صحیح ہے لیکن صورت مسئلہ سے مطابق نہیں ہے کیونکہ یہاں اختلاف اس امر میں ہے، کہ نماز بغیر عذر کے جان بوجھ کر چھوڑی گئی ہے اور اس حدیث میں حج قضا کی اجازت دی گئی ہے، جو کہ عذر کی وجہ سے رہ گیا تھا۔ پس یہ حدیث اس مسئلہ کے لئے دلیل بن سکتی ہے۔ واللہ اعلم

کفارہ دینا لازم ہے، یا کہ قضا پڑھنا چاہیئے۔

**الجواب**۔ حالت بے ہوشی میں جو نماز فوت ہو اس کا کچھ کفارہ نہیں ہے، اور اس کی قضا پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک اور شافعی رح کے نزدیک اس صورت مسئولہ میں قضا نہیں ہے، اور ایک حدیث سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے، وہ حدیث یہ ہے عن عائشۃ انہا سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الرجل یغمی علیہ فیترک الصلوٰۃ فقال لا شئی من ذلک قضاء الا ان یغیق فی وقت صلوٰۃ فانہ یصلیہا رواہ الدارقطنی یعنی حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے، کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا، جو بے ہوش ہو جائے، پس اس کی نماز فوت ہو جائے تو فوت شدہ نماز کو قضا کرے یا نہیں، آپ نے فرمایا، کہ کسی فوت شدہ نماز کی قضا نہیں مگر جب کسی نماز کے وقت میں اس کو ہوش ہو، تو اس وقت کی نماز اس کو پڑھنا ہوگا، اس حدیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے، اسی کے قائل ہیں امام مالک رح اور امام شافعی رح مگر یہ حدیث نہایت ہی ضعیف نا قابل احتجاج ہے، اور امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک صورت مسئولہ میں پانچوں نماز فوت شدہ کی قضا پڑھنی ضروری ہے، اس واسطے کہ امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے اخبرنا ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن ابن عمر رضہ انہ قال فی الذی یغمی علیہ یوما و لیلۃ یقضی۔ یعنی ابن عمر رضہ نے فرمایا، کہ جو شخص ایک دن اور ایک رات بے ہوش رہے، وہ نماز فوت شدہ کی قضا پڑھے، اور دارقطنی نے یزید مولی عمار بن یاسر رضہ سے روایت کی ہے، کہ عمار بن یاسر رضہ ظہر سے عصر تک اور مغرب اور عشاء تک بے ہوش رہے، اور آدھی رات کو ہوش آیا، تو انہوں نے ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی، امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک دن اور ایک رات تک بے ہوشی رہے یا ایک دن ایک رات سے کم تو نماز فوت شدہ کی قضا پڑھنی چاہیئے اور اگر ایک دن ایک رات سے زیادہ بے ہوش رہے، تو نماز فوت شدہ کی قضا نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کی بوجہ بیماری کے چند روز کی نماز فوت ہو جاوے، اور اسی حالت میں وہ مریض قضا کر جاوے، تو اس کی پنج وقتی نماز فوت شدہ میں سے ہر نماز کے عوض کس قدر اور کس حساب سے صدقہ دیا جاوے

آگاہ فرماویں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ جس شخص کی نمازیں فوت ہوگئی ہوں اور اس شخص نے کفارہ نماز میں وصیت بھی کی ہو تو اس کے ولی کو لازم ہے کہ اس کی ہر نماز فوت شدہ کے عوض نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو صدقہ کرے [1] فی الحمادیۃ اذا مات وعلیہ صلوات فائتۃ و اوصی بان یعطی کفارۃ صلواتہ یعطی لکل صلوۃ نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع ولصوم یوم نصف صاع وانما یعطی من ثلث مالہ انتہی اور حالت عدم وصیت میں بھی تبرعا و احسانا جائز ہے کہ ولی میت کی طرف سے کفارہ دے [2] فی العالمگیریۃ وان لم یوص لورثتہ وتبرع بعض الورثۃ یجوز انتہی اور ہدایہ میں ہے [3] ومن مات وعلیہ قضاء رمضان فاوصی بہ اطعم عنہ ولیہ لکل یوم مسکینا نصف صاع من بر او صاعا من تمر او شعیر ونیز ہدایہ میں ہے [4] والصلوۃ کالصوم باستحسان المشائخ وکل صلوۃ تعتبر بصوم یوم ہو الصحیح واللہ اعلم

**سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی نے ایک وقت میں دو جماعت کے ساتھ امامت کرائی نماز جماعت ثانیہ خلف اس کے روا صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ روا صحیح ہے بموجب ان حدیثوں کے کہ جو بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں [5] فی المشکوۃ عن جابر قال کان معاذ بن جبلؓ یصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یاتی قومہ فیصلی بہم متفق علیہ وعنہؓ قال کان معاذ

---

[1] اگر کوئی آدمی مرجائے اور اس کے ذمہ نمازیں ہوں اور اپنی نمازوں کے کفارہ کی وصیت کرجائے تو ہر نماز کا کفارہ آدھا ٹوپہ گندم ہے اور وتر کا بھی نصف صاع ہے اور ایک دن کے روزے کا کفارہ بھی نصف صاع ہے اور یہ کفارہ ثلث مال سے دیا جائیگا [2] اگر مرنے والا وارثوں کو کفارہ کی وصیت نہ کرجائے اور وارث از خود کفارہ دے دیں تو جائز ہے [3] اگر کوئی آدمی مرجائے اور اس پر رمضان کے روزوں کی قضا ہو اور وصیت کرجائے تو اس کے وارث ہر روزہ کے بدلے میں نصف صاع گندم یا کھجور اور جو کا ایک صاع کفارہ میں دیدیں [4] مشائخ نے استحسانا نماز کو روزے کی طرح قرار دیا ہے اور ہر نماز ایک دن کے روزے کے برابر ہے [5] معاذ بن جبلؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے پھر اپنی قوم میں آتے اور ان کو نماز پڑھاتے حضرت معاذ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

يصلي مع النبي صلى الله عليه العشاء ثم يرجع الى قومه فيصلي بهم العشاء وهي له نافلة رواه البخاري والبيهقي اقول الاظهر الانسب ارجاع الضمير الى الاقرب فيفهم منه صحة اقتداء المفترض بالمتنفل كما هو المعول عند المتامل فعليك بالانصاف فانه من خير الاوصاف قال النووي في هذا الحديث جواز صلوة المفترض خلف المتنفل لان معاذا كان يصلي الفريضة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فسقط فرضه ثم يصلي مرة ثانية بقومه هي له تطوع ولهم فريضة وقد جاء هكذا مصرحا به في غير مسلم وهذا جائز عند الشافعي وآخرين رحمهم الله تعالى اسند لالا بهذا الحديث والتاويلات دعاوي لا اصل لها فلا يترك بها ظاهر الحديث قال صاحب التوضيح صلوة معاذ بقومه فيه دلالة على صحة صلوة المفترض خلف المتنفل الخ في المرقاة قال القاضي الحديث يدل على جواز اقتداء المفترض بالمتنفل فان من ادى فرضا ثم اعاد يقع المعاد نفلا قال ابن المبارك وبه قال الشافعي الخ في المشكوة عن جابر ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي بالناس صلوة الظهر في الخوف ببطن نخل فصلى بطائفة ركعتين ثم سلم ثم جاء طائفة اخرى فصلى بهم ركعتين ثم سلم رواه في شرح السنة في المرقاة لا اشكال في ظاهر الحديث على مقتضى مذهب الشافعي رحمة الله عليه فانه محمول على حالة القصر وصلى بالطائفة الثانية نفلا الخ قال النووي وكان صلى الله عليه وسلم متنفلا في الثانية وهم مفترضون وبه استدل الشافعي واصحابه على جواز صلوة المفترض خلف المتنفل وحكوه عن الحسن البصري انتهى موجزا اقول وهكذا افاده السيد في شرح المشكوة و

---

کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے پھر اپنی قوم میں واپس آتے اور ان کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور یہ نماز انکی نفل ہوتی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز ہو جاتی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب اور اس کے برخلاف جو دعاوی تاویلات پیش کئے جاتے ہیں ان کا کوئی اصل نہیں ہے حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف کے وقت بطن نخل میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی ایک جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا پھر دوسری جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا ملا علی قاری نے کہا ہے کہ امام شافعی کے مذہب پر تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ نفل کے پیچھے فرض کی نیت صحیح جانتے ہیں اور آنحضرت قصر کی حالت میں تھے پچھلی دو رکعت جو آپ نے دوسری جماعت کو پڑھائیں وہ آپ کی نفل نماز تھی۔ حسن بصری اور عبداللہ بن مبارک کا یہی مذہب ہے

هو المراد لما في الصحيحين وغيرهما في المقام فكانت له صلى الله عليه وسلم اربع ركعات و القوم ركعتان كما يظهر صريحا من سنن ابي داؤد وغيره وتكميل تفصيل المقال لا يليق بتعليل تقليل المجال والتضييق والله اعلم بالصواب حرره سيد محمد نذير حسين عفي عنه

[سید محمد نذیر حسین]

**سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام تنہا مسجد کے سائبان میں دالسے پر کھڑا ہو اور مقتدی سب کے سب صحن مسجد میں نیچے کھڑے ہوں تو اس قدر بلندی اور پستی امام و مقتدی کی مانع اقتدا ہے یا نہیں حدیث اور فقہ سے جواب دیجئے اور اختلاف احادیث اور ائمہ اجتہاد جو اس میں ہو اس سے مطلع فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ اس باب میں حدیثیں مختلف وارد ہوئی ہیں اور علمائے اجتہاد کے اقوال بھی مختلف ہیں لیکن احادیث اور اقوال ائمہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت اقتدا اور امامت کی سب کے نزدیک جائز ہے اما الاحاديث فعن سهل بن سعد ان النبي صلى الله عليه وسلم جلس على المنبر في اول يوم وضع فكبر وهو عليه ثم ركع ثم نزل القهقرى فسجد وسجد الناس معه ثم عاد حتى فرغ فلما انصرف قال ايها الناس انما فعلت ذلك لتأتموا بي ولتعلموا صلوتي متفق عليه پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ امام اگر اونچی جگہ پر کھڑا ہو اور مقتدی سب کے سب نیچے ہوں تو اقتدا اور امامت اور نماز درست ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور اپنی کتاب صحیح میں وہ اسی جواز کے قائل ہوئے ہیں اور اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اور ان کے اتباع اور موافقین بھی ہیں اور ان کے نزدیک بھی یہی حدیث اس کے جواز کی حجت ہے وعن همام ان حذيفة ام الناس بالمدائن على دكان فاخذ ابو مسعود بقميصه فجذبه فلما فرغ من صلوته قال الم تعلم انهم كانوا ينهون عن ذلك قال بلى قد ذكرت ذلك حين مددتني رواه ابوداؤد وصححه

---

لہ سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پہ پہلی مرتبہ بیٹھے آپ نے اسی پر تکبیر کہی پھر رکوع کیا پھر پیچھے چلتے ہوئے نیچے اتر آئے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے یہاں تک کہ آپ نماز سے فارغ ہوئے اور فرمایا اے لوگو! میں نے یہ اس لئے کیا تاکہ تم کو میری نماز کا علم ہو سکے اور میری اقتدا کر سکو۔ حضرت حذیفہ نے مدائن میں ایک دکان پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائی ابو مسعود نے آپکو قمیص سے پکڑ کر کھینچا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کیا تم نہیں جانتے کہ اس طرح کرنا منع ہے انہوں نے کہا ہاں جب آپ نے مجھ کو قمیص سے پکڑ کر کھینچا تو

ابن خزیمہ و ابن حبان والحاکم وقواہ الحافظ فی التلخیص وعن ابن مسعود قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوم الامام فوق شئی والناس خلفہ یعنی اسفل منہ رواہ الدار قطنی لکن المرفوع ضعیف۔ پس یہ دونوں حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ امام اونچی جگہ پر کھڑا ہو اور مقتدی سب کے سب نیچے ہوں تو یہ امر ناجائز اور ممنوع ہے اور یہی مذہب ہے حنفیہ اور شافعیہ اور مالکیہ رحمہم اللہ کا اور یہی حدیثیں ان کی دلیل ہیں پس یہی ہے خلاصہ مذاہب اور ادلہ اس مسئلہ کا۔ تطبیق بین الاحادیث۔ حدیث صلوۃ علی المنبر کی محمول ہے تھوڑی سی بلندی کے جواز پر اور حدیث نہی عن الرفع کی محمول ہے زیادہ بلندی پر جس کی تقدیر میں علما نے اپنی اپنی رائے الگ قائم کی ہے پس دونوں حدیثوں کے ملانے سے یہ بات قائم ہوئی کہ ارتفاع قلیل امام کے لئے جائز ہے اور ارتفاع کثیر ممنوع ہے۔

## تطبیق بین اقوال الائمۃ رحمہم اللہ تعالیٰ

امام بخاری اور ان کے موافقین و اتباع رحمہم اللہ نے جو امام کا بلند جگہ پر کھڑا ہونا جائز کہا ہے تو اس سے بلندی ایسی مراد ہے جس سے امام کا حال مقتدیوں سے مخفی نہ رہے اور حنفیہ اور مالکیہ اور شافعیہ وغیرہ علما نے مطلق بلندی کو ناجائز کہا ہے سو ان لوگوں کا قول محقق نہیں ہے فی نیل الاوطار وذہب الشافعی الی انہ یغتفر قدر ثلاث مائۃ ذراع وقال عطاء لایضر البعد فی الارتفاع مہما علم المؤتم بحال الامام وقال فی الدر المختار یکرہ انفراد الامام علی الدکان للنہی وقدر الارتفاع بذراع ولا باس بما دونہ وقیل مایقع بہ الامتیاز وہو الاوجہ ذکرہ الکمال وغیرہ وکرہ عکسہ فی الاصح وقال فی العالمگیریۃ ویکرہ ان یکون الامام وحدہ علی الدکان وکذا القلب فی ظاہر الروایۃ کذا فی الہدایۃ وان کان بعض القوم معہ فالاصح انہ لایکرہ کذا فی محیط السرخسی ثم قدر الارتفاع قامۃ ولا باس بما دونہا ذکرہ الطحاوی وقیل انہ مقدر بما یقع بہ الامتیاز وقیل مقدار الذراع اعتبارا بالسترۃ وعلیہ الاعتماد کذا فی التبیین وغایۃ البیان وہو الصحیح کذا فی البحر الرائق

---

مجھے یاد آگیا لے امام شافعی نے کہا کہ اگر امام ایک ہاتھ کی بلندی پر ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ عطاء نے کہا اگر اتنی بلندی ہو کہ امام کے تمام حالات کا علم ہو سکے تو کوئی حرج نہیں ہے در مختار میں ہے کہ اگر اکیلا امام بلندی پر ہو اور تمام مقتدی نیچے ہوں تو یہ ناجائز ہے اگر کچھ امام کے ساتھ بھی ہوں تو جائز ہے اور اگر ایک ہاتھ کی بلندی ہو یا اس سے کم ہو تو کوئی حرج نہیں ہے طحاوی نے کہا اگر بلندی آدمی کے قد سے کم ہو تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ بلندی ایک ہاتھ تک ہو تو کوئی حرج نہیں۔

پس اب واضح ہوگیا، کہ احادیث اور اقوال رجال امت اگرچہ باہم بظاہر مختلف معلوم ہوتے ہیں، لیکن وہ درحقیقت سب کے سب ادائے معنی میں متحد ہیں، اور مراد احادیث کا مفاد بھی یہی ہے، کہ امام کا تنہا اکیلا تھوڑی سی بلندی پر کھڑا ہونا مضر نہیں ہے، بلکہ درست اور جائز ہے، اور زیادہ بلندی پر کھڑا ہونا ممنوع اور ناجائز ہے، اور رجال امت کے اقوال کا مفاد بھی یہی ہے غایۃ الامر علماء نے تقدیر بلندی وپستی جائز وناجائز میں اختلاف کیا ہے۔ نتیجہ کلام کا یہ ہوا کہ امام اکیلا مسجد کے سائبان میں واسطے پر کھڑا ہو اور سب مقتدی صحن مسجد میں نیچے کھڑے رہیں تو حدیث کے رو سے یہ امر جائز ہے، اور علمائے حنفیہ اور شافعیہ اور مالکیہ محققین رحمہم اللہ کے سب کے نزدیک یہ امر جائز ہے، جیسا کہ تطبیق احادیث واقوال بالا سے واضح ہوگیا ہے اور امام المحدثین جناب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین واتباع رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ہذا ما ظہر لنا واللہ اعلم بالصواب ومنہ الاصابۃ فی کل باب، حدیث بخاری سے جواز معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ صورت اگر ناجائز ہوتی، تو ناجائز صورت سے تعلیم نہ کرتے، اس سے ابن دقیق العید کے اعتراض کا جواب بھی ہوگیا، ہاں اولیٰ وافضل یہی ہے، کہ امام بلند جگہ پر کھڑا نہ ہو، اور حدیث نہی محمول خلاف اولےٰ پر ہے، کما ہو داب العلماء کافۃ فی التطبیق بین الاحادیث واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ العاجز ابو عبدالرحمن محمد عفی عنہ مصحح مطبع انصاری۔

الامر کما قال۔ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

السید محمد نذیر حسین (۱۲۸۱)

**سوال**:۔ ما قول السادۃ العلماء الکرام فی رجل صلی مع جماعۃ ثم ادرک جماعۃ اخری یصلون تلک الصلوۃ ھل لہ ان یصلی معھم ثانیا۔ بینوا توجروا

**الجواب**:۔ نعم جاز لہ ان یصلی معھم ثانیا لحدیث یزید بن الاسود قال شھدت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ فصلیت معہ صلوۃ الصبح فی مسجد الخیف فلما قضی صلوتہ انحرف فاذا ھو برجلین فی اخری القوم لم یصلیا فقال علی بھما فجئ بھما ترعد فرائصھما فقال ما منعکما ان تصلیا معنا فقالا

---

سوال:۔ اگر کوئی آدمی جماعت سے نماز پڑھ لے، پھر دوسری جماعت اس کو مل جائے، تو کیا وہ ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ہاں ان کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے، یزید بن اسود نے کہا، میں حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا صبح کی نماز مسجد خیف میں پڑھی، جب فارغ ہوئے تو آپ نے دیکھا دو آدمی پیچھے بیٹھے ہوئے

یارسول اللہ انا کنا قد صلینا فی رحالنا قال فلا تفعلا اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما المسجد جماعۃ فصلیا معھم فانھا لکما نافلۃ رواہ خمسۃ الا ابن ماجۃ وفی لفظ لابی داؤد واذا صلی احدکم فی رحلہ ثم ادرک الصلوٰۃ مع الامام فلیصلھا معہ فانھا لہ نافلۃ کذا فی المنتقی قال الشوکانی فی النیل ص۴۰ ج۳ الحدیث اخرجہ ایضا الدارقطنی وابن حبان والحاکم وصححہ ابن السکن وقال الترمذی حسن صحیح قال قولہ فانھا لکما نافلۃ فیہ تصریح بان الثانیۃ فی الصلوٰۃ المعادۃ نافلۃ وظاھرہ عدم الفرق بین ان تکون الاولی جماعۃ او فرادی لان ترک الاستفصال فی مقام الاحتمال ینزل منزلۃ العموم فی المقال انتہی۔ ولحدیث ابی سعید قال صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدخل رجل فقام یصلی الظھر فقال الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ اخرجہ الترمذی وحسنہ وابن حبان والحاکم ولحدیث محجن بن الادرع قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی المسجد فحضرت الصلوٰۃ فصلی یعنی ولم اصل فقال لی الا صلیت قلت یارسول اللہ قد صلیت فی الرحل ثم اتیتک قال فاذا جئت فصل معھم واجعلھا نافلۃ رواہ احمد۔ قال الشوکانی فی النیل ص۴۳ ج۲ وحدیث محجن اخرجہ ایضا مالک فی الموطا والنسائی وابن حبان والحاکم فان قلت قال ابن عبد البر قال جمھور الفقھاء انما یعید الصلوٰۃ مع الامام فی جماعۃ من صلی وحدہ فی بیتہ او

---

تھے، انہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی، آپ نے فرمایا ان کو میرے پاس لاؤ، وہ آئے، تو ان کے کندھے کانپ رہے تھے، آپ نے فرمایا، تم نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ کہنے لگے، ہم اپنے خیموں میں نماز پڑھ آئے تھے، آپ نے فرمایا، ایسا نہ کرو، جب تم اپنے خیموں میں نماز پڑھ لو، پھر تم جماعت والی مسجد میں آؤ، تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لو، وہ تمہارے لئے نفل نماز بن جائے گی، امام ترمذی نے کہا، دوسری نماز جو جماعت کے ساتھ پڑھی جائے گی، وہ نفل ہو گی، اور پہلی فرض ہو گی، خواہ جماعت کے ساتھ پڑھی یا اکیلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے، ایک آدمی آیا، آپ نے فرمایا کوئی آدمی ہے، جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے (اس سے معلوم ہوا کہ جماعت سے نماز پڑھی ہو تو بھی دوسری جماعت سے نماز پڑھ سکتا ہے) محجن بن ادرع مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، جماعت کھڑی ہوئی، تو انہوں نے جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھی، آپ نے پوچھا تو نے نماز کیوں نہیں پڑھی؟ انہوں نے کہا میں پڑھ چکا ہوں، آپ نے فرمایا،

فی غیر بیتہ واما من صلی فی جماعۃ وان قلت فلا یعید فی اخری قلت او کثرت ولو اعاد فی جماعۃ اخری لاعاد فی ثالثۃ ورابعۃ الی ما لا نہایۃ لہ وھذا لا یخفی فسادہ قال وممن قال بھذا القول مالک وابو حنیفۃ والشافعی واصحابھم ومن حجتھم قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصلی صلوۃ فی یوم مرتین انتھی قلت من صلی صلوۃ فی جماعۃ ثم مر بجماعۃ یصلون تلک الصلوۃ فاعادھم تلک الصلوۃ فلا یلزم علیہ محذور لان ھذا امر اتفاقی وقلما یتفق مرورہ الی ثالثۃ ورابعۃ فما ظنک بخامسۃ او سادسۃ فما ادعی فیہ الفساد لیس فیہ فساد واما قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصلی صلوۃ فی یوم مرتین فلا یدل علی ما ادعی قال الشوکانی فی النیل ص ۳۳۳ ج ۳ قولہ لا تصلوا صلوۃ فی یوم مرتین لفظ النسائی لا تعاد الصلوۃ فی یوم مرتین قد تمسک بھذا الحدیث القائلون ان من صلی فی جماعۃ ثم ادرک جماعۃ لا یصلی معھم کیف کانت لان الاعادۃ لتحصیل فضیلۃ الجماعۃ وقد حصلت لہ وھو مروی عن الصیدلانی والغزالی وصاحب المرشد قال فی الاستذکار اتفق احمد بن حنبل واسحق بن راھویہ علی ان معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصلوا صلوۃ فی یوم مرتین ان ذلک ان یصلی الرجل صلوۃ مکتوبۃ علیہ ثم یقوم بعد الفراغ منھا فیعیدھا علی جھۃ الفرض ایضا واما من صلی الثانیۃ مع الجماعۃ علی انھا نافلۃ اقتداء بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی امرہ بذلک فلیس ذلک من اعادۃ الصلوۃ فی یوم مرتین لان الاولی فریضۃ والثانیۃ نافلۃ فلا اعادۃ حینئذ انتھی۔ واللہ تعالی اعلم

| کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ | سید محمد نذیر حسین |
| --- | --- |

جب ایسا واقعہ ہے، تو نماز دوبارہ پڑھ لیا کرو، یہ نماز تیرے لئے نفل ہو جائے گی،

اگر کوئی آدمی گھر میں پہلے اکیلا نماز پڑھے، اور پھر اس کو جماعت کے ساتھ نماز مل جائے، تو دوبارہ پڑھ لے اور اگر پہلے بھی جماعت ہی سے نماز پڑھی ہو، اور پھر دوسری مرتبہ جماعت ملے، تو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، امام مالک ابوحنیفہ اور شافعی کا یہی مذہب ہے، اور امام احمد، اسحق بن راہویہ کا مذہب یہ ہے، کہ پھر دوسری جماعت میں بھی شامل ہو جائے، اور وہ جو حدیث میں آیا ہے، کہ ایک نماز دو مرتبہ نہ پڑھی جائے، تو اس کا مطلب یہ ہے، کہ دونوں مرتبہ فرض کی نیت کرکے نہ پڑھے، بلکہ دوسری مرتبہ نفل نماز کی نیت کرے۔

**سوال:** قبل تکبیر تحریمہ کے ایک شخص نے سنت شروع کیں، پھر ابھی نماز میں تھا، کہ تکبیر ہوگئی، اب وہ نماز کو توڑ کر فرائض میں شامل ہوگیا، اب اس پر قضا سنت واجب ہے یا نہ، بینوا توجروا

**الجواب:** صورت مسئولہ میں سنت متروکہ کو ضرور قضا کرنا چاہیے، فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے [1] من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلهما بعد ما تطلع الشمس رواہ الترمذی اور حدیث عائشہ رضؓ میں آیا ہے [2] كان اذا لم یصل اربعا قبل الظہر صلاهن بعدها رواہ الترمذی نیل الاوطار میں اس حدیث کے تحت میں مذکور ہے۔ [3] والحدیث یدل علی مشروعیۃ المحافظۃ علی السنن التی قبل الفرائض ونیز اسی کتاب میں دوسری جگہ میں مذکور ہے [4] والحدیث یدل علی مشروعیۃ قضائہ اذا فات لنوم او عذر من الاعذار۔

حررہ الاجوبۃ محمد عبد الحق ملتانی ۲۲ جمادی الاخری سنۃ ۱۳۱۷ھ

| سید محمد نذیر حسین |
|---|

**سوال:** خواجہ سرائے جائے خواہد کہ امامت کند، یا اذان گوید، یا در مقدمہ کسے گواہی دہد، درست است یا نہ بینوا توجروا۔

**الجواب:** امامت خواجہ سرائے جائز است بشرطیکہ معذور بعذر امامت نباشد واذان او نیز درست وشہادتش ہم مقبول۔ کما ہو مذکور فی الہدایۃ۔ ویقبل شہادۃ الاقلف والخصی قال عمر رضی اللہ عنہ تقبل شہادۃ علقمۃ الخصی لانہ قطع عضو منہ ظلما فصار کما قطعت یدہ انتہی۔

| سید محمد نذیر حسین | ھو الخالق | سید محجوب علی | محمد صدر الدین | محمد نقی خان |
|---|---|---|---|---|

[1] جس نے صبح کی دو سنتیں نہ پڑھی ہوں وہ سورج نکلنے کے بعد پڑھے۔ [2] جب آپ ظہر سے پہلے چار رکعت نہ پڑھ سکتے، تو بعد میں پڑھ لیتے [3] اس حدیث میں دلیل ہے، کہ فرضوں سے پہلے سنتوں پر محافظت کرنا چاہیے ۱۲

[4] حدیث دلالت کرتی ہے، کہ جب نیند یا عذر کی وجہ سے فوت ہوجائے تو اس کی قضا دینا چاہیے۔

سوال:- اگر مخنث کسی جگہ امامت کرائے یا اذان کہے یا کسی مقدمہ میں گواہی دے، تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر مخنث میں امامت کی شرائط پائی جاتی ہوں، تو اس کی امامت درست ہے، اذان بھی درست ہے اس کی شہادت بھی مقبول ہے، بے ختنہ اور خصی کی شہادت بھی قبول ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علقمہ کی شہادت قبول کرلی تھی، حالانکہ وہ خصی تھا، کیونکہ اس نے اپنے جسم سے ایک عضو ظلم سے کاٹ دیا تھا، جیسا کہ کسی کا ہاتھ کٹا ہو ۱۲

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، کہ ایک مخنث ہے، اس نے اپنے کاروا ہیات سے مطلق توبہ کرلی ہے، اور مخنث مزدوری کرتا ہے، چنانچہ سال گذشتہ حج بھی کرآیا ہے، غرض بہر صورت گناہوں سے نہایت ڈرتا ہے اور بچتا ہے، آیا نماز جماعت میں اس مخنث کو شامل ہونا نزدیک شرع شریف کے جائز ہے یا نہیں

الجواب:۔ درصورت مرقومہ واضح ہو، کہ مخنث یعنی ہجڑہ کہ اس دیار میں موجود ہیں، مرد ہیں، اور سارے لوازم ذکور کے ان پر جاری ہوتے ہیں، اگر بدکاری اور افعال شنیعہ سے توبہ اور استغفار کریں اور متقی پرہیزگار ہوجاویں، تو امامت ان کی درست اور جائز ہے باجماع مسلین چہ جائے کہ صف مقتدیوں میں کھڑا ہونا ہر صورت سے جائز ہے، اور اس مسئلہ میں کسی امام اور محدث کا اختلاف نہیں بالاتفاق صف میں کھڑا ہونا جائز ہے، چنانچہ کتب فقہ شرح وقایہ اور ہدایہ اور کفایہ اور در مختار و فتاوی عالمگیری و بحر الرائق وغیرہ میں مذکور ہے، اور اس باب میں حدیث بھی کتب صحاح میں موجود ہے، اس میں شک و شبہ کرنا درست نہیں۔ الخصی[1] والمجبوب والمخنث فی النظر الی الاجنبیۃ کالفحل کذا فی الدر المختار والھدایۃ وغیرھما واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درباب امامت اگر امام نابینا اور مرغ باز معروف اور سننے والا راگ زنان فاحشہ ہے امام مسجد واسطے ہمیشہ کے مقرر کریں، اس شخص کے پیچھے واسطے پڑھنے نماز کے کیا حکم رکھتا ہے۔ بینوا توجروا،

الجواب:۔ درصورت مرقومہ امام بنانا اور مقرر کرنا نابینا کو کہ مرغ باز اور سننے والا راگ زنان فاحشہ کا ہو، موجب کراہت تحریمہ اور سبب گناہ کا ہے، پس ہرگز روا و درست نہیں امام بنانا اس کو کیونکہ وہ فاسق ہے، اور امام بنانے میں اس کی تعظیم اور بزرگی منصور ہوتی ہے، حالانکہ وہ قابل اہانت کے ہے، جناب مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بیچ تفسیر اپنی کے ارشاد فرماتے ہیں لاینال عھدی الظالمین[2] یعنی نمی رسد عہدہ خدمت و منصب من بظالماں خواہ نبوت باشد و خواہ امامت و خواہ خلافت باشد خواہ ولایت بموجب شرع شریف

---

[1] خصی آدمی، اور جس کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو اور مخنث اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کے بارے میں مرد ہی کی طرح ہیں۔

[2] یعنی میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا، یعنی ظالموں کو کوئی عہدہ خدمت و منصب خواہ نبوت ہو یا امامت و خلافت نہیں مل سکے گا، فاسق اگر زیادہ عالم ہو، تو بھی اس کو آگے کھڑا نہ کیا جائے، اس لئے کہ اس کو آگے کھڑا کرنے

ظالماں وفاسقاں را نباید داد تمام شد عبارت تفسیر عزیزی ما ما الفاسق الاعلم فلا یقدم لو
کان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا ومفادہ کراھۃ التحریم
ابو السعود انتہی ما فی الطحطاوی حاشیۃ الدر المختار اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے
شرح سفر السعادت میں ایک حدیث نقل کی ہے لا یؤمن فاجر مومنا ترجمہ یعنی امامت
نہ کراوے فاجر فاسق مرد مسلمان دیندار کی پس مرد مسلمان ذی اقتدار کو روا نہیں کہ امام مقرر کرے
کسی فاسق فاجر کو واسطے منصب امامت کے۔

امام شعرانی کشف الغمہ میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے
کہ امام بناؤ مرد نیک بخت کو کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ما یقول اجعلوا
ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم انتہی ما فی کشف الغمہ اور
مشکوٰۃ شریف میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تین
شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی، ایک وہ شخص کہ نماز پڑھاتا ہو کسی قوم کو کہ وہ لوگ اس کو مکروہ جانتے
ہوں اور بدوضعی اس کی سے ناخوش ہوں، اور دوسرا وہ شخص کہ نماز کو قضا کرتا ہو اور تیسرا وہ شخص کہ
حر کو غلام بنایا ہو روایت کیا اس کو ابو داؤد وابن ماجہ نے عن ابن عمر قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ لا تقبل منھم صلوتھم من تقدم قوما وھم لہ کارھون
ورجل اتی الصلوۃ دبارا والدبار ان یاتیھا بعد ان تفوتہ ورجل اعتبد محررۃ
رواہ ابو داؤد وابن ماجہ کذا فی المشکوٰۃ، پس بموجب روایات فقہ وحدیث کے نابینا مذکور
بالا کو امام مقرر کرنا ہمیشہ کو بہت برا اور قریب حرام کے ہے، صاحب مسجد پر فرض وواجب ہے
کہ نابینا فاسق کو امام مسجد کا مقرر نہ کرے، اگر مقرر کرے گا گنہ گار ہوگا، کہ خلاف حکم رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں لاوے گا، اور وبال نقصان نماز اور عدم ثواب جماعت کا اس پر
ہوگا، وما علینا الا البلاغ۔ حررہ سید شریف حسین

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

شہاب الدین ۱۲۹۰ | محمد عبد القادر ۱۲۸۸ غزنوی | متوطن ٹونک | عبد الغفور ۱۲۸۸

محمد ظہیر الدین | محمد اسد علی ۱۲۸۱ | عنایت اللہ ۱۲۸۸ | محمد عبد العزیز ۱۲۸۸ الہاشمی المنیری

خادم العلماء امین الدین فاروقی | محمود شاہ | سید قلندر علی انبالوی | حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

حفیظ اللہ ۱۲۸۸ | فاروقی فتحپوری | محمد عبد العزیز | البحری آبادی الغازیفوری | العبد محمد عبد المالک

پس اس کی تعظیم ہے، اور شرعا واجب ہے کہ اس کی توہین کی جائے، اور اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ اس کو آگے کھڑا کرنا مکروہ تحریمی ہے

در برجندی نوشتہ کہ مکروہ است امامت فاسق معلن زیراکہ اولٰی بامامت اعلم است بعلم احکام نماز بشرط قدرت بر قرأت حسنہ واجتناب از فواحش ظاہری بعدہ اورع بعدہ اسن غیر متغیر العقل بعدہ ارضی عند القوم وبقولی خوبتر و نیز مکروہ است امامت نابینا و حرامزادہ ومبتدع اگر بدعت او ویرا بکفر نرساند والا ردانہ انتہی حاصل آنکہ از عبارات تفسیرات واحادیث واز عبارات کتب فقہ کہ معلوم می شود امام متقی باشد ومجتنب از فواحش ظاہری وبدعات تا امامت او در شرع شریف باتفاق علما درست وصحیح باشد فقط خادم شرع متین رکن الدین غفر اللہ عنہ یوم الدین۔

یہ سب مرقومہ بالا صحیح ہے یعنی نماز پیچھے فاسق کے مکروہ تحریمی ہے اور اس کی امامت ممنوع ہے بلکہ جہاں کہیں فاسق نماز پڑھ رہا ہو وہاں سے دوسری جگہ جاکر نماز پڑھنی چاہیئے کما فی العالمگیریۃ الفاسق اذا کان یؤم الجمعۃ وعجز القوم عن منعہ قال بعضھم یقتدی بہ فی الجمعۃ ولا یترک الجمعۃ بامامتہ وفی غیر الجمعۃ ان یتحول الی مسجد اٰخر ولا یاثم بہ ھکذا فی الظہیریۃ یعنی فاسق جب امام ہووے امام جمعہ کا اور عاجز ہوں لوگ اس کے روکنے سے کہا بعض نے اس کے پیچھے نماز پڑھ لے جمعہ کی اور جمعہ نہ چھوڑے اس کی امامت کی جہت سے اور جو غیر جمعہ کی کوئی فاسق نماز پنجگانہ میں سے امامت کراوے تو دوسری مسجد میں جاکر نماز اداکرے اور اس میں گنہ گار نہیں ہوتا انتہی اور حدیث صلوا خلف کل بر وفاجر کی صحیح نہیں ہے کیونکہ صاحب سفر السعادت لکھتے ہیں کہ در باب صلوا خلف کل بر وفاجر حدیثے صحیح نہ شدہ پس قابل عمل کے نہیں ہے اور بالفرض اگر

---

[1] برجندی میں لکھا ہے کہ فاسق معلن کی امامت مکروہ ہے کیونکہ امامت کیلئے سب سے مناسب بڑا عالم ہے جو احکام نماز کا سب سے بڑا عالم ہو بشرطیکہ قرأت اچھی طرح کرسکتا ہو اور ظاہری فواحش سے پرہیز کرتا ہو اس کے بعد جو اچھا قاری ہو اس کے بعد جو زیادہ پرہیزگار ہو اس کے بعد عمر رسیدہ بشرطیکہ اس کے ہوش وحواس درست ہوں اس کے بعد جس کو قوم زیادہ پسند کرے اور بعض کے نزدیک جو زیادہ خوبصورت اور امامت مکروہ ہے نابینا حرامزادہ اور بدعتی کی بشرطیکہ اس کی بدعت کفر تک نہ پہنچے ورنہ نماز درست نہ ہوگی حاصل یہ کہ کتب فقہ واحادیث وتفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام وہ ہو جو متقی ہو اور فواحش وبدعات سے مجتنب ہو۔ واللہ اعلم

[2] ہر نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔

ثابت ہے تو امر امامت کے لئے نہیں ہے کما ہو الظاہر بلکہ اشارہ طرف اسلام کے اس کے ہے[1] فی المعراج قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعۃ لانہ فی غیرھا یجد اماما غیرہ بل مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھتہ تقدیمہ کراھتہ تحریم کذا فی شرح درالمختار یعنی شامی شرح درمختار میں معراج سے نقل کیا ہے کہ کہا حنفیوں نے یعنی امام صاحب اور دونوں صاحبین نے لائق نہیں اقتدا فاسق کے پیچھے سوا جمعہ کے کیونکہ سوا جمعہ کے اچھا امام کہیں نہ کہیں مل جاوے گا اور کہا شامی نے اور شرح منیہ میں ہے کہ فاسق کا امام بنانا مکروہ تحریمی ہے انتہی اور لکھا ہے آیات الاحکام ترجمہ تفسیر احمدی والے نے بیچ اس آیت کے[2] ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم یعنی متقی اللہ کے نزدیک بزرگ اور مکرم ہے اس سے معلوم ہوا کہ عادل پرہیزگار کو تقدم ہے امامت کا غیر پرہیزگار عالی نسب سے انتہی العبد الضعیف محمد امیر یار خاں تھانوی۔

یہ مسئلہ اختلافی ہے اور احتراز میں احتیاط ہے خصوصاً فاسق معلن ہرگز امام الحی نہ بنایا جاوے حررہ عبد السمیع رامپوری عفی عنہ۔

متعین کردن شخصے فاسق برائے امامت ہرگز جائز نیست قریب بحرام است زیرا کہ نماز خلف فاسق مکروہ تحریمی است چنانچہ در طحاوی مصرح است[3] اما الفاسق الاعلم فلا یقدم لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب اھانتہ شرعاً و مفاد ھذا کراھتہ التحریم فی تقدیمہ و در عالمگیریہ مذکور است الفاسق اذا کان یؤم یوم الجمعۃ وعجز القوم عن منعہ وقال بعضھم یقتدی بہ فی الجمعۃ ولا یترک الجمعۃ بامامتہ وفی غیر الجمعۃ یجوز ان یتحول الی مسجد اٰخر ولا یاثم بہ و در تعیین اصرار بر فعل مکروہ

---

[1] ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ فاسق کی اقتدا جمعہ کے علاوہ نہیں کرنی چاہیے کیونکہ دوسری نمازوں میں تو اس کے علاوہ اور امام بھی مل جائیگا اور فاسق کو آگے کھڑا کرنا مکروہ تحریمی ہے [2] تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہے [3] فاسق آدمی کو مقرر کرنا جائز نہیں بلکہ حرام کے قریب ہے کیونکہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے چنانچہ طحاوی میں تصریح ہے کہ فاسق اعلم کو کھڑا نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ اس کی تعظیم ہے حالانکہ شرعاً اس کی توہین واجب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو آگے کھڑا کرنا مکروہ تحریمی ہے عالمگیری میں ہے کہ فاسق اگر جمعہ کے دن نماز پڑھائے اور اس کو ہٹایا نہ جا سکتا ہو تو اس کے پیچھے جمعہ پڑھ لینا چاہیے اور دوسری نمازیں کسی اور مسجد میں جاکر پڑھ لینی چاہئیں۔

وتحریمی متضمن است واحتراز متقضی تحریمیہ است واللہ اعلم وعلمہ اتم محمد عبدالباری اللہ درمن اجاب حیث اصاب محمد آل حسن ہذا الجواب صحیح محمد امداد اللہ العبد کریم بخش۔ الجواب صحیح احقر الزمن احمد حسن ۔ حقیقت میں فاسق کو امام بنانا برا ہے عبداللہ عفی عنہ ہذا الجواب صحیح محمد رافت علی۔ امام ساختن شخص فاسق را مکروہ تحریمی است[1] لو قدموا فاسقا یا ثمون بناءعلی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم کبیری واما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ بانہ لا یھتم بامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا رد المختار ۔ مفاد ھذا کراھۃ التحریم فی تقدیمہ طحطاوی اما نماز خواندن خلف فاسق مکروہ تنزیہی است نہ مکروہ تحریمی وکسیکہ تحریمی گفتہ در تقدیم وتقدم فرقے نفہمیدہ ویکرہ تنزیہا امامۃ عبد واعرابی وفاسق در مختار قولہ یکرہ لقولہ فی الاصل امامۃ غیرھم احب الی بحر عن المجتبی والمعراج ثم قال فیکرہ لھم التقدم والاقتداء بھم تنزیہا فان امکن الصلوۃ خلف غیرھم فھو افضل والا فالاقتداء اولی من الانفراد در مختار ولو صلی خلف مبتدع او فاسق فھو محرز ثواب الجماعۃ لکن لا ینال مثل ماینال خلف تقی کذا فی الخلاصۃ عالمگیریۃ وکیف وقد صلی الصحابۃ والتابعون خلف الحجاج وفسقہ مالا یخفی کبیری قال عن المحیط وھکذا فی البحر الرائق والنھر الفائق وفتح القدیر وجوھرۃ نیرۃ ولو تقدموا جاز لحدیث صلوا الخ ھدایۃ واللہ اعلم وعلمہ اتم کتبہ احمد حسن عفی عنہ پنجابی مدرس مدرسہ عربی سہارنپور۔ اس زمانہ میں مقرر کرنا امام کا جماعت کے اختیار ہے اور حاکم کو اس میں کچھ مداخلت نہیں تو اب امام ہونا فاسق کا بہ تغلب ممکن نہیں اگر فاسق کو امام مقرر کریں گے تو باختیار کریں گے اور یہ مقرر کرنا فاسق کو امام مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے ویکرہ تقدیم العبد بعد اس کے کہا والفاسق لانہ لا یھتم لامر دینہ ولان فی تقدیم ھولاء

[1] فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے اگر فاسق کی اقتدا کریں گے تو گنہگار رہوگے کیونکہ فاسق دینی امور کی تعظیم نہیں کرتا ایسے شخص کی توہین کرنا شرعا واجب ہے اور اس کو امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے طحطاوی میں ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے مکروہ تحریمی نہیں جو لوگ مکروہ تحریمی کہتے ہیں انہوں نے تقدیم اور تقدم کا فرق نہیں سمجھا (یعنی کسی کو خود امام بنانا اور کسی مقرر امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں بڑا فرق ہے) غلام۔ بدوی اور فاسق کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اگر ان کے سوا کوئی اور امام مل جائے تو بہتر ہے ورنہ اکیلے نماز پڑھنے سے انکے پیچھے پڑھ لینا بہتر ہے اگر انکے پیچھے نماز پڑھ لے گا تو اسے جماعت کا ثواب مل جائیگا کیونکہ صحابہ حجاج کے پیچھے نماز پڑھتے رہے ہیں حالانکہ اس کا فسق ظاہر ہے [2] فاسق دینی امور کی تعظیم نہیں کرتا اس کو امام مقرر

تنفیر الجماعۃ فیکرہ وان تقدموا جاز لقولہ علیہ السلام صلوا خلف بر وفاجر اور کبیری میں ہے ویکرہ تقدیم الفاسق لتساھلہ بالامور الدینیۃ وان تقدموا جاز یعنی جازت الصلوۃ وراءھم مع الکراھۃ ولا نفسد وفی الفاسق خلاف مالک فان عندہ لا تصح امامتہ والاقتداء بہ وکذا عند احمد فی روایۃ اور یہ بھی اسی میں ہے وفیہا اشارۃ الی انہ لو قدموا فاسقا یأثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم اور بہ جواز مع الکراہت در صورت تقدم ہے مطلق کراہت مروی ہے اور مراد اس سے تحریمی ہوتی ہے اور جنہوں نے قید تنزیہی کی لگائی ہے جیسے درالمختار میں ہے ویکرہ تنزیہا امامۃ عبد والعلۃ ما تقدم ان مناط من تقدم الحوالاصلی اذ الکراھۃ تنزیھیۃ وفاسق ان لوگوں نے اس کی علت میں صلوۃ سلف کی ظلمہ کے پیچھے جیسے حجاج وغیرہ کی مثال دی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی درصورت ضرورت ہے کہ امام کو بدل نہیں سکتے ترک جماعت کر نہیں سکتے اور دونوں صورتوں میں ظن فتنہ کا ہے اور یہ صورت اس زمانہ میں مفقود اور مطلق صلوۃ خلف الفاسق میں قید خوف فتنہ کی لگ گئی ہے اور اگر تحرز ممکن ہو تو اس سے تحرز کرے جیسا کبیری میں ہے لکن قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بہ الا فی الجمعۃ للضرورۃ فیہا بخلاف سائر الصلوۃ للتمکن فی التحول الی مسجد اخر فیما سوی الجمعۃ اور آگے بڑھ کر جواز تعدد جمعہ کا ذکر کیا اور اس عذر کو بھی دفع کیا غرضکہ اس سے بخوبی واضح ہو گیا کہ بے ضرورت اور بدون کسی حرج کے نماز فاسق کے پیچھے مکروہ تحریمی ہے اور اس سے بچنا چاہیئے اور بضرورت خوف فتنہ مکروہ تنزیہی ہے اور اگر اتفاقا کوئی فاسق کہیں امام ہو گیا یا کسی نے جہل کے سبب اس کو امام مقرر کر لیا تو جماعت کو لازم ہے کہ اس کو بدل دیں ورنہ تقدیم فاسق کی ان کے ذمہ لازم ہے اور اگر بدل نہیں سکتے تو کسی اور جگہ جا کر نماز پڑھ لیا کریں جیسا اوپر گذرا | محمد یعقوب | مدرس مدرسہ دیوبند عربی

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ | محمد عبد الرب |

ماحصل جواب مجیب ثانی کے سے تطبیق دونوں قولوں کی یعنی مکروہ تحریمیہ و مکروہ تنزیہیہ والی خوب ثابت ہوئی

---

کرنے سے جماعت متنفر ہو جائے گی ہاں اگر پہلے سے کوئی فاسق پڑھا رہا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیے لے فاسق کے پیچھے نماز مع الکراہت جائز ہے نماز فاسد نہیں ہوگی امام مالک اور احمد بن حنبل کے نزدیک فاسق کی اقتدا حرام ہے ٢ے اگر فاسق کو خود آگے کھڑا کریں تو گنہگار ہونگے کیونکہ اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے ٣ے غلام کی امامت تنزیہی ہے کیونکہ اصل علت آزاد کا حق ہے ٤ے ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ جمعہ کے علاوہ فاسق کے پیچھے اور کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیے کیونکہ دوسری نمازیں کسی اور مسجد میں بھی جاکر پڑھی جا سکتی ہیں۔

حق یہ ہے کہ معنے یہ ہے کہ بلا ضرورت اگر فاسق کے پیچھے نماز پڑھیں تو مکروہ تحریمیہ ہے ورنہ تنزیہہ اور ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں کچھ ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس مسجد میں نہ پڑھے دوسری میں پڑھے اور بھی اہل مسجد کو اختیار ہے کہ امام کو بدل دیں پس باوجود ان سب اختیارات کے جو کوئی امام فاسق کے پیچھے ہمیشہ نماز پڑھے وہ بلاشبہ مکروہ تحریمیہ ہے الجواب صحیح محمد نور اللہ متوطن گلاوٹی ابوالعزات سید احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ عربی دیو بند۔ اصاب من اجاب محمد محمود دیو بندی عفی عنہ ۔ حیدر علی ۱۲۸۴

محصول قول ماحصل کا صحیح ہے کہ فاسق کو امام کرنا کچھ ضرور نہیں متقی شخص ہونے کے واسطے اس کے امام کرنے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے اور واجب ہے مسلمانوں پر اہانت کرنی اس کی ازروئے شرع کے چنانچہ یہ بات کتب فقہ سے ثابت ہے کہ امامت غلام اور اعرابی اور فاسق اور نابینا کی مکروہ ہے مگر کہ یہ لوگ سوائے فاسق کے اعلم قوم ہوں اور فاسق اگر اعلم قوم ہو تو بھی اسے امام نہ کرنا چاہیئے کہ اس کی امامت میں تعظیم و توقیر ہے اور تحقیق واجب ہے لوگوں پر اہانت کرنی اس کی پس اس مضمون سے کراہت تحریمی صاف معلوم ہوئی جیسے کہ عبارت در المختار اور طحطاوی حاشیہ اس کے سے صاف معلوم ہوتا ہے عبارتھما[1] الاان یکون ای غیر الفاسق اعلم القوم فھو اولیٰ کذا فی الدر المختار قولہ الا ان یکون ای غیر الفاسق وھو العبد والاعمی والاعرابی الفاسق الاعلم فلا یقوم لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا ومفاد ھذا الکراھتہ کراھتہ تحریم کذا فی الطحطاوی فقط حررہ سید عبدالحمید عفی عنہ یکے از طالبعلمان مدرسہ کلکتہ وارد حال مظفر نگر وکھا تولی۔

البتہ نماز پڑھنی پیچھے ایسے شخص کے جو فاسق ہووے اور علانیہ فسق کرتا ہو مثل راگ مزامیر یا رنڈی کی زبان سے یا بھنگڑ یا شرابی یا گور پرست یا تعزیہ بنانے والا ہووے یا ان لوگوں میں شامل رہتا ہے یعنی اس میں مدد کرتا ہے البتہ ایسے شخصوں کے پیچھے نماز درست نہیں فتاوی تمرتاشی ۹۸ صفحہ میں ہے ولو کان اماما فاسقا لایجوز اقتداء[2] اور فتاوے کاشانی کے ۱۰۹ صفحہ میں ہے۔ ولو کان اھل السکر واھل الفسق لایجوز الصلوۃ عقیبہ ہر انسان دیندار کو مناسب ہے کہ امام دیندار اور متقی صاحب ورع کو بنا دیں حررہ فقیر محمد رمضان ساکن قصبہ بوڑیہ۔ ہذا الجواب صحیح فقیر اللہ داد ساکن قندھار

---

[1] اگر فاسق کے علاوہ اور لوگ یعنی غلام نابینا اور اعرابی زیادہ عالم ہوں تو وہ فاسق سے بہتر ہے کیونکہ فاسق کو امام بنانے سے اس کی عزت ہوگی حالانکہ اس کی توہین ہونی چاہیئے اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ [2] اگر امام فاسق ہو تو اس کی اقتدا جائز نہیں ۔

سوال:- ایک شخص تاڑی پیتا ہے، اور قمار باز اور زناکار وافیون کھاتا ہے، اور اپنی عورت کو پردہ میں نہیں رکھتا ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- شخص مذکور تاڑی پینے والا، قمار باز، زناکار، افیون کھانے والا مرتکب گناہ کبیرہ ہے، اور دیوث اور بے حیا، کہ زوجہ اپنی کو پردہ میں نہیں رکھتا۔ الدیوث[1] ھو من لایغار علی امرأتہ او محرمہ کذا فی کتب الفقہ والحدیث اور شخص مذکور کو امام بنانا درست نہیں کہ وہ واجب الاہانت ہے، اور امامت میں اس کی تعظیم پائی جاتی ہے، تو دیدہ و دانستہ امام بنانا اس کا گناہ ہوگا اما[2] الفاسق فلا یقدم لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا ومفادہ کراھۃ التحریم کا ابو السعود کذا فی الطحطاوی وغیرہ من کتب الفقہ۔ اور اس کے گھر کا کھانا کھانا ممنوع ہے، اس واسطے کہ مال اس کا کسب حرام سے حاصل ہوا اور فاسق معلن ہے، پس بسبب ان دو وجہ کے دعوت اس کی یا ہدیہ اس کا درست نہیں ولا یجیب[3] دعوۃ الفاسق المعلن لیعلم انہ غیر راض بفسقہ وکذا دعوۃ من غالب مالہ حرام ما لم یخبر انہ حلال او بالعکس ما لم یتبین انہ حرام وا کل الربوا وکاسب الحرام لو اھدی الیہ او اضافہ وغالب مالہ حرام لا یقبل ولا یاکل الی آخر ما فی الطحطاوی والعالمگیریۃ وغیرھما من کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

سوال:- شخصے خوانندہ سحر آموزید، و برائے آن نزد بت رفتہ سجدہ نمودہ و روغن سیاہ و سیندور بر آن بت انداختہ از آن قشقہ بر پیشانی خود کشیدہ تا بست و دو روز نزد آن بت معتکف نشستہ و در منتر خوانی مشغول ماندہ، چونکہ مسلمانان را بر آن اطلاع گردید از زجر و ملامت

---

[1] دیوث وہ ہے، جو اپنی عورت یا اپنی محرم عورتوں پر غیرت نہ کرے، کتب فقہ و حدیث میں اس کی یہی تعریف ہے
[2] فاسق کو آگے نہیں کھڑا کرنا چاہیئے، کیونکہ اس میں اس کی تعظیم ہے اور شرعاً اس کی اہانت واجب ہے، اس کا مطلب یہ ہے، کہ اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے
[3] کھلے ہوئے فاسق کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہیئے تاکہ اسے معلوم ہو، کہ اس کے فسق کی وجہ سے اس سے ناراض ہے، اور ایسے ہی جس کا مال اکثر حرام ہو، اور یہ بھی تصریح نہ کرے، کہ یہ دعوت حلال مال سے ہے، یا سود کھانے والا ہو یا حرام کمائی کرنے والا ہو، ان کی دعوت قبول نہ کی جائے اور اسی طرح ان کا ہدیہ بھی قبول نہ کیا جائے۔

سوال:- ایک پڑھے لکھے آدمی نے جادو کا علم سیکھا، اور اس کے حصول کے لئے بت کو جا کر سجدہ کیا

گردند کہ ایں چہ نادانی نمودی، گفت کہ ہر گناہ از خواندن کلمہ پنجم رفع می گردد خواہم خواند و حال آنکہ مشار الیہ بر ہماں فعل خود ثابت است و باز دیگراں را تعلیم سحر می کند و تحریص بر پرستش پیروں می کند آیا پس او نماز خواندن درست است یا نہ بینوا توجروا۔

**الجواب** در صورت مسئول عنہا باید دانست، کہ نماز پس آن شخص ہرگز جائز نیست، بلکہ او کافر است، زیرا کہ کنندہ سحر کافر می شود، چنانکہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہ در تفسیر خود ارقام می فرمایند، عبارتہ ہکذا باید دانست، کہ حکم سحر مختلف است اگر در سحر قولے یا فعلے کہ موجب کفر باشد، مثل ذکر نام بتان وارواح خبیثہ بہ تعظیمے کہ شایان حضرت رب العزت است، مثل اثبات عموم علم و قدرت و غیب دانی و مشکل کشائی یا ذبح لغیر اللہ یا سجدہ لغیر اللہ و غیر ذلک واقع شود بلا شبہ آن سحر کفر است و صاحب آں مرتد می شود، و ہم چنیں کسے کہ ایں نوع سحر برائے مطلبے از مطالب خود بکناند دیدہ و دانستہ کافر می گردد و احکام ارتداد برو جاری است اگر مرد است او را سہ روز مہلت باید داد تا توبہ کند و از آں قول و فعل تبرا نماید، و بعد از سہ روز اگر توبہ از وے درست نہ شد او را باید کشت انتہی ما فی فتح العزیز و ہم چنیں در تفسیر مدارک نوشتہ است۔ قال الشیخ ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ القول بان

---

تیل اور سیندور بت پر لگایا، اور اس سے اپنی پیشانی پر قشقہ لگایا، اور بائیس روز تک اس بت پر معتکف رہا، منتر پڑھتا رہا، جب مسلمانوں کو اس کی اطلاع ہوئی، تو اس کو ملامت کی، کہ یہ کیا بے ذوقی کر رہا ہے، اس نے کہا، کہ پانچویں کلمہ کے پڑھنے سے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں، میں وہ پڑھ لوں گا، اور حالت اس کی اسی طرح ہے، اب لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتا ہے، اور پیروں کی پرستش کی ترغیب دیتا ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ یہ آدمی بالکل کافر ہے، اس کے پیچھے کبھی نماز نہیں پڑھنی چاہیئے، شاہ عبد العزیز اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں، جادو کا حکم مختلف ہے، اگر سحر قولی یا فعلی میں بتوں اور ارواح خبیثہ کے نام تعظیم سے لئے جائیں، یا ان میں خداوندی صفات مانی جائیں، مثلاً علم، قدرت، غیب دانی، مشکل کشائی وغیرہ یا ان کو سجدہ کیا جائے، یا ان کی نذر دی جائے، یا ان کے نام پر ذبح کیا جائے، تو ایسا جادو کفر ہے، اور ایسا جادو کرنے والا مرتد ہے، اور اگر کوئی آدمی ایسا جادو اپنے مطلب کے لئے کسی سے دیدہ دانستہ کرائے، تو وہ بھی کافر ہے، اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے اگر مرد ہے، تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے، کہ توبہ کرے، اور اگر تین روز کے بعد بھی توبہ نہ کرے، تو اس کو قتل کر دینا چاہیئے،

تفسیر مدارک میں ہے، مطلقاً جادو کو کفر کہہ دینا غلطی ہے، اگر اس میں ایمان کے لوازمات کا رد ہو، تو کفر ہے

السحر کفر علی الاطلاق خطأ بل یجب البحث عن حقیقتہ فان کان فی ذلک رد ما لزم فی شرط الایمان فھو کفر والا فلا ثم السحر الذی ھو کفر یقتل علیہ الذکور دون الاناث وما لیس بکفر وفیہ اھلاک النفس ففیہ حکم قطاع الطریق ویستوی فیہ الذکور والاناث وتقبل توبتہ اذا تاب انتہی ما فی مدارک التنزیل وحقائق التاویل قال البغوی السحر وجودہ حق عند اھل السنۃ ولکن العمل بہ کفر کذا فی تفسیر المظہری واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید حافظ قرآن ہے، اور اس میں علامات خنثیٰ کے پائے جاتے ہیں، جیسے محتلم کبھی نہ ہونا اور نشان مردانیت کے معدوم ہونا، چنانچہ داڑھی مونچھ بالکل نہیں ہے، اور آلہ رجولیت بھی نہیں معلوم ہوتا، اور بدزبانی غایت درجہ کی ہے، اور بدعتی ہر شخص کو کہنا گویا معمولی بات ہے، کسی کو بدعت سے ان کے بیان بخوبی مخلصی نہیں ہے، اور ظہر کی اذان بارہ بجے، کبھی بارہ بجنے کو باقی رہتے ہیں، کہہ دیتا ہے اور امامت کا شوق ایسا ہے، کہ چاہے کوئی عالم ہو یا قاری بغیر پوچھے پیش امام بن جاتا ہے اور گالیاں اکثر ہر کس وناکس کو دیتا ہے، اور دونوں آنکھ کا اندھا ہے، ایسے شخص کو امام مقرر کرنا، یا اس کا خود بن جانا شرعاً بلا کراہت جائز ہے یا نہیں، اور تقدیر ثانی پر اس کا کیا حکم ہے؟

سوال دوم:۔ اسی زید نے ہندہ بڑھیا کے استاد کو جس سے اس نے قرآن شریف حفظ کیا تھا، اور بار بار اس استاد کو سنایا تھا، اور برابر اس کے یہاں آتی جاتی تھی، ہندہ سے جدا کرنے و ترک ملاقات کا حکم مستحکم دیا فذکر کے ہندہ کو سخت پریشان کیا ہے، تو آیا مابین استاد و شاگرد ترک موانست و حرمت ملاقات کا فتویٰ حق ہے یا ناحق۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ زید مذکور اگر خنثیٰ مشکل ہے، تو اس کو امام مقرر کرنا، یا اس کا از خود امام بن جانا ناجائز و نادرست ہے، اور خنثیٰ مشکل اس شخص کو کہتے ہیں جس میں آلہ رجولیت وانوثیت دونوں موجود ہوں، یا دونوں میں سے کوئی موجود نہ ہو اور زید کا خنثیٰ مشکل ہونا، یا تو خود اس کے

---

ورنہ نہیں، اور سحر کفر پر مرد جادوگر کو قتل کیا جائے گا، اور اگر کفر نہیں، لیکن اس سے کوئی آدمی مر سکتا ہے تو ایسے جادوگر کا حکم ڈاکو کا ہے، اور اس میں مرد و عورت برابر ہیں، اس کی توبہ قبول کی جائے گی، بغوی نے کہا جادو حق ہے، اور اس پر عمل کرنے والا کافر ہے۔

اقرار سے ثابت ہوگا، یا مشاہدہ سے یعنی آلہ رجولیت وآلہ انوثت دونوں موجود ہونا یا دونوں میں سے کسی کا نہ ہونا مشاہدہ سے معلوم ہوا ہو، اور اگر مشاہدہ سے اس کا خنثےٰ مشکل ہونا معلوم نہ ہو، اور وہ اپنے خنثےٰ مشکل ہونے کا اقرار بھی نہ کرتا ہو، بلکہ اپنے کو مرد کہتا ہو، تو بمجرد داڑھی مونچھ نہ ہونے کے اور بعض دیگر قرائن مذکورہ ظنیہ سے وہ خنثےٰ مشکل قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ اس صورت میں مطابق اس کے قول کے وہ مرد ہی قرار دیا جاوے گا، ہدایہ میں لکھا ہے کہ خنثےٰ مشکل جب بالغ ہو، اور اس کا پستان برابر رہے، اور عورتوں کی طرح بلند نہ ہو، تو وہ مرد ہے کیونکہ بالغ ہونے کے بعد پستان کا برابر رہنا مرد ہونے کی علامت ہے واذا بلغ الخنثی وخرجت لحیتہ او وصل الی النساء فھو رجل وکذا اذا احتلم کما یحتلم الرجل او کان لہ ثدی مستو لان ھذہ من علامات الذکران کذا فی الھدایۃ، پس اگر زید مذکور کا پستان مردوں کی طرح برابر ہے، تو مطابق قول صاحب ہدایہ کے، وہ مرد ہے خلاصہ یہ کہ زید مذکور اگر درحقیقت خنثےٰ ہے، تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے، اور اگر خنثےٰ نہیں ہے، بلکہ مرد ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے، مگر جب کہ اس سے اچھا اور بہتر کوئی اور شخص موجود ہو، تو اس کے ہوتے ہوئے زید مذکور امام بنانا نہیں چاہیئے اور نہ اس کو از خود امام بننا چاہیئے، بالخصوص جب کہ لوگ اس کی امامت سے ناخوش ہوں،

جواب سوال دوم:۔ مابین ہندہ بڑھیا، اور اس کے استاد کے ترک موانست وحرمت ملاقات کا فتوے دینا ناحق ہے، بشرطیکہ ملاقات میں کسی قسم کے فتنہ کا خوف نہ ہو، اور اگر ہو تو حق ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب　　سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدرک رکوع کی رکعت ہوتی ہے یا نہیں استدلال مستدل ابوہریرۃ کی ان دو روایتوں سے ہے من فاتتہ[1] قرأۃ القرآن فقد فات خیرا کثیرا۔ واذا[2] جئتم الی الصلوٰۃ ونحن سجود فاسجدو[3] ولا تعدوھا شیئا ومن ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرک الصلوٰۃ۔ سو مستدل

---

[1] جب خسرہ بالغ ہو جائے، اور اس کی داڑھی نکل آئے، یا عورت سے مجامعت کرے، تو وہ مرد ہے، اور اسی طرح جب مردوں کی طرح اسے احتلام ہو جائے، یا اس کی چھاتی مردوں کی طرح صاف ہو، تو یہ مرد ہونے کی علامتیں ہیں

[2] جس سے قرآن کی قرأت فوت ہو گئی، اس سے بہت سی بھلائی چلی گئی [3] جب تم نماز کو آؤ، اور ہم سجدہ کی حالت میں ہوں تو تم بھی سجدہ میں شامل ہو جاؤ، اور اس کو رکعت نہ گنو، اور جس نے جماعت کی ایک رکعت بھی پالی، اس نے جماعت کا ثواب پالیا

کا استدلال ان دونوں روایتوں سے صحیح ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ مدرک رکوع کی رکعت نہیں ہوتی، اس لئے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ قال[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب متفق علیہ۔ اور جزء القراءۃ للامام البخاری میں ابو ہریرہ رضی سے مروی ہے۔ ان[2] ادرکت القوم رکوعا لم تعتد بتلک الرکعۃ یعنی اگر تم قوم کو رکوع میں پاؤ، تو اس رکعت کو شمار نہ کرو، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ ھذا ھو المعروف عن ابی ھریرۃ موقوفا واما المرفوع فلا اصل لہ یعنی یہ روایت ابو ہریرہ رضی سے موقوفا معروف ہے لیکن یہ روایت مرفوعا بے اصل ہے، اور ابو ہریرہ کی دونوں روایت مذکورہ سے استدلال صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ان دونوں روایتوں میں رکعت ہونے نہ ہونے کا ذکر نہیں ہے، بلکہ مسکوت عنہ ہے، پس ان دونوں روایتوں کو ان روایات کی طرف پھیرنا چاہیئے، جن میں صراحۃ مذکور ہے، کہ وہ رکعت نہیں ہوتی ہے، علاوہ بریں حدیث من ادرک رکعۃ الخ میں رکعت سے رکوع مراد لینا جائز نہیں کیونکہ یہ معنی مجازی ہیں، اور لفظ کا معنے مجازی مراد لینا بلا قرینہ کے جائز نہیں، اور اس حدیث میں کوئی قرینہ نہیں ہے، اور ساتھ اس کے یہ حدیث ضعیف بھی ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

کتبہ عبدالرحمن گورکھپوری عفا اللہ عنہ | سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں نماز مغرب با جماعت ہو چکی ہے، جب وقت قضا ہوا، اور عشاء کی نماز کا وقت آگیا، تو دو شخص اس مسجد میں آئے اور مغرب کی نماز قضا باجماعت مع اذان واقامت کے پڑھی، ایسی صورت میں ان کو نماز قضا باجماعت پڑھنی چاہیئے ساتھ اذان واقامت کے یا بغیر جماعت کے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ کسی مسجد میں نماز جماعت کے ساتھ ہو چکی تھی، تو اس میں پھر اس نماز کو یا اس کی قضا کو جماعت سے پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہے، بلکہ جواز ثابت ہے، ابوداؤد و ترمذی میں ابو سعید سے مروی ہے ان رجلا دخل المسجد وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصحابہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یتصدق علی

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے الحمد نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں ہے۔ [2] اگر تو جماعت کو رکوع کی حالت میں پائے، تو اس رکعت کو شمار نہ کرنا۔ [3] ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا، جماعت ہو چکی تھی آپ نے فرمایا، کوئی اس پر صدقہ کرے، اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے، تو ایک آدمی نے اٹھ کر اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

ھذا فیصلی معہ فقام رجل من القوم فصلی معہ نیل الاوطار میں ہے وقد استدل[1] الترمذی بھذا الحدیث علی جواز ان یصلی القوم جماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ قال وبہ یقول احمد واسحاق اھ تعلیق المغنی علی الدارقطنی میں ہے ان تکرار الجماعۃ فی المسجد الذی قد صلی فیہ مرۃ واحدۃ او اثنتین او ثلاثۃ او اکثر من ذلک بلاکراھۃ جائز وعمل علی ذلک الصحابۃ والتابعون ومن بعدھم واما القول بالکراھۃ فلم یقم دلیل علیہ بل ھو قول ضعیف انتہی پس صورت مسئولہ میں ان کو نماز باجماعت پڑھنی چاہیے رہی یہ بات کہ اذان و اقامت ہو یا نہ ہو سو واسطے جماعت ثانیہ کے لئے اذان کا ہونا اس مسجد میں جس میں پہلی جماعت کے لئے اذان ہو چکی ہو کسی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں ہوتا ہاں فعل حضرت انس رض سے ثابت ہوتا ہے کہ ہونا چاہیے صحیح بخاری میں ہے۔ جاء انس رض الی مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ رواہ البخاری معلقا۔ یعنی حضرت انس ایک مسجد میں آئے، جس میں نماز ہو چکی تھی پس اذان دی اور اقامت کہی اور جماعت سے نماز پڑھی، اور قضا فوایت کی جماعت کے لئے اذان کا ہونا حدیث مرفوع سے ثابت ہے، چنانچہ حدیث لیلۃ التعریس وحدیث یوم الخندق میں مصرح ہے۔ فامر بلالا فاذن واقام۔ نیل الاوطار میں ہے استدل[2] بالحدیث علی مشروعیۃ الاذان والاقامۃ فی الصلوۃ المقضیۃ وقد ذھب الی استحبابھا فی القضاء الھادی والقاسم والناصر وابوحنیفۃ واحمد بن حنبل وابو ثور عالمگیریہ میں ہے من فاتتہ صلوۃ فی وقتھا فقضاھا اذن لھا واقام واحدا کان او جماعۃ کذا فی المحیط۔ اور یہ حکم عام ہے اس سے کہ جس مسجد میں قضا فوایت ہوتی ہے، اذان ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو، تاکہ یہ نماز قضا موافق ادا کے ہو واللہ اعلم۔ حررہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

---

[1] ترمذی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، کہ جس مسجد میں جماعت ہو جائے، اس میں کوئی قوم دوبارہ جماعت کرا سکتی ہے امام احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے [2] جس مسجد میں جماعت ہو چکی ہو، اس میں دو یا تین یا زیادہ مرتبہ جماعت کی تکرار بلا کراہت جائز ہے، اسی پر صحابہ، تابعین اور بعد کے لوگوں کا عمل رہا ہے، اور مکروہ کہنے کی کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ قول ضعیف ہے۔

[3] بلال کو حکم دیا اس نے اذان کہی اور تکبیر پڑھی۔ اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے، کہ جماعت ہو جانے کے بعد اذان اور اقامت مشروع ہے، امام ابوحنیفہ، ناصر، قاسم، ہادی، احمد بن حنبل اور ابو ثور اس کو مستحب جانتے ہیں۔

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جواز تکرار جماعت مسجد واحد میں حدیث صحیح سے ثابت ہے یا نہیں، اور فقہائے حنفیہ کی اس میں کیا رائے ہے۔

الجواب:- بلا شک وشبہ فضیلت وثواب جماعت اولیٰ کا زیادہ ہے، بہ نسبت جماعات اخری کے، مگر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی ہے، کہ تکرار جماعت بعد جماعت اولیٰ ناجائز ہو جاوے، اور کراہت بھی اس کی کسی حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ جواز تکرار جماعت فی مسجد واحد حدیث صحیح سے ثابت ہے، اور صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کا اس پر عمل بھی رہا ہے، دیکھو روایت کی ابوداؤد نے سنن میں۔ باب[1] فی الجمع فی المسجد مرتین۔ حدثنا موسی بن اسمٰعیل ثنا وهیب عن سلیمان الاسود عن ابی المتوکل عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابصر رجلا یصلی وحدہ فقال الا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معہ۔ یعنی ابوسعید خدری رضہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا، تو فرمایا کیا کوئی شخص اس کو صدقہ نہیں دیتا یعنی جو اس کے ساتھ نماز پڑھے، گویا چھبیس نمازوں کا ثواب اسے صدقہ میں دیا، اس واسطے کہ جماعت سے نماز پڑھنے میں ستائیس نمازوں کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

اور روایت کیا ترمذی نے باب ما جاء فی الجماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ مرۃ۔ عن ابی سعید قال جاء رجل وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایکم یتجر علی هذا فقام رجل وصلی معہ وفی الباب عن ابی امامۃ وابی موسی والحکم بن عمیر قال ابوعیسی وحدیث ابی سعید حدیث حسن یعنی روایت ہے، ابوسعید سے کہ آیا ایک شخص اور نماز پڑھ چکے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کون تجارت کرتا ہے اس شخص کے ساتھ یعنی اس کے ساتھ شریک ہو جاوے، تو جماعت کا ثواب دونوں پاویں، سو کھڑا ہوا ایک مرد اور نماز پڑھ لی اس کے ساتھ، اور مسند امام احمد بن حنبل میں ہے عن ابی امامۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا یصلی وحدہ فقال الا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معہ فقام رجل فصلی معہ فقال هذان جماعۃ کذا فی فتح

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا، تو آپ نے فرمایا کیا کوئی ہے جو اس آدمی پر صدقہ کرے، اور اس کے ساتھ نماز پڑھے، ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھی، آپ نے فرمایا یہ دونوں جماعت ہیں۔

الباری شرح صحیح البخاری - اور ایک روایت میں سند کے اس لفظ کے ساتھ وارد ہے صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم با صحابہ الظہر فدخل رجل وذکرکذا فی المنتقی اور کہا حافظ جمال الدین زیلعی نے تخریج احادیث ہدایہ میں ورواہ ابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم فی صحاحہم قال الحاکم حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ انتہی

اور روایت کیا دارقطنی نے سنن مجتبے میں عن[1] محمد بن الحسن الاسدی عن حماد بن سلمۃ عن ثابت عن انس ان رجلا جاء وقد صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقام یصلی وحدہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یتجر علی ہذا فیصلی معہ کہا زیلعی نے اس حدیث دارقطنی کے بارے میں وسندہ جید انتہی اور بھی روایت کیا دارقطنی نے عن[2] عصمۃ بن مالک الخطمی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد صلی الظہر وقعد فی المسجد اذ دخل رجل یصلی فقال علیہ السلام الارجل یقوم فیتصدق علی ہذا فیصلی معہ - اور یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، مگر چنداں مضر نہیں، کیونکہ طرق متعددہ سے یہ حدیث ثابت ہے، اور روایت کیا بزار نے مسند میں حدثنا محمد ثنا ابو جابر محمد بن عبد الملک ثنا الحسن بن ابی جعفر عن ثابت عن ابی عثمان عن سلمان ان رجلا دخل المسجد والنبی صلی اللہ علیہ وسلم قد صلی فقال الارجل یتصدق علی ہذا فیصلی معہ کذا فی نصب الرایۃ للحافظ الزیلعی اور یہ شخص جو شریک ہوئے اس شخص کے ساتھ نماز میں وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے کہا حافظ زیلعی نے وفی روایۃ البیہقی ان الذی قام فصلی معہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور کہا علامہ جلال الدین سیوطی نے قوت المغتذی میں قال[3] ابن سید الناس ہذا الرجل الذی قام معہ ہو ابوبکر الصدیق رواہ ابن ابی شیبۃ عن الحسن مرسلا انتہی

پس ثابت ہوا کہ مسجد واحد میں تکرار جماعت جائز و درست ہے، کیونکہ اگر تکرار جماعت مسجد

---

[1] ایک آدمی آیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے، وہ اکیلا نماز پڑھنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کون ہے، جو اس سے تجارت کرتا ہے، کہ اس کے ساتھ نماز پڑھے۔

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے، کہ ایک آدمی داخل ہوا اور نماز پڑھنے لگا، آپ نے فرمایا، کوئی ہے، جو اس پر صدقہ کرے، اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے۔

[3] ابن سید الناس نے کہا، وہ آدمی جو اس کے ساتھ کھڑا ہوا تھا، ابوبکر صدیق رض تھے۔

واحد میں جائز ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیوں ارشاد فرماتے الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ یہاں پر اقتدا متنفل کی مفترض کے ساتھ پائی گئی، اور اس میں کلام نہیں، گفتگو اس میں ہے، کہ اقتدا مفترض کی مفترض کے ساتھ مسجد واحد میں بہ تکرار جماعت جائز ہے یا نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ۔ وایکم یتجر علی ھذا۔ ومن یتجر علی ھذا فیصلی معہ۔ والا رجل یقوم فیتصدق علی ھذا فیصلی معہ عموم پر دلالت کرتا ہے، خواہ مقتدی متصدق ومتجر متنفل ہو یا مفترض، اور اگرچہ اس واقعہ خاص میں متصدق اس کا متنفل ہوا، مگر یہ خصوص مورد قادح عموم لفظ کا نہ ہوگا، اور ما دل دلیل اس کا پر یہ ہے، کہ حضرت انس بن مالک جو من جملہ رواۃ اس حدیث کے ہیں، انہوں نے بھی یہی عموم سمجھا چنانچہ انہوں نے بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جماعت ثانیہ ساتھ اذان واقامت کے قائم کی، اس مسجد میں جہاں جماعت اولی ہو چکی تھی صحیح بخاری کے باب فضل صلوۃ الجماعۃ میں ہے۔ وجاء انس الی مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ[1] انتہی۔ کہا حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں وجاء انس الخ وصلہ ابو یعلی فی مسندہ من طریق الجعد ابی عثمان قال مر بنا انس بن مالک فی مسجد بنی ثعلبۃ فذکر نحوہ قال وذلک فی صلوٰۃ الصبح وفیہ فامر رجلا فاذن واقام ثم صلی باصحابہ[2] واخرجہ ابن ابی شیبۃ من طرق عن الجعد وعند البیھقی من طریق ابی عبد الصمد العمی عن الجعد نحوہ وقال مسجد بنی رفاعۃ وقال فجاء انس فی نحو عشرین من فتیانہ انتہی

حاصل کلام کا یہ ہوا، کہ یہ سات صحابہ حضرت ابو سعید خدری وانس بن مالک وعصمہ بن مالک وسلمان وابو امامہ وابو موسی اشعری والحکم بن عمیر رضی اللہ عنہم نے اس واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بموجب ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ اس کے نماز پڑھنے لگے، اس مسجد میں جہاں جماعت اولی ہو چکی تھی، اور اطلاق اس پر جماعت کا ہوگا، کیونکہ الاثنان فما فوقہما جماعۃ، اور حضرت انس رض نے بعد وفات رسول اللہ

[1] حضرت انس مسجد میں آئے، جماعت ہو چکی تھی، آپ نے اذان اور اقامت کہی، اور جماعت سے نماز پڑھی۔

[2] انس بن مالک بنو ثعلبہ کی مسجد میں آئے صبح کی نماز پڑھی جا چکی تھی، آپ نے ایک آدمی کو حکم دیا، اس نے دوبارہ اذان کہی، اور اقامت پڑھی، پھر اپنے ساتھیوں سمیت نماز پڑھی۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر عمل کیا، جیسا کہ روایت سے مسند ابو یعلی موصلی و ابن ابی شیبہ و بیہقی کے معلوم ہوا، اور امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی مذہب ہے، جیسا کہ جامع ترمذی میں مذکور ہے، اور یہی مذہب صحیح و قوی ہے، کہ تکرار جماعت بلا کراہت جائز ہے، اور فقہاء حنفیہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ تکرار جماعت ساتھ اذان ثانی کے اس مسجد میں کہ امام و مؤذن وہاں مقرر ہوں مکروہ ہے، اور تکرار اس کا بغیر اذان کے مکروہ نہیں، بلکہ امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ اگر جماعت ثانیہ ہیئت اولے پر نہ ہو، تو کچھ کراہت نہیں اور محراب سے عدول کرنے میں ہیئت بدل جاتی ہے، بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے۔ ومنها حكم تكرارها في مسجد واحد ففي المجمع لا يكررها في مسجد محلة باذان ثان و في المجتبى ويكره تكرارها في مسجد باذان و اقامة انتهى مختصرا اور شرح منیۃ المصلی میں ہے۔ واذا لم يكن للمسجد امام و مؤذن راتب فلا يكره تكرار الجماعة فيه باذان و اقامة عندنا بل هو الافضل اما لو كان له امام و مؤذن فيكره تكرار الجماعة وعن ابي يوسف رحمة الله عليه اذا لم تكن على هيئة الاولى لا يكره والا يكره و هو الصحيح۔ اور طوالع الانوار حاشیہ در المختار میں ہے کراهة الجماعة في غير مسجد الطريق مقيدة بما اذا كانت الجماعة الثانية باذان و اقامة لا باقامة فقط وعن ابي يوسف رحمة الله عليه اذا لم تكن على هيئة الاولى لا تكره والا تكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب يختلف الهيئة انتهى، اور رد المحتار حاشیہ در المختار میں ہے۔ يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة باذان و اقامة الا اذا صلى بهما فيه اولا غير اهله او اهله لكن بمخافتة الاذان ولو كرر اهله بدونهما

---

لے اور اس میں سے ایک ہی مسجد میں تکرار جماعت کا مسئلہ بھی ہے مجمع میں ہے، محلہ کی مسجد میں دوسری آذان کہہ کر دوبارہ جماعت نہ کرائی جائے، مجتبے میں بھی ایسا ہی ہے ۲ے جب کسی مسجد کا کوئی امام اور مؤذن مقرر نہ ہوں تو اس میں باذان اور اقامت سے جماعت مکروہ نہیں ہے، بلکہ افضل ہے، ہاں اگر امام اور مؤذن مقرر ہوں، تو تکرار جماعت مکروہ ہے، اور ابو یوسف کے نزدیک اگر پہلی ہیئت پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے، ورنہ مکروہ ہے، اور یہی صحیح ہے ۳ے محلہ کی مسجد میں تکرار جماعت اسی صورت میں مکروہ ہے، جب کہ اذان و اقامت سے ہو، اگر صرف اقامت سے ہو، تو مکروہ نہیں ہے، ابو یوسف کہتے ہیں، اگر جماعت پہلی ہیئت پر نہ ہو، تو مکروہ نہیں ہے، اور محراب بدل دینے سے ہیئت بدل جاتی ہے ۴ے محلہ کی مسجد میں اذان اور اقامت سے جماعت مکروہ ہے، ہاں اگر پہلے محلہ والوں نے نہ پڑھی ہو، یا محلہ والوں نے اذان آہستہ کہی ہو، یا محلہ والے ہی دوبارہ جماعت کرائیں، یا مسجد

اوکان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس لہ امام ولا مؤذن انتہی اور بھی درالمختار میں ہے قد علمت بان الصحیح انہ لایکرہ تکرار الجماعۃ اذا لم تکن علی الھیئۃ الاولی انتہی مختصرا۔ پس ان روایات فقیہہ سے صاف معلوم ہوا کہ جب جماعت ثانیہ میں عدول محراب سے ہو جاوے یا تکرار اس کا بغیر اذان کے ہو تو بلاکراہت جائز ہے اگرچہ اقامت اس میں کہی جاوے اور حضرت انس کے فعل سے ثابت ہوا کہ انہوں نے تکرار جماعت ساتھ اذان واقامت دونوں کے کیا واللہ اعلم بالصواب حررہ ابوالطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی عفی عنہ

ابوالطیب محمد شمس الحق | سید محمد نذیر حسین ۔ للہ در من اجاب حررہ ابوالمجد عبدالصمد بہاری غفرلہ ولوالدیہ

ابوالمجد عبدالصمد | ما احسن ہذا الجواب المقرون بالصدق والصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی | ابوالحسنات محمد عبدالحی | اصاب من اجاب حررہ محمد حمایت اللہ حلیمری ۔ صح الجواب الفقیر امیر علی عفاء اللہ عنہ للہ در المجیب حیث اتی بدلائل شافیہ وبراھین قاطعۃ التی تزال عنہا شبہۃ المعارضین ودفع بہا شکوک المجادلین فلیعمل العاملون حررہ عاجز البشر ابوالظفر محمد عمر الاثر یسوی عفی عنہ | ابوالظفر محمد عمر |

**سوال** ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اٹھانا سبابہ کا تشہد میں کتب احادیث سے کب تک ثابت ہے ۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** ۔ واضح ہو کہ اٹھانا سبابہ کا آخر تشہد تک کتب احادیث سے ثابت ہے جیسا محلی شرح موطا میں مرقوم ہے ونقل عن بعض ائمۃ الشافعیۃ والمالکیۃ انہ یدیم رفعہا الی اخر التشہد واستدل لہ بما فی ابی داؤد انہ رفع اصبعہ فرأیناہ یحرکہا ویدعوا وفیہ تحریکھا دائما اذ الدعاء بعد التشہد قال ابن حجر ویسن ان یستمر الرفع الی اخر التشہد کما قالہ بعض ائمتنا وان اعترضہ جمع بان الاولی عند الفراغ اعادتہا انتہی ۔ قال علی القاری و

---

شارع عام پر ہو یا اس کا کوئی امام مقرر نہ ہو تو ان تمام صورتوں میں تکرار جماعت مکروہ نہیں ہے لہ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اگر پہلی ہیئت پر جماعت نہ ہو تو تکرار جماعت مکروہ نہیں ہے لہ شافعی اور مالکی بعض ائمہ سے منقول ہے کہ تشہد کے آخر تک پھر انگلی اٹھائے رکھے اور انہوں نے ابوداؤد کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انگلی کو اٹھایا تو پھر اس کو حرکت دیتے رہے اور دعا کرتے رہے ابن حجر کہتے ہیں کہ مسنون ہے کہ تشہد کے آخر تک انگلی اٹھائے رکھے جبکہ ہمارے ائمہ سے منقول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اٹھانے کے بعد پھر اس کو نیچے کرے ملا علی قاری کہتے ہیں کہ پہلا قول معقول ہے کیونکہ اعادہ تب بھی ہوگا جبکہ اس کو نیچے رکھا جائیگا۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ انگلی اٹھائے تو کچھ جھکا کر قبلہ رخ رکھے۔

والاول هو المعلول لان الاعادة يحتاج الى رواية وقال ابن حجر ايضا انه يسن رفعها مع انحنائها قليلا لخبر صحيح فيه الى جهة القبلة كذا فى المحلى شرح المؤطا لمولانا سلام الله الحنفى من اولاد الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوى والله اعلم بالصواب | سید محمد نذیر حسین |

**سوال۔** اشارہ بالسبابہ عند التشہد فی الصلوۃ حدیث شریف سے ثابت ہے یا نہیں اور اس کا کیا حکم ہے اور محققین حنفیہ کا اس باب میں کیا مسلک ہے۔

**الجواب۔** اشارہ بالسبابہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ [1] عن علی بن عبد الرحمن انه قال رآني عبد الله بن عمر وانا اعبث بالحصباء فى الصلوة فلما انصرف نهانى وقال اصنع كما كان رسول الله صلعم يصنع فقلت وكيف رسول الله صلعم يصنع قال كان اذا جلس فى الصلوة وضع كفه اليمنى على فخذه اليمنى وقبض اصابعه كلها واشار باصبعه التى تلى الابهام ووضع كفه اليسرى على فخذه اليسرى وقال هكذا يفعل رواه مالك فى المؤطا عن ابن عمر ان النبى صلى الله عليه وسلم كان اذا جلس فى الصلوة وضع يده اليمنى على ركبته ورفع اصبعه التى تلى الابهام يدعو بها ويده اليسرى على ركبته باسطها عليه رواه الترمذى اسی طرح صحیح مسلم و دیگر کتب احادیث میں حدیث اس باب کی موجود ہے اور اسی پر عمل ہے تمام صحابہ اور تابعین اور ائمہ اربعہ و دیگر محدثین متقدمین و متاخرین کا کسی اہل علم کا اس مسئلہ میں خلاف نہیں اور یہ جو بعض کتب فقہ حنفیہ میں کراہیت اس کی منقول ہے وہ مردود ہے قابل اعتبار اور لائق احتجاج نہیں اور ہرگز کراہیت اس کی بسند صحیح امام ابو حنیفہ تک نہیں پہونچی۔ بلکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو جو شاگرد رشید امام صاحب کے ہیں مؤطا میں اپنے بعد نقل حدیث اس باب کی فرماتے ہیں

---

[1] علی بن عبد الرحمن کہتے ہیں میں نماز پڑھنے کے دوران کنکریوں سے کھیل رہا تھا عبد اللہ بن عمر نے مجھ کو دیکھ لیا نماز سے فارغ ہو کر مجھے اس سے منع کیا اور فرمایا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اسی طرح کیا کر میں نے پوچھا آپ کیسے کیا کرتے تھے فرمایا جب نماز میں بیٹھتے تو اپنی دائیں ہتھیلی دائیں ران پر رکھتے اور اپنی تمام انگلیاں بند کر لیتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ فرماتے اور بائیں ہتھیلی بائیں ران پر رکھتے حضرت عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ جب آپ نماز میں بیٹھتے تو دایاں ہاتھ اپنے گھٹنہ پر رکھتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی اٹھاتے اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے۔

قال محمد وبصنیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ[1] انتھی اور محقق حنفیہ شیخ کمال الدین ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں لاشک[2] ان وضع الکف مع قبض الاصابع لا یتحقق حقیقۃ فالمراد واللہ اعلم وضع الکف ثم قبض الاصابع بعد ذلک عند الاشارۃ وھو المروی عن محمد فی کیفیۃ الاشارۃ قال یقبض خنصرہ والتی تلیہا ویحلق الوسطی والابہام ویقیم المسبحۃ وکذا عن ابی یوسف فی الامالی وھذا فرع تصحیح الاشارۃ وعن کثیر من المشائخ انہ لا یشیر اصلا وھو خلاف الروایۃ والدرایۃ انتھی۔

اور اسی طرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تزئین العبارۃ فی تحسین الاشارۃ میں وشیخ ولی اللہ المحدث مسوی شرح موطا اور حجۃ اللہ البالغۃ میں اور محمد بن عبداللہ الزرکانی شرح موطا میں وشیخ عبدالحق دہلوی شرح مشکوٰۃ وشرح سفر السعادت میں وعلاؤ الدین حصکفی درمختار میں اور ابن عابدین ردالمختار میں فرماتے ہیں۔

**سوال۔** کیا فرماتے ہیں علمائے دین حنفیہ اس مسئلہ میں کہ انگشت شہادت اٹھانی وقت تشہد یعنی لاالٰہ اللہ کہنے کے مذہب حنفی میں سنت منسوب ہے یا حرام مکروہ ہے اور جو کوئی یہ بات کہے کہ رفع سبابہ میں انگلی کاٹنی آتی ہے وہ شخص گنہ گار ہوگا یا نہیں بینوا توجروا۔

**الجواب۔** درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے کہ امام ابو یوسف امالی کتاب اپنی میں اور امام محمد موطا میں دونوں صاحب کہ جو شاگرد رشید امام اعظم کے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع سبابہ مروی اور منقول ہے اور ہم لوگ بھی اس پر عمل کرتے ہیں اور یہی قول ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے چنانچہ فتح القدیر وعینی وامیر الحاج وزیلعی والبحر الرائق ونہر الفائق وملتقط وشمنی ونجم الدین الزاہدی وعلامہ حلبی وبہنسی وابراہیم حلبی وغیرہ نے روایۃ ودرایۃ رفع سبابہ کو نقل کیا ہے اور اس باب میں علماء کوفہ وعلمائے مدینہ وغیرہ سے بہت سے اخبار وآثار مروی اور منقول ہیں

---

[1] امام محمد کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل پر ہی عمل کرتے ہیں اور ابوحنیفہ نے بھی یہی کہا ہے [2] یہ تو ظاہر ہے کہ ہاتھ کی انگلیاں بند کرکے ہتھیلی ران پر نہیں رکھی جا سکتی مطلب یہ ہے کہ پہلے ہتھیلی رکھے پھر اشارہ کرتے وقت انگلیاں بند کرے اور امام محمد نے اشارہ کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے کہ دونوں آخری انگلیاں بند کر رکھے انگوٹھے اور بڑی انگلی کا حلقہ بنائے اور سبابہ سے اشارہ کرے اور کچھ مشائخ اشارے کے قائل نہیں ہیں لیکن یہ عقل اور نقل دونوں کے برخلاف ہے

اور ملا علی قاری اور ملا عابد سندی و امین الدین شامی نے اٹھائیس صحابہ سے روایت کی ہے اور رفع سبابہ میں المسار لیبہ وعلمائے مقلدین اہل مذاہب کے سب متفق ہیں، اس میں اور ائمہ اربعہ وغیرہ کا اختلاف نہیں اور منع رفع سبابہ میں کوئی قول صحابی مذکور اور منقول نہیں تو اٹھانا اس کا مستحب آکد اور موجب ثواب کثیر ہے، اور خلاصہ کیدانی والے سے یا اور علماء سے اس باب میں خطاء واقع ہوئی ہے، اس کے حرام مکروہ لکھنے ہیں تو قول مانعین کا اور حرام مکروہ کہنے والے کا از روئے دلائل شرعیہ کے محض باطل ہے نزدیک علمائے محققین حنفیہ کے اور جو شخص بعد مطلع ہونے روایات فقہیہ اور احادیث نبویہ کے حرام کہے، اور منع کرے، وہ مردود اور گمراہ ہے، خوف کفر کا ہے اس پر اندروئے اہانت اور حقارت کے، قال اللہ تعالیٰ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا الآیۃ ورجح فی فتح القدیر القول بالاشارۃ وانہ مروی عن ابی حنیفۃ کما قال محمد فالقول بعدمہا مخالف للروایۃ والدرایۃ ورواہ فی صحیح مسلم من فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی المجتبی لما اتفقت الروایات عن اصحابنا جمیعا فی کونہا سنۃ وکذا عن الکوفیین والمدنیین وکثرت الاخبار والآثار کان العمل بہا اولیٰ کذا فی البحر الرائق وقال فی الدر المختار واحترزنا بالصحیح عما قیل لا یشیر لانہ خلاف الدرایۃ والروایۃ وفی العینی عن التحفۃ الاصح انہا مستحبۃ وفی المحیط انہا سنۃ کذا فی الدر المختار مختصرا المعتمد ما صححہ الشراح لا سیما المتاخرون کالکمال والحلبی والبہنسی والباقلانی وشیخ الاسلام وغیرہم انہ یشیر بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ونسبوہ لمحمد والامام وقال محمد فی المؤطا بعد حدیث الباب وبصنیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذ وہو قول

---

لے جو تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیں اسے لے لو، اور جس سے منع کریں، اس سے باز آجاؤ۔ فتح القدیر میں ہے انگلی سے اشارہ کرنا درست ہے، اور یہی امام ابوحنیفہ رح سے مروی ہے، جیسا کہ امام محمد نے بیان کیا ہے اور اس کی ممانعت کرنا روایت اور درایت دونوں کے برخلاف ہے، مجتبی میں ہے اس کے سنت ہونے پر تمام روایات متفق ہیں، کوفیوں اور مدنی لوگوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور احادیث و آثار اس کے متعلق بہت زیادہ ہیں، عینی نے اس کو مستحب کہا ہے، اور صاحب محیط نے سنت، در مختار میں ہے کہ یہی صحیح ہے، کہ یہ سنت ہے، متاخرین شراح مثلاً کمال حلبی نہبسی، باقلانی اور شیخ الاسلام وغیرہ نے اس کی خوب تحقیق ہے، کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور امام محمد، امام ابو یوسف، اور امام ابو حنیفہ

ابی حنیفۃ وذکر ابو یوسف فی الامالی کما نقلہ الشمنی وغیرہ انہ یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الابہام والوسطی ویشیر بالسبابۃ وھذا فرع تصحیح الاشارۃ وفی الخانی الاشارۃ عند لا الہ الا اللہ حسن لا خلاف فیہ وھکذا فی مختارات النوازل لصاحب الھدایۃ فان قیل الکیدانی قد عدہ الکیدانی فی الغرائب وغیرھما من المحرمات قلنا قولھم فی مقابلۃ النص واقوال الائمۃ مردود لا یعبأ بہ ولیس فی ھذا الجانب حدیث ولا اثر یعتمد علیہ ولا یستند قولھم بقول ابی حنیفۃ وصاحبیہ وقولھم انہ لا خلاف ظاھر اصول اصحابنا غیر مقبول ففی العنایۃ والذخیرۃ والمحیط والخزانۃ عن التاتارخانیۃ انہ لم یذکر محمد تلک المسئلۃ فی الاصل لا نفیا ولا اثباتا فلو یوجد لما نص علیہ محمد رحمۃ اللہ علیہ فی مؤطاہ معارض من ظاھر الروایۃ وقد روی الاشارۃ بالسبابۃ عند التشھد عن جماعۃ من الصحابۃ انتہی ما فی المحلی شرح المؤطا للعلامۃ سلام اللہ من اولاد الشیخ عبد الحق المحدث الدھلوی وقال العلامۃ عابد السندی ثم المدنی فی طوالع الانوار شرح الدر المختار ان الاشارۃ قد رویت عن سبعۃ وعشرین صحابیا وھکذا ذکرہ الملا علی قاری الھروی فی الرسالۃ۔ پھر جو کوئی باوجود احادیث اور اقوال وافعال صحابہ کرام ومجتہدین عظام اور دیگر علمائے اعلام کے حرام کہے اور انگلی کاٹنے کا قائل ہو اور اعتقاد رکھتا ہو مردود اور بڑا جاہل بے وقوف ہے، ایسے جاہل کے قول کا ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہیئے، اور اس قدر دیندار منصف کو کافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم العاجز محمد نذیر حسین عفی عنہ فی الدارین

سید محمد نذیر حسین | اسد علی

---

کا یہی مذہب ہے، خانیہ میں ہے۔ کہ لا الہ الا اللہ کے وقت انگلی کا اٹھانا سنت ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں، کہ آخری دو انگلیاں بند کرلے، اور انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنالے اور سبابہ سے اشارہ کرے۔

اگر کوئی سوال کرے، کہ کیدانی نے غرائب میں اس کو افعال محرمہ سے شمار کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نص اور اقوال ائمہ کے برخلاف ان کا قول مردود ہے، اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جائے گی، اور اس کی حمایت میں کوئی حدیث قابل اعتبار نہیں ہے، اور امام صاحب اور صاحبین کے قول کے برخلاف ان کے قول کی کیا حقیقت ہے، در مختار کی شرح طوالع الانوار میں ہے، کہ تشہد میں انگلی اٹھانے کے متعلق ستائیس صحابہ سے روایات منقول ہیں، ملا علی قاری نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام مقتدی کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، جب دوسرا مقتدی آن کر ملا، تو امام دونوں پاؤں اٹھا کر دا سے پر جا کھڑا ہوا، مولانا اسمٰعیل صاحب قدس سرہ نے درس عام میں فرمایا تھا کہ اگر امام کا نماز میں پاؤں اٹھے تو نماز جاتی رہے گی، پس درصورت مرقومہ بالا نماز رہی یا نہیں فقط۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ اگر امام ایک یا دو قدم آگے بڑھ گیا، تو نماز نہیں جاتی، جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔ لو مشی فی صلوتہ مقدار صف واحد لم تفسد صلوتہ ولو کان مقدار صفین ان مشی دفعۃ واحدۃ فسدت صلوتہ وان مشی الی صف ووقف ثم الی صف لا تفسد کذا فی فتاوی قاضیخان اور اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں مرقوم ہے۔ وعن[2] عائشہ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی تطوعا والباب علیہ مغلق فجئت فاستفتحت پس طلب کردم کشادن در را فمشی ففتح لی پس راہ رفت آنحضرت پس بکشاد در را برائے من یعنی از انجا کہ برائے نماز ایستادہ بودند گامے چند زدہ بکشاد در را ثم رجع الی مصلاہ پستر بازگشت بجائے کہ نماز می گذارد وذکرت ان الباب کان فی القبلۃ وذکر کرد عائشہ کہ در خانہ بود در جانب قبلہ یعنی نزد آمدن آنحضرت بکشادن در تحول از قبلہ لازم نیامد و برگشتن بمصلا بازپس رفتن بود پس در آمدن وبرگشتن استقبال قبلہ بحال خود بود، و نیز گفتہ اند کہ خانہ تنگ بود وگنجائش زیادہ بریک دو خطوہ نداشت رواہ احمد وابوداود والترمذی وروی النسائی نحوہ و نیز نقل از خلاصہ کردہ است کہ اگر مردے امامت می کند یک کس را و درین میان ثالثے در آمد و اقتدا کرد و پیشتر رفت اگر مقدار آنچہ میان صف اول و امام می باشد رفت فاسد نمی گردد، و نیز اگر در نماز مشی کند اگر مقدار صف واحد رود فاسد نمی گردد. واگر مقدار دو صف رود بدفعہ واحدہ فاسد می گردد

[1] اگر نماز کی حالت میں ایک صف کے برابر چلے، تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر دو صف کے برابر ایک ہی دفعہ چلے، تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور ایک صف کے برابر چل کر ٹھہر جائے، پھر ایک اور صف آگے بڑھ جائے، تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ [2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفلی نماز میں مشغول ہوتے اور دروازہ بند ہوتا، میں آکر دروازہ کھٹکھٹاتی تو آپ چند قدم چل کر دروازہ کھول دیتے، اور پھر اپنے جائے نماز پر واپس چلے جاتے، مکان کا دروازہ قبلہ کی طرف تھا یعنی آگے بڑھنے اور واپس آنے میں منہ قبلہ ہی کی طرف رہتا، اور مکان تنگ تھا، یعنی ایک دو قدم چلتے تھے، اور ظہیریہ میں ہے، کہ اگر سوائے

واگرمشی مقدار یک صف گردد بایستاد بازتا صف دیگر رفت باز بایستاد فاسد نمی شود واز فتاوی ظہیریہ آوردہ است، کہ مختار آن ست، کہ اگر بسیار گردد فاسد است ودر حاشیہ شمنی بعلامت ظہیریہ نوشتہ است، کہ اگر در نماز آفتاب درآمد وگرمی آن ایذامی کند اگر بجانب سایہ رود بقدر دو گام فاسد نہ گردد، کذا فی المشکوٰۃ واشعۃ اللمعات تصنیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

اور فرمانا مولانا محمد اسماعیل صاحب محدث علیہ الرحمۃ کا بجا اور راست ہے، مطلب ان کے بیان کا یہ ہے، کہ ایک دو قدم سے زیادہ اگر امام آگے بڑھے، تو نماز فاسد ہے اور ایک دو قدم عفو میں داخل ہے، جیسا کہ فتاوی عالمگیری، اور مشکوٰۃ شریف اور اشعۃ اللمعات سے واضح ہو چکا، واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

**سوال** ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو شخص نماز قریب قریب پڑھ رہے تھے، ایک مصلی کا دامن دوسرے مصلی سے جو قریب تھا دب گیا جس کے نیچے دبا تھا اس نے کچھ اٹھ کر اس کا دامن اپنے نیچے سے نکال دیا، آیا اس حرکت سے اس کی نماز فاسد ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ نماز میں ضرورت کے وقت اس قسم کے فعل سے اور اس قدر فعل سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، ضرورت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے نماز کے اندر اس قسم کا فعل اور اس قدر فعل بلکہ اس سے زیادہ ثابت ہے، صحیحین میں ہے، عن ابی قتادۃ قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یؤم الناس وامامۃ بنت ابی العاص علی عاتقہ فاذا رکع وضعہا واذا رفع من السجود اعادھا مشکوٰۃ یعنی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، اور امامہ ابو العاص کی لڑکی یعنی آپ کی نواسی آپ کے کندھے پر تھیں، جب آپ رکوع کرتے تو ان کو زمین پر رکھ دیتے، اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پھر کو اپنے کندھے پر رکھ لیتے، اور صحیح بخاری میں ہے۔ عن انس بن مالک قال کنا نصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شدۃ الحر فاذا لم یستطع احدنا ان یمکن وجہہ من الارض بسط ثوبہ فسجد علیہ یعنی حضرت انس رضہ سے روایت ہے، کہ

---

بادل سے نکل آئے، اور گرمی زیادہ ہو جائے، تو سایہ کی طرف نمازی ایک دو قدم چل کر جا سکتا، واللہ اعلم۔

ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو جب ہم میں سے کوئی زمین پر (گرمی کی وجہ سے) سر نہیں رکھ سکتا تھا تو اپنا کپڑا پھیلاتا، اور اس پر سجدہ کرتا، اور مسند و سنن ابی داؤد وغیرہ میں ہے۔ عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی تطوعا والباب علیہ مغلق فجئت فاستفتحت فمشی ففتح لی ثم رجع الی مصلاہ ذکرت ان الباب کان فی القبلۃ (مشکوۃ) یعنی حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفلی نماز پڑھتے تھے، اور دروازہ بند ہوتا پس میں آتی اور دروازہ کھلواتی، تو آپ چل کر دروازہ میرے کھول دیتے، پھر اپنے مصلی پر چلے جاتے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر کیا، کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ　　ابو العلی محمد عبدالرحمن

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد قائم ہونے جماعت فرض صبح کے دو رکعت سنتیں فجر کی مسجد کے اندر خواہ قریب صف کے یا دور صف سے پڑھنی مکروہ ہیں یا نہیں، حنفی مذہب کی کتب معتبرہ سے زبان اردو میں جواب فرمادیں، اور اس باب میں کوئی حدیث صحیح جو کہ دلالت کرے کراہت پر وارد ہوئی ہے یا نہیں، بیان کرو، ثواب پاؤ گے۔

**الجواب**: جب مسجد میں جماعت قائم ہو، تو بعد اس کے سنتیں فجر کی مسجد میں پڑھنی مکروہ ہیں، خواہ صف کے پاس پڑھے، یا دور صف سے پڑھے، دونوں صورتوں میں مکروہ ہے کیونکہ اس میں مخالفت پائی جاتی ہے، کہ امام جماعت کرا رہا ہے، اور یہ شخص جدا جماعت سے سنت پڑھ رہا ہے، جیسا کہ ہدایہ اور فتح القدیر حاشیہ ہدایہ اور در مختار اور فتاوے ولواجیہ اور فتاوے عالمگیری اور محیط رضوی وغیرہ سے سمجھا جاتا ہے، اور ہدایہ فقہ حنفی میں بہت معتبر کتاب ہے، اور فتح القدیر بھی بہت معتبر ہے، چنانچہ علمائے حنفیہ پر مخفی نہیں ہاں قریب صف کے پڑھنے میں اشد کراہت ہے، جیسا کہ علماء آمد جہلا کا ہے، ایسا ہی فتح القدیر میں مذکور ہے، اور دلیل کراہت کی بموجب حدیث کے ہے، بیان حدیث کا آگے آوے گا عبارت ہدایہ کی یہ ہے (ومن انتہی الی الامام فی صلوۃ الفجر وھو لم یصل رکعتی الفجر ان خشی ان تفوتہ رکعۃ ویدرک الاخری یصلی رکعتی الفجر عند باب المسجد ثم یدخل وان خشی فوتہما دخل مع الامام لان ثواب الجماعۃ اعظم والوعید بالترک الزم والتقیید بالاداء عند باب المسجد یدل علی الکراھۃ فی المسجد اذا کان الامام فی الصلوۃ

جو شخص مسجد میں آیا، اور امام جماعت کرا رہا ہے، اور اس شخص نے سنت فجر کی نہیں پڑھی تھی، پس اگر خوف ہو، کہ ایک رکعت جاتی رہے گی، اور دوسری رکعت ہاتھ آوے گی تو سنت فجر کی نزدیک دروازہ مسجد کے اگر جگہ ملے، تو ادا کر کے جماعت میں مل جاوے، اور جو خوف ہو کہ سنت پڑھنے میں دو رکعتیں فرض کی جماعت سے فوت ہو جاویں گی، تو جماعت میں مل جاوے اور سنت کو اس وقت چھوڑ دے، اس لئے کہ ثواب جماعت کا بہت بڑا ہے، اور اس کے ترک میں سخت وعید لازم آتی ہے، اور قید ادا سنت کی نزدیک دروازہ مسجد کے دلالت کرتی ہے اوپر کراہت پڑھنے سنت کے مسجد میں جس وقت کہ امام جماعت کراتا ہو، ترجمہ ہدایہ کا تمام ہوا اور ایسا ہی فتح القدیر اور درمختار وغیرہ کا مطلب ہے، اور مراد نزدیک دروازہ مسجد سے خارج مسجد ہے یعنی خارج مسجد میں قریب دروازہ مسجد کے کوئی جگہ اگر ہو، تو وہاں سنت ادا کرے، جماعت میں شامل ہو جاوے، اور جو کوئی جگہ نہ ہو، تو جماعت فرض میں مل جاوے، اور سنت مسجد میں نہ پڑھے، کہ سنت مسجد کے اندر ادا کرنے میں کراہت لازم آوے گی، کیونکہ ترک مکروہ کا مقدم ہے ادائے سنت پر، جیسا کہ فتح القدیر اور درمختار وغیرہ سے صاف معلوم ہوتا ہے

قولہ[1] والتقیید بالاداء عند باب المسجد یدل علی الکراھۃ فی المسجد اذا کان الامام فی الصلوۃ لما روی عنہ علیہ الصلوۃ والسلام اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ ولانہ یشبہ المخالفۃ للجماعۃ والانتباذ عنھم فینبغی ان لا یصلی فی المسجد اذا لم یکن عند باب المسجد مکان لان ترک المکروہ مقدم علی فعل السنۃ غیر ان الکراھۃ تتفاوت فان کان الامام فی الصیفی فصلوتہ ایاھا فی الشتوی اخف من صلوتھا فی الصیفی وعکسہ اشد ما یکون کراھۃ ان یصلیھا مخالطا للصف کما یفعلہ کثیر من الجھلۃ انتھی ما فی فتح القدیر۔ واذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغالہ

---

[1] اور مسجد کے دروازے کے پاس سنتیں ادا کرنے کی قید دلالت کرتی ہے، کہ مسجد میں ان کا ادا کرنا مکروہ ہے جب کہ امام نماز پڑھا رہا ہو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جب جماعت کھڑی ہو جائے، تو تو فرضوں کے علاوہ اور کوئی جماعت نہیں ہوتی، اور دوسری وجہ یہ ہے، کہ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ یہ آدمی جماعت سے علیحدہ ہے، اور اگر مسجد کے دروازہ کے پاس کوئی جگہ نہ ہو، تو پھر سنت نہ پڑھے، کیونکہ مکروہ کا ترک سنت کے فعل پر مقدم ہے، اور کراہت کے درجات متفاوت ہیں، مثلاً اگر کوئی آدمی جماعت کی صف کے پیچھے آکر سنت ادا کرنے لگے، تو اس کی کراہت بہت زیادہ ہوگی، جیسا کہ آج کل بعض جاہل لوگ کرتے ہیں

بسنتها تركها لكون الجماعة اكمل والا بان رجاء ادراك ركعة فى ظاهر المذهب وقيل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالى تبعا للبحر لكن ضعفه فى النهر لا يتركها بل يصليها عند باب المسجد ان وجد مكانا والا تركها لان ترك المكروه مقدم على فعل السنة كذا فى الدر المختار قوله عند باب المسجد اى خارج المسجد كما صرح به القهستانى كذا فى الشامى يصلى ركعتى الفجر عند باب المسجد ثم يدخل كذا فى العالمگيرية ذكر الولوالجى امام يصلى الفجر فى المسجد الداخل فجاء رجل يصلى الفجر فى المسجد الخارج اختلف المشائخ فيه قال بعضهم لا يكره وقال بعضهم يكره لان ذلك كله كمكان واحد بدليل جواز الاقتداء لمن كان فى المسجد الخارج بمن كان فى المسجد الداخل واذا اختلف المشائخ فالاحتياط ان لا يفعل انتهى ما فى البحر الرائق۔

اور دلیل کراہت کی سنت فجر کے پڑھنے میں وقت قائم ہونے جماعت کے نزدیک صاحب ہدایہ کے اور صاحب فتح القدیر وغیرہ کے یہ حدیث ہے۔ اذا قیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ۔ ترجمہ، جب قائم ہو جاوے نماز یعنے جب مؤذن اقامت شروع کرے، تو اس وقت نماز پڑھنی درست نہیں سوائے فرض کے، جیسا کہ نقل کیا، اس حدیث کو مسلم اور ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی اور احمد بن حنبل اور ابن حبان نے، اور بخاری ترجمہ باب میں اس حدیث کو لائے ہیں، اور ابن عدی محدث نے ساتھ سند حسن کے آگے اس کے یہ نقل کیا ہے، اے رسول خدا کے اور نہ دو رکعت سنت فجر کی یعنی کسی نے پوچھا کہ اقامت کے وقت سنت فجر کی بھی نہ پڑھے، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اقامت ہونے لگے، تو سنت فجر

---

اگر سنت پڑھنے فرض جماعت کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو سنت نہ پڑھے، اور اگر آخری رکعت مل جانے کی توقع ہو اور بعض کے نزدیک آخری تشہد کی توقع ہو تو مسجد کے دروازہ پر یعنی مسجد سے باہر سنت ادا کرے، اگر آخری رکعت کی بھی توقع نہ ہو تو سنت نہ پڑھے، یا اگر مسجد کے باہر کوئی جگہ نہ ہو تو بھی سنت نہ پڑھے، کیونکہ کروہ کا ترک سنت کے فعل پر مقدم ہے، در مختار، قہستانی، شامی، عالمگیری میں ایسا ہی ہے، بحر الرائق میں ہے، امام صبح کی نماز مسجد کے اندر پڑھا رہا ہو لیکن آدمی مسجد کے باہر اگر سنت پڑھنے لگے، تو مشائخ کا اس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک مکروہ نہیں ہے، اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ ایک ہی مکان ہے، کیونکہ مسجد کے اندر اگر امام کھڑا ہو، تو باہر اس کی اقتدار درست ہے، اور جب مشائخ کا اختلاف ہو تو احتیاط اسی میں ہے، کہ سنت نہ پڑھے۔

کی بھی نہ پڑھے، اور مؤطا امام مالک میں اس طرح پر روایت ہے، کہ چند شخص مؤذن کی اقامت سن کر دو رکعت سنتیں فجر کی مسجد میں پڑھنے لگے، پس گھر سے مسجد میں تشریف لائے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، پھر فرمایا، کیا دو نماز سنت اور فرض اکٹھے ایک وقت خاص میں، کیا دو نماز سنت وفرض اکٹھے ایک وقت خاص میں، یعنی ازراہ انکار و توبیخ و سرزنش کے یہ فرمایا، کیا دو نماز سنت وفرض اکٹھے پڑھتے ہو تم لوگ بعد اقامت کے، جیسا کہ محلی شرح مؤطا میں نقل کی ہے اور دوسری حدیث انکار سنت فجر کی پڑھنے میں وقت قائم ہونے جماعت کے یہ ہے

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا وقد اقیمت الصلوۃ یصلی رکعتین فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاث بہ الناس فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتصلی الصبح اربعا رواہ البخاری عن عبد اللہ بن بحینۃ ترجمہ مقرر دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کہ سنت فجر کی پڑھ رہا ہے، وقت قائم ہونے جماعت کے پھر جب فارغ ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز فرض سے تو گرد ہوئے لوگ اس کے ساتھ، پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر توبیخ اور انکار فرمایا، کہ کیا چار رکعت صبح کی تو پڑھتا ہے، اس کو روایت کیا امام بخاری نے عبد اللہ بن بحینہ صحابی سے، اور صحیح مسلم وغیرہ میں عبد اللہ بن بحینہ سے یوں روایت ہے۔ قال اقیمت صلوۃ الصبح فرای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یصلی والمؤذن یقیم فقال اتصلی الصبح اربعا۔ ترجمہ کہا عبد اللہ بن بحینہ نے اقامت ہوئی نماز صبح کی، پھر دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو، کہ سنت فجر کی پڑھنے لگا، اور مؤذن تکبیر کہہ رہا ہے، پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ انکار کے کیا پڑھتا ہے تو چار رکعت صبح کی،

اور صحیح مسلم اور ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ میں عبد اللہ بن سرجس صحابی سے یوں روایت ہے

قال دخل رجل المسجد ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوۃ الغداۃ فصلی رکعتین فی جانب المسجد ثم دخل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما سلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا فلان بای الصلاتین اعتددت ابصلاتک وحدک ام بصلوتک معنا۔ کہا عبد اللہ بن سرجس صحابی نے کہ داخل ہوا ایک شخص مسجد میں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیچ نماز صبح کے تھے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح میں امامت کرا رہے تھے، پھر اس شخص نے دو رکعت سنت فجر کی بیچ ایک جانب مسجد کے پڑھی پھر داخل

سوا وہ جماعت میں ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھر جب سلام پھیرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فلانے ان دونوں نمازوں میں سے کونسی نماز کو فرض میں شمار کیا تو نے آیا جو نماز تنہا پڑھی تو نے اس کو فرض ٹھیرایا یا جو نماز ہمارے ساتھ پڑھی تو نے اس کو فرض شمار کیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزنش اور انکار کی راہ سے یہ بات فرمائی اس کو پس اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سنت کا پڑھنا وقت قائم ہونے جماعت کے مکروہ اور ممنوع ہے اور ایک روایت عبداللہ بن بحینہ سے صحیح مسلم اور ابن ماجہ میں اس طرح سے ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر برجل یصلی وقد اقیمت صلوۃ الصبح فکلمہ بشئ لاندری ماھو فلما انصرفنا احطنابہ نقول ماذا قال لك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لی یوشك ان یصلی احدکم الصبح اربعا۔ ترجمہ۔ مقرر رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک مرد کے پاس سے گذرے کہ وہ پڑھتا تھا سنتین فجر کی اس حال میں کہ جماعت نماز صبح کی قائم ہوئی تھی پھر کلام کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے کہ ہم نے نہیں معلوم کیا کہ کیا فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ اسے پھر جب ہم لوگ نماز جماعت سے فارغ ہوئے تو گرد ہوئے اس مرد کے اور کہا ہم نے کیا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ کو کہا اس مرد نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قریب ہے کہ پڑھیگا ایک تمہارا فرض صبح کی چار رکعت یعنی پڑھنا سنت کا وقت قائم ہونے جماعت کے برابر فرض کے ٹھیراتا ہے آخر سنت کو ہوتے ہوتے بمنزلہ فرض کے اعتقاد کروگے تو اس طرح کا اعتقاد سنت کو درجہ فرض کے پہونچادیگا سنت اور فرض میں امتیاز نہ رہے گا اور ایسا اعتقاد خلاف مرضی میری ہوگا اور جو اعتقاد کسی کا خلاف میری مرضی کے ہوگا وہ مردود اور بدعت اور ضلالت ہے۔ اذا[1] اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ حدیث مرفوع اخرجہ مسلم والاربعۃ عن ابی ھریرۃ واخرجہ ابن حبان بلفظ اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ واحمد بلفظ فلا صلوۃ الا التی اقیمت وھو اخص ومن اد ابن عدی بسند حسن قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر نور بشتی وھکذا فی القسطلانی

[1] جب نماز کھڑی ہوجائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی یہ مرفوع حدیث ہے دوسرے لفظ یہ ہیں کہ جب موذن اقامت شروع کردے تو وہی نماز ہوگی جس کی اقامت ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مالك عن شريك بن عبد الله بن ابى نمرانه سمع قوم الاقامة فقاموا يصلون اى التطوع فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اصلوتان اى السنة و الفرض معا اى موصلان فى وقت واحد اصلوتان معا وذلك فى صلوة الصبح فى الركعتين اللتين قبل الصبح اعلم انه قد اختلف فى اداء سنة الفجر عند الاقامة نكرهه الشافعى واحمد عملا بتلك الاحاديث وقالت المالكية لايبتدأ الصلوة بعد الاقامة لا فرضا ولا نفلا لحديث اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة واذا اقيمت وهو فى الصلوة قطع ان خشى فوت ركعة والا لا اتم واستدل بعموم الحديث من قال بقطع النافلة اذا اقيمت الفريضة وبه قال ابوحامد وغيره ورخص اخرون النهى بمن ينشاء النافلة عملا بقوله ولا تبطلوا اعمالكم ثم زاد مسلم بن خالد عن عمرو بن دينار فى قوله صلى الله عليه وسلم اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة قيل يا رسول الله ولا ركعتى الفجر قال ولا ركعتى الفجر اخرجه ابن عدى وسنده حسن واما زيادة الا ركعتى الصبح فى الحديث فقال البيهقى هذه الزيادة لا اصل لها كذا فى المحلى عن ابى هريرة رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة وفى الباب عن ابن بحينة وعبد الله بن عمرو وعبد الله بن سرجس وابن عباس وانس رض قال ابو عيسى حديث ابى هريرة حديث حسن وكذا روى ايوب

سے سوال کیا گیا کہ صبح کی سنتیں بھی نہ پڑھی جائیں آپ نے فرمایا صبح کی سنتیں بھی نہ پڑھی جائیں اقامت ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیکھا وہ سنتیں پڑھ رہے تھے تو آپ نے فرمایا کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھتے ہو؟ اور یہ صبح کی نماز کا وقت تھا۔ اقامت کے وقت فجر کی سنت ادا کرنے میں اختلاف ہے امام شافعی اور احمد اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ مالکی کہتے ہیں کہ اقامت ہو جانے کے بعد کوئی نماز شروع نہ کرے خواہ فرض ہو یا نفل اگر پہلے سے نماز شروع کر رکھی ہو اور اقامت بعد میں ہو تو اگر رکعت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو نماز توڑ دے اور اگر رکعت مل جانے کی امید ہو تو نماز پوری کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اپنے عملوں کو ضائع نہ کیا کرو باقی رہا الا رکعتی الفجر (مگر صبح کی دو سنتیں) کا استثناء امام بیہقی نے کہا یہ زیادت صحیح نہیں ہے محلی میں بھی یہی ہے۔ ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی اس مضمون کی حدیثیں ابن بحینہ عبد اللہ بن عمر سرجس۔ ابن عباس اور

ووہ رفاد ابن عمرو ون یاد بن سعد و اسمعیل بن مسلم ومحمد بن جحادۃ
عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ و
سلم وروی حماد بن زید وسفیان بن عیینہ عن عمرو بن دینار ولم یرفعاہ
والحدیث المرفوع اصح عندنا وقد روی ھذا الحدیث عن ابی ہریرۃ عن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غیر ھذا الوجہ رواہ عیاش بن عباس القتبانی
المصری عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والعمل علی
ھذا عند اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہم اذا اقیمت
الصلوٰۃ ان لا یصلی الرجل الا المکتوبۃ وبہ یقول سفیان الثوری رحمۃ اللہ
علیہ وابن المبارک والشافعی واحمد واسحاق انتہی ما فی الترمذی عن عطاء بن
یسار عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا
صلوٰۃ الا المکتوبۃ وحدثنیہ محمد بن حاتم وابن رافع قال حدثنا
شبابۃ قال حدثنی ورقاء بھذا الاسناد وحدثنی یحیی بن حبیب الحارثی
قال حدثنا روح قال حدثنا زکریا بن اسحاق قال حدثنا عمرو بن دینار قال
سمعت عطاء بن یسار یقول عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ
قال اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ حدثنا عبد ابن حمید قال حدثنا
عبد الرزاق قال اخبرنا زکریا بن اسحق بھذا الاسناد مثلہ وحدثنا حسن
الحلوانی قال حدثنا یزید بن ہرون قال اخبرنا حماد بن زید عن ایوب عن
عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
بمثلہ قال حماد ثم لقیت عمروا فحدثنی بہ ولم یرفعہ کذا فی صحیح مسلم
مختصرا قولہ قال حماد ثم لقیت عمروا فحدثنی بہ ولم یرفعہ ھذا الکلام
لا یقدح فی صحۃ الحدیث ورفعہ لان اکثر الرواۃ رفعوہ وقال الترمذی و

انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں امام ترمذی نے کہا ابوہریرۃ کی حدیث حسن ہے اس حدیث کو کئی راویوں نے
مرفوعاً بیان کیا ہے اور کچھ لوگوں نے موقوفاً سفیان ثوری۔ ابن مبارک شافعی۔ احمد۔ اسحق سب کا یہی مذہب
ہے کہ فرض کے شروع ہو جانے کے بعد کوئی اور نماز نہیں ہوتی امام ترمذی نے کہا مرفوع روایت صحیح ہے اور ہم پہلے
بیان کر چکے ہیں کہ صحیح مذہب پر رفع وقف سے مقدم ہوتا ہے اگرچہ رفع کی روایات کم ہوں اور اگر رفع کی روایات

روایۃ الرفع اصلح وقد قدمنا فی الفصول السابقۃ فی مقدمۃ الکتاب ان الرفع مقدم علی الوقف علی المذہب الصحیح وان کان عدد الرفع اقل فکیف اذا کان اکثر انتہی ما قال النووی فی شرح مسلم وھکذا فی تدریب الراوی۔ اور معلوم کہ جو ابراہیم حلبی شارح منیۃ المصلی شاگرد ابن الہمام وغیرہ نے طحاوی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ وابو الدرداؓ صحابیوں میں سے اور مسروق وحسن بصری وابن جبیر وغیرہ تابعین میں سے بعد قائم ہو جانے جماعت کے سنت فجر کی گوشہ مسجد میں پڑھ کر جماعت میں شامل ہوئے سو اس نقل سے سنت کا پڑھنا مسجد میں بعد اقامت صلوٰۃ کے جائز معلوم ہوتا ہے پس یہ نقل صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر و در مختار وغیرہ کی تقریر اور تحریر سے صحیح اور ثابت نہیں ہوتی کیونکہ جو ثابت ہوتی تو صاحب ہدایہ وفتح القدیر کہ محقق مذہب حنفی کے ہیں ضرور نقل کرتے اس کو حالانکہ اس کو نقل نہیں کیا بلکہ خلاف اس کے بلحاظ حدیث اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ کے سنت فجر کی مسجد میں پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے چنانچہ بخوبی پہلے مذکور ہو چکا تو اس سے معلوم ہوا کہ قول طحاوی وغیرہ کا جو ابراہیم حلبی مذکور نے نقل کیا ہے نزدیک صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر وغیرہ کے پایہ اعتبار سے ساقط ہے والا وہ ضرور نقل کرتے اور نیز فعل حضرت عمرؓ کا مخالف فعل عبداللہ بن مسعود وغیرہ کے منقول ہے یعنی حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک شخص سنت فجر کی پڑھ رہا ہے وقت قائم ہونے جماعت کے تو اس کو مارا اور تعزیر دی اور عبداللہ بن عمر نے دیکھا ایک شخص کو کہ وقت اقامت موذن کے سنت فجر کی پڑھنے لگا تو اس کو کنکر مارا جیسا کہ بیہقی نے نقل کیا اور محلی شرح موطا میں مذکور ہے اور اگر بالفرض عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ نے سنت فجر کی پڑھی ہو تو جواب اس کا یہ ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ وغیرہ کو حدیث نہی کی نہیں پہنچی اور حدیث نہی کے نہ پہنچنے میں کچھ تعجب نہیں کیونکہ مخفی رہا عبداللہ پر ہاتھ کا گھٹنوں پر رکھنا رکوع میں اور وہ ہمیشہ دونوں ہاتھ ملا کر رانوں میں رکھتے تھے موافق پہلے دستور کے اور مخالفت کی عبداللہ بن مسعود نے سب صحابہ سے اس مسئلہ میں چنانچہ صحاح میں مذکور ہے حالانکہ رکھنا دونوں ہاتھوں کا ملا کر رانوں میں منسوخ ہو چکا مگر عبداللہ بن مسعود کو نسخ کی حدیث نہیں پہنچی

---

وقف سے زیادہ ہوں تو پھر تو کوئی اعتراض ہی نہیں ہو سکتا۔

حالانکہ رکوع میں ہاتھ رکھنا گھٹنوں پر ہر وقت کا مدام معمول ہے ہر نماز میں اور یہ فعل ایسا مشہور عبداللہ بن مسعودؓ پر مخفی رہا پس اسی طرح حدیث نہی سنت فجر کے پڑھنے میں بیچ مسجد کے وقت قائم ہونے جماعت کے عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوالدرداء کو نہ پہنچی اور اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوالدرداء بجائے قرأت وماخلق الذکر والانثی کے والذکر والانثی پڑھتے تھے حالانکہ وماخلق الذکر قرأت متواترہ جمہور صحابہ کے نزدیک ہے اور یہی قرأت متواترہ تمام قرآن مجید میں اور مصحف عثمانی میں اسی طرح سے مذکور ہے اور عبداللہ بن مسعود اور ابوالدرداء کو یہ قرأۃ متواترہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پہنچی جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں وغیرہ میں یہ قصہ مذکور ہے پس بسبب لاعلمی اس حدیث نہی کے عبداللہ بن مسعود اور ابوالدرداء نے سنت فجر کی کبھی مسجد میں بروقت قائم ہوجانے جماعت کے اگر پڑھی ہو تو وہ معذور رہیں گے۔ اور ہم پر ان کا پڑھنا بمقابلہ حدیث صحیح کے کہ چھ سات صحابی سے منقول ہے حجت نہیں ہوسکتا بموجب اس آیت کریمہ کے وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا ترجمہ۔ جو چیز دی تم کو رسولؐ نے پس لے لو اس کو اور عمل کرو اس پر اور جس چیز سے منع کیا تم کو پس باز رہو اس سے اور نہ کرو اس کو پس قول وفعل اور تقریر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی واجب الاتباع ہے امت پر[1] فلما روی عن عمرؓ انہ کان اذا رأی رجلا یصلی وھو یسمع الاقامۃ ضربہ وعن ابن عمرؓ انہ ایصر رجلا یصلی رکعتین والمؤذن یقیم فحصبہ کذا فی المحلی اور بعضے عالم حنفی جواب میں حدیث نہی کے یوں تقریر کرتے ہیں کہ اس شخص نے کنارہ مسجد کے یا اوٹ میں نہیں پڑھی تھی اس واسطے انکار اور زجر فرمایا اور اگر دور یا اوٹ میں پڑھتا تو مضائقہ نہیں تھا تو حدیث صحیح مسلم کی ان کے قول کو رد کرتی ہے جیسا کہ محلی میں موجود ہے[2] ومن الحنفیۃ من قال انما انکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال الصبح اربعا لانہ علم انہ صلی الفرض اولان الرجل صلاھا فی المسجد بلاحائل فشوش علی المصلین ویرد الاحتمال

---

[1] حضرت عمرؓ جب کسی آدمی کو اقامت ہوجانے کے بعد نماز میں مشغول پاتے تو اس کو مارتے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے ایک آدمی کو اقامت کے بعد سنتیں پڑھتے دیکھا تو اس کو کنکریاں ماریں [2] بعض حنفیہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی پر انکار کرکے جو فرمایا کیا صبح کی چار رکعتیں پڑھتا ہے یہ اس لئے کہا تھا کہ آپ نے سمجھا کہ اس نے پہلے بھی فرض ہی پڑھے ہیں یا پھر سنتیں مسجد میں بغیر کسی اوٹ کے پڑھی ہونگی پہلے احتمال کو یہ حدیث رد کرتی ہے

الاول قولہ صلی اللہ علیہ وسلم کما فی الکتاب اصلوتان معا وما للطبرانی عن ابی موسی انہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا یصلی رکعتی الغداۃ والمؤذن یقیم فاخذ منکبیہ وقال الاکان ھذا قبل ھذا ویرد الثانی ما فی مسلم عن ابن سرجس دخل رجل المسجد وھو صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوۃ الغداۃ فصلی رکعتین فی جانب المسجد ثم دخل مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما سلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا فلان بای الصلوتین اعتددت ابصلوتک وحدک ام بصلوتک معنا انتہی فانہ یدل علی ان اداء الرجل کانت فی جانب لا مخالطا للصف وفی المحیط الرضوی اختلفوا فی الکراھۃ فیما اذا صلی فی المسجد الخارج والامام فی الداخل فقیل لا یکرہ وقیل یکرہ لان ذلک کلہ کمکان واحد فاذا اختلف المشائخ فیہ کان الاحوط ان لا یصلی کذا فی المحلی پس احادیث مذکورہ بالا سے صاف واضح ہوتا ہے کہ سنت فجر کی بعد کھڑے ہوجانے جماعت فرض کے مطلقاً نہ پڑھے نہ مسجد میں اور نہ خارج مسجد میں اور یہی مذہب سارے اہل علم اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن المبارکؒ اور احمد شافعی اور اسحاقؒ کا ہے جیسا کہ ترمذی سے واضح ہوتا ہے اور مالکی مذہب سے بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے جیسا کہ محلی شرح موطا سے معلوم ہوتا ہے اور ہدایہ و فتح القدیر و در مختار سے پہلے مذکور ہوچکا کہ وقت اقامت کے مسجد میں سنت پڑھنی مکروہ ہے اور خارج مسجد میں پڑھنی درست ہے بشرطیکہ دونوں رکعت فرض کی فوت نہ ہوجاویں لیکن مضمون حدیث سے مطلق معلوم ہوتا ہے نہ پڑھنا سنت کا خواہ مسجد میں ہو خواہ خارج مسجد کے ہو وقت

---

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا وہ صبح کی دو سنتیں پڑھ رہا تھا مؤذن نے اقامت کہی آپ نے اس کو کندھوں سے پکڑا اور فرمایا اس سے پہلے سنتیں کیوں نہ پڑھ لیں اور دوسرے احتمال کا جواب یہ ہے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اس نے مسجد کے ایک گوشے میں دو رکعت سنت پڑھیں پھر نبی کے ساتھ جماعت میں شامل ہوا آپ نے فرمایا اے فلان ان دونوں نمازوں میں سے تو نے کونسی نماز شمار کی ہے کیا اپنی اکیلے کی نماز زیادہ نماز جو تونے ہمارے ساتھ پڑھی یہ حدیث دلیل ہے کہ اس نے مسجد کے گوشے میں سنتیں پڑھی تھیں محیط میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ جب امام مسجد کے اندر نماز پڑھ رہا ہو اور باہر کوئی اگر سنتیں پڑھے تو یہ مکروہ ہے یا نہیں ؟ بعض نے کہا مکروہ نہیں ہے اور بعض نے اسے مکروہ کہا ہے اس لئے کہ مسجد حقیقت میں ایک ہی مکان ہے اور جب مشائخ کا اختلاف ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ نہ پڑھے ۔

قائم ہونے جماعت کے فیہ[1] دلیل علی انہ لا یصلی بعد الاقامۃ نافلۃ وان کان یدرک الصلوۃ مع الامام ورد علی من قال ان علم انہ یدرک الرکعۃ الاولی او الثانیۃ یصلی النافلۃ انتہی۔ ما قال النووی فی شرح مسلم۔ اور نہ پڑھنے سنت میں وقت قائم ہوئے جماعت کے یہ حکمت ہے کہ دل جمعی سے ابتدا جماعت فرض میں مل جاوے اور ثواب تکبیر اولی اور تکمیل فرض کی حاصل ہو اور صورت اختلاف کی نہ ظاہر ہووے پس محافظت فرض کی اوپر درجہ کمال کے مقتدی کو ضرور ہے[2] الحکمۃ فیہ ان یتفرغ للفریضۃ من اولہا فیشرع فیہا عقیب شروع الامام واذا اشتغل بنافلۃ الاحرام ورفاتہ بعض مکملات الفریضۃ فالفریضۃ اولی بالمحافظۃ علی اکمالہا قال القاضی وفیہ حکمۃ اخری وھو النہی عن الاختلاف علی الائمۃ کذا قال الامام النووی فی شرح مسلم۔ اب آگے باقی رہا کلام اس میں کہ جس نے سنت فجر کی بعد طلوع آفتاب کے پڑھے پس عبداللہ بن عمرؓ سے دونوں طرح منقول ہے خواہ بعد طلوع آفتاب کے یا قبل طلوع کے مالک انہ بلغہ ان عبد اللہ بن عمرؓ فاتہ رکعتا الفجر فقضاھما بعد ان طلعت الشمس کذا فی موطا امام مالک وھکذا اسند کا ابن ابی شیبۃ عن نافع عن ابن عمرؓ جاء الی القوم وھم فی الصلوۃ ولم یکن صلی الرکعتین فدخل معھم ثم جلس فی مصلاہ فلما اضحی قام فصلاھما وله من طریق عطیۃ قال رأیت ابن عمرؓ قضاھما حین سلم الامام محلی اور نیز حدیث مرفوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے در

---

[1] اس میں دلیل ہے کہ اقامت کے بعد کوئی نفل نماز نہ پڑھی جائے اگرچہ وہ امام کے ساتھ نماز کو پا سکتا ہو اور اس میں اس آدمی کا رد ہے جو کہتا ہے کہ اگر اسے ایک رکعت یا دونوں رکعت مل جانے کی توقع ہو تو سنتیں پڑھ لے [2] اس میں حکمت یہ ہے کہ وہ فرضوں کیلئے فارغ ہو جائے گا جب امام نماز شروع کرے گا تو وہ بھی شروع کرے گا اور اگر نفل میں مشغول ہو گیا تو اس سے تکبیر تحریمہ اور بعض حصہ فرائض کا بھی فوت ہو جائیگا تو فرائض کی محافظت ضروری ہے قاضی عیاض نے کہا اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ ائمہ کی مخالفت سے ممانعت معلوم ہوتی ہے [3] امام مالک کو خبر پہنچی کہ عبداللہ بن عمرؓ کی صبح کی سنتیں رہ گئی تھیں ان کی قضا آپ نے سورج نکلنے کے بعد کی۔ ایک دفعہ عبداللہ بن عمرؓ مسجد میں آئے لوگ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے سنتیں نہیں پڑھی تھیں آپ ان کے ساتھ شامل ہو گئے پھر اپنی نماز کی جگہ بیٹھے رہے جب ضحی کا وقت ہوا تو اٹھے اور انکی قضا دی عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ صبح کی سنتوں کی قضا امام کے

باب قضاء سنت بعد طلوع آفتاب کے ابی ہریرۃ سے ترمذی میں موجود ہے اور کہا ترمذی نے اور اس پر عمل ہے اہل علم کا اور یہی قول سفیان ثوری اور شافعیؒ اور احمدؒ و ابن المبارکؒ و واسحاقؒ کا ہے۔ عن ابی ھریرۃ مرفوعا من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھما بعد ما تطلع الشمس قال الترمذی والعمل علی ھذا عند اھل العلم وبہ یقول الثوریؒ والشافعی واحمد وابن المبارک واسحاق انتھی ما فی الترمذی اور ابو داؤد و ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ سے بعد فرض قبل طلوع آفتاب کے بھی پڑھنا سنت فجر کا واضح ہوتا ہے کہ قیس بن عمروؓ صحابی وقت اقامت جماعت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت میں شامل ہوئے اور بعد ادائے فرض کے سنت فجر کی جلدی سے پڑھنے لگے اتنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جماعت سے فارغ ہوئے اور پایا قیس کو سنت پڑھتے ہوئے تو فرمایا اے قیس ٹھیر جا آیا دو نماز اکھٹی پڑھتا ہے تو قیس نے کہا اے رسول خدا کے میں نے سنت فجر کی پہلے نہیں پڑھی تھی سو میں نے یہ دو رکعت سنت فجر کی پڑھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس نہیں مضائقہ اس وقت یعنی جبکہ پہلے تو نے سنت فجر کی نہیں پڑھی تھی اور بعد ادائے فرض کے تو نے پڑھی تو اس کے پڑھنے کا مضائقہ نہیں تو اس کلام سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف واضح ہوا کہ بعد فرض صبح کے سنت فجر کی پڑھنا روا ہے اور نفل پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے تو حدیث نہی سے سنت فجر کی مستثنی اور خارج ہوئی اور نہی اس پر وارد نہیں ہوتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیس کے سنت پڑھنے پر خاموش رہے اور ایک روایت میں یوں فرمایا کیا مضائقہ اور ایک روایت میں مسکرائے اور اسی واسطے جماعت علماء مکہ معظمہ کی حدیث قیس پر عمل کرنے کو روا رکھتی ہے پس جو شخص ادائے فرض کے سنت فجر کی پڑھنے کو شدت سے منع کرتے ہیں تو قول ان کا بموجب حدیث قیس کے مقبول نہ ہوگا کیونکہ اس میں وسعت پائی گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت کا اس حدیث کو مرسل کہیں گے اور حدیث مرسل حنفی مذہب اور مالکی مذہب میں حجت ہے جیسا کہ نور الانوار اور توضیح وغیرہ میں مذکور ہے باب[1] من فاتتہ متی یقضیھا حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ نا ابن نمیر عن سعد بن سعید حدثنی محمد

---

[1] سلام پھیرنے کے بعد دی لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا اس نے صبح کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھیں تو آپ نے فرمایا صبح کی نماز تو دو ہی رکعت ہے تونے یہ کیا پڑھا ہے؟ اس نے کہا میں پہلے سنتیں ادا

بن ابراهيم عن قيس بن عمرو قال رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا يصلي بعد صلوة الصبح ركعتان فقال الرجل انى لم اكن صليت الركعتين اللتين قبلهما فصليتهما الآن فسكت رسول الله صلى الله عليه وسلم حدثنا حامد بن يحيى البلخي قال قال سفيان كان عطاء بن ابى رباح يحدث بهذا الحديث عن سعد بن سعيد قال ابو داؤد وروى عبد ربه ويحيى ابنا سعيد هذا الحديث مرسلا ان جدهم زيدا صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم انتهى ما فى ابى داؤد باب ـ ماجاء فيمن تفوته الركعتان قبل الفجر يصليهما بعد صلوة الصبح حدثنا محمد بن عمرو السواق حدثنا عبد العزيز بن محمد عن سعد بن سعيد عن محمد بن ابراهيم عن جده قيس قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فاقيمت الصلوة فصليت معه الصبح ثم انصرف النبي صلى الله عليه وسلم فوجدنى اصلي فقال مهلا يا قيس اصلوتان معا قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم انى لم اكن ركعت ركعتى الفجر قال فلا اذا قال ابو عيسى حديث محمد بن ابراهيم لا نعرفه مثل هذا الا من حديث سعد بن سعيد وقال سفيان بن عيينة سمع عطاء بن ابى رباح من سعد بن سعيد هذا الحديث وانما يروى هذا الحديث مرسلا وقد قال من اهل مكة بهذا الحديث لم يروا باسا ان يصلي الرجل الركعتين بعد المكتوبة قبل ان تطلع الشمس قال ابو عيسى وسعد بن سعيد هو اخو يحيى بن سعيد الانصارى وقيس هو جد يحيى بن سعيد ويقال هو قيس بن عمرو ويقال هو قيس بن فهد واسناد هذا الحديث ليس بمتصل محمد بن ابراهيم التيمى لم يسمع من قيس وروى بعضهم هذا الحديث عن سعد بن سعيد عن محمد بن ابراهيم ان النبي صلى الله عليه وسلم خرج فرأى قيسا انتهى ما فى الترمذى هكذا رواه ابن ماجه فقط اور سنت فجر کی قضا نہیں ہے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کے اور

نہیں کرسکا تھا وہ اب پڑھی ہیں تو آپ خاموش ہو گئے حضرت قیس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے نماز کھڑی ہو گئی میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی پھر جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے سنتیں پڑھیں آپ نے فرمایا اے قیس ٹھہر جا کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھتا ہے؟ میں نے کہا میں پہلے سنتیں ادا نہیں کر سکا تھا آپ نے فرمایا کچھ ٹھیک ہے یہ حدیث مرسل ہے۔ لیکن مرسل حدیث احناف اور مالکیہ کے نزدیک حجت ہے اور اسی حدیث کی بنا پر اہل مکہ کا فتوی ہے کہ اگر نماز کے بعد سورج نکلنے سے پہلے صبح کی سنتیں ادا کرے تو ٹھیک ہے۔

ابو یوسفؒ کے اور نزدیک امام محمدؒ کے تا زوال قضا کرے اور بعض کہتے ہیں کہ جو قضا کرے گا تو نفل ہوں گے نزدیک شیخین کے اور محبوب سنت ہونگے نزدیک امام محمدؒ کے قضا کرنا چھوڑنے سے بہتر ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ولا[1] یقضیھما ای سنت الفجر الا حال کونہ تبعا للفرض قبل الزوال اوبعدہ علی اختلاف المشائخ کما فی التمرتاشی وقیل یقضی بعدہ اجماعا والکلام دال علی انہا اذا فاتت وحدھا لا تقضی وھذا عندھما واما عند محمدؒ فیقضیھا الی الزوال استحسانا وقیل لاخلاف فیہ فان عندہ لو لم یقض فلا شئی علیہ واما عندھما فلو قضی لکان حسنا وقیل الخلاف فی انہ لو قضی کان نفلا عندھما سنۃ عندہ کما فی جامع الرموز واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب حررہ السید شریف حسین

| محمد اسد علی | سید محمد نذیر حسین | حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ |
|---|---|---|

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب جماعت نماز فجر کی کھڑی ہو جائے اس دو رکعت سنت فجر کی پڑھ لے یا شامل ہو جاوے اور اگر شامل جماعت ہو گیا تو بعد نماز فرض کے طلوع آفتاب سے قبل نماز سنت کو پڑھے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اس وقت سنت نہ پڑھے جماعت میں شامل ہو جاوے بموجب فرمودہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ[2] ترجمہ جس وقت جماعت نماز کی کھڑی ہو جاوے تو اس وقت سوائے نماز فرض کے اور کوئی نماز نہیں ہے دوسری حدیث ثم زاد مسلم بن خالد عن عمرو بن دینار فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر اخرجہ ابن عدی بسند حسن اور بخاری میں عبداللہ بن بحینہ سے روایت ہے ان[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا وقد اقیمت الصلوٰۃ یصلی رکعتین فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الصبح اربعا عن ابن عمر انہ ابصر رجلا یصلی

---

[1] اس عبارت کا ترجمہ متن میں عبارت سے پہلے آچکا ہے [2] جب نماز کھڑی ہو جائے تو پھر فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا ہے کہ صبح کی سنتیں بھی آپ نے فرمایا وہ بھی نہیں ہوتیں [3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا اس نے دو رکعتیں پڑھیں اور نماز کھڑی ہو چکی تھی

الرکعتین والمؤذن یقیم فحصبہ فقد روی عن عمرؓ انہ کان اذا رای رجلا یصلی و هو یسمع الاقامۃ ضربہ عن طریق عطیۃ فقد رأیت ابن عمرؓ قضاهما حین سلم الامام اور قیس سے روایت ہے خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقیمت الصلوۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدنی اصلی فقال مهلا یا قیس اصلوتان معا قلت یا رسول اللہ انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذا قیس سے روایت ہے کہ قیس نے کہا کہ حضرتؐ باہر تشریف فرما ہوئے اور نماز فجر کی جماعت کھڑی ہوئی تو میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز فرض پڑھی بعد سلام پھیرنے کے حضرت نے مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا ٹھیر جا اے قیس کیا تو دو نمازیں اکٹھی پڑھتا ہے میں نے عرض کیا کہ میں نے دو رکعت سنت فجر کی نہیں پڑھی تھی تو حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں ان روایات مذکورہ بالا سے وقت کھڑی ہو جانے جماعت فرض کے شامل ہونا جماعت میں ضرور ہے اور پڑھنا سنتوں کا بعد جماعت کے قبل طلوع آفتاب کے یہ بھی ثابت ہو گیا اگر کوئی بعد طلوع آفتاب کے سنتیں پڑھے گا تو بھی درست ہے واللہ اعلم کتبہ محمد عبید اللہ و عبد الحق [محمد عبید اللہ ۱۲۹۱] اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ نص است و بمقابلہ نص تعلیلات قیاسیہ باطل است [فقیر عبد الحق ۱۲۹۵] [میر احمد] پشاوری واقعی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ مانع جواز پڑھنے سنت کے ہے مگر بعد فرضوں کے بلاشبہ درست ہے [حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ]

قد ثبت[1] فی الصحیحین وغیرهما انہ اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ و زیادۃ الا رکعتی الفجر لا اصل لها قالہ البیهقی و نقل عنہ فی المحلی شرح المؤطا واللہ اعلم بالصواب

---

جب رسول اللہ صلعم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟ صبح کی چار رکعت پڑھتے ہو؟ عبد اللہ بن عمر نے ایک آدمی کو دیکھا وہ دو رکعت پڑھ رہا تھا اور مؤذن اقامت کہہ رہا تھا آپ نے اس کو کنکریاں ماریں حضرت عمر نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے دیکھا اور اقامت کی آواز سنی جا رہی تھی آپ نے اس کو مارا حضرت عبد اللہ بن عمر نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد صبح کی سنت کی قضا دی قیس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے نماز کی اقامت ہوئی میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے سنتیں پڑھیں آپ نے فرمایا اے قیس ٹھہر جا کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھتا ہے میں نے کہا اے اللہ کے رسول میں نے پہلی سنتیں نہیں پڑھی تھیں آپ نے فرمایا پھر ٹھیک ہے [1] صحیحین میں ثابت ہے کہ جب نماز کی اقامت ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی اور

حررہ ابومحمد عبدالرؤف البہاری [عبدالرؤف ۱۳۰۲]

الجواب صحیح والرائے نجیح نمقہ محمد لیس الرحیم آبادی عفی عنہ۔ مجیب صاحب نے بہت ہی عمدہ جواب دیا ہے حقیقت میں وقت اقامت ادائے سنت فجر ناجائز و نادرست از روئے حدیث صحیح السند کے ہے اور کتب فقہ میں بھی اس طرح سنت پڑھنے کو کہ جس طرح آجکل فی زماننا جہال پڑھتے ہیں یعنی قریب صف کے اور مسجد میں ممنوع لکھا ہے اور فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اس طرح سے جیسا کہ آجکل مروج ہو رہا ہے سنت فجر پڑھتے ہیں بہت سخت مکروہ ہے اور وہ بڑے اجہل ہیں اور ہدایہ مع الکنایہ میں لکھا ہے کہ سنت فجر وقت اقامت مسجد میں ممنوع و نادرست ہے اگر پڑھے تو خارج از مسجد پڑھے اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی حنفی نے عمدۃ الرعایہ صفحہ ۲۲۸ و تعلیق الممجد صفحہ ۸۶ میں بعد اللتیا خوب واضح کر کے لکھا ہے کہ از روئے احادیث صحیحہ مرفوعہ سنت فجر وقت تکبیر نہ پڑھنی چاہیئے فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العاجز ابومحمد عبدالوہاب الفنجابی نزیل الدہلی خادم شریعت رسول الاواب ابومحمد عبدالوہاب ۱۳۰۴

الجواب صحیح محمد طاہر سلہٹی ۱۳۰۴ - اکثر جاہل لوگ جو وقت اقامت فرض صبح کے سنتین پڑھتے ہیں یہ درست نہیں پس جماعت میں شامل ہونا چاہیئے حنفی واعظ جامع مسجد دہلی

[سید محمد نذیر حسین] [خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۱] [سید محمد عبدالسلام غفرلہ ۱۲۹۹] الجواب صحیح [عبداللطیف ۱۲۹۵]

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حدیث شریف اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ میں لفظ اذا عموم زمان کیلئے ہے اور فلا صلوۃ میں صلوۃ عام ہے جو ہر نماز فرض و غیر فرض کو شامل ہے کیونکہ نکرہ نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے پس اس حدیث کا ظاہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اور جس وقت کسی نماز کے لئے اقامت کہی جائے تو بجز نماز مکتوبہ مقام لہا کے کوئی اور نماز پڑھنی نہیں چاہیے نہ فرض اور نہ غیر فرض پس سوال یہ ہے کہ جب اکثر مصلین کسی نماز فرض سے فارغ ہو کر عازم نوافل ساتیہ کو ہووے اسی اثنا میں چند اشخاص مسبوقین جماعت ثانیہ کی اقامت کہہ کر فرض نماز میں شامل ہوئے پس ان عازمین نوافل کو بوقت اقامت ان مفترضین کے بحکم حدیث مذکور نوافل پڑھنا چاہیے یا نہیں یا نوافل کو چھوڑ کر جماعت ثانیہ میں شریک ہو جانا چاہیے بینوا توجروا

الجواب - معلوم کرنا چاہیئے کہ اس حدیث شریف میں جملہ (فلا صلوۃ) کا نفی کرتا ہے تمامہ صلوۃ کا فریضہ کانت او نافلۃ اور مستثنی ثابت و واجب کرتا ہے صلوۃ مکتوبہ مقام لہا کو

پس یہ وجوب دو حال سے خالی نہیں آیا یہ وجوب بوجہ اقامت کے ہوا ہے یا قبل سے اس پر واجب تھا صرف اقامت نے بفور بدون تراخی کے ادا کرنے کو واجب کر دیا صورت اولی کا کوئی قائل نہیں کہ بوجہ اقامت کے وجوب صلوٰۃ ہوتا ہے ومن ادعی فعلیہ البیان بالبرھان باقی رہی صورت ثانیہ تو اس سے وہ افراد مصلین نکل گئے جو کہ اپنی صلوٰۃ مکتوبہ کو ادا کر چکے ہیں تو مطلب حدیث شریف کا یہ ہوا اذا اقیمت الصلوٰۃ وکنتم تریدون المکتوبۃ التی وجبت علیکم فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ واللہ اعلم حررہ السید عبد الحفیظ غفرلہ ولوالدیہ

سید محمد نذیر حسین

**ہوالموفق** - جبکہ اکثر مصلین اپنے فرض نماز سے فارغ ہو چکے ہوں اور عازم نوافل راتبہ ہوں اور اسی اثنا میں اشخاص مسبوقین کی جماعت ثانیہ کیلئے اقامت کہی جائے تو ان عازمین نوافل کو نوافل پڑھنا جائز ہے اور ان کو نوافل کو چھوڑ کر اس جماعت ثانیہ میں شریک ہونا ضروری نہیں ہے رہی حدیث مذکور سو اس میں جملہ اذا اقیمت الصلوٰۃ میں صلوٰۃ سے مطلق ہر نماز مراد نہیں ہے بلکہ وہ فرض نماز مراد ہے جو ادا نہیں کی گئی ہے اور خلاصہ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ اسے نمازیو جب اس فرض نماز کے لئے اقامت کہی جاوے جس کو تم نے ابھی ادا نہیں کیا ہے تو بجز اس فرض نماز کے تم کو کوئی اور نماز نہیں پڑھنا چاہیئے پس صورت مسئولہ حدیث مذکور کے حکم سے خارج ہے واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری۔

**سوال** - ادا کرنا سنتوں فجر کا وقت ہونے جماعت فرضوں فجر کے اسی مسجد اور مکان میں درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

**الجواب** - متبعان سنت نبوی پر مخفی نہ رہے کہ صحیح مسلم و ترمذی و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ ترجمہ - جب قائم کی جاوے نماز یعنی جب مؤذن اقامت شروع کرے تو اسوقت نماز پڑھنی درست نہیں سوائے فرض کے اور ابن عدی نے ساتھ سند حسن کے آگے اس کے یہ نقل کیا ہے کہ اے رسول خدا کے اور نہ دو رکعت سنت فجر کی - یعنی کسی نے پوچھا کہ اقامت کے وقت سنت فجر کی بھی نہ پڑھے فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اقامت ہونے لگے تو سنت فجر کی بھی پڑھنی نہ چاہیئے اور اس مضمون کی حدیث اور کتا محلی شرح موطا میں مذکور ہے اب معلوم کرنا چاہیئے کہ جب رسول خدا نے سنت فجر کی پڑھنے کو وقت اقامت کے منع فرمایا تو پھر اور کے کہنے یا لکھنے کا کیا اعتبار ہے

---

لے جب جماعت کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔

کیونکہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں اطاعت پیغمبر خدا کی لازم کردی چنانچہ فرماتا ہے ما اتٰکم الرسول فخذوہ و ما نھٰکم عنہ فانتھوا ترجمہ جو چیز تم کو رسول دے یا کوئی کام ارشاد کرے پس اس کو لے لو یعنی قبول کرو اور بجا لاؤ اس کو تو جب حضرت نے سنت پڑھنی وقت قائم ہونے جماعت فرض کے منع کردیا تو امت کو چاہیئے کہ اس پر عمل کرے یعنی نہی فرمانے پر آنحضرت کے عمل کرے یعنی جماعت قائم ہونے کے وقت سنت نہ پڑھے ورنہ مخالف پیغمبر ہوگا ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید  کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

قال اللہ تعالیٰ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ترجمہ۔ فرمایا خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہدے تو اے رسول اگر خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو دوست رکھے گا تم کو خدا۔ محلی شرح موطا میں ہے اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ حدیث مرفوع اخرجہ مسلم والاربعۃ عن ابی ھریرۃ واخرجہ ابن حبان بلفظ اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ واحمد بلفظ فلا صلوٰۃ الا التی اقیمت وھو اخص و زاد ابن عدی بسند حسن قیل یا رسول اللہ لا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر تو ربشتی وھکذا فی القسطلانی مالک عن شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر انہ سمع قوم الاقامۃ فقاموا یصلون ای التطوع فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اصلاتان ای السنۃ والفرض معا ای موصولا فی وقت واحد اصلاتان معا ذلک فی صلوٰۃ الصبح فی الرکعتین اللتین قبل الصبح ثم زاد مسلم بن خالد عن عمرو بن دینار فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر اخرجہ ابن عدی وسندہ حسن واما زیادۃ الا رکعتی الصبح فی الحدیث فقال البیہقی

---

لے جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی" یہ مرفوع حدیث ہے ایک لفظ یہ ہیں "تو صرف وہی نماز ہوگی جس کی اقامت ہوئی" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ صبح کی سنتیں بھی نہیں پڑھنی چاہئیں؟ تو آپ نے فرمایا صبح کی سنتیں بھی نہیں پڑھنی چاہییں کچھ لوگوں نے اقامت کی آواز سنی اور سنتیں پڑھتے رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھی جارہی ہیں؟ اور یہ صبح کی نماز کا واقعہ ہے امام بیہقی نے کہا یہ جو بعض لوگوں نے الا رکعتی الفجر (مگر صبح کی سنتیں پڑھنی جائز ہیں) اس کا بالکل کوئی اصل نہیں ہے حضرت عمر اگر اقامت کے بعد کسی کو الگ نماز پڑھتے دیکھتے تو اس کو مارتے۔ اقامت

هذه الزيادة لا اصل لها قال البيهقي وقد روي ان عمر انه كان اذا رأى رجلا يصلي وهو يسمع الاقامة ضربه وعن ابن عمر انه ابصر رجلا يصلي الركعتين والمؤذن يقيم فحصبه وقالت الحنفية لهم ان يصليهما خارج المسجد او خلف اسطوانة لا الخالطا في الصف اذا تيقن بادراك الركعة الاخيرة مع الامام ومن الحنفية من قال انما انكر النبي صلى الله عليه وسلم وقال الصبح اربعا لانه علم انه صلى الفرض او لان الرجل صلاهما في المسجد بلا حائل فشوش على المصلين ويرد الاحتمال الاول قوله صلى الله عليه وسلم كما في الكتاب اصلاتان معا وما للطبراني عن ابي موسى انه صلى الله عليه وسلم رأى رجلا يصلي ركعتي الغداة والمؤذن يقيم فاخذ منكبيه وقال الا كان هذا قبل هذا ويرد الثاني ما في مسلم عن ابن سرجس دخل رجل المسجد وهو صلى الله عليه وسلم في صلوة الغداة فصلى ركعتين في جانب المسجد ثم دخل مع النبي صلى الله عليه وسلم فلما سلم النبي صلى الله عليه وسلم قال يا فلان باي الصلوتين اعتددت اصلاتك وحدك ام بصلوتك معنا انتهى فانه يدل على ان ذلك الرجل كان في جانب لا مخالطا للصف بلا حائل وفي المحيط الرضوي اختلفوا في الكراهة فيما اذا صلى في المسجد الخارج والامام في الداخل فقيل لا يكره وقيل يكره لان ذلك كله كمكان واحد فاذا اختلف المشائخ فيه كان الاحوط لا يصلي تمام ہوئی عبارت محلی شرح موطا تصنیف مولانا

ہو گئی ایک آدمی سنتیں پڑھتا رہا عبداللہ بن عمر نے اس کو کنکریاں ماریں حنفی کہتے ہیں کہ اگر آخری رکعت مل جانے کا یقین ہو تو کسی ستون کے پیچھے یا مسجد کے صحن میں صبح کی سنتیں پڑھ لے اور بعض احناف کہتے ہیں کہ نہ پڑھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو روک دیا تھا اور فرمایا تھا کیا دو نمازیں اکٹھی ہو رہی ہیں ایک دفعہ رسول اللہ نے ایک آدمی کو اقامت کے بعد سنتیں پڑھتے دیکھا تو اس کو کندھوں سے پکڑ کر کہا یہ سنتیں اس سے پہلے پڑھلی ہوتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے ایک آدمی آیا اس نے پہلے سنتیں پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہو گیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا ان دونوں نمازوں میں سے تونے کونسی نماز پسند کی ہے۔ کیا اپنی اکیلی نماز یا ہمارے ساتھ نماز؟ اگر امام مسجد کے اندر نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی آدمی باہر صحن میں سنتیں پڑھے تو بعض نے کہا ہے یہ جائز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ نہ پڑھے کیونکہ مسجد کا اندر اور باہر ایک ہی مکان کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ اگر امام اندر کھڑا ہو تو صحن میں کھڑی ہونے والی صفوں کی نماز اس کی اقتدا میں ہو جاتی ہے اگر یہ دو جگہیں الگ الگ

سلام اللہ خلف شیخ الاسلام . . . . . . شیخ عبدالحق محدث دہلوی ذکر ابو الواجی امام یصلی الفجر فی المسجد الداخل فجاء رجل یصلی الفجر فی المسجد الخارج اختلف المشائخ فیہ قال بعضہم یکرہ لان ذلک کلہ کمکان واحد بدلیل جواز الاقتداء لمن کان فی المسجد الخارج بمن کان فی المسجد الداخل واذا اختلف المشائخ فالاحتیاط ان لا یفعل انتہی ما فی البحر الرائق الراقم محمد نذیر حسین عفی عنہ

| سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ |
|---|

| منصور الرحمن انصاری | محمد نجیب خاں | محمد اسمٰعیل | محمد عبدالقادر |
|---|---|---|---|

**سوال** ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کروٹ پر لیٹنا بعد سنت فجر کے فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب بینوا بالدلیل توجروا

**الجواب** ۔ جاننا چاہیئے کہ سنت فجر کے بعد داہنی کروٹ پر لیٹنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور ترک بھی ثابت ہے تو یہ فعل مستحب ہوا کیونکہ مستحب اسی فعل کو کہتے ہیں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑ دیا ہو عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی رکعتی الفجر اضطجع علی شقہ الایمن رواہ البخاری[1] پس معلوم ہوا کہ اس فعل کو فرض یا واجب کہنا صحیح نہیں ہے اسی طرح اس فعل کو بدعت کہنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ جب آنحضرت ؐ سے ترک بھی ثابت ہے تو واجب یا فرض کیونکر ہوسکتا ہے واجب وفرض کا ترک تو ناجائز ہے چنانچہ بخاری نے عدم وجوب کے لئے ایک باب منعقد کیا ہے **باب** من تحدث بعد الرکعتین فلم یضطجع[2] اشار بھذہ الترجمۃ الی انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یداوم علیہا وبذلک احتج الائمۃ علی عدم الوجوب وحملوا الامر الوارد بذلک فی حدیث ابی ہریرۃ ؓ عند ابی

صحیح جانیں تو باہر کے لوگوں کی نماز نہ ہوئی لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ نہ پڑھی جائیں محلی شرح موطا اور بحر الرائق میں بھی اسی طرح ہے ۔ [1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی دو سنتیں پڑھتے تو اپنی دائیں جانب پر لیٹ جاتے حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ جب نماز پڑھتے تو اگر میں جاگ رہی ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے ورنہ آپ لیٹ جاتے یہاں تک کہ صبح کی اذان ہو جاتی [2] امام بخاری نے باب باندھا ہے " جو آدمی صبح کی سنتوں کے بعد باتوں میں مشغول ہو جائے اور لیٹے نہیں " اس ترجمہ باب میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صبح کی سنتوں کے بعد نہیں لیٹا کرتے تھے اس سے ائمہ نے دلیل لی ہے کہ یہ لیٹنا واجب نہیں ہے اور ابو ہریرۃ ؓ کی حدیث میں جو اثبات ہے اس سے استحباب ثابت ہوتا ہے ۔

داؤد وغیرہ علی الاستحباب کذا فی فتح الباری۔ اور ابوداؤد وغیرہ میں جو بصیغہ امر ارشاد فرمایا ہے تو ضرور ہوا کہ اس امر سے استحباب مراد ہو ورنہ حدیث ماقبل سے تطبیق کیونکر ہوگی اور اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فعل ثابت ہے تو بدعت کیونکر ہوسکتا ہے پس جن بزرگان دین سے اس فعل کا انکار ورد ثابت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ حدیث نہیں ملی ورنہ کوئی مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا کیونکر رد کرسکتا ہے چہ جائے کہ بزرگان دین واما انکار[1] ابن مسعود الاضطجاع وقول ابراهيم النخعي هي ضجعة الشيطان كما اخرجهما ابن ابی شیبہ فهو محمول على انه لم يبلغهما الامر بفعله كذا فی فتح الباری اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ یہ فعل تہجد خواں کے ساتھ خاص ہے یہ بات بلادلیل ہے تخصیص بلادلیل نہیں ہوسکتی کما لا یخفی واللہ اعلم حررہ العاجز محمد یسین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی عفی عنہ سیئاتہ المجیب مصیب محمد حسین خان خورجوی جواب ہذا صحیح ہے مستحب کو بدعت کہنا نہایت مذموم ہے سید محمد نذیر حسین

محمد عبدالسلام غفرلہ ۱۲۹۹ عبدالرؤف ۱۳۰۲ بہاری ابو محمد عبدالحق ۱۳۰۵ لودہانوی

خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبدالوہاب ۱۳۰۰ الفنجابی الجھنگوی نزیل الدہلوی

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ محمد طاہر ۱۳۰۴ سلہٹی

**سوال**۔ کیا ائمہ وفقہائے حنفیہ کے نزدیک نماز میں فارسی وغیرہ زبان میں قرآن پڑھنا درست وجائز ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہئے کہ اس مسئلہ میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ہے مگر صاحبین کا قول عندالحنفیہ مفتی بہ اور قابل اعتماد کے ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول غیر مفتی بہ اور لائق اعتماد کے نہیں ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ امام ممدوح کے نزدیک فارسی وغیرہ زبان میں قرآن پڑھنا نماز میں لاچاری اور غیر لاچاری دونوں حالت میں درست ہے اور صاحبین کے نزدیک فارسی وغیرہ زبان میں قرآن پڑھنا نماز میں جائز نہیں ہاں لاچاری کے وقت درست ہے مگر پڑھنے والا اس صورت میں گنہگار ہوگا لمخالفۃ السنۃ المتوارثۃ اور امام صاحب نے اپنے اس قول سے رجوع کرکے صاحبین

[1] عبداللہ بن مسعود اور ابراہیم نخعی نے جو صبح کی سنتوں کے بعد لیٹنے کا انکار کیا ہے تو وہ اس وجہ سے کہ انکو اس کا ثبوت

کے قول کو اختیار کیا ہے پس اب ان ائمہ ثلثہ میں سے کسی کے نزدیک غیر لاچاری کی حالت میں نماز کے اندر فارسی وغیرہ زبان میں قرآن پڑھنا درست نہیں۔ فان افتتح الصلوٰۃ بالفارسیۃ اوقرأ فیھا بالفارسیۃ او ذبح وسمی بالفارسیۃ وھو یحسن العربیۃ اجزأہ عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ وقالا لایجزیہ الا فی الذبیحۃ خاصۃ وان لم یحسن العربیۃ اجزأہ واما الکلام فی القرأۃ فوجہ قولھما ان القرآن اسم لمنظوم عربی کما نطق بہ النص الا ان عند العجز یکتفی بالمعنی کالایماء بخلاف التسمیۃ لان الذکر یحصل بکل لسان ولابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ قولہ تعالی وانہ لفی زبر الاولین ولم یکن فیھا بھذہ اللغۃ ولھذا یجوز عند العجز الا انہ یصیر مسیئا لمخالفۃ السنۃ المتوارثۃ ثم الخ ویروی رجوعہ فی اصل المسئلۃ الی قولھما وعلیہ الاعتماد والخطبۃ و التشھد علی ھذا الخلاف انتھی۔ ما فی الھدایۃ مختصرا قولہ کما نطق بہ النص یعنی قولہ تعالی قرآنا عربیا غیر ذی عوج وغیرہ فالفرض قرأۃ القرآن وھو عربی فالفرض العربی کذا فی فتح القدیر حاشیۃ الھدایۃ وشرطا عجزہ وعلی ھذا الخلاف الخطبۃ وجمیع اذکار الصلوٰۃ وان قرأھا عاجزا فجائز اجماعا قید القرأۃ بالعجز لان الاصح رجوعہ الی قولھما وعلیہ الفتوی انتھی ما فی تنویر الابصار والدر المختار وغیرھما من المعتبرات الحنفیہ ولایجوز القرأۃ بالفارسیۃ الابعذر عند ابی یوسف ومحمد رحمھما اللہ وبہ یفتی ھکذا فی شرح النقایۃ للشیخ ابی

نہیں یعنی اگر کوئی فارسی میں نماز شروع کرے یا قرأت فارسی میں کرے یا ذبح کرنے وقت خدا کا نام فارسی میں لے اور وہ عربی اچھی طرح بول سکتا ہو تو بھی ابوحنیفہ کے نزدیک درست ہے اور صاحبین کہتے ہیں درست نہیں ہاں ذبیحہ میں جائز ہے اور اگر عربی اچھی طرح نہ جانتا ہو تو پھر اور زبانوں میں قرأت کر سکتا ہے صاحبین کا استدلال یہ ہے قرآن ایک عربی نظم ہے جیسا کہ نص سے ثابت ہے ہاں عجز کے وقت معنی پر اکتفا کر سکتا ہے جیسے کہ معذور آدمی سجدہ کی بجائے اشارہ کر لیتا ہے برخلاف تسمیہ کے کہ خدا کا ذکر ہر زبان میں کیا جاسکتا ہے امام ابوحنیفہ کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے انہ لفی زبر الاولین (قرآن پہلی کتابوں میں تھا) اور یہ تو ظاہر ہے کہ پہلی کتابوں کی زبان عربی نہیں

المکارم ویجوز عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ بالفارسیۃ وبای لسان کان وھو الصحیح ویروی رجوعہ الی قولھما وعلیہ الاعتماد ھکذا فی الھدایۃ وفی الاسرار ھو اختیاری وفی التحقیق ھو مختار عامۃ المحققین وعلیہ الفتوی کذا فی شرح النقایہ للشیخ ابی المکارم وھو الاصح ھکذا فی مجمع البحرین انتہی ما فی العالمگیریۃ وغیرھا فقط واللہ اعلم بالصواب حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | الشرف سید کونین رشد شریف حسین

**سوال** ما تقولکم ایھا العلماء رحمکم اللہ تعالی ھل یجوز الوتر بثلاث رکعات ام لا فلئن قلتم یجوز فما تقولون فیما جاء من نھی الوتر بثلاث رکعات قال فی منتقی الاخبار وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا توتروا بثلث اوتروا بخمس او بسبع ولا تشبھوا بصلاۃ المغرب رواہ الدارقطنی باسنادہ وقال کلھم ثقات وقال فی شرحہ نیل الاوطار واما حدیث ابی ھریرۃ فاخرجہ ایضا ابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصححہ قال الحافظ رجالہ کلھم ثقات ولا یضرہ وقفہ من وقفہ واخرجہ ایضا محمد بن نصر عن روایۃ عراک بن مالک عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا توتروا بثلاث تشبھوا بالمغرب ولکن اوتروا بخمس او بسبع او تسع او باحدی عشرۃ او اکثر من ذلک قال العراقی واسنادہ صحیح واخرج ایضا من روایۃ عبد اللہ بن الفضل

---

تھی لہذا عجز کے وقت دوسری زبان میں پڑھ سکتا ہے لیکن وہ گنہگار ہوگا کیونکہ اس نے سنت متواترہ کی مخالفت کی ہے اور امام صاحب کا صاحبین کے قول کی طرف رجوع بھی بیان کیا جاتا ہے اور یہی صحیح ہے اسی طرح خطبۃ اور تشہد کا حال بھی ہے اور عبارت بالا میں جس نص کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یہ آیت ہے قرآنا عربیا غیر ذی عوج تو نفس قرآن کی قرأت ہے اور وہ عربی زبان میں ہے تو عربی پڑھنا فرض ہوا واللہ اعلم لے کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ تین رکعت وتر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر آپ یہ جواب دیں کہ جائز ہے تو ابو ہریرۃؓ ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کی حدیثوں کا کیا جواب ہے کہ وہ مرفوعاً یا بہ اختلاف اقوال موقوفاً روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین رکعت

عن ابی سلمۃ وعبد الرحمن الاعرج عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال لا توتروا بثلاث اوتروا بخمس او بسبع ولا تشبھوا بصلاۃ المغرب قال العراقی واسنادہ صحیح ثم روی محمد بن نصر قول مقسم ان الوتر لا یصلح الا بخمس او سبع وان الحکم بن عتیبۃ سألہ عمن فقال عن الثقۃ عن الثقۃ عن عائشۃ و میمونۃ وقد روی النسائی نحوہ عن میمونۃ مرفوعا وروی محمد بن نصر ایضاً باسنادہ قال العراقی صحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال الوتر سبع او خمس ولا نحب ثلاثا بتراء وروی ایضا عن عائشۃؓ باسناد قال العراقی ایضاً صحیح انھا قالت الوتر سبع او خمس وانی لاکرہ ان یکون ثلاثا بتراء انتھی فان قلتم لا یجوز فما تقولون فیما وردت الاخبار والآثار بالوتر بثلاث رکعات منھا حدیث مسلم عن ابن عباسؓ وفیہ انہ صلی اللہ علیہ و سلم اوتر بثلاث رکعات منھا حدیث الترمذی عن علیؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یوتر بثلاث یقرأ فیھن بتسع سور من المفصل یقرأ فی کل رکعۃ بثلاث سور آخرھن قل ھو اللہ احد انتھی ومثل ذلک احادیث کثیرۃ واما الآثار فروی الطحاوی عن ابی خالد انہ قال سألت ابا العالیۃ عن الوتر فقال علمنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الوتر مثل صلوۃ المغرب ھذا وتر اللیل وھذا وتر النھار وروی ایضا عن ثابت انہ قال صلی انسؓ الوتر وانا عن یمینہ وام ولدہ خلفنا ثلث رکعات لم یسلم الا فی آخرھن انتھی کذا فی فتح القدیر وایضاً فیہ وروی الطحاوی عن عبد الرحمن بن ابی الزناد عن ابیہ عن الفقھاء السبعۃ

---

وتر نہ پڑھا کرو بلکہ پانچ یا سات رکعت وتر پڑھو اور مغرب کی نماز کی مشابہت نہ کرو وغیرہ وغیرہ اور اگر آپ کہیں کہ تین رکعت وتر جائز نہیں ہیں تو ان حدیثوں کا کیا جواب ہے جو تین رکعت وتر پڑھنے کے متعلق آئی ہیں چنانچہ حضرت علی ابن عباس ابو العالیہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ وتر تین رکعت ہیں مغرب کی نماز کی طرح کہ وہ دن کے وتر ہیں اور یہ رات کے اور فقہاء سبعہ نے بھی تین رکعت وتر کو اختیار کیا ہے اور حنفیہ تو اس پر اجماع نقل کرتے ہیں اور اگر مخالفت کی بنا پر اجماع نہ بھی تسلیم کیا جائے تو کم از کم جمہور کا مسلک تو ہوگا اور اگر آپ کہیں کہ تین رکعت مع الکراہت جائز ہیں جب کہ امام شوکانی نے بیان کیا ہے تو پھر اس کا کیا جواب ہے کہ اکثر لوگوں نے اس کو اختیار کر لیا ہے جواب شافی سے مطمئن فرما دیں۔ **الجواب** ۔ تین رکعت بلا کراہت جائز ہیں کیونکہ صحابہ کی ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ

سعید ابن المسیب وعروۃ بن الزبیر والقاسم بن محمد وابی بکر بن عبد الرحمن وخارجۃ بن زید وعبید اللہ ابن عبد اللہ وسلیمان بن یسار فی مشیخۃ وھم اھل فقہ وصلاح فکان مما ادعیت عنھم ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی آخرھن انتھی فان قلتم ان الوتر بثلاث رکعات افضل من غیرھن قلنا کیف یکون الوتر بثلث افضل مع کونہ منھیا عنہ بالاحادیث التی ذکرت قبل وان قلتم انہ جائز مع کونہ مکروھا کما قال الشوکانی فی نیل الاوطار جمعا بین الاحادیث قلنا کیف یصح ذلک مع ثبوتہ بالاحادیث الصحیحۃ حتی ان الحنفیۃ یدعون الاجماع علی ذلک ای اجماع الصحابۃ والتابعین علی ان الوتر ثلاث رکعات قال فی فتح القدیر وفی مصنف ابن ابی شیبۃ ثنا حفص ثنا عمرو عن الحسن قال اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی آخرھن انتھی فان نقضتم تلک الاجماع بذھاب بعض السلف الی خلافہ فلا ینزل ھذا الاجماع عن درجۃ کونہ قول جمھورھم وفعل جمھورھم کما یدل علیہ عمل الفقہاء السبعۃ المذکورۃ فکیف یقال ان ھؤلاء الکبراء اختاروا ما کان مکروھا من الوتر بثلاث رکعات فیا ایھا العلماء رحمکم اللہ تعالی بینوا ھذا الامر المشکل بیانا شافیا مفصلا باجوبۃ لائحۃ واضحۃ جزاکم اللہ خیرا جمیلا وسقاکم من عین تسمی سلسبیلا السائل الفقیر عبد اللہ بن القاضی احمد غفر اللہ لھما المرقوم فی شہر جمادی الثانیۃ سنہ ۱۳۰۲ھ

**الجواب** ۔ نحن نقول ان الوتر بثلاث رکعات جائز بلا کراھۃ لان جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنھم رووا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم منھم علی بن ابی طالب وابن عباس وعمران بن حصین وعبد الرحمن ابن ابزی وعائشۃ وابی بن کعب وابو ایوب کما صرح بذلک الترمذی فی جامعہ ومنھم انس بن مالک وعبد اللہ بن ابی اوفی وعبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن مسعود وعبد الرحمن بن سبرۃ والنعمان ابن بشیر وابو ھریرۃ وعبد اللہ بن سرجس کما صرح بذلک العلامۃ المحقق محمد بن علی الشوکانی فی کتابہ نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار فھولاء خمسۃ عشر من

سے تین رکعت وتر روایت کئے ہیں مثلاً حضرت علی ابن عباس عمران بن حصین عبد الرحمن بن ابزی حضرت عائشہ ابی بن کعب ابو ایوب انس بن مالک عبد اللہ بن ابی اوفی عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن مسعود عبد الرحمن بن سمرہ ۔ نعمان بن بشیر ابوہریرۃ عبد اللہ بن سرجس یہ پندرہ صحابہ کرام ہیں جنہوں نے تین رکعت وتر کی روایت کی ہے اور ان کی روایات صحاح

اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد نقلوا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الایتار بثلث ورایاتھم مخرجۃ فی الکتب الستۃ والموطا للامام مالک وغیرہا من السنن والمسانید کالدارمی وقیام اللیل للامام محمد بن نصر المروزی والطبرانی وابی یعلی والحاکم والدارقطنی والبیہقی وابن حبان وصحیح ابن السکن وغیرہا وان کان بعض الروایات فیہا ضعیفۃ فقد ینجبر ویتقوی بما اسنادہ صحیح ثابت لا مقال فیہ وانما ترکنا استیعابہا خوفا للاطالۃ ونکتفی بذکر بعض الروایات الصحیحۃ فمنہا ما اخرجہ الشیخان ومالک وغیرہم من اصحاب الصحاح عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی اربعا فلا تسئال عن حسنہن وطولہن ثم یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی ثلاثا ومنہا ما اخرجہ الترمذی عن علی قال کان رسول اللہ صلعم یوتر بثلث یقرأ فیہن بتسع سور الحدیث ومنہا ما اخرجہ مسلم عن ابن عباس انہ صلی اللہ علیہ اوتر بثلث رکعات فلما ثبت الایتار بثلث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا معنی للکراہۃ فیہ واما ما روی ابن حبان والدارقطنی و محمد بن نصر المروزی والحاکم فی المستدرک واللفظ للحاکم ثنا عبد اللہ بن سلیمان ثنا احمد بن صالح ثنا عبد اللہ بن وہب عن سلیمان بن بلال عن صالح بن کیسان عن عبد اللہ بن الفضل عن الاعرج عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا توتروا بثلاث تشبہوا بالمغرب اوتروا بخمس او بسبع قال الحاکم بعد اخراج الحدیث رواتہ کلہم ثقات وقال الدارقطنی فی السنن الکبیر رواتہ کلہم ثقات وقال الحافظ زین الدین العراقی اسنادہ صحیح وقال الحافظ ابن حجر رجالہ کلہم ثقات وقال الشیخ مجد الدین الفیروز آبادی فی سفر السعادۃ حدیث صحیح ولکن اقر علی صحتہ الحافظ شمس الدین ابن القیم رحمہ فی اعلام الموقعین

---

ستہ موطا امام مالک دارمی قیام اللیل مروزی طبرانی ابویعلی حاکم دارقطنی بیہقی ابن حبان صحیح ابن سکن میں مروی ہیں گو ان میں سے بعض بہت کمزور بھی ہیں لیکن ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہوتی ہے ان تمام روایات کو نقل کرنا موجب طوالت ہے پھر اتنی حادیث ہوتے تین رکعت کو مکروہ کیسے کہا جا سکتا ہے اور ابن حبان دارقطنی محمد بن نصر مروزی حاکم نے جو تین رکعات کی ممانعت روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تین رکعت وتر نہ پڑھا کرو کہ مغرب کے ساتھ مشابہت کرو بلکہ پانچ یا سات رکعت وتر پڑھا کرو" حاکم دارقطنی

عن رب العالمين نقول بالتوفيق والجمع بين حديث النهي هذا وبين احاديث الايتار بثلث يحمل احاديث النهي على الايتار بثلث بتشهدين لمشابهة ذلك بصلاة المغرب واحاديث الايتار بثلث على انها متصلة بتشهد في آخرها قال الحافظ ابو الفضل ابن حجر العسقلاني في فتح الباري شرح البخاري هو جمع حسن ويؤيد لهذا الجمع ما رواه الحاكم ابو عبد الله في كتابه المستدرك عن عائشةؓ قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم يوتر بثلث لا يقعد الا في آخرهن انتهى وحديث عائشةؓ هذا اورده الزرقاني في الجزء الثامن من شرح المواهب اللدنية وايضا قرأت بخط الشيخ العلامة محمد بن اسمعيل الامير اليماني في الحاشية على كتاب زاد المعاد لابن القيم الذي كتبه بيده الكريمة ما لفظه روى الحاكم عن عائشةؓ انه صلى الله عليه وسلم كان يوتر بثلث لا يتشهد الا في آخرهن انتهى وقد روى فعل ذلك عن جماعة من السلف روى الحاكم في المستدرك باسناده عن عطاء انه كان يوتر بثلث لا يقعد الا في آخرهن وقد بسطه الحافظ ابن حجر في فتح الباري وتبعه العلامة القسطلاني في المواهب اللدنية وعبد الباقي الزرقاني في شرحه فطالعه واما ما روي عن بعض الصحابة من النهي عن الايتار بثلث فهو ايضا يحمل على ذلك اي كرهوا الايتار بتشهدين لا بتشهد واحد لان هذا ابن عباسؓ الذي اخرج عنه الامام محمد بن نصر الكراهة روى مسلم وغيره عنه مرفوعا الايتار بثلث وهذه عائشةؓ التي نقل عنها كراهته روى الشيخان عنها مرفوعا جوازه فتعين ان الذي كرهوه هو الايتار بتشهدين كالمغرب لا الايتار

حافظ زین الدین عراقی حافظ ابن حجر شیخ مجد الدین فیروز آبادی ابن قیم نے کہا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں یہ حدیث بالکل صحیح ہے ہم اس کی تطبیق یوں دیتے ہیں کہ تین رکعت وتر پڑھنے سے جو ممانعت کی گئی ہے وہ دو تشہد سے ہے جس سے وتر مغرب کی نماز کے مشابہ ہو جاتے ہیں اور اگر ایک ہی تشہد سے تین رکعت وتر پڑھیں تو پھر مکروہ نہیں ہیں چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے یہی تطبیق دی ہے اور اس کی تائید حضرت عائشہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے اور آخری رکعت میں تشہد کرتے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو زرقانی نے مواہب الدنیہ کی آٹھویں جلد میں اور محمد بن اسمعیل الامیر نے زاد المعاد کے حاشیہ پر لکھا ہے اور سلف صالحین کی ایک جماعت کا یہی مسلک تھا

بثلث مطلقا ومحمل نفی التشبیہ بالمغرب ایضاً بالایتار بثلث مفصولا بان یصلی شفعا ویسلم ثم یصلی بواحدۃ کما روی البخاری عن ابن عمر انہ کان یسلم بین الرکعتین والرکعۃ فی الوتر انہ کان یامر ببعض حاجتہ فالحاصل ان الایتار بثلث مثل صلوۃ المغرب منہی عنہ وان الایتار بثلث صحیح ثابت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسوغ الجمع بانہ یوتر موصولا بتشہد واحد فی آخرہ او یوتر مفصولا بان یصلی اولا شفعا ثم یصلی رکعۃ کما عرفت دلیل ہاتین الصورتین وما قال العلامۃ المحقق الناقد المدقق محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ علیہ فی نیل الاوطار وھذا لفظہ یمکن الجمع بحمل النہی عن الایتار بثلاث علی الکراھۃ والاحوط ترک الایتار بثلاث فلیس بجید لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ما کان یوتر بثلث کما کان یوتر بواحدۃ وبخمس وبغیر ذلک فکیف یحمل النہی عن الایتار بثلث علی الکراھۃ وایضا فی صورۃ ھذا الجمع یکون رد بعض الاحادیث . . . . واذا امکن الجمع بین الاحادیث لم یجز رد بعضہا وقد امکن بطریقین اشرنا الیہما فان قلت قد ثبت من بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہم اوتروا بثلث کالمغرب قلت کانہم لم یبلغہم النہی المذکور فہم معذورون فیہ ولاحجۃ فی قولہم وفعلہم اذا ثبت خلافہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ اوتر بثلث بتشہدین کالمغرب ومن ادعی فعلیہ البیان وما روی الدارقطنی ثم البیہقی عن یحیی ابن زکریا بنا الاعمش عن مالک بن الحارث عن عبد الرحمن بن یزید النخعی عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر اللیل ثلث کوتر النہار صلوۃ المغرب فقال الدارقطنی لم یردہ

عطا بھی تین رکعت وتر ایک تشہد سے پڑھتے ابن حجر عسقلانی قسطلانی اور زرقانی نے اپنی کتابوں میں اس کی خوب تفصیل بیان کی ہے اور بعض صحابہ سے جو تین رکعت وتر کی نہی ثابت ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے کہ تین رکعت دو تشہد سے نہ پڑھے جائیں کہ اس سے مغرب کی نماز کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اور ایک تشہد سے تین رکعت وتر کو وہ مکروہ نہیں سمجھتے مثلاً حضرت عائشہ رض اور ابن عباس سے تین رکعت وتر کی مخالفت بھی ثابت ہے اور تین رکعت ایک تشہد سے روایت بھی کرتے ہیں اور مغرب کے ساتھ مشابہت کی نفی اس صورت میں ہو جاتی ہے کہ تین رکعت وتر دو سلام سے پڑھے جائیں۔ کہ پہلے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیرے اس صورت میں تین رکعت

عن الاعمش مرفوعا غیر یحیی بن زکریا وهو ضعیف وقال البیهقی الصحیح وقفه علی ابن مسعود ورفعه یحیی بن زکریا بن ابی الحواجب وهو ضعیف ورواه الثوری وعبدالله بن نمیر وغیرهما عن الاعمش فوقفوه انتهی واما ما اخرجه الدارقطنی ایضا عن اسمعیل بن مسلم المکی عن الحسن عن سعد بن هشام عن عائشة مرفوعا نحوه ومن طریق الدارقطنی رواه ابن الجوزی فی العلل المتناهیة وقال هذا حدیث لا یصح قال ابن معین اسمعیل المکی لیس بشیء ورواه فی التحقیق وقال النسائی متروک وقال ابن المدینی لا یکتب حدیثه انتهی کذا فی نصب الرایة للحافظ العلامة جمال الدین الزیلعی وما روی الامام الطحاوی فی شرح معانی الآثار عن عبدالرحمن بن ابی الزناد عن ابیه عن الفقهاء السبعة وهم اهل فقه وصلاح فکان مما وعیت عنهم ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی آخرهن ففیه انا لا ننکر الوتر بثلث ولا نقول ان الوتر لا یکون الا مفصولا بل نقول بجوازه الوتر موصولا ومفصولا غایة ما یثبت منه ان المختار عند الفقهاء السبعة الوتر بثلث بتشهدین بل قال ابو الزناد انه مما وعیت عنهم ان الوتر ثلث لا یسلم الا فی آخرهن ففیه انما اخبر عن نفی الانفصال من الشفع والواحد لا ای لم یکونوا یوترون بثلث مفصولا بانهم یصلون شفعا ثم یصلون بواحدة و لیس فیه اثبات التشهدین والایتار بخمس وثلث وبواحد کلها قد ثبت عن النبی صلی الله علیه وسلم باسانید صحیحة لا مقال فیها الا ان احادیث الوتر بثلاث وبواحد اکثر واثبت وعلی کل منها تعامل السلف الصالحین قال الترمذی فی جامعه قال سفیان ان شئت اوترت بخمس وان شئت اوترت بثلث وان

وتر دو تشہد سے پڑھا جائیں گے چنانچہ بخاری میں عبداللہ بن عمر سے یوں طریقہ مروی ہے حاصل کلام یہ کہ بالکل مغرب کی طرح تین رکعت وتر دو تشہد اور ایک سلام سے منع ہیں اور ایک تشہد یا دو سلام سے ثابت ہیں باقی رہا امام شوکانی کا قول کہ تین رکعت وتر جائز تو ہیں لیکن کراہت سے اور بہتر یہ ہے کہ تین رکعت وتر نہ پڑھے یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت تین رکعت وتر پڑھنا ثابت ہے گو آپ سے پانچ سات نو گیارہ رکعت بھی ثابت ہیں اور پھر اس صورت میں بعض احادیث کا ترک بھی لازم آتا ہے اگر تطبیق کی کوئی صورت ممکن ہو تو تطبیق ہی دینا چاہئے نہ کہ بعض احادیث صحیحہ کو چھوڑ دیا جائے اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض صحابہ سے بالکل مغرب کی نماز کی طرح ایک سلام دو تشہد سے تین رکعت وتر ثابت ہیں تو اس کا جواب یہ ہے ان کو نہی مذکور نہیں پہنچی وہ اس میں معذور ہیں اور جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک فعل یا قول ثابت ہو جائے تو اس کے خلاف کسی صحابی یا تابعی کے قول و فعل کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے اور کسی ایک بھی حدیث سے ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تین رکعت وتر ایک سلام دو تشہد سے پڑھے ہوں اور دارقطنی کی حدیث سے جو ثابت ہوتا ہے وہ حدیث ضعیف ہے اس کو مرفوعاً صرف یحییٰ بن زکریا نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے بیہقی نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابن مسعود پر موقوف ہے۔ سفیان ثوری عبداللہ بن نمیر نے اس کو موقوفاً روایت کیا ہے اور اسی طرح دارقطنی

شئت اوترت برکعۃ قال سفیان والذی استحب ان یوتر بثلث رکعات وھو قول ابن المبارک واھل الکوفۃ انتہی وقال الشیخ سلام اللہ فی المحلی شرح الموطا وسئل احمد ما تقول فی الوتر قال اکثر الاحادیث واقواہ رکعۃ فانا اذھب الیھا ثم سئل عنہا فقال یسلم فی الرکعتین وان لم یسلم رجوت ان لا یضرہ الا ان التسلیم اثبت انتہی وما اخرج الطحاوی حدیث ابی ایوب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الوتر حق فمن شاء اوتر بخمس ومن شاء اوتر بثلث ومن شاء اوتر بواحدۃ ثم قال ودل اجماعہم علی نسخ ما قد تقدمہ من قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اخرج حدیث سعید ابن عبد الرحمن بن ابزی عن ابیہ انہ صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الوتر فقرا فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیۃ قل یا ایہا الکفرون وفی الثالثۃ قل ھو اللہ احد ثم قال فھذا یدل علی انہ کان یوتر بثلث وقال علی القاری فی مرقاۃ المفاتیح اخرج الطحاوی باسانید متعددۃ عن ابی ایوب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الوتر حق فمن شاء اوتر بخمس ومن شاء اوتر بثلث ومن شاء اوتر بواحدۃ ثم قال ولولا اجماع علی خلاف ھذا لکان جائزان یقال من اوتر مخیر فی وترہ کما جاء فی ھذا الخبر فدل الاجماع علی نسخ ھذا انتہی فھذا عجیب جدا والعجب کل العجب این الاجماع ومن اجمع علی ان الایتار بثلث فقط

---

کی حضرت عائشہ سے حدیث ہے جس کو ابن جوزی نے موضوع بتایا ہے ابن معین نے کہا اسمٰعیل بن یحیٰی کوئی شے نہیں ہے نسائی نے اسے متروک بتایا۔

اور فقہائے سبعہ سے جو تین رکعت وتر ایک سلام سے مروی ہیں وہ ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک سے بھی دو تشہد ثابت نہیں ہیں اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دو صورتوں میں تین رکعت وتر ثابت ہیں یا تو ایک تشہد اور ایک سلام سے پڑھے جائیں اور یا پھر دو سلام اور دو تشہد سے پڑھے جائیں اور فقہائے سبعہ نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے اور وہ بھی صحیح ہے

شیخ سلام اللہ حنفی نے محلی میں امام احمد کا مذہب نقل کیا ہے کہ وہ ایک رکعت وتر کو ترجیح دیتے تھے اور تین رکعت ایک سلام اور ایک تشہد سے جائز اور ایک سلام، دو تشہد سے مکروہ کہتے تھے باقی رہا طحاوی کا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو ایک رکعت سے لیکر گیارہ رکعت تک وتر ثابت ہیں لیکن بعد میں تین رکعت وتر پر اجماع ہو گیا بڑے تعجب کی بات ہے یہ اجماع کب ہوا تھا، کہاں ہوا تھا، کن لوگوں نے کیا تھا۔ صحابہ اور تابعین سے بکثرت ایک رکعت وتر پڑھنا ثابت ہے چنانچہ حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں "خلفائے اربعہ۔ سعد بن ابی وقاص۔ معاذ بن جبل۔ ابی بن کعب۔ ابوموسیٰ اشعری۔ ابوالدرداء۔ حذیفہ۔ ابن عمر۔ ابن عباس۔ معاویہ

بل قد ثبت من طرق متعددة عن جماعة من الصحابة والتابعين و من بعدهم من العلماء انهم اوتروا بواحدة فقط قال الحافظ زين الدين العراقي وممن كان يوتر بركعة من الصحابة الخلفاء الاربعة وسعد بن ابي وقاص ومعاذ بن جبل وابي بن كعب وابو موسى الاشعري وابو الدرداء وحذيفة وابن عمر وابن عباس ومعاوية وتميم الداري وابو ايوب الانصاري وابو هريرة وفضالة بن عبيد وعبد الله بن الزبير و معاذ بن الحرث القاري وهو مختلف في صحبته وممن اوتر بركعة من التابعين سالم بن عبد الله بن عمر وعبد الله بن عياش بن ابي ربيعة والحسن البصري و محمد بن سيرين وعطاء بن ابي رباح وعقبة بن عبد الغافر وسعيد بن جبير ونافع بن جبير بن مطعم وجابر بن زيد والزهري وربيعة بن ابي عبد الرحمن وغيرهم ومن الائمة الشافعي والاوزاعي واحمد واسحاق وابو ثور وابو داؤد وابن حزم كذا نقله العلامة الرباني القاضي محمد بن علي الشوكاني في نيل الاوطار فهذا تعامل السلف الماضين من الصحابة والتابعين ومن بعدهم من الائمة على الايتار بركعة فقد ينقض الاجماع الذي زعمه الزاعمون وما اخرج ابن ابي شيبة في مصنفه ثنا حفص ثنا عمرو عن الحسن قال اجمع المسلمون على ان الوتر ثلث لا يسلم الا آخرهن انتهى وضعيف لا يحتج به لان عمرو بن عبيد يكذب على

تمیم داری۔ ابوایوب انصاری۔ ابوہریرۃ۔ فضالۃ بن عبید۔ عبداللہ بن زبیر۔ معاذ بن حرث القاری سب ایک رکعت وتر پڑھا کرتے تھے اور تابعین میں سے سالم بن عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس بن ابی ربیعۃ۔ حسن بصری۔ محمد بن سیرین عطاء بن ابی رباح۔ عقبہ بن عبدالغافر سعید بن جبیر نافع بن جبیر جابر بن زید۔ زہری ربیعۃ بن عبدالرحمن وغیرہ ایک رکعت وتر کے قائل ہیں اور ائمہ میں سے امام شافعی۔ اوزاعی۔ احمد۔ اسحق۔ ابوثور۔ داؤد بن حزم سب ایک رکعت وتر کے قائل ہیں۔ امام شوکانی نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے جو تین رکعت پر اجماع نقل کیا ہے وہ ضعیف ہے۔ کیونکہ عمرو بن عبید حسن بصری پر جھوٹ بولا کرتا تھا۔

الحسن بصری - قال الحافظ العلامۃ الزیلعی وعمرو هذا الظاهر انہ عمرو بن عبید وهو متکلم فیہ انتهی وقال الحافظ الناقد شمس الدین الذهبی فی میزان الاعتدال فی ترجمۃ عمرو بن عبید البصری المعتزلی القدری مع زهدہ قال ابن معین لا یکتب حدیثہ وقال النسائی متروك الحدیث وقال حمید کان یکذب علی الحسن وقال ابن حبان کان من اهل الورع والعبادۃ الی ان احدث ما احدث واعتزل عن مجلس الحسن قال وکان یشتم الصحابۃ ویکذب فی الحدیث وهما لاتعمدا وقال الدارقطنی وغیرہ ضعیف انتهی ملخصا فعلم ان روایۃ الحسن البصری فی الاجماع علی ثلث ساقطۃ لا تقوم بها الحجۃ وکیف ینقل الحسن البصری احد الصدوق التابعین الاجماع علی ذلك مع انہ قد روی الترمذی فی جامعہ بسند صحیح عن هشام عن محمد بن سیرین وهو ایضا من الصدوق التابعین انہ قال کانوا یوترون بخمس وبثلاث وبرکعۃ و یرون کل ذلك حسنا - واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد الضعیف الراجی الی رحمۃ ربہ اللطیف ابو الطیب محمد المدعو بشمس الحق عفی عنہ العظیم آبادی -

| ابوطیب محمد شمس الحق ۱۲۹۵ | سید محمد نذیر حسین |
|---|---|

زیلعی نے کہا عمرو بن عبید متکلم فیہ ہے - علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے عمرو بن عبید معتزلی اور قدری تھا - ابن معین نے کہا اس کی حدیث نہیں لکھنی چاہیئے - نسائی نے کہا متروک الحدیث ہے -

ابن حبان نے کہا یہ پہلے بڑا پرہیزگار تھا پھر یہ معتزلی ہو گیا اور حسن بصری کی مجلس سے نکل گیا - صحابہ کو گالیاں دینے لگا اور حدیث میں جھوٹ بولنے لگا تو معلوم ہوا کہ حسن بصری سے جو تین رکعت وتر پر عمرو بن عبید نے اجماع نقل کیا ہے وہ ساقط الاعتبار ہے اور حسن بصری سے اجماع کیسے نقل کیا جا سکتا ہے جبکہ محمد بن سیرین ایک سچے تابعی سے وہ خود روایت کرتے ہیں کہ صحابہ پانچ رکعت وتر بھی پڑھتے اور تین رکعت بھی اور ہر ایک کو بہتر سمجھتے تھے -

**سوال۔** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز وتر صحیح حدیث سے کے رکعت ثابت ہیں۔

**الجواب۔** احادیث صحیحہ سے نماز وتر ایک رکعت وتین وپانچ وسات ونو وگیارہ وتیرہ رکعتیں ثابت ہیں روضۃ الندیہ صفحہ ۷۵ مطبوعہ مصر میں ہے قال[1] فی المسوی واقل الوتر رکعۃ فی قول اکثرھم واکثرہ احدی عشرۃ او ثلاث عشرۃ و ادنی الکمال ثلث وما زاد فھو افضل انتھی مشکوۃ شریف میں ہے عن[2] ابی ایوب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوتر حق علی کل مسلم فمن احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر بثلث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدۃ فلیفعل رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ ادنیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۲۸۱ میں ہے عن[3] ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا توتروا بثلاث تشبھوا بالمغرب ولکن اوتروا بخمس اوبسبع او بتسع او باحدی عشرۃ اواکثر من ذلک اخرجہ محمد بن نصر قال العراقی و اسنادہ صحیح ان احادیث سے ثابت ہوا کہ وتر کا اقل درجہ ایک رکعت اور اکمل درجہ گیارہ وتیرہ رکعت ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متصلاً ایک سلام سے وتر پڑھنا ایک رکعت سے نو رکعت تک ثابت ہے مشکوۃ شریف میں ہے عن[4] سعد بن ھشام قال انطلقت الی عائشۃ فقلت یا ام المومنین انبئنی عن خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت الست تقرأ القرآن قلت بلی قالت فان خلق نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان القرآن قلت یا ام المومنین انبئنی عن

---

[1] کم از کم وتر اکثر کے قول کے مطابق ایک رکعت ہے اور زیادہ سے زیادہ گیارہ یا تیرہ رکعت ہیں اور پورے وتر کا ادنی درجہ تین رکعت ہیں اور جو اس سے زیادہ ہو وہ افضل ہے [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر ہر مسلمان پر ضروری ہے جو چاہے پانچ رکعت پڑھے جو چاہے تین پڑھے جو چاہے ایک رکعت پڑھے [3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین وتر نہ پڑھو اگر کہ اس سے مغرب کی نماز سے مشابہت ہوتی ہے پانچ، سات، نو، گیارہ یا اس سے زیادہ رکعت پڑھ لیا کرو [4] سعد بن ہشام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلعم کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا انہوں نے کہا تو آپ نے فرمایا آنحضرت کے اخلاق قرآن تھے پھر آنحضرت کے وتروں کے متعلق سوال کیا تو کہا ہم آپ کے لئے مسواک اور پانی وغیرہ تیار

وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت کنا نعد لہ سواکہ وطھورہ فیبعثہ اللہ ماشاء ان یبعثہ من اللیل فیتسوک ویتوضاء ویصلی تسع رکعات لایجلس فیھا الا فی الثامنۃ فیذکر اللہ ویحمدہ ویدعوہ ثم ینھض ولا یسلم فیصلی التاسعۃ ثم یقعد فیذکر اللہ ویحمدہ ویدعوہ ثم یسلم تسلیما یسمعنا الحدیث رواہ مسلم ونیز مشکوۃ میں ہے عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ یوتر من ذلک بخمس لایجلس فی شئی الا فی آخرھا متفق علیہ منتقی الاخبار میں ہے عن ام سلمۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بسبع وبخمس لا یفصل بینھن بسلام ولا کلام رواہ احمد والنسائی وابن ماجہ اور مشکوۃ شریف میں ہے عن عبد العزیز بن جریج قال سالنا عائشۃ بای شئی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر قالت کان یقرأ فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیۃ بقل یا ایھا الکفرون وفی الثالثۃ بقل ھو اللہ احد والمعوذتین رواہ الترمذی وابو داؤد اور حدیث لا توتروا بثلث اور حدیث من احب ان یوتر بثلث فلیفعل کے درمیان محدثین نے یوں تطبیق دی ہے کہ تین رکعت وتر میں دو رکعت کے بعد نماز مغرب کی طرح جلسہ نہ کرے بلکہ صرف تیسری رکعت میں جلسہ کرے اور اس جمع کی تائید حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لایجلس الا فی آخرھن رواہ احمد والنسائی والبیھقی والحاکم واللہ اعلم بالصواب حررہ محمد عبد العزیز عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

**سوال** - چہ می فرمائند علماء دین متین کہ چند عرصہ سے بہ سبب شورش مخالفین اسلام و

---

کرکے رکھ دیتے جب اللہ تعالی انکو اٹھاتے مسواک کرکے وضو کرتے اور نو رکعت وتر پڑھتے صرف آٹھویں رکعت میں بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے حمد بیان کرتے اور دعا کرتے پھر اٹھتے سلام نہ پھیرتے پھر نویں رکعت پڑھتے پھر بیٹھتے ذکر، حمد اور دعا کرتے پھر سلام پھیرتے لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھتے ان میں سے پانچ رکعت وتر ہوتے صرف آخری رکعت میں بیٹھتے لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ یا سات رکعت وتر پڑھتے ان میں سلام نہ پھیرتے لے ابن جریج نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کیسے پڑھا کرتے تھے فرمایا پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی پڑھتے دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ہو اللہ احد اور معوذتین لے رسول اللہ صلعم تین رکعت وتر پڑھتے اور صرف آخری رکعت میں بیٹھتے۔

کرتی قتال وجدال باسلطنت اہل اسلام جیسا کہ خلیفہ روئے زمین خادم حرمین الشریفین سلطان روم خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے ساتھ واقع ہے تمام مقامات متبرکہ یعنی مکہ معظمہ ومدینہ منورہ وجوامع شام وبیت المقدس وغیرہ میں فتح یابی اہل اسلام کے واسطے دعائیں مانگی جاتی ہیں اور دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے مسلمانان ہند کو بھی ایسے وقت میں نماز ہائے فجر وغیرہ میں دعائے قنوت پڑھنی چاہیئے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔



**الجواب**۔ درمختار اور البحرالرائق وغیرہ میں مذکور ہے کہ قنوت نہ پڑھے وتر کے سوا دوسری نمازوں میں مگر کسی مصیبت کے وقت کہ امام قنوت پڑھے جہری نمازوں میں اور بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ سب نمازوں میں پڑھے جہری ہوں یا سری۔ ولا یقنت لغیرہ الا لنازلۃ فیقنت الامام فی الجہریۃ وقیل فی الکل درمختار فی شرح النقایۃ معزیا الی الغایۃ وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوۃ الجہر وھو قول الثوری واحمد وقال جمھور اہل الحدیث القنوت عند النوازل مشروع فی الصلوۃ کلھا انتہی ما فی البحرالرائق اور اشباہ ونظائر میں نماز فجر میں قنوت پڑھنا لکھا ہے قولہ فیقنت الامام فی الجہریۃ یوافقہ ما فی البحر والشرنبلالی عن شرح النقایۃ عن الغایۃ ان نازل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی الصلوۃ الجہر وھو قول الثوری واحمد وکذا ما فی شرح الشیخ اسمٰعیل عن البنایۃ اذا وقعت نازلۃ قنت الامام فی الصلوۃ الجہریۃ لکن فی الاشباہ عن الغایۃ قنت فی صلوۃ الفجر ویؤیدہ ما فی شرح المنیۃ حیث قال بعد کلام فتکون شرعیۃ ای شرعیۃ القنوت فی النوازل مستمرۃ وھو محمل قنوت من قنت فی الصحابۃ بعد وفات صلی اللہ علیہ وسلم و

---

لہ وتروں کے علاوہ کسی نماز میں قنوت نہ پڑھے ہاں اگر کوئی مصیبت نازل ہو تو جہری نمازوں میں قنوت کرے بعض کہتے ہیں تمام نمازوں میں کرے جہری میں قنوت کرنا سفیان ثوری اور احمد کا مذہب ہے اور تمام نمازوں میں قنوت کرنا تمام محدثین کا مذہب ہے ۵ امام جہری نمازوں میں قنوت کرے اگر مسلمان پر کوئی مصیبت نازل ہو تو جہری نمازوں میں امام قنوت کرے اور یہ ثوری و احمد کا مذہب ہے بحر، شرنبلالی اور بنایہ میں اسی طرح ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے کہ صرف صبح کی نماز میں قنوت کرے۔ شرح منیہ میں ہے مصیبت میں دعا قنوت پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کا بھی معمول رہا ہے اور ہمارا یہی مذہب ہے اور اسی پر جمہور ہیں۔ طحاوی کہتے ہیں اگر کوئی مصیبت نازل ہو تو فجر کی نماز میں قنوت کرے رسول اللہ نے ایسا ہی کیا اور تمام نمازوں میں قنوت کرنا صرف امام شافعی کا مذہب ہے

ھو مذھبنا وعلیہ الجمھور قال الحافظ ابو جعفر الطحاوی انما لا یقنت عندنا فی صلوۃ الفجر من غیر بلیۃ فان وقعت فتنۃ او بلیۃ فلا باس بہ فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واما القنوت فی الصلوۃ کلھا للنوازل فلم یقل بہ الا الشافعی وکانھم حملوا ما روی عنہ علیہ الصلوۃ والسلام انہ قنت فی الظھر والعشاء کما فی مسلم وانہ قنت فی المغرب ایضاً کما فی البخاری علی النسخ لعدم ورود المواظبۃ والتکرار الواردین فی الفجر عنہ علیہ الصلوۃ والسلام آہ وھو صریح فی ان قنوت النازلۃ عندنا مختص بصلوۃ الفجر دون غیرھا من الصلوۃ الجھریۃ والسریۃ ومفادہ ان قولھم بان القنوت فی الفجر منسوخ معناہ نسخ عموم الحکم لا نسخ اصلہ کما نبہ علیہ نوح افندی وظاھر تقییدھم بالامام انہ لا یقنت المنفرد وھل المقتدی مثلہ لا وھل القنوت ھھنا قبل الرکوع ام بعدہ لم اراہ والذی یظھر لی ان المقتدی یتابع امامہ الا اذا جھر فیؤمن وانہ یقنت بعد الرکوع لا قبلہ بدلیل ان ما استدل بہ الشافعی علی قنوت الفجر وفیہ التصریح بالقنوت بعد الرکوع حملہ علماءنا علی القنوت النازلۃ ثم رأیت الشرنبلالی فی مراقی الفلاح صرح بانہ بعدہ واستظھر الحموی انہ قبلہ والاظھر ما قلناہ واللہ اعلم کذا فی رد المختار حاشیۃ الدر المختار۔ اور اس حاشیہ شامی سے معلوم ہوتا ہے کہ موقع قنوت پڑھنے کا بعد رکوع اخیر رکعت کے اس حالت خاص میں ہے اور مقتدی بھی متابعت امام کی کرے قنوت پڑھنے میں مگر جس وقت امام پکار کر پڑھے تو مقتدی آمین کہے اور دعا قنوت جو حموی نے سو پڑھے اور یہ دعا پڑھے۔

---

کیونکہ مسلم میں ہے کہ آپ نے ظہر اور عشاء میں بھی قنوت پڑھی ہے اور بخاری میں ہے کہ آپ نے مغرب کی نماز میں بھی قنوت کی ہے گویا امام شافعی کو فجر کے علاوہ دوسری نمازوں میں قنوت منسوخ ہونے کی اطلاع نہیں ہوئی اور یہ جو عام مشہور ہے کہ یہ قنوت منسوخ ہوگئی اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ فجر کے علاوہ منسوخ ہوئی قنوت جماعت میں ہے منفرد قنوت نہ کرے مقتدی امام کے تابع ہے اگر امام بلند آواز سے قنوت کرے تو مقتدی بلند آواز سے آمین کہے اور قنوت رکوع کے بعد کرے شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں اس کی تصریح کی ہے اور حموی نے کہا ہے کہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھے لیکن صحیح پہلا قول ہے۔

اللّٰھم اغفر لنا وللمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات والف بین قلوبھم واصلح ذات بینھم وانصرھم علی عدوک وعدوھم اللّٰھم العن کفرۃ کتابک الذین یصدون عن سبیلک ویکذبون رسلک ویقاتلون اولیائک اللّٰھم خالف بین کلمتھم وزلزل اقدامھم وانزل بھم باسک الذی لا تردہ عن القوم المجرمین[1]

وقت سخت مصیبت کے قنوت کا پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور خلفائے راشدین سے پایا گیا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محاربہ مسیلمہ کذاب میں دعاء قنوت پڑھی ہے اسی طرح حضرت فاروق رضؓ اور علی مرتضےٰ رضؓ سے ثابت ہوا چنانچہ ماہران اخبار پر مخفی نہیں۔ وفی فتح القدیر ان مشروعیۃ القنوت للنازلۃ مستمر لم ینسخ وبہ قال جماعۃ من اھل الحدیث وحملوا علیہ حدیث ابی جعفر عن انس رضؓ ما زال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقنت حتی فارق الدنیا ای عند النوازل وما ذکرنا من اخبار الخلفاء یفید تقررہ لفعلھم ذلک بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد قنت الصدیق رضؓ فی محاربۃ الصحابۃ رضؓ مسیلمۃ الکذاب وعند محاربۃ اھل الکتاب وکذلک عمر رضؓ وکذلک قنت علی انتہی ما فی الاشباہ والنظائر[2] حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

| | | | |
|---|---|---|---|
| شہید احمد حسن ۱۲۸۹ | محمد عبد الحلیم ۱۲۹۱ | بطفیل نبی الٰہی بخش ۱۲۹۲ | زشرف سید کونین شد شریف حسین ۱۲۹۲ |
| سید محمد نذیر حسین | | | |

**سوال**: تارک صلوٰۃ کے لئے جو لفظ شرک اور کفر کا حدیث میں آیا ہے تہدیداً ہے

---

[1] اے اللہ ہم کو اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بخش دے ان کے دلوں میں الفت ڈال دے ان کے حالات درست کر دے، ان کو اپنے اور ان کے دشمنوں پر فتح نصیب فرما۔ اے اللہ اپنی کتاب کے منکروں پر لعنت فرما جو تیرے راستہ سے روکتے ہیں۔ تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں، تیرے دوستوں سے لڑائی کرتے ہیں۔ اے اللہ ان میں پھوٹ ڈال دے ان کے قدم ڈگمگا دے ان پر اپنا وہ عذاب نازل فرما جس کو تو مجرم قوم سے واپس نہیں پھیرتا۔

[2] فتح القدیر میں ہے، کہ مصیبت کے وقت دعا قنوت ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے۔ منسوخ نہیں اہل حدیث نے بھی اسی طرح کہا ہے، اور انہوں نے انس رضؓ کی حدیث کو اسی معنی پر محمول کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ قنوت کرتے رہے مطلب یہ کہ مصیبت کے وقت ہمیشہ پڑھتے رہے۔ ویسے نہیں، اور پھر آپ کے بعد خلفاء راشدین بھی قنوت کرتے رہے، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مسیلمہ کذاب سے جنگ کے دنوں میں قنوت کی اور حضرت عمر رضؓ اور حضرت علی رضؓ نے بھی اپنی خلافت میں قنوت کی۔ الاشباہ والنظائر میں ایسا ہی ہے۔

یا وہی ظاہری معنی مراد ہیں۔

**الجواب** - جاننا چاہیئے کہ تارک صلوٰۃ دو قسم ہیں، ایک تارک منکر وجوب و فرضیت نماز، دوسرا بکاسل و سستی، پس قسم اول تو خارج ملت اسلام سے ہے، اور واجب القتل ہے اگر توبہ نہ کرے، اور کافر حقیقی ہے، اما قسم ثانی اس پر اطلاق صرف اسم کفر از روئے حدیث ثابت ہے، چنانچہ امام نووی نے اسی طرح باب باندھا ہے۔ باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترك الصلوٰۃ۔ عن جابر رض یقول سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان بین الرجل وبین الشرك والکفر ترك الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر رواہ مسلم و عن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العھد الذی بیننا بینھم الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر رواہ الترمذی۔ لیکن یہ کفر کفر حقیقی نہیں، بلکہ کفران عمل میں معدود ہے کیونکہ بہت آیات و احادیث صریحہ صحیحہ منافیہ معنی حقیقی سے وارد ہیں۔ قال الامام البخاری رحمۃ اللہ علیہ باب المعاصی من امر الجاھلیۃ ولا یکفر صاحبھا بارتکابھا الا بالشرك لقول اللہ تعالیٰ ان اللہ لا یغفر ان یشرك بہ و یغفر ما دون ذلك لمن یشاء۔ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فسماھم المؤمنین انتھی وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قتال المسلم کفر و عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث من اصل الایمان الکف عمن قال لا الہ الا اللہ لا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل والجھاد ماض رواہ ابوداؤد۔ و عن جابر قال قال رسول اللہ ثنتان موجبتان قال رجل یا رسول اللہ ما الموجبتان قال من مات یشرك باللہ

---

[1] جو آدمی نماز چھوڑ دے، اس پر لفظ "کافر" کا اطلاق ہو سکتا ہے، جابر کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا، کہ آدمی اور کفر و شرک کے درمیان حد فاصل نماز کا چھوڑنا ہے، آپ نے فرمایا، کہ وہ عہد جو ہمارے اور ان کے درمیان ہے نماز کا ہے، جس نے اس کو چھوڑ دیا، اس نے کفر کیا [2] امام بخاری نے کہا، ان جاہلیت کے گناہوں کا باب جن کا مرتکب کافر نہیں ہوتا ماسوائے شرک کرنے کے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اللہ کسی کو شرک نہیں بخشے گا، اور جو گناہ ان کے سوا ہیں، وہ جسے چاہے بخش دے، اگر ایمانداروں کی دو جماعتیں آپس میں لڑیں، تو ان میں صلح کرا دو، تو ان دونوں کو مومن قرار دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمان سے لڑنا کفر ہے آپ نے فرمایا، تین باتیں ایمان کا اصل ہیں جو لا الہ الا اللہ کہے اس سے رک جانا اس کو کافر نہ کہنا کسی عمل کی وجہ سے کافر قرار نہ دینا اور جہاد جاری ہے، آپ نے فرمایا، دو چیزیں واجب کرنے والی ہیں، کسی نے پوچھا، واجب کرنے والی کیا ہیں

شیئا دخل النار ومن مات لا یشرک باللہ شیئا دخل الجنۃ رواہ مسلم وعن عثمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات وھو یعلم انہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ رواہ مسلم وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ رواہ مسلم وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالی یا ابن آدم ما دعوتنی ورجوتنی غفرت لک علی ما کان فیک ولا ابالی یا ابن آدم لو بلغت ذنوبک عنان السماء ثم استغفرتنی غفرت لک ولا ابالی یا ابن آدم انک لو لقیتنی بقراب الارض خطایا ثم لقیتنی لا تشرک بی شیئا لاتیتک بقرابہا مغفرۃ رواہ الترمذی و حسنہ۔ پس جمہور محققین بہ سبب ان آیات واحادیث موجبات رحمت کے حدیث فمن ترکہا فقد کفر کو محمول برکفر حقیقی نہیں کرتے، اور یہی ہے مختار ائمہ ثلاثہ وجماہیر سلف کا قال[1] الامام النووی اما تارک الصلوۃ فان کان منکرا الوجوبہا فہو کافر باجماع المسلمین خارج من ملۃ الاسلام الا ان یکون قریب العہد بالاسلام وان کان ترکہ تکاسلا مع اعتقاد وجوبہا کما ھو حال کثیر الناس فقد اختلف العلماء فیہ فذہب مالک والشافعی وابو حنیفۃ وجماہیر من السلف والخلف الی انہ لا یکفر بل یفسق ویستتاب انتہی

علاوہ ازیں بنابرمذہب سلف صالحین وائمہ متکلمین اعمال شرط کمال ایمان بالنظر الی اللہ ہیں نہ شرط صحت ایمان، جیساکہ مذہب معتزلہ کا ہے۔ قال الحافظ ابن حجر فی الفتح

---

آپ نے فرمایا جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا دوزخ میں جائے گا، اور جو شرک نہیں کرے گا جنت میں داخل ہوگا آپ نے فرمایا کہ جو اس حال میں مرے، کہ وہ جانتا ہو، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جنت میں داخل ہوگا، آپ نے فرمایا، جس نے لا الہ الا اللہ کہا، وہ جنت میں داخل ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالی فرماتے ہیں اے آدم کے بیٹے جب تک تو مجھ کو پکارتا رہے گا، اور امید رکھے گا میں تجھے بخشتا جاؤں گا، خواہ تیرے عمل کیسے ہوں مجھے اس بات کی پرواہ نہیں، اگر تیرے گناہ آسمان کے کناروں تک پہنچ جائیں، پھر تو مجھ سے بخشش مانگے تو میں تجھے بخش دوں گا، اے ابن آدم مجھے اس بات کی پرواہ نہیں، اگر تو گناہوں سے بھری ہوئی زمین لے کر آئے، اور تو میرے ساتھ شریک نہ ٹھہراتا ہو، تو میں تیرے پاس اتنی ہی بخشش لے کر آؤنگا

[1] امام نووی نے کہا، اگر کوئی نماز کے وجوب کا منکر ہو، تو وہ باتفاق مسلمین کافر ہے، ملت اسلامیہ سے خارج ہے، مگر یہ کہ وہ ابھی نیا نیا مسلمان ہوا ہو، اور اگر اس کو سستی کی بنا پر چھوڑے، اور اس کے وجوب کا قائل ہو، جیساکہ اکثر لوگوں کا حال ہے، تو علماء کا اس میں اختلاف ہے، مالک، شافعی، ابو حنیفہ اور جمہور کے نزدیک وہ کافر نہیں ہے، بلکہ فاسق ہے، اس سے توبہ کرائی جائے۔ [2] حافظ ابن حجر نے کہا ہے، معتزلہ کہتے ہیں، کہ ایمان)

المعتزلۃ قالوا ھو العمل والنطق والاعتقاد والفارق بین المعتزلۃ وبین السلف انھم جعلوا الاعمال شرطا فی صحتہ والسلف جعلوھا شرطا فی کمالہ وھذا کلہ بالنظر الی ما عند اللہ تعالی۔ پس بنا بر مذہب سلف بترک عمل مثل نماز خارج نفس ایمان سے نہ ہوگا، غایت مافی الباب کمالیت سے خارج ہوگا، اس لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلوا خلف کل بر وفاجر واتی عمل الکبائر رواہ ابوداؤد۔ ہاں فی زماننا حسب مصلحت وقت تہدیداً تارک صلوۃ کو مطلق کافر کہنا جائز ہے، نہ یہ کہ مانند کفار غسل و تجہیز و تکفین و نماز جنازہ سے محروم کیا جائے غایۃ الامر بخیال موعظت عوام امام محلہ و صلحاء لوگ اس کے جنازہ پر حاضر نہ ہوں، واللہ اعلم بالصواب۔

**سوال**:۔ تارک صلوۃ کے بارے میں جناب میاں صاحب مدظلہ کا کیا فتوی ہے اور من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر کے کیا معنی ہیں، اور نیز فتوی بے نمازی کے جنازہ کے بارہ میں کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ تارک صلوۃ کے بارے میں حضرت میاں صاحب مدظلہم کا فتوی یہ ہے کہ وہ فاسق ہے، کافر نہیں ہے، اور حدیث من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر میں کفر سے مراد کفران نعمت ہے، اور کفر جو ایمان کا مقابل ہے، وہ مراد نہیں، اور بے نمازی کے جنازہ کے بارے میں حضرت ممدوح کا یہ فتوے ہے، کہ ایسے شخص کا جنازہ، جو مقتدا ہیں، وہ نہ پڑھیں بلکہ کسی معمولی شخص سے پڑھوا دیں۔ حررہ السید ابوالحسن عفا اللہ عنہ　[سید محمد نذیر حسین]

**سوال**:۔ ہر کسے کہ قصداً نماز یک وقت یا زیادہ ترک کند موافق قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر اطلاق کفر بر وخواہد شد یا نہ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ تارک صلوۃ نزد جمہور علماء اہل سنت رحمہم اللہ تعالی مسلم است نہ کافر بشرطیکہ دیگر موجبات شرک و کفر وانکار ضروریات دین از وسر زدہ نشدہ باشد بدلیل اینکہ

---

عمل شہادت اور اعتقاد کا نام ہے، اور معتزلہ اور سلف کے درمیان فرق یہ ہے کہ معتزلہ عمل کو ایمان کی صحت کے لئے شرط قرار دیتے ہیں، اور سلف اعمال کو ایمان کے کمال کی شرط قرار دیتے ہیں، اور یہ سب کچھ اللہ تعالی کے معاملہ کے نظریہ سے ہے　لے ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو، اگرچہ وہ کبیرہ کا مرتکب ہو۔

سوال:۔ جو آدمی ایک یا زیادہ نمازیں قصداً چھوڑ دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے مطابق کہ جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑ دیا وہ کافر ہوا" کافر کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک تارک نماز مسلمان ہے کافر نہیں بشرطیکہ دوسرے موجبات شرک

اعمال نزد اہل سنت وجماعت داخل جزو ایمان نیست، بلکہ از مکملات است بخلاف معتزلہ وخوارج کہ نزد ایشان اعمال جزو اصل ایمان است، لہذا ترک عملے کافر می شود نزد خوارج و نزد معتزلہ بین المنزلتین است کما ہو مذکور فی کتب الکلامیۃ، ودلیل بر خروج عمل از ایمان عطف عمل بر ایمان اظہر من الشمس است۔ قال فی التفسیر البیضاوی والمظہری للقاضی وعطف العمل علی الایمان رفیہ دلیل علی انہا خارجۃ عن مسمی الایمان اذ الاصل ان الشئ لا یعطف علی نفسہ وما ہو داخل فیہ انتہی کلامہ مختصرا وہکذا فی سائر التفاسیر وفیہ دلیل علی ان العمل خارج عن الایمان کذا فی التفسیر المظہری للقاضی ثناء اللہ الپانی پتی تحت ہذہ الآیۃ الکریمۃ وبشر الذین آمنوا وعملوا الصالحات

وبسیارے احادیث برین معنی کہ عمل جزو ایمان نیست دلالت واضح می کنند عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من شہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وان عیسی عبد اللہ ورسولہ وابن امتہ وکلمتہ القاہا الی مریم وروح منہ والجنۃ حق والنار حق ادخلہ اللہ الجنۃ علی ما کان من العمل متفق علیہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی ما کان برآنچہ دارد کسے از عمل نیک یا بد واین حدیث صریح است در مذہب اہل سنت وجماعت کما لا یخفی علی العالم المتفطن وعن معاذ رض قال کنت ردف النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی حمار لیس بینی وبینہ الا مؤخرۃ الرحل فقال

---

وکفر کا ارتکاب یا ضروریات دین کا انکار نہ کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک اعمال داخل جزو ایمان نہیں ہیں بلکہ دین کو مکمل کرنے والے ہیں، اور معتزلہ وخوارج اعمال کو اصل ایمان کا جزو قرار دیتے ہیں، اور تارک عمل خوارج کے نزدیک کافر ہے، اور معتزلہ کے نزدیک کفر وایمان کے درمیان ہے، اور اعمال کا ایمان سے علیحدہ ہونا اس بات سے ظاہر ہے، کہ اعمال کا عطف ایمان پر ڈالا گیا ہے، اور معطوف ومعطوف علیہ الگ الگ چیزیں ہوتے ہیں، اور کسی چیز کا عطف اسی چیز پر نہیں ہوتا تفسیر بیضاوی اور تفسیر مظہری میں ایسا ہی لکھا ہے۔

اور بہت سی حدیثیں بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں، کہ اعمال اصل ایمان سے خارج ہیں، بشلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو آدمی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس کی لونڈی کے بیٹے ہیں، اس کا کلمہ جس کو مریم کی طرف ڈالا، اور اس کی طرف سے روح ہیں، جنت اور دوزخ حق ہیں، تو اللہ اس کو جنت میں داخل کرے گا، خواہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں، اور حضرت معاذ والی حدیث کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا

یا معاذ هل تدری ما حق الله علی العباد وما حق العباد علی الله قلت الله ورسوله اعلم قال فان حق الله علی العباد ان یعبدوه ولا یشرکوا به شیئا وحق العباد علی الله ان لا یعذب من لا یشرک به شیئا فقلت یا رسول الله افلا ابشر به الناس قال لا تبشرهم فیتکلوا علیه متفق علیه۔ وعن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما من احد یشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله صدقا من قلبه الا حرمه الله علی النار الی آخر ما فی المشکوٰۃ متفق علیه۔ وعن ابی ذر فقال ما من عبد قال لا اله الا الله ثم مات علی ذلک الا دخل الجنة وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق متفق علیه کذا فی المشکوٰۃ۔

دپارہ از حدیث طویل درباب شفاعت کہ از ابی سعید خدری در صحیح بخاری ومسلم ودیگر صحاح مروی است، صاف دلالت می کند، کہ مرتکب کبائر وتارک الصلوٰۃ وغیرہ کافر باللہ نیستند کہ مخلد بالنار باشند، بلکہ عصاۃ اند، آخر بشفاعت شفیعان وبرحمت کاملہ ارحم الراحمین در جنت داخل خواہند بود تحت آیت کریمہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء داخل اند فیقول الله شفعت الملائکة وشفع النبیون وشفع المومنون ولم یبق الا ارحم الراحمین فیقبض قبضة من النار فیخرج منها قوما لم یعملوا خیرا قط قد عادوا حمما فیلقیهم فی نهر فی افواه الجنة یقال له نهر الحیوٰۃ فیخرجون کما تخرج الحبة فی حمیل السیل فیخرجون کاللؤلؤ فی رقابهم الخواتیم فیقول اهل الجنة هؤلاء عتقاء

---

آپ نے فرمایا، اے معاذ کیا تو جانتا ہے، کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے، اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے، میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانیں، فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے، کہ اس کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں، اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے، کہ وہ ان کو عذاب نہ کرے، میں نے عرض کیا، کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ سناؤں، آپ نے فرمایا رہنے دے، پھر وہ سہارا کر بیٹھیں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو سچے دل سے شہادت دے، کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے رسول ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کو آگ پر حرام کر دیں گے، اور ابوذر سے آپ نے فرمایا، جو بندہ لا الہ الا اللہ کہے، پھر اسی پر مر جائے، وہ جنت میں داخل ہوگا، اگرچہ زنا اور چوری کرے، اور شفاعت کی لمبی حدیث سے، جو ابوسعید سے بخاری اور مسلم میں مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ کبائر کے مرتکب، اور تارک نماز کافر نہیں ہیں، بلکہ نافرمان ہیں، جو بالآخر شفاعت یا خدا کی رحمت سے، جنت میں چلے جائیں گے حدیث میں ہے، کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، فرشتوں نبیوں اور مومنوں نے سفارش کر لی اب صرف ارحم الراحمین باقی رہ گیا

الرحمن ادخلھم الجنۃ بغیر عمل عملوہ ولا خیر قدموہ فیقال لھم مارأیتم لکم ومثلہ معہ متفق علیہ کذا فی المشکوۃ۔

واصحاب ستہ وغیرہم بر اخراج احادیث مذکورہ متفق اند، واجماع بران میدارند و متواتر المعنی بلا ریب اند، کما لا یخفی علی الماہر بکتب الحدیث۔ وعن عثمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات وھو یعلم انہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ رواہ مسلم۔ وعن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثنتان موجبتان قال رجل یا رسول اللہ ما الموجبتان قال من مات یشرک باللہ شیئا دخل النار ومن مات لا یشرک باللہ شیئا دخل الجنۃ رواہ مسلم۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ سیخلص رجلا من امتی علی رؤس الخلائق یوم القیمۃ فینشر علیہ تسعۃ وتسعین سجلا کل سجل مثل مد البصر ثم یقول اتنکر من ھذا شیئا اظلمک کتبتی الحافظون فیقول لا یا رب فیقول افلک عذر قال لا یا رب فیقول بلی ان لک عندنا حسنۃ وانہ لا ظلم علیک الیوم فتخرج بطاقۃ فیھا اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ فیقول احضر وزنک فیقول یا رب ما ھذہ البطاقۃ مع ھذہ السجلات فیقول انک لا تظلم قال فتوضع السجلات فی کفۃ والبطاقۃ فی کفۃ فطاشت السجلات وثقلت البطاقۃ فلا یثقل مع اسم اللہ شئی رواہ الترمذی

---

پھر خدا دوزخ سے ایک مٹھی ان لوگوں کی نکالے گا، جنہوں نے کوئی نیک کام نہ کیا ہوگا، آخر حدیث تک، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی اس حال میں مرے، کہ اس کو علم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو چیزیں واجب کرنے والی ہیں، ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کیا ہیں آپ نے فرمایا، جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا مر جائے گا، وہ دوزخ میں جائے گا، اور جو شرک نہ کرے گا، جنت میں جائے گا" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک آدمی کو بلائیں گے، اس کے ننانوے دفتر بدیوں کے ہوں گے، ایک ایک دفتر حد نگاہ تک ہوگا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ان میں سے کسی گناہ کا انکار کرتے ہو؟ یا کسی کے متعلق عذر کرنا چاہتے ہو؟ کہے گا نہیں، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا، اپنا حساب دیکھو، وہ کہے گا میرا حساب ہی کیا ہے، نیکی ہے ہی نہیں حساب کیسا؟ تو اللہ تعالیٰ کاغذ کا ایک پرزہ نکالیں گے، جس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوگا، جو اس نے سچے دل سے پڑھا ہوگا، اسے ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا، تو وہ بوجھل ہو جائے گا، اور ننانوے بدیوں کے دفتر ہلکے ہو جائیں گے، اور

وابن ماجۃ کذا فی المشکوۃ۔ وعن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث من اصل الایمان یعنی سہ خصلت است از جملہ اصول ایمان وقواعد آن الکف عمن قال یکے ازاں سہ چیز باز ایستادن از کسے کہ گفت لا الہ الا اللہ لا تکفرہ بذنب بیان کف است یعنی کافر مداں ومگو آن را کہ این کلمہ گوید بہ سبب گناہے کہ صادر شود از وے، اگرچہ کبیرہ باشد ولا تخرجہ من الاسلام بعمل الی آخر ما رواہ ابوداؤد ودرین حدیث رد است مر معتزلہ وخوارج راکہ بارتکاب کبیرہ بیروں می آید از اسلام وبنا برایں در متن مواقف گفتہ ان مرتکب الکبیرۃ من اہل الصلوۃ مومن انتہی وفی عقائد النسفی والکبیرۃ لا تخرج العبد المومن من الایمان انتہی ھکذا فی مائۃ المسائل لمولانا محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ورضوانہ

حاصل اینکہ اعمال نزد اہل سنت وجماعت قطعا جزو ایمان نیست، وآیات واحادیث برآن شاہد وجمہور صحابہ وتابعین ومحدثین ومجتہدین برین ہستند، باقی ماند این کہ از بعض احادیث اطلاق کفر بر تارک صلوۃ کردہ می شود، بروایتے کہ جابر از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نقل کردہ عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بین الکفر والایمان ترک الصلوۃ وفی روایۃ اخری لہ قال بین العبد وبین الشرک والکفر ترک الصلوۃ وفی روایۃ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین العبد وبین الکفر ترک الصلوۃ کما رواہ الترمذی والروایۃ الاخیرۃ رواھا مسلم وترمذی نیز از عبداللہ بن بریدہ عن ابیہ روایت کردہ۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العہد الذی بیننا وبینہم الصلوۃ فمن ترکھا فقد کفر انتہی ما فی الترمذی ایضا پس این بنا بر تغلیظ وتشدید است، یا مراد از کفر کفران نعمت است، نہ کفر باللہ چہ عمل جزو ایمان نیست، کہ از انتفاء عمل انتفاء ایمان گردد وکافر مخلد بالنار شود توفیقا و

---

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین باتیں ایمان کا اصل ہیں، جو آدمی لا الہ الا اللہ کہے، اس کو کسی گناہ کے باعث کافر نہ کہنا چاہیے، اگرچہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، الحدیث۔ اس حدیث میں معتزلہ اور خوارج کا رد ہے، جو کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں، مواقف اور عقاید نسفی میں ہے کہ کبیرہ گناہ سے مومن ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا۔

نصہ مختصر یہ کہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے، کہ اعمال جزو ایمان نہیں ہیں، آیات واحادیث اس پر گواہ ہیں، جمہور صحابہ وتابعین، مجتہدین ومحدثین کا یہی مسلک ہے، باقی رہیں وہ احادیث جن میں تارک نماز کو کافر کہا گیا ہے، مثلا جابر وعبداللہ بن بریدہ کی احادیث، سو یہ بر بنائے تشدید ہے، اور یا پھر کفر سے مراد کفران نعمت ہے نہ کہ اصل کفر، احادیث میں تطبیق کی یہی ایک صورت ہو سکتی ہے، البتہ کئی ایک بزرگ کفر کے قائل ہیں مثلاً

و تطبیقاً بین الاحادیث چہ سابقہ مشہورہ بلکہ متواتر اند و حدیث تارک الصلوٰۃ متضمن بترک خبر احاد و مؤول است، و خبر احاد معارض مشہور و متواتر نمی شود، و مؤول موجب کفر نمی شود، و چند اشخاص مانند ابراہیم نخعی و ابن المبارک و احمد و اسحاق بظاہر حدیث حکم تکفیر بر تارک صلوٰۃ کردہ اند و ہم چنین حکایت از عمر و ابن مسعود وغیرہ کردہ اند و قول منصوص دالا لہ عدم تکفیر است و حمل کردہ اند این حدیث را زجر و تغلیظ کذا فی شرح المصابیح وغیرہ۔ و دلیل بر عدم تکفیر این حدیث نیز است، عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس صلوات افترضھن اللہ من احسن وضوئھن وصلاھن لوقتھن واتم رکوعھن وخشوعھن کان لہ علی اللہ عھد ان یغفر لہ و مراد از عہد وعدہ است و خلف در عہد الٰہی نیست و من لم یفعل ذلک فلیس لہ علی اللہ عھد ان شاء غفر لہ وان شاء عذبہ رواہ احمد وابوداؤد وروی مالک والنسائی نحوہ کذا فی المشکوٰۃ۔ و درین حدیث نیز دلیل است، کہ تارک صلوٰۃ کافر نیست و مرتکب کبیرہ واجب نیست تعذیب او، مخلد نیست در نار، چنانکہ مذہب اہل سنت و جماعت است، و پارہ از حدیث طویل کہ امام احمد روایت کردہ از معاذ این است ولا تترکن صلوٰۃ مکتوبۃ فان من ترک صلوٰۃ مکتوبۃ متعمدا فقد برئت منہ ذمۃ اللہ پس بتحقیق بیزار شد و دور شد از وعہد خدا کہ با امن و امان مومنان ثابت شدہ است۔ الذمۃ والذمام ھما بمعنی العھد والامان والضمان والحرمۃ والحق وسمی اھل الذمۃ لدخولھم فی عھد المسلمین وامانھم والعھد یکون بمعنی الیمین والامان والذمۃ والمحافظۃ و رعایۃ الجزیۃ والوصیۃ ولا یخرج الاحادیث عن احدھا کذا فی مجمع البحار وغیرہ

---

ابراہیم نخعی، ابن مبارک، احمد، اسحاق، عمر و ابن مسعود وغیرہ سو یہ تغلیظاً تارک نماز کو کافر کہتے ہیں، اور تارک نماز کے کافر نہ ہونے پر یہ حدیث بھی دلیل ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جو اچھا وضو کرے، اور وقت پہ پڑھے، اور رکوع خشوع اچھا کرے، تو اللہ اس کو بخشے گا، یہ اس کا وعدہ ہے اور اس کے وعدہ میں خلاف نہیں ہے، اور جو ایسا نہ کرے گا، اس کے لئے اللہ کے ذمہ کوئی عہد نہیں ہے، چاہے تو اسے بخشے چاہے تو سزا دے، اس حدیث میں بھی دلیل ہے، کہ تارک نماز کافر نہیں، اور کبیرہ کے مرتکب کے لئے نہ سزا ضروری ہے، اور نہ وہ ہمیشہ کا جہنمی ہے۔

اں معاذ کی حدیث میں ہے، کہ جو نمازوں پر محافظت نہ کرے اور جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے تو اس سے اللہ کا ذمہ اٹھ گیا، اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ تارک نماز کے لئے امان نہیں ہے

پس ایں حدیث نیز بر کفر دلالت نمی کند ولیکن ظاہر حدیث ہذا وجوب قتل تارک صلوٰۃ است وہم چنین است مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وبعض ائمہ دیگر، ودر مذہب ابوحنیفہ ومالکیہ ضرب وتعزیر وحبس باید کرد، ما دامیکہ توبہ از ترک آن نہ کند وبر نماز متعہد ومستقیم نہ شود، ونزد امام احمد در روایت مشہورہ از وے کافر می شود، ودلائل بالا بر وحجت است. کما لا یخفی علی الماہر بالشریعۃ الغراء، وکفر دون کفر مستعمل وشائع است، وحدیث ابن عباس رضی قیل لہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون قال ھم کفرۃ ولیسوا کمن کفر باللہ والیوم الاخر ومنہ ان الاوس والخزرج ذکروا ما کان منھم فی الجاھلیۃ فثار بعضھم الی بعض بالسیوف فانزل وکیف تکفرون وانتم تتلی علیکم ایات اللہ ولم یکن ذلک علی الکفر باللہ ولکن علی تغطیتھم ما کانوا علیہ من الالفۃ والمودۃ ومنہ اذا قال انت لی عدو فقد کفر احدھما بالاسلام اراد کفر نعمۃ لان اللہ الف بینھم فاصبحوا بنعمتہ اخوانا فمن لم یعرفھا فقد کفرھا انتہی ما فی مجمع البحار وغیرہ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ　سید محمد نذیر حسین

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ربنا لک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ صلوٰۃ فرضیہ میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور دونوں سجدوں کے درمیان اللھم اغفر لی وارحمنی الخ صلوٰۃ فرضیہ میں چاہیئے یا نہیں حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے، بینوا توجروا۔

**الجواب:** واضح ہو کہ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ربنا لک الحمد حمدا

---

چنانچہ اسی حدیث کی بنا پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تارک نماز کے لئے قتل کا حکم دیا ہے، اور دوسرے اماموں نے بھی ایسا ہی کہا ہے، اور امام ابوحنیفہ اور مالک اس کو مارنے اور تعزیر لگانے اور قید کرنے کا حکم دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ توبہ کرے، اور امام احمد سے مشہور روایت یہ ہے، کہ تارک نماز کافر ہے، لیکن مندرجہ بالا احادیث ان کے برخلاف حجت ہیں، اور کفر دون کفر تو مشہور ہے، یعنی کفر حقیقی کے ماتحت کفر مجازی بھی ہیں اور عبداللہ بن عباس رضی سے اس آیت ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الکافرون (جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے) کا مطلب پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا اس سے مراد اللہ کا کفر نہیں ہے، اوس اور خزرج لڑنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی، تم کیسے کفر کر سکتے ہو، حالانکہ اللہ کی آیتیں تم پر پڑھی جاتی ہیں، اس سے مراد اللہ کا کفر نہیں تھا بلکہ خدا کی نعمت اتفاق واتحاد کا انکار تھا، واللہ اعلم۔

کثیرا طیبا مبارکا فیہ۔ دبین السجدتین اللھم اغفرلی الخ صلوۃ فرضیہ میں بلا ریب جائز ہے یہی بات احادیث سے ثابت ہے۔ عن رفاعۃ بن رافع قال نصلی وراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما رفع راسہ من الرکعۃ قال سمع اللہ لمن حمدہ فقال رجل وراءہ ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ فلما انصرف قال من المتکلم انفا قال انا قال رأیت بضعۃ وثلاثین ملکا یبتدرونھا ایھم یکتبھا اولا رواہ البخاری عن علی بن ابی طالب قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع راسہ من الرکوع قال سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد ملأ السموات والارض وملأ ما بینھما وملأ ما شئت من شئی بعد قال وفی الباب عن ابن عمر وابن عباس وابن ابی اوفی وابی جحیفۃ وابی سعید قال ابو عیسی حدیث علی حسن صحیح والعمل علی ھذا عند بعض اھل العلم وبہ یقول الشافعی قال یقول فی المکتوبۃ والتطوع وقال بعض اھل الکوفۃ یقول ھذا فی صلوۃ التطوع ولا یقولہ فی صلوۃ المکتوبۃ کذا فی الترمذی وغیرہ وعن حذیفۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول بین السجدتین رب اغفرلی رواہ النسائی والدارمی کذا فی المشکوۃ وعن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول بین السجدتین اللھم اغفرلی وارحمنی واجبرنی واھدنی وارزقنی۔ حدثنا الحسن بن علی الخلال نا یزید بن ھارون عن زید بن حباب عن کامل ابی العلاء نحوہ۔ قال ابو عیسی

---

لے رفاعہ بن رافع کہتے ہیں، کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، کہ ایک آدمی نے رکوع سے سر اٹھا کر کہا ربنا لک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا یہ کلمات کس نے کہے تھے، میں نے تیس سے زیادہ فرشتے دیکھے ہیں، جو اس کی طرف دوڑ رہے تھے، کہ کون پہلے لکھے۔ حضرت علی کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو فرماتے ربنا ولک الحمد ملأ السموات والارض وملأ ما بینھما وملأ ما شئت من شئی بعد اور اس مضمون کی روایتیں عبداللہ بن عمر، ابن عباس، ابن ابی اوفی، ابو جحیفہ اور ابو سعید خدری سے مروی ہیں، امام ترمذی کہتے ہیں، کہ حضرت علی کی حدیث حسن ہے، اور بعض اہل علم کا عمل اسی پر ہے، امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے، اور فرض اور نفل دونوں میں پڑھے، بعض اہل کوفہ کہتے ہیں، کہ نفل نماز میں پڑھے، اور فرضوں میں نہ پڑھے، حضرت حذیفہ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان رب اغفرلی پڑھا کرتے تھے، ابن عباس کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے

ھذا حدیث غریب وھکذا روی عن علی وبہ یقول الشافعی واحمد واسحٰق یرون ھذا جائزا فی المکتوبۃ والتطوع کذا فی الترمذی وغیرہ۔ اور صاحب تفسیر مظہری نے اپنے رسالہ مالا بدمنہ میں لکھا ہے وبنشیند وباطمینان بخواند اللھم اغفرلی وارحمنی الخ رواہ الترمذی عن ابن عباس انتہی۔

واضح ہو کہ بقاعدہ حنفیہ اللھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وعافنی الخ کا پڑھنا درمیان جلسہ کے مستحب ہے، کیونکہ حنفی مذہب میں درمیان جلسہ کے ذکر مسنون نہیں کہتے پس نفی سنت سے نفی مستحب نہیں ہوتی، کیونکہ مذہب حنفی میں اطلاق سنت کا مؤکدہ پر ہوتا ہے نہ مستحب پر، پس نفی سنت مستلزم نفی مستحب نہیں ہو سکتی، کما لایخفی علی الماہر بالفقہ، و مع ہذا حدیث میں مطلقاً پڑھنا اس کا نماز میں درمیان جلسہ کے آیا ہے، خواہ فرض ہو یا نفل اور تخصیص تحکم محض ہے، اور امام احمد فرض کہتے ہیں اس کو پڑھنا جلسہ میں، اسی لئے قاضی ثناء اللہ صاحب قدس سرہ نے ہیئت ادا نماز میں دعا مذکورہ کو بیان کیا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ پر عمل چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

**سوال** ،۔ جو لوگ ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں جیسے جہاز کے سارنگ یا خلاصی وغیرہ ان کو نماز قصر پڑھنی چاہیے یا پوری، بینوا توجروا۔

**الجواب** :۔ جو لوگ ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں، جیسے جہاز کے خلاصی وغیرہ وہ شرعاً مقیم نہیں ہیں، بلکہ مسافر ہیں، کیونکہ وطن کی تین ہی قسمیں ہیں، وطن اصلی، وطن اقامت و وطن سکنیٰ، فتح القدیر میں ہے۔ الاوطان[1] ثلثۃ وطن اصلی وھو مولد الانسان او موضع تاھل بہ ومن قصدہ التعیش بہ لا الارتحال ووطن اقامۃ وھو ما ینوی الاقامۃ فیہ خمسۃ عشر یوما ووطن سکنی وھو ما ینوی الاقامۃ فیہ اقل من خمسۃ عشر یوما، اور مخفی نہیں، کہ خلاصی وغیرہ ان تینوں اوطان سے خالی ہیں، پس بلاشبہ وہ مسافر ٹھہرے پس احکام

---

درمیان اللھم اغفرلی وارحمنی واجبرنی واھدنی وارزقنی پڑھا کرتے تھے، حضرت علی رضہ سے بھی ایسی روایت ہے امام شافعی، احمد، اسحاق بھی اسی کے قائل ہیں، فرضوں اور نفلوں میں پڑھے

[1] وطن تین ہیں، وطن اصلی یہ انسان کی رہائش کی جگہ ہے اور وطن اقامت، جہاں پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو، اور وطن سکنیٰ، یہ وہ جگہ ہے جہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو۔

سفر ان پر لازم رہیں گے، ونیز احادیث وآیات قرآنیہ عام ہیں، چنانچہ آیت واذا ضربتم فی الارض۔ اور او کنتم علی سفر۔ میزان شعرانی میں ہے۔ قال الائمۃ الثلاثۃ ان الملاح اذا سافر فی سفینتہ فیہا اہلہ ومالہ لہ القصر وقال احمد انہ لا یقصر وقال احمد کذلک المکاری الذی یسافر دائما وخالفہ فیہ الائمۃ الثلاثۃ ایضا فقالوا ان لہ الترخص بالقصر والفطر پس ثابت ہو گیا کہ دائم السفر کو بھی قصر کرنا چاہیے، چنانچہ تاجر جو ہمیشہ تجارت کے لیے سفر میں رہتے ہیں مصنف ابن ابی شیبہ ہے۔ قال حدثنا وکیع عن الاعمش عن ابراہیم قال جاء رجل فقال یا رسول اللہ انی رجل تاجر اختلف الی البحرین فامرہ ان یصلی رکعتین ھذا مرسل۔ واللہ اعلم

حررہ محمد عبد الحق ملتانی ۴ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۸ھ | سید محمد نذیر حسین

**سوال**۔ ما قولہم رحمہم اللہ تعالیٰ دریں مسئلہ کہ نماز فرض در ریل گاڑی کہ دریں زمانہ شیوع یافتہ است، در زمان حرکتش وسکونش بدوں عذر جائز است یا نہ، وہم قصر صلوٰۃ واجب خواہد بود یا نہ، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ باید دانست کہ نماز بر ریل گاڑی در حالت سیر بلا عذر ہم جائز است بشرطیکہ استقبال قبلہ فوت نہ شود، چنانکہ بر سریر وچارپائی سخت کہ جبہہ بر آن قرار گیرد، رواست ونماز ریل گاڑی در حکم سواری بر دابہ نیست، کہ فرائض بلا عذر بر آن جائز نہ باشد، چراکہ ریل گاڑی بمعاونت دخان دہوا بر زمین میرود، چنانکہ نماز فرض بر کشتی در حالت سیر نیز رواست۔ واما الصلوٰۃ علی العجلۃ ان کان طرف العجلۃ علی الدابۃ وھی تسیر اولا

---

[1] ملاح جب کشتی میں اپنے اہل وعیال سمیت سفر کرے، تو تینوں اماموں کے نزدیک وہ قصر کرے، امام احمد قصر کے قائل نہیں ہیں، اور کرایے پر کام کرنے والا مثلاً گاڑیوں کے ڈرائیور اور جہازوں کے ملاح وغیرہ بھی اسی حکم میں ہیں

[2] ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ میں ایک تاجر آدمی ہوں، سمندر میں پھرتا رہتا ہوں آپ نے اس کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ آج کل ریل گاڑی عام ہو چکی ہے اس کی حرکت اور سکون کے وقت اس میں فرض نماز پڑھنی بغیر عذر کے جائز ہے یا نہیں، اور ریل کے سفر میں دوگانہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ریل گاڑی میں اس کی حرکت کے وقت بھی بغیر عذر کے نماز پڑھنا درست ہے بشرطیکہ رخ قبلہ کی طرف ہو جیسا کہ کسی تخت یا سخت چارپائی پر نماز پڑھنا جائز ہے کہ اس پر پیشانی پوری طرح رکھی جا

تسیر فھی صلوۃ علی الدابۃ فیجوز فی حالۃ العذر المذکور فی التیمم لا فی غیرھا وان لم یکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز تنویر الابصار متن در المختار قولہ علی العجلۃ ھی ما یربط مثل المحفۃ یحمل علیھا الاثقال مغرب قولہ او لا تسیر کذا فی الزیلعی والخانیۃ و مثلہ فی البحر عن الظھیریۃ قولہ فھی صلوۃ علی الدابۃ اما اذا کانت تسیر فھی ظاھر واما اذا کانت لا تسیر وکانت علی الارض وطرفھا علی الدابۃ فمشکل لانھا فی حکم المحمل اذا رکز تحتہ خشبۃ فتکون کالارض وقد یفرق بانھا اذا کان احد طرفیھا علی الارض والآخر علی الدابۃ لم یصر قرارھا علی الارض فقط بل علیھا وعلی الدابۃ بخلاف المحمل لانہ انما تصح الصلوۃ علیہ اذا کان قرارہ علی الارض فقط بواسطۃ الخشبۃ لا علی الدابۃ تامل وسیاتی مالو کان کلھا علی الارض شامی قولہ وان لم یکن الخ کان المناسب ذکرہ قبل بیان الاعذار قولہ لو واقفۃ درمختار کذا قیل لا فی شرح المنیۃ ولا رہ لغیرہ یعنی اذ کانت العجلۃ علی الارض ولم یکن شئ منھا علی الدابۃ وانما لھا حبل مثلا تجرہ الدابۃ بہ تصح الصلوۃ علیھا لانھا حینئذ کالسریر الموضوع علی الارض ومقتضی ھذا التعلیل انھا لو کانت سائرۃ فی ھذہ الحالۃ لا تصح الصلوۃ علیھا بلا عذر وفیہ تامل لان جرھا بالحبل وھی علی الارض لا تخرج بہ عن کونھا علی الارض ویفیدہ عبارۃ التاتارخانیۃ عن المحیط وھی لو صلی علی العجلۃ ان کان طرفھا علی الدابۃ وھی تسیر تجوز فی حالۃ العذر لا فی غیرھا وان لم یکن طرفھا علی الدابۃ جازت وھو بمنزلۃ الصلوۃ علی السریر اہ فقولہ وان لم یکن الخ یفید ما ذکرنا لانہ راجع الی المسئلۃ وقد قیدھا بقولہ وھی تسیر ولو کان الجواز مقیدا بعدم السیر بقیدہ بہ فتامل شامی، ومراد از عجلہ مثل گراچی دوچہ پہیا دشکرم کہ دروش دستی قابل

---

سکے، اور ریل گاڑی کی نماز سواری کی نماز جیسی نہیں ہے، کہ بلا عذر جائز نہ ہو سکے کیونکہ ریل گاڑی زمین پر حرکت کرتی ہے، تو اس کی نماز کشتی کی نماز کی طرح بالکل درست ہوگی، اور ٹانگہ یا بگھی وغیرہ کی نماز کا یہ حکم ہے، کہ اگر ٹانگہ کی ساخت اس طرح کی ہو، کہ اس کا کچھ حصہ جانور کی پیٹھ پر بھی ہو تو وہ جانور کی سواری کی نماز سمجھی جائے گی اور اگر پہیوں وغیرہ کی مدد سے زمین پر چلے، اور کسی رسے یا لکڑی وغیرہ کے ذریعے جانور اس کو کھینچے، تو وہ نماز زمین پر نماز پڑھنے کے مترادف ہوگی، اور بالکل درست ہوگی، اور اس کی مثال اس تخت پوش کی سی ہوگی جو زمین پر بچھا ہو کہ اس پر بلا عذر بھی نماز درست ہے۔

گذاردن نماز از تختہائے چوبیں کہ بر عرضش باشد صاحب قاموس می گوید العجلۃ بالتحریک الالۃ التی تجرھا الثور وخشب یؤلف تحمل علیھا الاثقال۔

جواب سوال دوم۔ اینکہ مسافت سہ روزہ را بسیر وسط معتدل در قصر صلوۃ معتبر است وسیر برید وسیر عجلہ واسپ سریع السیر کہ مسافت راہ دو روزہ وسہ روزہ را یک روز طے کند یا سیر بطی چھکڑہ کہ راہ یک روزہ را در دو روز طے نماید پس در قصر صلوۃ معتبر نیست پس اگر ریل گاڑی یا اسپ سریع السیر یا برید سہ روزہ راہ در یک روز طے کند تاہم قصر صلوۃ واجب خواہد بود شرعاً چنانکہ از کتب فقہ مستفاد می گردد، کما لایخفی علی العالم بالفقہ، واللہ اعلم بالصواب، فاعتبروا یا اولی الابصار۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

**سوال:۔** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت روانی یعنی چلتی ہوئی ریل میں نماز فرض وسنت پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟

**الجواب:۔** صورت مسئولہ میں حالت روانگی میں ریل کے نماز فرض پڑھنی جائز ہے اور جب فرض پڑھنے جائز ہوئے، تو سنت بدرجہ اولی جائز ہوگی، اس واسطے کہ ریل کسی طور پر رواں ہو یا ٹھہری ہوئی حکم میں تخت کے ہے اور تخت پر نماز عذرا اور غیر عذر دونوں حالت میں درست ہے، تو بلا شبہ اس پر بھی دونوں صورتوں میں نماز درست ہے، کیونکہ وجہ تشبیہ سے حکم مشبہ کا مثل حکم مشبہ بہ کے ہوتا ہے، کما لایخفی علی من لہ ادنی فطانۃ فی علم البلاغۃ۔ رہا یہ امر کہ اس کو روانگی میں گھوڑے وغیرہ کے ساتھ مشابہت ہے، اور گھوڑے وغیرہ پر بلا عذر نماز فرض جائز نہیں تو اس پر بھی بلا عذر جائز نہ ہوگی، صورت اس کی یہ ہے، کہ گھوڑے یا شتر پر جو نماز بلا عذر جائز نہیں وہ اس وجہ سے کہ باوجود قدرت کے قیام اور رکوع اور سجود فوت ہو جاتا ہے، بخلاف ریل کے کہ کوئی رکن قیام ورکوع وسجود فوت نہیں ہوتا، پس باوجود مشابہت گھوڑے وغیرہ کے ارکان اصلی فوت نہیں ہوئے، اور مشابہت نے کچھ اثر نہ کیا، تو حکم ایک نہ رہا جیسا کہ بحر الرائق میں ظہیریہ سے نقل کیا ہے۔ واما الصلوۃ علی العجلۃ ان کان طرف العجلۃ علی الدابۃ وھی

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے، کہ درمیانہ چال سے اگر سفر تین روز کا ہو جائے، تو اس پر قصر کرنا جائز ہے خواہ گاڑی اسے ایک ہی دن میں طے کرے، اور اسی طرح اگر رفتار سست سے تین روز کا سفر بھی ہو، تو قصر درست نہ ہوگا، مثلاً چھکڑا جو ایک دن کا سفر دو دن میں ختم کرتا ہے، واللہ اعلم۔

[1] اگر بگھی یا تانگہ کا کچھ حصہ جانور کے اوپر بھی ہو تو خواہ وہ چلتا ہو یا ساکن ہو اس پر بغیر عذر کے نماز جائز نہیں ہے

تسیراولا تسیر فھی صلوۃ علی الدابۃ تجوز فی حالۃ العذر ولا تجوز فی غیر حالۃ العذر وان لم تکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز وھو بمنزلۃ الصلوۃ علی السریر انتہی وھذا کلہ فی الفرض۔

پس اس عبارت سے صاف ظاہر ہے، کہ ریل گاڑی کا حکم چلتے اور ٹھہرتے دونوں وقتوں میں مثل تخت کے ہے، اس واسطے کہ صاحب ظہیریہ نے دوسرے جملہ وان لم یکن الخ میں قید سیر اور عدم سیر کی نہیں کی جیسا کہ اول جملہ میں کی ہے، باقی رہا امر اگر کوئی کہے، کہ جب عجلہ کا ایک طرف دابہ پر ہووے، اس وقت بھی رکوع اور قیام اور سجود فوت نہیں ہوتا، تو چاہیئے کہ اس حالت میں بھی نماز جائز ہو جاوے، حالانکہ سیر اور عدم سیر دونوں حالت میں بلا عذر نماز فرض جائز نہیں، جیسا کہ عبارت ظہیریہ سے ظاہر ہوتا ہے، جواب اس کا یہ ہے، کہ عجلہ پر جواز نماز کی وجہ مشابہت تخت کے ہے، اور وقت تعلق دابہ کے اس کی طرف سے مشابہت کامل پائی نہ گئی، تو ترتب حکم کا یعنی جواز نماز کا کیونکر ہووے، رہا فوت اور عدم فوت ارکان کا وہ وجہ خاص عدم جواز نماز دابہ کی ہے، عجلہ سے کچھ علاقہ نہیں پس جب عجلہ حکم تخت سے خارج ہوئی تو بسبب تعلق دابہ کے حکم میں اس کے داخل ہو گئی، اور مشابہت تام تخت سے جب ہی ہو گی، کہ جب عجلہ بتمامہ زمین پر ہووے، کیونکہ غرض شارع کی وضع علی الارض میں تشابہ ہے نہ کسی دوسرے امر میں فی ردالمحتار الشامی اذا کانت العجلۃ علی الارض ولم یکن شئ منہا علی الدابۃ وانما ھا حبل مثلا تجرھا الدابۃ بہ تصح الصلوۃ علیہا لانہا حینئذ کالسریر الموضوع علی الارض ومقتضی ھذا التعلیل انہا لو کانت سائرۃ فی ھذہ الحالۃ لا تصح الصلوۃ علیہا بلا عذر وفیہ تامل لان جرھا بالحبل وھی علی الارض لا تخرج بہ عن کونہا علی الارض ویفیدہ عبارۃ التاتارخانیۃ عن المحیط وھی لو صلی علی العجلۃ ان کان طرفہا علی الدابۃ وھی تسیر تجوز فی حالۃ العذر لا فی غیرھا وان لم یکن طرفہا علی الدابۃ جازت وھو بمنزلۃ الصلوۃ علی السریر انتہی۔

---

اور اگر اس کا کوئی حصہ جانور پر نہ ہو تو اس کا حکم تخت کا ہے، اس پر نماز بغیر عذر کے بھی جائز ہے۔

لہ اگر بگھی کا کوئی حصہ جانور پر نہ ہو اور جانور اس کو رسی کے ذریعہ کھینچتا ہو تو اس پر نماز بلا عذر جائز ہے کیونکہ وہ تخت کے حکم میں ہے، جو زمین پر بچھا ہو اور اگر اس کا کوئی حصہ جانور پر ہو اور بگھی چل رہی ہو تو اس پر بلا عذر نماز جائز نہیں ہے۔

اور اگر اس ریل گاڑی کو بہ سبب روانگی بدوں گھوڑے اور بیل وغیرہ کے کشتی کے ساتھ تشبیہ دے دیویں، تو بے شک وشبہ نماز پڑھنی جائز ودرست ہے جیسا کہ کشتی میں ولو صلی فی ذلك قاعدا اصح یعنی لو صلی فرضا قاعدا بلا عذر صحت وقد اشار کما فی البدائع وقالا لا یجزیہ الا من علۃ لان القیام مقدور علیہ فلا یترك ولہ ان الغالب فیہا دوران الرأس وھو کالمتحقق الا ان القیام افضل لانہ ابعد عن شبہۃ الخلاف کذا فی البحر الرائق وھکذا فی الھدایۃ والنھایۃ والاختیار پس اس مقالہ پر بیٹھ کے پڑھنے کی صورت میں اختلاف ہے، اور اگر کھڑے ہو کے پڑھے، تو بالاتفاق جائز ہے اور یہ اختلاف اور اتفاق سائرہ اور غیر مربوطہ میں ہے، اور مربوطہ میں تو اتفاق ہے،[2] والخلاف فی غیر المربوطۃ والمربوطۃ بالشط ھو الصحیح کذا فی الھدایۃ وھو مقید بالمربوطۃ بالشط اما اذا کانت مربوطۃ فی لجۃ البحر فالاصح ان کان الریح یحرکھا شدیدا فھی کالسائرۃ والا فکالواقفۃ ثم ظاھر الھدایۃ والنھایۃ والاختیار جواز الصلوۃ فی المربوطۃ فی الشط مطلقا کذا فی بحر الرائق، تو جب اختلاف امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کا قیام کے پائے جانے سے جاتا رہا، کشتی کی حالت روانگی اور سیر میں کیونکہ ٹھہرنے کے وقت جواز نماز میں اتفاق ہے، جیسا کہ عبارت منقولہ سے ظاہر ہے، پس بر تقدیر تشبیہ ریل کی کشتی سے ریل میں بھی بلا اختلاف عین روانگی میں بسبب پائے جانے جملہ ارکان نماز کے نماز فرض درست وجائز ہو گی، ہاں باقی کا خدشہ حدیث اسکنوا فی الصلوۃ کا، اگرچہ وہ اس مقام پر قابل جواب کے نہیں، کیونکہ اگر یہ خدشہ واقعی ہے تو کشتی میں بھی ہو گا، اور کشتی میں تو جواز نماز مسلم ہے، پس جو جواب اس میں ہو گا وہی جواب اس میں بھی ہے، مگر واسطے وضاحت اور رفع اشتباہ کے لکھا جاتا ہے، وہ یہ ہے، کہ یہاں امر سکون سے ممانعت حرکت اختیاری اور

---

[1] اگر کشتی میں بیٹھ کر نماز بلا عذر پڑھے تو جائز ہے، تو صاحبین کے نزدیک بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں کیونکہ کشتی میں کھڑا ہوا جا سکتا ہے، اور امام صاحب کا استدلال یہ ہے، کہ کشتی پر اکثر چکر آجاتے ہیں، اور اس کو متحقق ہی سمجھ لیا گیا ہے، ہاں قیام بہتر ہے، اور اس سے اختلاف کا شبہ دور ہو جاتا ہے۔

[2] اور اختلاف اس میں ہے، جو بندھی ہوئی نہ ہو اور بندھی ہوئی کنارے کی طرح ہے، اور یہ کنارہ کے ساتھ بندھی ہونے سے مقید ہے، اگر سمندر یا دریا کے درمیان بندھی ہوئی ہو تو صحیح یہ ہے کہ اگر ہوا اس کو شدید حرکت دے رہی ہو تو وہ چلنے والی کی طرح ہے، ورنہ ٹھہری ہوئی کی طرح، اور مختار یہ ہے کہ کنارہ سے بندھی ہوئی کشتی پر نماز مطلقا جائز ہے۔

قصدی ہے جو لوگ وقت سلام کے ہاتھ اٹھا کے اشارہ کرتے تھے، جیسا کہ مورد اس حدیث سے سمجھا جاتا ہے۔ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانہا اذناب خیل شمس اسکنوا الخ اور خشوع اور خضوع مراد ہے۔ وفیہ الامر بالسکون فی الصلوٰۃ والخشوع فیہا کذا فی النووی۔ نہ حرکت اضطراری کی ممانعت، کیونکہ امر اضطراری غیر مقدور ہے، اور غیر مقدور پر فعل وترک کی تکلیف نہیں، جیسا کہ وسوسہ قلب مطلقاً نہ اس کے ترک پر عزیمت اور نہ اس کے قبول اثر میں استحقاق عقاب، فی الجلالین لا یوخذ احد بذنب احد ولا بمالم یکسبہ بما وسوست بہ نفسہ پس حرکت ریل کا صدمہ کچھ تھوڑا جس سے مطلقاً ادائے ارکان نماز میں خلل نہیں ہوتا ہے، جو راکب کو پہنچتا ہے، وہ بہ سبب غیر مقدور ہونے کے محض لاشے ہے، اس کا کچھ اعتبار نہیں، اور دوسرا خدشہ اس امر کا کہ صاحب درمختار نے نماز عجلہ میں واقف ہونے کی قید لگائی ہے۔ فی الدر المختار ولو لم یکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز لو واقفۃ وہ جمہور فقہاء کے نزدیک ماخوذ نہیں، اس واسطے کہ اگر یہ قول اس قید کے ساتھ جمہور فقہاء کے نزدیک مقبول ہوتا، تو ہر کتاب فقہ میں یہ قید موجود ہوتی، حالانکہ ایسا نہیں فی رد المختار قولہ ولو واقفۃ کذا قیدہ فی شرح المنیۃ والظاہرۃ وغیرہ یعنی اذا کانت العجلۃ علی الارض الخ پس معلوم ہوا کہ قول مختار اور مفتی بہ جمہور فقہاء کا بغیر قید واقف ہونے کے ہے، اور عرصہ پانچ چھ برس کا گذرا کہ بعض علماء[1] نے اپنی تحریر میں روایات وجوب استقرار موضع سجدہ سے اس مدعا پر کہ نماز عجلہ میں سکون وقرار شرط ہے، استدلال کیا تھا ہم نے اس کے جواب میں بعبارت فارسی جواب الجواب میں یہ لکھا تھا کہ:۔

آنچہ در باب سجدہ بر چیزے مستقر روایات نقل کردہ اند ازاں روایات ایں معنی ثابت نمی شود، کہ در صورت تحرک وانتقال مقام نماز مثل عجلہ وغیرہ باوجودیکہ جبہہ مصلی براں قرار پذیرد

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر نکلے اور فرمایا، مجھے کیا ہے، کہ میں تم کو سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھوں کو اٹھاتے دیکھتا ہوں سکون اختیار کرو الخ۔ سلہ اور اس میں حکم ہے، کہ نماز میں سکون اور خشوع اختیار کرو سلہ کوئی آدمی کسی دوسرے کے گناہ پر نہیں پکڑا جاتا، اور نہ کسی ایسے جرم پر جو اس نے نہ کیا ہو، صرف دل میں خیال آیا ہو۔ سلہ اگر بگھی کا کوئی حصہ جانور پر نہ ہو، تو وہ ٹھہری ہوئی کی طرح ہے

ھ وہ جو کسی ٹھہری ہوئی چیز پر سجدہ کرنے کے متعلق انھوں نے روایات نقل کی ہیں، ان روایات سے یہ مفہوم نہیں

(۱) مراد بعض علماء سے مولوی سعد اللہ صاحب مفتی رام پور ہیں۔

و نماز صحیح نیست، بلکہ ازان روایات ہمین قدر مستفاد می شود، کہ در صورت نہ قرار پذیرفتن پیشانی نماز صحیح نیست و سببش این ست، کہ موضع سجدہ و مقام نہادن پیشانی چنان باید کہ چون ساجد مبالغہ کند آن موضع سجدہ پست نہ گردد یعنی آن موضع سنگین و تخین باشد، چنانکہ مصادمت و مدافعت پیشانی نہ کند۔ الاصل انہ کما یجوز السجود علی الارض یجوز علی ما ھو بمعنی الارض مما تجد جبھتہ حجمہ و تستقر علیہ و تفسیر وجدان الحجم ان الساجد لو بالغ لا یتسفل راسہ ابلغ من ذلک فیجوز علی الطنفسۃ والحصیر والحنطۃ والشعیر والسریر والعجلۃ ان کانت علی الارض لانہ یجد حجم الارض بخلاف ما اذا کانت علی ظھر الحیوان لان قرارہ حینئذ علی الحیوان کالبساط المشدود بین الاشجار الی اٰخر ما فی بحر الرائق۔ پس ثابت شد کہ چیزے کہ سنگین و تخین باشد و مدافعت و مصادمت پیشانی کند و وقت مبالغہ ساجد پست نہ شود نماز فرائض بران صحیح است، عام ازین کہ آن چیز بحالت سیر باشد یا بحالت قیام چنانچہ صاحب بحر الرائق از ظہیریہ نقل می کند۔ اما الصلوٰۃ علی العجلۃ ان کان طرف العجلۃ علی الدابۃ وھی تسیر او لا تسیر فھی صلوٰۃ علی الدابۃ تجوز فی حالۃ العذر ولا یجوز فی حالۃ غیر العذر وان لم یکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز وھو بمنزلۃ الصلوٰۃ علی السریر انتھی ما فی بحر الرائق۔ پس

نکلتا کہ مقام نماز کے تحرک و انتقال کی صورت میں جب کہ نمازی کی پیشانی اس پر قرار پکڑے، تو بھی نماز جائز نہیں ہے، بلکہ ان روایات سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے، کہ اگر نمازی کی پیشانی قرار نہ پکڑے، تو نماز صحیح نہیں ہے، اور اس کا سبب یہ ہے، کہ سجدہ کی جگہ اور پیشانی رکھنے کا مقام ایسا ہونا چاہیئے کہ جب سجدہ کرنے والا اپنے منہ سے اس جگہ کو دبائے، تو وہ جگہ نیچی نہ ہو یعنی وہ جگہ سخت اور موٹی ہونی چاہیئے، حاصل کلام یہ کہ جیسے زمین پر سجدہ جائز ہے، ایسی جگہ پر بھی جائز ہے جو زمین کے حکم میں ہو کہ اس پر پیشانی ٹک سکے تو ایسی صورت میں چٹائی، جائے نماز، گندم، جو، تخت، بگھی وغیرہ پر جب کہ وہ زمین پر ہو سجدہ جائز ہوگا، کیونکہ وہ زمین کے حکم میں ہے بخلاف اس کے کہ اگر وہ جانور کی پیٹھ پر ہوگی، تو اس کا حکم اس چٹائی کا ہے، جو درختوں کے درمیان بندھی ہوئی ہو مطلب یہ کہ ہر وہ چیز جو سخت ہو کہ سجدہ کرنے والے کے دبانے سے نیچی نہ ہو سکے، اس پر نماز جائز ہے، خواہ وہ ساکن ہو یا متحرک، چنانچہ بحر الرائق وغیرہ میں لکھا ہے کہ اگر بگھی کا کچھ حصہ جانور پر بھی ہو تو وہ جانور کے حکم میں ہے، اس پر بغیر عذر کے نماز درست نہیں ہے، اور اگر وہ زمین پر ہو تو اس پر نماز بغیر عذر بھی جائز ہے، خواہ حرکت میں ہو یا ساکن میں، تو بگھی کے کھڑا ہونے کو مقام سجدہ کے استقرار کے ہم معنی قرار دینا قیاس مع الفارق ہے۔

قیاس وجوب قیام عجلہ برا ستقرار موضع سجدہ ہم چون نیچ قیاس مع الفارق است انتہی کلامنا فی جواب الجواب واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الابصار۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔ محررہ دوم شوال سنہ ۱۲۸۰ ہجری نبوی صلعم سید محمد نذیر حسین

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ بعد فرض نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب ۔ ہاتھ اٹھا کر بعد نماز فرض کے دعا مانگنا درست ہے، کتاب عمل الیوم واللیلہ لابن السنی میں ہے۔ حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحق یعقوب بن خالد بن یزید البالسی حدثنا عبد العزیز بن عبد الرحمن القرشی عن خصیف عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللھم الھی والہ ابراھیم واسحق ویعقوب والہ جبریل ومیکائیل واسرافیل اسئلك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتك فانی مذنب وتنفی عنا الفقر فانی متمسکن الاکان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین[1] یعنی انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو بندہ ہر نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلائے، پھر کہے اللھم الہی والہ ابراہیم الخ تو اللہ تعالیٰ اس کے دونوں ہاتھوں کو نامراد نہیں پھیرتا ہے، اس حدیث سے ثابت ہوا، کہ بعد فرض نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے، اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی عبد العزیز بن عبد الرحمن اگر متکلم فیہ ہے، جیسا کہ میزان الاعتدال وغیرہ میں مذکور ہے لیکن اس کا متکلم فیہ ہونا ثبوت جواز و استحباب کے منافی نہیں، کیونکہ حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے۔ قال فی فتح القدیر فی الجنائز والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع انتہی۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے قال ابن ابی حاتم حدثنا ابی حدثنا ابو معمر المقری حدثنی عبد الوارث حدثنا علی بن زید عن سعید بن

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی ہر نماز کے بعد اپنے ہاتھ پھیلائے اور کہے، اے میرے خدا اور ابراہیم اسحاق یعقوب کے، اور جبریل اور میکائیل اور اسرافیل کے خدا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، تو میری دعا کو قبول فرما میں بے قرار ہوں تو میرے دین کو محفوظ رکھ، میں مبتلا ہوں، مجھے اپنی رحمت میں لے لے میں گنہ گار ہوں ہم سے فقر دور کر دے میں مسکین ہوں، تو اللہ پر حق ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹائے [2] ضعیف حدیث سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے۔

المسیب عن[1] ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدہ بعد ما سلم وھو مستقبل القبلۃ فقال اللھم خلص الولید بن الولید وعیاش بن ابی ربیعۃ وسلمۃ بن ھشام وضعفۃ المسلمین الذین لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا من ایدی الکفار ذکرہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیر آیۃ الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا۔ یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد سلام پھیرنے کے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا، اور آپ قبلہ رو تھے پس کہا، اللھم خلص الولید بن الولید الخ اس حدیث کے راویوں میں علی بن زید ہے، جس کو حافظ ابن حجر نے تقریب میں ضعیف کہا ہے لیکن اس کا ضعیف ہونا ثبوت جواز واستحباب کے منافی نہیں ہے، کما مر مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ عن الاسود بن عامر عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث یعنی عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی پس جب آپ نے سلام پھیرا، تو قبلہ کی طرف سے منحرف ہوئے، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور دعا کی، ان احادیث سے بعد نماز فرض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قولاً و فعلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ العاجز عین الدین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

**سوال:** ۔ نماز فرض کے بعد دعا کے لئے رفع الیدین ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب:** ۔ رفع الیدین بعد نماز فریضہ بعض[(1)] احادیث ضعیفہ سے ثابت ہے، عن[2] انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما من عبد بسط کفیہ دبر کل صلوٰۃ یقول اللھم الھی واله ابراھیم الحدیث رواہ ابن السنی فی کتابہ عمل الیوم واللیلۃ۔ وعن[3] الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انصرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ۔

حررہ عبد الرحیم عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

[1] ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رخ بیٹھے ہوئے اپنے ہاتھ اٹھاتے اور کہا اے اللہ ولید بن الولید اور عیاش بن ربیعہ اور سلمہ بن ہشام اور کمزور مسلمانوں کو نجات دے، جو کسی حیلہ کی طاقت نہیں رکھتے اور کفار کے ہاتھ سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے [2] و [3] کا ترجمہ صفحہ ۵۶۴ پر گزر چکا

(1) قولہ بعض احادیث ضعیفہ الخ اقول بعض احادیث صحیحہ بھی ہیں، چنانچہ صفحہ ۵۶۶ پر آئندہ آئے گا، ۱۲، ابو سعید محمد شرف الدین۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز فرائض کے ہاتھ اٹھا کے دعا مانگنا درست ہے یا بدعت، زید کہتا ہے، کہ بعد نماز فرائض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صاحب فہم پر مخفی نہ رہے، کہ بعد نماز فرائض کے ہاتھ اٹھا کے دعا مانگنا جائز و مستحب ہے، اور زید مخطی ہے۔ عن[1] انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال مامن عبد یبسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللھم الٰھی والٰہ جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین رواہ الحافظ ابوبکر بن[(1)] السنی۔ عن[2] الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الخ رواہ الحافظ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ۔ اور حافظ جلال الدین نے اپنی کتاب فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء میں روایت کیا ہے، محمد بن یحیی اسلمی سے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اٹھاتے تھے اپنے ہاتھ کو دعا میں مگر جب کہ فارغ ہوتے نماز سے اور کہا ہے، اس حدیث کے راوی جتنے ہیں سب ثقہ ہیں۔ عن[3] محمد بن یحیی الاسلمی قال رأیت عبد اللہ بن زبیر ورأی رجلا رافعا یدیہ قبل ان یفرغ من صلوتہ فلما فرغ منہا قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی نماز کے بعد اپنے ہاتھ پھیلا کر کہے، اے میرے، اور جبریل اور میکائیل اور اسرافیل کے خدا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، کہ تو میری دعا کو قبول فرما، میں بے قرار ہوں، میرے دین کو محفوظ رکھ، میں فتنوں میں مبتلا ہوں مجھے اپنی رحمت میں لے لے، میں گنہ گار ہوں، میرے فقر کو دور کر دے، میں مسکین ہوں، تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے، کہ اس کے ہاتھوں کو خالی نہ اٹھائے

[2] اسود عامری کے باپ کہتے ہیں، کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی، جب آپ نے سلام پھیرا، تو رخ ہماری طرف کیا، اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی ۱۲

[3] عبد اللہ بن زبیر نے ایک آدمی کو دیکھا، اس نے پوری نماز پڑھنے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا شروع کیا، آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔

---

(۱) اس کی سند میں عبد العزیز بن عبد الرحمن قرشی ضعیف ہے ۱۲ ابو سعید محمد شرف الدین۔

ورجالہ ثقات[1]۔ اور نیز ابوداؤد میں ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، کہ جب سوال کرو اللہ تعالیٰ سے تو سوال کرو بطون کف اپنے کے ساتھ، اور نہ سوال کرو اس سے ساتھ ظہور کف اپنے کے، عن مالک بن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظہورھا وفی روایۃ ابن عباس قال سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظہورھا فاذا فرغتم فامسحوا بہا وجوھکم[2] رواہ ابوداؤد۔ اور ترمذی میں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہاتھ دعا میں اٹھاتے تو نہیں چھوڑتے تھے یہاں تک کہ مسح کرتے اپنے منہ کو، عن عمر قال کان رسول اللہ صلی

(۱) میں کہتا ہوں، کہ اس حدیث کو صاحب مجمع الزوائد نے بھی نقل کیا ہے۔ جیسے قال عن محمد بن ابی یحیی قال رأیت عبد اللہ بن الزبیر ورأی رجلا رافعا یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلاتہ فلما فرغ منہا قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ رواہ الطبرانی وترجم لہ فقال محمد بن یحیی الاسلمی عن عبد اللہ بن الزبیر ورجالہ ثقات انتہی۔ مجمع الزوائد قلمی جلد ۴ صفحہ ۴۳ کتاب الادعیۃ باب ماجاء فی الاشارۃ فی الدعاء ورفع الیدین۔ وعن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلیتم الصبح فافرغوا الی الدعاء وباکروا فی طلب الحوائج اللہم بارک لامتی فی بکورھا انتہی۔ اس حدیث کو علی متقی نے کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۷۵ میں صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی وغیرہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ وعن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظہورھا رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح غیر عمار بن خالد الواسطی وہو ثقۃ، مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۴۳ کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۷۵، نفض الوعاء صفحہ ۴۵ وفی روایۃ ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعا عند ابن ماجۃ اذا دعوت اللہ فادع ببطن کفیک الخ حاصل ان حدیثوں کا یہ ہے، کہ آپ نے فرمایا، صبح کی نماز کے بعد یعنی فرض نماز کے بعد دعا مانگو، اور جب دعا مانگو تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگو، نتیجہ یہ ہوا، کہ فرضی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگو، وہو المدعی، واللہ اعلم۔ ابوسعید محمد شرف الدین مصحح فتاوی ہذا۔

(۲) سندہ ضعیف واخرجہ ایضا الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک عن ابن عباس رض مرفوعا کنز العمال۔ ابوسعید محمد شرف الدین۔

اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطہما حتی یمسح بہما وجہہ[1] رواہ الترمذی اور نیز مشکوٰۃ کے صفحہ ۱۸۷ میں ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ ہاتھ اٹھا کے دعا کرتا ہے، تو اللہ شرم کرتا ہے، کہ اس کے ہاتھ خالی پھیر دے۔ عن سلمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ربکم حیی کریم یستحیی من عبدہ اذا رفع یدیہ ان یردھما صفرا رواہ الترمذی وابوداؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر[2]

علاوہ اس کے دعا میں ہاتھ اٹھانا شریعت من قبلنا سے بھی ثابت ہے چنانچہ بخاری صفحہ ۴۷۵ میں ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ کو چھوڑ چلے، پھر جب کہ ثنیہ کے پاس پہنچے، تو قبلہ کی طرف منہ پھیر کر ہاتھ اٹھا کے دعا کی، امام نووی صاحب عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ ھذا الحدیث مشتمل علی کثیر من الفوائد ومنہا استحباب رفع الیدین فی الدعاء انتہی، اور ادب المفرد کے صفحہ ۸۹ میں ہے عن عکرمۃ عن عائشۃ انہ سمعہ منہا انہا رأت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدعو رافعا یدیہ یقول اللھم انما انا بشر فلا تعاقبنی ایما رجل من المؤمنین اذیتہ او شتمتہ فلا تعاقبنی فیہ۔ وعن ابی ھریرۃ قال قدم الطفیل بن عمر الدوسی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ان دوسا عصت وابت فادع اللہ علیہا فاستقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القبلۃ ورفع یدیہ فظن الناس انہ یدعو علیہم فقال اللھم اھد دوسا وائت بہم۔ پس ان احادیث سے ظاہر ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

لہ یہ حدیث بہت سے فوائد پر مشتمل ہے، اس سے دعا میں ہاتھ اٹھانے کا استحباب معلوم ہوتا ہے ۲ حضرت عائشہ رضہ نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے دیکھا، آپ کہہ رہے تھے، اے اللہ میں بھی ایک آدمی ہوں، اگر میں نے کسی مومن کو کوئی تکلیف دی ہو، یا کوئی سخت کلامی کی ہو تو مجھے معاف کر دینا

۳ طفیل بن عمرو دوسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور کہا اے اللہ کے رسول دوس نے نافرمانی کی اور دین حق کا انکار کیا، آپ ان پر بددعا کریں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے، اور اپنے ہاتھ اٹھائے لوگوں نے سمجھا کہ آپ ان پر بددعا کریں گے آپ نے فرمایا، اے اللہ دوس کو ہدایت دے، اور ان کو میرے پاس لا،

---

(۱) اخرجہ ایضا الحاکم فی المستدرک وقال الترمذی صحیح غریب ۱۲ کنز العمال۔ ابو سعید محمد شرف الدین

(۲) اخرجہ ایضا احمد وابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین الترغیب والترہیب وکنز العمال ۱۲ ابو سعید محمد شرف الدین۔

علیہ وسلم ہاتھ اٹھا کے دعا مانگتے تھے، اور دعا میں ہاتھ اٹھانا مسنون طریقہ ہے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ محمد عبدالغفور عفی عنہ، سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ سید محمد عبدالسلام غفرلہ ۱۲۹۹ سید محمد ابوالحسن ۱۳۰۰

**مسئلہ** :۔ چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ رفع یدین در دعائے کہ بعد ادائے نماز کردہ می شود، چنانکہ معمول ائمہ دیار است از احادیث قولیہ یا فعلیہ ثابت است یا نہ ہرچند کہ فقہاء ایں را مستحسن می نویسند و احادیث در مطلق رفع یدین در دعا نیز وارد اند لیکن دریں خصوص ہم حدیثے وارد است یا نہ، بینوا توجروا۔

**ہو المصوب** :۔ دریں خصوص نیز حدیثے وارد است، چنانچہ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق بن السنی در کتاب عمل الیوم واللیلہ می نویسند، حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحق یعقوب بن خالد بن یزید البالسی حدثنا عبدالعزیز بن عبدالرحمن القرشی عن خصیف عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال مامن عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوۃ ثم یقول اللھم الٰھی والہ ابراھیم واسحق ویعقوب والہ جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین۔ اگر گفتہ شود، کہ در سند ایں روایت عبدالعزیز بن عبدالرحمن است، وآں متکلم فیہ است، چنانچہ در میزان الاعتدال وغیرہ مصرح است گفتہ خواہد شد، کہ حدیث ضعیف برائے اثبات استحباب کافی است، چنانچہ ابن ہمام در فتح القدیر

---

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین، کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جیسا کہ اس علاقہ کے علماء کا دستور ہے کسی حدیث قولی یا فعلی سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگرچہ فقہاء اس کو مستحسن کہتے ہیں، اور دعا میں ہاتھ اٹھانے کے متعلق بھی احادیث میں آیا ہے لیکن خصوصا اس دعا کے متعلق بھی کوئی حدیث ہے یا نہیں۔

اس مخصوص دعا کے بارے میں بھی حدیث ہے، انس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا جو آدمی ہر نماز کے بعد اپنے ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کرے اے میرے اور ابراہیم و اسحاق و یعقوب کے خدا، اے جبریل، میکائیل، اسرافیل کے خدا میں اپنی دعا کی قبولیت کا تجھ سے سوال کرتا ہوں، میں بے قرار ہوں، میں مبتلا ہوں میرے دین کو محفوظ رکھ، میں گنہگار ہوں مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، میں مسکین ہوں، میرا فقر دور کردے، تو اللہ پر حق ہے کہ اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے اگر اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس کی سند میں عبدالعزیز بن عبدالرحمن متکلم فیہ ہے

در کتاب الجنائز می نویسد والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع واللہ اعلم

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

| سید محمد نذیر حسین | ابو الحسنات محمد عبد الحی | حسبنا حفیظ اللہ |
|---|---|---|

الجواب صحیح والرای نجیح و یؤیدہ مارواہ ابو بکر بن ابی شیبۃ فی المصنف عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما انحرف رفع یدیہ ودعا الحدیث فثبت بعد الصلوٰۃ المفروضۃ رفع الیدین فی الدعاء عن سید الانبیاء اسوۃ الاتقیاء صلی اللہ علیہ وسلم کما لا یخفی علی العلماء الاذکیاء

حررہ السید شریف حسین عفاء اللہ عنہ فی الدارین	سید شریف حسین

| سید محمد نذیر حسین | حسبنا حفیظ اللہ | محمد عبد الرب | سید احمد حسن |
|---|---|---|---|

**سوالات**:- اول، جو شخص معنی نماز کے نہیں جانتا، اس کی نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں ہوتی؟

دوئم۔ سجدہ تلاوت بے وضو کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوم۔ مسبوق کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا منع ہے؟

چہارم۔ پنج گانہ نمازوں سے کسی نماز کی اذان ہوئی، اذان سن کر ایک شخص پاخانہ چلا گیا، اس کے آنے سے پہلے جماعت ہو چکی ہے، اگر وہ شخص دوبارہ جماعت کرلے، تو جائز ہے یا نہیں؟

ان سوالات کے جوابات مع دلائل ازراہ مہربانی عنایت فرمادیں۔

**جوابات** (۱)، اس کی نماز ہو جاتی ہے، کیونکہ بہت سے عجمی لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، آپ ان کو صرف نماز سجھا دیتے تھے، اور معنی کا سمجھانا ثابت نہیں۔

(۲)، سجدہ تلاوت جمہور کے نزدیک بے وضو درست نہیں ہے، اور عبداللہ بن عمر نے

---

تو اس کا جواب یہ ہے، کہ استحباب کے ثبوت کے لئے ضعیف حدیث بھی کافی ہے، چنانچہ ابن الہمام نے فتح القدیر کتاب الجنائز میں اس کی تصریح کی ہے، اسود عامری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، کہ میں نے صبح کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی، آپ نے سلام پھیرا، اور رخ ہماری طرف کیا، اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی، تو معلوم ہوا کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، واللہ اعلم۔

وضو سجدہ کیا کرتے تھے، اور مشرکین نے بھی بے وضو سجدہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کیا ہے چنانچہ بخاری میں ہے۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سجد بالنجم و سجد معہ المسلمون والمشرکون والجن والانس رواہ البخاری۔ پس اس حدیث سے جواز سجدہ تلاوت بے وضو نیز ثابت ہوتا ہے۔

(۳) مسبوق کے پیچھے نماز پڑھنی حدیث سے مسکوت عنہ ہے، اور اصل مسکوت عنہ میں جواز و اباحت ہے، پس جواز ثابت ہوگا۔

(۴) حوائج ضروریہ مثل بول و براز وغیرہما کا پورا کرنا ضروری ہے، اس اثنار میں اگر جماعت اولی فوت ہوگئی، تو پھر جماعت سے پڑھنا بے شبہ جائز ہے، کیونکہ جماعت ثانیہ کا جواز حدیث سے ثابت ہے، اور اکیلے پڑھنے سے جماعت میں زیادہ ثواب و فضیلت ہے، عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الجماعۃ تعدل خمسا و عشرین من صلوۃ الفذ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

حررہ العبد الضعیف الراجی رحمۃ ربہ القوی ابو حوبز عبد العزیز الملتانی غفر اللہ لہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ۔ الجواب صحیح والرای نجیح

سید محمد نذیر حسین

سید محمد عبد السلام غفر لہ ۱۲۹۰ | سید محمد ابو الحسن | ابو سعید محمد حسین ۱۲۰۹ھ

**سوال۔** عمرو کہتا ہے کہ بے نمازی کے یہاں کا کھانا پانی، اور اس کے ساتھ کھانا، اور مصاحبت جائز و درست نہیں، تاوقتیکہ نمازی نہ ہو جاوے، خالد اور اس کے تابعین کہتے ہیں، کہ بے نمازی بھی مخلوق خدا سے ہیں، سب کے یہاں کا کھانا پانی، اور سب کے ساتھ کھانا پینا درست و جائز ہے، اب سوال یہ ہے، کہ عمرو اور خالد کی باتوں میں سے کس کی بات صحیح ہے اور کس کی غلط۔ بینوا توجروا

**الجواب:۔** بے نمازی کے یہاں کا کھانا اور پانی حرام نہیں ہے، مگر چونکہ بے نمازی اسلام کے ایک رکن اعظم یعنی نماز کا تارک ہے، جو کفر اور ایمان کے درمیان میں مابہ الفرق ہے، اور اسی ترک نماز کی وجہ سے بے نمازی بہت سے علمار کے نزدیک کافر ہیں، اور بعض احادیث سے بھی اس کا کافر ہونا ثابت ہوتا ہے، اور اس کے نہایت درجہ کے فاسق ہونے میں تو کوئی شبہ ہی

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم میں سجدہ کیا، اور آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں اور مشرکوں، اور جنوں اور انسانوں نے بھی سجدہ کیا ۔ ٢ہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت کی نماز اکیلے آدمی کی نماز سے پچیس گنا زیادہ اجر رکھتی ہے۔

نہیں ہے، لہٰذا اس کی دعوت قبول کرنا، اور اس کے یہاں کھانا نہیں کھانا چاہیئے، مشکوٰۃ شریف میں عمران بن حصین سے روایت ہے۔ نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اجابة طعام الفاسقين یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقین کی دعوت قبول کرنے، اور ان کے یہاں کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے، اور بے نمازی سے ملنے جلنے اور اس کے ساتھ مصاحبت رکھنے کی بات یوں ہے، کہ اس کے سمجھانے اور نصیحت کرنے کی غرض سے اس سے مصاحبت ومخالطت جائز ہے پس اگر وہ سمجھ گیا، اور اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت دی، اور نماز پڑھنے لگا فبہا اور اگر باوجود سمجھانے اور نصیحت کرنے کے بھی نماز نہیں پڑھتا، تو اب اس کی مصاحبت ومخالطت سے احتراز چاہیئے، مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما وقعت بنوا اسرائيل في المعاصي نهتهم علماؤهم فلم ينتهوا فجالسوهم في مجالسهم واكلوهم وشاربوهم فضرب الله قلوب بعضهم ببعض فلعنهم على لسان داؤد وعيسى بن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون الحديث رواه الترمذي وابو داؤد یعنی عبداللہ بن مسعود رضہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل معاصی میں پڑے، تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا، سو وہ باز نہیں آئے، پھر ان کے علماء نے ان کے ساتھ مجالست ومصاحبت کی، اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کے قلوب کو بعض کے ساتھ مارا، اور داؤد علیہ السلام اور عیسےٰ علیہ السلام کی زبان سے ان کو لعنت کی، اور یہ اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے، اور حد سے بڑھتے تھے، روایت کیا اس حدیث کو ترمذی اور ابوداؤد نے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ سید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

# کتاب الجمعۃ

**سوال**:- (۱) اگر اتفاق سے عید و جمعہ دونوں ایک ہی دن میں جمع ہو جاویں، تو اس میں جمعہ کا پڑھنا رخصت ہے یا نہیں، زید ایسے دنوں میں جمعہ نہیں ادا کرتا ہے، اور کہتا ہے، کہ میں ایک سنت مردہ کو زندہ کرتا ہوں، یہ کہنا اس کا کیسا ہے؟

(۲) خطبہ جمعہ کے لئے عصا یا قوس کا لینا ضروری ہے یا غیر ضروری ہے؟

(۳) جمعہ کے روز اذان ثالث جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا

**الجواب** (۱) جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاویں، تو اس دن اختیار ہے جس کا جی چاہے جمعہ پڑھے، اور جس کا جی نہ چاہے نہ پڑھے، اور ایسے دنوں میں زید جو نماز جمعہ ادا نہیں کرتا ہے، اور کہتا ہے، کہ میں ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہوں، سو اس کا یہ کہنا اچھا ہے منتقی میں ہے، عن[1] زید بن ارقم رضہ وسالہ معاویۃ ھل شھدت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اجتمعا قال نعم صلی العید اول النھار ثم رخص فی الجمعۃ فقال من شاء ان یجمع فلیجمع رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ وعن ابی ھریرۃ رضہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال قد اجتمع فی یومکم ھذا عیدان فمن شاء اجزاہ وانا مجمعون رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ- وعن وھب بن کیسان رضہ قال اجتمع عیدان علی عھد ابن الزبیر رضہ فاخر الخروج حتی تعالی النھار ثم خرج فخطب ثم نزل

---

[1] زید بن ارقم رضہ سے امیر معاویہ رضہ نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی ایسے موقع کی حاضری تم کو ملی ہے، جب کہ جمعہ اور عید اکٹھے ہو گئے ہوں، زید نے کہا ہاں! آپ نے دن کے پہلے حصہ میں عید کی نماز پڑھی پھر جمعہ کے متعلق رخصت دے دی، کہ جو جمعہ پڑھنا چاہے، پڑھ لے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج تمہاری دو عیدیں جمع ہو گئیں ہیں، جو چاہے اس کے لئے عید کافی ہے، اور ہم جمعہ پڑھیں گے، عبداللہ بن زبیر رضہ کے زمانہ میں عید اور جمعہ اکٹھے ہو گئے، آپ عید کے لئے دیر سے نکلے، خطبہ دیا، اور نیچے اتر آئے، عید کی

فصلی ولم یصل للناس یوم الجمعۃ فذکرت ذلک لابن عباس فقال اصاب السنۃ رواہ النسائی وابوداؤد بنحوہ لکن من روایۃ عطاء انتہی۔

(۲) خطبہ جمعہ کے لئے عصا یا قوس کا لینا ضروری نہیں ہے، بلکہ مندوب و مستحب ہے، عن الحکم بن الحزن شہدنا الجمعۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام متوکئا علی العصا او قوس رواہ ابوداؤد (یعنی حکم بن حزن سے روایت ہے، کہ ہم لوگ جمعہ میں حاضر ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، آپ عصا یا قوس پر ٹیک دے کر کھڑے ہوئے، روایت کیا اس کو ابوداؤد۔ قال فی سبل السلام تحت ھذا الحدیث و فی الحدیث دلیل انہ یندب للخطیب الاعتماد علی عصا او نحوہ وقت خطبتہ والحکمۃ ان فی ذلک ربط القلب ولتعتمد یدیہ علی العبث ومن لم یجد ما یعتمد علیہ ارسل یدیہ او وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ او علی جانب المنبر ویکرہ دق المنبر بالسیف اذ لم یؤثر وھو بدعۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) جائز ہے منتقی میں ہے۔ عن السائب بن یزید رض قال کان النداء علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعۃ اولہ اذا جلس الامام علی المنبر علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رض وعمر رض فلما کان عثمان رض وکثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء ولم یکن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن غیر واحد رواہ البخاری والنسائی وابوداؤد وفی روایۃ لھم فلما کانت خلافۃ عثمان وکثروا امر عثمان یوم الجمعۃ بالاذان الثالث فاذن بہ علی الزوراء فثبت الامر علی ذلک انتہی واللہ اعلم بالصواب

حررہ عبدالرحیم عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

نماز پڑھی اور لوگوں کو جمعہ نہ پڑھایا، ابن عباس سے اس کا تذکرہ ہوا تو انہوں نے فرمایا اس نے سنت کے مطابق کیا ۱؎ اس حدیث میں دلیل ہے، کہ خطیب کو عصا پر ٹیک لگانا مستحب ہے، اور اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ اس سے جمعیت خاطر رہتی ہے، جو عصا پر ٹیک نہ لگائے گا، وہ کبھی ہاتھوں کو حرکت دے گا کبھی چھوڑ دے گا، کبھی باندھ لے گا، اور لاٹھی یا تلوار سے منبر کو کھٹکھٹانا مکروہ ہے ۲؎ سائب بن یزید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رض و عمر رض کے زمانہ میں پہلی اذان اس وقت ہوتی تھی، جب امام منبر پر بیٹھتا، اور جب عثمان رض کا زمانہ آیا، اور لوگ زیادہ ہو گئے، تو زوراء مقام پر تیسری اذان بڑھا دی گئی، اور حضور کے زمانہ میں ایک ہی مؤذن ہوتا تھا، اور ایک روایت میں ہے، جب عثمان رض کی خلافت ہوئی اور لوگ زیادہ ہو گئے، تو حضرت عثمان نے جمعہ کے دن تیسری اذان بڑھا دی پس زوراء پر اذان دی گئی پھر معاملہ اس پر ٹھہر گیا

**سوال**: جمعہ کے روز جب امام خطبہ پڑھتا ہو، اور کوئی شخص باہر سے آکر السلام علیکم کہے، تو یہ السلام علیکم کہنا یا اس کا جواب دینا جائز ہے یا منع ہے؟

**الجواب**: جس وقت خطیب خطبہ دے رہا ہو اس وقت سلام نہیں کہنا چاہیئے، کیونکہ سلام کہنا سنت ہے، اور خطبہ کا سننا فرض ہے، تو سلام کہنے والے نے فرض کو ترک کیا، لہذا خطبہ کے وقت سلام نہیں کہنا چاہیئے، اور اگر کسی نے سلام کہا، تو سننے والا چپکے سے جواب دے دے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید محمد عبد الحفیظ غفر لہ

| سید محمد نذیر حسین ۱۲۸ | سید محمد عبد السلام غفر لہ ۱۲۹۹ | سید محمد ابو الحسن ۱۳۰۵ |
|---|---|---|

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ آج کل بعد نماز جمعہ کے چار رکعت احتیاط الظہر پڑھتے ہیں، اور تارک کو اس کے ملوم جانتے ہیں اور یہاں تک پابندی اس کی ہوگئی، کہ بعض شہروں میں تو مثل جدہ وغیرہ کے جماعتیں اس کی ہونے لگی ہیں، آیا یہ نماز احتیاط کی اس صورت مسئولہ میں جائز ہے یا نہیں، اور اگر ایسی پابندی ایک خاص شخص کے عقیدے میں نہ ہو، مگر اس کو ایسی پابندی کے زمانہ میں دوسروں کے ساتھ مشابہت اس عمل کی جائز ہے یا نہیں، اور اگر وہ پڑھے گا، انہی میں داخل ہوگا یا نہیں، اور بصورت عدم پابندی واصرار کالوجوب کے نفس اس نماز احتیاط کا کیا مسئلہ ہے جس نے اس کو نکالا تھا کس بنا پر نکالا تھا اور کس درجہ میں رکھا تھا، اور اب کس درجہ میں پہنچا، اور تعجب پر تعجب ہے، کہ اس نماز احتیاط کو عوام کیا بعض علماء بھی پڑھتے ہیں، واللہ اعلم ان کے پاس کون سی دلیل کتاب و سنت و قیاس واجتہاد سے ہے، اور بظاہر یہ نماز احتیاط نماز شک پائی جاتی ہے، کہ اگر جمعہ نہ ہوا تو ظہر ہو جائیگی آیا قیاس اس کا صوم یوم الشک پر ہو سکتا ہے یا نہیں، اور من جملہ دوسری بدعات محدثہ فی الدین کے ہے یا نہیں، بالکل جواب اس مسئلہ کا صاف صاف مدلل بدلائل شرعیہ و مزین بمہر ودستخط خاص آنجناب عنایت فرمادیں، بینوا توجروا۔

**الجواب**: مذہب حنفیہ میں شرائط جمعہ میں مصر یعنی شہر اور ہونا امام یا اس کے نائب کا لکھتے ہیں، لہذا چونکہ امام اور اس کا نائب ہندوستان میں بسبب تسلط کفار کے نہیں پایا جاتا، تو بنا مذہب حنفیہ پر جمعہ نہ ہوا، اور چونکہ دیگر ائمہ نے یہ شرط نہیں رکھی، تو ان کے مذہب پر جمعہ ادا ہو جاتا ہے، مگر چونکہ دوسری خرابی یہ ہوگئی، کہ ایک شہر میں دو تین جگہ جمعہ کا پڑھنا ان کے نزدیک درست نہیں، جس کا جمعہ اول واقعہ ہوتا ہے، اس کا جمعہ تو ادا ہوا، اور جس کا بعد ہوا

اس کے ذمہ پر ظہر کی نماز قائم رہی، اور یہ حال دریافت نہیں ہوسکتا، کہ کس کا جمعہ پہلے ہوا، تو ان مذاہب پر بھی محل تعدد جمعہ میں ہر شخص کو تردد واسطے جمعہ اور سقوط ظہر میں رہتا ہے، اس وجہ سے لوگوں نے ایجاد احتیاط ظہر کا کیا تھا، کہ اگر جمعہ ادا نہ ہووے گا، تو ظہر بالیقین ذمہ سے ساقط وادا ہو جاوے گی، اور جو جمعہ ادا ہو گیا، تو یہ رکعات نفل ہو جاویں گی، یہ اصل اس کی ہے مگر احناف یعنی حنفیوں کا یہ عمل پسند نہیں، اول تو یہ احتیاط وجوب کے درجہ کو پہنچی، اور یہ خود بدعت ہے دوسرے بعضے اولی النزاع یعنی آپس جھگڑا اٹھانے والے ہو گئے، اگر درجہ احتیاط واستحباب میں رہتے، تو خیر سہل بات تھی، پھر یہ کہ جن علماء نے شرطیت وجود امام ونائب دریافت ہوئی ہے وہی علماء یہ بھی یہ لکھتے ہیں، کہ اگر امام ونائب سے تعذر ہو تو مسلمین اپنا امام جمعہ مقرر کر کے ادا کریں بس اب اس روایت سب جگہ امام موجود ہوتا ہے، تو ایسی حالت میں جب مصر میں جمعہ پڑھا گیا، ادا ہو گیا، اور سقوط ظہر ذمہ سے ہو چکا پس احتیاط ظہر لغو ہے، اور جن لوگوں کے نزدیک یہ قول علماء کا معتبر نہیں، تو خود شرط جمعہ کی مفقود ہے، چاہیئے کہ ظہر بجماعت پڑھا کریں، یہ کیا بے موقع بات ہے، کہ شرط جمعہ کی موجود نہیں اور فقط تردد کی وجہ سے نوافل کو بجماعت ادا کریں، اور فرض وقت کو فرادی یعنی تنہا تنہا پڑھیں، یہ سخت خرابی ہے، پس احناف کا احتیاط ظہر تو بایں وجہ پسند نہیں کرتا ہوں، خصوصاً اس صورت وجوب اور نزاع میں اور دیگر اہل مذاہب پر یہ اعتراض ہے کہ اگر تعدد درست نہیں، تو دیدہ ودانستہ اس حرکت لا یعنی یعنے بے فائدہ کو کیوں اختیار کیا، واجب ہے، کہ سب جمع ہو کر ایک جگہ جمعہ کو ادا کریں، الغرض یہ امر نہایت لغو اور فضول اور سستی دین کا باعث ہے، اور موجب کمال غفلت اور بے پرواہی دین سے ہونے کا ہے، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

رشید احمد

الجواب صحیح ۔ محمد امیر الدین پٹیالوی، واعظ جامع مسجد دہلی

محمد امیر الدین ۱۳۰۱

طلع الحق حق الطلوع وسطع الصدق حق السطوع فما قال ملک العلماء، سلطان الاتقیاء، زین المفسرین، رئیس المحدثین، نعمان ادانا مجدد زماننا، نائب رسول اللہ الصمد علیہ صلوات من اللہ الاحد مولانا العالم العامل الحافظ الحاج رشید احمد مد اللہ ظلال فیوضہ علی رؤس العالمین اللھم امین فھو حق والحق احق بالاتباع واولی کان الحق یعلو ولا یعلی۔ حررہ اول تلامذتہ الفقیر محمد حسین عفا اللہ عنہ

فقیر محمد حسین ۱۲۵۰

قادر بخش عفی عنہ ۱۳۰۴ مدرس مدرسہ حسین بخش

جواب ہذا صحیح ہے۔ حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ۔ محمد ساکن درگاہ سلطان نظام الدین اولیا ضلع دہلی
المجیب مصیب، محمد حسین خان خورجوی بقلم خود، اصاب من اجاب، محمد حمایت اللہ عفا اللہ عنہ
جواب بہت صحیح اور ٹھیک ہے، اور خلاف اس کا ضلالت و بدعت سیئہ ہے، کیونکہ اس
فعل نامقبول کو کسی نے بھی ائمہ اربعہ سے نہیں کیا ہے، کما ہو فی البحر وتاتارخانی وغیرہما من کتب
الفقہ، اور اصل میں یہ یعنی نماز احتیاط الظہر بدعت سیئہ ایک بادشاہ عباسی معتزلی کہ عرب و عجم
وغیرہ کا بادشاہ تھا، اس کی نکالی ہوئی ہے، حنفی مذہب میں ہرگز یہ نماز درست نہیں ہے، جواب
یہ کہ ہے، وہ نہ حنفی ہے نہ مالکی نہ شافعی نہ حنبلی بلکہ معتزلی مذہب ہے، اس ظالم نے یہ حکم دیا تھا
کہ نماز احتیاط الظہر کل جگہ جاری کی جائے، جو اس کو نہ کرے اسے تعزیر لگائی جائے، جو مولوی
اس وقت میں عبد الدینار والدرہم تھے اس کو قبول کیا، اور فتووں میں درج کر گئے، اور مذہب حنفی
بالائے طاق رکھا، اس قصہ کو ایک عالم جید قصوری پنجابی حنفی المذہب نے خوب تحقیق سے
لکھا ہے، کذا فی تفسیر المحمدی، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو رکعت یا چار رکعت بعد
جمعہ کے اور پڑھتے تھے، فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العاجز محمد عبد الوہاب پنجابی نزیل دہلی

| خادم شریعت رسول الاواب<br>ابو محمد عبد الوہاب ۱۳۰۰ |
|---|

| سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹ | ابو محمد عبد الحق ۱۳۰۵ | لودبانوی |
|---|---|---|

| ہذا الجواب صحیح | سید محمد اسماعیل ۱۲۸۱ | فرید آبادی | سید محمد نذیر حسین |
|---|---|---|---|

جواب صحیح ہے۔ محمد فقیر اللہ پنجابی، ضلع شاہ پور، محمد ناظم ملک بنگالہ ضلع فریدپور
ہذا جواب صحیح۔ حررہ ثابت علی، ضلع اعظم گڑھ۔ الجواب صحیح۔ محمد طاہر سلہٹی
مسکین عبد الغنی، ضلع کرنال

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چھوٹا گاؤں جس میں جمعہ
درست نہیں اس کی کیا تعریف ہے اور بڑا گاؤں جس میں جمعہ درست ہے، وہ کتنے آدمیوں
کا ہونا ہے، اور اگر چھوٹے گاؤں میں پڑھیں، تو پھر ظہر پڑھنا ضرور ہے یا نہیں، اور بڑے گاؤں
میں جمعہ کے بعد ظہر پڑھیں یا نہیں بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ واضح ہو کہ جمعہ پڑھنے کے لئے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت
نہیں ہے کیونکہ یہ بات کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے بلکہ شرعی دلیل سے یہ ثابت ہے
کہ جمعہ کا پڑھنا ہر جگہ فرض ہے، خواہ شہر ہو یا گاؤں اور خواہ بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا گاؤں چنانچہ قرآن

شریف میں ہے۔ یا ایہا الذین امنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ، یعنی اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جاوے، تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، ظاہر ہے، کہ اس آیت میں جناب باری تعالیٰ نے عام طور پر ہر مسلمان کو فرمایا کہ جمعہ کے دن جمعہ کی اذان ہو تو لوگ فوراً حاضر ہوں لہذا اس آیت سے صاف معلوم ہوا، کہ جمعہ کے لئے کسی قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہاں البتہ حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ جمعہ کے لئے اس قدر آدمی ہونے چاہئیں، کہ جماعت ہو جاوے، چنانچہ منتقی میں ہے، عن طارق بن شہاب عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ عبد مملوک او امرأۃ او صبی او مریض رواہ ابوداؤد انتہی۔ مختصراً یعنی ہر مسلمان پر فرض ہے، کہ جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے، مگر چار شخص غلام مملوک، عورت اور لڑکا، اور مریض یعنی ان چار شخصوں پر نماز جمعہ فرض نہیں، پس جمعہ کے لئے اتنے آدمی ہونے چاہئیں، کہ جن سے جماعت ہو جاوے، اور جماعت کے لئے کم از کم دو شخص ہونا چاہیئے نیل الاوطار میں ہے واما[1] الاثنان فبانضمام احدھما الی الآخر یحصل الاجتماع وقد اطلق الشارع اسم الجماعۃ علیہما فقال الاثنان فما فوقہما جماعۃ کما تقدم فی ابواب الجماعۃ خلاصہ یہ کہ دو شخصوں سے جماعت ہو جاتی ہے، اب آیت اور حدیث دونوں کے ملانے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ جمعہ کے لئے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ بقدر جماعت آدمی ہونے چاہئیں جس کا کم سے کم درجہ دو عدد ہے، لہذا ان دلیلوں کے بموجب اگر کوئی ایسی بستی ہو، کہ اس میں صرف دو ہی مسلمان ہوں تو ان پر بھی جمعہ فرض ہے۔

ہاں البتہ حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے مصر یعنی شہر کا ہونا شرط ہے اور اس کے ثبوت میں حضرت علی رض کے اس قول سے لا[2] جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع لیکن واضح ہو کہ حضرت علی رض کے اس قول سے جمعہ کے لئے مصر کا شرط ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور خود حنفیہ کے اصول و قواعد کی رو سے بھی ثابت نہیں ہوتا اس واسطے کہ آیت قرآن اور احادیث صحیحہ مرفوعہ اس قول کی صاف نفی کرتی ہیں کیونکہ آیت و احادیث مرفوعہ سے

---

[1] لیکن دو جب ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں، تو اجتماع حاصل ہو جاتا ہے، اور شارع نے اس پر جماعت کا اطلاق کیا ہے، فرمایا دو اور اس سے اوپر جماعت ہے ۱۲ [2] جمعہ، تشریق، فطر، اضحیٰ بڑے شہر ہی میں ہو سکتے ہیں۔

ثابت ہوتا ہے، کہ صحت جمعہ کے لئے مصر کا ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ ہر جگہ اور ہر مقام میں اقامت جمعہ صحیح و درست ہے مصر ہو خواہ مصر نہ ہو اور حنفیہ لکھتے ہیں، کہ جب حدیث مرفوع صحابی کے کسی قول کی نفی کرے یعنی صحابی کا قول حدیث مرفوع کے خلاف ہو تو وہ قول حجت نہیں ہے فتح القدیر میں ہے۔ قول الصحابی حجۃ فیجب تقلیدہ عندنا اذا لم ینفہ شئ اخر من السنۃ انتہی۔ بناء علیہ حضرت علی رضؓ کا قول مذکور حجت نہیں ہو سکتا، لہذا اس قول سے جمعہ کے لئے مصر کا شرط ٹھہرانا خود حنفیہ کے اصول سے بھی باطل ہے، اور جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا ہرگز جائز نہیں ہے، کیونکہ کسی دلیل شرعی سے جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا ثابت نہیں، اور جو لوگ جمعہ کے بعد ظہر پڑھنے کے قائل ہیں، وہ یہ وجہ بیان کرتے ہیں، کہ دیہاتوں میں جمعہ کے فرض ہونے میں شک ہے، اس وجہ سے احتیاطاً ظہر پڑھ لینا چاہیئے، سو یہ وجہ بالکل غلط اور باطل ہے، کیوں کہ قرآن و احادیث سے دیہات اور غیر دیہات میں جمعہ کا فرض ہونا نہایت صاف اور صراحت کے ساتھ ثابت ہے، اور اس میں کسی قسم کا ذرا بھی شک و شبہ نہیں پس جمعہ کے بعد ظہر کو جائز بتانا بناء فاسد علی الفاسد ہے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ ابو محمد عبد الحق اعظم گڈھی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

۹ ذی قعدہ ۱۳۱۶ھ

**ہو الموفق:** فی الواقع قرآن و حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے، کہ ہر جگہ اور ہر مقام میں اقامت جمعہ درست ہے، اور چھوٹے اور بڑے گاؤں کی تفریق نہیں آئی ہے، کہ بڑے گاؤں میں تو جمعہ درست ہو اور چھوٹے گاؤں میں نادرست، بلکہ ہر جگہ اور ہر گاؤں میں خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اقامت جمعہ درست ہے، اور علمائے حنفیہ جمعہ کے درست ہونے کے لئے جو مصر کا ہونا شرط لکھتے ہیں، سو ان کی یہ بات بالکل بے دلیل ہے، اور ساتھ اس کے مصر کی تعریف میں انہوں نے بڑا ہی اختلاف کیا ہے کوئی مصر کی تعریف کچھ لکھتا ہے اور کوئی کچھ، اور ان کی تعریفات متخالفہ و متناقضہ میں سے کوئی تعریف بھی نہ لغت سے ثابت ہے اور نہ قرآن و حدیث سے، بلکہ فقہائے حنفیہ نے محض اپنی اپنی رائے سے لکھی ہیں، اور جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا ہرگز جائز نہیں، نہ چھوٹے گاؤں میں اور نہ بڑے گاؤں میں اور نہ کسی اور مقام میں، رسالہ تحقیقات العلی میں مرقوم ہے، کہ نماز جمعہ فرض عین ہے، فرضیت ظہر اس سے ساقط ہو جاتی ہے، اس لئے کہ صلوٰۃ جمعہ قائم مقام صلوٰۃ ظہر ہے، پس جس شخص نے ظہر احتیاطی ادا کی، اس نے ایک صلوٰۃ مفروضہ کو

ؒ ہمارے نزدیک صحابی کا قول حجت ہے اور اس کی تقلید ضروری ہے جب کہ اس سے کسی حدیث کی نفی نہ ہو

دو بار ایک دن ایک وقت میں بلا اذن شارع ادا کیا، اور یہ ممنوع ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصلوا صلوٰۃ فی یوم مرتین رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی۔ پس جب جمعہ بالکل قائم مقام ظہر کے ہوا، تو اب جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا جائز نہ ہوا، اور کسی سلف صالحین صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین وتبع تابعین وائمہ مجتہدین اور محدثین رحمہم اللہ سے یہ ظہر احتیاطی منقول نہیں، نہ ان میں سے کسی نے پڑھا، اور پڑھنے کا حکم دیا بلکہ یہ ظہر احتیاطی بدعت ومحدث فی الدین ہے، پڑھنے والا اس کا عاصی وآثم ہوگا کیوں کہ یہ ایک بدعت نکالی گئی ہے، دین میں بعض متاخرین حنفیہ نے اس کو نکالا ہے، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے۔ وقد افتیت مرارا بعدم صلوٰۃ الاربع بعدھا بنیۃ ظہر خوف اعتقادھم عدم فرضیۃ الجمعۃ وھو الاحتیاط فی زماننا۔ اور بھی بحر الرائق میں ہے، لهذا طال فی فتح القدیر فی بیان دلائلها ثم قال انما اکثرنا فیہ نوعا من الاکثار لما نسمع من بعض الجہلۃ انہم ینسبون الی مذهب الحنفیۃ عدم افتراضها الی قولہ اقول قد اکثر ذلك من جهلة زماننا ایضا ومنشأ جهلهم صلوٰۃ الاربع بعد الجمعۃ بنیۃ الظہر وانما وضعها بعض المتاخرین عند الشك فی صحۃ الجمعۃ بسبب روایۃ عدم تعددها فی مصر واحد ولیست هذه الروایۃ بالمختارۃ ولیس هذا القول اعنی اختیار صلوٰۃ الاربع بعدها مرویا عن ابی حنیفۃ وصاحبیہ انتہی کلامہ۔ پس مروج سنت وہ ہے جو کہ اس بدعت ومحدث فی الدین کی بیخ کنی کرے، اور لوگوں کو اس ظہر احتیاطی کے پڑھنے سے روکے، انتہی ما فی تحقیقات العلی مختصرا۔ واللہ اعلم کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

---

لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ہی دن میں ایک ہی نماز کو دو مرتبہ مت پڑھو۔

ے۲ میں نے کتنی مرتبہ فتوی دیا ہے، کہ جمعہ کے بعد چار رکعت ظہر کی نیت سے جائز نہیں جس کو ہمارے زمانہ میں احتیاطی کہا جاتا ہے۔ ے۳ فتح القدیر میں اس کے دلائل کو بسط سے بیان کیا ہے، پھر کہا ہم نے اس بحث کو اس لئے طول دیا ہے، کہ بعض جاہلوں سے سننے میں آتا ہے، کہ وہ اپنے آپ کو حنفی کہنے میں اور جمعہ کو فرض نہیں سمجھتے۔ میں کہتا ہوں ہمارے زمانہ میں جاہلوں کی اکثریت ہے اور ان کی جہالت کی دلیل یہ ہے، کہ وہ جمعہ کے بعد ظہر کی نیت سے چار رکعت پڑھتے ہیں، جس کو بعض متاخرین نے جمعہ میں شک کی وجہ سے جاری کیا ہے، اور شک اس بنا پر ہے کہ ایک شہر میں متعدد جمعے جائز نہیں، اور یہ روایت صحیح نہیں، اور نہ ہی چار رکعت کا ثبوت بعد جمعہ کے امام ابوحنیفہ اور صاحبین سے مروی ہے ۱۲

یہ فتوی گو نا تمام ہے اور سوال ہی مذکور نہیں، چونکہ اس کا مضمون نہایت ہی مفید معلوم ہوتا ہے اس لیے بغرض حصول ثواب و فائدہ عام جو کچھ دستیاب ہو سکا ہے، ذیل میں ہدیہ ناظرین ہے، وہو ہذا۔

**سوال:۔** . . . . . . . . . . . .

**الجواب:۔** در ہدایہ مرقوم است لا تصح الجمعۃ الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقولہ علیہ السلام لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع۔ والمصر الجامع کل موضع لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود وھذا عن ابی یوسف وعنہ انھم اذا اجتمعوا فی اکبر مساجدھم لو یسعھم الاول اختیار الکرخی وھو الظاھر والثانی اختیار الثلجی ولا تجوز اقامتھا الا للسلطان او لمن امرہ السلطان لانھا تقام بجمع عظیم وقد تقع المنازعۃ فی التقدم والتقدیم وقد یقع فی غیرہ فلا بد منہ تتمیما لامرھا انتہی، وشیخ عبد الحق محقق محدث دہلوی در فتح المنان فی تائید مذہب النعمان می فرماید ھذا التقریر الھدایۃ وظاھرہ یفید الاولویۃ والاحتیاط عقلا لا الاشتراط وعدم جواز الصلوۃ بدونہ شرعا وقال الشیخ ابن الھمام حقیقۃ ھذا الوجہ لاشتراط السلطان لئلا یؤدی الی عدمھا کما یفیدہ قولہ تتمیما لامرھا انتہی

درین جا تقریر دلپذیر بحر العلوم مولانا عبد العلی مرحوم کہ در ارکان اربعہ می فرماید ملاحظہ باید کرد۔ ومنھا السلطان او امرہ باقامۃ الجمعۃ عند الحنفیۃ خاصۃ لا عند الشافعیۃ فانھم یقولون اذا اجتمع مسلموا بلدۃ وقدموا اماما وصلوا الجمعۃ خلفہ جازت الجمعۃ

---

الجواب:۔ ہدایہ میں ہے جمعہ مصر جامع یا شہر کی عیدگاہ کے علاوہ جائز نہیں اور بستیوں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں آپ کا فرمان ہے جمعہ تشریق، عید الفطر اور عید الاضحی مصر جامع کے سوا جائز نہیں مصر جامع ہر وہ جگہ ہے جہاں کوئی امیر یا قاضی ہو جو احکام کا نفاذ کرے، حدود قائم کرے۔ امام ابو یوسف کا مذہب ہے اور امام صاحب کے نزدیک مصر جامع وہ ہے کہ اگر وہاں کے رہنے والے سب سے بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو اس میں سما نہ سکیں امام کرخی نے اسی کو پسند فرمایا ہے اور دوسرے قول کو ثلجی نے پسند کیا ہے، نیز جمعہ بادشاہ قائم کرے یا اس کا نائب کیونکہ اس وقت مجمع کثیر ہوتا ہے شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے فتح المنان میں بیان کیا ہے کہ ہدایہ کی اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے [illegible] بادشاہ حاضر ہو [illegible] جواز صلوۃ میں [illegible]

مولانا عبد العلی مرحوم ارکان اربعہ میں بیان کرتے ہیں، کہ حنفیہ کے نزدیک اقامت جمعہ میں سلطان یا اس کے نائب کا ہونا شرط ہے اور شافعیہ کے نزدیک شرط نہیں، وہ کہتے ہیں، کہ کسی شہر کے لوگ جمع ہو جائیں اور ایک امام ان کو جمعہ پڑھا دے، تو یہ جائز ہے، لیکن

والمامور من قبل السلطان افضل ولم اطلع على دليل يفيد اشتراط امر السلطان و
ما في الهداية لانها تقام بجماعة فعسى ان تقع منازعة في التقدم والتقديم لان
كل انسان يطلب لنفسه رتبة فلابد من امر السلطان ليدفع هذه المنازعة فهذا
راى لا يثبت للاشتراط لاطلاق نصوص وجوب الجمعة ثم هذه المنازعة تندفع
باجماع المسلمين على تقديم واحد كما ان رتبة السلطان يطلبها كل احد من الناس
فعسى ان تقع المنازعة فلا يصح نصب السلطان لكن تندفع هذه المنازعة باجماع
المسلمين على تقديم واحد فكذا هذا وكما في جماعة الصلوة عسى ان تقع المنازعة
في تقديم رجل لكن تندفع باجماع المصلين فكذا في الجمعة ثم الصحابة اقاموا الجمعة
في زمان فتنة بلوى امير المؤمنين عثمان وكان هو اماما حقا محصورا ولم يعلم انهم
طلبوا الاذن في اقامة الجمعة بل الظاهر عدم الاذن لان هؤلاء الاشقياء من اصحاب
الشر لم يرخصوا ذلك فعلم ان اقامة الجمعة غير مشروطة عندهم بالاذن ولعل لهذه
الواقعة يرجع المشائخ عن هذا الشرط فيما تعذر الاستيذان وافتوا بانه ان تعذر الاستيذان
من الامام فاجتمع الناس على رجل يصلى بهم كذا في العالمگيرية ناقلا عن التهذيب انتهى

وآنکہ مخالفین استدلال نمودہ اند بحدیث لا جمعة ولا تشریق الحدیث بر شرطیت مصر
آن قابل احتجاج واستدلال نمی تواند شد زیرا کہ ضعیف است باتفاق. قال الامام النووی

---

سلطان وقت کی طرف سے کسی کا مقرر ہونا افضل ہے مگر مجھے کوئی ایسی دلیل نہیں ملی اور ہدایہ میں جو مذکور ہے کہ اگر اکٹھے ہوں گے تو امامت
جمعہ کے لئے تنازع پیدا ہوگا اس لئے سلطان وقت کا حاضر ہونا ضروری ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں کیونکہ لوگ اجماع کے ساتھ کسی ایک کو
جمعہ کے لئے مقرر کر لیں گے اس طرح جماعت کی امامت میں بھی تنازع پڑ سکتا ہے لیکن وہ نمازیوں کے اجماع سے رفع ہو جاتا ہے، اسی طرح
جمعہ میں بھی ہو سکتا ہے، اور حضور سلطان کی شرط کی ضرورت نہیں صحابہ نے حضرت عثمان کے محاصرہ کے زمانہ میں جمعہ پڑھ لیا تھا حالانکہ حضرت
عثمان خلیفہ برحق تھے، اور کہیں یہ مروی نہیں کہ انہوں نے اقامت جمعہ کے لئے حضرت عثمان سے اجازت طلب کی بلکہ فتنہ پرداز لوگ
اس بات کی رخصت بھی کب دیتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک جمعہ کے لئے حضور سلطان کی شرط نہیں، ممکن ہے مشائخ
اس کی توجیہ یہ کرتے ہوں کہ اس وقت استیذان متعذر تھا اور اس حالت میں انہوں نے اس بات کا فتوی دیدیا ہو کہ کوئی ایک شخص
بالاتفاق تمام نمازیوں کو [illegible] عالمگیریہ ناقلا عن التہذیب انتہی۔

نیز مخالفین نے جس حدیث لا جمعة ولا تشریق الخ سے استدلال کیا ہے تو باتفاق محدثین ضعیف ہے، امام نووی کہتے ہیں حدیث
لا جمعة ولا تشریق کے ضعف پر تمام محدثین کا اتفاق ہے امام احمد نے بھی اسے ضعیف کہا ہے کہ اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں، ابن حزم نے

حدیث لا جمعة ولا تشریق الحدیث متفق علی ضعفه، و امام احمد نیز تضعیفش نموده و گفته رفع او صحیح نیست، و ابن حزم جزم بوقف او نموده و اجتهاد را دراں دخل است، پس منتهض برائے احتجاج نمی شود، حالا ذکر می شود ضعف حدیث لا جمعة ولا تشریق بتفصیل تام فاستمع وانصف ولا تعصب اذا تلك الله رحیق التحقیق باب صلوٰة الجمعة الحدیث الاول عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لا جمعة ولا تشریق ولا نطر ولا اضحی الا فی مصر جامع قلت غریب مرفوعا وانما وجدناه موقوفا علی علی رض رواه عبد الرزاق فی مصنفه اخبرنا معمر عن ابی اسحق عن الحارث[1] عن علی رض قال لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع انتهی ورواه ابن ابی شیبة فی مصنفه حدثنا عباد بن العوام عن حجاج عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی قال لا جمعة ولا تشریق ولا صلوٰة فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع او فی مدینة عظیمة انتهی ورواه عبد الرزاق ایضا انا الثوری عن زبید الایامی عن سعد بن عبیدة عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی رض قال لا تشریق ولا جمعة الا فی مصر جامع واخرجه البیهقی فی المعرفة عن شعبة عن زبید الایامی به قال وکذلك رواه الثوری عن زبید به وهذا انما یروی عن علی رض موقوفا فاما النبی صلی الله علیه وسلم فانه لا یروی عنه فی ذلك شیء انتهی کلامه۔ تخریج هدایة للزیلعی۔

باید دانست کہ در روایت عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ حدیث لا جمعة ولا تشریق مروی است بروایت حارث از علی رض امام مسلم در مقدمہ جامع صحیح خود صفحہ چہاردہم و پانزدہم نوشتہ

---

اس کو موقوف قرار دیا ہے اب اس کی صحت اور عدم کے متعلق تفصیل سے سنیئے حدیث لا جمعة ولا تشریق الخ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ یہ حضرت علی پر موقوف ہے اور مرفوع صحیح نہیں ابن ابی شیبہ نے عباد بن عوام عن حجاج عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی کی سند سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے، عبدالرزاق نے بھی انا الثوری عن الزبید الایامی عن سعد بن عبیدة عن ابی عبدالرحمن السلمی عن علی کی سند سے اس کو روایت کیا ہے بیہقی نے معرفت میں عن شعبة عن زبید الایامی کے واسطے سے حضرت علی سے موقوف روایت کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں کچھ ثابت نہیں (تخریج ہدایہ) عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں حدیث لا جمعة ولا تشریق حارث عن علی کی روایت سے مروی ہے لیکن امام مسلم نے اپنی جامع صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ شعبی کہتے ہیں کہ حارث اعور بڑا کذاب تھا نیز انہوں نے سند کے ساتھ مغیرہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے شعبی سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ مجھ سے یہ

---

(۱) قال ابو داؤد فی مقدمته واما ابو اسحاق عن الحارث عن علی فلم یسمع ابو اسحاق من الحارث الا اربعة احادیث لیس فیها مسند واحد انتهی۔

حدثنا قتیبۃ بن سعید قال حدثنا جریر عن مغیرۃ عن الشعبی قال حدثنی الحارث الاعور وکان کذابا حدثنا ابو عامر عبد اللہ بن براد الاشعری قال حدثنا ابو اسامۃ عن مفضل عن مغیرۃ قال سمعت الشعبی یقول حدثنی الاعور وھو یشھد انہ احد الکاذبین وحدثنا قتیبۃ بن سعید قال حدثنا جریر عن مغیرۃ عن ابراھیم قال قال علقمۃ قرأت القرآن فی سنتین فقال الحارث القرآن ھین والوحی اشد وحدثنی حجاج بن الشاعر قال حدثنا احمد یعنی ابن یونس قال حدثنا زائدۃ عن الاعمش عن ابراھیم ان الحارث قال تعلمت القرآن فی ثلاث سنین والوحی فی سنتین او قال الوحی ثلاث سنین والقرآن فی سنتین وحدثنی حجاج بن الشاعر قال حدثنی احمد وھو ابن یونس قال حدثنا زائدۃ عن منصور والمغیرۃ عن ابراھیم ان الحارث اتھم وحدثنا قتیبۃ بن سعید قال حدثنا جریر عن حمزۃ الزیات قال سمع مرۃ الھمدانی من الحارث شیئا فقال اقعد بالباب قال فدخل مرۃ واخذ سیفہ وقال واحس الحارث من الشر فذھب انتھی ما فی مقدمۃ صحیح مسلم وقال الامام الحافظ الذھبی فی میزان الاعتدال روی مغیرۃ عن الشعبی حدثنی الحارث الاعور وکان کذابا وقال منصور عن ابراھیم ان الحارث اتھم وروی ابو بکر بن عیاش عن مغیرۃ قال لم یکن الحارث یصدق عن علی فی الحدیث وقال ابن المدینی کذاب وقال ابن معین ضعیف وقال الدارقطنی ضعیف وقال ابن عدی عامۃ ما یرویہ غیر محفوظ وعن الشعبی ما کذب علی احد من ھذہ الامۃ ما کذب علی علی رض وقال ایوب کان ابن سیرین یری ان عامۃ ما یروی عن علی رض باطل وقال الاعمش عن ابراھیم عن الحارث قال تعلمت القرآن فی

حدیث اعور نے بیان کی لیکن وہ ایک جھوٹا آدمی ہے نیز قتیبہ بواسطہ مغیرہ ابراہیم سے بیان کرتے ہیں کہ علقمہ کہنے لگے میں نے قرآن دو سال میں حفظ کیا یہ سنکر حارث کہنے لگا کہ قرآن تو بہت آسان ہے اور وحی بہت سخت ہے نیز اس روایت کو زائدہ نے اعمش سے ابراہیم سے بیان کیا ہے کہ حارث کہتا تھا کہ میں نے قرآن تین سال میں سیکھا اور وحی دو سال میں ابراہیم کہتے ہیں کہ حارث متہم ہے حمزۃ الزیات کہتے ہیں کہ حارث ہمدانی نے ایک مرتبہ حارث سے کچھ سنا اور کہا دروازے کے باہر بیٹھو وہ اندر آگیا اور چپکے سے اس کی تلوار پکڑلی حافظ ذہبی نے شعبی سے ذکر کیا ہے کہ شعبی اسے کذاب کہا کرتے تھے ابوبکر بن عیاش مغیرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حارث حضرت علی سے روایت بیان کرنے میں سچا نہیں نیز ابن مدینی نے کذاب ابن معین نے ضعیف کہا ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ وہ جو روایت کرتا ہے غیر محفوظ ہے ابن سیرین کہا کرتے تھے کہ حارث نے حضرت علی سے جو بیان کیا ہے باطل ہے

ثلاث سنین والوحی فی سنتین وقال مفضل بن مهلهل عن مغیرة سمع الشعبی یقول حدثنی الحارث واشهد انه احد الکذابین وروی محمد بن شیبة الضبی عن ابی اسحاق قال زعم الحارث الاعور وکان کذابا ۱۲ میزان، قال ابن حبان وکان الحارث غالیا فی التشیع واهیا فی الحدیث وهو الذی روی عن علی قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تفتح علی الامام فی الصلوة رواہ الفریابی ۱۲ میزان ایضا

باقی حدیث ثوری در بیهقی آن مضطرب است ازانکہ بعضے جائے یعنی در روایت ثوری شعبہ مروی عنہ است و بعضے جائے یعنی در روایت بیهقی شعبہ است راوی این است حال موقوف کہ دانستی و مسند شدن این حدیث را بسیارے از علماء انکار نمودہ اند چنانچہ عبارت زیلعی متقدم بروے مشعر است وعن ابن عباس رض اول جمعة جمعت فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثا من البحرین رواہ البخاری وابوداؤد وقال جواثا قریة من قری البحرین ۱۲ منتقی الاخبار وقال الامام الشوکانی فی نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار واحتجوا بما روی عن علی مرفوعا لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع وقد ضعف احمد رفعه وصحح ابن حزم وقفه وللاجتهاد فیہ مسرح فلا ینتهض للاحتجاج وقد روی ابن ابی شیبة عن عمر انه کتب الی اهل البحرین ان جمعوا حیث ما کنتم وهذا یشمل المدن والقری وصححه ابن خزیمة وروی البیهقی عن اللیث بن سعد ان اهل مصر وسواحلها کانوا یجمعون علی عهد عمر وعثمان رض بامرهما وفیها رجال من الصحابة واخرج عبد الرزاق عن ابن عمر باسناد صحیح انه کان

حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ بحرین میں قریہ جواثا میں عبد القیس نے ادا کیا۔ ابوداؤد میں ہے کہ جواثا بحرین میں ایک قریہ (بستی) ہے جو لوگ حضرت علی رض کے اس اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ جمعہ اور عید صرف شہر میں ہی ہو سکتی ہے۔ یہ روایت بجمیع طرقہ ضعیف ہے اور حضرت عمر رض نے اہل میاہ کو لکھا کہ جہاں کہیں ہوا کرو جمعہ ادا کیا کرو۔

یعنی اهل المیاه بین مکة والمدینة یجمعون فلا یعیب علیهم فلما اختلف الصحابة وجب الرجوع الی المرفوع ویؤید عدم اشتراط المصر حدیث ام عبد الله الدوسیة المتقدم[1] انتهی، حدیث علی رض لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع ضعفه احمد وآخرون ۱۲ بدر المنیر فی تخریج الاحادیث والآثار الواقعة فی الرافعی الکبیر للشیخ سراج الدین بن الملقن فی تحریر شرح احادیث الوجیز للرافعی ۱۲ قال فی البدر لا یصلح الاحتجاج به للانقطاع وضعف اسناده ۱۲ وروی البیهقی فی المعرفة عن معاذ بن موسی بن عقبة ومحمد بن اسحاق ان النبی صلی الله علیه وسلم حین رکب من بنی عمرو بن عوف فی هجرته الی المدینة مر علی بنی سالم وهی قریة بین قبا والمدینة فادرکته الجمعة فصلی فیهم الجمعة وکانت اول جمعة صلاها حین قدم ووصله ابن سعد من طریق الواقدی باسانیده له وفیه انهم کانوا حینئذ مائة رجل وذکر عبد الرزاق فی مصنفه عن ابن جریج انه صلی الله علیه وسلم جمع فی سفر وخطب متوکئا علی قوس وروی عبد الرزاق ایضا ان عمر بن عبد العزیز کان مبتدیا بالسویداء فی امارته علی الحجاز فحضرت الجمعة فهیأ واله مجلسا من البطحاء ثم اذن بالصلوة فخرج وخطب وصلی رکعتین وجهر وقال ان الامام یجمع حیث کان وروی البیهقی فی المعرفة من طریق جعفر بن برقان ان عمر بن عبد العزیز کتب الی عدی بن عدی

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جمعہ اور تشریق مصر جامع میں ہے مگر یہ حدیث بچند وجوہ صحیح نہیں ہے۔ اس کی اسناد ضعیف ہے امام بیہقیؒ نے معرفۃ السنن میں روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت نے سفر ہجرت میں جب محلہ بنی سلمہ سے گذرے تو وہاں جمعہ ادا کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کمان کے سہارے پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے "سویداء" میں جمعہ پڑھا آپؒ نے خطبہ دیا اور دو رکعت نماز ادا کی۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) حدیث ام عبد اللہ الدوسیہ المتقدم این است۔ وعن ام عبد الله الدوسیة رضی الله عنها سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الجمعة واجبة علی اهل کل قریة وان لم یکونوا الا ثلثة رابعهم امامهم اخرجه الدارقطنی ۱۲ کذا فی تخریج الزیلعی انتهی۔

انظر کل قریۃ اہل قرار لیسوا ہم باہل عمود ینتقلون فامر علیہم امیرا ثم مرہ فلیجمع بہم وقال ابن المنذر فی الاوسط روینا عن ابن عمر انہ کان یری اہل المیاہ من مکۃ والمدینۃ یجمعون فلا یعیب ذلک علیہم ثم ساقہ موصولا وروی سعید بن منصور عن ابی ہریرۃ رض ان عمر رض کتب الیہم ان جمعوا حیث ما کنتم وحدیث لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر ضعفہ احمد کذا فی تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر للحافظ ابن حجر العسقلانی و این سند حدثنا جریر عن منصور عن طلحۃ بن سعد عن عبیدۃ بن عبد الرحمن) کہ صاحب شرح وقایہ آوردہ قابل احتجاج نمودہ شود، کہ راوی این عبیدہ بن عبد الرحمن ضعیف است، عبیدۃ بالفتح وقیل بالضم ہو عبیدۃ بن عبد الرحمن ابو عمر البجلی ذکرہ ابن حبان بالوجہین فقال روی عن یحیی بن سعید الانصاری حدث عن حرمی بن حفص یروی الموضوعات عن الثقات ۱۲ میزان الاعتدال ولما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ اقام یوم الاثنین والثلثاء والاربعاء والخمیس فی بنی عمرو بن عوف واسس مسجدہم ثم خرج من بعدہم فادرکتہ الجمعۃ فی بنو سالم بن عوف فصلاہا فی المسجد الذی فی بطن الوادی فکانت اول جمعۃ صلاہا بالمدینۃ انتہی ما فی البحر الرائق وقال الشمنی لما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ اقام یوم الاثنین والثلثاء والاربعاء والخمیس فی بنی عمرو بن عوف ثم خرج من عندہم فادرکتہ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فصلاہا فی المسجد الذی فی بطن الوادی وکانت اول جمعۃ صلاہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتہی وروی عبد الرزاق باسناد صحیح عن ابن

---

حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ حضرت عمر رض نے اہل میاہ کو لکھا کہ جہاں بھی ٹھہرو جمعہ بہرصورت ادا کیا کرو اور حدیث لا جمعہ الخ ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر میں تصریح کی ہے۔ اور متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت نے سفر ہجرت میں محلہ بنی سالم بن عمرو بن عوف میں جمعہ ادا کیا اور یہ پہلا جمعہ ہے جو آپ نے ادا کیا۔

قال جمع اهل المدينة قبل ان يقدمها النبي صلى الله عليه وسلم وقبل ان ينزل سورة الجمعة فقالت الانصار ان اليهود لهم يوم يجتمعون فيه بعد سبعة وللنصارى كذلك فلنجعل يوما لنا نذكر الله تعالى ونشكره ونصلي فيه فجعلوه يوم العروبة واجتمعوا الى اسعد بن زرارة فصلى بهم يومئذ ركعتين وذكرهم فسموه يوم الجمعة وانزل الله تعالى بعد ذلك واذا نودي للصلوة من يوم الجمعة والحديث وان كان مرسلا فله شاهد حسن اخرجه ابوداود عن كعب بن مالك وصححه ابن خزيمة وهو اول من صلى الجمعة بالمدينة قبل الهجرة اسعد بن زرارة قال الحافظ ابن حجر ولا يمنع ذلك انه صلى الله عليه وسلم علمه بالوحي وهو بمكة فلم يتمكن من اقامتها ثم ولذلك جمع لهم اول ما قدم المدينة ويدل على ذلك ما اخرجه الدارقطني عن ابن عباس رضي الله عنه قال اذن النبي صلى الله عليه وسلم قبل ان يهاجر ولم يستطع ان يجمع بمكة فكتب الى مصعب بن عمير اما بعد فانظر اليوم الذي يجهر فيه اليهود بالزبور فاجمعوا نساءكم وابناءكم فاذا مال النهار عن شطره عند الزوال فتقربوا الى الله بركعتين قال فهو اول من جمع حتى قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة فجمع عند الزوال من الظهر انتهى ما في المحلى شرح الموطا للعلامة سلام الله من اولاد الشيخ عبد الحق محدث دهلوي رح وقال في تفسير النيشاپوري روي ان الانصار اجتمعوا الى اسعد بن زرارة وكنيته ابوامامة وقالوا هلموا نجعل لنا يوما نجتمع فيه فنذكر الله تعالى ونصلي فان لليهود السبت وللنصارى

---

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت کے مدینہ پہنچنے سے پہلے اہل مدینہ نے جمعہ ادا کیا اور اسعد بن زرارہ نے ان کو جمعہ پڑھایا۔ آنحضرت نے مکہ میں جمعہ اس لیے نہیں پڑھا کہ مکہ کے حالات اجازت نہیں دیتے تھے۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ انصار نے اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوئے اور جمعہ ادا کیا۔

الاحد فاجعلوه یوم العروبة فصلی بهم یومئذ رکعتین وذکرهم فسموه یوم الجمعة لاجتماعهم فیه وانزل الله اٰیة الجمعة فهی اول جمعة کانت فی الاسلام قبل مقدم النبی صلی الله علیه وسلم واما اول جمعة جمعها رسول الله صلی الله علیه وسلم فهی انه لما قدم المدینة مهاجرا نزل قبا فی بنی عمرو بن عوف واقام بها یوم الاثنین والثلثاء والاربعاء والخمیس واسس مسجدهم ثم خرج یوم الجمعة عامد المدینة فادرکته صلوٰة الجمعة فی بنی سالم بن عوف فی بطن وادیهم فخطب فصلی الجمعة انتهی ما فی النیشاپوری واول جمعة جمعها رسول الله صلی الله علیه وسلم انه لما قدم المدینة نزل قباء واقام بها الجمعة ثم دخل المدینة وصلی الجمعة فی دار لبنی سالم بن عوف انتہی ما فی البیضاوی

دپس ازیں قصہ صحیحہ مذکورہ ہویدا شد کہ مدینہ منورہ در ابتداء نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شوکت و غلبہ اہل اسلام و ظہور و نفاذ حدود و قصاص نبود با وجود ایں جمعہ گذاردہ شد پس حدیث لاجمعۃ ولاتشریق بر تقدیر فرض ثبوت از قبیل احاد است و خبر واحد معارض دلیل قطعی نمی تواند شد و نہ مخصص عام کما تقرر فی اصول الحنفیة من التوضیح والبزودی و مسلم الثبوت والحسامی والنار والشاشی وغیر ذلک پس تخصیص آیت مذکورہ بر مذہب مخالفین جائز نیست، چہ جائیکہ خبر واحد ثبوت نرسد اما الحدیث الضعیف فلکذب راویہ وفسقہ لا ینجبر بتعدد طرقہ کما فی خلاصة الطیبی والسید وغیرهما من کتب الاصول پس حدیث لاجمعۃ ولاتشریق بسبب کذب و فسق راوی ضعیف شد و معہذا موقوف است بر حضرت علی رض والموقوف هو مطلقا ما روی عن الصحابی من قول او فعل متصلا کان او منقطعا وهو لیس بحجة

معلوم ہوا کہ آنحضرت ؐ کے مدینہ پہنچتے ہی اسلام کو غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا اور نہ ہی حدود و قصاص کا اجراء کیا تھا لہذا حدیث لاجمعہ ولاتشریق سے استدلال بے محل ہے کیونکہ یہ خبر واحد ہے اور اخبار آحاد دلیل قطعی کے نہ معارض ہو سکتی ہے اور نہ مخصص ہو سکتی ہے جب کہ اصول فقہ کی کتابوں میں تصریح کی گئی ہے۔

علی الاصح کذا قال السید جمال الدین وھو لیس بحجۃ کذا فی مجمع البحار | سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ اگر ایک گاؤں میں دو مسجدیں ہوں، تو ان میں علیحدہ علیحدہ نماز جمعہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں، یا ایک ہی میں جمعہ پڑھنا چاہیئے۔

**الجواب**: جائز ہے لیکن اولیٰ یہ ہے، کہ ایک ہی مسجد میں جمعہ ادا کیا جائے تاکہ جماعت بڑی ہو، واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید محمد عبدالحفیظ غفرلہ | ۱۲۸۱ سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ (۱) جمعہ دیہات میں پڑھا جاوے یا نہ، اگر پڑھا جاوے، تو احتیاطاً ہو یا غیر

(۲) جو ائی قریہ ہے یا شہر اس میں جمعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا، یا اصحابوں نے رضوان اللہ علیہم۔

(۳) وادی بنی سالم بن عوف مدینہ سے کتنے فاصلہ پر ہے؟

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے تشریف لے گئے ہیں، اس وقت بادشاہ تھے، یا نہیں؟

(۵) حضرت علی رضہ کا قول لاجمعۃ ولاتشریق الخ کیا صحیح ہے یا ضعیف ہے۔

(۶) حدیث ابن ماجہ جس سے جمعہ ہونے کے لئے بادشاہ کا ہونا نکلتا ہے، وہ کیا ہے، اور کیسی ہے، صحیح یا ضعیف اور قرآن سے بادشاہ کا ہونا نکلتا ہے یا نہ، بینوا توجروا

**الجواب**:۔ جمعہ دیہات میں وجوبا و فرضا پڑھنا چاہیئے اس واسطے کہ ادلہ مثبت وجوب جمعہ عام ہیں، جیسے آیت اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ الآیۃ اور حدیث الجمعۃ واجب علی کل محتلم رواہ ابوداؤد والنسائی ادلہ مثبت وجوب جمعہ سے جیسے شہر میں جمعہ واجب و فرض ہونا ثابت ہوتا ہے، اسی طرح دیہات میں بھی، اور عام جب تک اس کے مقابل کوئی خاص موازن اس کی صحت میں نہ پایا جاوے، اپنے عموم پر محمول ہوتا ہے، اور ادلہ مثبت وجوب کی اپنے عموم پر باقی رہنے کی تائید روایات ذیل سے ہوتی ہے، جن کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے۔ عن عمر انہ کتب الی اھل البحرین ان جمعوا حیثما کنتم قال الحافظ وھذا یشمل المدن والقری قال اخرجہ

---

لہ جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان کہی جائے، تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، اور حدیث جمعہ ہر جوان آدمی پر واجب ہے، ۲ے حضرت عمر نے اہل بحرین کو لکھا، کہ جہاں بھی تم ہو جمعہ پڑھا کرو، حافظ نے کہا یہ شہروں اور بستیوں دونوں

ابن ابی شیبۃ ایضا من طریق ابی رافع عن ابی ہریرۃ عن عمر وصححہ ابن خزیمۃ وروی البیہقی من طریق الولید بن مسلم سالت اللیث ابن سعد فقال کل مدینۃ او قریۃ فیہا جماعۃ امروا بالجمعۃ فان اہل مصر وسواحلہا کان یجمعون الجمعۃ علی عہد عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ بامرہما وفیہما رجال من الصحابۃ وعند عبد الرزاق باسناد صحیح عن ابن عمر انہ کان یری اہل المیاہ بین مکۃ والمدینۃ یجمعون فلا یعیب علیہم کذا فی فتح الباری ج ۲ ص ۳۱۶ مطبوعہ مصر۔ ان روایات کے علاوہ اور بھی روایات ہیں، جو ادلہ مثبت وجوب جمعہ کے عموم پر دلالت کرتی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) جوائی قریہ ہے، شہر نہیں ہے، صحیح بخاری میں ہے۔ عن ابن عباس قال اول جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجوائی من البحرین وفی روایۃ لابی داود قریۃ من قری البحرین، یعنی مسجد نبوی ﷺ میں جمعہ ہونے کے بعد اول جمعہ مقام جوائی میں ہوا، اور ابوداؤد کی روایت میں ہے، کہ جوائی بحرین کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے، دیکھو ابوداؤد کی نفس روایت ہے جوائی کا قریہ ہونا نصاً و صراحتاً ثابت ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں قولہ بجوائی من البحرین وفی روایۃ وکیع قریۃ من قری البحرین وفی اخری عنہ من قری عبد القیس، یعنی وکیع کی روایت میں ہے کہ جوائی بحرین کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے، اور ان کی ایک دوسری روایت میں ہے، کہ جوائی عبد القیس کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے، خلاصہ یہ کہ بحرین ایک شہر[1] ہے اور اس شہر کے متعلق متعدد قریے ہیں، انہی قریوں میں سے جوائی بھی ایک قریہ ہے، اور علامہ جوہری اور زمخشری اور ابن الاثیر نے جو یہ لکھا ہے، کہ جوائی بحرین میں ایک قلعہ کا نام ہے، سو یہ جوائی کے قریہ ہونے کے منافی نہیں ہے، مطلب یہ ہے، کہ شہر بحرین کا جوائی ایک قریہ ہے، اور اسی قریہ میں قلعہ ہے پس جوائی کو قریہ کہنا بھی صحیح ہے، اور جوائی کو قلعہ کہنا بھی صحیح ہے، حافظ ابن حجر

کو شامل ہے، ولید بن مسلم نے کہا، میں نے لیث بن سعد سے پوچھا، کہ انہوں نے کہا، ہر شہر یا بستی جس میں کوئی جماعت ہو ان کو حکم دیا گیا ہے، اہل مصر اور اس کے کناروں پر رہنے والے حضرت عمر و عثمان کے زمانہ میں ان کے حکم سے جمعہ پڑھا کرتے تھے حالانکہ ان میں بعض صحابہ بھی موجود تھے، حضرت عبد اللہ بن عمر مکہ اور مدینہ کے درمیان چشمے والوں کو دیکھتے، کہ وہ اپنے شہروں پر جمعہ پڑھتے تھے، اور عبد اللہ بن عمر ان کو منع نہ کرتے۔

(۱) صراح میں ہے، کہ بحرین نام شہر ہے ۱۲

فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ وحکی الجوهری والزمخشری وابن الاثیران جواثی اسم حصن بالبحرین وهذا لا ینافی کونها قریة۔ اور علامہ ابن التین نے ابوالحسن لخمی سے جو نقل کیا کہ جواثی ایک شہر ہے، سو ابوالحسن کا یہ قول قابل اعتبار اور لائق اعتماد کے نہیں ہے کیونکہ جب خود حدیث سے ثابت ہو گیا، کہ جواثی بحرین کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے تو بھلا بمقابلہ اس کے ابوالحسن کا یہ قول کہ جواثی ایک شہر ہے، کب قابل التفات ہو سکتا ہے، علاوہ اس کے ممکن ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد جواثی قریہ سے شہر ہو گیا ہو اسی بنا پر ابوالحسن نے جواثی کو شہر کہا ہو، جیسے مرور زمانہ کے بعد بہت سے قریہ آباد ہوتے ہوتے شہر بن جاتے ہیں اور بہت سے شہر ویران ہوتے ہوتے قریہ ہو جاتے ہیں، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ وحکی ابن التین عن ابی الحسن اللخمی انها مدینة وما ثبت فی نفس الحدیث من کونها قریة اصح مع احتمال ان تکون فی الاول قریة ثم صارت مدینة انتهی۔ اور قریہ جواثی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ نہیں پڑھا ہے بلکہ آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے پڑھا ہے، اور ظاہر یہی ہے، کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواثی میں آپ کے حکم سے جمعہ پڑھا، اس واسطے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ عادت تھی، کہ بلا حکم اور بلا اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی شرعی اور دینی کام محض اپنی طرف سے قائم و جاری نہیں کرتے تھے امام بیہقی معرفۃ السنن میں لکھتے ہیں، وکانوا لا یستبدون بامور الشرع بجمیل نیاتهم فی الاسلام فالاشبه انهم لم یجمعوا فی هذه القریة الا بامر النبی صلی الله علیه وسلم انتهی۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ والظاهر ان عبد القیس لم یجمعوا الا بامر النبی صلی الله علیه وسلم لما عرف من عادة الصحابة من عدم الاستبداد بالامور الشرعیة فی زمن الوحی ولانه لو کان ذلک لا یجوز لنزل فیه القرآن کما استدل جابر وابو سعید

---

[1] جوہری زمخشری اور ابن اثیر نے بیان کیا ہے، کہ جواثی بحرین میں ایک قلعہ کا نام ہے اور یہ بستی ہونے کے منافی نہیں ۱۲ [2] ابوالحسن لخمی کہتے ہیں، کہ جواثی شہر ہے، اور جو حدیث میں بستی کا لفظ آیا ہے، ممکن ہے، کہ پہلے وہ بستی ہو اور بعد میں شہر بن گیا ہو ۱۲ [3] اپنی نیتوں کے اچھا ہونے کے باوجود وہ شرعی کاموں کو از خود شروع نہیں کیا کرتے تھے، تو گمان یہی ہوتا ہے، کہ انہوں نے جمعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے شروع کیا ہوگا ۱۲ [4] ظاہر یہی ہے، کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جمعہ شروع کیا تھا، کیونکہ صحابہ کی عادت معلوم ہے، کہ وہ امور شرعیہ کو از خود شروع نہیں کیا کرتے تھے، اور اگر بستی میں جمعہ ناجائز ہوتا، تو قرآن نازل ہوتا

علی جواز العزل فانھم فعلوہ والقرآن ینزل فلو نھوا عنہ انتھی۔ واللہ اعلم۔

(۳) وادی بنی سالم بن عوف مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر یا ایک میل سے کچھ کم، یا زیادہ پر واقع ہے، اس واسطے کہ وادی بنی سالم مدینہ اور قبا کے درمیان واقع ہے، اور قبا مدینہ سے دو یا تین میل کے فاصلہ پر ہے، تلخیص الحبیر میں ہے۔ روی البیھقی فی المعرفۃ عن المغازی ابن اسحق وموسی بن عقبۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین رکب من بنی عمرو بن عوف فی ھجرتہ الی المدینۃ مر علی بنی سالم وھی قریۃ بین قبا والمدینۃ فادرکتہ الجمعۃ فصلی فیھم الجمعۃ وکانت اول جمعۃ صلاھا حین قدم۔ اور مجمع البحار میں ہے۔ قبا بضم قاف وفتح موحدۃ مع مد وقصر موضع بمیلین او ثلاثۃ من المدینۃ۔ واللہ تعالی اعلم۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مبعوث ہوئے، اسی وقت سے آپ کو نبوت اور حکومت وسلطنت عطا ہوئی، مگر زمانہ ہجرت تک آپ کو غلبہ نہیں تھا، اور اسلام میں اس وقت اور اس کے بعد کچھ اور دنوں تک ہر طرح کی غربت تھی۔

(۵) حضرت علی رضؓ کا یہ قول صحیح ہے، ابن حزم نے اس قول کی تصحیح کی ہے، جیسا کہ نیل الاوطار صفحہ ۱۱ جلد ۳ میں علامہ شوکانی نے لکھا ہے، اور حافظ ابن حجر درایہ میں لکھتے ہیں حدیث لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع لم اجدہ وروی عبد الرزاق عن علی موقوفا لا تشریق ولا جمعۃ الا فی مصر جامع واسنادہ صحیح انتھی۔ اور فتح الباری صفحہ ۳۸ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔ ومن ذلک حدیث علی لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع اخرجہ ابو عبید باسناد صحیح الیہ موقوفا۔ مگر یہ خوب یاد رکھنا چاہیے، کہ حضرت علی رضؓ کے اس

---

اس میں اس کی مخالفت نازل ہو جاتی، جیسا کہ عزل کے جواز میں جابر اور ابو سعید نے قرآن نازل ہونے پر استدلال کیا تھا۔ ؎۲ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بنی عمرو بن عوف کے محلہ سے ہجرت کر کے مدینہ جانے لگے، تو بنی سالم کی بستی میں جمعہ کا وقت ہو گیا، اور یہ بستی قبا اور مدینہ کے درمیان تھی، وہاں آپ نے جمعہ پڑھایا، اور یہ ہجرت کے بعد سب سے پہلا جمعہ تھا۔ ؎۳ قبا مدینہ منورہ سے دو یا تین میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے۔

؎۴ یہ حدیث کہ جمعہ، تشریق، اور عید الفطر اور عید الاضحی بڑے شہر ہی میں ہوتی ہے، یہ حدیث کہیں نہیں دیکھی گئی ہاں حضرت علی رضؓ کا قول ہے، یعنی حدیث موقوف ہے، اور سند صحیح ہے۔

؎۵ حدیث لا جمعۃ ولا تشریق حضرت علی رضؓ کا موقوف قول ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

قول سے جس میں قیاس و اجتہاد کو دخل ہے، اور ساتھ اس کے آیت قرآن و احادیث صحیحہ کے اطلاق و عموم کے خلاف ہے، و نیز اقوال و افعال دیگر صحابہ کے معارض ہے، و نیز معلوم نہیں کہ اس قول میں مصر سے ان کی کیا مراد ہے، اور اس قول سے ان کا اصلی مقصود کیا ہے صحت جمعہ کے لئے مصر کا شرط ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا، اور اس قول سے آیت قرآنیہ و احادیث مرفوعہ کی ہرگز ہرگز تخصیص نہیں ہو سکتی۔

(۶) ابن ماجہ کی وہ حدیث یہ ہے۔ حدثنا محمد بن عبد الله بن نمیر ثنا الولید بن بکیر حدثنی عبد الله بن محمد العدوی عن علی بن زید عن سعید بن المسیب عن جابر بن عبد الله قال خطبنا رسول الله صلی الله علیہ وسلم فقال اعلموا ان الله قد افترض علیکم الجمعۃ فی مقامی ھذا فی یومی ھذا فی شهری ھذا من عامی ھذا الی یوم القیمۃ فمن ترکها فی حیاتی او بعدی وله امام عادل او جائر الحدیث[1] یہ حدیث بالکل ہی ضعیف ہے، اس حدیث کا ایک راوی عبد اللہ بن محمد العدوی متروک الحدیث ہے، امام وکیع نے فرمایا ہے، کہ یہ عبد اللہ بن محمد العدوی جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا امام بخاری نے فرمایا، کہ یہ شخص منکر الحدیث ہے یعنی اس شخص سے حدیث روایت کرنا حلال نہیں ہے، ابن حبان نے فرمایا، کہ اس شخص کی سے احتجاج جائز نہیں ہے، تقریب التہذیب میں ہے۔ عبد الله بن محمد العدوی متروک الحدیث رماہ وکیع بالوضع انتہی[2] میزان الاعتدال میں ہے۔ قال البخاری منکر الحدیث وقال وکیع یضع الحدیث وقال ابن حبان لا یجوز الاحتجاج بخبرہ انتہی[3] اور میزان میں ابان بن جبلہ کے ترجمہ میں مرقوم ہے، نقل ابن القطان ان البخاری قال کل من قلت فیہ منکر الحدیث فلا تحل الروایۃ عنہ انتہی[4]۔ اور عبد اللہ بن محمد العدوی کے علاوہ اس حدیث کے بعض اور راوی بھی ضعیف ہیں،

---

[1] جابر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا، اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ فرض کیا ہے، میرے اس مقام اس دن، اس شہر اس سال میں اور قیامت تک فرض ہے جس نے اس کو میری زندگی یا وفات کے بعد چھوڑ دیا، اور اس کا کوئی امام عادل یا ظالم ہو، الحدیث ۱۲ [2] عبد اللہ بن محمد عدوی متروک ہے، وکیع نے کہا یہ حدیثیں بناتا تھا۔ [3] بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے وکیع نے کہا یہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا، ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے استدلال جائز نہیں ۱۲ [4] امام بخاری نے کہا، ہر وہ آدمی جس کے متعلق میں منکر الحدیث کہوں، اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے ۱۲

خلاصہ یہ کہ ابن ماجہ کی یہ حدیث بالکل ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے، اور قرآن سے صحت جمعہ کے لئے بادشاہ کا ہونا نہیں نکلتا ہے، بلکہ قرآن سے یہ نکلتا ہے، کہ اقامت جمعہ ہر مقام میں جائز و درست ہے، دیہات ہو یا شہر بادشاہ ہو یا نہ ہو، اور اقامت جمعہ کے لئے بادشاہ کا ہونا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، کتبہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ از حقیر فقیر ابو تراب محمد عبدالرحمٰن گیلانی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بخدمت شریف شیخ العرب والعجم محی السنۃ وقامع البدعۃ شمس العلماء جناب حضرت مولانا مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب دام فیضہم، واضح رائے عالی باد، میں نے ایک رسالہ مسمی بازالۃ الشبہۃ عن فرضیۃ الجمعۃ مع ترجمہ مطبوعہ احمدی لاہور کو اول سے آخر تک دیکھا، اس رسالہ کے صفحہ ۴۲ میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔ وقال[1] ابن ابی شیبۃ حدثنا جریر عن منصور عن طلحۃ عن سعد بن عبیدۃ عن ابی عبدالرحمٰن انہ قال قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لاجمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع ذکرہ العینی فی عمدۃ القاری و سندہ صحیح۔ اب التماس یہ ہے، کہ اس ناچیز کے پاس اسماء الرجال میں تین ہی کتابیں ہیں، میزان الاعتدال، تقریب التہذیب، خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال، راقم خاکسار کے مسکن کی جگہ بہت چھوٹی سی بستی ہے، بھائی احناف اس رسالہ کو دیکھ کر مجھ پر بڑا اعتراض کر کے کہتے ہیں، کہ تم ایسی بستی میں کیوں جمعہ پڑھتے ہو، کتب مذکورہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے، کہ جریر جو اس میں راوی ہے، منصور سے اگرچہ رواۃ صحاح سے ہے، لیکن متکلم فیہ ہے، اور منصور ان کا استاذ ہے لیکن ان کے ہم نام بہت سے راوی ہیں کوئی ثقہ ہے اور کوئی ضعیف، اور یہ معلوم نہیں کہ طلحہ سے کون منصور روایت کرتا ہے، اور طلحہ کے بھی ہم نام بہت سے ہیں، کوئی ثقہ کوئی ضعیف اور معلوم نہیں کہ کون طلحہ سعد بن عبیدہ سے روایت کرتا ہے، اور سعد بن عبیدہ ثقہ ہیں، لیکن ابی عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں، اور ابی عبدالرحمٰن کے ہم نام بھی بہت ہیں، کوئی مجہول اور کوئی غیر مجہول، لیکن جو ابی عبدالرحمٰن حضرت علی رض سے روایت کرتے ہیں، ان کا پتہ ان کتابوں سے نہیں لگتا ہے، الحاصل جریر کو منصور سے تلمذ ضرور ہے، لیکن منصور کو طلحہ سے اور طلحہ کو سعد بن عبیدہ سے اور سعد بن عبیدہ کو ابی عبدالرحمٰن سے، اور ابی عبدالرحمٰن کو حضرت علی رض سے ہرگز

---

[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جمعہ اور تشریق بڑے شہر ہی میں ہے۔

تلمذ نہیں معلوم ہوتا ہے، اب التماس یہ ہے، کہ عینی حنفی نے سند مذکور کو جو صحیح کہا ہے تو آیا یہ کہنا ان کا صحیح ہے یا نہ، کتب مذکورہ و دیگر کتب رجال سے سند مذکور کی تنقید فرمائی جاوے بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ علامہ عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اثر علی رضہ کی سند مذکور صحیح کہا ہے، سو ان کا یہ کہنا صحیح[1] ہے، قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار صفحہ ۱۱ جلد ۳ میں لکھا ہے، کہ ابن حزم نے اثر علی رضہ کی تصحیح کی ہے، اور حافظ ابن حجر درایہ صفحہ ۱۳۱ تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں حدیث لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع لم اجدہ وروی عبد الرزاق عن علی رضہ موقوفا لا تشریق ولا جمعۃ الا فی مصر جامع واسنادہ صحیح ورواہ ابن ابی شیبۃ مثلہ وزاد ولا فطر ولا اضحی وزاد فی اخرہ او مدینۃ عظیمۃ واسنادہ ضعیف اور فتح الباری صفحہ ۳۰۸ جلد ۲ مطبوعہ مصر میں لکھتے ہیں ومن ذلک حدیث علی لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع اخرجہ ابوعبید باسناد صحیح الیہ موقوفا۔ مگر واضح رہے، کہ حضرت علی کے اس اثر کے صحیح ہونے سے قری اور بستیوں میں نماز جمعہ پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، اولاً اس وجہ کہ حضرت علی رضہ کا یہ قول ایک ایسا قول ہے جس میں قیاس و اجتہاد کو دخل ہے، اور صحابی کا ایسا قول بالاتفاق حجت نہیں ہے، علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں۔ وللاجتہاد فیہ مسرح فلا ینتہض للاحتجاج بہ انتہی۔ ثانیاً اس وجہ سے کہ آیت قرآنیہ و احادیث مرفوعہ مطلق و عام

---

سلہ حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الحدیث، میں نے کہیں نہیں دیکھی، عبدالرزاق نے اس کو حضرت علی سے موقوفا روایت کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے، ابن ابی شیبہ میں او مدینۃ عظیمۃ (یا کسی بڑے شہر میں) کے الفاظ زائد ہیں ۱۲

سلہ اور اس سے حضرت علی کی موقوف حدیث ہے، لا جمعۃ ولا تشریق جس کو ابوعبید نے صحیح سند سے موقوفا روایت کیا ہے ۱۲  سلہ اس میں اجتہاد کو دخل ہے، لہذا اس سے احتجاج جائز نہیں ہے ۱۲

---

(۱) قولہ صحیح ہے اقول، اس لئے کہ سند مذکور میں منصور ابن المعتمر ہے، اور طلحہ ابن مصرف ہے اور ابو عبدالرحمن السلمی ہے جن کا نام عبداللہ بن حبیب ہے، اور یہ سب راوی ثقہ اور رجال صحیحین وغیرہ میں سے ہیں، البتہ جریر بن عبدالحمید مذکور کو اخیر عمر میں وہم ہو گیا تھا، اور علاوہ طلحہ بن مصرف کے ہر ایک راوی کو اپنے اپنے استاذ سے تلمذ اور سماع ثابت ہے، اور طلحہ بن مصرف کی اگرچہ سعد بن عبیدہ سے سماع کی تصریح نہیں مگر سماع ممکن ہے کیونکہ یہ دونوں تابعی کوفی ہم عصر ہیں، اور پھر طلحہ باوجود ثقہ اور غیر مدلس ہونے کے روایت بھی کرتا ہے، تو سماع ضروری ہوا، مزید براں عبدالرزاق کی صحیح روایت میں زبید یامی نے طلحہ کی متابعت بھی کی ہے، لہذا سند مذکور کو بقول امام مسلم صحیح کہنا صحیح ہے۔ واللہ اعلم ملتقطا من تہذیب التہذیب نصب الرایہ ابوسعید محمد شرف الدین

ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ مصر اور غیر مصر ہر مقام میں اقامت جمعہ جائز و درست ہے، پس یہ نصوص مطلقہ و عامہ حضرت علی رضہ کے اس قول کے نافی ہیں، اور صحابی کا ایسا قول ہے جس کی احادیث مرفوعہ و آیات قرآنیہ سے نفی ہوتی ہو، وہ قول بالاتفاق حجت نہیں فقہائے حنفیہ کو بھی اس کا اعتراف ہے، ثالثاً اس وجہ سے کہ آیت یاایھا الذین امنوا اذانودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ ہر مکلف کو عام ہے، اور ہر مکان مصر و غیر مصر کو شامل پس اس آیت قرآنیہ کے عموم سے مصر و غیر مصر، ہر جگہ و ہر مقام میں اقامت جمعہ کا جائز و درست ہونا صاف و روشن ہے، علامہ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔ دلیل الافتراض من کلام اللہ تعالی علی العموم فی الامکنۃ انتہی۔

پس اگر حضرت علی رضہ کے اس قول کی وجہ سے یہ کہا جائے، کہ بستیوں اور دیہاتوں میں اقامت جائز نہیں، بلکہ فقط مصر ہی میں جائز ہے، تو حضرت علی رضہ کے اس قول سے آیت قرآنیہ کی تخصیص لازم آتی ہے، حالانکہ صحابی کے قول سے قرآن کی تخصیص بالاتفاق جائز نہیں ہے، نہایت تعجب ہے علمائے حنفیہ سے کہ ان کی تمامی اصول کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے، کہ اخبار احاد سے قرآن کی تخصیص جائز ہے، چنانچہ تلویح میں ہے، لایجوز تخصیص الکتاب بخبر الواحد لان خبر الواحد دون الکتاب لانہ ظنی والکتاب قطعی فلا یجوز تخصیصہ لان التخصیص تغییر والتغییر لایکون الا بما یساویہ او یکون فوقہ انتہی۔ یعنی خبر واحد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں، کیونکہ خبر واحد کا درجہ قرآن کے درجہ سے ادنی ہے، اس لئے کہ خبر واحد ظنی ہے اور قرآن قطعی ہے، پس خبر واحد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں، اس وجہ سے کہ تخصیص کے معنی ہیں متغیر کر دینا اور بدل دینا، اور کسی شے کا متغیر کرنا، اور اس کو بدل دینا اسی چیز سے ہوگا، جو اس شے کے مساوی ہو یا اس سے بڑھ کر ہو، یہی مضمون اصول فقہ کی تمام کتابوں میں لکھا ہوا ہے، مگر باوجود اس کے وہ حضرت علی رضہ کے قول مذکور سے جو خبر واحد کے درجہ میں بھی نہیں ہے، آیت مذکورہ کی تخصیص کرتے ہیں، اور اس کے حکم عام کو اس قول سے منسوخ کرتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ اقامت جمعہ فقط مصر میں درست و جائز ہے، اور غیر مصر میں ناجائز و نادرست، دیکھو علمائے حنفیہ کا یہ صنیع کس قدر قابل تعجب ہے، رابعاً اس وجہ سے کہ اگر حضرت علی رضہ کے قول سے غیر مصر میں جمعہ کا ناجائز ہونا نکلتا

---

لہ اے ایمان والو جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان کہی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔

ہ اللہ تعالیٰ کے قول سے جمعہ ہر جگہ فرض ہونے کی دلیل یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عموم امکنہ کے لئے فرض کیا ہے ۱۲

ہے، تو حضرت عمر و عثمان و ابو ہریرہ و ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم کے افعال و اقوال سے غیر مصر میں جمعہ کا جائز و درست ہونا ثابت ہوتا ہے، پس چونکہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال آیت مذکورہ و احادیث مرفوعہ کے موافق ہیں لہذا انہیں صحابہ رضی کے اقوال و افعال کا لینا، اور حضرت علی رض کے قول کو ترک کرنا لازم ہے، یا حضرت علی رض کے قول کو، اور ان صحابہ رض کے اقوال کو ترک کرنا، اور قول اللہ اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا لازم ہے قال اللہ تعالیٰ فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر ذلک خیر واحسن تاویلا[1] ۔ اور جب کہ ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یعنی قرآن و حدیث کی طرف رجوع کیا تو ثابت ہوا، کہ اقامت جمعہ مصر وغیر مصر ہر جگہ جائز و درست ہے، پس اسی کو لینا اور اسی پر عمل کرنا فرض ہے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ محمد عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　سید محمد نذیر حسین

**سوال**:۔ احقر العباد سلیم الدین وعباد الحق ساکنان ضلع ڈھاکہ بحکم آیت کریمہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون، بخدمت علمائے محققین دیندار دہلی سوال می کنند، کہ دریں ولا بعضے عالم این اطراف فتوے بعدم فرضیت جمعہ وعدم صحت آن میدہند ازیں باعث بسیارے عوام ترک جمعہ کردند و تمسک بعض علمائے این جا بہدایہ است، کہ لا تصح الجمعۃ الا فی مصر جامع اوفی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقولہ علیہ السلام لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع والمصر الجامع کل موضع لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود وھذا عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ وعنہ انھم اذا اجتمعوا فی اکبر مساجدھم لم تسعھم والاول اختیار الکرخی وھو الظاہر والثانی اختیار البلخی انتہی ما فی الھدایۃ

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اگر کسی چیز میں تمہارا جھگڑا ہو جائے، تو اس کو اللہ اور رسول کے پاس لے آؤ، اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہت بہتر ہے، اور اسی کا انجام اچھا ہے۔

سوال:۔ احقر العباد سلیم الدین وعباد الحق علمائے محققین کی خدمت میں التماس کرتے ہیں، کہ بعض عالموں نے اس علاقہ میں عدم فرضیت جمعہ کا فتوے دے رکھا ہے، اور اس وجہ سے بہت سے عوام نے جمعہ چھوڑ دیا ہے، اور وہ استدلال میں ہدایہ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں، کہ جمعہ مصر جامع یا شہر کی عیدگاہ کے علاوہ جائز نہیں ہے، اور بستیوں میں جمعہ نہ پڑھنا چاہیے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ جمعہ، تشریق، عید الفطر اور عید الاضحی مصر جامع کے سوا جائز نہیں ہے، اور مصر جامع ہر وہ مقام ہے، جہاں کوئی امیر اور قاضی ہو جو احکام جاری کرے، اور

پس بموجب اختیار کرخی فتوے در عدم جواز جمعہ دریں دیار می فرمایند، ولہذا اکثر مردم جمعہ را گذاشتند واختیار بلخی را اعتبار نمی کنند باوجودیکہ صاحب شرح وقایہ ودر مختار اختیار بلخی را اختیار نمودند وہمیں را مذہب اکثر متاخرین گفتہ وقطع نظر ازیں فرضیت جمعہ بدلیل قطعی ثابت است وشرط مصر جامع بصفات مذکورہ ووجود سلطان از خبر احاد استنباط کردہ اند، واکثر ائمہ دیگر در دیہات جمعہ را روا می دانند، ودر اصول حنفیہ مثل شاشی ونور الانوار وتوضیح وغیرہ می نویسند ان خبر الواحد یرد فی معارضۃ الکتب لان الکتب مقدم لکونہ قطعیا متواترا النظم لا شبہۃ فی متنہ کذا فی التوضیح وغیرہ لہذا نیست دل را در جواز وضوء شرط می گویند وہم چنین دیگر جزئیات فقہیہ براین شاہد است پس مصر جامع کہ دران قاضی وحاکم تنفیذ احکامات کند قرار دادہ اند، چنانکہ مسلک کرخی است، چگونہ شرط ادائے جمعہ بخبر واحد گردد بثبوت این شرط جمعہ فوت شود، چہ برین تقدیر زیادت خبر واحد بر کتاب اللہ لازم می آید، واین مخالف قاعدہ کلیہ حنفیہ می شود، پس قبول در وجوب ادائے جمعہ بروایت کرخی می باید یا بروایت بلخی درین دیار فتوی دادن لازم است، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ درصورت مرقومہ باید دانست، کہ شرائط صحت ادائے جمعہ در مذہب حنفی شش چیز است، اول مصر وفنار آن، دوم وجود سلطان، سوم وقت ظہر، چہارم خطبہ بقدر یک تسبیح، پنجم جماعت واقل ان یک امام وسہ نفر مقتدی، ومحل اختلاف فرض بودن جمعہ در

حدود قائم کرے، یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے اور امام صاحب کے نزدیک مصر جامع وہ ہے، کہ اگر وہاں کے رہنے والے سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں، تو اس میں سما نہ سکیں، ابو یوسف کے مذہب کو کرخی نے اختیار کیا ہے اور دوسرے کو بلخی نے۔

پس کرخی کی روایت کی بنا پر آج علماء عدم جمعہ کا فتوی دے رہے ہیں، جس کی وجہ سے لوگ جمعہ چھوڑ رہے ہیں اور بلخی کی روایت کو اختیار نہیں کرتے، حالانکہ صاحب شرح وقایہ و در مختار نے بلخی کے پسندیدہ قول کو پسند کیا ہے اور متاخرین میں سے اکثر کا مذہب یہی بیان کیا گیا ہے۔ اس سے قطع نظر جمعہ کی فرضیت آیت قرآن سے ثابت ہے اور اصول فقہ کی کتابوں مثلاً اصول شاشی، نور الانوار اور توضیح میں یہ اصول مقرر کیا گیا ہے کہ خبر واحد قرآن کی مخصص نہیں ہو سکتی اور یہاں اپنے ہی اصول کے برخلاف ان شرائط کو جو مرفوع حدیث بھی نہیں ہیں، کیونکر قرآن کا مخصص قرار دیا گیا ہے، فرمایا جائے اس ملک میں کرخی کے قول کے مطابق فتوی دینا چاہیے، یا بلخی کے مطابق۔

الجواب:۔ جاننا چاہیے کہ جمعہ ادا کرنے کے لئے احناف کے نزدیک چھ شرطیں ہیں، شہر یا اس کا میدان،

عدم فرضیت آن درین دیار تمام ہندوستان بر اختیار کردن مسلک کرخی است در تعریف مصر پس در مقامیکہ تفسیر مصر بر مسلک کرخی یافتہ شود جمعہ فرض گردد، دران مقام وجائیکہ یافتہ نشود، فرض دران جا نخواہد بود، وحالانکہ جمعہ مطلقا فرض است، قطع از شرط مصر ووجود سلطان بدلیل قطعی، لقولہ تعالے یا ایہا الذین امنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ الآیۃ ودر فرضیت آن اجماع واقع گشتہ، وشرط مصر ووجود سلطان دران حسب اختیار مسلک کرخی ظنی ومختلف فیہ است، وامر ظنی امر قطعی را فی الواقع معارض نمی تواند شد وظنی مختلف فیہ چگونہ معارض گردد مر قطعی را چہ اکثر ائمہ این ہر دو شرط را اعتبار نمی کنند لہذا ادائے جمعہ در دیہات وقری نیز تجویز می نمایند، بدلیل این کہ اسعد بن زرارہ پیش تشریف آوری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در مدینہ منورہ جمعہ خواندہ بود، ودر مدینہ مطہرہ بحکم ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از مکہ معظمہ چنانکہ از تفسیر نیشاپوری وغیرہ ہویدا می گردد، واز بحر الرائق وشمنی شرح نقایہ ومحلی شرح موطا مولوی سلام اللہ صاحب وغیرہ نیز مستفاد می شود، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روز دوشنبہ در مدینہ منورہ رونق افروز شدند، وچہار روز بخانہ بنی عمرو بن عوف اقامت فرمودند، در روز جمعہ از خانہ بنی عمرو تشریف فرما بودہ بسوئے بنی سالم بن عوف آمدند، ودر مسجد بنی سالم کہ متصل وادی بود نماز جمعہ ادا نمودند، وہنوز مسجد نبوی تعمیر نشدہ بود وتسلط تام اہل اسلام برا جراء وتنفیذ احکام

وجود سلطان، وقت ظہر، خطبہ بقدر ایک تسبیح، جماعت، اور کم از کم امام کے علاوہ تین آدمی ہوں، ہندوستان کے نماء علماء تو میں جمعہ کی فرضیت یا عدم فرضیت کا اختلاف کرخی کی روایت کے مطابق ہے پس جس جگہ کرخی کے مسلک کے مطابق مصر (شہر) کی تعریف صادق آئے گی وہاں جمعہ درست ہوگا، اور جہاں وہ تعریف صادق نہ آئے گی وہاں جمعہ درست نہ ہوگا، حالانکہ جمعہ مطلقا فرض ہے، اس میں مصر اور سلطان کی کوئی شرط نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان ہو تو ایماندارو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر آؤ" اور جمعہ کی فرضیت پر اجماع واقع ہے، اور مصر اور وجود سلطان کی شرائط ظنی اور مختلف فیہ ہیں، اور امر ظنی امر قطعی کا معارض نہیں ہو سکتا، اور پھر اگر ظنی بھی مختلف فیہ ہو تو اس کی کیا حیثیت ہے، کہ اکثر ائمہ کے نزدیک ان شرائط کا اعتبار نہیں ہے، اور اسی بنا پر انہوں نے دیہات میں جمعہ کا فتوی دیا ہے، اور ان کی دلیل اسعد بن زرارہ کی حدیث ہے، کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے حضور کے حکم سے مدینہ میں جمعہ پڑھا یا تفسیر نیشاپوری، بحر الرائق اور شمنی وغیرہ سے یہی مستفاد ہوتا ہے مولانا سلام اللہ محلی میں لکھتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کو مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے چار روز بنی عمرو بن عوف کے پاس گذارے اور جمعہ کے دن بنی عمرو کے بنی سالم کی طرف آئے اور مسجد بنی سالم میں جو کہ وادی کے متصل تھی جمعہ کی

حدود و قصاص در مدینہ منورہ ابتداء واقع نہ گردیدہ بود اصلاً بلکہ نفس احکام حدود و قصاص ہنوز مشروع نہ گشتہ بود، چنانکہ تفصیل این اجمال عنقریب می آید پس درین صورت مسلک بلخی را اختیار کردن واجب است در دیار چہ روایت بلخی موافق قضیہ صحیحہ مذکورہ بالا است ونیز شامل اکثر بلاد و قصبات است بخلاف مسلک کرخی، و بر ظاہر است کہ جمعہ از عمدہ شعائر اسلام است در مسلک کرخی درہم و برہم می شود، لہذا اکثر متاخرین حنفیہ مسلک بلخی را واجب العمل دانستہ مختار نوشتہ اند، چنانکہ از تنویر الابصار، و در مختار و ملتقی و شرح وقایہ وغیرہ واضح می شود، و از ارکان اربعہ مولانا عبد العلی الکنوی تنوت و ضعف مسلک کرخی برائے مستفتی منکشف خواہد بود، ویشترط لصحتہا المصر وھو مالا یسع اکبر مساجد اھلہ المکلفین بہا وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء لظہور التوانی فی الاحکام کذا فی تنویر الابصار والدر المختار ومنہاج الغفار وشرح الوقایۃ ومختصر الوقایۃ ومولانا عبد العلی در ارکان الاربعہ فرماید اختلف الروایات فی مذہبنا ففی ظاہر الروایۃ ھو بلدۃ لہا امام وقاض یصلح لاقامۃ الحدود وفی فتح القدیر بلدۃ فیہا سکک واسواق وولاۃ ینتصف المظلوم من الظالم وعالم یرجع الیہ فی الحوادث وھذا اخص وحملوا قول امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ علی ما رواہ عبد الرزاق لاتشریق ولاجمعۃ الا فی مصر جامع علی احدی ھاتین الروایتین فان المصر الجامع لایکون الا ما ھذا شانہ و علی التفسیر الاول المصر الذی والیہ کافر لاتجب فیہ الجمعۃ وعلی التفسیر الثانی لاتجب فی المصر الذی والیہ ظالم لا ینتصف المظلوم من الظالم ویرد ھذین الروایتین ان الصحابۃ والتابعین لم یترکوا الجمعۃ فی زمان یزید الشقی مع انہ لا شبہۃ فی انہ کان من اشد الناس ظلما بالاجماع لانہ ھتک حرمۃ

---

تھا اور اسا فرمائی ابھی مسجد نبوی کی تعمیر نہیں ہوئی تھی اہل اسلام کا مدینہ پر پورا تسلط نہیں تھا تنفیذ احکام واجرائے حدود تو در کنار ابھی حدود کا وجود بھی نہ تھا پس اس صورت میں بلخی کا مسلک اختیار کرنا ضروری ہے جو کہ واقعہ کے مناسب ہے اور اکثر شہر دل اور قصبوں میں اس سے جمعہ پڑھا جا سکتا ہے جمعہ اسلام کے عمدہ شعائر سے ہے اور کرخی کے مسلک سے یہ درہم برہم ہو جاتا ہے لہذا اکثر متاخرین فقہاء نے بلخی کا مسلک اختیار کیا ہے مولانا عبد العلی نے کرخی کے مسلک پر ایک عمدہ تبصرہ فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیں۔ جمعہ کی فرضیت کے لئے ایک تو مصر کی شرط ہے اور شہر وہ ہے جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس کے رہنے والے نہ سما سکیں اسی پر اکثر فقہاء نے فتوی دیا ہے کیونکہ آجکل احکام میں سستی پائی جاتی ہے

اهل البيت وبقي مصرا عليه ولم يرعليه وقت الارکان الاهو يصد دالظلم من اباحة دماء الصحابة الاخيار واما انتصاف المظلوم من الظالم فبعيد منه كل البعد فافهم وفي رواية الامام ابي يوسف المصر موضع يبلغ المقيمون فيه عددا لا يسعهم اكبر مساجدهم اه في الهداية هو اختيار البلخي وبه افتى كثير من المشائخ لما رأوا فساد اهل الزمان والولاة فان شرط اقامة الحدود وانتصاف المظلوم من الظالم ينفي وجوب الجمعة مع انها من شعائر الاسلام ونحن نقول قد وقع التهاون في اقامة الحدود وانتصاف المظلوم من الظالم في امارة بني امية بعد وفات معاوية الا في زمان عمر بن عبد العزيز قدس سره وفي امارة بعض العباسية ولم يترك الجمعة احد من الصحابة والتابعين وتبعهم فعلم انهما ليسا بشرطين فاذن قابل الفتوى في من هذا الرواية المختارة للبلخي ومنها السلطان او امره باقامة الجمعة عند الحنفية خاصة لا عند الشافعية فانهم يقولون اذا اجتمع مسلمو بلدة وقدموا اماما وصلوا الجمعة خلفه جازت الجمعة والمامور من قبل السلطان افضل ولم اطلع على دليل يفيد اشتراط امر السلطان وما في الهداية لانها تقام بجماعة نعسى ان تقع منازعة في التقدم

اس کے متعلق ہمارے مذہب کی روایت میں اختلاف ہے ظاہر روایت یہ ہے کہ شہر وہ ہے جس میں کوئی امام یا قاضی ہو جو حدود قائم کر سکے فتح القدیر میں ہے شہر وہ ہے جس میں کوچے اور بازار ہوں جس میں حاکم ہو جو ظالم سے مظلوم کو انصاف دلا سکے جس میں کوئی بڑا عالم ہو جو مسائل پیش آمدہ میں فتوی دے سکے اور یہ اس سے خاص ہے حضرت علیؓ کے قول لا جمعۃ ولا تشریق الخ کے جس کو عبدالرزاق نے بیان کیا ہے ہی دو مطلب بیان کئے گئے ہیں تو مصر جامع وہ ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں پہلی تفسیر کے مطابق جس شہر کا والی کافر ہو اس میں جمعہ فرض نہ رہے گا اور یہ دونوں شرطیں مردود ہیں صحابہ نے یزید کے زمانہ میں جمعہ نہ چھوڑا حالانکہ اس کے ظالم ہونے میں کوئی شک ہی نہیں ہے اس نے اہل بیت کی حرمت ختم کی۔ مدینہ پر چڑھائی خانہ کعبہ پر گولے برسائے کیا اس کے ظالم ہونے میں شک ہے؟ اور پھر صحابہ نے ان دنوں میں جمعہ کیوں نہ چھوڑ دیا اب اگر صرف اس بنا پر بلخی کی روایت قبول ہے کہ لوگوں میں سستی پیدا ہو چکی ہے

والتقدیم لان کل انسان یطلب لنفسہ رتبۃ فلابد من امر السلطان لیندفع هذہ المنازعۃ فهذا رای لا یثبت الاشتراط لاطلاق نصوص وجوب الجمعۃ ثم هذہ المنازعۃ تندفع باجماع المسلمین علی تقدیم واحد کما ان نصب السلطان یطلبها کل احد من الناس فعسی ان تقع المنازعۃ فلا یصح نصب السلطان لکن تندفع هذہ المنازعۃ باجماع المسلمین علی تقدیم واحد فکن هذا وکما فی جماعۃ الصلوۃ عسی ان تقع المنازعۃ فی تقدیم رجل لکن تندفع باجماع المصلین فکذا فی الجمعۃ ثم الصحابۃ اقاموا الجمعۃ فی زمان فتنۃ بلوی امیر المومنین عثمان وکان هو اماما حقا محصورا ولم یعلم انهم طلبوا الاذن فی اقامۃ الجمعۃ بل الظاهر عدم الاذن لان هؤلاء الاشقیاء من اصحاب الشر لم یرخصوا ذلک فعلم ان اقامۃ الجمعۃ غیر مشروطۃ عندهم بالاذن ولعل لهذہ الواقعۃ رجع المشائخ عن هذا الشرط فیما تعذر الاستیذان وافتوا بانہ ان تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بهم کذا فی العالمگیریۃ ناقلا عن التهذیب انتهی - کلام مولانا المرحوم فی الارکان الاربع۔

پس بر متبصران شریعت غراء مخفی مماد کہ از تقریر مولانا مرحوم صاف واضح میشود کہ شرط

---

اور مظلوم کا ظالم سے انصاف نہیں دلایا جاتا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ سستی اور بے انصافی تو امیر معاویہ کے بعد بنو امیہ کے دور میں شروع ہو چکی تھی سوائے عمر بن عبد العزیز کے اور پھر عباسی خاندان میں بھی رہی تو کیا کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے کبھی جمعہ چھوڑا؟ معلوم ہوا کہ یہ دونوں شرطیں غلط ہیں اور ایک شرط بادشاہ کی لگائی گئی ہے یا اس کے امیر کی اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اگر یہ نہ ہوئے تو ممکن ہے جمعہ پڑھانے کے متعلق اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو جائے ایک عالم کہے کہ میں جمعہ پڑھاؤنگا اور دوسرا کہے میں جمعہ پڑھاؤنگا لیکن یہ اختلاف تو عام جماعتوں میں بھی ہو سکتا ہے وہاں بادشاہ یا امیر کی شرط کیوں نہیں لگائی گئی اس کا حل یہ سوچ لیا گیا ہے کہ جس امام کو لوگ متفق ہو کر امام بنالیں وہ جماعت کرائے تو یہی فیصلہ جمعہ کے متعلق بھی ہو سکتا ہے اور پھر حضرت عثمان کا جب محاصرہ ہو گیا تھا اس وقت جمعہ چھوڑ دینا چاہیئے تھا لیکن صحابہ نے نہیں چھوڑا بلکہ حضرت عثمان سے اجازت بھی نہیں لی گئی اور جمعہ ہوتا رہا یہی وجہ ہے کہ شوافع نے بادشاہ یا اس کے امیر کی شرط نہیں رکھی یہ شرط صرف حنفیہ کے نزدیک ہے عالمگیری اور تہذیب میں بھی اسی طرح ہے

مصر موافق مسلک کرخی و شرط وجود سلطان از دلائل شرعیہ مضبوط نیست کہ بفوت آنہا جمعہ فوت گردد و صحیح نشود چنانکہ بر متاملان نصوص پوشیدہ نباشد قطع نظر ازیں اذن سلاطین سابقہ در ادائے جمعہ برائے امامان و قاضیان ایں دیار نسلاً بعد نسل واقع است پس اذن جدید ضرور نیست چنانکہ از در مختار وغیرہ ایں حکم مستفاد میشود کما لا یخفی علی المتامل المنصف ولما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ اقام یوم الاثنین والثلاثاء والاربعاء والخمیس فی بنی عمرو بن عوف واسس مسجدھم ثم خرج من عندھم فادرکتہ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فصلاھا فی المسجد الذی فی بطن الوادی فکانت اول جمعۃ صلاھا بالمدینۃ انتہی ما فی البحر الرائق وقال الشمنی لما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ اقام یوم الاثنین والثلاثاء والاربعاء والخمیس فی بنی عمرو بن عوف ثم خرج من عندھم فادرکتہ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فصلاھا فی المسجد الذی فی بطن الوادی فکانت اول جمعۃ صلاھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتہی۔ روی عبد الرزاق باسناد صحیح عن ابن سیرین قال جمع اھل المدینۃ قبل ان یقدمھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقبل ان ینزل سورۃ الجمعۃ فقالت الانصار ان الیھود لھم یوم یجتمعون فیہ بکل سبعۃ وللنصاری کذلک فلنجعل یوما لنا نذکر اللہ تعالی ونشکر ونصلی فیہ فجعلوہ یوم العروبۃ واجتمعوا الی اسعد بن زرارۃ فصلی بھم یومئذ رکعتین

مولانا کی مندرجہ بالا تقریر سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کرخی کے مسلک کے مطابق مصر یا بادشاہ کی جو شرطیں لگائی گئیں ہیں یہ صحیح نہیں ہے کہ ان کے فقدان سے جمعہ نہ پڑھا جائے اور پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ سلاطین سابقہ نے جمعہ کے ادا کرنے کے لئے اماموں اور قاضیوں کو نسلاً بعد نسل اجازت دے رکھی ہے ہر وقت نئی اجازت کی ضرورت نہیں۔

عبد الرزاق نے ابن سیرین سے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ مدینہ والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے سے پہلے اور سورۃ جمعہ نازل ہونے سے پہلے مدینہ میں جمعہ پڑھا اس طرح

وذکرھم فسموہ یوم الجمعۃ وانزل اللہ تعالیٰ بعد ذلک واذا نودی للصلوۃ من
یوم الجمعۃ والحدیث وان کان مرسلا فلہ شاھد حسن اخرجہ ابوداؤد
عن کعب بن مالک وصححہ ابن خزیمۃ و اول من صلی الجمعۃ بالمدینۃ
قبل الھجرۃ اسعد بن زرارۃ قال الحافظ ولا یمنع ذلک انہ صلی اللہ علیہ
وسلم علمہ بالوحی وھو بمکۃ فلم یتمکن من اقامتھا ثمہ ولذلک جمع
لھم اول ما قدم المدینۃ ویدل علی ذلک ما اخرجہ الدارقطنی
عن ابن عباسؓ قال اذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم للجمعۃ قبل ان
یھاجر ولم یستطع ان یجمع بمکۃ فکتب الی مصعب بن عمیر اما
بعد فانظر الیوم الذی یجھر فیہ الیھود بالتوراۃ فاجمعوا نسائکم
وابنائکم فاذا مال النھار عن شطرہ عند الزوال یوم الجمعۃ فتقربوا
الی اللہ تعالیٰ برکعتین قال فھو اول من جمع حتی قدم النبی صلی اللہ
علیہ وسلم المدینۃ فجمع عند الزوال من الظھر انتھی ما فی المحلی
شرح الموطا للعلامۃ سلام اللہ من اولاد الشیخ عبد الحق المحدث الدھلوی
وقال فی التفسیر النیشاپوری روی ان الانصار اجتمعوا الی اسعد بن
زرارۃ وکنیتہ ابوامامۃ وقالوا ھلموا نجعل لنا یوما نجتمع فیہ فنذکر
اللہ تعالیٰ ونصلی فان للیھود السبت وللنصاری الاحد فاجعلوہ یوم
العروبۃ فصلی بھم یومئذ رکعتین وذکرھم فسموہ یوم الجمعۃ
لاجتماعھم فیہ وانزل اللہ آیۃ الجمعۃ فھی اول جمعۃ کانت فی الاسلام
قبل مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما اول جمعۃ جمعھا رسول

کہ انصار اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ یہودیوں نے بھی ایک دن عبادت کے لئے مقرر کر رکھا ہے کہ اس میں تورات پڑھتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں اور نصاریٰ نے بھی ایسا ہی کر رکھا ہے ہم کو بھی کوئی دن مقرر کرنا چاہیے کہ جس میں ہم خدا کی عبادت کریں حمد کریں اور شکر ادا کریں چنانچہ انہوں نے یوم العروبہ کو عبادت کا دن مقرر کر لیا اور بعد ازاں اسی دن کا نام یوم الجمعہ ہو گیا اسعد بن زرارہ نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور بعد ازاں خدا تعالیٰ نے سورۃ جمعہ نازل فرمائی اگرچہ یہ حدیث مرسل ہے لیکن اس کا ایک شاہد ابوداؤد میں حدیث حسن موجود ہے حافظ ابن حجر نے کہا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا حکم وحی کے ذریعہ مکہ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہی انہ لما قدم المدینۃ مہاجرا نزل قباء علی بنی عمرو بن عوف واقام بہا یوم الاثنین والثلثاء والاربعاء والخمیس واسس مسجدھم ثم خرج یوم الجمعۃ عامد المدینۃ فادرکتہ الصلوۃ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فی بطن واد لہم فخطب وصلی الجمعۃ انتہی ما فی النیشاپوری واول جمعۃ جمعہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لما قدم المدینۃ نزل قباء واقام بہا الجمعۃ ثم دخل المدینۃ وصلی الجمعۃ فی دار بنی سالم بن عوف انتہی۔ ما فی البیضاوی۔

پس ازیں قصۂ صحیحہ مذکورہ ہویدا گردید کہ مدینہ منورہ در ابتدائے نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار شوکت وغلبہ اسلام وظہور ونفاذ حدود وقصاص ہرگز نبود باوجود ایں جمعہ گذاردہ شد دریں جا دریں صورت مسلک کرخی مخالف ایں قصہ مذکورہ است پس ناگزیر مسلک بلخی کہ موافق ومطابق ایں قصہ است واجب العمل باید دانست آں را بنا برآں اختیار کردن مسلک بلخی را واجب افتاد کما لایخفی علی المتامل المتفطن الماہر بالنصوص وبالفرض والتقدیر اگر در یک شرط فتور وشک واقع شود امر قطعی ازاں چہ گونہ مرتفع شود لہٰذا اطال فی فتح القدیر فی بیان دلائلہا ثم قال انما اکثرنا فیہ نوعا من الاکثار لما تسمع عن بعض الجہلۃ انہم ینسبون الی مذہب الحنفیۃ

میں معلوم کر لیا ہو لیکن وہاں آپ جمعہ قائم نہ کر سکے ہوں یہی وجہ ہے کہ آپ نے مدینہ آتے ہی پہلا جمعہ پڑھایا اسے ضائع نہیں ہونے دیا اور اس پر دارقطنی کی عبداللہ بن عباس سے نقل کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ ہی میں مصعب عمیر کو حکم بھیج دیا تھا کہ جمعہ پڑھیں عورتوں اور بچوں کو جمع کریں جب سورج ڈھل جائے تو دو رکعت نماز پڑھیں یہ سب سے پہلا جمعہ تھا جو مدینہ میں پڑھا گیا محلی شرح موطا کا خلاصہ ختم ہوا۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ سب سے پہلے انصار نے اسعد بن زرارہ کے ماتحت جمعہ پڑھا اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آتے ہی سب سے پہلا جمعہ بنی سالم کے پاس بطن وادی میں پڑھایا تفسیر بیضاوی میں اسی طرح ہے اس صحیح واقعہ سے معلوم ہوا کہ جب مدینہ میں جمعہ کی ابتدا ہوئی اس وقت مدینہ میں مسلمانوں کی اور غلبہ نہیں تھا حدود وقصاص کا اجرا نہیں تھا لیکن اس کے باوجود جمعہ پڑھا گیا تو اس صورت میں بلخی کی روایت ہی قابل اتباع معلوم ہوتی ہے اسی کو اختیار کرنا چاہئے اور اگر ان شرائط کو بفرض محال صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو ایک شرط

عدم افتراضہا و منشاء غلطہم ما سیاتی من قول القدوری ومن صلی الظہر فالحرمۃ لترک الفرض وصحت الظہر لما سنذکر وقد صرح اصحابنا بانہا فرض آکد من الظہر وباکفار جاحدہا انتہی اقول قد کثر ذلک من جہلۃ زماننا ایضا ومنشاء جہلہم صلوۃ الاربع بعد الجمعۃ بنیۃ الظہر وانما وضعہا بعض المتاخرین عند الشک فی صحۃ الجمعۃ بسبب روایۃ عدم تعددہا فی مصر واحد ولیست ہذہ الروایۃ بالمختارۃ ولیس ہذا القول اعنی اختیار صلاۃ الاربع بعدہا مرویا عن ابی حنیفۃ وصاحبیہ انتہی ما فی البحر الرائق ونیز فقہاء می نویسند کہ در مقامیکہ ولاۃ کفار وغلبہ ایشان باشد واجب است کہ یکے را والی وقاضی گردانند وحکم ادیجمعہ واعیاد گزارند قال فی مجمع الفتاوی غلب علی المسلمین ولاۃ الکفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ والاعیاد ویصیر القاضی قاضیہا بتراضی ویجب علیہم ان یلتمسوا والیا مسلما انتہی ما فی مفتاح السعادۃ ہکذا فی الطحطاوی ولو مات الوالی او لم یحضر لفتنۃ ولم یوجد احد ممن لہ حق اقامۃ الجمعۃ ینصب العامۃ لہم خطیبا للضرورۃ کما سیاتی مع انہ لا امیر ولا قاضی ثمہ اصلا وبہذا ظہر جہل من یقول لا تصح الجمعۃ فی ایام الفتنۃ مع انہا تصح فی البلاد التی استولی علیہا الکفار کذا فی رد المحتار حاشیۃ در المختار۔

---

کے ارتفاع سے ایک حکم قطعی کیسے اٹھ جائے گا۔

فتح القدیر میں اس پر دلائل قائم کئے ہیں اور تفصیل سے کئے ہیں، اور اس کے بعد لکھا ہے کہ ہم نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے، کیونکہ سننے میں آتا ہے کہ بعض جاہل لوگ جمعہ کی عدم فرضیت امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور ان کو قدوری کی عبارت سے ٹھوکر لگی، کہ اس نے لکھا ہے کہ جو آدمی ظہر پڑھ لے، تو ظہر صحیح ہے کیونکہ فرض کو چھوڑنا حرام ہے اور ہمارے اصحاب نے تصریح کی ہے کہ جمعہ فرض ہے اور یہ مؤکد تر ہے ظہر سے اور اس کا منکر کافر ہے، میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانے کے جہلاء بھی ایسے ہی ہیں، ان کی جہالت دیکھئے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت ظہر کی نیت سے پڑھتے ہیں، اس کو بعض متاخرین نے جمعہ میں شک کی وجہ سے ایجاد کیا ہے کہ ایک ہی شہر میں متعدد جمعے نہیں ہونے چاہئیں اور یہ قول مختار نہیں ہے اور یہ احتیاطی کی چار رکعت پڑھنا تو امام صاحب سے مروی ہے اور نہ صاحبین سے۔

اور اس کے علاوہ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کفار کا غلبہ ہو یا والی مر گیا ہو، یا فتنہ کی وجہ سے وہ ظاہر نہ ہو سکتا ہو،

پس ازین روایات ہم واضح گردید، کہ ادائے جمعہ بہر طور باید و ترک آن نشاید، چگونہ ترک کردہ شود کہ یکے از عمدہ شعائر اسلام است، دریں صورت بر علمائے دیندار واجب و لازم کہ بر دلائل فرضیہ جمعہ نظر فرمایند، و حکم گذاردن آن بوجہ وجوب بروایت بلخی نمایند، کہ این روایت مؤید بدلائل شرعیہ است، چنانکہ بیانش گذشت نسازند کہ موجب وبال اخروی گردد، وما علینا الا البلاغ فقط

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین۔

ھذا الجواب صحیح لما فی المجتبی عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہ ما اجتمعوا فی اکبر مساجدھم للصلوۃ الخمس لم یسعھم وعلیہ فتوی اکثر الفقھاء قال ابو شجاع ھذا احسن ما قیل فیہ وفی الولوالجیۃ وھو صحیح کذا فی البحر الرائق وغیرہ من کتب الفقہ فقط۔　　حررہ حفیظ اللہ خان

ھذا الجواب صحیح عند اھل العلم وعند اولی الالباب، بلا ارتیاب فعلی المرء ان لا یترک الجمعۃ لانھا من اعظم شعائر الاسلام وکان لمن ترکھا عذاب یوم الحسرۃ والندامۃ من الدیان کما تدین تدان۔　　حررہ کریم اللہ

نماز جمعہ را ہرگز ترک نباید کرد۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الحدیث رواہ ابو داؤد فقط کتبہ محمد قطب الدین الدھلوی

بعد حمد و نعت باید دانست، کہ نماز جمعہ را ہرگز ہرگز بدین شبہات کہ دشمنان دین می اندازند ترک نباید کرد لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام من ترک الجمعۃ ثلث مرات من غیر ضرورۃ طبع اللہ علی قلبہ رواہ احمد والحاکم وصححہ دروایت کرخی را بنا بر خوف این وعید شدید باید گذاشت و بروایت بلخی کہ فتوی اکثر فقہاء بران است عمل باید فرمود، المصر ھو ما لا یسع اکبر

---

تو مسلمانوں کو چاہیئے، کہ مقامی طور پر کسی کو اپنا امیر، امام، یا قاضی مقرر کریں اور اس کی سرکردگی میں جمعہ اور عیدین ادا کریں، مفتاح السعادت طحطاوی اور رد المختار میں بھی ایسا ہی ہے پس ان روایات سے ثابت ہوا کہ جمعہ بہر حال ادا کرنا چاہیئے کیونکہ وہ عمدہ شعائر اسلامی ہے، اس صورت میں علماء کا فرض ہے، کہ فرضیت جمعہ کے دلائل پر غور فرمائیں، اور بلخی کے مسلک کے مطابق جمعہ ادا کرنے کا حکم دیں، کہ یہ روایت شرعی دلائل سے مؤید ہے۔

نماز جمعہ کو دشمنان دین کے شبہات کی وجہ سے بالکل ترک نہیں کرنا چاہیئے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ جو آدمی بغیر عذر کے تین جمعے چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دیتے ہیں، پس اس وعید شدید کی بنا پر کرخی کی روایت کو چھوڑ کر بلخی کی روایت پر عمل کرنا چاہیئے، کہ اکثر فقہاء کا فتوی اسی پر ہے کہ شہر وہ ہے

مساجد ھو اھلہ المکلفین بہا وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء مجتبی ھکذا فی الدر المختار ثم اختلفوا فی تفسیر المصر الجامع یجوز فیہ اقامۃ الجمعۃ فقال بعضہم ما یعیش فیہ کل محترف بحرفتہ فی سنۃ الی سنۃ من غیر ان یحتاج الی حرفۃ اخری واختار البعض ما ذکرہ المصنف فی المتن وقیل احسن ما قیل فیہ اذا کانوا بحال لو ای اھلہ اجتمعوا فی اکبر مساجد ھو لم یسعہم ذلک حتی احتاجوا الی بناء مسجد الجمعۃ کذا فی ابن امیر وشرح الوقایۃ انتہی ما فی المستخلص شرح کنز الدقائق، پس بدیں عبارت ہم واضح ولائح است، کہ روایت بلخی احسن است از روایت کرخی بلکہ آں را مختار بعض قرار دادہ اگرچہ روایت دیگر فتاوے مثل قاضی خاں وسراجیہ وحمادیہ وقنیہ وشروح وحواشی کتب فقہ دال برین مستند خواستہ بودم کہ تحریر پرسش نمایم اگرچونکہ حضرت مجیب اول دریں چیزے نگذاشتہ اند وتحقیق بلیغ نمودہ اند بنا برآں بریں کلمات اکتفا رفتہ، واللہ اعلم بالصواب، حررہ محمد عبد الرب،

| سید محمد نذیر حسین | حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ | محمد قطب الدین خان |
|---|---|---|
| محمد عبد الرب ۱۲۶۷ | محمد اسد علی ۱۲۸۱ | محمد اکرم اللہ |

**سوال**:۔ وقت نماز جمعہ کا نزدیک اہل حدیث کے کب تک رہتا ہے، اور جمعہ کی نماز میں خطبہ کس قدر اور نماز کس قدر چاہیئے، اور ایک شخص نے بارہ بجے سے خطبہ شروع کیا اور دو بجے خطبہ ختم کیا، اور کل بارہ منٹ نماز دو رکعت میں ختم کیا، یہ موافق سنت کے ہوا یا خلاف سنت ہے، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ وقت نماز جمعہ بعینہ وقت ظہر ہے پس جب تک وقت ظہر کا باقی رہتا ہے اسی وقت تک جمعہ کا بھی وقت باقی رہتا ہے، چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔ ان مالکا یقول ببقاء وقتہا الی الغروب قال ویجاب بان شرعیۃ الجمعۃ مقام الظہر علی خلاف القیاس[1]

---

جس کے رہنے والے سب سے بڑی مسجد میں نہ سما سکیں" در مختار میں بھی ایسا ہی لکھا ہے، بعض نے شہر کی یہ تعریف کی ہے، کہ وہاں ہر طرح کے پیشہ ور آدمی موجود ہوں، اور سال بھر تک اپنے پیشے ہی سے روزی کما سکیں کسی اور پیشہ کے محتاج نہ ہوں، بدائع، شرح وقایہ مستخلص، فتاوی قاضی خاں، سراجیہ، حمادیہ، قنیہ وغیرہ شروح وحواشی کتب فقہ میں بلخی کی روایت ہی کو مختار سمجھا گیا ہے، اور اسی پر عمل کرنا چاہیئے، واللہ اعلم۔

[1] امام مالک کہتے ہیں، جمعہ کا وقت غروب آفتاب تک ہے، اس کا جواب یہ ہے، کہ جمعہ کو ظہر کے قائم مقام خلاف قیاس رکھا گیا ہے، کیونکہ اس کی دو رکعتوں سے ظہر کی چار رکعتیں ساقط ہوتی ہیں تو انہی خصوصیات کی

لانہ سقوط ربع برکعتین فتراعی الخصوصیات التی ورد الشرع بھا اھ۔ اور امام شوکانی درر بہیہ میں فرماتے ہیں و وقتھا وقت الظہر لکونھا بدلا عنہ، پس ثابت ہوا کہ سوائے سایہ اصلی کے ایک مثل تک نماز جمعہ کا وقت رہتا ہے، اور نماز جمعہ کا لمبا کرنا، اور خطبہ کا مختصر ہونا حدیث مرفوع صحیح سے ثابت ہے مسلم شریف میں عمار بن یاسر سے مروی ہے۔ ان طول صلوۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقھہ فاطیلوا الصلوۃ واقصروا الخطبۃ الحدیث پس ثابت ہوا کہ صورت مذکورہ فی السوال بالکل مخالف حدیث و مناقض سنت سنیہ ہے فالحذر الحذر!

**سوال**:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس امر میں کہ خطبہ جمعہ وغیرہ میں واسطے سمجھانے عربی نہ جاننے والوں کے خطبہ عربی کا اردو یا پنجابی یا فارسی میں حسب حاجت ترجمہ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

**الجواب**:- اقول وباللہ التوفیق۔ ماہران شریعت پر مخفی نہیں کہ خطبہ لغت عربیہ میں وعظ و نصیحت کو کہتے ہیں جیسا کہ عبارات کتب لغت سے ظاہر ہے، الخطب والمخاطبۃ والتخاطب المراجعۃ فی الکلام ومنہ الخطبۃ والخطبۃ لکن الخطبۃ تختص بالموعظۃ والخطبۃ بطلب المرأۃ انتھی ما فی مفردات القرآن للامام راغب بن الحسین مختصرا خطبہ بالضم کلام کہ در ستائش خداوند و نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم و موعظت خلق باشد و نثر مسجع انتھی ما فی منتہی الارب، الوعظ والموعظۃ ھو مقترن بتخویف وقال الخلیل ھو التذکیر بالخیر فیما یرق بہ القلب قال اللہ عز وجل یعظکم لعلکم تذکرون وقال قد جاءتکم موعظۃ من ربکم الی آخر ما فی مفردات القرآن پس یہ بات ہوئی کہ خطبہ وعظ کو کہتے ہیں اور غرض و غایت درس و وعظ قرآن مجید و حدیث شریف سے یہ ہے، کہ سامعین وعظ سن کر اس سے پند پذیر و عبرت گیر ہوں، اور مطلب و معنی آیت وما انزلنا علیک الکتب الا

رعایت کی جائے گی جو شریعت نے مقرر کی ہے، ۱؎ خطب۔ مخاطبہ۔ تخاطب ایک دوسرے سے کلام کرنے کو کہتے ہیں اور خطبہ وعظ و نصیحت کی کلام سے خاص ہے اور خطبہ عورت کی منگنی ہے اور خطبہ بالضم خدا تعالیٰ کی تعریف و رسول کی توصیف اور وعظ و نصیحت کو کہتے ہیں جس میں تخویف شامل ہو اور اس سے دل نرم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وہ تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور فرمایا تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی ہے ۲؎ ہم نے تجھ پر کتاب اس لئے نازل فرمائی ہے کہ آپ ان

لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی آیۃ وانزلنا الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور وغیرہا کے اسی پر دال ہیں کہ سامعین غیر عربی دان کو بدون سمجھانے معنی اور واقف کرانے اس کے عبارت درس و وعظ سے کچھ حاصل نہیں اسی لحاظ سے خدا تعالیٰ نے فرمایا وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم الآیۃ و بیان مستلزم تفہیم و تفہم کو ہے اور بغیر قصد تفہیم و تفہم کے درس و وعظ معری عن المقصود ہوگا کما لا یخفی علی المتامل اما بالنسبۃ الی عامۃ الخلق فھو انہ تعالیٰ ذکر انہ ما بعث رسولا الی قومہ الا بلسان اولئک القوم فانہ متی کان الامر کذلک کان فہمھم لاسرار تلک الشریعۃ و وقوفھم علی حقائقھا سھل وعن الغلط والخطاء ابعد انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصرا قولہ لیبین لھم ما امروا بہ فیتلقونہ منہ بیسر و سرعۃ انتہی ما فی تفسیر ابی السعود قولہ تعالیٰ ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم ما امروا بہ فیتفقھوہ عنہ بیسر و سرعۃ ثم ینقلوہ و یترجموہ لغیرھم انتہی ما فی البیضاوی اور فرمایا سورۃ نحل میں ان اللہ یامر . . بالعدل والاحسان وایتاءی ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون قولہ لعلکم تذکرون لیس المراد منہ الترجی والتمنی فان ذلک محال علی اللہ تعالیٰ فوجب ان یکون معناہ ان اللہ تعالیٰ یعظکم لارادۃ ان تتذکروا طاعۃ انتہی ما فی التفسیر الکبیر لعلکم تذکرون طلبا لان تتعظوا بذلک انتہی ما فی التفسیر ابی السعود۔ پس ان تفاسیر سے صاف ظاہر و واضح ہوا کہ بدون سمجھنے معنے کے تذکر و اتعاظ متعذر و دشوار ہے بنا براں اس کے ترجمہ و وعظ و درس و خطبہ کا غیر عربی دان کے واسطے ضرور چاہیے اور وعظ و خطبہ بدون ترجمہ کے واسطے سامعین غیر عربی دان کے برائے نام ناکام و غرض ناتمام

کے سامنے وہ چیز بیان کریں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں" اور ہم نے تیری طرف قرآن اس لئے اتارا کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں لے ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اپنی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ ان کے سامنے بیان کر سکے کہ رسولوں کو ان کی قوم کی زبان میں وحی اس لئے کی گئی کہ وہ اس کو آسانی سے سمجھ سکیں اور کسی بات کے سمجھنے میں غلطی نہ کریں اور اس کو آسانی کے ساتھ دوسروں کے پاس نقل کر سکیں اللہ تعالیٰ نے سورہ نحل میں فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں انصاف احسان اور قرابت داروں کے حق ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے روکتے ہیں اور تمہیں نصیحت کرتے ہیں تاکہ تم

ہوگا کیونکہ درس و وعظ و خطبہ واسطے تفہیم و تفہم سامعین کے موضوع و مقرر ہوا تاکہ سامع سمجھ و بوجھ کر متنبہ ہو جاوے اور براہ راست آجاوے اسی لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حج و خطبہ جمعہ وغیرہ میں فرمایا فلیبلغ الشاهد الغائب اور بے سمجھ کیا پہنچا دے گا قاضی بیضاوی نے لیبین لہم کے تحت میں تصریحاً لکھدیا فیتفقهو ثم ینقلوه ویترجموه لغیرهم محض اس لئے کہ جب تک واعظ و خطیب کا وعظ و بیان سامعین کے مرکوز خاطر نہ ہوگا محض لغو و بیکار ہوگا کیونکہ جو غرض شارع کی اس خطبہ و وعظ سے تھی وہ فوت ہوگئی کما لا یخفی علی المتامل المتفطن اگر کوئی کہے کہ نماز میں بھی قاری کو چاہیے کہ مقتدی کے واسطے ترجمہ قرأت کا کرے تاکہ وہ اس کے معنے سمجھ بوجھ لے تو یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ قرآن کا پڑھنا امام و مقتدی دونوں پر نماز میں واجب ہے حسب ارشاد خداوند کریم کے فاقرؤا ما تیسر من القرآن پس امر وجوبی صیغہ فاقرؤا سے واضح ہوا کہ ہر نمازی کو خواہ امام ہو یا مقتدی نظم قرآن کہ خاص عربی منظوم کا نام ہے جو منقول متواتر ہم تک پہنچا پڑھنا ضرور و لابد ہے اور زبان فارسی وغیرہ میں ترجمہ اس کا نماز میں کرے تو منقول خاص متواتر باقی نہ رہیگا کیونکہ اس پر اطلاق قرآن کا نہ ہوگا تو خلاف مامور بہ کا لازم پس اسی سبب سے ترجمہ قرآن کا نماز میں پڑھنا ممنوع و محظور ہوگا کما لا یخفی علی ماهر الشریعۃ

علاوہ ازیں نماز ذکر ہے اور خطبہ تذکیر ذکر اور تذکیر کا حکم ایک کب ہو سکتا ہے احناف کرام نے بھی خطبہ کو بزبان عربی منحصر نہ رکھا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین اس پر متفق ہیں و بعض حنفیہ نے لکھا ہے کہ صاحبین نے وقت عجز رکھا نہ بلا عجز لیکن قول امام اعظم صاحب کا معتمد ہے

تتمہ لم یقید الخطبۃ بکونها بالعربیۃ اکتفاء بما قدمہ فی باب صفۃ الصلوۃ من انها غیر شرط ولو مع القدرۃ علی العربیۃ عنده خلافا لهما حیث شرطاها الا عند العجز انتہٰی ما فی الشامی قولہ وشرطا عجزه المعتمد قولہ ای الامام ابی حنیفۃ انتہٰی ما فی الطحطاوی اور ہرگاہ نص مذکور مساعد ترجمہ کا واسطے غیر عربی دان کے ہوا تو پھر لگلے پچھلے سے ہم کو باک نہیں تلک امۃ قد خلت لها ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون واللہ اعلم

---

نصیحت حاصل کر دلے تاکہ وہ اس کو سمجھیں پھر اس کو دوسروں کے پاس نقل کریں اور اس کا ترجمہ کریں۔

۲ے جو قرآن سے میسر ہو وہ پڑھو ۳ے خطبہ عربی زبان میں ہونا ضروری نہیں ہے باب صفۃ الصلوۃ میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عربی میں پڑھنا فرض نہیں ہے اگرچہ عربی کی قدرت رکھتا ہو اور صاحبین عجز کی شرط لگاتے ہیں لیکن معتمد قول امام ابو حنیفہ ہی کا ہے۔ طحطاوی میں ایسا ہی ہے۔

وهو الموفق للصواب فليعتبروا اولو النهى والالباب　　سید محمد نذیر حسین

سید محمد عبد السلام　　سید محمد ابوالحسن

هذا الجواب صواب لامرية فيه واما احتجاج المانعين للجواز بانه لم ينقل الينا عن احد من السلف انه ترجم بلسان الاعاجم فمنقوض بانه لايلزم من عدم الثبوت على ان ما رواه مسلم عن جابر بن سمرة من انه كانت للنبى صلعم خطبتان يجلس بينهما يقرأ القرآن ويذكر الناس وفى رواية يعظهم صريح فى الجواز فان اثر الوعظ والتذكير فى بلاد العجم لايمكن حصوله الا بالترجمة والله اعلم　　عبد التواب

چونکہ خطبہ میں شارع کی طرف سے کوئی تعیین کلمات کی وارد نہیں ہوئی بلکہ فقط حمد و ثنا بما ہو اہلہ اور تذکیر بالقرآن اور امر بالمعروف وارد ہوا ہے اور تذکیر عوام اہل ہند کو بغیر ترجمہ کے ممکن نہیں اس لئے بموجب دلائل فتوی بالا خطبہ میں ترجمہ قرآن کا کرنا اور وعظ کہنا اور امر بالمعروف کرنا زبان ہندی میں جائز ہے فقط حررہ محمد تغمدہ اللہ الصمد بالرحمة والفضل المؤید

خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبد الوہاب

مقصود شارع کا شریعت خطبہ سے صرف پند و موعظت ہی ہے پس جب خطبہ اس مقصود سے خالی ہوگا تو حقیقت میں وہ خطبہ خطبہ ہی نہیں یونہی برائے نام بطور رسم سمجھا جائے گا بیشک خطبہ میں واعظ جس زبان میں حاجت پوری کر سکتے ہیں کریں جو لوگ خطبہ میں وعظ بزبان عجمی کرنے سے باوجود دواعی شدیدہ کے منع کرتے ہیں وہ مقصود خطبہ سمجھنے سے بے خبر ہیں فقط حررہ محمد ابراہیم بن مولوی احمد ساکن جزیرہ جشیان ۔ جواب بہت ہی صحیح ہے عبد الرحمن بن عبد الکریم۔ جواب خطبہ جمعہ کا ہو خواہ کسی اور محل کا مقصود صرف وعظ و تذکیر ہے پس اگر یہ وعظ تذکیر صرف عربی عبارت سے ہو سکے اور اس کو اکثر مخاطبین و حاضرین مجلس سمجھیں تو عربی پر اکتفا کرنا اولی ہے اور اگر اکثر مخاطب عربی نہ سمجھیں تو اس کا ترجمہ ہندی میں اور دوسری زبانوں میں جو مخاطب سمجھیں ضروری ہے صحیح مسلم میں جابر بن سمرة سے روایت ہے کانت للنبی صلعم

---

لـہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ سلف سے منقول نہیں ہے کہ انہوں نے عجمی زبان میں ترجمہ کیا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ عدم ذکر سے عدم ثبوت لازم نہیں آتا صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ہوا کرتے تھے ان کے درمیان بیٹھتے قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے اور ایک روایت میں کہ ان کو وعظ کرتے یہ ترجمہ کے جواز میں صریح ہے کیونکہ عجمی ملکوں میں اس وقت تک وعظ کا اثر نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا ترجمہ نہ کیا جائے۔

خطبتان یجلس بینھما یقرء القرآن ویذکر الناس نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے فیہ دلیل للشافعی فی انہ یشترط للخطبۃ الوعظ والقراءۃ جو لوگ ہندیوں میں جو عربی نہ سمجھتے ہوں صرف عربی خطبہ اکتفا کرنے کو واجب جانتے ہیں اور ترجمہ کرنے کو ناجائز کہتے ہیں وہ خطبہ کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور مقصود شرع سے بے خبر ہیں اس باب میں ایک مفصل اشاعۃ السنہ شائع ہوگا اس لئے اس مقام میں زیادہ تفصیل نہیں ہوئی

ابو سعید محمد حسین

ان الحکم الا للہ اگر کوئی شخص اس طور پر خطبہ پڑھے کہ اس میں عبارات عربی مثل آیات قرآنی اور احادیث اور ادعیہ ماثورہ کچھ نہیں ہوں تو یہ صورت جائز نہیں ہے اور اگر ایسا نہیں کرے بلکہ عبارات عربیہ کو بھی پڑھے اور اس کے بعد اس کا ترجمہ کردے تاکہ عوام الناس کو اس سے فائدہ پہنچے یہ صورت جائز ہے صحیح مسلم میں ہے کانت للنبی صلعم خطبتان یجلس بینھما یقرء القرآن ویذکر الناس جب تک ترجمہ نہیں کیا جائے گا تو عوام الناس کیونکر سمجھیں گے اور تذکیر کا اختصاص بھی آنحضرت صلعم کے ساتھ اس مقام میں کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کافی و وافی ہے واللہ اعلم بالصواب حررہ ابو الطیب محمد المدعو بشمس الحق العظیم آبادی عفی عنہ

ابو الطیب محمد شمس الحق | محمد اشرف عفی عنہ | ابو محمد عبداللہ محمد ادریس

**سوال** ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین القاہم اللہ الی یوم الدین اس مسئلہ میں کہ درمیان خطبہ جمعہ کے واسطے پند و نصائح سامعین کے جو عربی زبان نہیں جانتے کچھ اشعار یا نثر بزبان سامعین کہ جن کا مضمون ماجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے پڑھنا درست ہے یا نہیں اور شعروں کے بارہ میں کیا حکم ہے شرع کا۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ درست ہے کیونکہ پند و نصیحت خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے صحیح مسلم کی روایت سے مشکوۃ کے باب الخطبہ میں جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینھما یقرء القرآن ویذکر الناس یعنی انہوں نے بیان کیا ہے کہ پڑھا کرتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبہ اور بیٹھتے درمیان دونوں کے اور خطبہ میں قرآن پڑھتے اور لوگوں کو وعظ فرمایا کرتے اور

لہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ہوا کرتے تھے ان کے درمیان بیٹھتے قرآن پڑھتے اور نصیحت کرتے

وعظ کا فائدہ جبھی ہوتا ہے کہ سننے والے کی بولی میں ہو اسی واسطے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ ابراہیم میں وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم یعنی نہیں بھیجا ہم نے کسی نبی کو مگر اس کی قوم کی بولی میں تو کہ وہ اچھی طرح سمجھا سکے ان کو پس اس آیت سے بخوبی ثابت ہوا کہ نصیحت سامعین کی بولی میں ہو کہ وہ سمجھیں اور یہ اعتراض کہ خطبہ میں نصیحت بزبان اردو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں بیجا ہے کیونکہ اس بارہ میں کسی زبان کی خصوصیت نہیں صرف یہ ثبوت چاہیئے کہ خطبہ میں آپ نصیحت کرتے تھے یا نہیں سو اس کا ثبوت حدیث صحیح میں موجود ہے اور یہ خطبہ ہی پر حصر کیوں رکھا قرآن وحدیث کا ترجمہ اور وعظ کرنا بھی تو بزبان اردو وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ سے ثابت نہیں ہے پھر وہ کیوں منع نہیں غرضکہ وعظ بزبان سامعین دین میں کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث دنیا میں اسی واسطے آئے ہیں کہ سب جہان کے لوگ سمجھیں اور شعر کے بارے میں یہ ہے۔ ذکر[1] عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشعر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو کلام فحسنہ حسن وقبیحہ قبیح رواہ الدار قطنی وحسنہ العزیزی

اور مالابد منہ میں ہے شعر[2] کلام است موزون حسن او حسن است وقبیح او قبیح لیکن بیشتر ازاں صرف وقت دراں مکروہ است اور اس کے حاشیہ میں ہے یعنی اگر مضمونش[3] مشتمل باشد بر حمد خدا یا نعت رسول یا تحریض بر ذکر خدا وعبادت یا مسئلہ دینیہ پس گفتنش وخواندنش ہر دو موجب ثواب واجر است واگر مشتمل باشد بر امر مباح پس مباح است واگر متضمن باشد بر امور ممنوعہ مثل بیان سراپا وخد وخال امردے یا زنے صاحب حسن کہ دراں شہر زندہ موجود باشد یا ہجو مسلمانے غیر ظالم پس انشادش ہر دو حرام کذا فی العینی شرح الکنز واللہ اعلم بالصواب

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر کا تذکرہ ہوا، تو آپ نے فرمایا، وہ بھی ایک کلام ہے جس کا مضمون اچھا ہے وہ اچھا شعر ہے، اور جس کا برا ہے وہ برا ہے [2] شعر ایک موزون کلام ہے، جو اچھا ہے سو اچھا ہے اور جو برا ہے سو برا ہے لیکن اس میں زیادہ وقت صرف کرنا مکروہ ہے [3] اگر شعر کا مضمون حمد خدا اور نعت رسول یا ذکر خدا و عبادت کی ترغیب پر مشتمل ہو یا اس میں کوئی دینی مسئلہ بیان کیا گیا ہو، تو اس کا کہنا اور پڑھنا موجب ثواب ہے اور اگر مباح امر پر مشتمل ہو تو مباح ہے اور اگر امور ممنوعہ پر مشتمل ہو، مثلاً کسی امرد یا عورت کے خدوخال کی تعریف یا کسی عادل مسلمان کی ہجو ہو تو اس کا لکھنا اور پڑھنا دونوں حرام ہیں۔

حررہ خادم العلماء محمد حسن عفاء اللہ عنہ وعن جمیع المؤمنین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

سید محمد نذیر حسین

**ھوالموفق**:۔ اس مضمون میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شعر ایک کلام ہے کہ جس کا مضمون اچھا ہے، وہ اچھا ہے اور جس کا برا ہے، وہ برا ہے، مگر ساتھ اس کے خطبہ میں کبھی شعر پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت نہیں، خطبہ نبویہ وخطبات خلافت راشدہ اشعار سے خالی ہوتے تھے فاتباع سنتہ صلی اللہ علیہ وسلم وسنۃ خلفائہ الراشدین المھدیین اولی، ھذا ما عندی واللہ تعالی اعلم بالصواب، کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ بغیر خطبہ کے ہو جاتی ہے یا نہیں، اور خطبہ داخل نماز جمعہ ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ نماز جمعہ بغیر خطبہ کے ہو جاتی ہے اور خطبہ داخل نماز جمعہ نہیں ہے، اس لئے کہ خطبہ سنت مؤکدہ اور شعائر اسلام سے ہے، نہ واجب اور نہ شرط، مگر بغیر خطبہ کے نماز جمعہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور نہ صحابہ اور نہ تابعین وغیرہ سے منقول بلکہ خطبہ پر مواظبت ومداومت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ وغیرہ سے پائی گئی ہے، چنانچہ تفصیل ذیل سے واضح ہوگا، پس ترک کرنا اس کا ہرگز نہیں چاہیئے اگرچہ اس کے ترک سے جمعہ میں کچھ خلل شرعی نہیں واقع ہوتا ہے، جیسا کہ فتح الربانی فی فتاوے الشوکانی وسیل الجرار المتدفق علی حدائق الازہار وروضۃ الندیہ میں مذکور ہے۔ لم یتقرر لدینا[1] دلیل صحیح معتبر یدل علی وجوب الخطبۃ فی الجمعۃ حتی یکون شھودھا واجبا والفعل الذی وقعت المداومۃ علیہ لا یستفاد منہ الوجوب بل یستفاد منہ ان ذلک المفعول علی الاستمرار سنۃ من السنن المؤکدۃ فالخطبۃ فی الجمعۃ سنۃ من السنن المؤکدۃ وشعار من شعائر الاسلام لم تترک منذ شرعت الی موتہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ثبت صلوۃ جمعۃ بغیر خطبۃ وھکذا بعد عصرہ فی جمیع الاقطار

[1] ہم نے آج تک کوئی ایسی صحیح ومعتبر دلیل نہیں دیکھی جس سے خطبہ کا وجوب ثابت ہوتا ہو، ہاں ایسا فعل جس پر ہمیشہ سے عمل ہوتا آرہا ہو اس سے سنت مؤکدہ کا تو ثبوت مل سکتا ہے، نہ واجب کا، سو جمعہ میں خطبہ سنت مؤکدہ ہے، اور اسلام کا شعار ہے، جب سے جمعہ شروع ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک۔ اور اس کے بعد بھی کسی زمانہ میں

الی ھذا العصر لم تترك فی قطر من اقطار المسلمین ولا اھملت فی عصر من العصور الاسلامیۃ واما کونھا واجبۃ مفترضۃ فلمریات فی کتاب اللہ سبحانہ ولا فی سنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم مایدل علی ذلك ولا بلغ الینا ما یفید الوجوب کذا فی فتح الربانی انتھی ما فی الموعظۃ الحسنۃ وغیرھا واما فی کون الخطبۃ شرطا للصلوۃ فعلم وجود دلیل یدل علیہ لایخفی علی عارف فان شان الشرطیۃ ان یؤثر عدمھا فی عدم المشروط فھل من دلیل یدل علی ان عدم الخطبۃ یؤثر فی عدم الصلوۃ کذا فی الروضۃ الندیۃ شرح الدرر البھیۃ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

| | | |
|---|---|---|
| سید محمد نذیر حسین | | السید احمد حسن ۱۲۸۹ |
| ز شرف سید کونین شد شریف حسین ۱۲۹۳ | ابو البرکات حافظ محمد المعتصم بحبل اللہ الاحد ۱۲۹۲ھ | خادم شریعت رسول الثقلین تلطف حسین ۱۲۹۲ |
| | محمد غلام اکبر خان محمدی السنی ۱۲۸۹ | محمد عبد الحمید ۱۲۹۳ |



---

اسے نہیں چھوڑا گیا لیکن اس کا واجب یا فرض ہونا، نہ تو کتاب اللہ سے ثابت ہے، نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، روضہ ندیہ میں ہے۔ کہ خطبہ کا نماز کے لئے شرط ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ شرط کا عدم مشروط کے عدم کو مستلزم ہوتا ہے تو کیا کوئی ایسی دلیل مل سکتی ہے، کہ عدم خطبہ عدم نماز میں مؤثر ہو۔

# کتاب العیدین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کے کہ عورتوں کو اس زمانہ میں نماز عیدین کے لئے عیدگاہ میں جانا درست ہے یا نہیں، اگر درست ہے، تو اس اثر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کیا جواب ہے۔ عن عائشۃ رض قالت لو ادرك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعهن المساجد رواہ البخاری یعنی فرمایا حضرت عائشہ نے کہ اگر پاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو احداث کیا ہے عورتوں نے، تو بے شک منع فرماتے ان کو مسجدوں سے الخ روایت کیا اس کو بخاری نے

الجواب:۔ عورتوں کا بروز عیدین عیدگاہ میں جانا حدیث صریح صحیح مرفوع سے بلانکیر ثابت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں اہتمام بلیغ تھا، یہاں تک کہ حائضہ اور بن کپڑے والی کو بھی عیدگاہ میں حاضر ہونے کا حکم فرماتے، بخاری و مسلم میں ہے۔ عن ام عطیۃ قالت امرنا ان نخرج الحیض یوم العیدین وذوات الخدور فیشهدن جماعۃ المسلمین ودعوتهم وتعتزل الحیض عن مصلاهن قالت امرأۃ یا رسول اللہ احدنا لیس لها جلباب قال لتلبسها صاحبتها من جلبابها یعنی ام عطیہ سے روایت ہے، کہا انہوں نے کہ حکم کئے گئے ہم لوگ کہ نکالیں حیض والیوں کو عیدین میں اور پردہ دار کو، پس حاضر ہوں مسلمانوں کی جماعت میں اور دعائیں ان کی، اور علیحدہ بیٹھیں حیض والیاں اپنی نمازیوں کی صف سے کہا ایک عورت نے کہ یا رسول اللہ اگر نہ ہو کسی عورت کے پاس چادر، فرمایا تب چاہئے کہ اوڑھائے اس کو ساتھ والی اس کی، اپنی چادر سے، اور ایک روایت میں ہے صحیحین کے، کہ جائیں حیض والیاں عیدگاہ میں، پھر رہیں پیچھے لوگوں کے، اللہ اکبر کہیں ساتھ ان کے، نووی شارح مسلم نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے، کہ حضرت ابوبکر رض و علی رض و ابن عمر رض وغیرہ کے نزدیک ضرور تھا نکلنا عورتوں کا عیدین میں، اور تحت میں قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لتلبسها کے نووی لکھتے ہیں، کہ وفیہ حث علی حضور العید لکل احد وعلی المواساۃ والتعاون علی

البر والتقوی۔ یعنی حضرت کے اس فرمانے میں کہ بے کپڑے والی کو اس کے ساتھ والی کپڑا اڑھا کرلے جائے شوق دلانا ہے عیدین میں حاضر ہونے کے لئے ہر ہر شخص کو اور اوپر احسان اور مدد کرنے کے نکوئی و پرہیزگاری پر، اور یہاں شیخ عبدالحق دہلوی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں واگر[1] عاجزہ از قادرہ استعارہ نماید و سوال کند نیز جائز است، کہ وسیلہ امر خیر است، اور شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں ولذلک استحب خروج الجمیع حتی الصبیان والنساء و ذوات الخدور والحیض یعنی اسی اظہار شوکت اسلام کے لئے مستحب ہے جانا ہر ہر شخصوں کا عیدگاہ میں حتی کہ لڑکے اور عورتیں اور پردہ دار اور حیض والیاں، اور بخاری میں ہے۔ قلت لعطاء اتری حقا علی الامام الآن ان یاتی النساء فیذکرھن حین یفرغ قال ان ذلک لحق علیھم وما لھم ان لا یفعلوا یعنی کہا جریج نے عطا تابعی سے کہ کیا گمان کرتے ہیں آپ ضرورت امام پر اس زمانہ میں اس بات کی، کہ آوے امام پاس عورتوں کے، پھر وعظ کہے نماز سے فارغ ہو کر کہا عطاء نے یہ البتہ بے شک ضرور ہے، اماموں پر اور کیا ہے واسطے ان کے یہ کہ نہ کریں۔

اور جواب اثر حضرت عائشہ رض کا اولا یہ ہے، کہ غرض ان کی اقتناع احداث عورتوں کا ہے، جو کچھ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا کر رکھا تھا من الزینۃ والطیب وحسن الثیاب ونحوھا کما فی العینی نہ نفس حضوری مسجد، چنانچہ لفظ ما احدث النساء کا دلیل روشن ہے اس معنی پر اور وہ بے شک ممنوع و موجب فساد ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا شھدت احدکن المسجد فلا تمس طیبا رواہ مسلم یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آوے کوئی عورت مسجد میں پس خوشبو نہ لگاوے روایت کیا اس کو مسلم نے، اور ابو داؤد میں ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں قبول ہوتی نماز اس عورت کی جو خوشبو لگائے مسجد کے لئے، یہاں تک کہ غسل کرے غسل کرنا ناپاکی کا۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استاذنکم نساؤکم باللیل الی المسجد فاذنوا لھن۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ اجازت مانگیں تم سے عورتیں تمہاری مسجد کی رات کو، پس اجازت دو ان کو اس حدیث میں اجازت کو رات کے ساتھ مقید فرمایا، غرض جو امر باعث فساد ہے، اس کی

[1] اگر کوئی غریب عورت امیر عورت سے چادر مانگ لے، تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ نیک کام کا وسیلہ ہے ۱۲

اصلاح شارع سے خود ثابت ہے، اس کی اصلاح بقدر نقصان کرنا چاہیے، نہ کہ معدوم کر دینا اصل امر شرعی کا، یہ اصلاح نہیں ہے، بلکہ افساد ہے، حج کے لئے عورتیں جب سے گھر چھوڑ کر نکلتی ہیں، تو ابتدائے روانگی سے کیا کیا حالتیں ریل وجہاز و اونٹ پالان کی بے پردگی کی پیش آتی ہیں، پھر مکہ معظمہ میں وقت طواف وسعی وغیرہ کے کس مرتبہ کا اختلاط مردوں سے رہتا ہے، کہ مارے دھکوں کے گرگر جاتی ہیں، نعوذ باللہ من ذلک، اور یہ صریح حرام ہے، تو اس جہت سے عورتیں حج سے باز نہ رکھی جاویں گی، بلکہ اختلاط رجال اور دوسرے منہیات سے تاکید لازم ہوگی، ہاں جمعیت عورت و مرد خلاف شرع البتہ باعث فساد ضرور ہوتی ہے، اس کا انسداد لازم ہے جیسے مردوں کا سامنے اپنے غیر محرمات مثل بھاوج و سالیاں و سرہجین وغیرہ کے آیا کرنا، ان سے دل لگیاں ہونا، کشف عورت رہنا، جیسا کہ اکثر بلکہ تمام ہند میں دائر وسائر ہے، اس کو ضرور مسلمانوں کے گھر سے موقوف ہو جانا چاہیئے، کہ اس میں بڑے بڑے واقعات ہو گئے ہیں، اور شرعاً وعقلاً کسی طرح جائز نہیں ہے، غرض جس مجمع خلاف شرع میں کہ فساد واقع ہو رہا ہے، اس سے چشم پوشی کرنا، اور مجمع موافق شرع کو موقوف کر دینا فقط تقاضائے شرافت و امارت و اغوائے شیطانی ہے، اس سے پرہیز ناگزیر ہے۔

ثانیاً اگر تسلیم بھی کیا جائے، کہ غرض حضرت عائشہ رض کی مطلقاً منع حضوری مسجد ہے پس اس میں صریح تخصیص مسجد کی موجود ہے، قیاس امتناع حضوری عیدگاہ اس پر درست نہیں ہے، اس لئے کہ حضوری مسجد عورتوں کو جائز ہے، اور مستحب یہ ہے کہ گھر میں نماز ادا کریں، چنانچہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا نساءکم المساجد وبیوتھن خیر لھن رواہ ابو داؤد یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ روکو اپنی عورتوں کو مسجدوں سے اور گھر ان کے بہتر ہیں ان کے لئے بخلاف نماز عیدین کے، کہ اس میں یہاں تک تاکید فرمائی، کہ حائضہ اور بے کپڑے والی محتاج اوروں کے کپڑوں میں عیدگاہ آئیں، عذر سے بھی اس دن خانہ نشینی کی اجازت نہ دی

ثالثاً آپ منع کہاں فرماتی ہیں، وہ تو اپنا فہم ظاہر کرتی ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس احداث کو دیکھتے، تو میرے نزدیک یہ ہے، کہ عورتوں کو مسجد سے روکتے، اور یوں فرمانا یا اس سبب سے تھا، کہ مطابقت فہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ فہم اپنے کے ضروری نہ جانا، یا ترک ادب سے ڈریں، کہ اپنی رائے سے حکم صریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیونکر

اٹھایا جا سکتا ہے، یا آپ مختار حلت و حرمت ہی کی نہ تھیں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بمقتضائے حیا و بیان صریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ بیوتھن خیر لھن عورتوں کا مسجد میں جانا مکروہ جانتے تھے، پر منع کرنے میں دم نہیں مارتے تھے، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اجازت دینے کا حکم فرمایا، کہ لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ تو اب کون اس اجازت کو اٹھا سکتا ہے، بخاری شریف کے صفحہ ۱۲۳ میں ہے عن ابن عمر قال کانت امراۃ لعمر تشھد صلوۃ الصبح والعشاء فی الجماعۃ فی المسجد فقیل لھا لم تخرجین وقد تعلمین ان عمر رض یکرہ ذلک ویغار قالت فما یمنعہ ان ینھانی قال یمنعہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ رواہ البخاری، یعنی حضرت ابن عمر رض فرماتے ہیں، کہ تھیں بی بی حضرت عمر رض کی کہ نماز صبح اور عشاء کو جماعت سے ادا کرنے کو مسجد میں جایا کرتیں پس کسی نے ان سے کہا، کہ تم کیوں نکلتی ہو جب کہ جانتی ہو کہ عمر رض مکروہ جانتے ہیں نکلنا عورتوں کا، اور غیرت کرتے ہیں، کہا ان کی بی بی صاحبہ نے پس کس چیز نے منع کیا عمر رض کو کہ مجھے منع کر دیتے، کہا اس شخص نے کہ باز رکھا عمر رض کو تمہارے روکنے سے قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہ نہ روکو اللہ کی لونڈیوں کو اللہ کی مسجدوں سے روایت اس حدیث کو بخاری نے، اور حضرت عبد اللہ بن عمر رض نے اس سے منع کرنے پر اپنے بیٹے کو اس قدر سخت و درشت کہا، کہ کبھی کسی کو نہ کہا تھا، اور مرنے کو مر گئے پر بیٹے سے پھر مارے غصہ کے بات نہ کی، عن[1] بلال بن عبد اللہ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا النساء حظوظھن من المساجد اذا استاذنکم فقال بلال واللہ لنمنعھن فقال لہ عبد اللہ اقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتقول انت لنمنعھن وفی روایۃ سالم عن ابیہ قال فاقبل علیہ عبد اللہ فسبہ سبا ما سمعتہ سبہ مثلہ قط وقال اخبرک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتقول واللہ لنمنعھن

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر عورتیں تم سے اجازت مانگیں تو ان کو مساجد کے حصہ سے منع نہ کرو، بلال نے کہا خدا کی قسم ہم تو ان کو روکیں گے، تو حضرت عبد اللہ نے کہا میں کہہ رہا ہوں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اور تو کہتا ہے ہم ان کو روکیں گے، اور ایک روایت میں ہے، کہ عبد اللہ اس پر متوجہ ہوئے اور اس کو ایسی گالیاں دیں، کہ پہلے کبھی نہ دی تھی، اور کہا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر تجھے دے رہا ہوں، اور تو کہتا ہے کہ ہم ان کو روکیں گے ۱۲

رواہ مسلم اور احمد کی روایت میں ہے نماکلمہ عبد اللہ حتی مات کذا فی المشکوٰۃ ہرگاہ نماز دقتیہ میں یہ معاملے گذرے جس کا گھر میں ادا کرنا خود حدیث صریح صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا، بلکہ اس کو بہتر فرمایا ہے، پس نماز عیدین سے کہ جس کے لئے عیدگاہ میں جانے کی تاکید شدید واہتمام بلیغ موجود ہے اور کوئی حدیث ضعیف بھی اس کے خلاف نہیں آئی، اور یہ نماز گھر گھر ادا بھی نہیں کی جاتی ہے، اور اس مجمع کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر فرمایا ہے، کس حجت سے بھلا کوئی عورتوں کو منع کرے

رابعًا یہ کہ دلو فرضنا تو یہ حضرت عائشہ رض اپنے فہم سے فرماتی ہیں، اور فہم صحابہ حجت شرعی نہیں ہے۔ کما ثبت فی اصول الحدیث

خامسًا یہ کہ اگر مان بھی لیا جائے، کہ مقصود حضرت عائشہ رض کا امتناع عام ہے، تو یہ اثر کب معارض ہوسکتا ہے حدیث صحیح صریح مرفوع کا، اور ناسخ بھی کلام معصوم کا نہیں ہوسکتا پس حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درباب حضوری عورتوں کے عیدگاہ میں اسی اہتمام کے ساتھ بحال خود رہا اور جانا ان کا عیدگاہ میں ثابت ہوا، پھر اب جو شخص بعد ثبوت قول رسول و فعل صحابہ کی مخالفت کرے، وہ اس آیت کا مصداق ہے، ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی الآیۃ جو حکم صراحۃ شرع شریف میں ثابت ہوجائے، اس میں ہرگز ہرگز رائے و قیاس کو دخل نہ دینا چاہیے کہ شیطان اسی قیاس سے کہ انا خیر منہ حکم صریح الٰہی سے انکار کرکے ملعون بن گیا ہے اور یہ بالکل شریعت کو بدل ڈالنا ہے، عورت و مرد کے اختلاط کا فتنہ کچھ اسی زمانہ میں پیدا نہیں ہوا ہے ازل سے ابد تک رہا ہے، اور رہے گا، جس کی حکایتیں قرآن و حدیث میں موجود ہیں، اس لئے شارع نے سارے فساد کو خود دفع فرما دیا ہے، پھر بھی اس کو اصلاح طلب ہی سمجھنا تولہ تعالیٰ فبدّل[1] الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم کے وعید میں داخل ہونا ہے، ہاں یہ بھی زمانہ فساد کا ہے، ہر شخص اپنی عورتوں کا نگران رہے، بے پردہ بن ٹھن کر خوشبو لگا، بجتے گہنے زیور پہن کر ہرگز نہ جانے دے، ان کو مردوں سے الگ بٹھائے غرض اصلاح فساد ساتھ بقائے حکم شرع جس طرح ممکن ہو کرے، اور حکم شرع کو ہرگز ہاتھ سے نہ دے۔ واللہ اعلم بالصواب، اللھم ارزقنا اتباع سنن سید الموجودات

---

[1] تو ظالموں نے اس بات کو بدل دیا جو ان کو کہی گئی تھی ۱۲

وجنبنا عن البدعات امین، المجیب و صیت علی الجواب صحیح والرای نجیح

زشرح سید کونین شد شریف حسین | سید محمد نذیر حسین

اور روضہ ندیہ میں لکھا ہے۔ باب صلوۃ العیدین۔ قد اختلف اهل العلم هل صلوۃ العید واجبۃ ام لا والحق الوجوب لانہ صلی اللہ علیہ وسلم مع ملازمتہ لها قد امرنا بالخروج الیها کما فی حدیث امرہ صلی اللہ علیہ وسلم للناس ان یغدوا الی مصلاهم بعد ان اخبرہ الرکب برؤیۃ الهلال وهو حدیث صحیح وثبت فی الصحیح من حدیث ام عطیۃ قالت امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نخرج فی الفطر والاضحی العواتق والحیض، وذوات الخدور، فاما الحیض فیعتزلن الصلوۃ ویشهدن الخیر ودعوۃ المسلمین فالامر بالخروج یقتضی الامر بالصلوۃ لمن لا عذر لها بفحوی الخطاب والرجال اولی من النساء بذلک انتہی۔ پس میلان خلفائے ثلاثہ یعنی ابوبکر صدیق وعمر وعلی رضی اللہ عنہم کا بھی واجب کی جانب تھا، اور اسی بات کی تائید کرتی ہے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ جو ابن ماجہ میں مذکور ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ازواج وبنات کو عیدین میں لے جاتے تھے، پس یہ عموم شامل ہے جوان وبڑھیا دونوں کو، کذا فی بدر التمام شرح بلوغ المرام، اور نہج المقبول من شرائع الرسول میں مرقوم ہے اس طور سے، وزنان را بر آمدن سوئے عیدگاہ از برائے نماز وشرکت در دعا مسلمین مشروع است وسنت صحیحہ بداں وارد گشتہ ونماز فرادی ہم صحیح است

جہاں شد منور زنور الحسن ۱۲۹۲

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۲ | نعم المولی ونعم النصیر ۱۲۹۲ | محمد عبد العزیز

امیر حسن ساکن بہار، محمد جمیل، سید محمد حسن، حسن علی خان

سوال:۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، کہ ایک شہر میں باوجود ایسی

---

لہ علماء میں اختلاف ہے، کہ عید کی نماز واجب ہے یا نہیں؟ صحیح یہ ہے، کہ واجب ہے، کیونکہ حضور نے خود بھی اس پر ہمیشگی کی ہے، اور ہم کو بھی حکما عید کی نماز کے لئے باہر نکلنے کو کہا ہے، جب کہ ایک قافلہ نے آکر اطلاع دی، کہ ہم نے کل رات چاند دیکھا تھا تو حکم دیا کہ کل لوگ عید کی نماز کے لئے باہر نکلیں، اور ام عطیہ کی حدیث میں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کہ ہم عید الفطر اور عید الاضحی میں باہر نکلیں، حائضہ عورتیں بھی، پردہ نشین بھی، حائضہ عورتیں نماز سے الگ رہیں، اور دعا وغیرہ میں شامل ہو جائیں، اور باہر نکلنے کا حکم نماز کے حکم کا تقاضا کرتا ہے جس کو شرعی عذر نہ ہو، اور یہ حکم عورتوں کی نسبت مردوں کو زیادہ شامل ہوگا۔

عیدگاہ تیار ہونے کے کہ سارے شہر کے نمازیوں کی اس میں بخوبی گنجائش ہے، پھر بھی نماز عید بعض لوگ عیدگاہ میں پڑھتے ہیں اور بعض مسجد میں، پس ان میں افضل و بہتر کون سا طریقہ ہے بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

**الجواب:۔** وہو الموفق للصواب۔ شہر کے سب مسلمانوں کی نماز عیدین پڑھنا عیدگاہ میں بہتر اور افضل ہے، بشرطیکہ کوئی عذر شرعی مثل بارش و برد شدید و ضعف پیری و بیماری وغیرہ کے نہ رکھتے ہوں، اور اس میں کئی خوبیاں مخصوص ایسی ہیں کہ کوئی ان میں سے اور جگہ نماز پڑھنے میں حاصل نہ ہوگی، پہلے تو اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پیروی خلفار راشدین کی، اس واسطے کہ آپ ہمیشہ مع صحابہ کرام باوجود گنجائش مسجد نبوی کے نماز عیدین عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے، جیسا کہ احادیث صحاح سے ثابت ہے، [1] وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی ای الی الجبانۃ وھی الصحرا خارج المدینۃ ومسیرتہا من الحجرۃ الشریفۃ الف خطوۃ۔ مگر ایک مرتبہ آپ نے بوجہ بارش شدید کے نماز عید مسجد نبوی میں ادا فرمائی تھی، چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے [2] انہ اصابھم مطر فی یوم عید فصلی بھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ العید فی المسجد رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ، اور آپ کو جب رؤیت ہلال شوال کی خبر پہنچی، تو آپ نے روزے افطار کرائے، اور صبح کو عیدگاہ جانے کا حکم فرمایا، جیسا کہ ابوداؤد اور نسائی میں مروی ہے۔ فامرھم ان یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلاھم اور شرح السنۃ میں مرقوم ہے۔ ان یخرج الامام لصلوۃ العید الی الجبانۃ، اور فرمایا ابن ہمام نے سنت یہ ہے، کہ نکلے امام عیدگاہ کی طرف اور کسی کو اپنا خلیفہ کر جاوے، تاکہ وہ ضعیفوں اور معذوروں کو شہر میں نماز پڑھاوے۔ [3] وھکذا فی الخلاصۃ والخانیۃ السنۃ ان یخرج الامام الی الجبانۃ ویستخلف غیرہ لیصلی فی المصر بالضعفاء اور اسی طرح خروج الی الجبانۃ کا

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحی کے دن عیدگاہ کی طرف نکلتے، مدینہ سے باہر جاتے، اور وہ حجرہ شریفہ سے ایک ہزار قدم کا فاصلہ رکھتی تھی ۱۲

[2] ایک دفعہ عید کے دن بارش ہوگئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز مسجد میں پڑھائی

[3] خلاصہ اور خانیہ میں ہے، کہ سنت یہ ہے، کہ امام عیدگاہ کی طرف باہر نکلے، اور پیچھے کسی آدمی کو مقرر کر دے جو کمزور اور معذور لوگوں کو نماز پڑھائے ۱۲

مسنون ہونا کتب فقہ معتبرہ مثل درمختار و ہدایہ و کنز و عالمگیری وغیرہ میں لکھا ہے فمن شاء الاطلاع علیہا فلیرجع الیہا۔ اور ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ حکم خروج الی الجبانہ کا واسطے امام کے سوائے مسجد اقصے اور مسجد حرام کے ہے، اس لئے کہ یہ دونوں مسجدیں یعنی بیت المقدس اور مکہ معظمہ کی عیدگاہ سے افضل ہیں، اور سوا ان کے عیدگاہ مساجد دیگر سے افضل ہے، حتی کہ مسجد نبوی سے بھی، ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد چھوڑ کے عیدگاہ تشریف نہ لے جاتے، بہر حال عیدگاہ میں نماز پڑھنا سنت ٹھہرا، اور تارک اس کا تارک سنت ہوا جیسا کہ طحاوی حاشیہ درمختار میں مرقوم ہے فلو لم یتوجہ الیہا فقد ترک السنۃ اور تارک سنت بلا عذر شرعی ملعون اور محروم الشفاعت اور قابل ملامت وعتاب اور مستحق عذاب وضلالت ہے، اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے، کما ورد فی الحدیث ستۃ لعنتہم ولعنہم اللہ وکل نبی یجاب یعنی چھ شخصوں پر لعنت کی میں نے اور اللہ نے اور ہر نبی مستجاب الدعوات نے منجملہ ان کے چھٹا شخص آپ نے فرمایا، والتارک لسنتی، فرمایا ملا علی قاری نے اس کی شرح میں لکھا ہے تکاسلا عاصی واستخفافا کافر یعنی جو کوئی از راہ سستی کے سنت کو چھوڑے، وہ گنہگار ہے، اور جو محقر سمجھ کر اس کو ترک کرے وہ کافر ہے، نعیاذ باللہ من ہذا الوعید۔ وفی الصبح الصادق[1] شرح المنار انہ یستوجب لوما فی الدنیا وحرمان الشفاعۃ فی العقبی لما وردہ مرفوعا من ترک سنتی لم ینل شفاعتی وفی شرحہ فتح الغفار وتارکہا یستوجب اساءۃ ای التضلیل واللوم وفی غایۃ البیان السنۃ ما فی فعلہ ثواب وترکہ عقاب وفی التلویح ترک السنۃ المؤکدۃ قریب من الحرام یستحق حرمان الشفاعۃ وفی رد المحتار حاشیہ رد المختار الاصح انہ یاثم بترک السنۃ المؤکدۃ کالواجب۔ حق تعالی ہم سب کو طریقہ مسنونہ پر چلا دے، اور مواخذہ ترک سنت سے بچا دے۔

---

[1] صبح صادق شرح المنار میں ہے کہ اس سے دنیا میں ملامت اور آخرت میں شفاعت سے محرومی نصیب ہوگی کیونکہ مرفوع حدیث میں ہے کہ جس نے میری سنت چھوڑ دی اسے میری شفاعت سے حصہ نہ ملے گا شرح غفار میں ہے سنت کا تارک سزا اور ملامت کا مستحق ہے غایۃ البیان میں ہے سنت وہ جس کے کرنے میں ثواب ہے اور چھوڑنے پر عتاب ہے تلویح میں ہے سنت مؤکدہ کا چھوڑنا حرام کے قریب ہے اس سے شفاعت سے محرومی نصیب ہوتی ہے ردالمختار میں ہے صحیح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ کے چھوڑنے سے آدمی ایسا ہی گنہگار ہوتا ہے جیسا کہ واجب کے چھوڑنے

دوسرے کثرت جماعت کا ثواب بے حساب ہے اس واسطے کہ نماز جماعت کا ثواب اکیلے کی نماز سے پچیس حصے زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا صلوة الجماعة تفضل صلوة الفذ بخمس وعشرين درجة رواه البخاری و مسلم اور بعض روایات میں ستائیس درجے آیا ہے بہر حال یہ ثواب جماعت کا اقل عدد جماعت سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک سوائے امام کے تین شخص ہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک دو شخص اور جس قدر اس پر زیادہ ہوں گے اسی حساب سے ثواب بھی بڑھتا جائے گا ظاہر ہے کہ جو گنجائیش کثرت جماعت کی میدان عیدگاہ میں ہو گی وہ کسی مسجد میں ممکن نہیں پس ثواب نماز عیدگاہ کا بسبب زیادہ ہونے نمازیوں کے زیادہ ہوگا جیسا کہ تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک میں بروایت ابن عباس مروی ہے فضل صلوة الجماعة علی صلوة الواحد خمس وعشرون درجة فان کانوا اکثر فعلی عدد من فی المسجد فقال رجل وان کانوا عشرة آلاف قال نعم وان کانوا بعين الفا هذا يدل علی ان التضعيف المذکور فی الجماعة مرتب علی اقل عدد يحصل به الجماعة فيزيد بزيادة المصلين نظر برآن اگر سب مساجد شہر کی جماعتیں ٹوٹ کر عیدگاہ جاویں تو کس قدر کثرت جماعت سے ثواب بے حساب اور اجر کثیر پاویں۔

تیسرے فی نفسہ عیدگاہ میں نماز پڑھنے کا بہت بڑا ثواب ہے اس واسطے کہ موافق اس حدیث کے صلوة فی مسجدی هذا خير من الف صلوة فيما سواه الا المسجد الحرام مسجد نبوی کی ایک نماز کا ثواب سوائے نماز مسجد کعبہ کے اور مساجد کی ہزار نماز وں سے افضل اور بڑھ کر ہے مثلاً دو رکعتیں عید کی مسجد نبوی میں پڑھی جاویں تو دو ہزار رکعت کا ثواب ملے گا پھر با ایں ہمہ افضلیت و کثرت ثواب کے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم مسجد نبوی کو چھوڑ کر عیدگاہ میں نماز پڑھتے تھے تو بیشک یہاں ان دو رکعتوں کا ثواب دو ہزار رکعت سے بھی زیادہ ہوگا اور اجر کثیر ملے گا

چلتے تھے جو شخص محض اتباع سنت نبوی عیدگاہ جائے گا یقینی وہ سو شہیدوں کا ثواب

---

سے جماعت کی نماز کا ثواب اکیلے کی نماز سے پچیس گنا زیادہ ہوتا ہے اور اگر آدمی زیادہ ہوں توان کی تعداد کے مطابق ثواب بڑھتا ہے کسی نے کہا اگر بالفرض دس ہزار نمازی ہوں تو دس ہزار گنا ثواب ملے گا؟ انہوں نے کہا اگرچہ چالیس ہزار ہوں یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پچیس گنا اجر سب سے کم درجہ جماعت پر ملتا ہے

کہ حدیث شریف میں وارد ہے من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید
پانچویں جو کوئی بھائی مسلمانوں کو عیدگاہ کیطرف بلائے گا وہ برابر ان لوگوں کے ثواب پائے گا جو اس نیک کام میں اس کے تابع ہوئے ہیں چنانچہ مسلم میں حدیث وارد ہے۔ من دعا الی الھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لا ینقص ذلک من اجورھم شیئا اور مضمون حدیث من دل علی خیر فلہ اجر مثل فاعلہ کا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے
چھٹے جو کوئی واسطے نماز کے جس قدر دور سے چل کر آوے گا اتنا ہی ثواب زیادہ پائے گا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اعظم الناس اجرا فی الصلوٰۃ ابعدھم فابعدھم ممشی یعنی بڑا لوگوں میں از روئے ثواب کے نماز میں جو دور ان کا ہے پھر دوران کا ہے چلنے میں یعنی جس کا گھر دور ہو مسجد سے بلکہ نماز کے واسطے جس قدر زیادہ چلتا ہوگا ہر ہر قدم پر ایک ایک درجہ ثواب کا بڑھتا جاوے گا اور ایک ایک گناہ اس کا مٹتا جائے گا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے من یذھب الی المصلی لم یخط خطوۃ الا رفعہ اللہ بھا درجۃ وحط عنہ بھا خطیئۃ۔ پس ظاہر ہے کہ عیدگاہ جو باہر آبادی سے ہوتی ہے لا محالہ بہ نسبت مساجد شہر کے دور ہوگی۔ پس ثواب اس کا بسبب زیادہ ہونے بعد مسافت اور قدموں کے بھی زیادہ ہوگا
ساتویں ایک جگہ شہر کے کنارے عیدگاہ میں سب دیندار بھائی جمع ہو کر نماز پڑھیں گے تو کس قدر شوکت وشان دینی اور ترقی ورونق اسلامی ظاہر ہوگی اور کیسا کچھ مسلمانوں میں اتفاق اور اتحاد باہمی ایک دوسرے کی ملاقات سے بڑھے گا اور اظہار فرحت وسرور ہوگا کہ یہ باعث ہے نزول انوار رحمت کا اور سبب ہے حصول خیر وبرکت کا اور وسیلہ ہے قبول حاجات کا اور ذریعہ ہے اجابت دعوات کا کہ حق تعالیٰ اس روز اپنے بندوں کی طرف جو عیدگاہ میں جاتے ہیں متوجہ ہو جاتا ہے کہ انہوں نے تمام ماہ رمضان کے روزے رکھے اور ہماری اطاعت کی آج کا دن ان کی مزدوری لینے کا ہے جو یہ مانگیں میں دوں گا اور ان کی دعاؤں کو قبول کروں گا واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب حررہ العبد الآسی محمد المدعو بعبد العلی المدراسی تجاوز اللہ عن جمیع المعاصی محمد عبد العلی المدراسی

اور نمازیوں کے بڑھ جانے سے بڑھ جاتا ہے لے جو آدمی بھلائی کی طرف راہنمائی کرے اس کو بھلائی کرنے والے کے برابر اجر ملتا ہے۔

ما احسن ہذا التقریر المتضمن للخیر الکثیر فی الواقع عیدگاہ میں نماز عیدین ادا کرنا سنت ہے اور ترک اس کا بلا عذر شرعی باعث ملامت ہے حق جل شانہ اہل اسلام کو توفیق اس سنت کے اجرا کی دیوے اور مخالفت سنت سے محفوظ رکھے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی ۱۲۸۹

حامداً ومصلیاً مسلمان دیندار پر واضح ہو کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہے کہ نماز عیدین باہر نکل کر عیدگاہ میں پڑھنی چاہیے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ الایۃ[1] ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ الایۃ اسی لئے تعامل خلفائے راشدین ودیگر صحابہ کرام وتابعین ومجتہدین ومحدثین رضی اللہ تعالے عنہم اسی پر چلا آیا بنابر اس کے تمامی فقہائے متقدمین ومتاخرین لکھتے چلے آتے ہیں کہ باہر جاکر جبانہ یعنی عیدگاہ میں نماز ادا کرنا سنت وشعائر اسلام سے ہے اگرچہ جامع مسجد گنجایش نماز کی رکھتی ہو۔ والخروج[2] الیہا ای الجبانۃ لصلوۃ العید سنۃ وان وسعہم المسجد الجامع الی اخر ما فی تنویر الابصار والدر المختار والکنز والہدایہ وغیرہا من المتون والشروح والفتاوی۔

واللہ اعلم الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

**سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اگر ناجائز ہے تو مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنے والے کو بدعتی کہہ سکتے ہیں یا نہیں اور مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنا بدعت ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو میدان ومسجد میں کیا فرق ہے اور کون افضل ہے بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ عیدین کی نماز بالعذر مسجد میں پڑھنا جائز ہے جیسا کہ حدیث سے ابو داؤد وغیرہ کے معلوم ہوتا ہے کہ بے دون عذر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا نہیں گیا مسجد میں جو لوگ عیدین کی نماز ادا کرتے ہیں وہ البتہ تارک السنت ہیں بدعتی نہیں کہے جا سکتے کیونکہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالعذر پایا گیا ہے ونیز حضرت

---

[1] تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے الایہ اور جس نے رسول کی پیروی کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

[2] عید کی نماز کیلئے عیدگاہ کی طرف باہر نکلنا سنت ہے اگرچہ جامع مسجد میں تمام لوگ سما سکتے ہوں۔ تنویر الابصار در المختار۔ کنز۔ ہدایہ وغیرہ متون وشروح اور فتاوی میں ایسا ہی ہے۔

علیؓ نے بوڑھے وضعیف وغیرہ کے واسطے مسجد میں پڑھنے کی اجازت دی تھی میدان میں پڑھنا سنت ہے جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے لہٰذا میدان میں پڑھنا اولیٰ وافضل ہوگا حضرت علی فرماتے ہیں کہ اگر میدان میں پڑھنا سنت نہ ہوتا تو میں مسجد میں پڑھتا لولا انہ السنۃ لصلیت فی المسجد هکذا فی سبل السلام واللہ اعلم حررہ السید محمد عبد الحفیظ۔

سید محمد نذیر حسین

**سوال** :۔ بارہ تکبیریں جو عیدین میں ہوتی ہیں یہ مع تکبیر تحریمہ وتکبیر قیام کے ہیں یا کہ ان کے علاوہ ہیں بینوا توجروا۔

**الجواب** :۔ عیدین میں جو بارہ تکبیروں کی جو روایتیں آئی ہیں ان میں بعض روایتوں میں لفظ سوی تکبیر الافتتاح واقع ہوا ہے اور بعض میں سوی تکبیرتی الرکوع وارد ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عیدین کی بارہ تکبیریں تکبیر تحریمہ کے علاوہ ہیں اور امام مالک اور امام احمد وغیرہما کے نزدیک یہ بارہ تکبیریں مع تکبیر تحریمہ کے اور ان بارہ تکبیروں میں تکبیر قیام اور تکبیر رکوع کسی کے نزدیک داخل نہیں۔ قال النووی واما التکبیر المشروع فی اول صلوۃ العید فقال الشافعی هو سبع فی الاولی غیر تکبیرۃ الاحرام وخمس فی الثانیۃ غیر تکبیرۃ القیام وقال مالک واحمد وابو ثور کذلک لکن سبع فی الاولی احدٰهن تکبیرۃ الاحرام کذا فی عون المعبود صفحہ ۴۴۶ جلد ا اور نیل الاوطار صفحہ ۱۰۸ جلد ۳ میں ہے وقد تقدم فی حدیث عائشۃ عند الدارقطنی سوی تکبیرۃ الافتتاح وعند ابی داؤد سوی تکبیرتی الرکوع وھو دلیل لمن قال ان السبع لا تعد فیها تکبیرۃ الرکوع واحتج اهل القول الثانی باطلاق الاحادیث المذکورۃ فی الباب و

لہ اگر میدان میں پڑھنا سنت نہ ہوتا تو میں عید کی نماز مسجد میں پڑھتا۔ ۲ہ مشروع تکبیریں عید کی پہلی رکعت میں شافعی کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ سات ہیں اور دوسری میں تکبیر قیام کے علاوہ پانچ ہیں۔ امام مالک احمد ابو ثور بھی پہلی رکعت میں سات کے قائل ہیں لیکن وہ تکبیر تحریمہ سمیت سات کہتے ہیں ۳ہ عائشہ کی حدیث میں ہے کہ تکبیر افتتاح اور رکوع کی تکبیروں کے علاوہ اور وہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ان سات میں تکبیر تحریمہ اور رکوع اور پانچ میں تکبیر رکوع شمار نہیں کی جائے گی اور دوسرے قول والے مطلق احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اور فقہاء کہتے ہیں کہ دوسری میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام کے علاوہ ہیں۔

اجابوا عن حدیث عائشۃ بانہ ضعیف انتہی حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں والفقہاء علی ان الخمس فی الثانیۃ غیر تکبیرۃ القیام کذا فی التعلیق الممجد

**سوال** - عیدین کی تکبیریں حدیث شریف سے کس قدر ثابت ہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** - حدیث شریف سے نماز عیدین میں بارہ تکبیریں ثابت ہیں پہلی رکعت میں سات تکبیریں قبل قرأت کے اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قبل قرأت کے اور یہی قول ہے اکثر اہل علم صحابہ وتابعین اور ائمہ کا اور یہی مروی ہے حضرت عمر اور ابوہریرۃ اور ابوسعید اور جابر اور ابن عمر اور ابن عباس اور ابوایوب اور زید بن ثابت اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے اور یہی قول ہے مدینہ کے فقہاء سبعہ مشہورین کا اور یہی قول ہے امام مالک اور امام اوزاعی اور امام احمد اور امام اسحق کا کما ذکرہ فی النیل صفحہ ۱۸۴ جلد ۳ منتقی الاخبار میں ہے عن[1] عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی کبر فی عید ثنتی عشرۃ تکبیرۃ سبعا فی الاولی وخمسا فی الاخرۃ ولم یصل قبلھا ولابعدھا رواہ احمد وابن ماجہ قال احمد انا اذھب الی ھذا وفی روایۃ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم التکبیر فی الفطر سبع فی الاولی وخمس فی الاخرۃ والقراءۃ بعدھما کلیتھما رواہ ابوداؤد والدارقطنی قال القاضی الشوکانی فی النیل صفحہ ۱۸۲ جلد ۳ حدیث[2] عمرو بن شعیب قال العراقی اسنادہ صالح ونقل الترمذی فی العلل المفردۃ عن البخاری انہ قال انہ حدیث صحیح انتہی وقال الحافظ ابن حجر فی التلخیص صفحہ ۱۴۲ ورواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ والدارقطنی من حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وصححہ احمد وعلی والبخاری فیما حکاہ الترمذی انتہی موطا امام مالک صفحہ ۶۳ میں ہے عن نافع مولی عبداللہ بن عمر انہ قال شھدت الاضحی والفطر مع ابی ھریرۃ فکبر فی الرکعۃ الاولی سبع تکبیرات قبل القراءۃ و

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز میں بارہ تکبیریں پڑھیں سات پہلی میں اور پانچ دوسری میں اور اس سے پہلے یا پیچھے کوئی نماز نہ پڑھی امام احمد کا یہی مذہب ہے ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا عید الفطر میں سات تکبیریں پہلی رکعت میں ہے اور پانچ دوسری میں اور دونوں رکعتوں میں قرأت تکبیروں کے بعد ہے [2] عراقی نے کہا اس کی سند اچھی ہے امام بخاری نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

[3] نافع عبداللہ بن عمر کے غلام کہتے ہیں کہ میں نے عید الفطر اور عید الاضحی حضرت ابوہریرۃ کے پیچھے پڑھیں

وفی الاخرۃ خمس تکبیرات قبل القرأۃ قال مالک دھوالامر عندنا انتہی الحاصل حدیث صحیح مرفوع سے عیدین میں بارہ تکبیریں ثابت ہیں اور بارہ تکبیروں کے سوا اور اس سے کم وبیش تکبیرات کے بارے میں جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں وہ ضعیف ہیں۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب حررہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

| سید محمد نذیر حسین | ابوالعلی محمد عبدالرحمن |
|---|---|

سوال۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفل پڑھنا عیدگاہ میں قبل نماز عید کے یا بعد نماز عید کے ثابت ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ درصورت مرقومہ واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عیدگاہ میں نفل پڑھنا ثابت نہیں ہے نہ قبل نماز عید کے اور نہ بعد نماز عید کے بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی یوم الفطر رکعتین لم یصل قبلھما ولا بعدھما رواہ البخاری ومسلم کذا فی المشکوۃ ترجمہ۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھیں دن فطر کے دو رکعتیں نہ پڑھی پہلے ان کے اور نہ پیچھے ان کے روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے اور امت کو کرنے نہ کرنے دونوں میں اقتدا واتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لازم ہے چنانچہ اللہ تعالے فرماتا ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ الآیۃ ونیز فرماتا ہے ما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان احسن الکلام کلام اللہ وخیر الھدی ھدی محمد الحدیث۔ وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

**مسئلہ**۔ واضح ہو کہ عیدگاہ میں نفل پڑھنے کی بابت علماء کا اختلاف ہے علماء سلف کوفہ کے قبل نماز عید کے عیدگاہ میں نفل پڑھنا جائز نہیں رکھتے اور بعد نماز کے جائز رکھتے ہیں اور علماء بصرہ کے قبل نماز عید کے جائز رکھتے ہیں اور بعد نماز کے جائز نہیں

---

آپ نے پہلی رکعت میں سات تکبیریں قرأت سے پہلے کہیں اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ جو رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے روکے اس سے باز آجاؤ۔ بہترین کلام اللہ کی کلام ہے اور بہترین راستہ محمد کا راستہ ہے۔

رکھتے اور علمائے مدینہ منورہ کے نہ قبل نماز عید کے جایز رکھتے ہیں اور نہ بعد نماز عید کے ان تینوں مذہبوں میں مذہب علمائے مدینہ منورہ کا مطابق فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ گھر میں قبل نماز عید کے نفل نماز پڑھی ہے اور نہ عیدگاہ میں نہ قبل نماز کے نہ بعد نماز کے اور نہ صحابہ کرام سے کبھی پڑھنا منقول ہے پس یہی مذہب حق ہے اسی پر عمل کرنا چاہیئے۔ کہ اتباع سنت وترک بدعت نبویہ امت مرحومہ کو نصیب ہوا اور اتباع واقتدا آنحضرت صلعم کے فعل وترک فعل دونوں میں ضروری ہے قال اللہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ الایۃ[1] وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الکلام کلام اللہ واحسن الھدی ھدی محمد صلعم[2] اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ گھر میں قبل نماز عید کے نفل پڑھے اور نہ عیدگاہ میں نہ قبل نماز عید کے اور نہ بعد نماز عید کے۔ تو جو کوئی برخلاف اس کے کرے یعنی عیدگاہ میں قبل نماز کے یا بعد نماز کے نفل پڑھے یا گھر میں نفل پڑھ کر عیدگاہ میں جاوے سو وہ حدیث من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد[3] کا مصداق ہوگا اور بسبب عدم ثبوت نفل کے عیدگاہ میں آنحضرت صلعم سے عبداللہ بن مسعود اور حذیفہ رضی اللہ عنہما عیدگاہ میں نفل پڑھنے سے لوگوں کو منع کرتے تھے[4] روی سعید بن منصور فی سننہ عن ابن سیرین ان ابن مسعود وحذیفۃ قاما فنھیا الناس ان یصلوا یوم العید قبل خروج الامام الی المصلی واللہ اعلم بالصواب حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**ہو الموفق**۔ فی الواقع عیدگاہ میں نفل پڑھنا رسول اللہ صلعم سے ثابت نہیں نہ قبل نماز عید کے اور نہ بعد نماز عید کے بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے اور اسی طرح قبل نماز عید کے گھر میں بھی نفل پڑھنا ثابت نہیں ہاں بعد نماز عید کے گھر میں آکر دو رکعت نفل پڑھنا رسول اللہ صلعم سے ثابت ہے بلوغ المرام میں ہے عن ابی سعید قال کان رسول اللہ صلعم لا یصلی

---

[1] تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین کلام اللہ کا کلام ہے اور بہترین راستہ محمد کا راستہ ہے [3] جو کوئی ایسا کام کرے جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے [4] حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو عید کے دن امام کے نکلنے سے پہلے نفل نماز پڑھنے سے روکنے لگے [5] رسول اللہ صلعم عید کی نماز سے پہلے کچھ نہیں پڑھتے تھے اور

قبل العید شیئا فاذا رجع الی منزلہ صلی رکعتین رواہ ابن ماجہ باسناد حسن وقال فی السبل صفحہ ۷۳ جلد ۱ واخرجہ الحاکم واحمد وروی الترمذی عن ابن عمر نحوہ وصححہ انتہی۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفی عنہ۔

---

اور جب گھر واپس آتے تو دو رکعت پڑھتے۔

# کتاب التراویح

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتنی رکعتیں نماز تراویح کی رسول اللہ صلی اللہ وسلم سے ثابت ہیں اور خلفائے راشدین کا کیا عمل رہا ہے اور فی زمانا بعض بعض آٹھ رکعت پر اکتفا کرتے ہیں اور بعض نے بیس رکعت پر مداومت کرنے کو زیادہ ثواب جانا ہے افعال واقوال جو آپ کے اور آپ کے خلفا کے ہوں بیان فرمائیں۔

**الجواب**۔ صورت مذکورہ فی السوال میں حال تراویح کا یہ ہے کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ثبوت تراویح کا مختلف طور سے ہے بعض روایات سے آٹھ ثابت ہوتی ہیں اور بعض سے بیس سے زیادہ بھی ثابت ہوتی ہیں لیکن زمانہ حضرت عمرؓ میں عمرؓ کے ارشاد کے موافق بیس رکعت پر اجماع ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے لا تجتمع امتی علی الضلالۃ ترجمہ۔ میری امت کا اجماع گمراہی پر نہیں ہوگا خاص کر صحابہ کرام کا اجماع اور صحاح میں یہ حدیث ہے علیکم[1] بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین جو شخص بیس رکعت سے انکار کرے وہ شخص حدیث علیکم بسنتی الخ کا منکر ہوگا اور جس حدیث سے بیس رکعت ثابت ہیں وہ یہ ہے فی[2] الموطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ جو شخص کہ اجماع سے انکار کرے اس کی تنبیہ کے واسطے یہ حدیث کافی ہے من[3] شذ شذ فی النار یعنی جو مسلمانوں کے گروہوں سے جدا ہوا وہ دوزخ میں تنہا ہوگا العبد المجیب محمد وصیت مدرس مدرسہ حسین بخش۔

---

[1] تم میری سنت اور خلفائے مہدیین کی سنت پر عمل کرنا۔

[2] یزید بن رومان نے کہا حضرت عمر بن خطاب کے زمانے میں لوگ تئیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔

[3] جو الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

**ہوالمصوب** ۔ سوال مذکور کا یہ جواب جو مجیب نے لکھا ہے بالکل غلط ہے اب پہلے سوال مذکور کا صحیح جواب لکھا جاتا ہے پھر مجیب کے جواب کے غلط ہونے کی وجوہ لکھی جائیں گی پس واضح ہو کہ احادیث صحیحہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز تراویح کی مع وتر کے گیارہ رکعتیں ثابت ہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے عن[1] ابی سلمۃ بن عبد الرحمن انہ سأل عائشۃ رضی اللہ عنہا کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ الحدیث یعنی ابو سلمۃ بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیونکر تھی یعنی آپ تراویح کی نماز کے رکعت پڑھتے تھے پس عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے نہ رمضان میں اور نہ غیر رمضان میں یعنی آنحضرت کی نماز تراویح کی تعداد گیارہ رکعت تھی جیسا کہ اس مدعیٰ کو ابن حبان وغیرہ کی یہ روایت خوب صراحت کے ساتھ ثابت کئے دیتی ہے عن جابر رضی اللہ عنہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر الحدیث رواہ ابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحیہما ھکذا فی المفاتیح وسبل السلام ونیل الاوطار یعنی جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو رمضان میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی پھر وتر پڑھے روایت کیا اس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنے صحیح میں یہ حدیث صحیح وقابل احتجاج ہے کسی محدث نے اس کو ضعیف نہیں کہا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ابیؓ اور تمیم داری کو نماز تراویح پڑھانے کا حکم کیا تو گیارہ ہی رکعت پڑھانے کا حکم کیا نہ زیادہ نہ کم موطا امام مالک میں ہے عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشر رکعۃ یعنی سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم کیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھایا کریں سند اس کی بہت صحیح ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن سعید بن منصور میں بھی یہ روایت موجود ہے اور جب حضرت عمرؓ نے

[1] ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسے ہوا کرتی تھی آپ نے کہا رمضان ہو یا غیر رمضان آپؐ کی نماز گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔

آٹھ رکعت تراویح پڑھنے کا حکم کیا تو ظاہر ہے کہ خود بھی گیارہ ہی رکعت پڑھتے رہے ہوں گے اور خلفائے راشدین میں سے حضرت ابوبکر وحضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہم کا حال صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ یہ لوگ کتنے رکعت پڑھتے تھے مگر جب حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے اور جن راتوں میں آپ نے صحابہؓ کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھی ان راتوں میں بھی گیارہ ہی رکعت پڑھنا ثابت ہے تو ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ بھی گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے رہے ہوں گے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح گیارہ رکعت ثابت ہے اور خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی گیارہ ہی رکعت ثابت ہے اور بقیہ خلفائے راشدین سے تراویح کی تعداد ثابت نہیں مگر ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ بھی گیارہ رکعت پڑھتے رہے ہوں گے واللہ اعلم مجیب مذکور کے جواب مذکور کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دو دعوے کئے ہیں اور دونوں دعوے باطل ہیں پہلا دعویٰ یہ کیا ہے کہ "زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ثبوت تراویح کا مختلف طور سے ہے بعض روایات سے آٹھ ثابت ہوتی ہیں بعض سے بیس اور بعض سے بیس سے زیادہ بھی ثابت ہوتی ہیں" اس دعویٰ کا بطلان بالکل ظاہر ہے اس واسطے کہ زمانہ نبوی میں ثبوت تراویح کا ہرگز مختلف طور سے نہیں ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ کسی صحابی سے اوپر معلوم ہو چکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف گیارہ رکعت تراویح پڑھتے تھے اور آپ سے بیس رکعت تراویح پڑھنے کی روایت جو بیہقی وغیرہ میں مروی ہے وہ بالکل ضعیف ہے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح خود حنفیہ نے بھی کی ہے اور آپ سے بیس سے زیادہ پڑھنے کی تو کوئی روایت ہی نہیں آئی ہے اور زمانہ نبوی میں کسی صحابی سے بھی بیس رکعت یا بیس سے زیادہ پڑھنا ہرگز کوئی ثابت نہیں کر سکتا پس مجیب کا یہ پہلا دعویٰ سراسر غلط و باطل ہے اور دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ "زمانہ حضرت عمرؓ میں عمرؓ کے ارشاد کے موافق بیس رکعت پر اجماع ہو گیا ہے" یہ دوسرا دعویٰ بھی بالکل غلط و سراسر باطل ہے زمانہ حضرت عمرؓ میں گیارہ رکعت پر اجماع ہونا البتہ ثابت ہے جیسا کہ سائب بن یزید کی روایت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے ونیز موطا کی اس روایت سے ظاہر ہے عن داؤد بن الحصین انہ سمع الاعرج یقول ما ادرکت الناس الا وھم یلعنون الکفرۃ فی رمضان

وکان القاری یقرأ البقرۃ فی ثمان رکعات فاذا قام بھا فی اثنتی عشرۃ رکعۃ رأی الناس انہ خفف یعنی داؤد بن حصین سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اعرج سے سنا وہ کہتے تھے کہ نہیں پایا میں نے لوگوں کو مگر اس حالت میں کہ وہ کافروں پر لعنت کرتے تھے رمضان میں اور قاری پڑھتا تھا سورہ بقرہ آٹھ رکعتوں میں اور جب کبھی سورہ بقرہ کو بارہ رکعتوں میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ آج اس نے تخفیف کی۔ اس روایت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ عمر بن الخطاب میں عام طور پر آٹھ رکعت تراویح پڑھی جاتی تھی اور کبھی کبھی بارہ رکعت پڑھ لی جاتی تھی اور مجیب نے جو بیس رکعت کے ثبوت میں اور بیس رکعت پر اجماع ہونے کے ثبوت میں یزید بن رومان کی حدیث موطا سے نقل کی ہے سو یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ منقطع ہے یزید بن رومان نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے امام زیلعی حنفی تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں ویزید بن رومان لم یدرک عمرا انتہی الحاصل مجیب مذکور کا جواب دو دعووں پر مشتمل ہے اور دونوں دعوے غلط و باطل ہیں لہذا مجیب کا جواب مذکور غلط ہے اور ہاں مجیب کا جواب مذکور خود اجلہ فقہائے حنفیہ کے قول سے بھی باطل ہے علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ جو مذہب حنفی کے بہت بڑے حامی ہیں فتح القدیر میں صاف لکھتے ہیں کہ تراویح گیارہ رکعت سنت ہے فحصل من ھذا ان قیام رمضان احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر فی جماعۃ فعلہ علیہ السلام انتہی ما فی فتح القدیر بقدر الحاجۃ یعنی تحریر بالا سے یہ بات حاصل ہوئی کہ تراویح گیارہ رکعت مع وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اور ایسا ہی بحر الرائق شرح کنز الدقائق و طحطاوی میں ہے کہ تراویح اسی قدر سنت ہے جس قدر آنحضرت سے ثابت ہے یعنی گیارہ رکعت مع وتر۔ اور فتح المعین شرح الشرح کنز کی ہے اس میں فتاوے شرنبلالیہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائی تھی وہ گیارہ ہی رکعت تھی اور وہ حدیث جو روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے سو یہ حدیث ضعیف ہے وفی الشرنبلالیۃ الذی فعلہ علیہ السلام بالجماعۃ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر وما روی انہ کان یصلی فی رمضان عشرین سوی الوتر ضعیف انتہی ما فی فتح المعین دیکھو ان اجلہ فقہا کے قول سے مجیب

کا جواب مذکور کیسا صاف باطل ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ السید عبد الحفیظ عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق ۔ فی الواقع احادیث صحیحہ سے گیارہ ہی رکعت تراویح مع وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ مجیب ثانی نے لکھا ہے اور کسی حدیث صحیح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت تراویح پڑھنا یا اس سے زیادہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں اور بیس رکعت کی حدیث جو حنفیہ پیش کرتے ہیں وہ ضعیف و ناقابل احتجاج ہے اور باوجود ضعیف ہونے کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ رکعت والی حدیث صحیح کے خلاف ہے علمائے حنفیہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے علامہ ابن الہمام فتح القدیر صفحہ ۲۰۵ جلد ۱ میں لکھتے ہیں واما ما روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ والطبرانی وعنہ البیہقی من حدیث ابن عباس انہ علیہ السلام کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر فضعیف بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ متفق علی ضعفہ مع مخالفتہ للصحیح انتہی یعنی جو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابن عباس کی حدیث سے روایت کی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت وتر کے سوا پڑھتے تھے سو یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کا راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان جو امام ابوبکر ابن ابی شیبہ کا دادا ہے باتفاق ائمہ حدیث ضعیف ہے علاوہ بریں یہ حدیث صحیح کے مخالف بھی ہے اور علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری صفحہ ۳۵۸ جلد ۲ میں لکھتے ہیں فان قلت روی ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر قلت ھذا الحدیث رواہ ایضا ابو القاسم البغوی فی معجم الصحابۃ قال حدثنا منصور بن مزاحم حدثنا ابو شیبۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس الحدیث وابو شیبۃ ھو ابراھیم بن عثمان العبسی الکوفی قاضی واسط جد ابی بکر بن ابی شیبۃ کذبہ شعبۃ وضعفہ احمد وابن معین والبخاری والنسائی وغیرھم واورد لہ ابن عدی ھذا الحدیث فی الکامل فی مناکیرہ انتہی یعنی اگر تم سوال کرو کہ ابن ابی شیبہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ اس حدیث کو ابو القاسم بغوی نے بھی معجم صحابہ میں روایت کیا ہے اور ابو شیبہ جو اس حدیث کا ایک راوی ہے اس کا نام ابراہیم بن عثمان ہے اور ابو بکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے شعبہ نے اس کو جھوٹا کہا ہے اور امام احمد اور بخاری اور نسائی وغیرہم نے اس کو ضعیف کہا ہے اور ابن عدی نے کامل میں اس حدیث کو ابو شیبہ کی منکر حدیثوں میں درج کیا ہے اور علامہ زیلعی حنفی تخریج ہدایہ صفحہ ۲۹۳ جلد ۱ میں لکھتے ہیں روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ والطبرانی وعنہ البیہقی من حدیث ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر الی قولہ وھو معلول بابی شیبۃ ابراہیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ ولینہ ابن عدی فی الکامل ثم انہ مخالف للحدیث الصحیح انتہی۔ یعنی ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے سوی وتر کے اور یہ حدیث معلول ہے یعنی ضعیف ہے اس وجہ سے کہ اس کا ایک راوی ابو شیبہ ابراہیم بالاتفاق ضعیف ہے اور ابن عدی نے کامل میں اس کو ضعیف کہا ہے پھر باوجود ضعیف ہونے کے عائشہ کی حدیث صحیح کے مخالف ہے دیکھو علامہ ابن الہمام اور علامہ عینی اور حافظ زیلعی جیسے جلیل القدر علماء حنفیہ نے بیس رکعت والی حدیث کی کس طرح پر صاف صاف تضعیف کی ہے اور علاوہ ان علمائے حنفیہ کے علمائے محدثین نے بھی تضعیف کی ہے دیکھو تلخیص الحبیر صفحہ ۱۱۹ اور فتح الباری صفحہ ۱۷ا۳ جلد ۲ اور نیل الاوطار صفحہ ۲۹۹ جلد ۲ حاصل یہ کہ احادیث صحیحہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہے اور آپ کا بیس رکعت تراویح پڑھنا کسی حدیث صحیح سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں اور بیس رکعت والی حدیث بالکل ضعیف وغیر معتبر ہے اس کے راوی ابو شیبہ کو شعبہ نے جھوٹا کہا ہے اور شعبہ کے سوا اور محدثین نے اس کو ضعیف وغیر معتبر بتایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنے کی کوئی حدیث ہی نہیں آئی ہے نہ ضعیف اور نہ غیر ضعیف اور زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں

کسی صحابیؓ سے بھی بیس رکعت یا بیس رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہے۔ بلکہ صحابہؓ نے جو اپنی تراویح کی رکعتوں کی کبھی تصریح کی ہے تو اسی قدر جس قدر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے یعنی آٹھ رکعت اور وتر۔ امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب قیام اللیل صفحہ ۱۶۰ میں ہے وعن جابر جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یا رسول اللہ کان اللیلۃ شئی قال وما ذالك یا ابی قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی خلفك بصلوتك فصلیت بھن ثمان رکعات والوتر فسکت عنہ وکان شبہ الرضا یعنی جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابی بن کعب رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ رات کو ایک بات ہوگئی ہے آپ نے فرمایا کونسی بات ہوگئی ہے اے ابی انہوں نے عرض کیا کہ میرے گھر کی عورتوں نے کہا کہ ہم لوگ قرآن نہیں پڑھتے ہیں پس ہم لوگ تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گے اور تمہاری اقتدا کریں گے تو میں نے ان کو آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھائے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر سکوت کیا اور گویا اس بات کو پسند فرمایا۔ ہمارے اتنے بیان سے صاف واضح ہے کہ مجیب اول کی یہ بات کہ "زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ثبوت تراویح کا مختلف طور سے ہے بعض روایات سے آٹھ ثابت ہوتی ہیں اور بعض سے بیس اور بعض سے بیس سے زیادہ بھی ثابت ہوتی ہیں" غلط بات ہے اور فی الواقع خلفائے راشدین میں سے بجز حضرت عمرؓ کے اور کسی سے صحیح سند سے کچھ ثابت نہیں کہ وہ حضرات کئے رکعت تراویح پڑھتے تھے یا کئے رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرماتے تھے ہاں حضرت عمرؓ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ آپ گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرماتے تھے جیسا کہ مجیب ثانی نے موطا کی بہت صحیح روایت سے اس کو ثابت کیا ہے اور امام بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والآثار میں ہے قال الشافعی اخبرنا مالك عن محمد بن یوسف عن السائب ابن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث یعنی سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ گیارہ رکعت تراویح لوگوں کو پڑھایا کریں

اور اسی طرح پر امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب قیام اللیل صفحہ ۱۴۲ میں بھی ہے اور زمانہ عمر بن الخطاب میں حسب حکم حضرت عمرؓ کے عموماً تمام لوگ گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ المصابیح صفحہ ۱۹ فی صلوٰۃ التراویح میں لکھتے ہیں کہ سنن سعید بن منصور میں ہے حدثنا عبد العزیز بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث۔ یعنی سائب بن یزید کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں گیارہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے حافظ سیوطی اس روایت کی سند کی نسبت لکھتے ہیں سندہ فی غایۃ الصحۃ۔ یعنی اس روایت کی سند نہایت صحیح ہے دیکھو نہایت صحیح سند سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر کے زمانہ میں عموماً تمام لوگ حضرت عمر کے حکم سے گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ خود کے رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ سو بالکل ظاہر ہے کہ جب آپ اوروں کو گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم فرماتے تھے تو خود بھی گیارہ ہی رکعت پڑھتے رہے ہوں گے اور مجیب اول نے جو موطا سے یہ روایت نقل کی ہے عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ یعنی یزید بن رومان سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تیئس رکعت تراویح پڑھتے تھے" سو یہ روایت منقطع ہے اس وجہ سے ضعیف وغیر معتبر ہے علمائے حنفیہ نے بھی اس روایت کے منقطع ہونے کی تصریح کی ہے علامہ عینی حنفی رحمہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری صفحہ ۸۰۴ جلد ۲ میں لکھتے ہیں ویزید لم یدرک عمر ففیہ انقطاع یعنی یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا ہے پس اس کی سند منقطع ہے دنیز اسی کتاب کے صفحہ ۳۵۶ جلد ۵ میں لکھتے ہیں رواہ مالک فی الموطا باسناد منقطع یعنی امام مالک نے اس کو موطا میں سند منقطع سے روایت کیا ہے اور حافظ زیلعی نے بھی اس روایت کی سند کو منقطع بتایا ہے حاصل یہ کہ خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر کے زمانہ میں حضرت عمرؓ کے حکم سے عموماً تمام لوگوں کا گیارہ رکعت تراویح پڑھنا نہایت صحیح سند سے ثابت ہے اور آپ کے زمانہ میں آپ کے حکم سے عموماً تمام لوگوں کا تیئس رکعت مع وتر پڑھنا ہرگز ہرگز کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے ہمارے اتنے بیان سے صاف واضح ہوگیا کہ مجیب اول کی یہ بات کہ "زمانہ حضرت عمرؓ میں عمرؓ کے ارشاد

کے موافق بیس رکعت پر اجماع ہو گیا" بالکل غلط ہے اور گیارہ رکعت تراویح کے قائلین کی نسبت مجیب اول نے جو تعریضاً ایک بے جا اور نا ملایم تقریر لکھی ہے وہ خود انہیں پر اور ان کے ہم خیالوں پر عائد ہو گئی۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

**سوال** - چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ تراویح سنت موکدہ است یا غیر موکدہ و تعریف سنت موکدہ در اصول فقہ چہ می نویسند و بر فعلیکہ صحابہ رضی اللہ عنہم مواظبت فرمودہ اند سنت موکدہ است یا نہ ہر چہ محقق نزد جناب باشد موافق اصول فقہ تحریر فرمایند۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** - باید دانست کہ در تمام کتب اصول فقہ تعریف سنت موکدہ ہمیں قدر می کنند کہ ھی ما واظب علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مواظبت صحابہ رضی اللہ عنہم را کسے از اصولیین سنت موکدہ نہ نوشتہ پس بریں تقریر تراویح بر مواظبت رسول اللہ علیہ السلام کہ شارع اند و ہر فعل کہ بر آں مواظبت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ثابت نہ شدہ گو بر آں مواظبت صحابہ ثابت شدہ باشد آں فعل سنت موکدہ نخواہد شد و تراویح از ہمیں قسم است پس موکدہ نخواہد شد علاوہ آنکہ مواظبت خلفائے راشدین بر بست رکعت تراویح چنانکہ فقہاء می نویسند از کتب احادیث ثابت نمی شود۔ واللہ اعلم۔

سید شریف حسین | سید محمد نذیر حسین | محمد اسد علی

**سوال** - چہ فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین در صورت خواندن مردمان بالغ و عاقل نماز فرض و سنت و نفل خصوصاً تراویح برائے سماعت ختم قرآن خلف صبیان نابالغ جائز است یا نہ۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** - امامت نابالغ در فرائض نزد فقہاء حنفیہ جائز نیست و در تراویح و سنن مطلقہ نزد ائمہ بلخ وغیرہم جائز است لکن از حدیث صحیح بخاری وغیرہ صحت امامت نابالغ در فرائض ثابت است و چون در فرائض جائز شد پس در تراویح و سنن بدرجہ اولی جائز خواہد شد۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

**سوال** - سننا قرآن کا اور پڑھنا اجرت کے ساتھ نماز تراویح میں جائز ہے یا نہیں ایسی تراویح کا ثواب ہو گا یا نہیں۔

**الجواب** - سننا قرآن کا اور پڑھنا اجرت کے ساتھ نماز تراویح میں جائز

ہے اور ثواب ہوگا عند الائمۃ الثلاثۃ وعامۃ اہل حدیث خلافاً للحنفیہ کما فی الکتب الدینیۃ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین | سید محمد عبد السلام غفرلہ

سید محمد ابوالحسن

**ہوالموفق** - بعض ائمہ سلف سے ثابت ہے کہ وہ اجرت کے ساتھ تراویح کا پڑھنا اور سننا جائز نہیں رکھتے تھے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس امام کے بارے میں سوال کیا گیا جو لوگوں سے کہے کہ اتنے روپیہ پر تم لوگوں کو رمضان میں تراویح پڑھاؤں گا آپ نے فرمایا اللہ تعالے سے عافیت کا سوال کرتا ہوں ایسے امام کے پیچھے کون نماز پڑھے گا عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ اجرت کے ساتھ نماز پڑھی جائے اور فرمایا ڈرتا ہوں کہ ان لوگوں پر نماز کا اعادہ واجب ہو مصعب نے عبد اللہ بن معقل کو حکم کیا کہ رمضان میں جامع مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھائیں پس جبکہ افطار کیا تو مصعب نے پانچ سو درہم اور ایک حلہ عبد اللہ بن معقل کے پاس بھیجا تو انہوں نے واپس کر دیا اور کہا کہ میں قرآن پر اجرت نہیں لیتا کذا فی قیام اللیل لمحمد بن نصر المروزی میرے نزدیک انہیں بعض ائمہ سلف کا قول قابل قبول ہے واللہ تعالے اعلم - کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ -

# کتاب الجنائز

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قطعی رات کے وقت دفن کرنے کو۔ عمرو اس مسئلہ کی تفسیر کا متلاشی ہے اندر دئے شرع شریف کے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب۔ رات کے وقت مردہ دفن کرنا جائز ہے چنانچہ حضرت کے زمانہ میں ایک شخص تھے کہ رات کو ان کا انتقال ہوگیا اور رات ہی کو لوگوں نے ان کو دفن بھی کر دیا۔ پھر صبح ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھ کو کیوں خبر نہ کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے پاس تشریف لیگئے اور ان پر جنازہ کی نماز پڑھی منتقی میں ہے عن[1] ابن عباس قال مات انسان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعودہ فمات باللیل فدفن لیلاً فلما اصبح اخبروہ فقال ما منعکم ان تعلمونی قالوا کان اللیل فکرھنا وکانت ظلمۃ ان نشق علیک فاتی قبرہ فصلی علیہ رواہ البخاری وابن ماجہ وقال البخاری ودفن ابوبکر لیلا جب لوگوں نے رات کو دفن کرنے کا اپنا واقعہ بیان کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ مجھ کو کیوں نہ خبر کی میں بھی تمہارے دفن میں شریک ہوتا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ رات کو دفن کرنا جائز ہے ہاں البتہ بعض حدیث سے ممانعت کا شبہ ہوتا ہے چنانچہ منتقی میں ہے عن[2] جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب یوما فذکر رجلا من اصحابہ قبض وکفن فی کفن غیر طائل

---

[1] عبداللہ بن عباس نے کہا ایک آدمی رات کو فوت ہو گیا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت (بیمار پرسی) کرتے تھے) اور رات ہی کو اس کو دفن کر دیا گیا جب صبح ہوئی تو آپ کو اطلاع دی گئی آپ نے فرمایا تم نے مجھے کیوں نہ اطلاع دی انہوں نے کہا رات تھی اندھیرا تھا آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا پھر آپ اس کی قبر پر آئے اور نماز پڑھائی

دفنہ لیلا فزجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبر الرجل لیلا حتی یصلی علیہ الا ان یضطر انسان الی ذلک وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنہ رواہ احمد ومسلم وابوداؤد لیکن فی الحقیقت اس سے ممانعت نہیں ثابت ہوتی کیونکہ حدیث کا لفظ یوں ہے فزجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبر الرجل لیلا حتی یصلی علیہ اس جملے سے صاف ثابت ہے کہ رات کے وقت دفن کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے بلکہ بغیر نماز کے رات کو دفن کرنا ممنوع ہے لہذا زید کا مطلقاً یہ کہنا کہ منع فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قطعی رات کے وقت دفن کرنے کو صحیح نہیں ہے ہاں البتہ بغیر نماز پڑھے رات کو دفن کرنا ممنوع ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث سے ثابت ہے خلاصہ یہ کہ رات کو مردہ دفن کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

**ہو الموفق** ۔ اگر رات کو تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ ہو سکے تو رات کو دفن کرنا بلاشبہ جائز و درست ہے کما یدل علیہ حدیث ابن عباسؓ المذکور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رات ہی کو دفن کئے گئے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی رات ہی کو دفن کی گئی تھیں حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں استدل المصنف (ای الامام بخاریؒ) للجواز ای لجواز الدفن باللیل) بما ذکرہ من حدیث ابن عباس ولم ینکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہم دفنہم ایاہ باللیل بل انکر علیہم عدم اعلامہم بامرہ وایدہ ذلک بما صنع الصحابۃ بابی بکر وکان ذلک کالاجماع منہم علی الجواز وصح ان علیا دفن فاطمۃ لیلا

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا آپ کے صحابہ میں سے ایک آدمی کا ذکر کیا گیا کہ وہ فوت ہو گیا ہے اور اسے معمولی قسم کا کفن دیا گیا ہے اور اسے رات ہی میں دفن کیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹ کر منع فرمایا کہ کسی آدمی کو رات کو دفن نہ کیا جائے تاکہ اس پر جنازہ کی نماز کثرت سے پڑھی جائے ہاں اگر مجبوری ہو تو علیحدہ بات ہے اور فرمایا جب کوئی تم میں سے اپنے بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے ۔ امام بخاری نے ابن عباس کی حدیث سے رات کو دفن کرنے کے متعلق استدلال کیا ہے اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو دفن کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ ان کو اطلاع نہ دینے کی وجہ سے زجر کی اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ نے حضرت ابوبکر کو رات کے وقت دفن کیا تو یہ ایک طرح کا اجماع ہوا اور حضرت علی نے حضرت فاطمہؓ کو رات کے وقت دفن کیا ۔

انتہی ملخصا قاضی شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۱۳۳ جلد ۳ میں لکھتے ہیں والاحادیث[1] المذکورۃ فی الباب تدل علی جواز الدفن باللیل وبہ قال الجمہور وکرہ الحسن البصری واستدل بحدیث ابی قتادۃ وفیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم زجران یقبر الرجل لیلا حتی یصلی علیہ واجیب عنہ ان الزجر منہ صلی اللہ علیہ وسلم انما کان لترک الصلوۃ کالدفن باللیل اولاجل انہم کانوا یدفنون باللیل لرداءۃ الکفن فالزجر انما ھو لما کان الدفن باللیل مظنۃ اسائۃ الکفن کما تقدم فاذا لم یقع تقصیر فی الصلوۃ علی المیت وتکفینہ فلا باس بالدفن لیلا۔ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

محمد شمس الحق

**سوال۔** اگر کوئی کسی مشرک کا جنازہ واسطے دفعہ فتنہ کے پڑھ لے اور صرف تکبیریں کہے اور دعائیں نہ پڑھے کیونکہ اگر جنازہ سے انکار کرتا ہے تو لوگ گاؤں سے نکالتے ہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے جائز ہے یا منع ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب۔** نماز جنازہ مشرکین مجاہرین کسی صورت جائز نہیں قال[2] اللہ تعالیٰ انما المشرکون نجس وقال اللہ تعالیٰ ان اللہ لایغفران یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء پس جب مشرک ہرگز مغفور نہیں تو اس کے لئے جنازہ (کہ سراسر استغفار ہے) لغو ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جب منافقین کے جنازے سے منع کیا تو مشرک کا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا قال[3] اللہ تعالیٰ ولا تصل علی احد منہم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ (تنبیہ) باقی ایسے امور میں انسان کو ڈرنا چاہیئے کہ اگر مشرک کا جنازہ وغیرہ نہ پڑھوں گا تو گاؤں سے یا دیار شہر سے نکالا جاؤں گا بلکہ دلیر ہو کر جہاں تک ہو

---

[1] اس باب میں مندرجہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ رات کو مردے کو دفن کرنا جائز ہے جمہور کا یہی مذہب ہے حسن بصری اسے مکروہ جانتے ہیں اور انہوں نے ابوقتادہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو دفن کرنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک نماز کی وجہ سے ممانعت کی ہے نہ کہ رات کو دفن کرنے سے اور اس لئے بھی رات کو وہ ردی سا کفن دے دیا کرتے تھے اور جب نماز جنازہ اور کفن میں تقصیر نہ ہو تو پھر رات کو دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے [2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا مشرک ناپاک ہیں اور فرمایا اللہ کسی کو شرک نہیں بخشے گا اور اس کے علاوہ اور گناہ جس کو چاہے بخش دے [3] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو اس کی نماز نہ پڑھ

معقول بحدیث ابی قتادۃ کذا فی النیل والصواب بحدیث جابر کما لایخفی علی من طالع فی النیل باب استحباب احسان الکفن وباب الدفن لیلا ۱۲ عبدالرحمن مبارکپوری عفی عنہ

اتباع سنت کا خیال رکھنا چاہیئے قال اللہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا فقط واللہ اعلم بالصواب و الیہ المرجع والمآب حررہ العبد الضعیف الراجی رحمۃ ربہ القوی ابو حریز عبد العزیز الملتانی غفر اللہ لہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ الجواب صحیح والرائے نجیح۔

| سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ | سید محمد عبد السلام ۱۲۹۹ | سید محمد ابو الحسن ۱۳۰۵ |
|---|---|---|

ابو سعید محمد حسین ۱۲۰۹ھ

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جنازہ پر لوگ نماز جنازہ سے فارغ ہو گئے ہوں پھر بعد نماز کے اور قبل دفن کے ایک یا دو آدمی یا زیادہ آجاویں اور ان کو نماز جنازہ نہ ملی ہو تو کیا وہ لوگ دوبارہ جنازہ مذکور پر جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ صورت مسئولہ میں جنازہ مذکور پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اس واسطے کہ نماز جنازہ ایک دفعہ ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ پڑھنا ان لوگوں کو درست ہے جن کو نماز جنازہ نہ ملی ہو ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رات کے وقت ایک شخص کے جنازہ کی نماز پڑھ کر اس کو دفن کر دیا اور رات کی تاریکی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ کی صبح کو جب آپ کو خبر ہوئی تو آپ نے اس کی قبر پر جنازہ کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جیسا کہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے پس جب بعد دفن کے قبر پر جنازہ کی نماز دوبارہ پڑھنی جائز ہے تو قبل دفن کے میت پر جنازہ کی نماز دوبارہ پڑھنی تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تکرار نماز جنازہ شافعی مذہب میں درست ہے اس واسطے کہ دعا ہے میت کے لئے۔ اور تکرار دعا کی ممنوع نہیں اور حنفی مذہب میں بھی درست ہے یا نہیں اور اگر درست نہیں ہے تو اس کی کیا دلیل ہے بینوا توجروا۔

---

اور اس کی قبر پر بھی نہ جا۔ لہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کے رسول میں اس آدمی کے لئے بہترین نمونہ ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ اور اللہ کی یاد میں بکثرت مشغول رہتا ہو۔

**الجواب** ۔ دلیل حنفیوں کی یہ ہے کہ جب ایک بار نماز جنازہ کی پڑھی گئی پھر دوسری بار نہ چاہیے کیوں کہ فرض ادا ہو گیا اور تنفل اس نماز میں مشروع نہیں مگر ولی کو اعادہ پہنچتا ہے اور صورت کہ غیر ولی وسلطان نے نماز پڑھی ہو لان الحق لہ اور شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قبر پر پڑھی بعد اس کے کہ اہل میت نماز پڑھ چکے تھے علمائے حنفیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضرت نے نماز اس لیے پڑھی کہ وہ ولی تھے لقولہ تعالیٰ النبی اولی بالمومنین من انفسہم واللہ اعلم حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال** ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ (۱) نماز جنازہ ایک بار ہو چکی پھر اور آدمی آئے انھوں نے بھی نماز پڑھی تو یہ نماز جائز ہے یا نہیں (۲) غائب کی بھی نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں ۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** ۔ جنازہ پر دوبار نماز پڑھنی جائز ہے مشکوۃ شریف میں ہے عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بقبر دفن لیلا فقال متی دفن ھذا قالوا البارحۃ قال افلا اذنتمونی قالوا دفناہ فی ظلمۃ اللیل فکرھنا ان نوقظک فقام فصففنا خلفہ فصلی متفق علیہ ۔ یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گذرے جس میں مردہ رات کو مدفون ہوا تھا آپ نے فرمایا یہ کب مدفون ہوا ہے لوگوں نے کہا شب گذشتہ کو آپ نے فرمایا تو مجھے تم لوگوں نے کیوں خبر نہیں دی لوگوں نے کہا اندھیری رات میں ہم نے دفن کیا اس وجہ سے آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہوئے اور ہم لوگ آپ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوئے پس آپ نے نماز جنازہ پڑھی ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ ہونے کے بعد مردہ دفن ہو چکا ہو تو اس کی قبر پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا درست ہے پس جب دفن کے بعد قبر پر دوبارہ نماز جنازہ درست ہے تو قبل دفن کے تو بدرجہ اولیٰ درست ہوگی ۔ اور اس کی تائید حضرت علی کے اثر سے ہوتی ہے جس کو صاحب کنز العمال نے بایں لفظ نقل کیا ہے صلی علی جنازۃ بعد ما صلی علیہا ۔ یعنی حضرت علی نے ایک

---

لہ ایمانداروں کے لئے نبی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے ۔

جنازہ پر نماز پڑھی بعد اس کے کہ اس پر نماز پڑھی جا چکی تھی۔ جواب سوال دوم (۲) نماز جنازہ غائب پر پڑھنا درست ہے اور یہی مذہب ہے امام شافعی اور امام احمد اور جمہور سلف رحمہم اللہ کا حتی کہ ابن حزم نے کہا ہے کہ کسی صحابی سے غائب پر نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت نہیں آئی ہے [1] عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی اصحمۃ النجاشی فکبر علیہ اربعا وفی لفظ قال توفی الیوم رجل صالح من الحبش فھلموا فصلوا علیہ فصففنا خلفہ فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ ونحن صفوف متفق علیہ کذا فی المنتقی قال القاضی الشوکانی فی شرحہ [2] قد استدل بھذہ القصۃ القائلون بمشروعیۃ الصلوۃ علی الغائب عن البلد قال فی الفتح وبذلک قال الشافعی واحمد وجمہور السلف حتی قال ابن حزم لم یات عن احد من الصحابۃ منعہ انتہی۔

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غائب کا جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں اگر ہے تو بعد تین روز کے بھی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**: غائب کا جنازہ پڑھنا جائز ہے اور یہی ہے مذہب امام شافعی اور امام احمد اور جمہور سلف کا اور تین روز کے بعد بھی جائز ہے کیونکہ تین روز کے بعد ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ عن [3] جابر بن عبد اللہ یقول قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد توفی الیوم رجل صالح من الحبش فھلموا فصلوا علیہ قال فصففنا فصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحن صفوف۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں [4] استدل بہ علی مشروعیۃ الصلوۃ علی المیت الغائب عن

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحمہ نجاشی (بادشاہ) پر غائبانہ نماز پڑھی چار تکبیریں کہیں اور فرمایا آج حبشہ کا ایک نیک آدمی فوت ہو گیا ہے آؤ اور صف بناؤ اور نماز پڑھو سو ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی اور ہم صفوں میں کھڑے تھے [2] امام شوکانی نے کہا اس واقعہ سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو غائبانہ جنازہ کے قائل ہیں امام شافعی احمد اور جمہور کا یہی مذہب ہے ابن حزم نے کہا اس کا انکار کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں [3] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج حبشہ کا ایک نیک آدمی فوت ہو گیا ہے آؤ اس پر نماز پڑھو ہم نے صفیں بنائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی [4] اس حدیث سے غائبانہ جنازہ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے امام شافعی احمد اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ ابن حزم نے کہا کسی صحابی سے غائبانہ

ایلد وبذلک قال الشافعی واحمد وجمہور السلف حتی قال ابن حزم لم یات عن احد من الصحابۃ منعہ قال الشافعی الصلوۃ علی المیت دعاء لہ وہو اذا کان ملففا یصلی علیہ فکیف لا یصلی وہو غائب او فی القبر بذلک الوجہ الذی یدعی لہ وہو ملفف انتہی

واللہ اعلم کتبہ محمد عبد العزیز مرشد آبادی عفی عنہ ۲۱ شوال ۱۳۱۸ھ　　سید محمد نذیر حسین

**سوال** :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں کہ ایک شخص کبھی نماز پنجگانہ ادا کرتا تھا کبھی نہیں سو ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں دوئم ایک شخص نماز عید کی پڑھتا تھا پنجگانہ نماز ترک کرتا تھا لیکن اقرار کرتا تھا کہ ہمیں نماز پڑھوں گا سو اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں سوئم ہمارے گاؤں میں ایک امام ہیں وہ اس قسم کے جنازے نہیں پڑھاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس میت کی ٹانگ میں ایک رسی باندھ کر سنتر قدم کھینچو جب نماز پڑھوں گا علمائے دین سے سوال ہے کہ مسائل مرقوم الصدر کے جواب مع عبارت کتب معتبرہ تحریر فرماویں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** :- وہو الموفق للصواب۔ جملہ سور مرقومہ سے اول اور دوئم صورت کا یہ جواب ہے کہ حضرات ائمہ اربعہ علیہم الرحمۃ اور جملہ اہل سنت وجماعت قامع وقالع اہل بدعت کے نزدیک ان دونوں شخصوں کی نماز جنازہ ضرور چاہیے اور ہرگز ایسے شخصوں کی نماز نہ چھوڑنی چاہیے اور ان کو بے نماز نہ دفن کرنا چاہیئے کیونکہ ایسے اشخاص کہ نماز گنڈے دار پڑھتے ہیں یا فقط عید بقر عید کی پڑھتے ہیں یا تمامی عمر نہیں پڑھتے مگر فرضیت نماز سے کبھی انکار ثابت نہیں ہوا تو یہ لوگ اہل اسلام اور داخل اہل اسلام ہیں اگرچہ فاسق اور اشد گنہ گار نماز نہ پڑھنے پر ہیں لیکن کافر و مرتد نہیں ہیں جو ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے شرعاً کافر کی نماز جنازہ اور اس کے لئے دعا استغفار کی ممانعت اہل اسلام کو ہے فاسق کے واسطے نماز جنازہ اور دعاء استغفار کی ممانعت وارد نہیں چنانچہ اس پر اجماع صحابہ اور تابعین اور ائمہ دین متین کا ہے۔ قال اللہ تعالی ولا تصل علی

---

جنازہ کی ممانعت ثابت نہیں ہے امام شافعی نے کہا میت پر نماز اس کے لئے دعا ہے جب وہ کفن پیٹا ہوتا ہے تو قبر کے اندر چلے جانے یا غائب ہونے کی صورت میں دعا منع کیسے ہو جاتی ہے

[1] اللہ تعالے نے فرمایا اگر کوئی ان میں سے مر جائے تو اس پر کبھی نماز نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ کافر کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے اور دفن کے وقت یا زیارت کے لئے

احد منهم مات ابداً ولا تقم على قبره انهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون وهذه الآية اعنى قوله تعالى ولا تصل على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره صريحة فى النهى عن الصلوة على الكافر وقوله تعالى ولا تقم على قبره عطف على لا تصل اى لا تقف على قبره للدفن او الزيارة وقوله تعالى انهم كفروا بالله الخ تعليل لتابيد الموت او لعدم جواز الصلوة والقيام على القبر ومعنى قوله تعالى وهم فاسقون وهم كافرون لان الصلوة على الفاسق جائز باجماع الصحابة والتابعين ومضى عليه العلماء الصالحون وهو مذهب اهل السنة والجماعة وانما اختلف فيه الروافض خاصة فيجب حمله على معنى الكفر وهو الفسق المطلق وقد شاع استعماله فى القرآن كما فى قوله تعالى افمن كان مومنا كمن كان فاسقاً وغيره (تفسیرات احمدیہ مختصراً) وشرطها اسلام الميت وطهارته (تنویر الابصار) جواب سوال سوم کا یہ ہے کہ گاؤں کے امام صاحب جو فرماتے ہیں کہ "اس میت کی ٹانگ میں ایک رسی باندھ کر ستر قدم کھینچ جب نماز پڑھوں گا" سو یہ ان کا فرمانا غلط ہے ہرگز قابل اعتبار نہیں کیونکہ اس میں توہین میت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو شرافت و عظمت حیاً و میتاً بخشی ہے قال اللہ تعالیٰ ولقد کرمنا بنی آدم دوم اس میں اذیت و تکلیف میت پہنچے گی اور میت مسلم کو اذیت و تکلیف دینی حرام اور ممنوع و موجب اثم ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسر عظم المیت ککسرہ حیا رواہ الامام مالک وابوداؤد وابن ماجہ (مشکوۃ شریف) قال القاری فی قولہ علیہ السلام ککسرہ حیا یعنی فی الاثم کما فی روایۃ قال الطیبی اشارۃ الی انہ لا یھان المیت کما لا یھان الحی وقال

اس کی قبر پر جانا چاہیئے اور فاسق کا معنی اس آیت میں کافر ہے کیونکہ فاسق کا جنازہ پڑھنا باجماع صحابہ و تابعین جائز ہے سلف صالحین اور اہل سنت کا یہی مذہب ہے ہاں شیعہ اس کے خلاف ہیں تو ضروری ہے کہ یہاں فاسق کے معنی کافر کے کئے جائیں اور فاسق کے الفاظ کافر کی جگہ قرآن مجید میں کئی جگہ آئے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کیا مومن فاسق کی طرح ہو سکتے ہیں" ے جنازہ کے لئے میت کا مسلمان اور پاک ہونا شرط ہے۔
ے ہم نے بنی آدم کو بزرگی عطا فرمائی ے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ آدمی کی ہڈی توڑنا" یعنی اور دونوں کا گناہ برابر ہے طیبی نے کہا میت کی توہین کرنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی توہین کرنا ابن مالک نے کہا میت بھی اسی طرح دکھ محسوس کرتی ہے جیسے زندہ۔ عبداللہ بن مسعود نے کہا میت بھی تکلیف محسوس کرتی ہے اور جیسے زندہ آدمی لذت محسوس کرتا

ابن الملك والی ان المیت یتالم قال ابن حجر ومن لازمه ان یستلذ کما یستلذ به الحی۔ انتهی۔ وقد اخرج ابن ابی شیبة عن ابن مسعود اذی المؤمن فی موته کاذاه فی حیاته۔ ذکره فی المرقاة اور حضرات فقہا ارشاد فرماتے ہیں کہ میت کو ایسے نیم گرم پانی سے غسل دینا چاہیئے کہ جس سے میت کو اذیت و تکلیف نہ پہنچے حیف ہے جناب امام صاحب مذکور فی السوال کو کہ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میت کی ٹانگ میں ایک رسی باندھ کر قدم کھینچو جب نماز پڑھو گا خدا جانے کس شریعت پر عمل کرتے ہیں توہین اور اذیت میت مسلم پر آمادہ و مستعد ہوتے ہیں اور خلاف شریعت غرا پر راضی ہیں العجب کل العجب امام جی کو ایسے مسئلے گھڑنے سے توبہ و استغفار کرنی چاہیئے کہ ایسی گھڑت کی باتوں سے رخنہ دین اور فتنہ شرع متین میں پڑتا ہے قال الشامی قولہ (والاغلال خاص مغلی) ای اغلال و سطالان المیت یتاذی مما یتاذی بہ الحی درالمختار حاشیہ درالمختار واللہ اعلم اجابہ وکتبہ الفقیر محمد یعقوب عفا اللہ عنہ الذنوب۔ تارک الصلوٰۃ فاسق و یجوز صلاۃ الجنازۃ علیہ فتح محمد الجواب صحیح بندہ ضیاء الحق مدرس امینیہ۔ الجواب صحیح بندہ محمد قاسم مدرس مدرسہ امینیہ الجواب صحیح محمد عبدالغفور مدرس مدرسہ امینیہ　　سید محمد نذیر حسین

**سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ اندر مسجد یا صحن مسجد ازروئے مذہب حنفیہ جائز ہے یا نہیں اور ازروئے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کیا ہے ارقام فرمادیں بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ نماز جنازہ مسجد میں ازروئے مذہب حنفیہ کے مکروہ ہے مسجد کے اندر ہو خواہ صحن مسجد میں ہو بعض فقہائے حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی امام محمد اپنے موطا میں لکھتے ہیں لا یصلی علی جنازۃ فی المسجد اور اس کے حاشیہ میں ہے ای کرهت الصلوۃ علیها فیه کراهة تحریم فی روایة و تنزیه فی روایة هو اولی انتهی اور شرح وقایہ میں ہے وکرهت فی مسجد جماعة ان کان المیت

ہے میت بھی کرتی ہے [1] شامی نے کہا میت کو خالص گرم پانی سے غسل دینا چاہیئے اور پانی زیادہ گرم ہو کیونکہ جن چیزوں سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے مردے کو بھی ہوتی ہے [2] جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے بعض کے نزدیک مکروہ تحریمی اور بعض کے نزدیک تنزیہی اور یہی صحیح ہے [3] جنازہ کی نماز جماعت والی مسجد میں مکروہ ہے بشرطیکہ میت بھی مسجد میں ہو۔

فیہ اور اس کے حاشیہ میں ہے[1] قیل تحریما کما حققہ قاسم بن قطلوبغا فی رسالۃ مستقلۃ لہ والیہ مال اکثر المتاخرین وقیل تنزیہا ورجحہ المحقق ابن الہمام فی الفتح وتلمیذہ کابن امیر حاج فی الحلیۃ وغیرھما انتہی اور از روئے حدیث صحیح کے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز و درست ہے منتقی الاخبار میں ہے عن[2] عائشۃ انھا قالت لما توفی سعد بن ابی وقاص ادخلوا بہ المسجد حتی اصلی علیہ فانکروا ذلک علیھا فقالت لقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابنی بیضا فی المسجد سہیل و اخیہ رواہ مسلم وفی روایۃ ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سہیل بن البیضاء الا فی جوف المسجد رواہ الجماعۃ الا البخاری اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز مسجد ہی میں پڑھی گئی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ کے درست اور جائز ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع و اتفاق تھا۔ فتح الباری میں ہے[3] وقد روی ابن ابی شیبۃ وغیرہ ان عمر صلی علی ابی بکر فی المسجد وان صہیبا صلی علی عمر فی المسجد زاد فی روایۃ ووضعت الجنازۃ فی المسجد تجاہ المنبر وھذا یقتضی الاجماع علی جواز ذلک اور حنفیہ جو مسجد میں نماز جنازہ کے مکروہ ہونے پر ابوداؤد کی حدیث[4] من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شئی لہ سے استدلال کرتے ہیں سو یہ ان کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ مردہ نجس ہوتا ہے اس وجہ سے جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنا

---

[1] نماز جنازہ مسجد میں مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ ابن قطلوبغا نے اپنے ایک مستقل رسالہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور اکثر متاخرین کا یہی مذہب ہے اور بعض نے مکروہ تنزیہی کہا ہے ابن ہمام اور اس کے شاگرد ابن امیر الحاج نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

[2] جب حضرت سعد بن ابی وقاص فوت ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اس کو مسجد میں لے آؤ تاکہ میں اس پر نماز پڑھوں لوگوں نے اس کو برا محسوس کیا تو آپ نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیضاء کے بیٹوں سہل و سہیل کا جنازہ مسجد میں ہی تو پڑھا تھا [3] ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کا جنازہ مسجد میں پڑھایا اور حضرت صہیب نے حضرت عمر کا جنازہ مسجد میں پڑھایا اور ان کی چارپائی مسجد کے درمیان منبر کے سامنے رکھی گئی" اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کا اس کے جواز پر اجماع تھا [4] جو مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھے اس کو

مکروہ ہے سوال کی یہ بات بھی ٹھیک نہیں کیونکہ مردہ کی نجاست کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ میت مسلم کی طہارت ثابت ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ "حضرت عائشہ نے جب یہ کہا کہ سعد بن ابی وقاص کا جنازہ مسجد میں داخل کر دو کہ میں بھی ان کے جنازہ کی نماز پڑھوں تو صحابہؓ نے ان پر انکار کیا اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے" سو حنفیہ کی یہ بات بھی ٹھیک نہیں کیونکہ حضرت عائشہؓ نے صحابہؓ کے انکار کرنے پر انکار کیا اور ان کو یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سہل اور سہیل کے جنازہ کی نماز مسجد ہی میں پڑھی تھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سن کر ان کے انکار کو تسلیم کر لیا اور مسجد میں نماز جنازہ کے جواز کو سب نے قبول کر لیا علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں والحدیث (ای حدیث عائشۃ المذکور) یدل علی جواز ادخال المیت فی المسجد والصلوۃ علیہ فیہ وبہ قال الشافعی واحمد واسحق والجمہور قال ابن عبد البر ورواہ المدنیون فی الموطا عن مالک وبہ قال ابن حبیب المالکی وکرہہ ابن ابی ذئب وابوحنیفۃ ومالک فی المشہور عنہ وکل من قال بنجاسۃ المیت واجابوا عن حدیث الباب بانہ محمول علی ان الصلوۃ علی ابنی بیضاء وہما کانا خارج المسجد والمصلون داخلہ وذلک جائز بالاتفاق ورد بان عائشۃ استدلت بذلک لما انکروا علیہا امرہا بادخال الجنازۃ المسجد واجابوا ایضا بان الامر استقر علی ترک ذلک لان الذین انکروا علی عائشۃ کانوا من الصحابۃ ورد بان عائشۃ لما انکرت ذلک الانکار سلموا لہا فدل علی انہا حفظت ما نسوہ وان الامر استقر علی الجواز ویدل علی ذلک الصلوۃ

کوئی اچنبھی[1] حضرت عائشہ کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ میت کو مسجد میں داخل کرنا اور اس پر نماز پڑھنا جائز ہے امام شافعی، احمد، اسحق، جمہور، ابن حبیب مالکی اور بقول ابن عبد البر امام مالک کا بھی ایک روایت میں یہی مذہب ہے اور ابن ابی ذئب، امام ابوحنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام مالک اس کو مکروہ سمجھتے ہیں مکروہ کہنے والے حضرت عائشہ کی حدیث کے جواب میں کہتے ہیں کہ بیضا کے بیٹوں کی نعشیں مسجد سے باہر رکھی گئی تھیں اور نماز مسجد میں ہوئی تھی نمازی اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر لاشیں باہر رکھی گئی ہوتیں تو حضرت عائشہ حضرت سعد کا جنازہ مسجد کے اندر داخل کرنے پر کیسے استدلال کرتیں منکرین یہ بھی کہتے ہیں اگر مسجد میں جنازہ منع نہ ہوتا تو صحابہ حضرت عائشہ پر انکار ہی کیوں کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ جب عائشہؓ نے جواب میں ان کو بیضاء کے بیٹوں کا حوالہ دیا تو وہ خاموش کیوں ہو گئے معلوم ہوا کہ صحابہ ایک واقعہ کو بھولے ہوئے تھے اور [illegible]

علی ابی بکر وعمر فی المسجد کما تقدم وایضا العلۃ التی لاجلہا کرھوا الصلوۃ علی المیت فی المسجد ھی زعمھم انہ نجس وھی باطلۃ کما تقدم ان المومن لاینجس حیا ولا میتا ۔

انہم علی ما استند لوا بہ علی الکراھۃ بما اخرجہ ابوداؤد عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلاشئ لہ ۔ اخرجہ ابن ماجہ ولفظہ فلیس لہ شئ وفی اسنادہ صالح مولی التوءمۃ وقد تکلم فیہ غیر واحد من الائمۃ قال النووی واجابوا عنہ یعنی الجمھور باجوبۃ احدھا انہ ضعیف لایصح الاحتجاج بہ قال احمد بن حنبل ھذا حدیث ضعیف تفرد بہ صالح مولی التوءمۃ وھو ضعیف والثانی ان الذی فی النسخ المشہورۃ المحققۃ المسموعۃ من سنن ابی داؤد من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلاشئ علیہ فلاحجۃ لہم حینئذ والثالث انہ لوثبت الحدیث وثبت انہ فلاشئ لہ لوجب تاویلہ بان لہ بمعنی علیہ لنجمع بین الروایتین قال وقد جاء بمعنی علیہ کقولہ تعالیٰ وان اسأتم فلہا والرابع انہ محمول علی نقص الاجر فی حق من صلی فی المسجد ورجع ولم یشیعہا الی المقبرۃ لما فاتہ من تشییعہ الی المقبرۃ وحضور دفنہ ۔

انتہی حررہ یوسف عفی عنہ    سید محمد نذیر حسین

سوال ۔ زید مقروض مرا اور کچھ بھی ترکہ نہیں چھوڑا اس کے وارث بیٹے یعنی ابن الابن اور بھائی ایک اور بی بی ایک ہے ان وارثوں میں سے کون کون کتنا کتنا قرضہ ادا کرے گا

نے اس کو یاد رکھا تھا اور بالآخر سب کا اتفاق مسجد میں جنازہ پڑھنے پر ہو گیا اور مسجد میں ابوبکر و عمر کا جنازہ بھی مسجد میں پڑھایا گیا جو مسجد میں جنازہ کو مکروہ کہتے ہیں وہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک میت پاک نہیں اور یہ بالکل غلط ہے کیونکہ مومن نہ زندگی میں پلید ہے نہ مرنے کے بعد اور کراہت کی بنیاد ابوداؤد کی روایت پر رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسجد میں جنازہ پڑھے اس کو کوئی اجر نہیں ہے اس کے کئی ایک جواب ہیں پہلا یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں صالح مولی توأم ضعیف ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ صحیح اور محقق نسخوں میں فلیس لہ شئی (اس کو کوئی اجر نہیں ہے) کی بجائے فلیس علیہ شئی (اس کو کوئی گناہ نہیں) کے لفظ ہیں تیسرا یہ کہ لام بمعنی علیٰ عربی زبان میں بکثرت استعمال ہوتا ہے قرآن مجید میں ہے وان اسأتم فلہا چوتھا یہ کہ اس آدمی کا اجر کم ہوتا ہے جو مسجد میں صرف جنازہ پڑھ کر واپس آجائے اور دفن کرنے کے لئے قبرستان میں نہ جائے ۔

ذمہ دار ہے۔ بینوا توجروا

**الجواب۔** وارثان زید میں سے کوئی اس کے قرضہ ادا کرنے کا شرعاً ذمہ دار نہیں ہے ہاں اگر وہ تبرعاً و احساناً اپنی اپنی حسب لیاقت قرضہ ادا کریں اور اس کو بار قرض سے سبکدوش کر دیں تو بہت اچھی بات ہے اور اس صورت میں کچھ متعین نہیں ہے کہ فلاں اس قدر دے اور فلاں اس قدر دے اگر ایک ہی کل قرضہ ادا کر دے تو بھی ادا ہو جاوے گا (سید محمد نذیر حسین)

**سوال۔** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت مومنہ بے قرار کو زیارت قبور مطابق سنت رخصت ہے یا نہیں اور بعد وفات کے روح انسان کی چالیس روز تک ہفتہ وار آتی ہے یا نہیں یا تمام عمر آتی رہتی ہے اور بعد وفات کے نابالغ کی روح بڑھتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب۔** اگر عورت صابرہ ہے اور اس سے کسی قسم کے فتنہ کا خوف نہیں ہے اور نہ اس امر کا خوف ہے کہ قبرستان میں جا کر رو دے گی چلائے گی اور بے صبری کی حرکتیں کرے گی تو اس کے لئے گاہے گاہے زیارت قبور مطابق سنت کے جائز و رخصت ہے اور اگر بے صبر ہے اور اس سے امر مذکور کا خوف ہے تو اس کے لئے جائز نہیں نیل الاوطار میں ہے قال[1] القرطبی هذا اللعن انما هو للمكثرات من الزيارة لما تقتضيه الصفة من المبالغة ولعل السبب ما يفضي اليه ذلك من تضييع حق الزوج والتبرج وما ينشأ منهن من الصياح ونحو ذلك فقد يقال اذا امن من جميع ذلك فلا مانع من الاذن لان تذكر الموت يحتاج اليه الرجال والنساء انتهى وهذا الكلام هو الذي ينبغي اعتماده في الجمع بين الاحاديث المتعارضة في الظاهر انتهى باقی رہا بعد مرنے کے انسان کی روح کا آنا یا نابالغ کی روح کا بڑھنا سو ان باتوں کا

---

[1] قرطبی نے کہا قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر جو لعنت آئی ہے یہ بطور مبالغہ ہے اور قبرستان میں اکثر اوقات جانے والی عورتوں کے متعلق ہے کیونکہ اس سے خاوند کے حقوق ضائع ہوتے ہیں بے پردگی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ نوحہ کرنے لگتی ہیں اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو پھر جائز ہے کیونکہ موت کی یاد کے لئے جیسے مرد محتاج ہیں ایسے ہی عورتیں بھی محتاج ہیں اس سے دونوں طرح کی حدیثوں کی تطبیق ہو جاتی ہے۔

شریعت میں کچھ ثبوت نہیں ہے۔ واللہ اعلم حررہ ابومحمد عبدالحق اعظم گڑھی عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق۔ مردوں کے واسطے زیارت قبور بالاتفاق سنت ہے اور عورتوں کی نسبت اختلاف ہے اکثر علما کے نزدیک عورتوں کے لیے بھی زیارت قبور جائز و رخصت ہے اور بعض علما کے نزدیک مکروہ ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی زیارت قبور کی نسبت حدیثیں مختلف آئی ہیں۔ جو اہل علم عورتوں کے لئے بھی زیارت قبور کو جائز بتاتے ہیں ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو ایک قبر کے پاس روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ سے ڈر اور صبر کر (رواہ البخاری) اور آپ نے اس کو قبر کے پاس بیٹھنے سے منع نہیں فرمایا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو زیارت قبور سے منع کیا تھا سو تم لوگ قبروں کی زیارت کرو (رواہ مسلم) وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اجازت مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے اور (۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر کی زیارت کی تو ان سے کسی نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو زیارت قبور سے منع نہیں کیا ہے انہوں نے کہا ہاں منع کیا تھا (مگر) پھر ان کو زیارت قبور کا حکم کیا (رواہ الحاکم) اور (۴) چوتھی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ جب میں قبروں کی زیارت کروں تو کیا کہوں آپ نے فرمایا کہ جب تو قبروں کی زیارت کرے تو کہہ السلام علی الدیار (الحدیث) (رواہ مسلم) اور (۵) پانچویں دلیل یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ ہر جمعہ کو اپنے چچا حمزہؓ کی قبر کی زیارت کرتی تھیں (رواہ الحاکم وہو مرسل) اور (۶) چھٹی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے باپ ماں دونوں کی یا ایک کی قبر کی زیارت ہر جمعہ کو کیا کرے تو اس کی مغفرت کی جاوے گی اور وہ بار لکھا جاوے گا (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلا) اور جو لوگ عورتوں کے لئے زیارت قبور کو مکروہ بتاتے ہیں ان میں بعض مکروہ بکراہت تحریمی کہتے ہیں اور بعض مکروہ بکراہت تنزیہی۔ ان لوگوں کی پہلی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالے نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت

کی ہے (اخرجہ الترمذی وصححہ) اور (۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ کو سامنے آتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ کہاں سے آتی ہو انہوں نے کہا کہ اس میت کی تعزیت کو گئی تھی آپ نے فرمایا شاید تو جنازہ کے ہمراہ کدی یعنی قبرستان میں گئی تھی انہوں نے کہا نہیں (اخرجہ احمد والحاکم وغیرہما) ان لوگوں کی یہی دو دلیلیں ہیں علامہ قرطبی نے ان متعارض ومختلف احادیث کی جمع وتوفیق میں جو مضمون لکھا ہے اس کا خلاصہ مجیب نے جواب میں لکھ دیا ہے اور علامہ شوکانی نے اس کو اعتماد کے قابل ولایق بتایا ہے اور بلاشبہ جمع وتوفیق کی یہ صورت بہت اچھی ہے واللہ تعالے اعلم وعلمہ اتم۔ حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۲۶۲ جزو ۵ میں لکھتے ہیں [۱] واختلف فی النساء فقیل دخلن فی عموم الاذن وھو قول الاکثر ومحلہ ما اذا امنت الفتنۃ ویؤید الجواز حدیث الباب وموضع الدلالۃ منہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینکر علی المرأۃ قعودھا عند القبر وتقریرہ حجۃ وممن حمل الاذن علی عمومہ للرجال والنساء عائشۃ فروی الحاکم من طریق ابن ابی ملیکۃ انہ رآھا زارت قبر اخیھا عبد الرحمن فقیل لھا الیس قد نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک قالت نعم کان نھی ثم امر بزیارتھا وقیل الاذن خاص بالرجال ولا یجوز للنساء زیارۃ القبور وبہ جزم الشیخ ابو اسحٰق فی المھذب واستدل لہ بحدیث عبد اللہ بن عمرو الذی تقدمت الاشارۃ الیہ فی باب اتباع النساء بجنائز وبحدیث لعن اللہ زوارات القبور اخرجہ الترمذی وصححہ من حدیث ابی ھریرۃ ولہ شاھد من

---

[۱] قبروں کی زیارت کے لئے عورتوں کے جانے میں اختلاف ہے اکثر کا یہ مذہب ہے کہ جب قبروں کی زیارت کی اجازت ہوئی تو اس میں عورتوں کو بھی اجازت ہوگی بشرطیکہ زیادہ نہ جائیں اور وہاں جاکر بے صبری نہ کریں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو قبر کے پاس بیٹھے دیکھا تو اس کو منع نہ کیا حضرت عائشہ اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر زیارت کے لئے گئیں کسی نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قبرستان میں جانے سے روکا ہے کہنے لگیں جب روکا تھا تو سب کو روکا تھا اور جب اجازت ہوئی تو عورتوں کو بھی ہو گئی ابو اسحٰق نے مہذب میں کہا ہے کہ اجازت صرف مردوں کو ہوئی ہے عورتوں کو نہیں مانعین عبداللہ بن عمرو کی حدیث سے اور لعن اللہ زوارات القبور سے استدلال کرتے ہیں پھر مکروہ کہنے والوں میں سے بعض مکروہ تنزیہی کہتے ہیں اور بعض مکروہ تحریمی۔ قرطبی کہتے ہیں اگر عورت قبرستان میں زیادہ نہ جائے نوحہ نہ کرے مرد کے حقوق ضائع نہ کرے تو اس کو

حدیث ابن عباس ومن حدیث حسان بن ثابت واختلف من قال بالکراهۃ فی حقهن هل هی کراهۃ تحریم او تنزیه قال القرطبی هذا اللعن انما هو للمکثرات من الزیارۃ لما تقتضیه الصفة من المبالغة ولعل السبب ما یفضی الیه ذلك من تضییع حق الزوج والتبرج وما ینشأ منهن من الصیاح ونحو ذلك فقد یقال اذا امن جمیع ذلك فلا مانع من الاذن لان تذکر الموت یحتاج الیه الرجال والنساء انتهی بلوغ المرام اور اس کی شرح سبل السلام میں ہے وعن ابی هریرۃ ان رسول الله صلی الله علیه و سلم لعن زائرات القبور اخرجه الترمذی وصححه ابن حبان وقال الترمذی بعد اخراجه هذا حدیث حسن وفی الباب عن ابن عباس وحسان وقد قال بعض اهل العلم ان هذا کان قبل ان یرخص النبی صلی الله علیه وآله وسلم فی زیارۃ القبور فلما رخص دخل فی الرخصة الرجال والنساء وقال بعضهم انما کره زیارۃ القبور للنساء لقلة صبرهن وکثرۃ جزعهن ثم ساق بسنده ان عبد الرحمن بن ابی بکر توفی ودفن فی مکة واتت عائشة قبره ثم قالت شعر اھ

| | |
|---|---|
| وکنا کندمانی جذیمة حقبة | من الدهر حتی قیل لن یتصدعا |
| وعشنا بخیر فی الحیوۃ وقبلنا | اصاب المنایا رهط کسری وتبعا |
| فلما تفرقنا کانی ومالکا | لطول اجتماع لم نبت لیلة معا |

انتهی ویدل لما قاله بعض اهل العلم ما اخرجه مسلم عن عائشة قالت کیف اقول یا رسول الله اذا زرت القبور فقال قولی السلام علی اهل الدیار من المسلمین والمؤمنین یرحم الله المتقدمین منا والمتاخرین وانا ان شاء الله بکم لاحقون وما اخرجه

---

جانا جائز ہے ورنہ نہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو زیارت کرنے والی عورتوں کو لعنت کی ہے یہ رخصت سے پہلے تھی جب رخصت ہوئی تو عورتوں مردوں کو ہو گئی اور عورتوں کے لئے جو زیارت مکروہ ہے وہ صرف بے قراری اور بے صبری کی وجہ سے ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ نے بھی جب اپنے بھائی عبد الرحمن کی قبر کی زیارت کی تو درد ناک شعر پڑھے اور حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے پوچھا جب میں قبرستان میں جاؤں تو کیا کہا کروں آپ نے دعا سکھلائی ان کو منع نہ کیا حضرت فاطمہؓ حضرت حمزہؓ کی قبر پر ہر جمعہ کو جایا کرتی تھیں اور حدیث میں ہے جو ہر جمعہ اپنے والدین کی قبر پر جائے اس کو بخش دیا جائے گا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے والا لکھا جائے گا۔

الحاکم من حدیث علی بن الحسین ان فاطمۃ علیہا السلام کانت تزور قبر عمہا حمزۃ کل جمعۃ فتصلی وتبکی عندہ قلت وھو حدیث مرسل کان علی بن الحسین لم یدرک فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعموم ما اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلا من زار قبر الوالدین او احدھما فی کل جمعۃ غفر لہ وکتب بارا انتہی۔ واللہ تعالے اعلم کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

**سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں جوتی پہن کر چلنا درست ہے یا نہیں اور جنازے کی نماز میں سورۃ فاتحہ اور سورہ کا زور سے پڑھنا جس حدیث میں مذکور ہے اس کے راوی ٹھیک ہیں یا نہیں اور اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب**۔ قبرستان میں جوتی پہن کر چلنا نہیں درست ہے منتقی میں ہے عن بشیر بن الخصاصیۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا یمشی فی نعلین بین القبور فقال یا صاحب السبتیین القھما رواہ الخمسۃ الا الترمذی یعنی بشیر ابن خصاصیۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص کو کہ وہ جوتی پہنے ہوئے قبرستان میں جا رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اے جوتی والے جوتیوں کو ڈال دے اور جنازہ کی نماز میں سورۃ فاتحہ اور سورت کا پڑھنا جس حدیث میں مذکور ہے اس کے راوی ٹھیک ہیں سورہ فاتحہ کی حدیث کے راوی تو اس واسطے ٹھیک ہیں کہ وہ صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ چنانچہ منتقی میں ہے عن ابن عباس انہ صلی علی جنازۃ فقراء بفاتحۃ الکتاب وقال لتعلموا انہ من السنۃ رواہ البخاری وابوداؤد والترمذی وصححہ والنسائی وقال فیہ فقرء بفاتحۃ الکتاب وسورۃ وجھر فلما فرغ قال سنۃ وحق یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک جنازے پر نماز پڑھی تو سورہ فاتحہ پڑھی اور کہا کہ سورہ فاتحہ میں نے اس واسطے پڑھی ہے تاکہ تم لوگ جان لو کہ سنت ہے روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی نے اور صحیح کہا اس کو اور روایت کیا اس کو نسائی نے اور اس میں یوں کہا ہے کہ پھر پڑھی ابن عباسؓ نے سورہ فاتحہ اور ایک اور دوسرے سورہ اور زور سے پڑھی پھر جب فارغ ہوئے تو فرمایا

کہ یہ سنت اور حق ہے اور وہ حدیث کہ جس میں سورہ ملانے کا ذکر ہے وہ نسائی شریف کی روایت ہے جیسا کہ اوپر منتقی کی عبارت سے معلوم ہوا اور اس کے راوی اس واسطے ٹھیک ہیں کہ اس کی سند کو علامہ قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار شرح منتقی میں صحیح کہا ہے چنانچہ نیل الاوطار میں ہے قولہ وسورۃ فیہ مشروعیۃ قراءۃ سورۃ مع الفاتحۃ فی صلوۃ الجنازۃ ولا محیص عن المصیر الی ذلک لانہا زیادۃ خارجۃ عن مخرج صحیح انتہی مختصرا جب ثابت ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ اور سورہ کا جہر سے پڑھنا جس حدیث سے مذکور ہے اس کے راوی ٹھیک ہیں اور وہ حدیث صحیح ہے تو اس پر عمل کرنا جائز ہوا واللہ تعالے اعلم حررہ محمد عبدالحق ملتانی سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق۔ قبرستان میں جوتی پہن کر چلنے کی ممانعت بشیر بن خصاصیہ کی حدیث مذکور سے صاف ثابت ہوتی ہے اور بعض اہل علم اس حدیث کے مطابق ممانعت کے قائل ہیں اور بعض اہل علم قبرستان میں جوتی پہن کر چلنے کو جائز بتاتے ہیں مگر جس حدیث سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں اس سے ان کا مطلوب ثابت نہیں ہوتا علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ سبتی جوتی (یعنی مدبوغ چمڑے کی جوتی جس میں بال نہ ہوں) پہن کر قبرستان میں چلنا حرام و ناجائز ہے اور غیر سبتی جوتی پہن کر چلنا جائز ہے لیکن ابن حزم کا بھی یہ قول ٹھیک نہیں کیونکہ سبتی اور غیر سبتی جوتی میں کوئی فارق نہیں ہے امام طحاوی کہتے ہیں کہ حضرت نے جو اس شخص کو جوتی پہن کر چلنے سے منع فرمایا سو یہ ممانعت محمول ہے اس پر کہ اس کی جوتی میں ناپاکی لگی تھی مگر یہ بات بھی ٹھیک نہیں کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں پس جو لوگ ممانعت کے قائل ہیں انہیں کا قول مدلل ہے حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں واستدل بہ[2] (ای بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لیسمع قرع نعالہم) علی جواز المشی بین القبور بالنعال ولا دلالۃ فیہ قال ابن الجوزی لیس فی الحدیث سوی الحکایۃ عمن یدخل المقابر وذلک لا یقتضی اباحۃ ولا تحریما انتہی وانما استدل بہ من استدل علی الاباحۃ اخذا من کونہ صلی اللہ علیہ وسلم قالہ واقرہ فلو کان

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ اور سورۃ کا پڑھنا بھی درست ہے اور اس کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ یہ زیادتی صحیح سند سے ثابت ہے [2] ابن حجر نے کہا اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ قبرستان میں جوتیوں سمیت چلنا جائز ہے ابن جوزی نے کہا اس میں جائز ناجائز کی کوئی

مکروھا بینہ لکن یعکر علیہ احتمال ان یکون المراد سماعہ ایاھا بعد ان یجاوز والمقبرۃ ویدل علی الکراھۃ حدیث بشیر بن الخصاصیۃ اخرجہ ابو داؤد والنسائی وصححہ الحاکم واغرب ابن حزم فقال یحرم المشی بین القبور بالنعال السبتیۃ دون غیرھا وھو جمود شدید وقال الطحاوی یحمل نہی الرجل المذکور علی انہ کان فی نعلیہ قذر فقد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی نعلیہ ما لم یر فیھا اذی انتہی مختصراً اور بلاشبہ ابن عباس کی روایت مذکور بالا سے ثابت ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اور کسی اور سورہ کا پڑھنا سنت وحق ہے اور بلاشبہ یہ روایت بھی قابل عمل ہے لیکن رہی یہ بات کہ سورۂ فاتحہ اور سورہ کو جہر سے پڑھنا چاہیے یا آہستہ سو ابن عباسؓ نے اپنی ایک روایت میں تصریح کردی ہے کہ میں نے فاتحہ اور سورۃ کا نماز جنازہ میں پڑھنا سنت ہے - فتح الباری صفحہ ۶۹ میں ہے [1] وللحاکم من طریق ابن عجلان انہ سمع سعید بن ابی سعید یقول صلی ابن عباس علی جنازۃ فجھر بالحمد ثم قال انما جھرت لتعلموا انھا سنۃ وفیہ ایضا وروی الحاکم ایضا من طریق شرحبیل بن سعد عن ابن عباس انہ صلی علی جنازۃ فکبر ثم قرا الفاتحۃ رافعا صوتہ ثم صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال اللھم عبدک الی قولہ ثم انصرف فقال یا ایھا الناس انی لم اقرا علیھا ای جھرا الا لتعلموا انھا سنۃ اور اسی طرح شافعی کی روایت میں ہے تلخیص الحبیر صفحہ ۱۶۰ کے حاشیہ میں ہے [2] وفی روایۃ الشافعی فجھر بالقراۃ

---

بحث ہی نہیں ہے یہ تو ایک واقعہ کی حکایت ہے مجوزین لکھتے ہیں کہ اگر یہ ناجائز ہوتا تو نبی صلعم اس کو بیان کر دیتے اور یہ بھی احتمال ہے کہ قبرستان کے باہر جوتیوں کی آواز مردہ سنتا ہو اور بشیر بن خصاصیہ کی حدیث سے جو کراہت ثابت ہوتی ہے طحاوی کہتے ہیں ممکن ہے اس کی جوتیاں پلید ہوں ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں پاک جوتیوں سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے قبرستان اس سے زیادہ پاک جگہ نہیں ہے

[1] سعید بن ابی سعید کہتے ہیں کہ ابن عباس نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی اور الحمد بلند آواز سے پڑھی اور کہا میں نے اس لئے بلند آواز سے پڑھی کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ الحمد پڑھنا سنت ہے ایک اور روایت میں ہے کہ پھر اس کے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا پھر یہ دعا پڑھی اللھم ھذا عبدک الخ پھر فارغ ہوئے تو کہا میں بلند آواز سے جنازہ اس لئے پڑھا یا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ جنازہ کا سنت طریقہ کیا ہے

[2] آپ نے بلند آواز سے قرأت کی اور کہا میں نے اس لئے بلند آواز سے قرأت کی کہ تم کو معلوم ہو جائے

وقال انما جهرت لتعلموا انها سنة ومثلها للحاكم انتہی بلفظہ اور اسی طرح منتقی ابن الجارود میں بھی ہے عون المعبود شرح سنن ابی داؤد صفحہ ۱۹۱ جلد ۳ میں ہے واخرج ابن الجارود فی المنتقی من طريق زيد بن طلحة التيمي قال سمعت ابن عباس قرأ على جنازة فاتحة الكتاب وسورة وجهر بالقراءة وقال انما جهرت لاعلمكم انها سنة انتہی۔ پس جب معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ نے فاتحہ اور سورۃ کو فقط اس خیال سے زور سے پڑھا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ اور سورۃ کا پڑھنا سنت ہے تو اس روایت سے جہر سے پڑھنا نہیں ثابت ہوتا بلکہ آہستہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے ہاں اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جہاں لوگوں کو یہ مسئلہ نہ معلوم ہو تو وہاں زور سے پڑھ دینا چاہیئے تاکہ لوگ سن کر معلوم کر لیں اور آہستہ پڑھنے کی تائید ابوامامہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے [۲] عن ابی امامة بن سهل انه اخبره رجل من اصحاب النبي صلى الله عليه وآله وسلم ان السنة في الصلوة على الجنازة ان يكبر الامام ثم يقرأ بفاتحة الكتاب بعد التكبيرة الاولى سرا في نفسه ثم يصلي على النبي صلى الله عليه وآله وسلم ويخلص الدعاء للجنازة في التكبيرات ولا يقرأ في شئ منهن ثم يسلم سرا في نفسه رواه الشافعي في مسنده (منتقى الاخبار) قال الحافظ في التلخيص صفحہ ۱۶۱ وضعفت رواية الشافعي بمطرف لكن قواها البيهقي بما رواه في المعرفة من طريق عبيد الله بن ابي زياد الرصافي عن الزهري بمعنى رواية انتہی اور آہستہ پڑھنے کی تائید ابن سلمۃ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے [۳] السنة على الجنازة ان يكبر الامام ثم يقرأ القرآن في نفسه الحديث رواه ابن ابی حاتم فی العلل ذكره الحافظ في التلخيص صفحہ ۱۶۰۔ انہیں روایات کی وجہ سے جمہور کا یہ مذہب ہے کہ نماز

---

جہر سے قراءت کرنا سنت ہے [۱] ابن عباس نے ایک جنازہ پر الحمد اور سورۃ بلند آواز سے پڑھی اور کہا کہ میں نے اس لئے بلند آواز سے قراءت کی کہ تم کو معلوم ہو جائے بلند آواز سے قراءت کرنا سنت ہے۔

[۲] ایک صحابی نے کہا جنازہ کی نماز میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے پھر تکبیر اولیٰ کے بعد الحمد پڑھے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر میت کے لئے دعا کرے اور ان تکبیروں میں قراءت نہ کرے پھر آہستہ آواز سے سلام پھیرے حافظ نے تلخیص میں کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کی تائید ایک اور حدیث سے ہو جاتی ہے [۳] جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے پھر آہستہ آواز سے قرآن پڑھے۔

جنازہ میں فاتحہ اور سورہ جہر سے پڑھنا مستحب نہیں ہے نیل الاوطار صفحہ ۲۹۸ جلد ۳ میں ہے [1] ذھب الجمھور الی انہ لایستحب الجھر فی صلوۃ الجنازۃ وتمسکوا بقول ابن عباس المتقدم لم اقرأ ای جھرا الا لتعلموا انہ سنۃ وبقولہ فی حدیث ابی امامۃ سرا فی نفسہ انتھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

**سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اہل قبور کی روح قبر میں باقی رہتی ہے اور ان کو علم اور شعور رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے دوست اور آشنا وغیرہ کو پہچانتا ہے جس وقت اس کی قبر پر زیارت کو آئیں اور یہاں تک کہ ان کی جوتیوں کی بھنک اور ان کی آواز کو سنتا ہے اور علاوہ ازیں جب کوئی پرندہ اس کی قبر پر بیٹھے تو نر اور مادہ میں فرق کر کے پہچان لیتا ہے اور اپنے ثبوت کے لئے اس حدیث شریف کو پیش کرتا ہے عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المیت اذا وضع فی قبرہ انہ لیسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا رواہ مسلم۔ اس کے جواب میں عمرو کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے [2] ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غافلون۔ بمصداق اس دلیل مبین کے ان کا سننا اور جاننا غیر ممکن ہے اور وہ ہرگز ہرگز قیامت تک نہیں سنیں گے اور نہ ان کی پکار کو پہنچیں گے پس آپ حضرات کی خدمات مبارکات میں عرض ہے کہ زید اور عمرو کے خیالات کو موافق قرآن حدیث کے بیان فرما کر طرفین کے شک اور وہم کو رفع کر دیں اور اس مسئلہ میں کس طرح اعتقاد رکھنا چاہیے اور خوب واضح طور سے بیان فرمائیں تاکہ یقین کامل آجاوے بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ قرآن وحدیث کی رو سے زید کا قول غلط ہے اور عمرو کا قول صحیح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عمرو کے قول کے لئے قرآن وحدیث میں دلیل موجود ہے چنانچہ ایک دلیل وہی آیت ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ ہے جو

---

[1] جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جنازہ میں بلند آواز سے قرارت مستحب نہیں ہے اور انہوں نے ابن عباس اور ابو امامہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے [2] جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو جب لوگ واپس آتے ہیں وہ انکی جوتیوں کی آواز بھی سنتا ہے [3] اس سے زیادہ اور کون گمراہ ہو سکتا ہے جو اللہ کے سوا ان کو پکارے جو اس کو قیامت تک جواب نہ دے سکیں اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں [4] اور اس سے زیادہ گمراہ کون

عمرو کے قول میں موجود ہے اور زید کے قول کے لئے قرآن اور حدیث میں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی باقی رہی یہ حدیث (ان المیت اذا دضع فی قبرہ الخ) جو زید نے اپنے قول کے ثبوت میں پیش کی ہے اس سے اس کا قول ثابت نہیں ہوتا کیونکہ زید کا اپنے قول میں پہلا دعوی یہ ہے کہ اہل قبور کی روح قبر میں باقی رہتی ہے زید نے اپنے اس قول میں کسی خاص وقت کا ذکر نہیں کیا لہذا اس کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ اہل قبور کی روح قبر میں ہمیشہ باقی رہتی ہے حالانکہ حدیث مذکور سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ حدیث مذکور میں صرف یہ ذکر ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے لوٹتے ہیں تو میت لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے پس حدیث مذکور سے اگر ثابت ہوگا تو صرف اتنا ثابت ہوگا کہ دفن کر کے لوٹتے وقت قبر میں روح باقی رہتی ہے باقی اور اوقات میں روح کا قبر میں رہنا حدیث مذکور سے ثابت نہیں ہوا۔ زید کا دوسرا دعوی یہ ہے کہ اہل قبور کو علم وشعور رہتا ہے کہ جس کی وجہ سے زیارت کے وقت وہ اپنے دوست وآشنا وغیرہ کو پہچانتے ہیں اور ان کے جوتوں کی آواز اور ان کی آواز کو سنتے ہیں اس مقام میں بھی زید نے کسی خاص وقت کا ذکر نہیں کیا لہذا یہاں بھی اس دعوے کا ظاہر مطلب یہی ہوگا کہ اہل قبور کو ہمیشہ علم وشعور رہتا ہے لیکن یہ دعوے بھی حدیث مذکور سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ حدیث مذکور میں صرف یہ ذکر ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے لوٹتے ہیں تو میت لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اور یہ میت کا سننا اس واسطے ہے کہ صحیح حدیث کے موافق اس وقت مردے کے جسم میں روح آجاتی ہے سو اس وقت کے آنے سے ہمیشہ مردے جسم میں روح کا آنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے پس حدیث مذکور سے اگر ثابت ہوگا تو صرف اتنا ثابت ہوگا کہ دفن کر کے لوٹتے وقت میت کو علم وشعور رہتا ہے اور حدیث مذکور سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ دفن کر کے لوٹنے کے بعد بھی اہل قبور کو علم وشعور رہتا ہے لہذا اہل قبور کو ہمیشہ علم وشعور کا رہنا بھی حدیث مذکور سے ثابت نہیں ہوا پس زید کا دوسرا دعوی بھی غلط ہو گیا تیسرا دعوے زید کا یہ ہے کہ جب کوئی پرندہ اس کی قبر پر بیٹھتا ہے تو نر اور مادہ میں فرق کر کے پہچان لیتا ہے یہ دعوے حدیث مذکور سے بالکل ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ ظاہر بات ہے کہ پرندوں میں فرق کر کے

پہچاننا بصارت یعنی آنکھ سے دیکھنے کے متعلق ہے حالانکہ حدیث مذکور سے میت کیلئے بصارت کا ہونا نہیں ثابت ہوتا لہذا حدیث مذکور سے میت کا پرندوں میں فرق کرکے پہچان لینا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا اس کے علاوہ زید کا یہ دعوے عقلاً بھی باطل ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اپنی زندگی میں بھی اکثر پرندوں کے نر و مادہ میں نہیں فرق کرسکتا تو موت کے بعد کیونکر ہوسکتا ہے خلاصہ یہ کہ زید کا یہ قول بے سند اور خلاف شرع ہے اور عمرو کا قول مدلل اور شرع کے موافق ہے لہذا مسلمانوں کو لازم ہے کہ زید کے قول سے پرہیز کریں اور عمرو کے قول کو اختیار کریں واللہ اعلم بالصواب حررہ عبدالحق اعظم گڑھی عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

**ہو الموفق** - قرآن مجید میں اللہ تعالے فرماتا ہے وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (پارہ ۲۲ سورہ فاطر) یعنی نہیں ہے تو سنانے والا ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں۔ اور فرماتا ہے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (پارہ ۲۰ سورہ نمل) یعنی بے شک تو نہیں سنا سکتا مردوں کو یہ دونوں آیتیں نص صریح ہیں اس بات پر کہ مردے نہیں سنتے ہیں اور مردے کا سننا جیسا کہ زید کہتا ہے کسی آیت یا کسی حدیث سے ثابت نہیں اور زید کی یہ بات بھی کسی آیت یا حدیث صحیح سے ثابت نہیں کہ "قبروں پر جو لوگ زیارت کو آتے ہیں ان کو مردے پہچان لیتے ہیں اور قبروں پر کوئی پرندہ بیٹھتا ہے تو نر اور مادہ میں فرق کر کے پہچان لیتے ہیں" اور زید نے اپنے ثبوت کے لئے جو حدیث شریف پیش کی ہے اس سے اس کا مدعا ثابت نہیں ہوتا چونکہ اس زمانہ میں بہت سے عوام وجہال احناف کا قریب قریب وہی خیال ہے جو زید کا ہے اس لئے یہاں غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار مصنفہ مولوی خرم علی صاحب حنفی سے سماع موتے کے متعلق ایک مضمون نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے مولوی صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ فتح القدیر میں مذکور ہے کہ میت کو سماع نہیں نو فہم بھی نہیں اور بعد موت کے میت کی قبر کی زیارت ہوتی ہے نہ میت کی۔ اور یہ جو صحیح بخاری میں مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے مقتولوں کی لاشوں کو کنویں میں ڈلوا کر ان سے فرمایا کہ جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا یعنی شکست کفار اس کو تم نے سچا پایا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا آپ

---

له تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا ۲ے تو مردوں کو نہیں سنا سکتا

مردوں سے کلام کرتے ہیں یا رسول اللہ تو فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قابو میں میری جان ہے کہ تم ان سے زیادہ تر نہیں سنتے ہو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی معارض صحیح بخاری میں دوسری حدیث ثابت ہے کہ عایشہ صدیقہ نے اس روایت کو قرآن مجید کی دو آیتوں سے رد کیا اول آیت یہ ہے کہ (ما انت بمسمع من فی القبور) یعنی تو سنا نہیں سکتا ان کو جو قبروں میں ہیں اور ثانی آیت یہ ہے (انک لا تسمع الموتی) یعنی مقرر تو سنا نہیں سکتا مردوں کو اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بطریق ضرب المثل تھا زندوں کی نصیحت کے واسطے چنانچہ حضرت علی مرتضی سے منقول ہے کہ قبرستان میں جاکر فرمایا کہ تمہاری عورتوں کے نکاح ہو گئے اور تمہارے مال تقسیم ہو گئے اور تمہارے مکانوں میں اور لوگ ساکن ہو گئے یہ خبر تمہاری ہے ہمارے پاس سو ہماری خبر تمہارے پاس کیا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ تکلم اور سماع موتے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے تھا بنا بر اعجاز کے تاکہ کافروں کو حسرت زیادہ ہو اور وہ جو صحیح مسلم میں حدیث مرفوع ہے کہ میت جوتیوں کی آواز سنتا ہے جب لوگ اس کو دفن کرکے پھرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء دفن کا یہ سماع اور فہم مقدمہ ہے جواب ہی سوال منکر اور نکیر کا اس خصوصیت کی یہ وجہ ہے تا اور حدیث اور آیتوں کے مضمون میں اتفاق ہو جائے تعارض نہ باقی رہے اس واسطے کہ دونوں آیتیں عدم سماع موتے کے مفید ہیں انتہی کلام الفتح نہر الفائق میں کہا کہ جواب ثالث نہایت خوب جواب ہے یعنی حضرت کا تکلم اور اسماع بطریق معجزہ تھا تو اس سے عموم سماعت موتی ثابت نہیں ہو سکتی چنانچہ بنا بر اعجاز کے حضرت سے شجر اور حجر نے بھی کلام کیا ہے حالانکہ شجر اور حجر محل کلام نہیں اور صحیح مسلم کی روایت کے جواب کی تقویت دوسری حدیث صحیح سے ہو سکتی ہے کہ جب منکر اور نکیر مومن سے جواب معقول سنتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں کہ تم کنومۃ العروس یعنی آرام سے سو جیسے دولہ سوتا ہے ظاہرا یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مومن اس عالم سے غافل ہو جاتا ہے جیسے سوتا آدمی غافل ہوتا ہے اور کلام نہیں سنتا۔ بالجملہ ہم لوگ اہل تقلید ہیں پایہ اجتہاد کا نہیں رکھتے پھر جن فقہا کے ہم مقلد ہیں جب ان کے نصوص سے ثابت ہوا کہ میت کو فہم اور سماع نہیں تو اس میں زیادہ گفتگو اور تفتیش کرنا بے موقع ہے۔ واللہ اعلم انتہی مافی غایۃ الاوطار صفحہ ۳۸۵ جلد ۲۔

الحاصل میت کے سماع اور شعور کے متعلق زید کا قول کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے لہذا اس کا قول غلط و باطل ہے اور آیات مذکورہ بالا سے اور بعض احادیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مردے سنتے نہیں ہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالی اپنی قدرت سے بعض اوقات مردوں کو سنا دے جیسا کہ وہ اپنی قدرت سے شجر و حجر وغیرہ کو سنا سکتا ہے واللہ تعالے اعلم کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

**سوال۔** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نہایت بدکار اور بے نماز ہے کبھی نماز پڑھتا ہے یا بالکل نہیں پڑھتا ایسے شخص کے گھر کا کھانا اور اس شخص کے جنازہ کی نماز پڑھنی اور تجہیز و تکفین کرنی چاہیے یا نہیں۔

**الجواب۔** بدکار و بے نماز کے گھر کا کھانا متقی و پرہیزگار لوگوں کو نہ چاہیئے اور اس کے جنازہ کی نماز بھی جو عالم و مقتدا ہو وہ نہ پڑھے بلکہ کسی معمولی شخص سے پڑھوا دے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ السید محمد ابوالحسن۔

| سید محمد ابوالحسن | سید محمد نذیر حسین | سید محمد عبد السلام |
| --- | --- | --- |

**ھوالموفق۔** فاسق اور بدکار کے یہاں کھانا کھانے اور ان کی دعوت قبول کرنے کی ممانعت عمران بن حصین کی اس حدیث سے ثابت ہے نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اجابۃ طعام الفاسقین اخرجہ الطبرانی فی الاوسط یعنی منع کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فاسقین کے کھانے کی دعوت قبول کرنے سے روایت کیا اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں باب ہل یرجع اذا رأی منکرا فی الدعوۃ کے تحت میں ذکر کیا ہے اور یہ حدیث حافظ ابن حجر کے اس قاعدہ سے جس کو انہوں نے اوائل مقدمہ فتح الباری میں بیان کیا ہے حسن و قابل احتجاج ہے واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

**سوال۔** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیا مردے کلام زندوں کا سنتے ہیں یا نہیں اگر سنتے ہیں تو کیا دلیل ہے اور اگر نہیں سنتے تو کیا دلیل ہے اس کو قرآن و حدیث سے بیان فرمادیں اور عند اللہ اجر جزیل پاویں۔

**الجواب** - ہوالموفق للصواب جواب صورت مذکورہ کا یہ ہے کہ مردہ کلام نہیں سنتا اور نہ اس میں یہ طاقت سننے کی ہے جیسا کہ اس پر قرآن شریف شاہد عدل ہے اوکالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام فانظر الی طعامک وشرابک لم یتسنہ لہ قال اعلم ان اللہ علی کل شئ قدیر اس آیت شریف میں واردات عزیر علیہ السلام کی بیان فرمائی ہے وہ سو برس مرے رہے سو برس کے اندر دھوپ سردی پڑی بادل گرجے بجلیاں چمکیں آدمی چلتے پھرتے تھے مگر ان کو کسی بات کی خبر نہ ہوئی اگر مردہ میں طاقت کلام زندوں کے سننے کی ہوتی تو بادل کا گرجنا ضرور سنتے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل مردوں کے عدم سماع پر ہوگی۔ ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لایستجیب لہ الی یوم القیمۃ وھم عن دعائھم غافلون ۔ اس آیت میں زندوں کے کلام سے مردوں کو غافل فرمایا اگرچہ قیامت تک کیوں نہ پکاریں اس سے صاف انکار مردوں کے سننے کا ہے کہ ان میں یہ طاقت سننے کی نہیں تفسیر جامع التفاسیر میں لکھا ہے کہ شان نزول اس کا عام ہے بتوں کے بارے میں اس کا شان نزول لگانا دھوکا دفریب لوگوں کا ہے بلکہ عام ہے جس میں بزرگ وغیرہ بھی داخل ہیں ان تدعوھم لایسمعوا دعائکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیمۃ یکفرون بشرککم ولاینبئک مثل خبیر اس آیت شریف میں ارشاد فرمایا کہ جس کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری پکار کو نہیں سنتے اگر بالفرض سن بھی لیں

---

لہ یا اس آدمی کی طرح جو ایک بستی پر گذرا وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی کہنے لگا اسے اللہ موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا سو اللہ نے اس کو سو سال تک مار دیا پھر اس کو اٹھایا اور فرمایا تو کتنی دیر ٹھہرا۔ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ اللہ تعالے نے فرمایا تو پورا سو سال ٹھہرا ہے اپنے کھانے پینے کی طرف دیکھ وہ ابھی تک خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو دیکھ ہم تجھ کو لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں گے اب ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم نے ان کو کس طرح اٹھا کر گوشت چڑھاتے ہیں جب اس کو معلوم ہوگیا تو کہنے لگا اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے اور خبر والے کی طرح تجھے اور کوئی خبر نہ دے سکے گا۔

تو جواب نہیں دے سکتے اس میں صاف انکار ہے اموات کے سننے کا۔ و ما یستوی الاحیاء ولا الاموات ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور۔ اس آیت شریف میں بھی مردوں کے سننے کا انکار کیا ہے اور تفسیر جامع التفاسیر میں اس کی شان نزول میں بتایا ہے کہ جنگ بدر کے مقتولوں کو جو حضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے پکارا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ سنتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا کیونکہ مردہ زندہ برابر نہیں ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مذہب امام اعظم اور اکثر مشائخ ہمارے کا عدم سماع ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ غرائب اور عینی شرح ہدایہ اور تفسیر نیشاپوری اور کافی اور فتح القدیر حاشیہ ہدایہ اور مستخلص شرح کنز اور عینی شرح کنز اور کفایہ شرح ہدایہ میں اس مسئلہ کو خوب ثابت کیا ہے اور مخالفین پر خوب رد کیا ہے۔ انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین۔ اس آیت شریف میں بھی انکار مردوں کے سننے کا پایا جاتا ہے ان آیات مذکورہ کے سوا اور بھی آیات ہیں جن سے مردوں کا عدم سماع ثابت ہوتا ہے اور بحیز حدیث قرع نعال سے مردوں کا ایک خاص وقت میں سننا ثابت ہوتا ہے جس وقت کہ مردہ قبر میں نکیرین کے سوال کے جواب دینے کے لئے زندہ کر دیا جاتا ہے اور اس وقت مردہ مردہ نہیں رہتا اور حدیث قلیب بدر اسی واقعہ بدر کے ساتھ خاص ہے کیونکہ حدیث بخاری ونسائی میں بلفظ الان آچکا ہے پس یہ حدیث عموم سماع موتے پر دلالت نہیں کرتی۔ الغرض کوئی حدیث صحیح قابل اطمینان سماع موتے میں نہیں آئی ہے اور جو ہیں وہ ضعاف و منکرات ہیں اور آیات قرآنیہ کے خلاف اور رسائل اربعین میں مولانا اسحق صاحب محدث نے بھی سماع موتے سے انکار کیا ہے۔

حررہ فقیر حقیر عبد الحکیم مدرس مدرسہ حقانی چھاؤنی نصیر آباد ضلع اجمیر راجپوتانہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ ما قولکم رحمکم اللہ در مسئلہ سماع موتے در مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ

---

لے زندے اور مردے برابر نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنائے اور تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا۔ ۲ے تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ ہی بہروں کو سنا سکتا ہے جب کہ وہ پھیر کر چل دیں۔ ۳ے جناب کیا خیال ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مردے سنتے ہیں یا نہیں؟

اللہ علیہ بقید باب کتاب ہدایت فرمایند ونیز معنے سماع ارشاد فرمایند۔

الجواب۔ باید دانست کہ در کتب فقہ حنفی مانند کنز الدقایق وشرح وقایہ وہدایہ وعنایہ وکفایہ وبنایہ حواشی ہدایہ ومستخلص وعینی شرح کنز ودرمختار وغیرہ در کتاب ایمان یعنی کتابیکہ در حلف کردن در قول وفعل مشتمل است مذکور است کہ اگر کسے حلف کرد کہ از فلان کس کلام نخواہم کرد واین فلان کس بمرد وحالف بعد مردن او بر جنازہ یا بر قبر وے کلام از وکرد حانث نخواہد بود زیراکہ مقصود از کلام افہام یعنی فہمیدن است فہمیدن تعلق بہ شنیدن می دارد ومردہ لیاقت شنیدن ندارد زیراکہ درمردہ حیات نیست لان الموت زوال الحیات کذا فی الہدایۃ وغیرہا وقولہ۔ وکذلک الکلام بان حلف لایکلم فلانا لان المقصود من الکلام الافہام وذا بالاستماع وذا لایتحقق بعد الموت کذا فی الکفایۃ والعینی حاشیۃ الہدایۃ اما الکلام فلان المقصود منہ الافہام والموت ینافیہ ولایرد ما فی صحیح البخاری من قولہ صلعم لاہل قلیب بدر ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقال عمر اتکلم المیت یارسول اللہ فقال ع والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع من ہؤلاء اومنہم فقد اجاب عنہ المشایخ بانہ غیر ثابت یعنی من جہتہ المعنی وذلک لان عائشۃ

کتاب اور باب کے حوالے سے جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب۔ کتب فقہ حنفی مثلاً کنز الدقائق۔ شرح وقایہ۔ ہدایہ۔ عنایہ۔ کفایہ۔ بنایہ۔ مستخلص عینی شرح کنز۔ درمختار وغیرہ کے باب الایمان میں مذکور ہے کہ "اگر کوئی آدمی قسم کھائے کہ فلاں آدمی سے بات نہیں کروں گا پھر اس کے مرنے کے بعد یا اس کے جنازہ پر یا قبر پر جاکر بات کرے تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ کلام سے مقصود سمجھانا ہے اور سمجھ کا تعلق سننے سے ہے اور مردہ سننے کی قابلیت نہیں رکھتا کیونکہ مردہ میں زندگی نہیں ہے کیونکہ موت زندگی کے زوال کا نام ہے باقی رہا یہ سوال کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قلیب بدر والوں سے گفتگو فرمائی تھی تو اس کا جواب مشائخ نے مختلف طریقوں سے دیا ہے بعض نے کہا یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ بعض نے کہا کہ اس وقت تھا جب کہ سوال وجواب کے لئے قبر میں مردہ کی روح لوٹائی جاتی ہے اور اس کے بعد پھر کچھ نہیں رہتا اور بعض نے کہا یہ من حیث المعنی ثابت نہیں بلکہ مقصد زندوں کو تنبیہ کرنا تھا نہ کہ کافروں کو سنانا جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا اور قرآن مجید میں ہے کہ مردوں کو نہیں سنا سکتا

رد تہ بقولہ تعالٰی وما انت بمسمع من فی القبور انک لا تسمع الموتی وانہ انما قال علی وجہ الموعظۃ للاحیاء وبانہ مخصوص باولئک تضعیفا للحسرۃ علیہم وبانہ خصوصیۃ لہ علیہ السلام معجزۃ لکنہ یشکل ما فی مسلم ان المیت یسمع قرع نعالہم اذا انصرفوا الا ان یخص ذلک باول الوضع فی القبر مقدمۃ للسوال جمعا بینہ وبین الآیتین فانہ شبہ فیہما الکفار بالموتی لعدم الافاضۃ بعد سماعہم وھو فرع عدم سماع الموتی ھذا حاصل ما ذکرہ فی الفتح فی الجنائز ومعنی الجواب الاول انہ وان صح سندہ لکنہ معلول من جھۃ المعنی لعلۃ تقتضی عدم ثبوتہ عنہ علیہ السلام وھی مخالفۃ للقرآن تمام شد عبارت ردالمحتار در آخر باب کتاب الایمان وہم چنین مفتی الثقلین صاحب منار وکنز در کافی شرح وافی کہ در اعتبار واعتماد مثل ہدایہ است بہ بسط وتفصیل نوشتہ است ہر کرا شک وشبہ باشد در کافی نظر کند وببیند فان قلت ما وجہ ذکر حدیث ابن عمر وحدیث عائشہؓ وھما متعارضان فی ترجمۃ عذاب القبر قلت لما ثبت من سماع اھل القلیب کلامہ وتوبیخہ صلعم لہم دل ادراکہم کلامہ بحاسۃ السمع علی جواز ادراکہم الم العذاب بہ بقیۃ الحواس فحسن ذکرھما فی ھذہ الترجمۃ ثم التوفیق بین الخبرین ان حدیث ابن عمر محمول علی ان مخاطبۃ اھل القلیب کانت

---

البتہ اس حدیث کے جواب میں اشکال واقع ہوتا ہے کہ مردہ واپس آنے والے لوگوں کی جوتیوں کی آواز بھی سنتا ہے تو اس کو بھی اول وقت کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے کہ جب منکر ونکیر قبر میں سوال کرنے کے لئے آتے ہیں اس وقت روح لوٹائی جاتی ہے اس وقت سن بھی لیتا ہے اس طرح حدیث اور قرآن کا مطلب آپس میں متعارض نہیں ہوتا کیونکہ قرآن میں کفار کو سننے کے بعد عدم افاضہ میں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور وہ عدم سماع موتی کی شاخ ہے یہ خلاصہ ہے کتب مندرجہ بالا کا۔

اور صاحب منار وکنز نے کافی شرح وافی میں اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام بخاری نے باب عذاب القبر میں حضرت عائشہؓ وابن عمر کی متعارض حدیثیں بیان کی ہیں اگر مردہ میں سماع نہیں ہے تو ابن عمر کی حدیث بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اس کا جواب یہ ہے کہ منکر نکیر کے سوال کے وقت سننے کی قوت بحال کر دی جاتی ہے اس وقت سن لیتا ہے بعد میں نہیں سنتا جب کہ کافر اور مومن میں بعد ازاں راحت یا عذاب محسوس کرنے کی قوت باقی رکھی جاتی ہے۔ علامہ عینی حنفی

وقت المسئلة وفيها اعادة الروح الى الجسد وقد ثبت من الاحاديث الاخرى ان الكافر المسئول يعذب وان حديث عائشة محمول على غير وقت المسئلة فبهذا اتفق الخبران كذا قال العيني الحنفي فى شرح البخارى من باب عذاب القبر واما قوله تعالى وما انت بمسمع من فى القبور فتمثيل حال الكفرة بحال الموتى ولا نزاع فى ان الميت لا يسمع انتهى ما قال التفتازانى فى شرح المقاصد من كتب العقليد در روايات فقہ حنفی در باب عدم سماعت موتی بسیار اند بنا بر اختصار بر دو سہ روایت اکتفا کردہ شد و فرقہ صالحیہ از معتزلہ قیام علم و قدرت و ارادہ و سمع و بصر بمیت تجویز می کنند و ثابت می نمایند الصالحية اصحاب الصالحى مذهبهم انهم جوزوا قيام العلم والقدرة والارادة والسمع والبصر بالميت ويلزمهم جواز ان يكون الناس مع اتصافهم بهذه الصفات امواتا وان لا يكون البارى تعالى حيا انتهى ما فى شرح المواقف فقط - والله اعلم بالصواب -　سید محمد نذیر حسین

**سوال** - چہ می فرمایند علمائے دین اندرین مسئلہ کہ سماعت موتے کلام احیاء را ثابت است یا نہ بینوا توجروا

**الجواب** - درصورت مرقومہ باید دانست کہ ارواح مفارقہ را ادراکے تعلق نوع حیات بقدر ما یتالم و یتلذذ بہ حاصل است قال الامام الاعظم رحمه الله فى الفقه الاكبر واعادة الروح الى العبد فى قبره حق وقال على القارى فى شرحه

---

نے شرح بخاری باب عذاب القبر میں لکھا ہے کہ قرآن مجید کی آیت کہ "تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا" کے بعد اس مسئلہ میں کوئی جھگڑا ہی باقی نہیں رہ جاتا کہ مردے نہیں سنتے فقہ حنفی کی کتابیں اس مضمون سے بھری پڑی ہیں صرف دو چار اقتباس بطور نمونہ درج کئے ہیں۔

اور معتزلہ فرقہ کی شاخ صالحیہ کا عقیدہ ہے کہ مردہ میں علم سماعت قدرت اور ارادہ کی قوتیں بحال رہتی ہیں اور ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر مردہ ان صفات کی موجودگی میں بھی مردہ ہے تو پھر خدا تعالے بھی زندہ نہیں ہیں کیونکہ یہ صفات تو ان کے نزدیک مردہ کی ہوئیں۔ واللہ اعلم۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مردے زندوں کی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب۔ روح کو جسم سے الگ ہونے کے بعد قبر میں ایک ... زندگی نصیب ہوتی ہے جس سے وہ لذت حاصل کرسکتا ہے یا عذاب محسوس کرتا ہے امام اعظم نے اس کو فقہ اکبر میں ...

بعد اتمام المقول اعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان الله تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیات فی القبر قدر ما یتألم ویتلذذ الخ انتهی ۔ اما سماع موتے پس ائمہ حنفیہ متفق اند بر نفی آں چنانچہ درکتاب ایمان باتفاق تصریح کردہ اند کہ میت را سماع نیست و آنکہ شیخ عبدالحق در شرح مشکوۃ نوشتہ کہ اکثر فقہا منکر اند و بعضے فقہاء و اکثر مشائخ قائل اند ۔ ادعائے محض است بشہادت یک روایت کہ مفید مدعایش باشد و موجب اذعان سامع گردد و تصدیق اختلافے کہ ہست در سماع موتے قلیل است ام المومنین حضرت عائشہ رض و من تبعہا ازاں منکر اند و حدیث حضرت عمر رض ما انت باسمع منہم را بر سہو و نسیان حمل کردند و بعضے دیگر آں را قبول نمودہ بہ محل اعجاز و خرق عادت فرود آوردہ اند و بجواب از استدلال ام المومنین بر داشتہ از چنانچہ از مواہب لدنیہ مفہوم می شود و در نفی سماع مطلق از موتے ہیچ شکے نیست و در اینجا بندے از آں ایراد کردہ می شود و احادیثے کہ در شرح صدور در اثبات سماع موتے وارد اند قابل تمسک نمی تواں شمرد کہ اکثر احادیث رسائل جلال الدین سیوطے از طبقہ رابعہ می باشند و احادیث طبقہ رابعہ قابل آں نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے تمسک باں کردہ شود چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی در عجالہ نافعہ می فرمایند کہ ما بہ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ در رسائل و نوادر خود ہمیں کتابہا ہست پس ما دامیکہ تصحیح ۔

نے اس کی شرح میں فرمایا ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مردے کو قبر میں دکھ اور لذت کا احساس ہوتا ہے باقی رہا سننے کا معاملہ تو اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ مردے نہیں سنتے چنانچہ کتاب الایمان میں اس کی تصریح ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو یہ لکھا ہے کہ " اکثر فقہا سننے کا انکار کرتے ہیں اور کچھ فقہا اور اکثر مشائخ اس کے قائل ہیں " یہ دعوی محض بلا دلیل ہے اور شیخ صاحب نے اپنے اس دعوے پر ایک بھی دلیل بیان نہیں فرمائی جو ان کے دعوی کی تصدیق کرتی اور یہ تو تحقیق سے ثابت ہے کہ علمائے حنفیہ میں سے ایک بھی سماع موتے کا قائل نہیں ہے ہاں دوسرے لوگوں میں بقدر قلیل کچھ لوگ سماع موتی کیطرف گئے ہیں اور حضرت عائشہ رض نے ان لوگوں کے جواب دے دیئے تھے اور حضرت عمر رض کی حدیث میں جو یہ لفظ آئے ہیں کہ ما انت باسمع منہم (تو ان سے زیادہ نہیں سنتا) تو بعض نے ان الفاظ کو حضرت عمر کے نسیان پر محمول کیا ہے اور بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ پر چنانچہ اس کے جواب میں حضرت عائشہ رض کے استدلال کو پیش کیا ہے چنانچہ مواہب لدنیہ میں اس کی تصریح ہے اور جن احادیث سے

احادیث متحقق نمی شود استدلال بآنہا از داب محققین نیست حالانقل روایات فقیہہ کہ در عدم سماع موتے در کتب متداولہ واقع اند پرداختہ می آید در درمختار مرقوم است فلو قال ان ضربتك او كسوتك او كلمتك او دخلت عليك او قبلتك تقيد كل منها بالحيات حتى لو علق بها طلاقا او عتقا لم يحنث بفعلها بميت انتهى ما في الدر المختار وعلامہ سید محمد امین معروف بابن عابدین در رد المختار حاشیہ در المختار نوشتہ اند قوله تقيد كل منها بالحيات الخ - اما الضرب فلانه اسم لفعل مولم يتصل بالبدن او استعمال آلة التاديب في محل يقبل والايلام والادب لا يتحقق في الميت ولا يرد تعذيب الميت في قبره لانه توضع فيه الحيوة عند العامة بقدر ما يحس بالالم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة بل تجعل الحيوة في تلك الاجزاء المتفرقة التي لا يدركها البصر واما الكسوة فلان التمليك معتبر في مفهومها كما في الكفارة ولهذا لو قال كسوتك هذا الثوب كان هبة والميت ليس اهلا للتمليك وقال الفقيه ابو الليث لو كان بالفارسية ينبغي ان يحنث لانه يراد به اللبس دون التمليك ولا يرد قولهم انه لو نصب شبكة فتعلق بها صيد بعد موته ملكه لانه مستند الى وقت الحيوة والنصب والمراد انه على حكم ملكه فتملكه الورثة حقيقة لا هو وايضا هذا ملك لا تمليك

---

مردے کا سننا ثابت ہوتا ہے وہ جلال الدین سیوطی کے رسائل سے نقل کی گئی ہیں اور سیوطی کا مانند طبقہ رابعہ کی کتابیں ہیں جو عقیدہ کے اثبات کے لئے غیر معتبر ہیں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے عجالہ نافعہ میں لکھا ہے کہ سیوطی کی روایات جب تک ثابت نہ ہو جائیں وہ قابل استدلال نہیں ہیں۔

اب فقہ حنفی اور تفسیر کی کتابوں کا دوبارہ سماع موتی اقتباس ملاحظہ فرمادیں۔ درمختار ردالمختار۔ فتح القدیر۔ جامع صغیر۔ ہدایہ۔ شرح مواقف۔ شرح مقاصد۔ فصول فی علم الاصول۔ نظم الدلائل۔ اصول شاشی۔ تفسیر درمنثور۔ تفسیر نیشاپوری۔ تفسیر جامع البیان۔ تفسیر جلالین۔ تفسیر معالم التنزیل۔ تفسیر موضح القرآن۔ عینی شرح کنز میں لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی قسم اٹھائے کہ میں تجھ سے بات کروں یا تجھ کو کپڑا پہناؤں یا تجھ کو ماروں یا میں تیرے پاس آؤں یا میں تیرا بوسہ لوں تو میری عورت کو طلاق ہو یا میرا غلام آزاد ہو جائے تو یہ تمام چیزیں زندگی کے ساتھ مقید ہوں گی اگر مرنے کے بعد اس سے کلام کرے یا اس کو کفن پہنائے یا مرنے کے بعد اس کو مارے یا اس کی میت کے پاس جائے

هذا ما ظهر لی واما الکلام فلان المقصود منه الافهام والموت ینافیه ولا یرد ما فی الصحیح من قوله صلعم لاهل قلیب بدر هل وجدتم ما وعد کم ربکم حقا فقال عمر اتکلم المیت یا رسول الله فقال علیه السلام والذی نفسی بیده ما انتم باسمع من هولاء او منهم فقد اجاب عنه المشائخ بانه غیر ثابت یعنی من جهة المعنی وذلك لان العایشة ردته بقوله تعالی وما انت بمسمع من فی القبور انك لاتسمع الموتی وانه انما قاله علی وجه الموعظة للاحیاء وبانه مخصوص باولئك تضعیفا للحسرة علیهم وبانه خصوصیة له علیه السلام معجزة لکن یشکل علیهم ما فی مسلم ان المیت لیسمع قرع نعالهم اذا انصرفوا الا ان یخصوا ذلك باول الوضع فی القبر مقدمة للسوال جمعا بینه وبین الآیتین فانه شبه فیهما الکفار بالموتی لافادة عدم سماعهم وهو فرع سماع الموتی هذا حاصل ما ذکره فی الفتح ههنا وفی الجنائز ومعنی الجواب الاول انه وان صح سنده لکنه معلول من جهة المعنی بعلة یقتضی عدم ثبوته عنه علیه السلام وهی مخالفة للقرآن فافهم انتهی۔ ودر جامع صغیر نوشته وکذلك الکلام لان معناه الافهام والموت ینافیه الا تری الی قوله وما انت بمسمع من فی القبور ودر ہدایہ نوشتہ من قال ان ضربتك فعبدی حر فمات نقض به فهو علی الحیات لان الضرب اسم لفعل مولم یتصل بالبدن والایلام لا یتحقق فی المیت ومن یعذب فی القبر یوضع فیه الحیوة فی قول العامة وکذا الکلام والدخول لان المقصود من الکلام الافهام والموت ینافیه ودر عنایہ فی قوله وکذلك الکلام بان حلف لا یکلم فلانا ولا یدخل دار فلان لان

تو اس صورت میں نہ اس کی قسم ٹوٹے گی نہ عورت کو طلاق ہوگی نہ اس کا غلام آزاد ہوگا کیونکہ مارنا ادب سکھانے کے لئے ہوتی ہے یا سزا دینے کے لئے اور یہ دونوں چیزیں مردے میں نہیں ہیں اگر کہا جائے کہ میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں رکھے جانے کے بعد ایک طرح کی زندگی اس میں پیدا کی جاتی ہے جس سے وہ برزخ کے عذاب کو محسوس کرتا ہے اور یہ جو فقہا لکھتے ہیں کہ اگر ایک آدمی مچھلی کے شکار کے لئے کنڈی لگائے اور اس کے مرنے کے بعد مچھلی کنڈی میں اٹک جائے تو اس مچھلی کا وہ مالک ہوگا اگر مردہ کسی چیز کا مالک نہیں تو پھر اس کا مالک کیسے بنے گا اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے وارث اس کے مالک ہوں گے اور میت کی ملک سمجھ کر ورثاء میں تقسیم ہو جائے گی۔ اور

المقصود من الکلام الافہام وذا بالاسماع وذا لا یتحقق بعد الموت الخ انتہی ۔ در شرح مواقف نوشتہ کہ تجویز قیام علم وقدرت وارادہ وسمع وبصیرت مذہب فرقہ صالحیہ از معتزلہ است عبارتش این است الصالحیۃ اصحاب الصالحی وھذا من مذھبھم انھم جوزوا قیام العلم والقدرۃ والارادۃ والسمع والبصر بالمیت ویلزمھم جواز ان یکون الناس مع اتصافھم بھذہ الصفات امواتا وان لایکون تعالی حیا انتہی ودر شرح مقصد علامہ تفتازانی مرقوم است۔ اما قولہ وما انت بمسمع من فی القبور فتمثیل حال الکفرۃ بحال الموتی ولا نزاع فی ان الموتی لا تسمع انتہی ودر غرائب فی تحقیق المذاہب نوشتہ رأی الامام الاعظم ابی حنیفۃ من یاتی قبور اھل الصلاح فیسلم ویخاطب ویتکلم ویقول یا اھل القبور ھل لکم من خبر وھل عندکم من اثرانی اتیتکم ونادیتکم من شھور ولیس سوالی منکم الا الدعاء فھل دریتم ام غفلتم فسمع ابوحنیفۃ یقول بخطابہ لھم فقال ھل اجابوا لک قال لا فقال سحقا لک وتربت یداک کیف تکلم اجسادا لا یستطیعون جوابا ولا یملکون شیئا ولا یسمعون صوتا وقرأ وما انت بمسمع من فی القبور انتہی ۔ ودر فصول فی علم الاصول می نویسد لو حلف لا یکلم فلانا وکلمہ بعد الموت او ضربہ بعد الموت لا یحنث لعدم معنی الافہام والایلام انتہی ۔ ودر نظم الدلائل می نویسد ان الذین فی القبور لا یسمعون ما یکون مرتی انتہی ودر شامی نویسد من حلف لا یکلم فلانا فکلمہ بعد الموت لا یحنث

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو بدر کے کافروں سے خطاب کیا تھا تو وہ من حیث المعنی ثابت نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ نے قرآن پاک کی آیت وما انت بمسمع من فی القبور اور انک لا تسمع الموتی سے اس کی تردید کردی تھی۔ پھر بعض نے اس کو معجزہ پر محمول کیا بعض نے زندوں کی عبرت کے لئے اس کو کہا اور وہ جو حدیث میں ہے کہ مردہ جوتیوں کی آواز سنتا ہے وہ قبر میں منکر ونکیر کے سوال وجواب کے وقت ہوتا ہے آگے پیچھے نہیں ہوتا۔

اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ مردے نہیں سنتے البتہ معتزلہ فرقہ کی شاخ صالحیہ مردے کے لئے علم، قدرت، سماعت، بصارت ثابت کرتے ہیں ان کے مذہب کے مطابق خداوند تعالی ان صفات کے ہوتے ہوئے بھی زندہ نہیں ہیں بلکہ مردہ ہیں۔ غرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے کہ ایک

لعدم الاسماع انتہی و در تفسیر در منثور می نویسد اخرج ابو سھل السدی بن سھل بن الجنید النیشاپوری فی الخامس من حدیثہ من طریق عبدالقدوس عن ابی صالح عن ابن عباس فی قولہ تعالی انک لا تسمع الموتی وما انت بمسمع من فی القبور قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقف علی القتلی یوم بدر و یقول اھل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا یا فلان یا فلان الم تکفر بربک الم تکذب بنبیک الم تقطع رحمک فقالوا یا رسول اللہ ایسمعون ما نقول فقال ما انتم باسمع منھم بما اقول فانزل اللہ وانک لا تسمع الموتی وما انت بمسمع من فی القبور انتہی و در تفسیر بیضاوی نوشتہ انما یستجیب الذین ای یستجیب الذین یسمعون بفھم وتامل کقولہ تعالی او القی السمع وھو شھید وھولاء کالموتی الذین لا یسمعون و در تفسیر جامع البیان تحت آیت کریمہ والموتی یبعثھم اللہ می نویسد ای الکفار الذین کالموتی لا یسمعون انتہی و در جلالین تحت والموتی می نویسد ای الکفار شبھھم بھم فی عدم السماع انتہی و در نیشاپوری وکشاف تحت آیۃ کریمہ انما یستجیب الذین یسمعون می نویسد یعنی ان الذین تحرص علی ان یصدقوک بمنزلۃ الموتی الذین لا یسمعون وانما یستجیب من سمع انتہی ۔ و در معالم التنزیل تحت ہمیں آیت می نویسد انھم لفرط اعراضھم عما یدعون اللہ کالمیت الذی لا سبیل الی سماعہ والصم الذی لا یسمع انتہی ۔ در موضح القرآن تحت فائدہ والموتے یبعثھم اللہ مرقوم است کہ یہ کافر مثل مردے کے ہیں سنتے نہیں قیامت میں دیکھ کر یقین کریں گے انتہی و فی فتح القدیر فی کتاب

آدمی قبرستان میں نیک لوگوں کی قبروں کے پاس جاکر کہہ رہا تھا کہ کیا تم کچھ سنتے ہو یا نہیں؟ تم میں کوئی بھلائی ہے یا نہیں؟ میں کئی مہینوں سے تمہارے پاس آرہا ہوں میری التجا صرف یہ ہے کہ تم میرے حق میں دعائے خیر کردو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سن رہے تھے آپ نے فرمایا کیا انہوں نے تجھ کو کوئی جواب دیا ہے؟ کہنے لگا نہیں آپ نے فرمایا تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں تجھ پر افسوس تو مردوں سے کلام کرتا ہے جو تجھے کوئی جواب نہیں دے سکتے جو آواز نہیں سن سکتے پھر آپ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی وما انت بمسمع من فی القبور ۔ (تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا) تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ جب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں کفار کے مقتولوں سے سوال کیا تو اس وقت اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی

الجنائز هذا اعتنا اکثر مشائخنا وهو ان المیت لا یسمع عندهم علی ما صرحوا به فی کتاب الایمان فی باب الیمین بالضرب لو حلف لا یکلمه فلانا فکلمه میتا لا یحنث لانها تنعقد علی ما حیث یفهم والمیت لیس کذلک لعدم استماع انتهی وایضا فیه فی ذلک الباب قوله وکذلک الکلام یعنی اذا حلف لا یکلمه اقتصر علی الحیوة فلو کلمه بعد موته لا یحنث فان المقصود منه الافهام والموت ینافیه لانه لا یسمع فلا یفهم انتهی وفی العینی شرح الکنز عبارته هکذا الیمین فی الضرب و القتل وغیر ذلک ولو قال رجل ان ضربتک فعبدی حر وان کسوتک فعلی کذا وان کلمتک فامرأتی طالق وان دخلت علیک فامتی حرة تقید یمینه بحیوة المخاطب ولو فعل بهذه الاشیاء بعد موت المخاطب لم یحنث لان هذه الاشیاء لا یتحقق فی المیت لان الضرب ایقاع الالم بعد الموت لا یتصور ومن یعذب فی القبر توضع فیه الحیوة علی الصحیح وان اختلفوا فی کیفیتها الی ان قال و الکلام للافهام فلا یتحقق فی المیت فان قلت قال صلی الله علیه وسلم بقتلی بدر من المشرکین هل وجدتم ما وعد ربکم حقا قلت رد ته عائشة وقالت قال الله تعالی انک لا تسمع الموتی وما انت بمسمع من فی القبور ولئن ثبت فهو مختص بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ویجوز ان یکون ذلک لوعظ الاحیاء لا علی سبیل الخطاب للموتی انتہی۔ بالجملہ از کتاب وسنت ثابت است کہ موتے را سماع حاصل نیست واللہ تعالے اعلم حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | سید شریف حسین

**سوال۔** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سارق۔ قرضدار۔ ڈاکو رہزن وغیرہ کا جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں۔

**الجواب۔** عالمگیری میں ہے ؎ یصلی علی کل مسلم مات بعد الولادۃ صغیرا

کہ مُردوں کو نہیں سنا سکتا" اور یہ تو ظاہر بات ہے کہ خداوند تعالیٰ نے کفار کو عدم سماع کی وجہ سے مردوں سے تشبیہ دی ہے اگر مردے سن سکتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ یہ تشبیہ بیان نہ کرتے قصہ مختصر یہ کہ قرآن وحدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مردے نہیں سنتے واللہ اعلم۔

؎ ہر مسلمان پر نماز جنازہ پڑھی جائے جو زندہ پیدا ہونے کے بعد مرا ہو چھوٹا ہو یا بڑا۔ مرد ہو یا عورت آزاد

کان او کبیرا ذکرا کان او انثیٰ حرا کان او عبدا الا البغاۃ وقطاع الطریق ومن بمثل حالھم۔ اس سے ثابت ہوا کہ ڈاکو وراہزن وسارق وغیرہ پر نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیئے باقی رہا مقروض سو اس کے واسطے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود نماز نہیں پڑھی بلکہ صحابہؓ کو حکم دیا کہ پڑھ لو۔ بلوغ المرام میں ہے[1] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یؤتی بالرجل المتوفی علیہ الدین فیسائل ھل ترک لدینہ من قضاء فان حدث انہ ترک وفاء صلے اللہ علیہ والا قال صلوا علی صاحبکم متفق علیہ۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق۔ بغاۃ اور قطاع الطریق وامثالھم پر جنازہ کی نماز پڑھنے میں امت کا اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھنی چاہیے اور بعض کہتے ہیں کہ پڑھنی چاہیے مگر ظاہر یہ ہے کہ ہر مسلمان کلمہ گو پر جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیئے ہاں بغاۃ وقطاع الطریق وغیرہم فساق وفجار پر جنازہ کی نماز اہل علم ومقتدی لوگ نہ پڑھیں بلکہ اور لوگ پڑھ دیں اس بات کے ثبوت میں احادیث وعبارات مندرجہ ذیل پڑھو مشکوۃ شریف میں ہے[2] عن زید بن خالد ان رجلا من اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم توفی یوم خیبر فذکروا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال صلوا علی صاحبکم فتغیرت وجوہ الناس لذلک فقال ان صاحبکم غل فی سبیل اللہ ففتشنا متاعہ فوجدنا خرزا من خرز یھود لا یساوی درھمین رواہ مالک وابو داؤد والنسائی اور صحیح مسلم میں ہے[3] عن جابر بن سمرۃ قال اُتی النبی صلی اللہ علیہ و

---

ہو یا غلام ما سوائے باغیوں اور ڈاکوؤں اور ان جیسے لوگوں کے [1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بعض ایسے جنازے لائے جاتے جن پر قرض ہوتا آپ پوچھتے کیا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ مال چھوڑا ہے یا نہیں؛ اگر مال اتنا ہوتا جس سے قرض ادا ہو جائے تو اس پر نماز پڑھتے ورنہ فرماتے جاؤ اپنے [میّ]ت کا جنازہ پڑھو

[2] صحابہ میں سے ایک آدمی خیبر کے دن شہید ہو گیا نبی صلعم سے اس کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا جا کر اس کا جنازہ پڑھو لوگ اس سے بڑے غمگین ہوئے آپ نے فرمایا اس نے خیانت کی ہے ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں یہودیوں کی کچھ کوڑیاں نکلیں جو دو درہم کی قیمت کی بھی نہیں تھیں۔

[3] نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا اس نے خودکشی کی تھی تو آپ نے اس کا جنازہ نہ پڑھا

سلم برجل قتل نفسہ بمشاقص فلم یصل علیہ وفی روایۃ النسائی اما انا فلا اصلی علیہ اور بلوغ المرام میں ہے وعن ابن عمر رضی اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوا علی من قال لا الہ الا اللہ وصلوا خلف من قال لا الہ الا اللہ رواہ الدارقطنی باسناد ضعیف اس حدیث کے تحت میں علامہ محمد بن اسمعیل سبل السلام صفحہ ۱۵۳ جلد ۲ میں لکھتے ہیں وھو دلیل علی انہ یصلی علی من قال کلمۃ الشھادۃ و ان لم یأت بالواجبات وذھب الی ھذا زید بن علی واحمد بن عیسی و ذھب الیہ ابو حنیفہ الا انہ استثنی قاطع الطریق والباغی وللشافعی اقوال فی قاطع الطریق اذا صلب والاصل ان من قال کلمۃ الشھادۃ فلہ ما للمسلمین ومنہ صلوۃ الجنازۃ علیہ ویدل لہ حدیث الذی قتل نفسہ بمشاقص فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اما انا فلا اصلی علیہ ولم ینھھم عن الصلوۃ علیہ ولان عموم شرعیۃ صلوۃ الجنازۃ لا یخص منہ احد من اھل کلمۃ الشھادۃ الا بدلیل انتھی اور نیل الاوطار صفحہ ۲۶۱ جلد ۳ میں ہے قولہ فقال صلوا علی صاحبکم فیہ جواز الصلوۃ علی العصاۃ واما ترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ علیہ فلعلہ للزجر عن الغلول کما امتنع من الصلوۃ علی المدیون وامرھم بالصلوۃ علیہ قولہ فلم یصل علیہ فیہ دلیل لمن قال انہ لا یصلی علی الفاسق وھم العترۃ وعمر ابن عبد العزیز والاوزاعی فقالوا لا یصلی علی الفاسق تصریحا وتاویلا و وافقھم ابو حنیفہ واصحابہ فی الباغی والمحارب ووافقھم الشافعی فی قول

---

اور فرمایا میں اس کا جنازہ نہ پڑھوں گا [۱] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے لا الہ پڑھا اس کا جنازہ بھی پڑھو اور اس کے پیچھے نماز بھی پڑھ لو [۲] یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کہے اس کا جنازہ پڑھا جائے اگرچہ واجبات کا تارک ہو۔ زید بن علی ۔ احمد بن عیسٰی کا یہی مذہب ہے ۔ امام ابو حنیفہ ڈاکو اور باغی کے جنازہ کے قائل نہیں ہیں ڈاکو کے متعلق امام شافعی کے اقوال مختلف ہیں ۔ اصل یہ ہے کہ جو بھی لا الہ الا اللہ کہے اس کو مسلمانوں کے تمام حقوق مل جاتے ہیں اور اس میں سے جنازہ کی نماز بھی ہے اور جس نے خودکشی کی تھی اس کا جنازہ آپ نے تو نہ پڑھا لیکن صحابہ کو منع نہ فرمایا ۔ اور پھر کلمہ پڑھنے والے کا جنازہ پڑھنا ہی ہے جب تک کسی دلیل سے اس کا ناجائز ہونا ثابت نہ ہو جائے [۳] اس سے گنہگاروں پر نماز جنازہ پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور آنحضرت کا خیانت کرنے والے اور مقروض کا جنازہ نہ

له فی قاطع الطریق وذهب مالک والشافعی وابوحنیفة وجمهور العلماء الی انه یصلی علی الفاسق واجابوا عن حدیث جابر بان النبی صلی الله علیه وسلم انما لم یصل علیه بنفسه زجرا للناس وصلت علیه الصحابة ویؤید ذلک ما عند النسائی بلفظ اما انا فلا اصلی علیه وایضا مجرد الترک لو فرض انه لم یصل علیه هو ولا غیره لا یدل علی الحرمة المدعاة ویدل علی الصلوة علی الفاسق حدیث صلوا علی من قال لا اله الا الله انتهی وقال صاحب المنتقی قال الامام احمد ما یعلم ان النبی صلی الله علیه وسلم ترک الصلوة علی احد الا علی الغال وقاتل نفسه انتهی والله تعالی اعلم

کتبه محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا الله عنه۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر میت کو حائضہ غسل دے تو جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب۔ حائضہ کو غسل دینا جائز ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو پر سر رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے تھے اور حضرت عائشہ حائضہ ہوتی تھیں و نیز آپ حضرت عائشہؓ سے جب کہ وہ حالت حیض میں ہوتیں مصلے وغیرہ طلب کرتے تھے تو یہ بدرجہ اولے جائز ہوگا واللہ تعالے اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق۔ اگر میت کو حائضہ غسل دے تو بلا شبہ جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تو اپنے سر مبارک کو مسجد سے نکالتے اور حضرت عائشہؓ اپنے حجرہ میں بیٹھی ہوئی حالت حیض میں آپ کے سر مبارک کو دھوتیں۔ صحیح

پڑھنا توجیہاً و تنبیہاً ہے کیونکہ اگر ان کا جنازہ پڑھنا جائز نہ ہوتا تو آپ صحابہ کو بھی منع کر دیتے اہل بیت اور عمر بن عبدالعزیز اور امام اوزاعی فاسق کا جنازہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں امام شافعیؒ ڈاکو کے جنازہ کے منکر ہیں اور امام مالک و ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی اور جمہور علماء فاسق کے جنازہ کے قائل ہیں۔ ہاں امام ابوحنیفہؒ ڈاکو و رباغی کے جنازہ کے منکر ہیں اگر بالفرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بھی مقروض اور خائن کا جنازہ نہ پڑھتے تو بھی اس سے فاسق کے جنازہ کی حرمت ثابت نہ ہوتی کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو آدمی لا الہ الا اللہ کہے اس کا جنازہ پڑھو امام احمد کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ انھوں نے خائن اور خودکشی کرنے والے کو سوا کسی اور کا جنازہ پڑھا ہو۔

بخاری میں ہے دکان یخرج الی راسہ وھو معتکف فاغسلہ وانا حائض۔ پس جب حائضہ کو زندہ کا بعض عضو دھونا جائز ہے تو میت کو غسل دینا بھی بلا شبہ جائز ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ دہلی میں کفن پر تین بند باندھنے اور قبر میں دو بند کھولنے اور کمر کے بند نہ کھولنے کی رسم ہے اور مٹی دیتے وقت آیت منہا خلقناکم الخ پڑھتے ہیں اور کفن کو کھول کر قبلہ رخ میت کا منہ موڑ دینے کا رواج ہے پس سوال یہ ہے کہ شرع شریف میں بند باندھنے کی صورت اور وقت اور موقع کیا لکھا ہے اور کس چیز سے باندھنے کا حکم ہے اور جب کہ بند باندھنا ضروری نہیں تو تمام ملک میں اس کا رواج لازمی طور سے کیوں ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ کسی آیت یا حدیث میں کفن پر بند باندھنے کا کچھ ذکر نہیں آیا ہے نہ اس کی صورت کا کچھ ذکر آیا ہے اور نہ اس کے وقت اور موقع کا کچھ تذکرہ آیا ہے اور نہ اس کا بیان آیا ہے کہ کس چیز سے باندھنا اور کے بند باندھنا چاہیئے ہاں فقہائے لکھتے ہیں کہ اگر کفن کے منتشر ہونے اور میت کے کھل جانے کا خوف ہو تو کفن کو دھجی سے باندھ دیں اور قبر میں رکھنے کے بعد کفن کے منتشر ہونے کا خوف نہیں رہتا اس وجہ سے قبر میں بند کھول دینے کو لکھا ہے ہدایہ میں ہے وان خافوا ان ینتشر الکفن عنہ عقدوہ بخرقۃ صیانۃ عن الکشف واذا وضع فی لحدہ یحل العقدۃ لوقوع الامن من الانتشار انتہی ملخصاً اور آیہ منہا خلقناکم الخ کا مٹی دیتے وقت پڑھنا معلوم نہیں ہوتا اور میت کو لحد میں قبلہ رخ متوجہ کر دینا حدیث سے ثابت ہے۔ حافظ ابن حجر تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں۔ واما التوجۃ الی القبلۃ ففیہ حدیث ابی ھریرۃ وقتادۃ ان البراء بن معرور رمات فی اوصی ان یوجہ الی القبلۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصاب صححہ الحاکم۔ حررہ عبدالرحیم عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

---

لہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں اپنا سر مسجد سے حجرہ کے اندر کر دیتے اور میں سر دھو دیتی حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔

**ہوالموفق** - کفن پر بند باندھنے اور اس کو قبر میں کھول دینے کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع نظر سے نہیں گزری ہاں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا ایک اثر اس بارے میں دیکھنے میں آیا ہے شرح معانی الآثار صفحہ ۲۹۲ جلد اپیں عثمان بن جحاش سے روایت ہے کہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا انتقال کر گیا تو انہوں نے اس کو غسل دیا اور کفنایا پھر اپنے غلام سے کہا کہ اسے دفن کے لئے لے جاؤ اور جب اس کو قبر میں رکھنا تو بسم اللہ وعلی سنۃ رسول اللہ کہنا پھر اس کے سر کی گرہ اور اس کے پیر کی گرہ کھول دینا[1] لفظہ هكذا انغسل بين يديه وكفن بين يديه ثم قال لمولاه انطلق به الى حفرته فاذا وضعته فى لحده فقل بسم الله وعلى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم اطلق عقد راسه وعقد رجليه - اور علمائے حنفیہ وشافعیہ نے لکھا ہے کہ مٹی دیتے وقت آیت منها خلقناكم الخ پڑھنا مستحب ہے علامہ شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۲۲۴ جلد ۳ میں لکھتے ہیں قوله من قبل راسه[2] فيه دليل على ان المشروع ان يحثى على الميت من جهة راسه ويستحب ان يقول عند ذلك منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى ذكره اصحاب الشافعى انتهى اور اسی طرح سبل السلام میں بھی لکھا ہے اور اس بارے میں ایک ضعیف حدیث آئی ہے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے وروى احمد باسناد ضعيف انه يقول مع الاولى منها خلقناكم ومع الثانية وفيها نعيدكم ومع الثالثة ومنها نخرجكم تارة اخرى - یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پہلی بار مٹی ڈالنے کے وقت منها خلقناكم پڑھتے اور دوسری بار میں وفيها نعيدكم پڑھتے اور تیسری بار میں ومنها نخرجكم تارة اخرى - پڑھتے اور ایک حدیث ضعیف میں میت کو قبر میں رکھنے کے وقت بھی اس آیت کا پڑھنا آیا ہے نیل الاوطار صفحہ ۲۱۳ جلد میں ہے وعن ابى امامة عند الحاكم والبيهقى بلفظ لما وضعت ام كلثوم بنت

---

[1] اس کو غسل اور کفن دیا پھر اپنے غلام کو کہا اس کو قبر میں لے جا کر دفن کر دو جب اسے لحد میں رکھو تو کہو اللہ کے نام اور رسول اللہ کی سنت پر پھر اس کا پاؤں اور سر کا بند کھول دینا

[2] اس میں دلیل یہ ہے کہ میت پر مٹی سر کی جانب سے ڈالنا مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ اس وقت یہ آیت پڑھے" اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری مرتبہ نکالیں گے اس کو امام شافعی کے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فی القبر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخری وفی سبیل اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ الحدیث وسندہ ضعیف انتہی واللہ تعالے اعلم کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال۔ درینولا بسبب ناواقفیت دریں مسئلہ بسیار احتمال افتادہ است کہ برائے دفن کردن یک قبر میکنندند چون نوبت بہ تیار شدن قبر افتاد نشان قبر کہنہ پدید آمد یعنی استخوان دست و پا وتمام بدن موجود بودند باز آن قبر را بند کردہ دیگر جا قبر کندیدند آنجا نیز ہمان طور بظہور آمد آن را نیز دفن کردند بار سوم قبرے کندیدند آنجا ہم نشان مردہ بظہور رسید باز چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ نعش میت را در آنجا دفن کنند یا نکند جواب مسئلہ ہذا از روئے کتب معتبرہ احادیث ترقیم فرمایند ومعہ امثلہ وحدیث نگارش نمایند فقط۔

الجواب۔ درصورت مرقومہ ہرگاہ در ہر جا قبر کندیدند دست و پا مردہ برآمد وہمہ جائے مقبرہ خالی از اعضاء مردہ نمی یابند پس در وقت لاچاری اگر در یک قبر کہ در آن اعضاء میت نمودار می شود میت نو را دفن کنند مضایقہ ندارد زیرا کہ بروقت ضرورت دفن کردن دو میت وسہ میت در یک قبر جائز است چنانکہ در شہداء احد ہمیں طور بوقوع آمد کہ آنحضرت صلعم دو سہ میت در یک قبر

اصحاب نے ذکر کیا ہے۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اس علاقہ میں ایک قبر کھودی گئی اتفاق سے وہاں کسی مردہ کی ہڈیاں نکل آئیں اس کو دفن کر کے پھر دوسری جگہ قبر کھودی گئی وہاں بھی یہی معاملہ ہوا پھر تیسری جگہ قبر کھودی گئی پھر وہی کیفیت ہوئی بتایا جائے کہ اس صورت میں کسی پرانی قبر میں میت کو دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔ مسئلہ ہذا کتب معتبرہ سے تحریر فرمادیں اور امثلہ بھی بیان فرمادیں۔

الجواب۔ جب ہر جگہ سے قبر برآمد ہوئی اور قبرستان میں کوئی خالی جگہ نہیں ملتی تو اس صورت میں پرانی قبر میں دفن کرنا جائز ہے احد کے شہیدوں کو ایک قبر میں دو دو تین تین کر کے دفن کیا گیا تھا فتاوی عالمگیری میں ہے "ضرورت کے سوا دو یا تین آدمیوں کو ایک ہی قبر میں دفن نہ کیا جائے" اور اگر کسی اور خالی جگہ میں دوبارہ میت کو دفن کر دیا جائے تو بہتر ہے ورنہ مجبوری کی حالت میں کسی پرانی قبر میں دفن کر دینا

دفن کردند چنانچہ در کتب احادیث مذکور است واز فتاوے عالمگیریہ مستفاد می شود لایدفن اثنان او ثلثۃ فی قبر واحد الاعند الحاجۃ انتہی مافی الفتاوی العالمگیریہ واگر جائے دیگر کہ خالی از میت باشد قبر کندیدہ دفن کنند بہتر واولی است وبروقت نیافتن جائے خالی از اعضاء میت پس در قبر کہنہ کہ اعضاء ظاہر نمی شود میت نو را دران درحالت لاچاری دفن کردن مضائقہ ندارد۔ الضرورات تبیح المحظورات واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ چہ فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندرین مسئلہ کہ تا وقتیکہ نان بوجہ خوب مہیا نشود ہرگز مردہ را تجہیز وتکفین ودفن نکنند وبریں طور اگر مردہ را سہ روز یا کم یا زیادہ دفن نکنند گندہ ومنتفخ باشد یا نہ حکم صلوٰۃ جنازہ چگونہ است بینوا توجروا۔

الجواب۔ در تجہیز وتکفین ودفن میت عجلت وشتابی پر ضرور است بدلیل حدیث ابوداؤد عن حصین بن وحوح ان طلحۃ بن البراء مرض فاتا النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعودہ فقال انی لااری الاقد حدث بہ الموت فاذنونی بہ وعجلوا فانہ لاینبغی لجیفۃ مسلم ان تحبس بین ظہرانی اہلہ رواہ ابوداؤد کذا فی المشکوۃ ودر بدر التمام ومسک الختام شرح بلوغ المرام نقل می کند از فتح الباری

---

جائز ہے۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بعض لوگ جب تک اچھی طرح کھانا تیار نہ ہو جائے مردہ کو دفن نہیں کرتے اگر اسی طرح دو تین روز تک مردہ کو دفن نہ کیا جائے اور وہ پھول جائے یا وہ بھی پھوٹے تو ایسے آدمی کا جنازہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟؟

الجواب میت کو دفن کرنے میں بڑی جلدی کرنی چاہیے حدیث میں ہے کہ طلحہ بن براء بیمار تھے نبی صلے اللہ علیہ وسلم بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے آپ نے فرمایا میرے خیال میں ان پر اب موت آیا ہی چاہتی ہے جب موت ہو جائے تو مجھ کو اطلاع دینا اور جلدی کرنا یہ درست نہیں کہ مسلمان کی لاش گھر والوں کے سامنے پڑی رہے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جب تم میں سے کوئی آدمی فوت ہو جائے اس کو روک نہ رکھنا چاہیئے اس کی قبر کی جلد از جلد تیاری کرنی چاہیے" ان دونوں

حدیث عبداللہ بن عمر راکہ شنیدم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم راکہ می فرمود چون بمیرد یکے از شما پس حبس نکنید اورا و شتابی کنید بوے بسوئے قبر وے اخرجہ الطبرانی باسناد حسن انتہی پس حدیث ابوداؤد و طبرانی مخبر است بتعجیل و شتابی تجہیز و تکفین و دفن میت واین چہ معنی کہ تا وقتیکہ نان بوجہ خوب مہیا نشود ہرگز تکفین و تجہیز و دفن نہ کردہ شود مردہ این طریقہ خلاف حدیث ماثور و مخالف تعامل قرون ثلثہ و عمل مجتہدین و محدثین است و داخل در وعید این حدیث من عمل عملا لیس علیہ امرنا فہو رد رواہ البخاری پس حبس میت برائے مہیا و موجود شدن نان از بدعت ضلالت و گمراہی است واین امر قبیح از اختراع امامان جہلہ مساجد است کہ ازین بہانہ مال مردم می خورند۔ نعوذ باللہ من ہذہ الجرأۃ الشنیعۃ

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

**مسئلہ۔** واضح ہو کہ ڈھیلے مٹی پر سورہ اخلاص وغیرہ پڑھ کر قبر میں رکھنا قول و فعل آنحضرت صلعم و صحابہ کرام سے ثابت نہیں و نیز قول و فعل تابعین و تبع تابعین و طبقات ہفتگانہ فقہاء حنفیہ وغیرہ سے بھی کتب معتبرہ و معتمدہ میں ثابت نہیں غرض اس کی کچھ سند نہیں ہے اور جو کسی نے بلا سند کسی کتاب غیر معتبر میں لکھا ہو اس کا ہرگز اعتبار نہیں کیونکہ کتب اصول فقہ اور حدیث میں مقرر ہو چکا ہے کہ حدیث بلا سند حجت نہیں اور اسی طرح سے جواب نامہ کی کچھ اصل نہیں پائی جاتی شرح شریف میں و قد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب علی الکفن یٰس والکہف ونحوھما خوفا من صدید المیت کذا فی رد المختار حاشیہ الدر المختار

حدیثوں سے ثابت ہوا کہ میت کو جلد از جلد دفن کرنا چاہیے اور روکنا نہ چاہیئے اور کھانا پکانے کے لئے میت کو روک رکھنا ایک عجیب سی بات ہے اور یہ طریقہ خلاف حدیث ہے قرون ثلاثہ میں اس کا نام ونشان نہیں ملتا۔ مجتہدین اس کے برخلاف ہیں اور مطابق حدیث من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فہو رد یہ کام مردود ہے اور یہ جاہل اماموں کی اختراع ہے جو حرام طریقہ سے لوگوں کے مال کھاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔

لہ ایماندار دل کے لئے نبی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے [2] جائز نہیں ہے کہ کفن پر سورہ یٰس یا کہف یا اور کوئی سورت لکھی جائے کیونکہ میت کی پیپ سے اس کے آلودہ ہونے کا خوف ہے

اور اسی طرح جمع ہو کر تیسرے دن قرآن مجید پڑھنا جیسا کہ معمول ہو رہا ہے یا چنوں پر کلمہ پڑھنا یہ بھی قرون ثلثہ اور ائمہ اربعہ اور محدثین اور دیگر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول نہیں۔ اور اسی طرح سیوم اور دسواں بیسواں چہلم وچھ ماہی برسی وغیرہ رسمیں بھی کہیں سے ثابت نہیں بلکہ یہ رسمیں ہنود اور کفار کی ہیں اجتناب اور حذر ان امور مذکورہ سے واجب ہے اور ان رسموں میں صریح تشبہ ساتھ کفار کے پایا جاتا ہے اور فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مَن تشبہ بقوم فہو منہم[1] کذا فی المشکوۃ وبلوغ المرام۔ ان امور کو فتاوے جامع الروایات اور شرح مہذب نووی اور فتاوے قرطبی اور نصاب الاحتساب اور رسالہ علامہ حسام الدین عبدالوہاب متقی وغیرہ میں بدعت شنیعہ اور کراہت شدیدہ لکھا ہے اور اسی طرح سے مستملی و صغیری شرح منیۃ المصلی و فتاوے بزازی وغیرہ میں بھی صراحۃً بدعت اور کراہت ان امور مذکورہ کو لکھا ہے اور طعام پر فاتحہ وغیرہ پڑھنا بھی تشبہ ساتھ ہنود کے ہے کیونکہ مسلمان جاہل فاتحہ کہتے ہیں اور ہنود کے برہمن اشلوک کہتے ہیں یہ واہیات رسمیں کفار سے مسلمان جاہلوں نے اخذ کی ہیں یہ امور مذکورہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین و مجتہدین اور محدثین متقدمین اور متاخرین سے ہرگز ثابت نہیں اور نہ ان امور مذکورہ کا تعامل اور رواج قرون ثلثہ وغیرہ میں پایا گیا

و فی تلخیص السنن قال مؤلفہ[2] ان ھذا الاجتماع فی الیوم الثالث خصوصاً لیس فیہ فرضیۃ ولا فیہ وجوب ولا فیہ سنۃ ولا فیہ استحباب ولا فیہ منفعۃ ولا فیہ مصلحۃ فی الدین بل فیہ طعن و مذمۃ و ملامۃ علی السلف حیث لم ینبہوا لہ بل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث ترک حقوق المیت بل علی اللہ

---

[1] جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے [2] یہ تیسرے دن کا اجتماع جو خصوصاً منعقد ہوتا ہے یہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب نہ اس میں کوئی فائدہ ہے نہ کوئی دینی مصلحت ہے بلکہ اس میں ایک طرح کا سلف صالحین پر الزام ہے کہ ان کو یہ مفید باتیں معلوم نہ ہو سکیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کہ انہوں نے میت کے حقوق چھوڑ دیئے بلکہ یہ الزام تو اللہ تعالیٰ پر بھی آئے گا کہ اس نے شریعت کو مکمل نہ کیا اور ویسے ہی کہہ دیا "کہ میں نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم کو پوری طرح

---

[1] اخرجہ ابوداؤد وصححہ ابن حبان۔

سبحانہ وتعالیٰ حیث لم یکمل شریعتہ وقد قال اللہ تعالیٰ فی تکمیل الشریعۃ المحمدیۃ صلعم الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا الایۃ کذا فی الرسالۃ للعلامۃ حسام الدین الشہیر بالمتقی وذکر البزازی انہ یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقبرۃ واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او القراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص قال والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن لاجل الاکل یکرہ وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا انتہی عالی الصغیری والکبیری والعینی شرح الہدایۃ ورد المختار وغیرہ من کتب الفقہ وقال النووی فی شرح المنہاج اتخاذ الطعام فی الیوم الثالث والسادس والعاشر والعشرین وغیرہا بدعۃ مستقبحۃ ھکذا فی جامع الروایات وغیرھا من کتب الفقۃ اور ایصال ثواب مالی یا بدنی بلا تقرر وتعیین وقت اور دن میں جب چاہے پہنچاوے درست اور طریقہ مسلوکہ فی الدین ہے اور امور مذکورہ بالا محدث فی الدین ہیں جیساکہ علمائے ربانی محققین پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

| سید محمد نذیر حسین |
|---|

سوال:۔ (۱) اذان قبر پر بعد دفن میت کے درست ہے یا نہیں۔ (۲) جواب نامہ کفن پر لکھنا اور قل کے ڈھیلے قبر میں رکھنا اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اذان قبر پر دینا مکروہ اور بدعت قبیحہ ہے کیونکہ آنحضرت صلعم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین اور مجتہدین رحمہم اللہ سے ثابت نہیں فرمایا رسول خدا نے جو دین میں نئی بات نکالے وہ مردود ہے۔

---

سے دین اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ علامہ حسام الدین المعروف متقی کے رسالہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور بزازیہ میں ہے کہ پہلے اور تیسرے اور ساتویں روز کھانا تیار کرنا اور اس کو قبر پر لے جانا اور قرآن پڑھنے کے لئے دعوت پکانا اور نیک لوگوں اور قاریوں کو ختم قرآن یا سورہ انعام یا اخلاص پڑھنے کے لئے بلانا مکروہ ہے۔ حاصل یہ کہ قرآن پڑھنے کے وقت قاریوں کے لئے کھانا تیار کرنا مکروہ ہے اور اگر فقیروں کے لئے کھانا پکایا جائے تو اچھا ہے۔ امام نووی نے شرح منہاج میں کہا تیسرے۔ چھٹے۔ دسویں اور بیسویں دن کھانا تیار کرنا ایک بدترین قسم کی بدعت ہے۔

من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد کما رواه البخاری وغیرہ کذا فی المشکوٰۃ اور فقہاء لکھتے ہیں کہ قبر کے نزدیک جو امر معہود سنت سے نہ ہو وہ مکروہ ہے یکرہ عند القبر مالم یعهد من السنۃ والمعهود منها لیس الا زیارۃ والدعاء عنده قائما کذا فی فتح القدیر والبحر والنهر والعالمگیریۃ ۔ اور اصرار کرنا مکروہ پہ گناہ ہے چنانچہ ملا علی قاری وطیبی وغیرہ نے لکھا ہے ۔ واللہ اعلم ۔

(۲) جواب سوال دوم کا یہ ہے کہ کفن پر لکھنا جواب نامہ کا اور قفل کے ڈھیلے قبر میں رکھنا درست نہیں بلکہ یہ دونوں کام بدعت ہیں ۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ سید شریف حسین عفی عنہ ۔ [سید محمد نذیر حسین]

## سوال[1] ۔ ــــــــــــــ ؟

الجواب ۔ اور اسی طرح جو کچھ کفن پر لکھنے کی روایت نقل کی ہے محض بے اصل اور اس کا کچھ پتا اور نشان کتب ائمہ اربعہ بروایت صحیحہ اور محدثین محققین کی کتابوں میں نہیں پایا جاتا اور ظاہر ہے کہ کفن پر آیات و دعا لکھنا سراسر بے ادبی ہے کہ پیپ اور خون میں ملوث ہوں گے اس لئے ابن عابدین شامی نے حاشیہ درمختار میں کفن پر آیت وحدیث کے لکھنے سے منع کیا ہے[2] وقد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب علی الکفن سورۃ یٰسین او الکهف ونحوهما خوفا من صدید المیت فلا یجوز تعریضه للنجاسۃ والقول بانه یطلب فعله مردود لان مثل ذلک لا یحتج الا اذا صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم طلب ذلک ولیس کذلک الا وقد منا

---

[1] قبر کے پاس ہر وہ چیز مکروہ ہے جو سنت کے خلاف ہے [2] ابن صلاح نے فتوی دیا ہے کہ کفن پر سورہ یٰسین یا سورہ کہف لکھنا منع ہے کیونکہ میت کی پیپ سے کفن ناپاک ہو جائے گا اور قرآن مجید کی توہین ہوگی اور یہ کہتے ہیں "کر لینا چاہیئے" یہ بات مردود ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ روپے سکے سکوں یا محرابوں دیواروں پر خدا تعالےٰ کے نام یا قرآن پاک لکھنا منع ہے کیونکہ اس سے ان کا احترام نہیں رہے گا ۔ اور یہاں زیادہ منع ہونا چاہیئے ؂

---

[1] سوال کی عبارت نہیں ملی اس وجہ سے صرف جواب لکھا گیا ہے ۔ جواب سے سوال تخمیناً معلوم ہو سکتا ہے ۔

قیل باب المیاہ عن الفتح انہ انکر کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالی علی الدراھم والمحاریب والجدران وما فرش وما ذالک الا لاحترامہ وخشیۃ وطئہ ونحوہ مما فیہ اھانۃ فالمنع ھنا بالاولی مالم یثبت عن المجتہد او ینقل فیہ حدیث ثابت فتامل کذا فی رد المختار حاشیۃ در المختار للعلامۃ ابن عابدین الشامی۔ و در فوائد الفواد حضرت نظام الدین اولیاء نیز مذکور است کہ لختے سخن در دعا اموات افتاد بندہ عرضداشت کرد کہ ایں برتربت ہا قرآن و دعامے نویسند چگونہ است فرمودند کہ نمی باید نوشت و برجامہ کفن نیز انتہی کلامہ پس فوائد الفواد حضرت نظام الدین اولیا سے بھی صاف معلوم ہوا کہ کفن پر آیت قرآنیہ و دعا کا لکھنا منع ہے اور جو مستفتی نے اس باب میں حدیث نقل کی ہے وہ محض بے اصل و دروغ بے فروغ ہے و آنچہ در باب تقبیل قبر مبارک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم از مسند امام احمد نقل کردہ صریح دروغ و محض افتراپردازی وحیلہ سازیست و ہرگز در مسند امام احمد فعل ابوایوب انصاری منقول نیست ناقلان کاذبین افترا کردہ برامام احمد دروغ بستند و نوشتند چہ از ائمہ اربعین و محدثین و متقدمین و متاخرین محققین در کتب فقہ و حدیث معتبرہ و متداولہ ازیں فعل اثرے و نشانے نیست بلکہ منع و نہی ازاں ثابت است چنانکہ در کتب مذاہب اربعہ و محدثین محققین مذکور است در شرح عین العلم ملا علی قاری و دیگر کتب فقہیہ مذکور است لایمس ای القبر ولا الجدار ولا التابوت فو حالتہی عن مثل ذلک بقبرہ علیہ السلام فکیف بقبور سائر الانام ولا یقبل فانہ زیادۃ علی المس فھو اولی بالنہی۔ انتہی کلامہ وھکذا فی تبیین المحارم وغیرہ من کتب الفقہ۔

---

[1] وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو بوسے دینے کے متعلق مسند احمد کے حوالہ سے حدیث نقل کرتے ہیں بالکل بکواس ہے صاف جھوٹ ہے اس میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے ناقلین نے امام احمد پر یہ بہتان لگایا ہے کیونکہ ائمہ اربعہ اور فقہا و محدثین متقدمین و متاخرین کی کتابوں میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں ہے بلکہ کتب فقہ میں اس کی ممانعت مذکور ہے۔ ملا علی قاری شرح عین العلم میں لکھتے ہیں "قبر یا اس کی دیوار یا تابوت کو ہاتھ نہ لگایا جائے یہ نہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے متعلق ہے پھر دوسرے لوگوں کی قبروں پہ ایسا کرنا کیسے جائز ہوگا۔

و آنچہ از کفایہ شعبی نقل کردہ از ہمہ واہیات و خرافات است و از جملہ مکذوبات و مفتریات از چنیں مفتریان و دروغ گویان خدا امان بخشد و پناہ دہد زیراکہ در کتب متداولہ بسند صحیح و ہم ضعیف لہٰ ائمہ اربعہ و محدثین متقدمین و متاخرین محققین اصلا ثابت نہ شدہ و در قرون ثلثہ مشہور نہ گردیدہ این واہیات در تذکرہ نور الدین محدث و دیگر موضوعات نظر باید کرد کہ حال ایں دروغ برستہ ہویدا گردد۔ واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

| سید محمد نذیر حسین |
|---|

نعم التحقیق وھذا التوفیق والحق ان ہذا الشئی عجاب فاعتبروا یا اولی الالباب۔

| محمد عبد الرب | حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ | محمد اسد علی اسلام آبادی |
|---|---|---|

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو طعام بوقت ہو جانے موت کسی آدمی کے بنام نہاد حاضری سوم و چہلم وغیرہ حسب رواج ہر قوم پکوا کر خواہ بطریق دعوت خواہ بطریق بھاجی گھر بگھر تقسیم ہوتا ہے اور قدرے غربا باقی تمام اہل برادری کو کھلایا جاتا ہے اور اس میں اکثر مالدار ہوتے ہیں اور یہ کھانا وارثان میت حسب رواج اپنی قوم کے اکراہًا و بلا اکراہ کرتے ہیں اور بعض اوقات بخوف طعنہ زنی قرض دام کر کے خواہ مال فروخت کر کے پکواتے ہیں بلکہ بعض اوقات یتیم کے مال کا بھی خیال نہیں کرتے ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز اور اس کا کھانا کیسا ہے اور از روئے شریعت اسلامی اور زمانہ سلف سے ثواب رسانی مونے کو کس طریق سے ثابت ہے اور کیونکر کرنا چاہیئے اور ایسا کرنے والا جو اوپر طریق مروج ہے مسرف کہلائے گا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ جو طعام حاضری کا یا سوم یا چہلم میت کا ہے اس میں رواج کسی قوم کا معتبر نہیں کیونکہ کوئی حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم یا روایت فقہی اس باب میں نہیں پائی جاتی بس یہ بالکل بے اصل ہے اور اس کا ضروری ادلہ

لہ اور وہ جو شعبی کے حوالہ سے کفایہ کی حدیث نقل کرتے ہیں سب بکواس ہے سفید جھوٹ ہے۔ بد ترین الزام ہے خدا ایسے کذابوں سے بچائے کیونکہ کسی معتبر کتاب میں ائمہ اربعہ اور محدثین متقدمین و متاخرین سے ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے اور قرون ثلاثہ میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا اگر ان واہیات حدیثوں کا حال معلوم کرنا ہو تو نور الدین کا تذکرہ اور موضاعات کی دوسری کتابیں ملاحظہ فرمائیں آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائیگا

لازم جاننا بدعت ہے اور دعوت بھی نادرست ہے کیونکہ دعوت شادی اور خوشی میں مشروع ہے نہ غمی میں اور رسم بھاجی کی غمی اور شادی دونوں میں بدعت ہے کیونکہ اس میں تباری ہے یعنی آپس میں فخر اور ریا ونمود کرنا ہے ایسے طعام سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے مشکوۃ شریف صفحہ ۲۲۰ میں ہے عن عکرمۃ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن طعام المتباریین ان یوکل رواہ ابو داؤد وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتباریان لا یجابان ولا یوکل طعامھما قال الامام احمد یعنی المتعارضین بالضیافۃ فخرا وریاء خلاصہ ان دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ جو لوگ فخر ومباہاۃ اور نام ونمود کے واسطے کھانا کھلاویں اور دعوت کریں تو ایسے لوگوں کا کھانا نہیں چاہیئے اور قرض کرنا ایسے کام کے لیئے کہ جو نہ سنت ہے نہ مستحب ہے نہ مباح ہے ہرگز درست نہیں قرض کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور یہ کام مباح بھی نہیں اور مرتکب ایسے افعال کا بلاشبہ مسرف ہے بلکہ مبتدع ہے اور مال یتیم کا ظلم سے کھانا حرام ہے قال اللہ تعالی ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا یعنی بے شک جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ظلم سے وہ کھاتے ہیں اپنے شکموں میں آگ کو اور عنقریب داخل ہونگے دوزخ میں اور ثواب رسانی میں موتے کے طریق سلف کا اور آج تک متبعین سنت کا یہ ہے کہ عبادت مالی کا ثواب مثلا کنواں بنا کر یا نقد یا لباس وغیرہ مساکین کو دے کر یا طعام فقراء کو دے کر بے مقرر کرنے کسی دن سوم چہلم کے یا عبادت بدنی کا مثل نفل نماز روزہ تلاوت قرآن مجید وذکر اللہ ودرود وسلام کے ایصال کر کے میت کو پہنچاوے واللہ اعلم بالصواب کتبہ الفقیر محمد حسین عفا اللہ عنہ

| یقال لہ ابراہیم | نذیر محمد حسین |
|---|---|

جس طور پر امور مرجہ درج سوال ہیں بے شک ناجائز ہیں مال یتیم کا کھانا حرام ہے رسومات کی پابندی بدعت ہے ہاں ایصال ثواب میت کو مال حلال سے یا کلمہ کلام سے جایز اور مستحسن ہے خواہ بطور تعیین یا لاعلی التعیین

مگر وہ تعیین داخل دین قرار دینا اور امر مستحب پر اصرار بطور لزوم کرنا بیشک بدعت وگمراہی ہے مطلق کو مقید اور مقید کو مطلق کرنا شرک فی النبوت ہے۔

کرامت اللہ

ہو الموفق۔ بوقت ہوجانے موت کے طعام پکواکر کھلانا یا گھر گھر تقسیم کرنا جس طور پر کہ سوال میں مذکور ہے بلاشبہ حرام و ناجائز ہے اور ایسے طعام کا کھانا ممنوع ہے اور ایسا کرنے والا بلاشک مسرف ہے منتقی الاخبار میں ہے۔ عن جریر بن عبد اللہ البجلی قال کنا نعد الاجتماع الی اہل المیت وصنعۃ الطعام بعد دفنہ من النیاحۃ رواہ احمد نیل الاوطار صفحہ ۴۰ جلد ۳ میں ہے حدیث جریر اخرجہ ایضا ابن ماجہ واسنادہ صحیح ونیز اس میں ہے یعنی انہم کانوا یعدون الاجتماع عند اہل المیت بعد دفنہ واکل الطعام عندھم نوعا من النیاحۃ لما فی ذلک من التثقیل علیہم وشغلتہم مع ما ھم فیہ من شغلۃ الخاطر بموت المیت وما فیہ من مخالفۃ السنۃ لانہم مامورون بان یصنعوا لاہل المیت طعاما فخالفوا ذلک وکلفوھم صنعۃ الطعام لغیرھم انتہی ایسے طعام کے کھانے کھلانے کی حرمت وممانعت کتب فقہ حنفی میں بھی مصرح ہے فتح القدیر وغیرہ میں ہے اتخاذ الطعام من اہل المیت بدعۃ مستقبحۃ لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور انتہی۔ اور دعا کا نفع موتے کو باتفاق علمائے سلف وخلف پہنچتا ہے اور عبادات مالیہ کا بھی ثواب موتی کو بالاتفاق پہنچتا ہے اور عبادات بدنیہ کے ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے بعض علما کے نزدیک پہنچتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال** ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کے جنازہ میں تابوت بنانا کہیں ثابت ہے یا نہیں ۔ بعض مولویوں نے ایک عورت کے جنازہ پر تابوت کو توڑ وادیا اور ناجائز بتایا اور وقت دفن کرنے کے قبر میں چادر سے پردہ کرنا ثابت ہے یا نہیں ۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** ۔ عن[1] ابن عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیمۃ متفق علیہ قولہ (من ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیمہ) فیہ الترغیب فی ستر عورات المسلم وظاھرہ عدم الفرق بین الحی والمیت فیدخل فی عمومہ ستر مایراہ الغاسل ونحوہ من المیت وکراھۃ انشائہ والتحدث بہ (نیل الاوطار کتاب الجنائز) واماکونہا امرأۃ فیحتمل ان یکون معتبرا فان القیام علیہا عند وسطہا لسترھا وذلک مطلوب فی حقہا بخلاف الرجل ویحتمل ان لایکون معتبرا وان ذلک کان قبل اتخاذ النعش للنساء فامابعد اتخاذہ فقد حصل الستر المطلوب (فتح الباری) عن نافع ابی غالب قال کنت فی سکۃ المربد فمرت جنازۃ معہا ناس کثیر قالوا جنازۃ عبد اللہ بن عمر فتبعتہا فاذا انا برجل علیہ کساء رقیق علی بریذینۃ علی راسہ خرقۃ تقیہ من الشمس فقلت من ھذا الدھقان قالوا ھذا انس بن مالک فلما وضعت الجنازۃ قام انس فصلی علیہا وانا خلفہ لایحول بینی وبینہ شئی فقام عند راسہ فکبر اربع تکبیرات لم یطل ولم یسرع ثم ذھب یقعد فقالوا یا ابا حمزۃ المرأۃ الانصاریۃ فقربوھا وعلیہا نعش اخضر فقام عند عجیزتہا فصلی علیہا نحو

---

[1] نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا قیامت کے دن اس کی اللہ پردہ پوشی کرے گا" اس میں ترغیب ہے کہ مسلمان کے نقائص کی پردہ پوشی کرنا چاہیے خواہ زندہ ہو یا مردہ ۔ اس عموم میں یہ بھی داخل ہے جو غسل دینے والا میت کی شرمگاہ وغیرہ کو دیکھتا ہے مکروہ ہے اس کا حال بیان کرنا عورت کے جنازہ میں امام کا وسط میں کھڑا ہونا بھی اسی لئے ہے کہ عورت کی پردہ پوشی ہو بخلاف مرد کے اور عورتوں کے لئے تابوت بن جانے سے پردہ کا انتظام تو ہو گیا اب درمیان میں کھڑا ہونا ضروری معلوم نہیں ہوتا ۔

صلوتہ علی الرجل ثم جلس فقال العلاء بن زیاد یا ابا حمزۃ ھکذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی علی الجنازۃ کصلوتک یکبر علیہا اربعا ویقوم عند راس الرجل وعجیزۃ المرأۃ قال نعم (سنن ابی داؤد)۔

واما الرجل فعند راسہ لئلا یکون ناظرا الی فرجہ بخلاف المرأۃ فانہا فی نقبۃ[1] کما ھو الغالب ووقوفہ عند وسطہا یسترھا عن اعین الناس وفی حدیث ابی داؤد والترمذی وابن ماجہ عن انس انہ صلی علی رجل فقام عند راسہ وعلی امرأۃ علیہا نعش اخضر فقام عند عجیزتہا فقال لہ العلاء بن زیاد یا ابا حمزۃ اھکذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی علی الجنازۃ قال نعم (قسطلانی) اور نیل الاوطار میں نسبت حدیث ابو داؤد کے لکھا ہے الحدیث الثانی حسنہ الترمذی وسکت عنہ ابو داؤد والمنذری والحافظ فی التلخیص ورجال اسنادہ ثقات اور مولوی وحید الزماں ترجمہ ابو داؤد میں تحریر کرتے ہیں ترجمہ نافع سے جن کی کنیت ابو غالب ہے روایت ہے میں سکۃ المرید (ایک موضع ہے) میں تھا اتنے میں ایک جنازہ نکلا اس کے ساتھ بہت لوگ تھے لوگوں نے کہا عبداللہ بن عمر کا جنازہ ہے یہ سن کر میں بھی اس کے پیچھے چلا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا باریک کمبل اوڑھے ہوئے ایک چھوٹی راس کے گھوڑے پر سوار ہے اور اپنے سر پر ایک کپڑے کا ٹکڑا دھوپ سے بچاؤ کے لئے ڈالے ہوئے ہے میں نے پوچھا یہ زمیندار کون ہے لوگوں نے کہا انس بن مالک ہیں (جنہوں نے دس برس تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی سنہ ۹۲ یا سنہ ۹۳ میں ان کا انتقال ہوا اور سو سے زیادہ ان کی عمر ہوئی) جب جنازہ رکھا گیا تو انس کھڑے

[1] مرد کے جنازہ میں سر کے مقابل امام کھڑا ہوتا کہ اس کی شرمگاہ پر اس کی نظر نہ پڑے بہ خلاف عورت کے کہ اس کی کمر کے مقابل کھڑا ہو کیونکہ وہ عموماً تابوت میں ہوتی ہے اور اس کے وسط میں کھڑا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی آنکھوں سے امام آڑ بن جاتے حضرت انس نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی اس کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے اور ایک جنازہ آیا اس کا سبز رنگ کا تابوت تھا آپ اس کے وسط میں کھڑے ہوئے علاء بن زیاد نے پوچھا اے ابو حمزہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جنازہ پر اسی طرح نماز پڑھایا کرتے تھے کہنے لگے۔ ہاں۔

ہوئے اور انہوں نے نماز پڑھائی میں ان کے پیچھے تھا میرے اور ان کے بیچ میں کچھ آڑ نہ تھی انہوں نے چار تکبیریں کہیں نہ بہت دیر میں نماز پڑھی نہ جلدی پھر جانے لگے بیٹھنے کو لوگوں نے کہا اے ابا حمزہ (کنیت ہے حضرت انس کی ایک عورت انصاریہ کا جنازہ ہے پھر اس کو نزدیک لائے اور وہ ایک سبز تابوت میں تھی تو انس کھڑے ہوئے اس کے کولے کے سامنے (یعنی سر کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے جیسے مرد کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے) پھر نماز پڑھی اس پر اسی طرح جیسے مرد پر نماز پڑھی تھی بعد اس کے بیٹھے تو علاء بن زیاد نے کہا اے ابا حمزہ کیا رسول صلے اللہ علیہ وسلم جنازہ پر اسی طرح نماز پڑھتے تھے جیسے تم نے پڑھی اور چار تکبیریں کہتے تھے اور مرد کے سر کے سامنے کھڑے ہوتے تھے اور عورت کے کولے کے سامنے انس نے کہا ہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے اور اسی مقاموں میں کھڑے ہوتے تھے اور اسد الغابہ میں تحت احوال زینب بنت جحش کے لکھا ہے [1] وصلی علیہا عمر بن الخطاب ودخل قبرھا اسامۃ بن زید ومحمد بن عبد اللہ بن جحش وعبید اللہ بن ابی احمد بن جحش قیل ھی اول امرأۃ صنع لہا النعش و دفنت بالبقیع انتھی اور تحت احوال فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لکھا ہے [2] لما حضرھا الموت قالت لاسماء بنت عمیس یا اسماء انی قد استقبحت ما یصنع بالنساء یطرح علی المرأۃ الثوب فیصفھا قالت اسماء یا ابنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اریک شیئا رأیتہ بارض الحبشۃ فدعت بجرائد رطبۃ فحنتھا ثم طرحت علیھا ثوبا فقالت فاطمۃ ما احسن ھذا واجملہ فاذا امت فاغسلینی انت وعلی ولا تدخلی علی احدا فلما توفیت جاءت

---

[1] ان پر عمر بن الخطاب نے نماز پڑھائی اور ان کی قبر میں اسامہ بن زید اور محمد بن عبد اللہ بن جحش اور عبد اللہ بن ابی احمد بن جحش اترے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلی عورت تھی جس کے لئے تابوت بنایا گیا اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا [2] جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو اسماء بنت عمیس سے کہا جو کچھ عورتوں کے متعلق کیا جاتا ہے میں تو اس کو برا سمجھتی ہوں کہ عورت پر ایک کپڑا سا ڈال دیتے ہیں اور پھر لوگ اس کی باتیں کرتے رہتے ہیں (میت بھاری تھی، ہلکی تھی۔ فلاں عورت بڑی موٹی تھی وغیرہ وغیرہ)

عایشۃ فمنعتہا اسماء فشکتہا عائشۃ الی ابی بکر وقالت ھذہ الخثعمیۃ تحول بیننا وبین بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوقف ابوبکر علی الباب وقال یا اسماء ماحملک علی ان منعت ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یدخلن علی بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد صنعت لہا ھودجا قالت ھی امرتنی ان لا یدخل احد وامرتنی ان اصنع لہا ذلک قال فاصنعی ما امرتک وغسلہا علی واسماء وھی اول من غطی نعشہا فی الاسلام ثم بعدھا زینب بنت جحش وصلی علیہا علی بن ابی طالب وقیل صلی علیہا العباس واوصت ان تدفن بیلا ففعل ذلک بہا ونزل فی قبرھا علی والعباس والفضل بن العباس قیل توفیت لثلاث خلون من رمضان سنۃ احدی عشرۃ واللہ اعلم انتہی) قال الامام النووی فی المنہاج فی کتاب الجنائز ویندب للمرأۃ مایسترھا کتابوت قال فی تحفۃ المحتاج لابن حجر المکی یعنی قبۃ مغطاۃ لانہا امام المومنین زینب رضی اللہ عنہا بہ وکانت قد رأتہ بالحبشۃ لما ھاجرت وروی البیہقی ان فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصت ان یتخذ لہا ذلک انتہی وقد روی عبد الرزاق عن ابن جریج عن الشعبی عن رجل ان سعد بن مالک قال امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فستر علی القبر حتی دفن سعد بن معاذ فیہ فکنت ممن امسک الثوب وروی یوسف القاضی باسنادلہ عن رجل عن علی انہ اتاھم ونحن ندفن قیسا وقد بسط الثوب علی قبرہ فجذبہ وقال انما یصنع

اسماء نے کہا اے رسول اللہ کی بیٹی میں تجھے ایک چیز دکھلاتی ہوں جو میں نے حبشہ کے علاقہ میں دیکھی تھی اس کھجور کی تازہ شاخیں منگائیں ان کو جھکایا اور اس پر کپڑا ڈال دیا حضرت فاطمہ نے فرمایا یہ چیز تو بہت اچھی ہے جب میں مرجاؤں تو مجھے تو اور علی دونوں مل کر غسل دے دینا اور کسی دوسرے کو قریب نہ آنے دینا جب فاطمہ فوت ہوگئیں تو حضرت عائشہ آئیں اسماء نے ان کو روک دیا حضرت عائشہؓ نے ابوبکر کے پاس شکایت کی کہ یہ خثعمی عورت ہمیں رسول اللہ کی بیٹی کے پاس انہیں جانے دیتی تو ابوبکر نے دروازہ پر کھڑے ہوکر فرمایا اے اسماء تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو فاطمہ کے پاس جانے سے کیوں روکتی ہے اور اسماء نے فاطمہ کے لئے تابوت بنایا تھا اسماء نے کہا فاطمہؓ ہی وصیت کر گئی تھیں کہ کسی کو میرے پاس نہ آنے دینا اور مجھے تابوت بنانے کا حکم بھی دیا تھا۔ ابوبکرؓ نے کہا۔ اچھا

ھذا بانتساہ تلخیص الحبیر. ان سب عبارات سے صاف ظاہر ہوا کہ اجلہ اصحاب کرام جیسے حضرت انس و حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت علی و حضرت عباس و جم غفیر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے سامنے ایسا جنازہ کہ جس پر تابوت تھا سبھوں نے نماز جنازہ خوشی سے ادا کی۔ اور حضرت فاطمہؓ کی وصیت ہوئی واسطے بنانے تابوت کے اور قبیح سمجھا بغیر تابوت کے ہونے کو چنانچہ بعد وفات آپ کے حسب وصیت کے عمل سامنے جمیع صحابہ کے کیا گیا اور نیز حضرت زینب ام المومنین زوجہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر تابوت تھا اور حضرت عمر جیسے صحابی ماحی المنکرات نے نماز بخوشی پڑھائی تھی اور قسطلانی اور فتح الباری کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ اسلام میں دستور تابوت کا تھا اور تلخیص کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ عورت کے دفن کرنے کے وقت چادر کا پردہ کرنا چاہیے اور بہت کتب میں اس کا ثبوت موجود ہے اہل سنت کے لئے اس قدر کافی ہے پس باوجود ایسے ثبوت کے کون انکار کر سکتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ سنت صحابہ کرام کا ہوا موافق فرمودہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا

---

بنا و پھر حضرت علے اور اسماء نے فاطمہؓ کو غسل دیا یہ سب سے پہلی عورت تھی جس کی لاش اسلام میں ڈھانپی گئی پھر اس کے بعد زینب بنت جحش کی لاش ڈھانپی گئی پھر فاطمہ کا جنازہ حضرت علی نے پڑھا بعض کہتے ہیں حضرت عباس نے پڑھایا تھا اور فاطمہ وصیت کر گئی تھیں کہ ان کو رات کے وقت دفن کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ان کی قبر میں حضرت علی۔ عباس اور فضل بن عباس اترے آپ کی وفات ۳ رمضان سلہ کو ہوئی۔

امام نووی نے منہاج میں کہا مستحب ہے کہ عورت کے لئے تابوت بنا دیا جائے تاکہ اس کی پردہ پوشی ہو جائے ابن حجر مکی نے کہا ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے لئے تابوت بنانے کی وصیت کی تھی کیونکہ وہ ہجرت حبشہ میں وہاں تابوت دیکھ آئی تھیں۔ بیہقی نے کہا حضرت فاطمہؓ رضی اللہ عنہا نے اپنے لئے تابوت بنانے کی وصیت کی حضرت سعد بن معاذ کو جب دفن کیا جانے لگا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قبر پر پردہ کرو چنانچہ ایک چادر پھیلادی گئی جب قیس کو دفن کیا جانے لگا تو ان کی قبر پر چادر پھیلائی گئی حضرت علی آئے اور چادر کو کھینچ لیا اور فرمایا عورتوں پہ پھیلائی

بھلا اور اہل سنت اسی سبب سے اہل سنت والجماعت کے لقب سے ملقب ہوئے پس باوجود اتنے ثبوت کے جو کوئی انکار کرے وہ جاہل ہے عالم نہیں یا اس میں مادہ رفض ہے کہ جنازہ مسلمین کی بے حرمتی چاہتا ہے حالانکہ آنحضرتؐ کا حکم ہے من ستر مسلما ستره الله یوم القیامة جیسا کہ اوپر گذرا۔ فی زماننا ابوداؤد کا ترجمہ ہوگیا ہے اس کو بھی جس نے دیکھا ہے کبھی ایسی بات زبان پر نہیں لا سکتا سچ ہے حضرت نے فرمایا ہے کہ بنائیں گے لوگ اپنا پیشوا جاہلوں کو پس پوچھے جاویں گے تو فتوے دیں گے بغیر علم کے پس گمراہ ہوں گے اور گمراہ کریں گے قال اتخذ الناس رؤسا جهالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ۔ الراقم ہیچمیرز تلطف حسین عفی عنہ۔ تاریخ ۲۶۔ جمادی الثانی ۱۳۱۸ھ ہجری۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ بر پیشانی میت بسم اللہ از انگشت نوشتن و چیزے از قسم تبرک مثل پردہ مکہ معظمہ بر کفن میت بستن جائز است یا نہ

الجواب۔ بسم اللہ نوشتن از انگشت بر پیشانی میت از کتاب اللہ تعالےٰ وسنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واجماع امت وقیاس مجتہدین ثابت نیست و ہرچہ کہ ازیں ادلہ اربعہ ثابت نباشد کردنش روا نیست و ہمچنیں ادعیہ واذکار نوشتن بکفن یا عمامہ یا دیگر اعضائے میت ہم جایز نیست واگر گوئی کہ در بعض کتب فقہ روایت جواز ہم یافتہ می شود پس چگونہ عدول ازاں

جاتی ہے لے جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو قیامت کے دن اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا

سوال۔ میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا اور کوئی متبرک چیز مثلاً غلاف کعبہ کا ٹکڑا کفن پر باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا کتاب الٰہی وسنت رسول واجماع صحابہ وقیاس مجتہدین سے ہرگز ثابت نہیں ہے اور جو ان چار دلیلوں میں سے کسی سے بھی ثابت نہ ہو وہ کام کرنا منع ہے اور اسی طرح کفن پر کوئی چیز لکھنا یا کسی متبرک چیز کا رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ اگر سوال کیا جائے کہ فقہ کی بعض کتابوں سے لکھنا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ محمد بن محمد بزازی نے فتاوی بزازیہ میں

کردہ شود چنانکہ علامہ فقیہ محمد بن محمد بزازی در فتاوے بزازیہ گفتہ وذکر الامام الصفار لو کتب علی جبھۃ المیت او علی عمامتہ او کفنہ عہد نامہ یرجی ان یغفر اللہ تعالٰے للمیت ویجعلہ امنا من عذاب القبر انتہی و در فتاوے تاتارخانیہ گفتہ حکی ان بعض انہ اوصی ابنہ اذا مت وغسلت فاکتب فی جبھتی وصدری بسم اللہ الرحمن الرحیم قال ففعلت ثم رایت فی المنام وسألت عن حالہ فقال لما وضعت فی القبر جائتنی ملائکۃ العذاب فلما رأوا مکتوبا علی جبھتی وصدری بسم اللہ الرحمن الرحیم قالوا امنت من العذاب انتہی وابراھیم حلبی در صغیری شرح منیہ گفتہ وذکر البزازی عن الصفار لو کتب علی جبھۃ المیت او عمامتہ او کفنہ عہد نامہ یرجی ان یغفر اللہ تعالی سبحانہ الی ان قال وعن بعض المتقدمین انہ اوصی ان یکتب فی جبھتہ وصدرہ بسم اللہ الرحمن الرحیم الخ وعلاؤ الدین حصکفی در درمختار گفتہ کتب علی جبھۃ المیت او عمامتہ او کفنہ عہد نامہ یرجی ان یغفر اللہ للمیت واوصی بعضھم ان یکتب فی جبھتہ وفی صدرہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ففعل ثم رؤی فی المنام فسئل فقال لما وضعت فی القبر جائتنی ملائکۃ العذاب فلما رأوا مکتوبا علی جبھتی بسم اللہ الرحمن الرحیم قالوا امنت من عذاب اللہ انتہی وابن عابدین در رد المختار گفتہ

لکھا ہے کہ "صفار نے کہا ہے" کہ اگر میت کی پیشانی یا پگڑی یا کفن پر عہد نامہ لکھا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالٰے اس کو بخش دے، اور تاتارخانیہ میں ہے کہ کسی نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں اور غسل دے دیا جائے تو میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دینا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا پھر خواب میں باپ کو دیکھا اس کا حال پوچھا تو اس نے کہا جب مجھے قبر میں رکھا گیا تو عذاب کے فرشتے آئے جب انہوں نے میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ لکھی دیکھی تو کہنے لگے تو عذاب سے بچ گیا۔ اور ابراہیم نے صغیری شرح منیہ میں اور علاؤالدین حصکفی نے درمختار میں اور ابن عابدین نے ردالمختار میں بزازیہ کے حوالہ سے اس عبارت کو لکھا ہے اور جواز کا فتوی دیا ہے۔ اور ابن عجیل پہلے اس کا فتوے دیتے تھے بعد ازاں صدقہ کے اونٹوں پر جو لفظ "اللہ" لکھا جاتا ہے اس پر قیاس کرکے لکھنے کا فتوے بھی دینے لگے۔ اور اسی طرح شرجی کے حوالہ سے بعض محشین

قولہ یرجی الخ مفادہ الاباحۃ اوالندب وفی البزازیۃ قبیل کتاب الجنایات وذکر الامام الصفار لوکتب علی جبہۃ المیت اوعلی عمامتہ اوکفنہ عہد نامہ یرجی ان یغفر اللہ تعالیٰ للمیت ویجعلہ امنا من العذاب قال نصیر ھذہ روایۃ فی تجویز ذلک وان الفقیہ ابن عجیل کان یامربہ ثم افتی بجواز کتابتہ قیاسا علی کتابۃ اللہ فی ابل الزکوۃ واقرہ بعضہم انتہی مختصراً ونیز در ردالمحتار گفتہ نقل بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علی جبہۃ المیت بغیر مداد بالاصبع المسبحۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم وعلے الصدر لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ وذلک بعد الغسل قبل التکفین انتہے۔ ودر مایۃ المسائل لمولانا محمد اسحٰق مذکور است ودر کتاب درہم الکیس فارسی مرقوم است وبنویسند برپیشانی میت بغیر مداد بانگشت انتہی وہم چنین است در مفتاح الجنان وکفایہ شعبی پس ازیں روایات معلوم شد کہ نوشتن برپیشانی میت بانگشت بغیر سیاہی یا بسیاہی بسم اللہ وغیر آن وہمچنیں برسینہ وکفن جائز ودرست وموجب نجات میت از عذاب است گویم بفضل اللہ العلام اصل ایں از ادلہ اربعہ ثابت نیست وبناء این بر قیاس فاسد است ومدار این بر رویا منام است امابیان امر اول ایں است کہ ادعیہ واذکار وہیات اوآن توقیفی اند پس اداکردن آن را بر غیر ہیات مخصوصہ ثابتہ از صاحب شرع چگونہ روا باشد وہمچنیں حکم کردن بہ ترتب اجر ومقدار آن از نفان او تعالیٰ ورسول اواست صلے اللہ علیہ وسلم کسے را نمیرسد کہ حکم برآن کند شیخ جلا الدین

---

نے سینہ پر انگلی سے بسم اللہ اور لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھنا نقل کیا ہے اور یہی فتویٰ محمد اسحٰق دہلوی نے مایۃ مسائل میں اور مفتاح الجنان وکفایہ شعبی میں درج ہے تو اس سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل بھی مذکورہ کتابوں میں نقل نہیں کی گئی اور اس کی بنا قیاس فاسد پر ہے یا پھر خواب پر قیاس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اذکار اور ادعیہ اور ان کی ہیئت کذائی سب توقیفی (جن میں قیاس کو دخل نہ ہو) ہیں ان کو از خود تجویز کرنے اور ان پر اجر مرتب کرنے کا کسی کو بھی حق نہیں ہے یہ حق صرف اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کا ہے بعض چیزیں بظاہر دیکھنے میں اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن چونکہ وہ منقول نہیں ہیں لہٰذا منع ہیں۔ دیکھئے صبح طلوع

سیوطی درفتوے خود گفتہ الاذکار توقیفیۃ وترتب الاجر علیہا ومقدارہ توقیفی فمن اتی بذکر او دعاء لم یرد فلیس لاحد ان یحکم علیہ بشئی من الاجر بقدار معین لان ذلک مرجعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحدہ انتہی ودر ردالمحتار گفتہ والقول بانہ یطلب فعلہ مردود لان مثل ذلک لا یحتج بہ الا اذا صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم طلب ذلک ولیس کذلک انتہی ما فی کتاب الجنائز فی مطلب فیما یکتب علی کفن المیت وبسیاری از افعال اند کہ بظاہر عبادت وموجب اجر معلوم می شوند وہر اجزا ادہم احسن ونیکو اند مگر مجموعہ ان بایں ہیئت مخصوصہ ثابت از صاحب شرع نیستند پس کردنش روا نباشد چنانکہ علامہ فقیہ برہان الدین مرغینانی درہدایہ گفتہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر لانہ علیہ السلام لم یفعل مع حرصہ علی الصلوۃ انتہی ونیز دران گفتہ لا یتنفل فی المصلی قبل العید لانہ علیہ السلام لم یفعل مع حرصہ علی الصلوۃ انتہی ودر فتاوی عالمگیری مرقوم است قراءۃ الکافرون الی الآخر مع الجمع مکروھۃ لانہا بدعۃ لم ینقل ذلک عن الصحابۃ والتابعین کذا فی المحیط انتہی۔ وبیان امر ثانی این است کہ قیاس کردن این را بر صدقۃ اہل قیاس مع الفارق است چراکہ بر صدقۃ اہل کتابت لفظ اللہ برائے علامت وتمیز است ونوشتن بسم اللہ خواہ بانگشت بلا سیاہی خواہ بسیاہی بر پیشانی یا کفن میت برائے تبرک است وموافق زعم ایشان موجب نجات است فاین القیاس ابن العابدین در ردالمحتار

ہونے کے بعد آنحضرت سے صرف دو رکعت سنت ثابت ہیں اب اگر کوئی زیادہ پڑھے تو ناجائز ہوگا حالانکہ نماز فی نفسہ بہت اچھی چیز ہے عیدگاہ میں نفل چونکہ آنحضرت سے ثابت نہیں ہیں اگر وہاں نفل پڑھے تو جائز نہ ہوگا فتاوی عالمگیری میں ہے کہ سورۃ قل یاایہا الکافرون سے لے کر آخر تک ایک ہی رکعت میں نہ پڑھے کیونکہ یہ بدعت ہے ثابت نہیں ہے اور صدقہ کے اونٹوں پر قیاس کرکے لکھنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اونٹوں پر جو لکھا جاتا ہے وہ علامت کے لئے لکھا جاتا ہے اور یہاں جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ تبرک اور نجات کیلئے لکھا جاتا ہے اور پھر وہاں بے ادبی کا امکان نہیں اور یہاں پیپ وغیرہ میں ملوث ہونے کا یقین ہے۔

گفتہ والقیاس المذکور ممنوع بان القصد ثم التمیز وھھنا التبرک فالاسماء المعظمۃ باقیۃ علی حالھا فلا یجوز تعریضھا للنجاسۃ انتہی وبہ بین کہ قیاس کردن اذان را کہ بعد دفن میت میدہند بہ اذان مولود بظاہر صحیح معلوم میشود وبعض کسان برین قیاس کردہ حکم جواز ہم دادہ اند۔ چنانکہ بجائے خود مصرح است مگر چونکہ این اذان بالخصوص درین موضع ثابت نیست حکم بجوازش دادن خلاف امر حق ست لہذا اکثر علما این اذان را محدث فی الدین قرار دادہ اند ابن عابدین در رد المحتار گفتہ لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاویہ ببدعۃ وقال من ظن انہ سنۃ قیاسا علی ندبھا للمولود الحاقا لخاتمۃ الامر بابتدائہ فلم یصب انتہی وقد صرح بعض علمائنا وغیرھم بکراھۃ المصافحۃ المعتادۃ عقب الصلوۃ مع ان المصافحۃ سنۃ وما ذاک الا لکونھا لم تؤثر فی خصوص ھذا الموضع فالمواظبۃ علیھا فیہ توھم العوام بانھا سنۃ فیہ ولذا منعوا عن الاجتماع لصلوۃ الرغائب التی احدثھا بعض المتعبدین لانھا لم تؤثر علی ھذہ الکیفیۃ فی تلک اللیالی المخصوصۃ وان کانت الصلوۃ خیر موضوع انتہی وچنین تصریح فرمودہ اند عمدۃ المحدثین استناذ الاستاذ مولانا محمد اسحٰق الدہلوی در مائۃ المسائل ودر بیان امر ثالث این کہ رویائے غیر انبیاء صلی اللہ علیہ والسلام حجت شرعیہ نیست وازان ثبوت احکام شرعیہ نمی توان شد شیخ الاسلام جمال المسلمین علامہ شمس الدین کرمانی در کواکب الدراری شرح صحیح البخاری تحت حدیث قال عروۃ وثویبۃ مولاۃ لابی لھب کان ابو لھب اعتقھا فارضعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما مات ابو لھب راٰہ بعض اھلہ الخ گفتہ فان قلت فیہ دلیل علی ان الکافر ینفعہ العمل فقد

---

پھر یہ بھی دیکھیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے کانوں میں اذان کہتے ہیں کہ وہ اس کی زندگی کی ابتدا تھی اسی پر انتہاء کو قیاس کر کے بعض لوگوں نے دفن کے وقت بھی اذان کہنا شروع کر دی تو فقہاء نے اس پر انکار کیا چنانچہ ابن عابدین نے رد المحتار میں اور ابن حجر نے اپنے فتاوی میں اس کو بدعت لکھا عید اور جمعہ کی نماز کے بعد بعض لوگوں نے مصافحہ کرنا شروع کر دیا تو گو مصافحہ فی نفسہ بری چیز نہیں لیکن فقہاء نے اس کا انکار کیا کیونکہ یہ اس موقع میں ثابت نہیں۔ صلوۃ الرغائب کہ جس کو بعض بدعتی لوگوں

قال اللہ تعالیٰ فجعلناہ ھباء اقلت لا ان الرؤیا لیست بدلیل انتہی ترجمۃ الاسلام حافظ ابن حجر در فتح الباری شرح صحیح بخاری گفتہ وفی الحدیث دلالۃ علی ان الکافر قد ینفعہ العمل الصالح فی الآخرۃ لکنہ مخالف بظاھر القرآن قال اللہ تعالیٰ وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباء منثورا واجیب اولا بان الخبر مرسل ارسلہ عروۃ ولم یذکر من حدثہ وعلی تقدیر ان یکون موصولا فالذی فی الخبر رؤیا منام فلا حجۃ فیہ انتہی وعلامہ قسطلانی در ارشاد الساری گفتہ استدل بھذا علی ان الکافر ینفعہ العمل الصالح فی الآخرۃ وھو مردود بظاھر قولہ وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباء منثورا لاسیما والخبر مرسل ارسلہ عروۃ ولم یذکر من حدثہ بہ وعلی تقدیر ان یکون موصولا فلا یحتج بہ اذ ھو رؤیا منام لا یثبت بہ حکم شرعی انتہی ودر التشریحات مالابد شرح منار النسفی گفتہ ولا اعتبار بالالہام عند النبی دردیاہ انتہی وجملہ کسان مذکورین ناقلین جواز اعنی ابراہیم حلبی وعلاؤ الدین حصکفی وصاحب تاتارخانیہ وصاحب فوائد الشرحی وصاحب درہم الکیس وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ ناقل وآخذ از صاحب فتاوے بزازیہ کہ خود بران مواخذہ دلیل است ہستند وکسی دلیل انداد لساریہ قائم نکردہ اند فلا یلتفت الیہ وجواب کرد علامہ حافظ عثمان بن عبدالرحمن الشہیر بابن الصلاحؒ کہ فتوے بعدم جواز داد چنانکہ در رد المحتار است وقد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب علی الکفن یٰس والکہف ونحوھما خوفا من صدید المیت انتہی ۔ ونیز در رد المحتار است وقدمنا قبیل باب المیاہ عن الفتح انہ تکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالیٰ علی الدراھم والمحاریب والجدران وما یفرش وما ذاک الا لاحترامہ وخشیۃ وطئہ ونحوہ مما فیہ اھانۃ فالمنع ھھنا بالاولیٰ مالم یثبت عن المجتھد او ینقل فیہ حدیث ثابت انتہی وسید احمد طحطاوی درحاشیہ در المختار گفتہ قولہ کتب علی جبھۃ الخ

---

نے جاری کر دیا ہے اور کے خلاف فقہاء نے آواز اٹھایا

باقی رہا خواب کا معاملہ تو نبی کی خواب کے سوا کسی کی خواب حجت شرعی نہیں ہے اور اس سے احکام کا استنباط نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھئے علامہ کرمانی نے شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے ماتحت کہ ابولہب کی ایک لونڈی ثویبہ تھی اس نے ابولہب کو آنحضرت کی پیدائش کی جب خوشخبری سنائی تو ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا۔ پھر ثویبہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا جب ابولہب مر گیا تو اس کے گھر والوں میں سے کسی نے اس کو

اخذ من ذلك جواز الكتابة ولو بالقرآن ولم يعتبر ذاكون ماله الى التنجس بما يسيل من الميت وانظر هذا مع كراهتهم الكتابة على المراوح وجدر المساجد وہم چنیں تصریح بعدم جواز کردہ در فوائد الفوائد پس برائے ثبوت مطلب اعنی بعدم جواز کتابت بر پیشانی وصدر وکفن بسیاہی یا بغیر سیاہی بانگشت قول مذکور ابن عابدین فالمنع ههنا بالاولى ما لم يثبت عن المجتهد او ينقل فيه حديث ثابت کافی است اگرچہ ابن عابدین این عبارت را در صورت کتابت بہ بلاد گفتہ لیکن حق صریح ہمیں است کہ برائے ہر امور متعلقہ دین اجازت از شرع شریف باید وبغیر آن کار بند نباید شد اگرچہ بظاہر صورت حسن نمایاں شود ھذا غاية التحقيق فی هذا الباب والله اعلم بحقيقة الحال وجواب، تحقیق صورت ثانیہ این است کہ از روایات معلوم مے شود کہ وجود استار کعبہ معظمہ در زمانہ خلفاء رضوان اللہ علیہم بود وکسے انکار بران نکرد چنانکہ علامہ کرمانی در شرح صحیح بخاری تحت باب کسوة الكعبة گفتہ قلت لعل الكعبة كانت مكسوة وقت جلوس عمر فحيث لم ينكره وقررها دل على جوازها انتهى وہمچنیں از روایت آیندہ عینی ظاہر مے شود مگر در فروختن وقطع کردن ونقل کردن استار کعبہ از مکہ معظمہ بجائے دیگر اختلاف علماء اعلام است بعض قائل بجواز وبعض بعدم جواز اند چنانکہ علامہ بدر الدین عینی در عمدة القاری شرح صحیح بخاری تحت ہمان باب گفتہ قال صاحب التلخيص لا يجوز بيع استار الكعبة المشرفة وكذا قال ابو الفضل بن عبدان لا يجوز قطع استارها ولا قطع شيء من ذلك ولا يجوز نقله وبيعه ولا شراؤه ومايفعله العامة يشترونه من بني شيبة لزمه رده ووافقه على ذلك الرافعي وقال ابن الصلاح الامر فيها الى الامام يصرفه في مصارف بيت المال بيعا وعطاء واحتج بما ذكره الازرقي ان عمر كان ينزع

---

خواب میں دیکھا الخ اگر کہا جائے کہ اس میں دلیل ہے کہ کافر کو بھی نیک اعمال نفع دیتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ یہ واقعہ قرآن مجید کی آیت فجعلناه هباء منثورا کے مخالف ہے حافظ ابن حجر نے بھی ایسا ہی لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث سے دلیل نہیں لی جا سکتی کیونکہ یہ مرسل ہے اس کو عروہ نے بیان کیا ہے اور کسی سے سنی ہے یہ بیان نہیں کرتا اور اگر بالفرض یہ حدیث موصول بھی ہوتی تو ایک خواب ہونے کی وجہ سے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا قسطلانی بھی یہی کہتے ہیں بلکہ نسفی کی شرح منار میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ نبی کے علاوہ کسی کا الہام بھی حجت نہیں ہے اور نہ کسی کی خواب حجت ہے۔

کسوۃ الکعبۃ کل سنۃ فیقسمہا علی الحاج وعند الازرقی عن ابن عباس وعائشۃ انہما قالا لاباس ان یلبس کسوتہا من صارت الیہ من حائض وجنب وغیرھما انتہی پس آنانکہ بجواز بیع وشراء وقطع ونقل استار کعبہ رفتہ اند نزد ایشان پس آن استار متبرکہ وتکفین میت ازان جائز است وکفن دادن میت را در جامہ متبرکہ از احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ثابت است حافظ الحدیث حجۃ اللہ فی الارض امام المحدثین محمد بن اسمعیل البخاری رضی اللہ تعالےٰ عنہما در صحیح خود روایت فرمودہ عن عبد اللہ بن عمران عبد اللہ بن ابی لما توفی جاء ابنہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اعطنی قمیصک اکفنہ فیہ وصل علیہ واستغفر لہ فاعطاہ قمیصہ رواہ البخاری عن سہل ان امرأۃ جاءت النبی صلے اللہ علیہ وسلم ببردۃ منسوجۃ فیہا حاشیتہا اتدرون ما البردۃ قالوا الشملۃ قال نعم قالت نسجتہا بیدی فجئت لاکسوکہا فاخذھا النبی صلے اللہ علیہ وسلم محتاجا الیہا وانہا ازارہ فحسنہا فلان فقال اکسنیہا ما احسنہا فقال القوم ما احسنت لبسہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم محتاجا الیہا ثم سألتہ وعلمت انہ لا یرد سائلا قال انی واللہ ما سألتہ لالبسہ وانما سألتہ لتکون کفنی فکانت کفنہ رواہ البخاری

---

باقی یہ جتنی کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے انھوں نے بزازیہ سے نقل کیا ہے اور بزازیہ نے اس پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں کی ہے لہٰذا وہ توجہ دینے کے قابل نہیں۔ ابن صلاح اور صاحب درمختار نے بھی صحیح لکھا ہے کہ خدا تعالےٰ کا نام یا قرآن کی کوئی سورت میت پر یا کفن پر لکھنا تو درکنار۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دیوار اور فرش پر بھی نہیں لکھنا چاہیئے کیونکہ اس سے بے ادبی کا احتمال ہے اور کفن پر لکھنے میں تو بے ادبی کا یقین ہے پس ایسی صورت میں یہ لکھنا کیسے جائز ہو جائے گا

اور کفن میں متبرک شے کا اضافہ کرنے کے متعلق تحقیقی جواب یہ ہے کہ روایات سے ثابت ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا اور کسی نے اس کا انکار نہ کیا اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانا درست ہے لیکن اس کے بعد اس کو خریدنا یا فروخت کرنا اور دوسرے ممالک میں بطور تبرک لے جانا اس میں علما کا اختلاف ہے چنانچہ علامہ عینی عمدۃ القاری میں اسی باب کے تحت لکھتے ہیں کہ اس کا بیچنا اور دوسرے ممالک میں لے جانا جائز نہیں ہے اور فضل بن عدلان کا فتوےٰ بھی یہی ہے ابن صلاح نے کہا کہ اگر اس کا خریدنا یا فروخت کرنا جائز بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کی خرد فروخت سے جو مال میسر ہو اس کو بیت المال میں داخل کرنا ضروری ہے ازرقی نے بھی لکھا ہے

قال عمرو سمعت جابر بن عبد اللہ قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ
ابن ابی بعد ما ادخل حفرتہ فامر بہ فاخرج فوضعہ علی رکبتیہ ونفث فیہ
من ریقہ والبسہ قمیصہ رواہ البخاری عن ام عطیۃ قالت توفیت احدی
بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اغسلنہا
بالسدر وترا او سبعا او اکثر من ذالک فاذا فرغتن فاذنتنی فلما فرغنا اذناہ فالقی الینا
حقوہ فضفرنا شعرہا ثلاثۃ قرون والقیناہا خلفہا رواہ البخاری اما زیادتی
بر کفن مسنونہ اگرچہ بیک پارہ جامہ باشد خلاف امر مسنون است نمی بینی کہ عمامہ بستن بر
سر میت بجہت عدم ثبوتش علماء کرام تصریح بکراہت کردہ اند بخاری از عائشہ رضی اللہ
عنہا روایت کردہ عن عائشہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفن فی ثلثۃ اثواب
بیض لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ رواہ البخاری قاضی حسن بن منصور در فتاوے
قاضی خان گفتہ اکثر ما یکفن فیہ الرجل ثلثۃ اثواب لیس فیہا عمامۃ عندنا انتہی ۔
وعلامہ زین بن نجیم در بحر الرائق شرح کنز الدقائق گفتہ وفی المجتبی وتکرہ العمامۃ فی الاصح
انتہی ومحمد بن عبد اللہ الغزی در تنویر الابصار گفتہ وتکرہ العمامۃ للمیت فی الاصح و
قہستانی در جامع الرموز گفتہ والاصح انہ یکرہ العمامۃ کما فی الزاہدی انتہی۔ پس

---

حضرت عباس اور عائشہ صدیقہ کا فتوے ہے کہ خانہ کعبہ سے اتر جانے کے بعد جنبی اور حائضہ اس
کو پہن سکتے ہیں جو اس کی خرید و فروخت کے قائل ہیں ان کے نزدیک کعبہ کے اترے ہوئے غلاف
کا کفن دینا جائز ہے اور متبرک کپڑے کا کفن دینا حدیث سے ثابت ہے چنانچہ عبد اللہ بن ابی منافق
جب مرگیا تو اس کے بیٹے عبد اللہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اپنی قمیص عنایت
فرمادیں تاکہ اس میں اس کو کفن دیا جاسکے چنانچہ آپ نے قمیص دے دی ایک عورت نے نبی
صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑا بن کر دیا آپ نے اس کو پہن لیا پھر کچھ مدت کے بعد اس نے حضور سے
کپڑا مانگا آپ نے دے دیا اس نے اس کپڑے کو اپنے کفن کے لئے رکھ لیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم
کی ایک صاحبزادی فوت ہوئیں تو کفن کے لئے آپ نے اپنا تہ بند اتار کر دے دیا ان روایات سے
یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ متبرک کپڑے میں کفن دینا درست ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسنون کفن
کے بعد اس پر متبرک کپڑے کا اضافہ کیا جائے چنانچہ میت کو پگڑی پہنانے کے خلاف فقہا نے فتوی
دیا کیونکہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا ان میں قمیص اور

پارہ از پردہ کعبہ معظمہ سوائے کفن در کفن میت بستن جائز نیست چراکہ نداشتن چیزے در قبر جز کفن کہ ہمراہ میت است سنت حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و داشتن این پردہ ہمراہ کفن رافع آں سنت است پس بنا شد ایں مگر بدعت و ازینجا ظاہر شد کہ شجرہ وغیرہ قبر داشتن کہ معمول بہا مشائخین تصوف است آن ہم بدعت است بدلیل مذکورہ ودر حدیث شریف آمدہ عن غضیف بن الحارث الثمالی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلہا من السنۃ فتمسک السنۃ خیر من احداث بدعۃ رواہ احمد خلاصہ ہر دو جواب ایں شد کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم یا غیر آن نوشتن بر جبہہ میت یا صدر یا کفن بانگشت یا بسیاہی و پردہ کعبہ معظمہ بستن بر کفن علاوہ کفن میت بدعت است چراکہ در موت مسلم ہماں باید کرد کہ معہود از سنت است و این ہمہ معہود از سنت نیست امامان حافظان جہتان بخاری ومسلم از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کردہ اند عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد متفق علیہ من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد رواہ البخاری عن عبد اللہ بن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما ھما اثنتان الکلام والھدی فاحسن

---

عمامہ نہیں تھا۔ فتاوے قاضی خاں میں ہے کہ کفن تین کپڑے ہیں جن میں ہمارے مذہب کے مطابق پگڑی نہیں ہے۔ بحر الرائق۔ جلبی۔ تنویر الابصار۔ قہستانی۔ جامع الرموز۔ زاہدی وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے۔ تو کفن کے ہمراہ غلاف کعبہ کا ٹکڑا رکھنا ایک زائد چیز ہو گی جو سنت کے خلاف ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب کوئی قوم کوئی بدعت رائج کرتی ہے تو اللہ تعالے اس کے بدلے ایک سنت اس قوم سے اٹھا لیتے ہیں تو سنت کا تھام لینا بدعت کے جاری کرنے سے بہتر ہے" خلاصہ یہ کہ بسم اللہ کا انگلی سے پیشانی پر لکھنا اور غلاف کعبہ کا ٹکڑا کفن پر رکھنا دونوں بدعت ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کوئی دین میں کوئی نیا کام جاری کرے جس کے متعلق ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے" اور آپ نے یہ بھی فرمایا "دو چیزیں ہیں۔ کلام اور ہدایت تو بہترین کلام اللہ تعالے کی کلام ہے اور بہترین راستہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔ تم نئے کاموں سے بچنا کہ بدترین کام نئے کام ہیں اور دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے واللہ اعلم۔

الکلام کلام اللہ واحسن الهدی هدی محمد الا وایاکم ومحدثات الامور فان شر الامور محدثاتها وکل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة رواه ابن ماجة فقط العبد الفقیر ابو الطیب محمد المدعو بشمس الحق عفا عنه ذنوبه رب الفلق العظیم آبادی

| ابو الطیب محمد شمس الحق ۱۲۶۵ | علیم الدین حسان ۱۲۸۲ |
| --- | --- |

الجیب مصیب

| محمد اشرف ۱۲۹۵ | الجواب حق فماذا بعد الحق الا الضلال | حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ ۱۲۸۱ |
| --- | --- | --- |

| سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ | قد اصاب من اجاب | الجواب صحیح |
| --- | --- | --- |

| زرشرف سید کونین شریف حسین ۱۲۹۲ | سید احمد حسن ۱۲۸۹ |
| --- | --- |

| بر طفیل نبی الہی بخش ۱۲۹۲ |
| --- |

**مسئلہ** ۔ واضح ہو کہ بلند ہونا قبر کا ایک بالشت یا چار انگشت جواز میں داخل ہے اور اسی قدر یعنی اس کی اور زیادہ اس سے غیر جائز ہے چنانچہ کتب فقہ واحادیث سے واضح ہے فی[1] البحر الرائق ویسنم قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع وما ورد فی الصحیح من حدیث علی لا تدع قبرا مشرفا الا سویته فمحمول علی ما زاد علی التسنیم انتهی وفی النهر الفائق ویسنم لا یربع قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع لروایة البخاری عن سفیان انه رای قبره علیه الصلوة والسلام مسنما وجعله فی الظهیریة وجوبا قدر شبر انتهی وکذا فی فتاوی العالمگیریة والزیلعی والعینی پس اس سے معلوم ہوا کہ تسنیم مستحب ہے اور غیر تسنیم مستحب نہیں ۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

| سید محمد نذیر حسین |
| --- |

**مسئلہ** ۔ واضح ہو کہ بلند ہونا قبر کا ایک بالشت یا چار انگشت جواز میں داخل ہے اور اسی قدر یعنی اس کی اور زیادہ اس سے غیر جائز ہے چنانچہ کتب فقہ واحادیث سے واضح ہے فی[2] بحر الرائق ویسنم قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع وما ورد فی

[1] اور قبر کو اونٹ نما بنائی جائے اور بقدر ایک بالشت یا چار انگل کے برابر رکھی جائے حضرت علی کی حدیث میں ہے کہ میں جس قبر کو بلند دیکھوں اس کو برابر کر دوں ۔ برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ایک بالشت کے برابر کو ہان نما بنا دوں اور خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر بھی کوہان نما ہے جیسا کہ بخاری ظہیریہ مجتبیٰ در مختار عالمگیری زیلعی عینی میں ہے واللہ اعلم

[2] بحر الرائق میں ہے کہ قبر ایک بالشت یا چار انگل کوہان نما ہو صحیح بخاری میں جو حضرت علی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا

الصحیح من حدیث علی الاتدع قبرا مشرفا الا سویتہ فمحمول علی ما زاد علی التسنیم انتہی وفی النہر الفائق ای یسنم ای یرفع فقیل قدر اربع اصابع لروایۃ البخاری عن سفیان انہ رای قبرہ علیہ الصلوۃ والسلام مسنما وجعلہ فی الظہیریۃ وجوبا وفی المجتبی مندوبا انتہی وفی الدر المختار ویسنم ندبا وفی الظہیریۃ وجوبا قدر شبر انتہی وکذا فی فتاوی العالمگیریۃ والزیلعی والعینی پس اس سے معلوم ہوا کہ تسنیم مستحب ہے اور غیر تسنیم مستحب نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

**سوال۔** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پختہ بنانا قبر کا چونہ اور اینٹ اور پتھر وغیرہ سے درست ہے یا نہیں اور بلند قبر کا پست کر دینا درست ہے یا نہیں اور جو قبریں کہ پتھر سے سنگین اور پختہ بنائی گئی ہوں ان سے پتھروں کا علیحدہ کرنا اور انکا بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب۔** پختہ بنانا قبر کا اینٹ اور پتھر وغیرہ سے درست نہیں ہے۔ اور بلند قبروں کا جو ایک بالشت سے زیادہ بلند ہوں پست کرنا درست ہے یہاں تک کہ بقدر ایک بالشت کے بلندی باقی رہ جاوے اور جو قبریں کہ پتھر سے سنگین اور پختہ بنائی گئی ہوں ان کو منہدم کر کے پتھر علیحدہ کر لینا درست ہے اور چونکہ وہ پتھر متعلق قبر سے نہیں ہے اس لئے اس کا بیع کرنا شرعاً درست ہے عن جابر[لے] قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر نہی کرد آنحضرت از گچ کردن گورد گفتہ اند کہ اگر گل کنند تا دیران نشود درست است وان یبنی علیہ و نہی کرد از انکہ بنا کردہ شود بر گور بعض گفتہ اند کہ مراد بنا کردن است از سنگ و مانند آں وحض گفتہ

کہ جس قبر کو بلند دیکھو برابر کر دو، اس سے مراد وہ قبر ہے جو ایک بالشت سے زائد ہو۔

اور النہر الفائق میں ہے کہ کوہان نما ہو یعنی بلند ہو بعض کہتے ہیں، چار انگل کے برابر ہو کیونکہ بخاری میں حضرت سفیان سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کوہان نما تھی، ظہیریہ میں اسے واجب اور مجتبی میں مندوب لکھا ہے یہی در مختار میں ہے ظہیریہ میں بالشت کا وجوب لکھا ہے، اسی طرح عالمگیری، زیلعی اور عینی میں ہے ۱۲

لے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قبر پختہ بنانے اور قبر پر عمارت بنانے سے منع فرمایا" اور عمارت خواہ اینٹ اور لکڑی کی ہو یا خیمہ وغیرہ دونوں منع ہیں (مشکوۃ وشرح مشکوۃ اشعۃ اللمعات) قبر کو پختہ بنانا

کہ مراد بہ بنا خیمہ زدن و مانند آن است کہ آن نیز مکروہ و منہی عنہ است الخ رواہ
مسلم کذا فی المشکوٰۃ و اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ وایضا فیہما عن جابر
قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبور نہی کرد آنحضرت
از انکہ گچ کردہ شوند قبرہا از جہت آنچہ در وے است از تکلف و تزیین و روا داشتہ
است حسن بصری گل کردن و شافعی گفتہ مستحب است گل کردن و در خانیہ
گفتہ کہ تطیین قبور لا باس بہ کذا فی مطالب المومنین و نیز گفتہ اند کہ مکروہ است برپا
کردن الواح مکتوبہ کہ بے فائدہ است انتہی ۔ ویکرہ الآجر والخشب لانہما
لاحکام البناء والقبر موضع البلی کذا فی الہدایۃ ویکرہ الآجر والخشب کذا فی
فی شرح الوقایۃ والکنز ای یکرہ ان یوضع علی القبر آجر وخشب لان النبی صلی
اللہ علیہ وسلم نہی ان یجصص القبور بالعمران والآجر والخشب للعمران
ولانہما یستعملان للزینۃ ولا حاجۃ الیہا للمیت کذا فی البدائع ہکذا فی
المستخلص شرح الکنز وغیرہ والاصل النہی للتحریم کما ہو مذکور فی
اصول الفقہ کذا فی مائۃ المسائل فی تحصیل الفضائل فی البحر الرائق ویسنم
قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع انتہی وفی در المختار ویسنم مندوبا وفی
الظہیریۃ وجوبا قدر شبر انتہی وکذا فی العالمگیریۃ وغیرہا عن ابی الہیاج
الاسدی قال قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم ان لا تدع تمثالا الا طمستہ ولا قبرا مشرفا الا سویتہ ونگذاری گور

---

اور اس میں زیب و زینت کرنا منع ہے۔ حسن بصری کچی مٹی سے قبر کو لیپنے کی اجازت دیتے تھے۔
امام شافعی کا بھی یہی خیال ہے فقہ کی کتاب خانیہ میں ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور قبر پر
کتبہ لکھ کر لگانا مکروہ ہے اور پختہ اینٹ اور لکڑی کو قبر کو مضبوط بنانے کے لئے استعمال کرنا مکروہ
ہے کیونکہ قبر فنا کی جگہ ہے بدائع اور مستخلص وغیرہ میں ہے کہ قبر پہ پختہ اینٹ اور لکڑی استعمال کرنا مکروہ
ہے کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو آبادی کی طرح بنانے سے منع فرمایا ہے اور لکڑی اور
اینٹ آبادی کے لئے ہیں مردے کو ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہی کا اصل حرمت ہے جیسا کہ
اصول فقہ کی کتابوں میں ذکر ہے۔ بحر الرائق میں ہے کہ قبر کو کوہان نما بنائی جائے اور ایک بالشت کا اندازہ
زمین سے بلند رکھی جائے۔ ابو الہیاج اسدی نے کہا کہ مجھ کو حضرت علی نے فرمایا کیا میں تجھ کو اس ملازمت

بلند را اگر آنکہ بزمین برابر و ہموار کنی یعنی پست کنی چنانکہ نزدیک بزمین باشد آنقدر کہ پیدا و نمایان بود مقدار یک شبر چنانکہ سنت است رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ واشعۃ اللمعات واللہ اعلم بالصواب حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

| سید شریف حسین |
| --- |
| سید محمد نذیر حسین |

سوال۔ قبر کا بوسہ لینا جائز ہے یا حرام (۲) قبر کا طواف کرنا کیسا ہے؟

الجواب۔ قبر کا بوسہ لینا حرام ہے فی المدارج وبوسہ دادن قبر را وسجدہ کردن آنرا و سر نہادن حرام وممنوع است و در بوسیدن قبر والدین روایت فقہی نقل مے کنند وصحیح آنست کہ لایجوز انتہی وادنی لایجوز گناہ صغیرہ است واصرار برآن کبیرہ است ہکذا فی شرح عین العلم (۲) قبر کا طواف کرنا حرام ہے اگر مستحب جان کر کرے کافر ہوگا فی شرح المناسک للقاری ولا یطوف ای لایدور حول البقعۃ الشریفۃ لان الطواف من مختصات الکعبۃ المنیفۃ فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء ولاعبرۃ بما یفعلہ العامۃ من الجہلۃ ولو کانوا فی صورۃ المشائخ والعلماء انتہی ہکذا فی البحر والنہر

| سید محمد نذیر حسین | ابوالفیض محمد عبداللہ حنفی |
| --- | --- |

الجواب صحیح احمد الدین جواب سب صحیح ہیں رشید احمد گنگوہی

جواب صحیح اور درست ہیں پیر محمد وارم صدشکر کرمن محمد ہاشم

| سید محمد عبدالسلام غفرلہ |
| --- |

پر مقرر نہ کر دوں جس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو مقرر کیا تھا جہاں کوئی تصویر دیکھو اسے مٹا ڈالو اور جہاں کوئی قبر بالشت سے بلند دیکھو اس کو ایک بالشت کے برابر کر دو

لہ قبر کو بوسہ دینا اس کو سجدہ کرنا اور سر جھکانا حرام وممنوع ہے۔ ماں باپ کی قبر کو بوسہ دینے کے متعلق ایک روایت بیان کرتے ہیں اور صحیح یہی ہے کہ جائز نہیں ہے اور لایجوز کا ادنی درجہ گناہ صغیرہ ہے اور اس پر اصرار کرنا کبیرہ گناہ ہے

ملا قاری لکھتے ہیں کہ آپ کی قبر مبارک کے گرد طواف نہ کرے کیونکہ طواف خانہ کعبہ کی خصوصیت ہے اور نبیوں اور ولیوں کی قبروں کے گرد طواف کرنا جائز نہیں ہے اور جو عوام جاہل لوگ ایسا کرتے ہیں اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اگرچہ وہ جاہل علماء اور مشائخ کی صورت میں ہی کیوں نہ ہوں۔

# کتابُ ایصال الثوابِ الی الموتیٰ

**سوال** ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بہ نیت ایصال ثواب موتے کے پچاس مساکین کے لئے کھانا تیار کیا اور اس کے ساتھ پچاس اغنیاء کو بھی کھانا کھلانے کے لئے ایک ہی دیگ میں ملاکر کھانا پکایا پس اس طعام مخلوط میں سے اغنیاء کھا سکتے ہیں یا نہیں اگر نہیں کھا سکتے ہیں تو اس پر کونسی دلیل شرعی مانع ہے اور اگر جائز ہے تو اس کی رخصت پر کیا دلیل ہے ۔ بینوا توجروا ۔

**الجواب** ۔ صدقہ باختلاط غیر صدقہ کے ساتھ جائز تو ہے و لیکن یہ غور کرنا چاہیے کہ وہ اغنیاء کو کس نیت سے شامل کرتا ہے اگر ریا ونا موری کی نیت سے ہے تو حرام ہے لقولہ[1] علیہ السلام المتباریان لایجابان ولا یوکل طعامھما وان یسیر الریا شرك وغیر ذلك من الآیات والاحادیث الدالۃ علی ذم الریاء والخیلاء اور اگر دعوت دوستانہ کی نیت سے ہے و بطور ہدیہ اغنیا کو کھلاتا ہے تو محل اس کا نہیں ہے شریعت میں تعزیت موت پر دعوت کرنا نہیں آیا اس کا محل نکاح ہے چنانچہ فتح القدیر میں ابن ہمام نے ذکر کیا ہے کہ یہ دعوت جائز نہیں ہے لانھا[2] شرعت فی السرور لا فی الشرور اور جب کہ دعوت میں ان نیتول فاسدہ سے غیر خدا کے تقرب کی بھی نیت ہے تو وہ ساری دعوت نامقبول ہے اور خدا کی طرف سے مردود قال[3] اللہ تعالیٰ فی الحدیث القدسی انا اغنی الشرکاء عن الشرك من عمل عملا اشرك

---

[1] فخر سے دعوت کرنے والوں کی دعوت قبول نہ کی جائے نہ ان کا کھانا کھایا جائے کیونکہ یہ شرک اصغر ہے
[2] کیونکہ دعوت خوشی میں ہوتی ہے غمی میں نہیں ہوتی ۔
[3] حدیث قدسی میں ہے کہ میں شرکاء میں سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں اگر کوئی ایسا عمل کرے جس میں میرے سوا کسی اور کو بھی شریک کرے تو میں اس سے دست بردار ہو جاتا ہوں ۔

فیہ شرکتہ وشرک فانا منہ بری ہاں سوائے تقرب ایصال ثواب مونے کے اگر کوئی ایسا کھانا پکاوے جس میں کسی قدر صدقہ کی نیت سے ہے اور کسی قدر ہدیہ شرعیہ کی نیت سے بدوں فساد نیت وبلا دخل بدعت تو اس کے جواز میں کچھ کلام نہیں لیکن اس میں تحری بکار ہے کہ جس قدر صدقۃ اللہ کی نیت سے ہے اس قدر صدقہ اپنے ذمہ پر نہ جاوے اللہ تعالے اختلاط مال یتیم کے باب میں جس کا کھانا بلا وجہ حرام ہے فرماتا ہے قل اصلاح لهم خیر وان تخالطوهم فاخوانکم فی الدین واللہ یعلم المفسد من المصلح ولو شاء اللہ لاعنتکم ان اللہ عزیز حکیم[1] اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مال کا کھانا اپنے لئے درست نہیں ہے اس لئے کہ وہ حق غیر کا ہے اللہ تعالے کا یا بندہ کا تو اس کا خلط اپنے مال سے درست ہے بشرطیکہ اس میں اصلاح بکار لائی جاوے اللہ کے حق کو اپنے حق میں نہ لیا جاوے فقط حررہ ابو سعید محمد حسین عفی عنہ

| | | |
|---|---|---|
| سید محمد نذیر حسین | محمد عبد الحکیم | بر طفیل نبی الٰہی بخش |
| ز شرف سید کونین شد شریف حسین | خادم شرع عزیز محمد عبد العزیز | |
| خادم شریعت رسول الثقلین تلطف حسین | شہود الحق توفیق خدا باد | |
| ابو الطیب محمد شمس الحق | نعم المولی ونعم النصیر | محمد یعقوب بابا خیلی |

**سوال۔** میت کی طرف سے خیرات کرے تو میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں میت کے لئے قرآن خوانی جائز ہے یا نہ اور ختم پڑھنا سنت ہے یا بدعت بینوا توجروا۔

**الجواب۔** میت کی طرف سے خیرات کی جائے تو اس کا ثواب میت کو بلا شبہ پہنچتا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے وعن عائشۃ ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان امی افتلتت نفسها واراها لو تکلمت تصدقت فهل لها اجر ان تصدقت عنها قال نعم[2] اور قرآن خوانی اور ختم خوانی جس طریقہ پر فی زماننا رائج

---

[1] کہہ ان کے لئے درستی بہتر ہے اگر تم ان کو اپنے ساتھ ملاؤ تو وہ تمہارے دین کے بھائی ہیں اور اللہ تعالے فسادی اور مصلح میں خوب امتیاز کر سکتے ہیں اگر اللہ تعالے چاہتے تو تم کو مشقت میں ڈال دیتے اور اللہ تعالے غالب حکمت والے ہیں [2] ایک آدمی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میری ماں ناگہانی طور پر فوت ہوگئی ہے میرا خیال ہے اگر اسے بولنے کی مہلت ملتی تو صدقہ کے متعلق حکم

ہے سو یہ طریقہ بالکل بے اصل اور محدث ہے اور اس کے علاوہ قرات قران کے ثواب پہنچنے اور نہ پہنچنے میں اختلاف ہے امام احمد بن حنبل اور ایک جماعت علما کے نزدیک قرادت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور امام شافعی کا مشہور مذہب یہ ہے کہ نہیں پہنچتا ہے واللہ تعالے اعلم حررہ عبد الوہاب عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

**سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید کی زوجہ جمیلہ نے بحکم خدا اس جہان فانی سے انتقال کیا اور زید واسطے ثواب کے قرآن شریف پڑھوا کر دعا مغفرت متوفیہ کی کرے یا پسر جمیلہ متوفیہ کا قرآن شریف پڑھ کر یا حافظ سے پڑھوا کر دعا مغفرت متوفیہ کی کرے تو ثواب قرآن شریف کا مرحومہ کو اللہ تعالی دے گا یا نہیں اور کسی قدر فایدہ قرآن شریف کا میت کو پہنچے گا یا نہیں اور پڑھنا قرآن شریف کا واسطے ثواب میت کے جائز ہے یا نہیں اس کا جواب قرآن شریف یا حدیث شریف سے ملنا چاہیے اس کا اجر اللہ تعالے دیوے گا۔

**الجواب**۔ درصورت مرقومہ واضح ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ میں قرآن مجید پڑھ کر میت کو بخشنے کا دستور و رواج نہیں پایا گیا حدیث صحیح سے۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ میں ائمہ دین کا اختلاف ہے امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک ثواب عبادات بدنیہ کا مثل قرادت قرآن شریف و نماز روزہ وغیرہ پہنچتا ہے اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور جمہور علمار کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے اور اجرت دے کر قرآن شریف پڑھوانا کسی کے نزدیک درست نہیں۔ جیسا کہ شامی حاشیہ درمختار وغیرہ میں مذکور ہے ہاں اگر اولاد یا اور کوئی شخص بلا اجرت پڑھ کر ثواب بخشے تو نزدیک امام اعظم وغیرہ کے روا ہو گا اور دعا کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے اور ثواب عبادات مالیہ کا بھی بالاتفاق پہنچتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

**سوال**۔ قبر پر کسی کے قرآن شریف ختم کرنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ تلاوت قرآن مجید فی نفسہ عبادت ہے اور قبور محل عبادت

---

دیتی۔ اگر میں اس کی طرف سے کچھ صدقہ کر دوں تو ٹھیک ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

نہیں ہے تو تلاوت وختم قرآن قبر پر یعنی حول قبر بیٹھ کر مکروہ و بدعت ہوگا بدلیل اس حدیث کے بنابراس کے ادائے نماز قبرستان میں مکروہ تحریمی یا حرام عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال اجعلوا فی بیوتکم من صلوتکم ولا تتخذ واھا قبورا ان القبور لیست محل للعبادۃ فیکون الصلوۃ فیھا مکروھۃ اور زمانہ قرون ثلاثہ میں ختم قرآن شریف کا مقابر میں منقول وماثور نہیں ہوا لہذا صاحب قاموس سفر السعادت میں لکھتا ہے عادت نبود کہ برائے میت درغیر وقت نماز جمع شوند و قرآن خوانند وختمات خوانند نہ برسرگور نہ غیر آن این مجموع بدعت است انتہی کلامہ و شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں وعادت نبود کہ برائے میت جمع شوند وقرآن خوانند وختمات خوانند نہ برسرگور نہ غیر آن این مجموع بدعت است وشیخ علی متقی استاد شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے رسالہ رد بدعات میں لکھا ہے الاول الاجتماع للقرءۃ بالقرآن علی المیت بالتخصیص فی المقبرۃ او المسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ انتہی کما فی نصاب الاحتساب فی الجملۃ قرآن شریف قبر پر بیٹھ کر ختم کرنا اور پڑھنا قرون ثلثہ میں نہیں پایا گیا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم انتہی ما فی الصحاح مختصراً وما علینا الا البلاغ۔

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون ۔ وسلام علے المرسلین والحمد للہ رب العالمین

| طالب حسنین سید محمد نذیر حسین | زشرف سید کونین شد شریف حسین |
| --- | --- |

الجواب صحیح وخلاف قبیح | محمد عبدالحلیم | محمد حفیظ اللہ |

محمد یوسف جواب مجیب صحیح ہے جو اس پر بھی نہ سمجھے تو جہل ہے خدا نے مہر ہے دل پر لگائی

| محمد غلام اکبر خاں سنی محمدی | بست منصور علی از احمد |
| --- | --- |

بسم اللہ الرحمن الرحیم ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم محمد حسن قادری دغفوری

محمد صدیق

**سوال۔** مردہ کے واسطے ختم قرآن پڑھ کر بخشنا جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب۔** اس بارے میں علما کا اختلاف ہے کہ قرات قرآن کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں علماء حنفیہ کے نزدیک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اور بعض اصحاب شافعی کے نزدیک پہنچتا ہے اور اکثر علما شافعیہ کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے اور امام شافعی کا مشہور مذہب یہی ہے کہ نہیں پہنچتا ہے پس جن لوگوں کے نزدیک پہنچتا ہے ان کے نزدیک مردہ کے واسطے ختم قرآن پڑھ کر بخشنا جائز ہے اور جن کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے ان کے نزدیک نہیں جائز ہے شرح کنز میں ہے ان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوۃ کان او صوما او حجا او صدقۃ او قراءۃ قرآن او غیر ذلک من جمیع انواع البر ویصل ذلک الی المیت وینفعہ عند اھل السنۃ۔ امام نووی شرح مقدمہ مسلم میں لکھتے ہیں واما قراءۃ القرآن فالمشہور من مذھب الشافعی انہ لا یصل ثوابھا الی المیت وقال بعض اصحابہ یصل الی المیت وثواب جمیع العبادات من الصلوۃ والصوم والقراءۃ وغیر ذلک اور اذکار میں لکھتے ہیں۔ وذھب احمد بن حنبل وجماعۃ من العلماء وجماعۃ من اصحاب الشافعی الی انہ یصل۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ علی محمد عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**ہوالموفق۔** متاخرین علمائے اہل حدیث سے علامہ محمد بن اسمٰعیل امیر رحمۃ اللہ علیہ نے سبل السلام میں مسلک حنفیہ کو اسنح دلیلاً بتایا ہے یعنی یہ کہا ہے کہ قرات قرآن اور تمام عبادات بدنیہ کا ثواب میت کو پہنچنا از روئے دلیل کے زیادہ قوی ہے اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نیل الاوطار میں اسی کو حق کہا ہے مگر اولاد کے

---

لہ انسان کو حق پہنچتا ہے کہ اپنے کسی عمل کا ثواب کسی اور آدمی کو بخش دے نماز ہو یا روزہ حج ہو یا صدقہ یا قرآن مجید کی تلاوت تا کوئی اور عمل نیک اور اس کا ثواب اہل سنت کے نزدیک میت کو پہنچتا ہے

ٹ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن کی تلاوت کا ثواب نہیں پہنچتا البتہ بعض شوافع تلاوت اور دوسرے نیک اعمال کے ثواب پہنچنے کے قائل ہیں

تے امام احمد بن حنبل اور علماء کی ایک جماعت اور بعض شوافع کے نزدیک تلاوت اور دوسرے نیک اعمال کے ثواب پہنچنے کے قائل ہیں۔

ساتھ خاص کیا ہے یعنی یہ کہا ہے کہ اولاد اپنے والدین کے لئے قرارت قرآن یا جس عبادت بدنی کا ثواب پہنچانا چاہے تو جائز ہے کیونکہ اولاد کا تمام عمل خیر مالی ہو خواہ بدنی اور بدنی میں قراءت قرآن ہو یا نماز یا روزہ یا کچھ اور سب والدین کو پہنچتا ہے ان دونوں علامہ کی عبارتوں کو مع ترجمہ یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے سبل السلام شرح بلوغ المرام جلد اول صفحہ ۲۰۶ میں ہے ان ھذہ الادعیۃ و نحوھا نافعۃ للمیت بلا خلاف واما غیرھا من قراءۃ القرآن لہ فالشافعی یقول لا یصل ذلک الیہ وذھب احمد وجماعۃ من العلماء الی وصول ذلک الیہ وذھب جماعۃ من اھل السنۃ والحنفیۃ الی ان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوۃ کان او صوما او حجا او صدقۃ او قراءۃ قرآن او ذکرا او ای نوع من انواع القرب وھذا ھو القول الارجح دلیلا وقد اخرج الدارقطنی ان رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کیف یبر ابویہ بعد موتہما ناجابہ بانہ یصلی لہما مع صلوتہ ویصوم لہما مع صیامہ واخرج ابوداؤد من حدیث معقل بن یسار عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرؤا علی موتاکم سورۃ یس وھو شامل للمیت بل ھو الحقیقۃ فیہ واخرج الشیخان انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یضحی عن نفسہ بکبش وعن امتہ بکبش وفیہ اشارۃ الی ان الانسان ینفعہ عمل غیرہ وقد بسطنا الکلام فی حواشی ضوء النہار بما یتضح منہ قوۃ ھذا المذھب انتہی۔ یعنی یہ زیارت قبر کی دعائیں اور مثل ان کے اور دعائیں میت کو نافع ہیں بلا اختلاف اور میت کے لئے قرآن پڑھنا سو امام شافعی کہتے ہیں کہ اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے اور امام احمد اور علما کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ قرآن پڑھنے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور علمائے اہل سنت سے ایک جماعت کا اور حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ انسان کو جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو بخشے خواہ نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا قرأت قرآن یا کوئی ذکر یا کسی قسم کی کوئی اور عبادت اور یہی قول دلیل کی رو سے زیادہ راجح ہے اور دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ ان کے مرنے کے بعد کیونکر نیکی و احسان کرے آپ نے فرمایا اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لئے نماز پڑھے اور اپنے روزہ

کے ساتھ ان دونوں کے لئے روزہ رکھے اور ابوداؤد میں معقل ابن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں پر سورۃ یٰسں پڑھو اور یہ حکم میت کو بھی شامل ہے بلکہ حقیقتہً میت ہی کے لئے ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھیڑ اپنی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ایک اپنی امت کی طرف سے اور اس میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ آدمی کو غیر کا عمل نفع دیتا ہے اور ہم نے حواشی ضوء النہار میں اس مسئلہ پر مبسوط کلام کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہی مذہب قوی ہے نیل الاوطار میں ہے صفحہ ۲۵۳ جلد ۳

والحق انہ یخصص عموم الآیۃ بالصدقۃ من الولد کما فی احادیث الباب وبالحج من الولد کما فی خبر الخثعمیۃ ومن غیر الولد ایضا کما فی حدیث المحرم عن اخیہ شبرمۃ ولم یستفصلہ صلے اللہ علیہ وسلم ہل اوصی شبرمۃ ام لا وبالعتق من الولد کما وقع فی البخاری فی حدیث سعد خلافا للمالکیۃ علی المشہور عندہم وبالصلوۃ من الولد ایضا لما روی الدارقطنی ان رجلا قال یارسول اللہ انہ کان لی ابوان ابرہما فی حال حیاتہما فکیف لی ببرہما بعد موتہما فقال صلی اللہ علیہ وسلم ان من البر بعد البر ان تصلی لہما مع صلوتک وان تصوم لہما مع صیامک وبالصیام من الولد لہذا الحدیث ولحدیث ابن عباس عند البخاری ومسلم ان امرأۃ قالت یارسول اللہ ان امی ماتت وعلیہا صوم نذر فقال ارأیت لو کان دین علی امک فقضیتہ اکان یؤدی عنہا قالت نعم قال فصومی عن امک واخرج مسلم وابوداؤد والترمذی من حدیث بریدۃ ان امرأۃ قالت انہ کان علی امی صوم شہر فاصوم عنہا قال صومی عنہا ومن غیر الولد ایضا لحدیث من مات وعلیہ صیام صام عنہ ولیہ متفق علیہ وبقراءۃ یٰس من الولد وغیرہ لحدیث اقرؤا علی موتاکم یٰس وبالدعاء من الولد لحدیث او ولد صالح یدعو لہ ومن غیرہ لحدیث استغفروا لاخیکم وسلوا لہ التثبیت ولقولہ تعالی والذین جاؤا من بعدہم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولما ثبت من الدعاء للمیت عند الزیارۃ وبجمیع ما یفعلہ الولد لوالدیہ من اعمال البر لحدیث ولد الانسان من سعیہ انتہی۔ حاصل اور

خلاصہ ترجمہ اس عبارت کا بقدر ضرورت یہ ہے کہ حق یہ ہے کہ آیۃ وان لیس للانسان الاما سعی اپنے عموم پر نہیں ہے اور اس کے عموم سے اولاد کا صدقہ خارج ہے یعنی اولاد اپنے مرے ہوئے والدین کے لئے جو صدقہ کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اور اولاد اور غیر اولاد کا حج بھی خارج ہے اس واسطے کہ خثعمیہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد جو اپنے والدین کے لئے حج کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اور شبرمہ کے بھائی کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حج کا ثواب میت کو غیر اولاد کی طرف سے بھی پہنچتا ہے اور اولاد جو اپنے والدین کے لئے غلام آزاد کرے تو اس کا بھی ثواب والدین کو پہنچتا ہے جیسا کہ بخاری میں سعد کی حدیث سے ثابت ہے اور اولاد جو اپنے والدین کے لئے نماز پڑھے یا روزہ رکھے سو اس کا بھی ثواب والدین کو پہنچتا ہے اس واسطے کہ دار قطنی میں ہے کہ ایک مرد نے کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ تھے ان کی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی واحسان کرتا تھا پس ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیونکر نیکی کروں آپ نے فرمایا نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لئے بھی نماز پڑھ اور اپنے روزہ کے ساتھ اپنے والدین کے لئے بھی روزہ رکھ اور صحیحین میں ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میری ماں مرگئی اور اس کے ذمہ نذر کے روزے تھے آپ نے فرمایا بتا اگر تیری ماں کے ذمہ قرض ہوتا اور اس کی طرف سے تو ادا کرتی تو ادا ہو جاتا یا نہیں اس نے کہا ہاں ادا ہو جاتا آپ نے فرمایا روزہ رکھ اپنی ماں کی طرف سے اور صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک عورت نے کہا کہ میری ماں کے ذمہ ایک مہینہ کے روزے ہیں تو کیا میں اس کی طرف سے روزہ رکھوں آپ نے فرمایا اپنی ماں کی طرف سے روزہ رکھ اور غیر اولاد کے روزہ کا بھی ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے کہ جو شخص مرجائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے اور سورہ یٰس کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے اولاد کی طرف سے بھی اور غیر اولاد کی طرف سے بھی اس واسطے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنے مردوں پر سورہ یٰس پڑھو اور دعا کا نفع بھی میت کو پہنچتا ہے اولاد دعا کرے یا کوئی اور۔ اور جو جو کار خیر اولاد اپنے

والدین کے لئے کرے سب کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ انسان کی اولاد اس کی سعی سے ہے جب علامہ شوکانی اور محمد بن اسمٰعیل امیر کی تحقیق ایصال ثواب قراءت قرآن وعبادات بدنیہ کے متعلق سن چکے تو اب آخر میں علامہ ابن النحوی کی تحقیق بھی سن لینا خالی از فائدہ نہیں آپ شرح المنہاج میں فرماتے ہیں لایصل عندنا ثواب القراءة علی المشهور والمختار الوصول اذا سأل الله ایصال ثواب قراءته وینبغی الجزم به لانه دعاء فاذا جاز الدعاء للمیت بما لیس للداعی فلان یجوز بما هو له اولی ویبقی الامر فیه موقوفا علی استجابة الدعاء وهذا المعنی لا یختص بالقراءة بل یجری فی سائر الاعمال والظاهر ان الدعاء متفق علیه انه ینفع المیت والحی القریب والبعید بوصیة وغیرها وعلی ذلک احادیث کثیرة بل کان افضل ان یدعو لاخیه بظهر الغیب۔ انتهی لذکوکانی نیل الاوطار۔ یعنی ہمارے نزدیک مشہور قول پر قراءت قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے اور مختار یہ ہے کہ پہنچتا ہے جب کہ اللہ تعالے سے قراءت قرآن کے ثواب پہنچنے کا سوال کرے (یعنی قرآن پڑھ کر دعا کرے اور یہ سوال کرے کہ یا اللہ اس قراءت کا ثواب فلاں میت کو تو پہنچا دے) اور دعا کے قبول ہونے پر امر موقوف رہے گا (یعنی اگر دعا اس کی قبول ہوئی تو قراءت کا ثواب میت کو پہنچے گا اور اگر دعا قبول نہ ہوئی تو نہیں پہنچے گا) اور اس طرح پر قراءت کے ثواب پہنچنے کا جزم کرنا لائق ہے اس واسطے کہ یہ دعا ہے پس جب کہ میت کے لئے ایسی چیز کی دعا کرنا جائز ہے جو داعی کے اختیار میں نہیں ہے تو اس کے لئے ایسی چیز کی دعا کرنا بدرجہ اولے جائز ہوگا جو داعی کے اختیار میں ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ دعا کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے اور زندہ کو بھی پہنچتا ہے نزدیک ہو خواہ دور ہو اور اس بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں بلکہ افضل یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لئے غائبانہ دعا کرے۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ میت کے واسطے بطریق صدقہ بلاتعین ایام جو کھانا کھلایا جاوے اس میں کچھ ثواب نہیں ہے کیونکہ اس کا حکم حدیث میں نہیں ہے عمرو کہتا ہے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں صاف آچکا ہے

کہ صدقہ سے البتہ میت کو ثواب ہے افلھا اجران تصدقت عنھا قال نعم۔ کھانا کھلانے کا صدقہ کی قسم سے ہونا احادیث سے ظاہر ہے انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الصدقۃ ان تشبع کبدا جائعا رواہ البیھقی (مشکوٰۃ شریف) اور جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں بحوالہ طبرانی اس طرح ذکر کیا ہے افلھا اجران تصدقت عنھا قال نعم ولو بکراع شاۃ محرق پس سوال یہ ہے کہ عمرو کا یہ قول کہ جو کھانا کہ بلا تعیین ایام بطریق صدقہ کھلایا جاتا ہے اس میں میت کو ثواب ہے حق ہے یا زید کا یہ قول کہ اس میں ثواب نہیں ہے حق ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ عمرو کا قول حق ہے۔ بے شک میت کے واسطے جو کھانا بلا تعیین ایام و بلا آمیزش کسی بدعت کے بطور صدقہ کے فقراء و مساکین کو کھلایا جائے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے کیونکہ میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا ثواب میت کو بلا شبہ پہنچتا ہے اور میت کے واسطے فقراء و مساکین کو کھانا کھلانا بھی میت کی طرف سے صدقہ کرنا ہے لہٰذا اس کا بھی ثواب میت کو پہنچے گا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ العبد العاجز عین الدین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

**سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اولیاء اللہ کی قبر پر اس غرض سے قرآن پڑھنا کہ وہاں پر ان کی دعا کی برکت سے یاد ہو جاوے گا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔



**الجواب**۔ قرات قرآن عند القبر مکروہ ہے ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں ثم القراءۃ مکروھۃ عند ابی حنیفۃ ومالک واحمد وفی روایۃ انہ محدث لم یرد بہ السنۃ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب حررہ عبد الرحیم اعظم گڈھی

---

[1] اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا اس کو کوئی ثواب پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

[2] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو کسی بھوکے آدمی کو کھانا کھلا دے۔

[3] اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا اس کو اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ بکری کی جلی ہوئی کھری ہی کیوں نہ ہو۔ [4] قبر پر قرآن پڑھنا امام ابو حنیفہ۔ مالک اور امام احمد کے نزدیک مکروہ ہے اور ایک روایت میں اس کو بدعت کہا ہے کیونکہ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

کوپوی ۴ ربیع الاول ۔ سنہ ۱۳۱۷ ہجری

سید محمد نذیر حسین

تمت

الحمد للہ کہ فتاوی نذیریہ کی پہلی جلد ختم ہوئی